بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

ترجمہ: اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے

تو کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا؟

معالم العرفان

جلد

فی دروس القرآن

افادات

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی

[خطیب جامع مسجد نور

بانی مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ]

مرتب

الحاج لعل دین ایم اے (علوم اسلامیہ)

ناشر

مکتبہ دروس القرآن

فاروق گنج ○ گوجرانوالہ

روزانہ درسِ قرآن

تفسیر

سُورۃ صٓ ——— (مکمّل)
سُورۃ الزّمر ——— (مکمّل)
سُورۃ المؤمن ——— (مکمّل)
سُورۃ حٰمٓ السّجدۃ ——— (مکمّل)
سُورۃ الشّوریٰ ——— (مکمّل)
سُورۃ الزّخرف ——— (مکمّل)
سُورۃ الدّخان ——— (مکمّل)
سُورۃ الجاثیۃ ——— (مکمّل)
سُورۃ الاحقاف ——— (مکمّل)

افادات
حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دام مجدہم
خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ پاکستان

پندرھواں ایڈیشن

نام کتاب .... معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۃ ص تا سورۃ الاحقاف) جلد ۱۶

افادات .... حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ

مرتب .... الحاج لعل دین۔ ایم اے (علوم اسلامیہ) شالامار ٹاؤن لاہور

تعداد طباعت .... پانچ سو (۵۰۰)

سرورق .... سید الخطاطین حضرت شاہ نفیس الحسینی رحمہ اللہ

کتابت .... محمد امان اللہ قادری، گوجرانوالہ

ناشر .... مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

قیمت .... ۳۰۰/- (تین سو روپے)

تاریخ طبع پندرھواں ایڈیشن ..... محرم الحرام ۱۴۳۲ھ بمطابق دسمبر ۲۰۱۰ء

ملنے کے پتے

(۱) کتب خانہ صفدریہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

(۲) مکتبہ دروس القرآن، محلہ فاروق گنج گوجرانوالہ (۳) کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی

(۴) مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر اردو بازار لاہور (۵) کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

(۶) مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ لاہور (۷) مکتبہ حلیمیہ نزد جامعہ بنوریہ سائٹ نمبر ۶ کراچی

(۸) مکتبہ سید احمد شہیدؒ، اردو بازار، لاہور (۹) اسلامیہ کتب خانہ اڈا کامی، ایبٹ آباد

(۱۰) مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ (۱۱) مکتبہ العلم ۱۸ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین معالم العرفان فی دروس القرآن جلد ۱۶

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۔ اَمَّا بَعْدُ

تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن کی سولھویں جلد پونے تین پاروں پر مشتمل ہے۔ اس میں سورۃ ص، سورۃ زمر، سورۃ مؤمن، سورۃ حٰم السجدۃ، سورۃ شوریٰ، سورۃ زخرف، سورۃ دخان، سورۃ جاثیہ اور سورۃ احقاف، ان نو سورتوں کی تفسیر و تشریح درج ہے۔ اس جلد میں بھی حسب سابق قرآن و سنت خلفائے راشدینؓ صحابہ کرامؓ تابعینؒ، ائمہ دینؒ، سلف صالحینؒ اور بزرگان دین کے طرز پر نہایت آسان زبان میں قرآن کریم کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ خصوصاً امام ولی اللہ محدث دہلویؒ کی غامض پیچیدہ اور دقیق علمی اصطلاحات کو بڑے احسن پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے جس سے ہر خاص و عام بخوبی استفادہ کر سکتا ہے۔

سورۃ ص | سورۃ ص میں قرآن کریم کی صداقت و حقانیت، حضرت داؤد علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش، ابراہیم، اسحٰق، یعقوب، اسماعیل، الیسع اور ذالکفل علیہم السلام کا تذکرہ، اہل جنت کے انعامات اور جہنمیوں کی سزا، توحید باری تعالیٰ اور شیطان کے تکبر و غرور کا تذکرہ اور اس کی تفصیلات مذکور ہیں جن کی تشریح کے ضمن میں بہت سے بنیادی عقائد اور مسائل کا تذکرہ بھی آگیا ہے۔ عصمت انبیاءؑ کے سیر حاصل مباحث اور اس سلسلہ میں پیدا کردہ شکوک و شبہات کا تشفی بخش ازالہ اس جلد کا طرۂ امتیاز ہے۔

سورۃ زمر | سورۃ زمر میں نزول قرآن، دین خالص، تخلیق ارض و سما، تخلیق انسانی، توحید باری تعالیٰ، عبادت الٰہی کی دعوت اور طاغوت سے اجتناب۔ افترا علی اللہ سے گریز۔ موت و حیات کا اختیار بدست خدا، رحمت ایزدی سے مایوسی کی ممانعت، نفخ صور، جہنمی اور جنتی گروہوں کا تذکرہ اور ان کی تشریح موجود ہے اس سورۃ میں زیادہ تر بنیادی عقائد کا تذکرہ ہے

اس لیے اس سورۃ کو اس کے مابعد آمدہ، حوامیم سبعہ کی تمہید بھی کہا جاسکتا ہے

حوامیم سبعہ سورۃ مؤمن، سورۃ حٰمٓ السجدۃ، سورۃ شوریٰ، سورۃ زخرف ، سورۃ دخان، سورۃ جاثیہ اور سورۃ احقاف کو حوامیم سبعہ کہا جاتا ہے۔ ان سورتوں کو حوامیم سبعہ اس لیے کہتے ہیں کہ ان کی تعداد سات ہے اور یہ سب کی سب لفظ مقطعہ حٰمٓ سے شروع ہوتی ہیں۔ یہ سات سورتیں لباب القرآن یعنی قرآنِ کریم کا لبِ لباب، نچوڑ اور خلاصہ ہیں ان میں زیادہ تر بنیادی عقائد توحید، رسالت، معاد، جزائے عمل، جنت، دوزخ وغیرہ کے تذکرہ کے ضمن میں بڑے بڑے قیمتی نکات بیان کیے گئے ہیں۔ تذکرہ انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ میں احادیثِ صحیحہ اور معتبر تاریخی حوالہ جات، اکابر و اسلاف خصوصاً علماءِ حق علمائے دیوبند کی قربانیوں اور ان کے کارہائے نمایاں کا تذکرہ بھی ان سورتوں کی تفسیر میں بعض مقامات پر آگیا ہے اس جلد کی اشاعت کے بعد غالب امکان یہ ہے کہ مزید چار جلدوں[1] میں دروس القرآن کا یہ سلسلہ پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔ اس جلد کی پروف ریڈنگ میں احقر کے ساتھ حافظ محمد اشرف یاسین گجراتی نے حصہ لیا اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے نوازے۔

قارئین کرام سے گذارش ہے کہ وہ دروس القرآن کی تکمیل کے سلسلہ میں خصوصی دعا فرمائیں کہ اللہ رب العزت اسے جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچائے اور اس کی اشاعت میں حصہ لینے والے جملہ احباب کے تعاون اور کوششوں کو قبول و منظور فرمائے اور ہم سب کے لیے باعثِ نجات بنائے۔ آمین یارب العلمین۔

از احقر :- **محمد فیاض خان سواتی**

مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم جامع مسجد نور گوجرانوالہ

۳ رشوال ۱۴۱۵ھ بمطابق ۵ رمارچ ۱۹۹۵ء

---

[1] یہ تفسیر مکمل بیس جلدوں میں شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہے (فیاض)

سُورَةُ

صٓ

مكّيّة

ومالی ۲۳ | صٓ ۳۸
درس اول ۱ | آیت ۱ تا ۷

سُورَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٍ وَّثَمَانُونَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوعَاتٍ
سورۃ صٓ مکی ہے یہ اٹھاسی آیتیں ہیں اور اس کے پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو نہایت بخشش کرنے والا اور بڑا مہربان ہے

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ﴿۱﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
فِیْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ ﴿۲﴾ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ
مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ﴿۳﴾
وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ
الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۴﴾ اَجَعَلَ
الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ
عُجَابٌ ﴿۵﴾ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا
وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ
يُّرَادُ ﴿۶﴾ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ
اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ﴿۷﴾

ترجمہ :- صٓ ، قسم ہے نصیحت والے قرآن کی ﴿۱﴾
بلکہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ تکبر اور مخالفت میں

پڑے ہوئے ہیں (۲) ہم نے اُن سے پہلے بہت
سی قومیں ہلاک کیں ، پس پکارا انہوں نے اور نہ رہا
وقت خلاصی کا (۳) اور تعجب کیا انہوں نے (اس بات
پر) کہ آیا ہے اُن کے پاس ایک ڈر سنانے والا انہی
میں سے ، اور کہا کفر کرنے والوں نے کہ یہ جادوگر
اور جھوٹا ہے (۴) کیا کر دیا ہے اس نے تمام معبودوں
کو ایک ہی معبود ۔ بیشک یہ ایک عجیب چیز
ہے (۵) اور چل کھڑا ہوا ایک گروہ اُن میں سے
(اور کہنے لگا) چلو اور جمے رہو اپنے معبودوں پر ۔
بیشک یہ ایک چیز ہے جس میں کوئی غرض ہے (۶)
نہیں سُنا ہم نے اس بات کو پچھلے دین میں ۔ نہیں
ہے یہ مگر گھڑی ہوئی چیز (۷)

نام اور کوائف

اِس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ صٓ ہے جو کہ اِس کے پہلے حرف سے ماخوذ ہے ۔ یہ مکی سورۃ ہے ۔ مفسرین[۱] فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ نبوت کے چوتھے یا دسویں سال میں نازل ہوئی اور اس طرح یہ سورۃ گویا ابتدائی سورتوں میں سے ہے ۔ اس سورۃ مبارکہ کی اٹھاسی[۸۸] آیات اور پانچ رکوع ہیں ، اور یہ سورۃ ۷۳۱ الفاظ اور ۳۶۶۰ حروف پر مشتمل ہے ۔

مضامین سورۃ

مکی سورۃ ہونے کے ناطے سے اس میں بھی زیادہ تر بنیادی مضامین یعنی توحید ، رسالت ، معاد اور قرآن پاک کی حقانیت و صداقت ہی بیان ہوئے ہیں ۔ اثبات توحید کے سلسلے میں گذشتہ سورۃ کی ابتدا میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا تھا کہ اِنَّ اِلٰھَکُمْ لَوَاحِدٌ یعنی تمہارا معبودِ برحق

۱ۓ

صرف ایک ہی ہے۔ اور اس سورۃ کی ابتداء میں کفار کے تعجب کو اس طرح بیان کیا گیا ہے اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا کیا اس شخص نے تمام معبودوں کو ایک ہی معبود کر دیا ہے؟

اس سورۃ مبارکہ میں مسئلہ رسالت پر خاص طور پہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور تکذیب رسالت کو مہلک قرار دیا گیا ہے۔ تاریخ رسالت کے ضمن میں بعض انبیاء مثلاً حضرت ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، الیسع، ذوالکفل، داؤد، اور سلیمان علیہم السلام کا ذکر آیا ہے۔ ان میں سے بعض کا ذکر مقام شکر کے طور پر اور بعض کا صبر و ابتلا کے مقام میں ذکر ہوا ہے۔ اس سورۃ میں شیاطین اور جنات کا ذکر بھی آیا ہے اور ابلیس کی سرکشی اور نافرمانی کا تذکرہ بھی ہے۔ فرشتوں کی بلند ترین جماعت ملاء اعلیٰ کا ذکر بھی اس سورۃ میں کیا گیا ہے اللہ سے ڈرنے والوں اور مجرم لوگوں کے انجام کا ذکر کیا گیا ہے اور معاند لوگوں کے شکوک و شبہات کا تدارک ہے، حضور علیہ السلام کے لیے تسلی کا مضمون بھی اس سورۃ کا حصہ ہے۔

شانِ نزول

ترمذی اور مستدرک حاکم وغیرہ میں یہ صحیح حدیث[1] موجود ہے کہ حضرت علیؓ کے والد اور حضور علیہ السلام کے چچا ابو طالب حضور علیہ السلام کے بڑے خیر خواہ اور ہمدرد تھے مگر آخر دم تک ایمان قبول نہیں کیا۔ جب ابو طالب بیمار ہوئے، تو سردارانِ قریش مع ابو جہل اُن کے پاس آئے اس وقت حضور علیہ السلام بھی اپنے چچا کے پاس موجود تھے۔ سردارانِ قریش نے ابو طالب سے شکوہ کیا کہ آپ کا بھتیجا ہمارے بتوں کی مذمت کرتا ہے۔ لہٰذا آپ اسے سمجھائیں کہ یہ ہمارے جذبات کو مجروح نہ کیا کرے۔ اس پر ابو طالب نے حضور علیہ السلام سے استفسار کیا یَابْنَ اَخِیْ مَاتُرِیْدُ مِنْ قَوْمِ اے میرے بھتیجے! تم قوم سے کیا چاہتے ہو۔ قَالَ اُرِیْدُ كَلِمَةً تَدِیْنُ بِهَا لَهُمُ الْعَرَبُ

---

[1] ترمذی ص ومستدرک حاکم ص

وَتُؤَدِّیْ اِلَیْھِمُ الْعَجَمُ الْجِزْیَۃَ آپ نے فرمایا، میں ان سے صرف ایک کلمہ چاہتا ہوں، اگر یہ اس کو تسلیم کر لیں تو پورا عرب ان کے تابع ہو جائے گا اور عجم کے لوگ ان کو جزیہ ادا کرنے لگیں گے یعنی اس ایک کلمہ کو اپنا لینے سے ان کی کایا پلٹ جائیگی۔ ابوطالب نے نہایت تعجب سے پوچھا، کیا صرف ایک کلمہ کی وجہ سے؟ فرمایا، ہاں۔ یَا عَمِّ قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اے چچا! تم سب کہدو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، یہی وہ عظیم کلمہ ہے جس کی وجہ سے عرب و عجم تمہارے سامنے سرنگوں ہو جائیں گے، اس موقع پر وہ سب کہنے لگے اِلٰہٌ وَّاحِدٌ مَا سَمِعْنَا بِھٰذَا فِی الْمِلَّۃِ الْاٰخِرَۃِ کیا صرف ایک معبود؟ ہم نے تو یہ بات اپنے آباؤ اجداد سے کبھی نہیں سنی۔ کہنے لگے اِنْ ھٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ یہ تو من گھڑت بات معلوم ہوتی ہے، اور پھر یہ کہہ کر وہاں سے چل دیے اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ نازل فرما کر کفر و شرک کا رد اور کفار و مشرکین کی مذمت بیان کر دی۔

حروف مقطعات

اس سورۃ کی ابتدا حروف مقطع صٓ سے ہوئی ہے۔ مختلف سورتوں کی ابتدا میں آنے والے حروف مقطعات کے متعلق اپنے اپنے مقام پہ کچھ تشریح کر دی گئی ہے اور لوگوں کی تقریب فہم کے لیے مفسرین کے بیان کردہ بعض معانی بھی بیان کیے جا چکے ہیں۔ تاہم سلامتی والا راستہ وہی ہے جو امام جلال الدین سیوطیؒ[1] اور بعض دیگر مفسرین کرام نے اختیار کیا ہے کہ ان حروف کے متعلق یہی عقیدہ رکھنا چاہیے اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ بِذٰلِکَ اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا یعنی ان حروف کی حقیقی مراد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور اس کی ان حروف سے جو بھی مراد ہے ہم اس پہ ایمان لاتے ہیں۔ اور

---

[1] جلالین ص۴

اُس کی تصدیق کرتے ہیں۔

جب کسی کو یہ کہا جائے کہ قرآنِ پاک میں بعض ایسے حروف بھی موجود ہیں جن کا مفہوم واضح نہیں ہے یا وہ سمجھ میں نہیں آسکتا تو یہ چیز بعض ناپختہ اذہان کے لیے شک و تردد کا باعث بنتی ہے۔ چنانچہ مفسرین کرام نے ایسے لوگوں کے اذہان کو ان حروف سے قریب تر کرنے کے لیے ان کے بعض معانی بیان کیے ہیں۔ یہ معانی اگرچہ قطعی اور یقینی نہیں ہیں۔ تاہم چونکہ صحابہ کرام میں سے حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ سے بھی کچھ وضاحت منقول ہے، لہٰذا بعد کے مفسرین نے بھی لوگوں کے تقریبِ فہم کے لیے کچھ معانی بیان کیے ہیں۔

بعض مفسرین[1] فرماتے ہیں کہ ص سورۃ کا نام ہے اور ظاہر ہے کہ یہ سورۃ اسی نام سے موسوم ہے۔ تاہم بعض مفسرین[2] فرماتے ہیں کہ حرف ص اللہ تعالیٰ کے کسی ایسے اسمِ پاک کی طرف اشارہ ہے جس میں حرف ص آتا ہے جیسے صمد۔ اس سورۃ مبارکہ میں توحیدِ خداوندی کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے گویا یہ خدا تعالیٰ کی صمدیت کا ذکر ہے۔ شیخ سعدیؒ نے بوستان میں کہا[3] ہے ؎

دل اندر صمد باید اے دوست بست
کہ عاجز تر است از صنم ہر کہ ہست

اے دوست! صرف صمد کی ذات میں دل لگانا چاہیئے کیونکہ اس کے سوا تمام چیزیں صنم سے بھی زیادہ عاجز ہیں، اگر کوئی مختارِ مطلق، قادرِ مطلق، ہمہ دان، اور ہمہ بین ہستی ہے تو وہ صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے جو صمد ہے۔

مفسرین کرام فرماتے[4] ہیں۔ کہ حرفِ ص لفظ صانع میں بھی آتا ہے،

---

[1]　　　　[2]

[3] بوستان ص　　　　[4]

اور صانع مخلوقات اللہ تعالیٰ ہے، لہذا یہ اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ صٓ سے مراد صدق بھی ہو سکتا ہے یعنی صَدَقَ اللّٰہُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہٗ جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا ہے وہ سچ ہے اس سورۃ کی پہلی آیت ہے۔ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ قسم ہے نصیحت والے قرآن کی۔ اس میں صٓ سے مراد نصیحت بھی ہو سکتی ہے، اور دوسری اس آیت میں خبر محذوف یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعویٰ رسالت میں سچے ہیں۔ قرآن بھی سراپا نصیحت ہے اور اَلدِّیْنُ اَلنَّصِیْحَۃُ[1] دین بھی نصیحت کو ہی کہا جاتا ہے، لہذا صٓ سے دین بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔

جب قرآن پڑھا جاتا تھا تو مشرک لوگ شور و غل پیدا کرنے کے لیے سیٹیاں یعنی صفیر بجایا کرتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے مشرکین کی مذمت کی طرف اشارہ ہو۔ حرفِ صٓ صد یا صارفہ میں بھی آتا ہے جس کا معنی رکاوٹ اور ہٹا دینا ہوتا ہے ممکن ہے صٓ کا اشارہ اس طرف ہو۔ صٓ کا حرف قصص میں بھی پایا جاتا ہے۔ امکان ہے کہ اس کا اشارہ اس سورۃ میں مذکور عبرت آموز واقعات کی طرف ہو۔

حرفِ صٓ کا تعلق اس سورۃ میں آمدہ بعض کلمات سے بھی ہے، لہذا ممکن ہے کہ صٓ کا اشارہ ان کلمات کی طرف ہو، مثلاً اللہ نے اِصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ (آیت۔۱۷) کہہ کر حضور علیہ السلام کو کفار و مشرکین کی ایذا رسانیوں پر صبر کی تلقین کی ہے۔ اس سورۃ میں آمدہ سَوَآءِ الصِّرَاطِ (آیت۔۲۲) یعنی سیدھے راستے کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ اس حرفِ صٓ کا اشارہ اللہ کے مخلص بندوں کی طرف بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ یہاں یہ آیت بھی ہے۔ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (۸۳) اس سورۃ مبارکہ میں نَبَؤُا الْخَصْمِ (آیت۔۲۱) کا ذکر بھی ہے جب کہ بعض آدمی جھگڑتے ہوئے داؤد علیہ السلام کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے آئے تھے۔ اس لفظ میں بھی حرف صٓ آتا ہے

[1] دارمی ص ۲۲۰ ج ۲

آیت ۵۶ میں یَصْلَوْنَهَا کا لفظ آتا ہے۔ جس میں کافروں کے جہنم میں داخلے کا ذکر ہے۔ یہاں بھی صٓ موجود ہے۔ پھر آیت نمبر ۵۲ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ کا لفظ ہے جس سے مراد نیچی نگاہیں رکھنے والی حوریں ہیں جو جنت میں حاصل ہوں گی۔ ممکن ہے یہ اُس طرف اشارہ ہو۔ آیت ۴۱ میں حضرت ایوب علیہ السلام کی دُعا کا ذکر ہے جنہوں نے اپنے رب کو پکار کر کہا کہ مجھے شیطان نے اذیت پہنچائی ہے بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ آیت ۳۷ میں غَوَّاصٍ کا لفظ آتا ہے یعنی غوطہ خور جنات سلیمان علیہ السلام کے لیے مفید چیزیں سمندر میں سے نکال کر لاتے تھے۔ داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے عمدہ گھوڑوں کا ذکر بھی آیت ۳۱ میں آیا ہے اَلصّٰفِنٰتُ الْجِیَادُ۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے فَصْلَ الْخِطَابِ کا تذکرہ آیت ۲۰ میں آیا ہے۔ اسی طرح اَصْحٰبُ الْئَیْکَةِ کا ذکر آیت ۱۳ میں ہے۔ آیت ۱۵ میں صَیْحَةً وَّاحِدَةً کا ذکر ہے کہ ایک ہی چیخ نافرمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے کافی ہے آیت ۳ میں حِیْنَ مَنَاصٍ کے الفاظ آئے ہیں جس کا معنیٰ خلاصی اور رہائی ہے یعنی جب کسی قوم پر عذاب آجاتا ہے تو پھر رہائی کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ غرضیکہ مذکورہ تمام کلمات میں حرف صٓ کی موجودگی ان کلمات کی طرف اشارہ پر دلالت کرتی ہے۔ واللہ اعلم

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کشفی اور ذوقی طریقے پر اپنی کتابوں میں بیان کرتے ہیں کہ حرف صٓ کا اشارہ انبیاء علیہم السلام کے مقامِ قدسی کی طرف ہے جو انہیں اُن کے علوم اور وجاہت کے اعتبار سے حاصل ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ ذوقی طریقے سے بیان کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کو عقلی یا نقلی دلائل سے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اللہ نے بذریعہ کشف یہ معانی

لے

آپ کے ذہن میں منکشف کر دیے ہیں۔ گویا حرف صٓ میں عالمِ بالا کے صعود، ارتفاع یا بلندی کا ذکر کیا گیا ہے، تاہم اس میں انتہائی درجے کی صفائی اور لطافت بھی شامل ہوتی ہے۔ چونکہ یہ تمام چیزیں سورۃ ہذا میں موجود ہیں۔ لہٰذا شاہ صاحب کا نظریہ یہ ہے کہ اس سورۃ کا لب لباب ایسے حروف کے ذریعے بیان کر دیا جاتا ہے۔

قرآن ذی الذکر

ارشاد ہوتا ہے وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ قسم ہے نصیحت والے قرآن کی۔ ظاہر ہے کہ قرآن سراپا نصیحت ہے۔ اس کے لیے ذکر اور تذکرہ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ ذِی الذِّكْرِ کا معنیٰ شرف والا بھی ہوتا ہے جیسے سورۃ الزخرف میں ہے وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ (آیت۔ ۴۴) بیشک یہ قرآن آپ کے اور آپ کی قوم کے لیے عزت و شرف کا باعث ہے، اس طرح آیت کا مطلب ہوگا قسم ہے شرافت والے قرآن کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن سے بڑھ کر شرافت والی کوئی دوسری چیز نہیں ہے

کفار کی بدبختی

فرمایا بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ بالکل سچ فرماتے ہیں بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ بلکہ کفر کرنے والے لوگ تکبر اور مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا قرآن کی قسم کی خبر محذوف ہے اور یہ حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی صداقت پر اللہ کی طرف سے گواہی ہے۔ عزت کا معنیٰ غلبہ ہوتا ہے۔ اور عزیز اللہ تعالیٰ کی صفت بھی ہے۔ تاہم اس آیت مبارکہ میں عزت سے مراد اکڑ اور تکبر ہے جو کہ صرف خدا تعالیٰ کو سزاوار ہے اور کسی مخلوق کے لیے روا نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کافر لوگ قرآن پاک کی ہدایت اور نصیحت کے مقابلے میں غرور و تکبر کا اظہار کرتے تھے۔ اور اسی وجہ سے وہ شقاق یعنی مخالفت میں پڑے ہوئے تھے۔

اللہ نے فرمایا کیا کفار اس معاملہ میں غور نہیں کرتے کہ کَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ ہم نے اِن سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کیا ہے انہوں نے سرکشی کی۔ اللہ کی توحید کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کو جھٹلایا۔ پھر جب ہمارا عذاب آن پہنچا فَنَادَوْا تو وہ پکارنے لگے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگے وَلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ مگر خلاصی اور رہائی کا وقت گذر چکا تھا، لہٰذا ہماری گرفت آکر رہی۔

یہاں پر آمدہ لفظ لَاتَ دراصل لَا ہی ہے اور اس میں تَ زائد ہے لَاتَ لَيْتَ کے معنی میں آیا ہے جس کا معنی نہ ہے۔ حین کا معنی وقت اور مناص کا معنی خلاصی ہے۔ مطلب یہی ہے کہ نافرمان لوگوں نے عذاب کو دیکھ کر اُس وقت چیخ و پکار کی، جب خلاصی کا وقت گذر چکا تھا۔

تکذیبِ رسالت

کفار مکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ کا نبی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے کیونکہ اس طرح اُن کی قیادت و سیادت ختم ہوتی تھی۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے نظریہ تکذیب رسالت کا ذکر کیا ہے ارشاد ہوتا ہے وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ کیا یہ لوگ اس بات پر تعجب کرتے ہیں کہ اُن کے پاس انہی میں سے ایک ڈر سنانے والا آگیا ہے۔ مکے کے بڑے بڑے رؤسا یہ ماننے کے لیے قطعاً تیار نہیں تھے کہ انہی کی برادری اور خاندان کا ایک کمزور آدمی جو انہی کی زبان بولتا ہے، نبی بن کر آجائے۔ کہتے تھے کہ یہ ہمارے ہاتھوں پیدا ہوا، پڑھا اور جوان ہوا، اور آج ہمارے ہی سامنے نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے، بھلا اس میں کون سی خوبی ہے جو ہم سے زیادہ ہے اور جس کی بنا پر اسے رسول منتخب کیا گیا ہے کہتے تھے اگر اللہ نے کسی کو نبی ہی بنانا تھا۔ تو اس منصب کے لیے ابوطالب کا یتیم بھتیجا ہی رہ گیا تھا وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف۔۳۱) کہتے تھے۔ یہ قرآن مکے

اور طائف کی بستیوں میں سے کسی بڑے سردار پر کیوں نہ نازل ہوا۔؟ فرمایا
وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ کافر کہتے تھے کہ نبوت کا دعویدار
یہ شخص جادوگر ہے اور جھوٹا ہے، العیاذ باللہ۔ یہی بات فرعون نے حضرت
موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے متعلق بھی کی تھی۔ بہرحال مشرکین مکہ نے نبی
آخر الزمان کی رسالت کا نہ صرف صاف انکار کر دیا بلکہ الٹا الزام تراشی بھی کی۔

وحدانیت پہ تعجب

ان ظالموں نے رسالت کا ہی انکار نہ کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی
بھی عجیب طریقے سے تردید کی۔ کہنے لگے اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا
وَّاحِدًا کیا اس نے سب معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود کر دیا ہے؟ کیا ہم
اتنے سارے معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک معبود کی عبادت کریں۔ اِنَّ
هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ یہ تو بڑی تعجب انگیز بات ہے جو اس سے پہلے
کسی نے نہیں کی اور نہ ہی ہم نے اپنے بڑوں سے ایسی کوئی بات سنی ہے
ہمارے آباؤ و اجداد تو مختلف معبودوں کو نذر و نیاز پیش کرتے آ رہے ہیں
ان سے مرادیں مانگتے رہے ہیں۔ ان کی مختلف حاجات مختلف معبود پوری
کرتے تھے۔ بھلا ان سب کی بجائے یہ سارے کام صرف ایک معبود کیسے
انجام دے سکے گا، یہ تو بڑی عجیب بات معلوم ہوتی ہے۔

اس قسم کی بات کرنے کے بعد وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ ان میں
میں سے ایک گروہ چل کھڑا ہوا اور کہنے لگا، اس شخص کی باتوں پر غور نہ
کرو بلکہ اَنِ امْشُوْا یہاں سے چلے آؤ وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ
اور اپنے انہی معبودوں پر جمے رہو جن کی یہ مذمت بیان کرتا ہے۔ صبر کا
معنیٰ برداشت کرنا ہوتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اپنے پرانے معبودوں کو
ہی برداشت کرو، انہی پر ٹکے رہو اور اس شخص کی باتوں میں نہ آنا۔ اِنَّ
هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ یہ ایک ایسی چیز ہے جس میں کوئی غرض مخفی ہے۔
یہ شخص تمہیں تمہارے معبودوں سے ہٹا کر اپنے طریقے اور دین پر لانا چاہتا

ہے اور تمھاری قیادت اور سیادت پہ قبضہ کرنا چاہتا ہے، لہٰذا اس کی باتوں میں نہ آنا اور اپنے معبودوں پر پختہ یقین رکھنا۔ آیت کے اس حصے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے سابقہ معبودوں پر جمے رہنا ایک مقصود چیز ہے اس کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ یہ شخص تمھیں تمھارے دین سے برگشتہ کر کے تمھارے مال و دولت اور اقتدار پہ بھی قابض ہونا چاہتا ہے، لہٰذا اس کی دعوت کو قبول نہ کرنا۔

پھر کہنے لگے، مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ پچھلی امت میں تو ہم نے ایسی کوئی بات نہیں سنی۔ پچھلی ملت سے مراد یا تو اُن کے آباؤ اجداد ہیں اور یا پھر اس سے نصاریٰ مراد ہیں۔ کہتے تھے کہ عیسائی بھی تو صاحبِ کتاب ہیں مگر انہوں نے تو کبھی ایک معبود کو ماننے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ وہ بھی تثلیث یعنی تین خداؤں باپ، بیٹا اور روح القدس کے قائل ہیں۔ بھلا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معبود کا نظریہ کہاں سے پیش کر دیا۔ کہ نہ ہمارے باپ دادا اس نظریہ سے واقف تھے اور نہ پہلے مذاہب والے اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ، یہ تو محض من گھڑت نظریہ ہے کہ معبودِ برحق صرف ایک ہے۔ بھلا ایک ہی خدا کائنات کے سارے امور کیسے انجام دے سکتا ہے اس بات کو ذہن بھی قبول نہیں کرتا۔ یہ سلسلہ کلام آگے دُور تک چلا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی گندی ذہنیت کا پردہ چاک کیا ہے۔

ءَ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ الذِّكۡرُ مِنۡۢ بَيۡنِنَا ؕ بَلۡ هُمۡ
فِىۡ شَكٍّ مِّنۡ ذِكۡرِىۡ ۚ بَلۡ لَّمَّا يَذُوۡقُوۡا
عَذَابِ ﴿٨﴾ اَمۡ عِنۡدَهُمۡ خَزَآئِنُ رَحۡمَةِ
رَبِّكَ الۡعَزِيۡزِ الۡوَهَّابِ ﴿٩﴾ اَمۡ لَهُمۡ مُّلۡكُ
السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ۚ فَلۡيَرۡتَقُوۡا
فِى الۡاَسۡبَابِ ﴿١٠﴾ جُنۡدٌ مَّا هُنَالِكَ
مَهۡزُوۡمٌ مِّنَ الۡاَحۡزَابِ ﴿١١﴾ كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ
قَوۡمُ نُوۡحٍ وَّعَادٌ وَّفِرۡعَوۡنُ ذُو الۡاَوۡتَادِ ﴿١٢﴾
وَثَمُوۡدُ وَقَوۡمُ لُوۡطٍ وَّاَصۡحٰبُ لۡئَيۡكَةِ ؕ اُولٰٓئِكَ
الۡاَحۡزَابُ ﴿١٣﴾ اِنۡ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ
فَحَقَّ عِقَابِ ﴿١٤﴾ وَمَا يَنۡظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيۡحَةً ع ١٤ ١٠
وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنۡ فَوَاقٍ ﴿١٥﴾ وَقَالُوۡا رَبَّنَا
عَجِّلۡ لَّنَا قِطَّنَا قَبۡلَ يَوۡمِ الۡحِسَابِ ﴿١٦﴾

ترجمہ:- کیا اتاری گئی ہے اس پر نصیحت ہم سب
کے درمیان سے؟ بلکہ وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں
میری نصیحت سے۔ بلکہ انہوں نے ابھی چکھا نہیں

عذاب کا مزا ⑧ کیا اِن کے پاس خزانے ہیں تیرے
رب کی رحمت کے جو کمال قدرت کا مالک اور بخشش
کرنے والا ہے؟ ⑨ کیا اِن کے لیے بادشاہی ہے
آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ اِن کے درمیان ہے
پس چاہیئے ان کو کہ چڑھ جائیں رسیاں تان کر ⑩ یہ
بھی ایک لشکر ہے شکست خوردہ لشکروں میں
سے ⑪ جھٹلایا قومِ نوح نے اِن سے پہلے، اور
قومِ عاد نے اور فرعون نے جو میخوں والا تھا ⑫
اور قومِ ثمود نے اور قومِ لوط نے، اور ایکہ والوں
نے کہ یہی بڑے بڑے گروہ تھے ⑬ اِن میں سے
ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا، پس ثابت ہو گیا
عذاب ⑭ اور نہیں انتظار کرتے یہ لوگ مگر
ایک چیخ کا جس کے لیے کوئی وقفہ نہیں ہو
گا ⑮ اور کہتے ہیں یہ کہ اے ہمارے پروردگار!
جلدی کر دے ہمارے لیے ہمارا حصہ حساب کے
دن سے پہلے ہی ⑯

ربط آیات

گذشتہ آیات میں مشرکین کا رد تھا۔ جب اللہ کے نبی نے
اُن کو کفر اور شرک سے منع کر کے توحید کا درس دیا تو انہوں نے انکار کر دیا۔
اور تعجب کرنے لگے کہ کیا ہم بہت سے معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک
معبود پر اکتفا کر لیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر وہ اُس مجلس سے اُٹھ کھڑے
ہوئے اور ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ اس شخص کی دعوت خود غرضی پر
مشتمل ہے، لہٰذا اس کی بات نہ ماننا اور اپنے معبودوں پر ڈٹے رہنا کہنے
لگے یہ اُس شخص کی من گھڑت بات ہے جو ہم نے پہلے کبھی کسی سے نہیں سُنی

رسالت پر اعتراض

گذشتہ درس میں مشرکین کی طرف سے توحید کے انکار کا بیان تھا اب آج کی آیات میں رسالت کا انکار اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعید کا ذکر ہے ارشاد ہوتا ہے ءَ اُنْزِلَ عَلَیْہِ الذِّکْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا کیا ہم میں سے صرف اِس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر نصیحت یعنی قرآن پاک اتارا گیا ہے؟ کیا اللہ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ رسالت کا اور کوئی حقدار نہیں ملا تھا جس پر قرآن نازل کیا جاتا؟ کہنے لگے کہ ہم تو اس کو نبی اور رسول تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِکَةً (حٰمٓ السجدة ۱۴) کہنے لگے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم پر کوئی فرشتہ نازل کر دیتا تو ہم مان بھی لیتے۔ ہم اپنے میں سے ایک شخص کی باتیں کیسے تسلیم کر لیں۔ سورۃ القمر میں ہے فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُہٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ (آیت ۔ ۲۴) کہنے لگے، بھلا ہم اپنے میں سے ایک شخص کی پیروی کریں، یوں تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں پڑ گئے۔ غرضیکہ وہ لوگ انسان کے رسول ہونے پر تعجب کرتے تھے جیسا کہ اس سورۃ کی ابتداء میں بھی گزر چکا ہے وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَھُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْھُمْ (ص ۔ ۴) کتنی عجیب بات ہے کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک ڈرانے والا آجائے۔ اللہ نے فرمایا۔ حقیقت یہ ہے بَلْ ھُمْ فِیْ شَکٍّ مِّنْ ذِکْرِیْ کہ یہ لوگ میری نصیحت (قرآن) کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ اِن کو تردد ہے کہ اللہ نے انسانوں میں سے بعض ہستیوں کو منتخب فرما کر ان پر اپنا کلام نازل کیا ہے اور اُن کو منذر اور مبشر بنایا ہے۔ فرمایا اصل بات یہ ہے بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ کہ انہوں نے ابھی سزا کا مزا چکھا ہی نہیں۔ جب ان پر عذاب آئے گا تو پتہ چلے گا کہ نبوت و رسالت اور نصیحت کا کس طرح انکار کیا جاتا ہے اور اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

فرمایا کہ یہ لوگ نزول قرآن کا انکار کس بنا پہ کرتے ہیں اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ کیا ان کے پاس تیرے رب کی رحمت کے خزانے ہیں جو کہ کمال قدرت کا مالک اور بخشش کرنے والا ہے ؟ کیا یہ اللہ کی رحمت کے خزانے خود تقسیم کر کے جس کو چاہیں رسول بنا دیں گے۔ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا یا اُن کے پاس زمین و آسمان اور اُن کے درمیان کی بادشاہی ہے کہ اس بادشاہی کے تحت حاصل شدہ اختیارات سے وہ جس کو چاہیں نبی بنا دیں اور جس پہ چاہیں نصیحت اتار دیں۔ یا پھر جس کے متعلق چاہیں اُسے نبی بننے اور کتاب لانے سے روک دیں۔ آخر ان کے پاس کون سے اختیارات ہیں جن کی بنا پہ یہ لوگ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی اور اس پہ نازل شدہ نصیحت کا انکار کر رہے ہیں ؟

فرمایا یہ سب اُن کے تعصب، عناد اور ضد کا نتیجہ ہے وگرنہ ان کے پاس کوئی اختیار نہیں۔ اور اگر ان کو کوئی اختیار حاصل ہے فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ تو اپنے تمام ذرائع کو بروئے کار لا کر آسمان پہ چڑھ جائیں۔ رسیاں تان لیں یا کسی اور ذریعے سے آسمان تک رسائی حاصل کریں اور پھر حضور علیہ السلام پہ نازل ہونے والی وحی کو روک دیں۔ فرمایا حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس کچھ نہیں اور ان کا انکار بلا دلیل اور محض ہٹ دھرمی کا مظہر ہے۔ اللہ نے فرمایا دراصل جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ یہ بھی یہاں ایک لشکر ہے اُن لشکروں اور گروہوں میں سے جن کو شکست دی جائیگی۔ اللہ کی وحدانیت، اس کے رسول کی رسالت اور کتاب کا انکار کرنے والوں کا یہ ایک گروہ ہے جو ڈینگیں مار رہا ہے عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب ان کو شکست ہو گی اور اللہ کا دین غالب آ جائیگا حقیقت میں یہ ایک شکست خوردہ پارٹی ہے جسے جلد ہی اپنی حیثیت کا

بتہ چل جائے گا۔

فرمایا کفارِ مکہ و عرب کوئی نئی سرکش قوم اور جماعت نہیں ہے۔ بلکہ اللہ اور اُس کے رسولوں کے باغی ہمیشہ سے چلے آ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ان کے مناسب حال ہی سلوک کرتا رہا ہے۔ دیکھو اکَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ وَّعَادٌ اس سے پہلے قومِ نوح اور قومِ عاد بھی اللہ کے رسولوں کو جھٹلا چکی ہے۔ ان اقوام کا ذکر اللہ نے بیشتر سورتوں میں کیا ہے جنہوں نے غرور و تکبر کیا، اپنی قوت پہ ناز کیا۔ رسولوں کو جھٹلایا اور اُن کو اذیتیں پہنچائیں تو اللہ نے اُن کو صفحۂ ہستی سے ناپید کر دیا۔ وَفِرۡعَوۡنُ ذُو الۡاَوۡتَادِ اور میخوں والے فرعون نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی تکذیب کی تو اللہ نے ساری قوم کو بحیرہ قلزم میں غرق کر دیا۔ میخوں والے سے مراد یہ ہے کہ فرعون کے پاس نہایت اعلیٰ قسم کا قیمتی ساز و سامان تھا حتیٰ کہ اُس کے خیموں کی میخیں اور گھوڑوں کی نعلیں بھی سونے کی بنی ہوئی تھیں بعض فرماتے ہیں کہ فرعون کو میخوں والا اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ظالم تھا۔ اور جس کو سخت سزا دینا مطلوب ہوتا تھا اس کے ہاتھ اور پاؤں میں چار میخیں ٹھونک کر وحشیانہ طریقے سے ہلاک کر تا تھا۔ سابقہ سرکش اقوام

فرمایا وَثَمُوۡدُ اور قومِ ثمود کا عبرت ناک حال بھی قرآنِ پاک کی مختلف سورتوں میں بیان ہوا۔ انہوں نے اپنے رسول کا انکار کیا اور اُس کو اذیت پہنچائی۔ وَقَوۡمُ لُوۡطٍ اور لوط علیہ السلام کی قوم کا حال بھی پڑھ لیں۔ اُن میں ہم جنسیت کی بدترین خصلت پائی جاتی تھی۔ وہ لوگ اللہ کے نبی سے ٹھٹا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ تم بڑے پاکباز بنے پھرتے ہو، ہماری بستی سے نکل جاؤ۔ یہ ایسے بدطینت لوگ تھے کہ اپنی مجالس میں کھلے بندوں برائیوں اور بے حیائیوں کا ارتکاب کرتے اور پھر اُس پہ فخر کرتے تھے۔ اللہ نے سزا کے طور پہ اُن کی بستیاں ہی اُلٹ دیں اور پھر اُوپر سے پتھروں کی بارش

کی جس کی وجہ سے ایک بھی نافرمان زندہ نہ بچا۔

فرمایا وَاَصۡحٰبُ الۡئَیۡکَۃِ اور ایکہ والوں پر بھی ایک نظرِ عبرت ڈال لیں۔ اُن کی طرف اور اہلِ مدین کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا۔ یہ لوگ جنگل میں ایک بستی میں آباد تھے جو کہ ایک کھلے راستے پر واقع تھی۔ انہوں نے بھی اللہ کے نبی کی تکذیب کی اور پھر انتقامِ خداوندی کا نشانہ بنے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اہل مدین اور ایکہ والے دو مختلف قومیں تھیں جن کی طرف اللہ نے شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور بعض کہتے ہیں کہ دونوں گروہ ایک قوم تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ مدین والے شہر میں آباد تھے جب کہ اصحاب ایکہ جنگل میں رہتے تھے جس سے وہ خوب فائدہ اٹھاتے تھے۔

فرمایا اُولٰٓئِکَ الۡاَحۡزَابُ یہی بڑے بڑے گروہ تھے اِنۡ کُلٌّ اِلَّا کَذَّبَ الرُّسُلَ ان سب نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا، اُن پر بیہودہ الزامات لگائے اور اُن کو طرح طرح کی تکالیف پہنچائیں فَحَقَّ عِقَابِ پس میری طرف سے اُن پر عذاب ثابت ہو گیا۔ انہوں نے خدا کی توحید کا انکار کر کے اور رسولوں کی تکذیب کر کے اپنے آپ پر عذاب کو واجب کر لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی گرفت آئی اور یہ سب لوگ صفحۂ ہستی سے مٹا دیے گئے۔ اس سے اہلِ مکہ کو سمجھانا مقصود ہے کہ وہ کس بات پر اپنے رسول کا انکار کر رہے ہیں۔ کیا انہوں نے مذکورہ پہلی قوموں کا حال نہیں دیکھا؟ وہ تجارتی سفر میں ان اقوام کی تباہ شدہ بستیوں کے کھنڈرات پر سے صبح و شام گزرتے ہیں مگر ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔ وہ تو بڑی طاقت کے مالک تھے۔ اُن کے پاس بڑا مال و دولت تھا۔ وَمَا بَلَغُوۡا مِعۡشَارَ مَآ اٰتَیۡنٰھُمۡ (سبا۔ ۴۵) ان کو تو پرانے لوگوں کا عشرِ عشیر بھی نہیں دیا گیا۔ پھر یہ کس گھمنڈ میں تکذیبِ رسالت کر رہے ہیں۔ قرآن کا انکار کرتے

ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک نہیں مانتے بلکہ سراپا شرک اور کفر میں ملوث ہیں۔ جب اتنی اتنی بڑی قومیں عذاب الٰہی میں مبتلا ہو کر نابود ہو گئیں تو یہ کس کھیت کی مولی ہیں جو اللہ کی گرفت سے بچ جائیں گے ان کو ابھی سے سوچ لینا چاہیے، وگرنہ جب خدا تعالیٰ کا عذاب آجاتا ہے تو پھر کوئی بھی اس سے بچ نہیں سکتا۔

اچانک عذاب کا انکار

فرمایا اب ان کفار و مشرکین کی حالت یہ ہو چکی ہے وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً اور یہ لوگ نہیں انتظار کرتے مگر ایک ہی چیخ کا جو آکر ان کا کام تمام کر دے۔ قوم شعیب پہ ایک چیخ ہی تو آئی تھی جس سے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور وہ ہلاک ہو گئے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ یہ مکے کے کافر بھی کسی ایسی ہی ایک چیخ کے منتظر ہیں جو ان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دے۔ فرمایا کیا یہ ایسی چیخ چاہتے ہیں مَا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ کہ جس کے لیے کوئی وقفہ بھی نہیں ہو گا۔ دراصل فواق عربی میں اس وقفہ کو کہتے ہیں جو اونٹنی کے دودھ دوہنے کے درمیان کیا جاتا ہے۔ کچھ دودھ دوہ کر رک جاتے ہیں تاکہ مزید دودھ تھنوں میں اتر آئے تو اس کو بھی نکال لیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کا عذاب آئے گا تو پھر اس میں اتنا وقفہ بھی نہیں دیا جائے گا بلکہ وہ اچانک ہی آجائے گا۔ اور ان کی تمام تدابیر دھری کی دھری رہ جائیں گی۔ قیامت کے متعلق بھی اللہ کا فرمان ہے کہ وہ اچانک آئے گی۔ سورۃ الاعراف میں فرمایا کہ قیامت کے برپا ہونے کا وقت صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً (آیت-۱۸۷) مگر وہ اچانک ہی آجائے گی اور کسی کو سنبھلنے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ تو فرمایا کیا یہ کفار و مشرکین بھی کسی اچانک وارد ہونے والی چیز کے منتظر ہیں جو آکر ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے اور جس کے لیے کوئی وقفہ بھی نہ ہو؟

حصول حصہ میں جلد بازی

فرمایا، ان لوگوں کی بدبختی ملاحظہ کریں وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا

قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! جلدی کر دے ہمارے لیے ہمارا حساب کے دن سے پہلے ہی۔ یعنی ہمیں جو کچھ دینا ہے وہ اسی دنیا میں دے دے ہم قیامت کے دن کا انتظار نہیں کر سکتے در اصل کفار و مشرکین یہ مطالبہ تمسخر کی بنا پر کرتے تھے، اللہ کا نبی ڈراتا تھا کہ کفر و شرک اور معاصی سے باز آجاؤ ورنہ قیامت والے دن عذاب میں پکڑے جاؤ گے اور پھر تمہارا کوئی عذر قابل سماعت نہیں ہوگا۔ اس پر وہ کہتے کہ تم اپنے لیے جنت کی اُمید رکھتے ہو اور دوزخ کے عذاب سے ڈراتے ہو۔ اگر ایسا کوئی وقت آنے والا ہے، قیامت برپا ہو کر حساب کتاب کی منزل آنی ہے اور پھر جزا اور سزا کا فیصلہ ہونا ہے تو ہم اتنی دیر انتظار نہیں کر سکتے، اے پروردگار! ہمیں ثواب یا عذاب میں سے جو بھی دینا ہے اسی دنیا میں دے دے تاکہ ہم دیکھ لیں کہ وہ کیسا عذاب ہے جس سے یہ پیغمبر ہمیں خوفزدہ کر رہا ہے اس کے بعد اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے پیروکاروں کو مشرکین کی ان مکروہ باتوں پر صبر کی تلقین کی ہے اور تسلی دی ہے کہ آپ دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ دیکھیں کہ ان مکذبین کا کیا انجام ہوتا ہے۔

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا
دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ
مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾ وَالطَّيْرَ
مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ
وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾ وَهَلْ
اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾
اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ
خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا
بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾
اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ ۟ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ
نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۟ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي
الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ
اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ
بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ
فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا

لَہٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَہٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۲۵

ترجمہ:- صبر کریں آپ اُس بات پر جو یہ لوگ کہتے
ہیں - اور تذکرہ کریں آپ ہمارے بندے داؤد علیہ السلام
کا جو قوت والے تھے۔ بیشک وہ رجوع رکھنے والے
تھے ۱۷ تحقیق ہم نے مسخر کر دیا تھا پہاڑوں کو
اُس کے ساتھ وہ تسبیح کہتے تھے پچھلے پہر اور صبح
کے وقت ۱۸ اور پرندے بھی اکٹھے کیے ہوئے
ہر ایک اُس کی طرف رجوع رکھنے والا ہے ۱۹
اور ہم نے مضبوط کر دیا اس کی بادشاہی کو اور
دی ہم نے اُس کو حکمت اور فیصلہ کن بات ۲۰
اور کیا آئی ہے آپ کے پاس خبر جھگڑا کرنے
والوں کی، جب کہ پھاند لیا انہوں نے عبادت
خانے کی دیوار کو ۲۱ جب داخل ہوئے وہ داؤد علیہ السلام
کے پاس تو آپ گھبرا اٹھے اُن سے - انہوں نے کہا
آپ ڈریں نہیں، ہم جھگڑا کرنے والے ہیں - ہم میں
سے بعض نے بعض پر سرکشی کی ہے - آپ فیصلہ
کریں ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ، اور کوئی
زیادتی نہ کریں، اور راہنمائی کریں ہماری سیدھے رستے
کی طرف ۲۲ بیشک میرے اِس بھائی کے لیے
ننانوے ۹۹ دنبیاں ہیں اور میرے لیے ایک دنبی ایس
اِس نے کہا کہ یہ میری کفالت میں دے دو، اور غالب
آگیا ہے مجھ پر بات میں ۲۳ کہا داؤد علیہ السلام
نے البتہ تحقیق اس نے بے انصافی کی ہے تمھاری

دُنبی مانگنے کے ساتھ اپنی دنبیوں کے ساتھ ملانے کے لیے ۔ اور بیشک بہت سے شریک البتہ بعض اُن میں سے بعض پر سرکشی کرتے ہیں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے ، اور ایسے لوگ تھوڑے ہیں ۔ اور خیال کیا داؤد علیہ السلام نے کہ بیشک ہم نے اُن کو آزمائش میں ڈال دیا ہے ، پس بخشش طلب کی اُس نے اپنے پروردگار سے اور گر پڑے وہ رکوع کرتے ہوئے اور رجوع ہوئے وہ اللہ کی طرف (۲۴) پس بخش دیا ہم نے اُن کو اُن کا یہ قصور ، اور بیشک اُن کے لیے ہمارے پاس البتہ مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانا (لوٹ کر جانے کی جگہ) (۲۵)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُن مشرکین کا رد کیا جو اس بات پر استعجاب کرتے تھے کہ پیغمبر علیہ السلام نے تمام معبودوں کی بجائے صرف ایک معبود کی طرف دعوت دی ہے ۔ اس دعوت کے جواب میں مشرکین نے کہا کہ اس شخص کی بات نہ مانو بلکہ اپنے معبودوں پر جمے رہو ، کہنے لگے یہ شخص جھوٹ موٹ گھڑ کر لے آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی ہے ۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے ہی ایک شخص کو نزولِ وحی کے لیے منتخب کر لیا گیا ہو اس منصب کے لیے تو کوئی بڑا آدمی ہونا چاہیئے تھا ۔ اللہ نے فرمایا کہ رسالت کے ان منکرین نے ابھی ہماری سزا کا مزا نہیں چکھا ۔ نیز فرمایا کہ ان کے پاس خدا کی رحمت کے خزانے ہیں کہ جس کو چاہیں دیں اور جس سے چاہیں روک لیں ۔ آسمان و زمین کی بادشاہی تو اللہ کے پاس ہے ۔ ان کے پاس کیا ہے ؟ اگر ان کے پاس کوئی اختیار ہے تو یہ رسیاں تان کر آسمان پر چڑھ جائیں اور ہمارے نبی کو عطا ہونے

والی نبوت کو روک لیں ۔

اب اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی ہے کہ آپ گھبرائیں نہیں مشرکین کی ایذارسانیوں پر دل برداشتہ نہ ہوں۔ اس قسم کا سلوک سابقہ انبیاء سے بھی ہوا۔ سابقہ اقوام بھی تکذیب رسل کی مرتکب ہوئیں جس کے نتیجے میں اُن پر اللہ تعالیٰ کی گرفت آئی اور وہ سب ملیامیٹ ہو گئے۔ اللہ نے فرمایا کہ کیا یہ لوگ بھی اس بات کے منتظر ہیں کہ یکدم کوئی آسمانی چیخ آئے جو ان سب کے جگر پھاڑ کر ان کو نیست ونابود کر دے؟ یہ اتنے بے ادب اور گستاخ ہیں کہ کہتے ہیں ہمیں جو بھی جزا یا سزا ملنی ہے ابھی مل جائے ہم قیامت کا انتظار نہیں کر سکتے۔

صبر کی تلقین

ارشاد خداوندی ہے، اے پیغمبر! اِصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ یہ مشرک لوگ جو کچھ کہتے ہیں اور جس قسم کی بیہودہ اور اذیت ناک باتیں کرتے ہیں آپ اس پر صبر کریں۔ صبر دینِ ابراہیمی کا ایک اہم اصول ہے۔ انسانی زندگی میں صبر کرنے کے بہت سے مواقع آتے ہیں۔ مثلاً اطاعت گزاری کے لیے بھی صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب کہ معاصی سے بچنے کے لیے بھی صبر کرنا پڑتا ہے۔ مصائب وتکالیف میں صبر کرنے سے انسان کے درجات بلند ہوتے ہیں، لہٰذا اس اصول کے پیشِ نظر آپ مشرکین کی ساری بیہودگیوں اور کٹ حجتیوں پر صبر کا دامن تھامے رکھیں۔ صبر کے علاوہ دینِ ابراہیمی کے دیگر بڑے بڑے اصول یہ ہیں، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننا، کفر وشرک سے نفرت و بیزاری خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا۔ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرنا، شعائر اللہ کی تعظیم۔ آگے اللہ تعالیٰ نے صبر کی مثال کے طور پر اپنے جلیل القدر پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاذْکُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ آپ ہمارے بندے داؤد علیہ السلام کا تذکرہ کریں جو صاحبِ قوت تھے۔ ذَا الْاَیْدِ کا لغوی معنیٰ ہے ہاتھوں والے اور مطلب یہ ہے

داؤد علیہ السلام کا تذکرہ

کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو غیر معمولی جسمانی قوت سے نوازا تھا حتیٰ کہ آپ کے ہاتھ پر لوہے کو نرم کر دیا تھا اور آپ بغیر تپائے اس سے زرہیں بناتے تھے اور اس طرح ہاتھوں کی کمائی سے رزق حلال کماتے تھے۔ آپ نے اللہ کے حکم سے اُس دور کے نبی کی قیادت میں جالوت پر فتح پائی تو اللہ نے آپ کو حکومت اور نبوت عطا فرمائی۔

اِس تذکرہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ کی طرح داؤد علیہ السلام بھی معمولی حیثیت کے آدمی تھے، یہ کسی خاندانی بادشاہت کے مالک نہیں تھے بلکہ اپنی قوتِ بازو کے بل پہ جالوت کے مقابلے میں فتح پائی تو اس وقت کے بادشاہ طالوت کے بعد آپ کو حکومت بھی ملی اور نبوت بھی۔ یہ لوگ آپ پہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس شخص کی مالی حالت اچھی نہیں۔ باغات اور کوٹھیاں نہیں، نوکر چاکر اور مال و دولت نہیں تو یہ نبی کیسے بن گیا، فرمایا آپ صبر کریں۔ اللہ تعالیٰ داؤد علیہ السلام کی طرح آپ کو بھی حکومت اور اس کے تمام لوازمات عطا کرے گا، اور یہ سب لوگ مغلوب ہو جائینگے

داؤد علیہ السلام کی خوش الحان تسبیح

فرمایا داؤد علیہ السلام کو یاد کریں کہ وہ قوت والے تھے۔ نیز اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ آپ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع رکھنے والے تھے۔ قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں آپ کی بعض خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ اِن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ نے آپ کو انتہائی درجے کی خوش الحانی عطا فرمائی تھی۔ جب آپ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے اور زبور کی تلاوت کرتے تو پہاڑ اور پرندے بھی آپ کے ساتھ تسبیح میں ہم نوا ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ ہم نے اُن کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا یعنی اُن کے تابع کر دیا تھا۔ جب آپ نہایت خوش الحانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ تو آپ کے ساتھ پہاڑ بھی پچھلے پہر اور صبح کے وقت تسبیح بیان کرتے تھے۔ اس کا

مطلب یہ نہیں کہ آپ کی حمد و ثنا بیان کرنے سے پہاڑوں کی بازگشت سنائی دیتی تھی جیسے گنبد یا کنوئیں سے جوابی آواز آتی ہے بلکہ اللہ نے پہاڑوں میں شعور پیدا کر دیا تھا اور داؤد علیہ السلام کے ساتھ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء میں شامل ہو جاتے تھے۔ اور صرف پہاڑ ہی نہیں بلکہ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً اکٹھے ہوئے پرندے بھی آپ کے ساتھ تسبیح میں ہمنوا ہو جاتے تھے۔ اسی خصوصیت کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء میں اس طرح بیان فرمایا ہے وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ (آیت - ۷۹) ہم نے داؤد علیہ السلام کے لیے پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا اور پہاڑ اور پرندے آپ کے ساتھ تسبیح میں شامل ہو جاتے تھے۔ سورۃ سبا میں ہے ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے فضیلت بخشی يٰجِبَالُ اَوِّبِىْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ (آیت - ۱۰) اور پہاڑوں اور پرندوں کو حکم دیا کہ آپ کے ساتھ تسبیح میں شامل ہو جائیں۔ فرمایا كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ سب کے سب اللہ ہی کی طرف رجوع رکھنے والے ہیں۔ پہاڑوں اور پرندوں کے علاوہ شجر، حجر، انسان، درندے، کیڑے مکوڑے غرضیکہ آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کی طرف رجوع رکھتی ہے۔ اللہ کا فرمان ہے يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ (الجمعۃ - ۱) زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے وَاِنْ مِّنْ شَىْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ - (آیت - ۴۴) کائنات کی ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے مگر تم اُن کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔

داؤد علیہ السلام کی دیگر خصوصیات

ارشاد ہوتا ہے وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ ہم نے آپ کی بادشاہی کو مضبوط کر دیا۔ سلطنت کی مضبوطی کا مطلب یہ ہے کہ جنگ و امن کے زمانے کے تمام لوازمات موجود تھے۔ عمالِ حکومت دیانتدار اور فوج چوکس

تھی، ضروریاتِ زندگی میسّر تھیں اور لوگ خوشحال تھے، اور کسی دوسری سلطنت کو اس سلطنت کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔

فرمایا وَاٰتَیْنٰہُ الْحِکْمَةَ ہم نے آپ کو حکمت بھی عطا فرمائی۔ حکمت کا معنی گہری دانش مندی اور عقل و فہم کی باتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عنایت فرمائی تھی۔ آپ صاحبِ کتاب اور صاحبِ شریعت نبی اور رسول تھے، اور حکمت نبوت و رسالت کا ایک اہم حصہ ہے، اسی کے علاوہ فرمایا وَفَصْلَ الْخِطَابِ ہم نے آپ کو فیصلہ کن خطاب بھی عطا فرمایا۔ آپ کی تقریر و بیان نہایت واضح ہوتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو امورِ سلطنت کو نمٹانے کے لیے قوتِ فیصلہ بھی حد درجے کی دی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ چیز اللہ کی طرف سے عطا کردہ عقل و فہم اور قادر الکلامی پر دلالت کرتی ہے۔

عبادت خانہ میں مداخلت

آگے اللہ تعالیٰ نے وہ واقعہ بیان کیا ہے جس کی بنا پر داؤد علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالا گیا، پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔ ارشاد ہوتا ہے وَھَلْ اَتٰکَ نَبَؤُا الْخَصْمِ کیا آپ کے پاس پہنچی ہے جھگڑا کرنے والوں کی خبر؟ مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کو اس واقعہ کا علم نہیں ہے تو اب بذریعہ وحی بتلایا جا رہا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ کس قسم کا واقعہ پیش آیا۔ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ جب کہ انہوں نے عبادت خانے کی دیوار کو پھلانگ لیا۔ یہاں پر محراب سے مراد مسجد کا محراب نہیں جیسا کہ اب رواج ہے بلکہ محراب کمرے کو کہتے ہیں اور اس سے مراد عبادت کرنے کا کمرہ ہے۔ محراب کا ذکر حضرت ذکریا علیہ السلام کے واقعہ میں بھی آتا ہے، جب آپ کو یحییٰ بیٹے کی بشارت مل گئی فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ (مریم۔ ۱۱) تو وہ اپنے عبادت خانہ سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے تو انہیں اشارے کے ساتھ کہا کہ صبح شام اپنے رب کو یاد کرتے رہیں۔

بہر حال یہ جھگڑالو لوگ حضرت داؤد علیہ السلام کے عبادت خانے کی دیوار پھلانگ کر اندر آ گئے۔ آپ کا معمول یہ تھا کہ آپ نے امورِ سلطنت کی انجام دہی اور عبادت کے لیے اوقات مقرر کر رکھے تھے۔ جب آپ عبادت خانے میں ہوتے تو کسی شخص کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی اور اس ضمن میں پہرے داروں کو سخت ہدایات دی گئی تھیں۔ اس کے برخلاف اِذْ دَخَلُوْا عَلٰی دَاوٗدَ جب وہ جھگڑالو آدمی داؤد علیہ السلام کے پاس داخل ہو گئے۔ فَفَزِعَ مِنْهُمْ تو داؤد علیہ السلام گھبرا گئے۔ یہ اُن کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اُن کی عبادت کے دوران میں اس طرح کچھ لوگ اُن کی تنہائی میں مداخلت کر سکتے ہیں۔ آپ فوری طور پر پریشان ہو گئے۔ مگر قَالُوْا لَا تَخَفْ در آنے والوں نے کہا، آپ خوف نہ کھائیں، ہم کسی بری نیت سے یا آپ کو نقصان پہنچانے کے لیے نہیں آئے بلکہ خَصْمٰنِ بَغٰی بَعْضُنَا عَلٰی بَعْضٍ ہم دو مخالف فریق ہیں، جن میں سے بعض نے بعض پر زیادتی کی ہے۔ ہم اپنا مقدمہ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ پس ہمارے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیں۔ وَلَا تُشْطِطْ اور کسی فریق کے ساتھ زیادتی نہ کریں بلکہ وَاهْدِنَآ اِلٰی سَوَآءِ الصِّرَاطِ ہمیں سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کریں۔ ہم آپ کے پاس صرف فیصلہ لینے کے لیے آئے ہیں۔

مقدمے کی تفصیل

اپنا تعارف کرانے کے بعد شکایت کنندہ شخص نے اپنا مقدمہ فوراً ہی داؤد علیہ السلام کے سامنے پیش کر دیا۔ کہنے لگا، اِنَّ هٰذَآ اَخِیْ یہ شخص میرا بھائی ہے۔ اس سے حقیقی بھائی مراد نہیں بلکہ محض دینی یا قومی بھائی مراد ہے کہ اس بھائی سے میرا جھگڑا ہے لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً اس کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں وَلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ جب کہ میرے پاس صرف ایک دُنبی ہے فَقَالَ اَكْفِلْنِیْهَا میرا یہ بھائی کہتا ہے کہ اپنی

ایک دنبی بھی میری کفالت میں دیدے یعنی میرے حوالے کردے۔ وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ اور یہ بات چیت میں مجھ پر غالب آگیا ہے۔ گویا یہ زبردست آدمی ہے، اور میری واحد دنبی مجھ سے زبردستی چھین کر اپنی سو پوری کرنا چاہتا ہے یہ شکایت سن کر داؤد علیہ السلام فوراً بول اٹھے قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰی نِعَاجِهٖ اور شکایت کنندہ سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے فرمایا کہ اس دوسرے شخص نے تیری واحد دنبی اپنی دنبیوں کے ساتھ ملا لینے کا سوال کر کے بڑی زیادتی کی ہے۔ اور پھر ساتھ یہ بھی کہا وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ کہ بیشک بہت سے شراکت دار ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں یعنی امورِ شراکت میں اکثر قباحتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ہاں مگر ایماندار لوگ جو نیک اعمال انجام دیتے ہیں۔ وہ اس قسم کی زیادتی کا ارتکاب نہیں کرتے۔ اُن کے شراکتی معاملات خوش اسلوبی سے طے پاتے ہیں وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ مگر ایسے دیانتدار لوگ بہت قلیل تعداد میں ہیں، ورنہ اکثریت کے معاملات میں گڑبڑ ہی پیدا ہوتی ہے۔

شراکتی کاروبار

مفسرین کرام نے خلطاء کے لفظ سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ شراکت کا کاروبار درست اور جائز ہے۔ چند آدمی یا دس بیس اشخاص مل کر کوئی تجارت وغیرہ کریں تو یہ کاروبار درست ہوگا۔ بشرطیکہ دیانت و امانت کا لحاظ رکھا جائے۔ اگر کاروبار میں کسی شراکت دار کی طرف سے بددیانتی ہوگی۔ تو کاروبار میں لازماً گڑبڑ ہوگی اور ایک دوسرے پر زیادتی بھی ہوگی، مگر ایماندار آدمی کسی خیانت میں ملوث نہیں ہوتے۔ ایمان اور اعمالِ صالحہ کے ذریعہ انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم رہتا ہے اور انسان خیانت اور بددیانتی سے بچا رہتا ہے۔ مگر ایسے لوگ بہت کم تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں تو عجیب حال ہے، لوگ اعمال صالحہ

بھی انجام دیتے رہتے ہیں اور ساتھ ساتھ بد دیانتی کا ارتکاب بھی کرتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ جہاں تعلق باللہ درست ہوگا۔ وہاں بد دیانتی نہیں ہوگی اور معاملات درست رہیں گے۔

داؤد علیہ السلام کی آزمائش

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ داؤد علیہ السلام نے گمان کیا کہ بیشک ہم نے اُن کو آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ یہ خیال آتے ہی فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا پس بخشش طلب کی اپنے پروردگار سے اور گر پڑے رکوع کرتے ہوئے (سجدہ میں) وَاَنَابَ اور آپ تو خدا تعالیٰ کی طرف رجوع رکھنے والے

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس لغزش کی بناء پر حضرت داؤد علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالا گیا۔ اس سلسلہ میں مفسرین نے کئی ایک وجوہات بیان کی ہیں۔ البتہ بائبل کا بیان تو سراسر جھوٹ اور بہتان طرازی پر مبنی ہے۔ اس بیان کے مطابق اوریاہ نامی ایک شخص کی بیوی بنت سبع بڑی خوبصورت عورت تھی حضرت داؤد علیہ السلام کی نظر کسی طرح اُس عورت پر پڑی تو پسند آگئی۔ اُسے بلا کر گھر میں رکھ لیا اور پھر اُس سے (العیاذ باللہ) بدکاری بھی کی۔ اُس عورت نے بتایا کہ اُس کا تو خاوند بھی زندہ ہے جو آپ کی فوج میں عہدیدار ہے۔ پھر داؤد علیہ السلام نے اپنے راستے کے اس روڑے کو ہٹانے کے لیے یہ حیلہ کیا کہ اُس فوجی افسر کو کسی جنگ کے اگلے مورچوں پر تعینات کر دیا، وہ مارا گیا تو داؤد علیہ السلام نے اُس عورت سے نکاح کر لیا۔ البتہ نکاح سے پہلے بدکاری کرنے کے نتیجے میں آپ کی اولاد بھی ہوئی۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مذکورہ واقعہ سراسر جھوٹا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام تو اللہ کی طرف رجوع رکھنے والے اُس کے جلیل القدر پیغمبر اور صاحب کتاب اور صاحب شریعت نبی تھے، اُن سے ایسی معصیت کے ارتکاب

کا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ اُن کے متعلق تو خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک[1] بھی ہے کہ داؤد علیہ السلام کَانَ اَعْبَدَ الْبَشَرِ یعنی آپ اپنے دور کے سب سے زیادہ عبادت گزار تھے، انہوں نے عبادت خانے کا انتظام اس طریقے سے قائم کر رکھا تھا کہ اُن کا عبادت خانہ کسی وقت بھی عبادت سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام خود، آپ کی کوئی بیوی یا گھر کا کوئی دوسرا فرد ضرور عبادت خانے میں عبادت میں مصروف ہوتا تھا۔ تو ایسے مقرب الی اللہ پر بدکاری کا الزام لگانا بجائے خود ایک نہایت ہی قبیح فعل ہے۔ اسی لیے تفسیری روایات[2] میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ حکمنامہ جاری کیا تھا کہ جو شخص حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اوریاہ کی بیوی والا قصہ منسوب کرے گا اُسے کوڑے لگائے جائیں گے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور شاہ عبدالقادر دہلویؒ اور بعض دیگر مفسرین کرام فرماتے[3] ہیں کہ بائبل کا قصہ تو جھوٹا ہے، البتہ اس کا کچھ حصہ لغویات سے الگ کر کے تسلیم کیا جا سکتا ہے، اور وہ یہ کہ داؤد علیہ السلام نے کسی عورت کو اپنے نکاح میں لانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا حالانکہ وہ عورت پہلے سے منکوحہ تھی بس اس خواہش کے اظہار پر ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو آزمائش میں ڈال دیا کہ آپ جیسے جلیل القدر پیغمبر کے دل میں یہ خواہش بھی پیدا نہیں ہونی چاہیئے تھی۔ تاہم بعض دوسرے مفسرین اس واقعہ کا مطلقاً انکار کرتے ہیں۔

بعض مفسرین کہتے ہیں[4] کہ دیوار پھلانگ کر آنے والے انسان نہیں بلکہ فرشتے تھے اور دُنبیوں کا واقعہ حقیقی واقعہ نہیں تھا، بلکہ فرشتوں نے محض تمثیل کے طور پر بیان کیا تھا اور اس سے داؤد علیہ السلام کو تنبیہ کرنا مقصود

---

۱ ۲

۳ ۴

تھا۔ بعض کہتے[1] ہیں کہ جب شکایت کنندہ نے اپنی شکایت پیش کی تو داؤد علیہ السلام نے فوراً فیصلہ دے دیا کہ ننانوے دنبیوں کے مالک کو ایک مزید دنبی کا مطالبہ کرنا بڑی زیادتی ہے۔ کسی مقدمہ کو نمٹانے کے لیے ضروری ہے کہ فریقین کی بات سننے کے بعد فیصلہ صادر کیا جائے۔ مگر داؤد علیہ السلام نے صرف شکایت کنندہ فریق کی بات سن کر فوراً فیصلہ کر دیا اور فریق ثانی کو صفائی پیش کرنے کا موقع ہی نہ دیا۔ یہ بات اللہ کو پسند نہ آئی، لہٰذا حضرت داؤد علیہ السلام کو تنبیہ کرنے کے لیے آزمائش میں ڈال دیا۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور بعض دوسرے[2] مفسرین فرماتے ہیں کہ دنبیوں والے قصے کی کوئی حقیقت نہیں، یہ تو ایک مثال تھی۔ البتہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مستدرک حاکم میں منقول ہے کہ داؤد علیہ السلام نے نظامِ حکومت نہایت اعلیٰ درجے پہ قائم کر رکھا تھا، آپ کی سلطنت میں ہر چیز کی فراوانی تھی اور رعایا خوشحال تھی۔ اُدھر عبادت خانے کا نظام بھی کمال درجہ کا تھا جس کی وجہ سے یہ عبادت خانہ شب و روز میں کسی لمحہ بھی عبادت سے خالی نہیں ہوتا تھا، تو داؤد علیہ السلام کے دل میں استعجاب پیدا ہوا کہ انہوں نے کیسے اچھے نظام قائم کر رکھے ہیں۔ بس یہی بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آئی، کہ تمہیں اپنے نظام کی حسنِ کارکردگی تو نظر آگئی ہے مگر میری توفیق کی طرف نگاہ نہیں اٹھی کہ جس کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں۔ چنانچہ اتنی سی بات پہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش آگئی اور دیوار پھاند کر آنے والے فرشتوں نے عبادت خانے میں مخل ہو کر اس کا نظام درہم برہم کر دیا۔ داؤد علیہ السلام کو اپنی لغزش کا فوراً احساس ہو گیا اور انہوں نے ربِ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کی اور ساتھ ہی سجدہ ریز ہو گئے۔ اللہ نے فرمایا فَغَفَرْنَا لَهُ ذٰلِكَ پھر ہم نے داؤد علیہ السلام

---

[1]

[2]

کا یہ قصور معاف کر دیا۔ وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ بے شک ان کے لیے ہمارے ہاں مرتبہ ہے وَحُسْنَ مَآبٍ اور لوٹ کر جانے کا اچھا ٹھکانا بھی اللہ نے آپ کا قصور معاف کر کے آخرت میں اعلیٰ قدر و منزلت کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔ آپ قیامت کے دن نبیوں اور عادلوں کا درجہ پائیں گے اور حدیث میں ہے کہ عادل لوگ نور کے منبروں پر رحمان کے دائیں جانب ہوں گے حدیث میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے کہ خدا تعالیٰ کے ہاں اس کے دوست اور مقرب ترین لوگ عادل بادشاہ ہوں گے، اور سب سے زیادہ دشمن اور سخت عذاب میں مبتلا ظالم حکمران ہوں گے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی دنیا و آخرت میں کامیابی کی بشارت بھی سنا دی۔

سجدہ تلاوت

اس درس میں سجدہ کی آیت بھی آئی ہے جس کے پڑھنے سننے سے سجدہ تلاوت لازم آتا ہے، البتہ اس مقام کو اس لحاظ سے انفرادیت حاصل ہے کہ یہاں پر لفظ سُجَّدًا کی بجائے رَاكِعًا آیا ہے جس کا معنی رکوع کرنا ہوتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہاں پر سجدہ کرنا ضروری ہے یا صرف رکوع کرنے سے بھی تعمیل حکم ہو جائے گی۔ نسائی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مقام پہ سجدہ کر کے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام کا یہ سجدہ توبہ کے لیے تھا اور ہمارا سجدہ شکر کے لیے ہے۔ مسند احمد میں حضرت ابو سعید خدریؓ کا بیان[1] ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا گویا کہ میں سورۃ صٓ لکھ رہا ہوں۔ پھر جب میں آیت سجدہ پہ پہنچا تو میں نے دیکھا کہ میرا قلم دوات اور آس پاس کی تمام چیزوں نے سجدہ کیا ہے۔ انہوں نے اپنا یہ خواب حضور علیہ السلام کے سامنے سنایا تو پھر آپ بھی اس آیت کی تلاوت کرتے وقت برابر سجدہ کرتے رہے۔ ترمذی شریف[2] میں ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت

---

1. مسند احمد ص
2. ترمذی ص

میں عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں۔ جب میں نے سجدہ کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا تو میرے ساتھ اُس درخت نے بھی سجدہ کیا اور میں نے سُنا کہ درخت یہ دُعا کہہ رہا تھا اَللّٰھُمَّ اکْتُبْ لِیْ بِھَا عِنْدَکَ اَجْرًا وَّاجْعَلْھَا لِیْ عِنْدَکَ ذُخْرًا وَّضَعْ بِھَا عَنِّیْ وِزْرًا وَّاقْبَلْھَا مِنِّیْ کَمَا قَبِلْتَھَا مِنْ عَبْدِکَ دَاوٗدَ اے اللہ! میرے اس سجدے کو تو اپنے پاس میرے لیے اَجر اور خزانے کا سبب بنا دے، اس سے تو میرا بوجھ ہلکا کر دے اور اسے مجھ سے اسی طرح قبول فرما لے جس طرح تو نے داؤد علیہ السلام کے سجدے کو قبول کیا تھا، ابن عباسؓ فرماتے ہیں، پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی، اور سجدے کی آیت پڑھ کر سجدہ کیا اور اس سجدے میں وہی دُعا پڑھی جو اُس شخص نے درخت سے سُنی تھی۔ بہر حال مفسرین کرام اس مقام پر سجدے کے وجوب کے حق میں بعض دیگر دلائل بھی پیش کرتے ہیں۔ البتہ امام شافعیؒ اس مقام پر سجدے کے قائل نہیں۔ اُن کے مطابق سورۃ حج میں دو سجدے ہیں۔ آیت نمبر ۱۸ پر سجدے کے تو سبھی قائل ہیں۔ البتہ امام شافعیؒ آیت نمبر ۷۷ پر بھی سجدہ کرتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ بھی ہے کہ چونکہ اس مقام پر لفظ رَاکِعًا آیا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص نماز کی حالت میں یہ آیت تلاوت کرنے کے فوراً بعد سجدے کی نیت سے رکوع میں چلا جائے تو سجدہ ادا ہو جائے گا، مزید سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی اور بہتر یہ ہے کہ یہ آیت تلاوت کرنے کے بعد سجدہ کرے اور پھر اُٹھ کر مزید تلاوت کرے اور پھر رکوع میں جائے جیسا کہ عام معمول ہے اور اگر یہ آیت نماز کے علاوہ تلاوت کی ہے، تو پھر لازماً سجدہ کرنا ہوگا جس کیلیے باوضو ہونا، قبلہ رُخ ہونا اور پیشانی کا زمین پر رکھنا ضروری ہے۔

ل

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ
بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فَیُضِلَّكَ
عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ
سَبِیْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌۢ بِمَا
نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ ع ۲ ۱۲ ۱۱
وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ
الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنَ
النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
كَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ
كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ
لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

ترجمہ :- اے داؤد (علیہ السلام)! بے شک ہم نے بنایا تجھ کو نائب زمین میں۔ پس فیصلہ کر لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ، اور نہ پیروی کرنا خواہش کی۔ پس یہ تجھے بھٹکا دیگی اللہ کے راستے سے۔ بیشک وہ لوگ جو بھٹکتے ہیں اللہ کے راستے سے ان کے لیے عذاب ہے سخت، اس وجہ سے کہ انہوں نے فراموش کر دیا

حساب کے دن کو (۲۶) اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان
اور زمین کو اور جو کچھ اُن دونوں کے درمیان ہے بیکار
یہ گمان ہے اُن لوگوں کا جنہوں نے کفر کا شیوہ
اختیار کیا۔ پس خرابی ہے اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے
کفر کیا دوزخ کی آگ سے (۲۷) کیا ہم ٹھہرائیں گے
اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام
کیے اُن کے برابر جو فساد کرتے ہیں زمین میں، یا ہم
بنا دیں گے متقیوں کو فاجروں کی طرح (۲۸) یہ کتاب
ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے آپ کی طرف
برکتوں والی تاکہ لوگ غور و فکر کریں اس کی آیتوں میں
اور تاکہ نصیحت حاصل کریں عقلمند لوگ (۲۹)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ نے کفار کی طعن و تشنیع اور غلط بیانی پر حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو صبر کی تلقین کی۔ پھر داؤد علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا کہ وہ بھی ابتداً آپ کی طرح نادار ہی تھے، کوئی جدی پشتی بادشاہ نہیں تھے، نہ اُن کے پاس مال و دولت تھا، مگر اللہ نے اُن کو بے انتہا قوتِ عملی عطا فرمائی تھی۔ انہوں نے سخت محنت اٹھائی اور جہاد میں کامیابی حاصل کی تو اللہ نے اُن کو نبوت اور خلافت دونوں چیزیں عطا فرمائیں۔ فرمایا آپ مطمئن رہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو بھی وسیع سلطنت عطا کریگا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی آزمائش کا تذکرہ کیا۔ کچھ لوگ دیوار پھاند کر اُن کے عبادت خانے میں داخل ہو گئے۔ جس کی وجہ سے وہ گھبرا گئے اور عبادت خانے کا نظام درہم برہم ہو گیا۔ اُن کو اپنی غلطی کا احساس ہُوا تو سجدہ ریز ہو گئے اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی یہ کوتاہی معاف فرما دی اور بلند مرتبہ عطا فرمایا، وہ اللہ کے ہاں

اچھے ٹھکانے کے مکین ہیں ۔

خلافتِ ارضی

اب آج کی ابتدائی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی خلافتِ ارضی کا ذکر فرما کر اُن کو اِس کے اصولوں اور فرائض سے آگاہ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ اے داؤد (علیہ السلام) ہم نے آپ کو زمین میں نیابت یا خلافت بخشی ہے بنیادی طور پہ اللہ تعالیٰ نے خلافتِ ارضی حضرت آدم علیہ السلام کے سپرد کی تھی جیسا فرمایا وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (البقرہ۔۳۰) جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں جو زمین پہ میرا نظام جاری کرے ۔ تو خلیفہ کا معنی نائب ہوتا ہے جو کسی دوسری اعلیٰ ذات کی طرف سے کسی کام کو انجام دے ۔ اور پھر آدم علیہ السلام کی وساطت سے اللہ نے خلافت کا یہ بار نسلِ انسانی میں منتقل کر دیا ۔ چنانچہ اللہ نے عام لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا بھلا کون پہنچتا ہے مضطرب کی پکار کو جب وہ اُس کو پکارتا ہے اور اُس کی تکلیف کو رفع کر دیتا ہے وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ (النمل۔۶۲) اور تمھیں زمین میں نائب بناتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ نسل اور خاندان کے اعتبار سے ہم اپنے آباؤ اجداد کے نائب ہیں ۔ جب وہ نہیں رہے تو اُن کی نیابت ہم انجام دے رہے ہیں ۔ اور جب ہم نہیں ہوں گے تو ہمارے جانشین آئندہ آنے والے لوگ ہوں گے اور کہیں خلافت و نیابتِ الٰہی سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکام و فرامین کو زمین میں نافذ کرنا ہے آدم علیہ السلام کی خلافت سے اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے اور پھر نفاذ احکامِ الٰہی کی ذمہ داری اللہ نے نسلاً بعد نسلٍ آنے والے لوگوں پہ ڈال دی ۔ اور فرمایا کہ ہم نے تمھیں زمین پہ خلافت عطا کی ۔

سورۃ نور میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور

آپ کی امت سے وعدہ فرمایا تھا لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (آیت ۔ ۵۵) میں انہیں بھی زمین میں ایسی ہی خلافت بخشوں گا جیسی پہلے لوگوں کو عطا کی گئی ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو مخاطب کرکے یہ وعدہ فرمایا اُن کو بتلا دیا کہ خلافتِ ارضی کے حصول کے لیے بعض شرائط بھی پوری کرنا ہوں گی ۔ چنانچہ اُن شرائط میں ایک شرط ہجرت بھی تھی ۔ یعنی خلافت کا حقدار وہ ہوگا جو اپنا گھربار اور وطن اللہ کے دین پر قربان کردیگا ۔ یہ شرط چاروں خلفائے راشدین میں پائی جاتی تھی ، لہٰذا خلافت کے اس وعدے کو اللہ نے اس امت کے ابتدائی دور میں پورا فرمادیا اور خلفائے راشدین کو بے مثال خلافت عطا فرمائی ۔ موسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے صاحبِ کتاب اور صاحب شریعت رسول تھے اور ساتھ ساتھ آپ خلیفہ فی الارض بھی تھے ۔ اسی طرح بعض دوسرے انبیاء اور لوگوں کو بھی نیابت عطا ہوئی ۔ جن میں حضرت داؤد علیہ السلام اور آپ کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام بھی شامل ہیں ۔

فرائض خلافت (۱) عدل

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو زمین میں خلافت عطا فرمائی تو اس کے ساتھ کچھ فرائض اور ذمہ داریاں بھی سپرد کیں ۔ چنانچہ پہلی ذمہ داری یہ ڈالی فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ آپ لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں ۔ دوسری جگہ ارشادِ خداوندی ہے اے پیغمبر! ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب نازل کی ہے إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ (النساء ۔ ۱۰۵) تاکہ آپ لوگوں کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کریں ۔ پھر اللہ نے عدل و انصاف کو عام لوگوں کے لیے بھی ضروری قرار دیا ، لوگو ! اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (المائدۃ ۔ ۸) انصاف کرو کہ یہ چیز تقوے کے قریب تر ہے ۔ یہ تو محض ترغیب تھی ، آگے اللہ نے عملاً فرمایا ۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ (النحل۔۹۰) اللہ تعالیٰ عدل و انصاف اور نیکی کا حکم دیتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی ہے[1] مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللّٰهُ رَعِيَّةً يَمُوتُ يَوْمَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ إِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ جس بندے کو اللہ تعالیٰ رعیت کا راعی، حاکم، امیر یا خلیفہ بنا دے اور پھر وہ رعیت کے حق میں خیر خواہی نہ کرے، تو فرمایا ایسا شخص جہنم کا سزاوار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ رعیت کے لوگوں کو تو ایمان اور سلامتی کے ساتھ جنت میں پہنچا دے گا۔ مگر ظالم اور غیر عادل حکمرانوں کو جہنم میں داخل کیے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ خلافت ایک امانت ہے جو اللہ نے انسانوں کے سپرد کی ہے اور یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے جس سے عہدہ برآ ہونا ضروری ہے۔

(۲) خواہش کا عدم اتباع

اللہ نے داؤد علیہ السلام سے فرمایا کہ خلافت کی پہلی ذمہ داری تو یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان عدل کرو اور دوسری یہ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى اور آپ خواہش کی پیروی نہ کریں۔ اگر ایسا کیا فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ ط تو یہ چیز آپ کو اللہ کے راستے سے بہکا دیگی۔ گمراہی کے اسباب میں سے خواہش کی پیروی بھی ایک سبب ہے اور یہ بہت بری خصلت ہے کہ حق و انصاف پر مبنی فیصلہ کرنے کی بجائے کوئی شخص اپنی مرضی چلائے اتباعِ ہوئی اس قدر مہلک بیماری ہے کہ اللہ نے فرمایا اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوٰىهُ (الجاثیہ۔۲۳) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے خواہش کو ہی معبود بنا لیا ہے۔ اس کی ڈور خواہش کے ہاتھ میں ہے، وہ جدھر چاہتی ہے آدمی کو لے جاتی ہے، اور انسان عدل و انصاف کو یکسر فراموش کر دیتا ہے۔ حدیث شریف[2] سے یہ مفہوم بھی اخذ ہوتا ہے کہ جن چیزوں کی دنیا میں پوجا کی جاتی ہے اُن میں سب سے خطرناک

---

[1] ـ

[2] ـ

چیز انسان کی خواہش ہوتی ہے۔ گویا حق کے راستے میں ایک رکاوٹ تو خواہش ہے اور دوسری رشوت ہے۔ یہ بھی مہلک بیماری ہے جس کو لگ جائے۔ جہنم میں پہنچائے بغیر نہیں چھوڑتی۔ فرمایا تیسری چیز جہالت ہے کہ انسان حقیقت حال معلوم کیے بغیر لاعلمی میں ہی کوئی فیصلہ کر دے۔ ان تینوں قسم کے لوگوں کو حضور علیہ السلام نے جہنم کی وعید سنائی ہے۔

خلیفہ ولید کے سامنے حق گوئی

مروان کے چاروں بیٹے اور آگے ان کی اولاد خاندان بنو امیہ کے خلیفہ گذرے ہیں۔ کسی نے ولید ابن عبدالملک خلیفہ وقت پر نکتہ چینی کی۔ ظاہر ہے کہ وہ بھی کوئی بڑا آدمی ہوگا، وگرنہ معمولی آدمی تو خلیفہ کے متعلق ایسی بات نہیں کر سکتا۔ اس شخص کی تنقید سن کر خلیفہ نے کہا، کیا خلفاء کے متعلق بھی ایسی بات کی جا سکتی ہے؟ میں چھتیس لاکھ مربع میل جیسی وسیع سلطنت کا خلیفہ ہوں اور تم مجھ سے ایسی بات کرتے ہو۔ وہ شخص صاحب علم تھا کہنے لگا، امیر المومنین! یہ بتائیں کہ آپ کی حیثیت زیادہ ہے یا حضرت داؤد علیہ السلام کی جو منصب خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ کے صاحب کتاب اور صاحب شریعت نبی اور رسول بھی تھے۔ ان کو اللہ نے یہی حکم دیا تھا۔ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى یعنی لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا اور خواہشات کی پیروی نہ کرنا داؤد علیہ السلام تو اللہ کے معصوم نبی تھے، پھر بھی آپ کو یہ حکم دیا گیا تھا۔ تو آپ اپنے آپ کو کیا حیثیت دیتے ہیں جب کہ آپ صرف خلیفہ ہیں اور آپ کو نہ نبوت عطا کی گئی ہے، نہ کتاب اور نہ شریعت، مزید برآں داؤد علیہ السلام کو اللہ نے براہ راست خلافت عطا فرمائی تھی يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ اے داؤد علیہ السلام ہم نے آپ کو زمین میں خلافت عطا کی ہے، جب کہ آپ تو نسلی طور پر خلیفہ ہیں۔ بات درست تھی لہٰذا ولید کوئی جواب نہ دے سکا۔

حکام کے لیے وعید

آگے اللہ تعالیٰ نے خلفاء، حکام، قاضیوں اور ججوں کو وعید بھی سنائی ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ جو لوگ خواہش کا اتباع کر کے اللہ کے راستے سے بہک جاتے ہیں اور عدل و انصاف کا دامن چھوڑ بیٹھتے ہیں لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ اُن کے لیے سخت عذاب ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ کہ انہوں نے حساب کے دن یعنی محاسبۂ اعمال کو بھلا دیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعید کسی خاص خلیفہ، خاص قوم یا خاص زمانے کے لیے نہیں بلکہ یہ وعید ہر زمان و مکان کے خلفاء، حاکموں، ججوں، قاضیوں اور صاحبِ اقتدار لوگوں پر یکساں طور پر لاگو ہے۔ جو بھی اللہ کی وعید کی زد میں آئے گا۔ عذابِ شدید کا مستوجب ہوگا۔ جج ایک بااختیار حاکم ہوتا ہے جو دائرہ قانون میں رہتے ہوئے اپنی صوابدید کے مطابق فیصلہ کرنے کا مجاز ہوتا ہے، لہٰذا اگر وہ حق و انصاف سے انحراف کر کے رشوت، سفارش، خواہش یا اقربا پروری کو فیصلے کی بنیاد بنائے گا تو ظاہر ہے کہ وہ ظالموں کی فہرست میں شمار ہوگا۔ اور ابدی سزا کا مستحق بنے گا۔ آج ہم اپنے معاشرے پر نگاہ ڈالیں تو پتہ چلے گا کہ حق و انصاف کا دور دورہ ہے یا ظلم و جور کا۔ ہر حکومت سستا انصاف مہیا کرنے کا دعویٰ کرتی ہے، مگر یہ آج تک کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ اِلاّ ماشاء اللہ۔ آج کے زمانے میں تو انصاف خریدنا پڑتا ہے۔ جس کے پاس پونجی ہے اُس کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا اور دوسرا فریق منہ دیکھتا رہ جائے گا۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی وعید سے ڈر جانا چاہیئے اور عدل و انصاف کو قائم کرنا چاہیئے۔

وقوعِ قیامت اور انصاف

اِس دنیا میں تو حصولِ انصاف جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ ایک تو حکام، قاضی اور ججوں کی غفلت، پھر اُن میں خواہش، رشوت اور سفارش کی لعنت، مقدمات کی پیچیدگی اور وکلاء کی طرف سے حقائق پوشی اور عدالتوں کو گمراہ کرنے کی کوشش، ایسے میں انصاف کہاں سے آئے گا؟ کم از کم اس

دنیا میں تو انصاف کا حصول ممکن نظر نہیں آتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو ٹھیک ٹھیک انصاف مہیا کرنے کے لیے یوم الدین یعنی انصاف کا ایک دن مقرر کیا ہے۔ اُس دن تمام فیصلے قطعی اور مبنی بر حق و انصاف ہوں گے کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی اور ہر حقدار کو پورا پورا حق دلایا جائے گا۔ آج تو مجرم بچ جاتے ہیں اور بے گناہ پھنس جاتے ہیں۔ مگر وہاں ایسا نہیں ہوگا یہ قیامت کا دن ہوگا۔ جب اللہ تعالیٰ کی عدالت لگے گی جہاں ہر شخص کو فرداً فرداً پیش ہو کر اپنا حساب چکانا ہوگا اور جہاں کسی کی طرف سے کوئی وکیل بھی پیش نہیں ہوگا۔ صحیح فیصلے اُس وقت ہی ہوں گے، چنانچہ وقوع قیامت اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس دُنیا میں کی گئی ظلم و زیادتی اور حق تلفی کی تلافی ہو سکے اور ٹھیک ٹھیک فیصلے ہو سکیں آج اگر دنیا میں حق و انصاف کا دور دورہ شروع ہو جائے تو یہ زمین بھی امن و امان کا گہوارہ بن جائے۔ اور سارا شر و فساد مٹ جائے۔

مقصد تخلیق انسانی

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے بعض حقائق کا تذکرہ فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ہم نے آسمان و زمین اور اُن دونوں کے درمیان کی چیزوں کو محض بیکار پیدا نہیں کیا۔ تم سمجھتے ہو کہ نظام کائنات خود بخود بغیر کسی نگرانی کے چل رہا ہے فرمایا ایسی بات نہیں ہے بلکہ یہ پورا نظام اللہ تعالیٰ کی قدرت تامہ اور حکمت بالغہ کا شاہکار ہے اللہ نے اس کو فضول پیدا نہیں کیا بلکہ اس کا کچھ مقصد ہے۔ فرمایا اگر کوئی سمجھتا ہے کہ کائنات کا پورا نظام فضول ہے، اُسکی کوئی افادیت نہیں ______ اور نہ اس کا کوئی خاص نتیجہ برآمد ہونے والا ہے۔ بلکہ انسان دنیا میں ایک حادثے کے طور پہ آتا ہے۔ زندگی پوری کرتا ہے اور چلا جاتا ہے، نہ آنے کا کوئی مقصد اور نہ جانے کا کوئی مطلب فرمایا۔ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یہ تو کفر کرنے والوں کا گمان ہے

ایسا خیال تو وہی کرے گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرت کا ہی منکر ہے وگرنہ کوئی صاحب ایمان اور صاحبِ عقل شعور آدمی ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ زمین اور آسمان کے درمیان پیدا ہونے والی مخلوقات میں اشرف المخلوقات خود انسان کا وجود ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتۡرَکَ سُدًی (القیٰمۃ۔۳۶) کیا انسان خیال کرتا ہے کہ اُسے یونہی بیکار چھوڑ دیا جائے گا؟ ہم نے تو اُسے بیکار محض پیدا نہیں کیا، بلکہ اسے اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت خاص مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ (الذّٰریٰت۔۵۶) ہم نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ تخلیقِ حیات کا مقصد اللہ کی پہچان ہے۔ یہ سلسلہ دنیا کا آغاز ہے اور ظاہر ہے کہ جس چیز کا آغاز ہے اُس کا انجام بھی ضرور ہوگا۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ہر شخص کو قطعی جزا یا سزا ملنے والی ہے۔ اور اس کے لیے اللہ نے قیامت کا دن مقرر کیا ہے۔ لہٰذا اس سارے نظام کو باطل تصور کرنا کافروں کا شیوہ ہی ہوسکتا ہے۔ فرمایا فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنَ النَّارِ پس تباہی اور بربادی ہے آگ سے اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا۔ انہیں جہنم کی آگ کا مزہ چکھنا ہوگا۔

نیک و بد میں امتیاز

آگے اللہ تعالیٰ نے تفہیم کے انداز میں فرمایا ہے اَمۡ نَجۡعَلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَالۡمُفۡسِدِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ کیا ہم اہلِ ایمان اور اعمالِ صالحہ انجام دینے والوں کو فساد فی الارض کرنے والوں کے برابر کر دیں گے؟ ایک طرف اللہ کی توحید پر ایمان لانے والے اور اچھے کام کرنے والے ہیں، اور دوسری طرف کافر، مشرک اور بدعتی ہیں، ظلم و زیادتی اور قتل و غارتگری کرنے والے لوگ ہیں، لوگوں کے حقوق کے غاصب ہیں، دین اور شریعت کے مخالف ہیں، اِن لوگوں کے اخلاق، عمل اور اعتقاد میں فساد بھرا ہوا ہے تو یہ مومنوں اور اعمال صالحہ انجام دینے والوں کی طرح کیسے ہوسکتے

ہیں؟ فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ہے۔ نیز فرمایا اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ کیا ہم اللہ کے متقی اور پرہیزگار بندوں کو جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ فاجروں اور فاسقوں کے برابر لے آئیں گے؟ یہ تو بے انصافی اور اندھیر نگری کی بات ہوگی۔ اس کو عقل سلیم بھی تسلیم نہیں کرتی، چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ ایسا کرے جو احکم الحاکمین اور سب سے زیادہ انصاف کرنے والا ہے۔

نیکی اور بدی میں امتیاز کو سمجھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم الشان کتاب نازل فرمائی ہے جس کے متعلق ارشاد ہے كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ اے پیغمبر! ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب نازل فرمائی ہے مُبٰرَكٌ جو کہ بڑی ہی بابرکت ہے۔ مگر یہ برکات اُس شخص کے لیے ہیں جو اس کو اللہ کی سچی کتاب تسلیم کرتا ہے اور اس سے استفادہ کرنا چاہتا ہے۔ جو لوگ اس کتاب کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کے پروگرام کے راستے میں روڑے اٹکاتے ہیں اُن کے لیے یہ کتاب بابرکت نہیں ہو سکتی بلکہ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل-۸۲) ایسے لوگوں کے لیے تو یہ کتاب مزید نقصان کا باعث ہی ہو سکتی ہے۔ البتہ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (بنی اسرائیل-۸۲) اہل ایمان کے لیے یہ شفا اور رحمت ہے۔ بہر حال فرمایا حق و باطل، نیک و بد، اہل ایمان اور فاسق و فاجر میں امتیاز کرنے کے لیے اس کتاب کو کلیدی حیثیت حاصل ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے۔

تدبر فی القرآن

اور اس کتاب کی غایت یہ ہے لِيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں۔ ظاہر ہے کہ نیک و بد میں امتیاز بھی جبھی قائم ہوگا جب کلام الٰہی میں غور و خوض کیا جائے گا۔ اور غور کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی اس کتاب کو سُنے۔ پھر دوسرا درجہ اس کے سمجھنے کا، تیسرا اس کے اصولوں کو جاننے کا، چوتھا اس پر عمل کرنے کا اور پانچواں درجہ اس کو آگے

پہنچانے کا ہے۔ گویا تدبر میں الفاظ بھی شامل ہیں، معانی بھی اور اصول بھی۔ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو اس زمانے میں کوئی بھی شخص اللہ کی کتاب میں غور و فکر کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا۔ کسی نے بہت زیادہ کیا تو تھوڑی بہت خالی تلاوت کر لی اور بس، ورنہ اس کتاب حکیم کے معانی و مطالب کو سمجھ کر اس پہ عمل کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔ مگر جب ہم ماحول پہ نگاہ ڈالتے ہیں تو اس زمانے میں محض تلاوت کر لینا بھی بسا غنیمت ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک مرد و زن صبح کی نماز ادا کرتے، اس کے بعد ہر گھر سے تلاوتِ قرآنِ پاک کی آوازیں آیا کرتی تھیں، مگر آج وہ آوازیں ختم ہو کر ریڈیو اور ٹیلیویژن کی آوازیں رہ گئی ہیں جو ہر گھر سے صبح و شام سنائی دیتی ہیں۔ تاہم اس کتاب کا اصل مقصد خالی تلاوت نہیں بلکہ اس کو سمجھنا اور غور و تدبر کرنا ہے۔

اللہ نے کتاب کی دوسری غرض یہ بیان فرمائی ہے وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ تاکہ عقلمند لوگ نصیحت حاصل کریں۔ ظاہر ہے کہ نصیحت تو جبھی حاصل ہوگی جب لوگ اس کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ اگر اس کو سمجھنے کی کوشش ہی نہ کی گئی اور محض چوم چاٹ کر اور غلاف میں لپیٹ کر رکھ دیا گیا تو نصیحت کیسے آئیگی؟ حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنا قرآن کریم کے ساتھ غداری کرنے کے مترادف ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس عظیم المرتبت کتاب کی ظاہری تعظیم بھی ضروری ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی تاکید فرمائی ہے مگر یہ مقصود و منتہا تو نہیں ہے۔ اس کی غایت تو اس کو سمجھ کر اس پہ عمل کرنا اور پھر دوسروں تک پہنچانا ہے تاکہ سارے صاحبِ عقل لوگ اس سے مستفید ہو سکیں۔

نیکی اور بدی میں اس امتیاز کی وضاحت کے بعد اگلی آیات کا ربط پھر سابقہ مضمون کے ساتھ ہوگا۔ داؤد علیہ السلام کے تذکرہ کے بعد آگے اللہ نے آپ کے جلیل القدر فرزند اور اللہ کے عظیم الشان نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کے

بعض واقعات بیان فرمائے ہیں۔ اُن کو بھی زندگی میں پریشانی لاحق ہوئی، تو انہوں نے بھی صبر کیا، حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلّم کو بھی فرمایا جا رہا ہے، کہ آپ بھی سابقہ انبیاء علیہم السلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے۔ مصائب و تکالیف پر صبر کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہیں۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ
اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ
الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾ فَقَالَ اِنِّيْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ
ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ رُدُّوْهَا
عَلَيَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾

ترجمہ :- اور بخشا ہم نے داؤد علیہ السلام کے لیے (فرزند) سلیمان علیہ السلام بہت اچھا بندہ تھا۔ بیشک وہ رجوع رکھنے والا تھا ﴿۳۰﴾ جب پیش کیے گئے اس کے سامنے پچھلے پہر عمدہ تیز رفتار گھوڑے ﴿۳۱﴾ پس کہا اس نے تحقیق میں نے پسند کیا ہے مال کی محبت کو اپنے رب کی یاد سے، یہاں تک کہ سورج حجاب میں چلا گیا ﴿۳۲﴾ لوٹاؤ ان کو میری طرف، پس شروع کیا انہوں نے اور جھاڑنے لگے پنڈلیوں اور گردنوں کو ﴿۳۳﴾

ربط آیات

مشرکین کا رد کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر آخر الزمان اور آپ کے رفقاء کو کفار کی ایذاء رسانیوں کے مقابلے میں صبر کی تلقین فرمائی اور اس ضمن میں حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا کہ انہوں نے بھی آزمائش کے وقت صبر و برداشت سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بے شمار نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ اللہ نے آپ کو نبوت و رسالت کے ساتھ خلافت و حکومت

بھی عطا فرمائی اور آپ کے درجات کو بلند فرمایا، اس میں اشارہ تھا کہ آپ بھی پیش آمدہ تکالیف کو برداشت کریں۔ ایک وقت آنے والا ہے جب آپ کے مخالفین ناکام ہو جائیں گے اور کامیابی آپ ہی کے قدم چومے گی، پھر درمیان میں اللہ نے نصیحت کی کچھ باتیں بتائیں۔ پھر نیک و بد میں امتیاز کا ذکر ہوا، اور ساتھ ساتھ اس امتیاز کو واضح کرنے والی عظیم کتاب قرآن حکیم کا بھی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بابرکت کتاب اس لیے نازل فرمائی ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں اور صاحب عقل لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔

سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ

اب آج کی آیات کا ربط پھر سابقہ مضمون اللہ کے نبی اور رسول حضرت داؤد علیہ السلام کے تذکرے کے ساتھ ہو رہا ہے۔ آپ پر ہونے والے انعامات ہی کے ضمن میں ایک اور بڑے انعام کا ذکر ہے۔ جو اللہ نے آپ کو سلیمان علیہ السلام جیسا عظیم فرزند عطا کر کے فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ اور ہم نے بخشا داؤد علیہ السلام کو سلیمان علیہ السلام جیسا جلیل القدر فرزند، نبی اور رسول۔ نِعْمَ الْعَبْدُ آپ اللہ کے بہت ہی خوب بندے تھے۔ إِنَّهُ أَوَّابٌ بے شک آپ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھنے والے تھے۔ رجوع الی اللہ والی صفت باپ اور بیٹا دونوں میں پائی جاتی تھی۔ اسی طرح اللہ نے دونوں کو نبوت و رسالت کے ساتھ ساتھ خلافت بھی عطا فرمائی بلکہ سلیمان علیہ السلام کی سلطنت تو بے مثال تھی اور باپ کی سلطنت سے بھی ممتاز تھی۔ آگے ذکر آ رہا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے خود اللہ تعالےٰ سے درخواست کی تھی کہ مولا کریم! مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو ایسی بے مثال ہو کہ نہ پہلے کسی کو میسر آئی ہو اور نہ میرے بعد کسی کو حاصل ہو۔ اللہ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور آپ کو بے مثال حکومت عطا فرمائی۔ اتنی وسیع و عریض سلطنت کے امور کی دیکھ بھال آپ نہایت حسن و خوبی کے ساتھ

انجام دیتے تھے۔ اور پھر امورِ سلطنت کی تمام تر مصروفیات کے باوجود آپ اللہ کی طرف بھی رجوع رکھتے تھے اور اُس کی عبادت و ریاضت میں بھی کمی نہیں آنے دیتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے کُل انیس ۱۹ بیٹے تھے جن میں سلیمان علیہ السلام سب سے چھوٹے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا اور کمال درجے کی صلاحیت اور استعداد عطا فرمائی تھی۔ آپ کے فضائل سابقہ سورتوں انعام، نمل، انبیاء اور سبا وغیرہ میں بیان ہو چکے ہیں۔ اللہ نے جنوں، پرندوں اور ہوا کو بھی آپ کے تابع کر دیا تھا۔ قوتِ فیصلہ اس قدر وافر عطا فرمائی تھی کہ باپ کی موجودگی اور کم سنی کی عمر میں بھی بڑے بڑے فیصلے کر جاتے تھے۔

داؤد علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ صرف تیرہ سال کی عمر میں باپ کے جانشین بنے۔ اللہ نے فرمایا وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ (النمل-١٦) اور انتظامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لیا۔ آپ نے چالیس سال تک بیمثال حکومت کی اور منصبِ رسالت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔

سلیمان علیہ السلام کی ابتلاء

اب اگلی آیات میں سلیمان علیہ السلام کی ایک آزمائش کا ذکر کیا گیا ہے جو آپ پر ایک معمولی سی کوتاہی کی بناء پر آئی۔ اس سورۃ مبارکہ میں آپ کی دو آزمائشوں کا ذکر آرہا ہے، اُن میں سے یہ پہلی آزمائش ہے جس کو یہاں اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ جب کہ پیش کیے گئے آپ پر پچھلے پہر نہایت عمدہ، اصیل اور تیز رفتار گھوڑے۔ صفن ایسے گھوڑے کو کہتے ہیں جو عام طور پر تین پاؤں پر کھڑا ہوتا ہے یعنی تین پاؤں پر تو پورا وزن ڈالتا ہے جب کہ چوتھے پاؤں کا صرف اگلا پنجہ زمین پر رکھتا ہے۔ نسلی اعتبار سے یہ عمدہ گھوڑے کی علامت ہے، جو کارکردگی کے لحاظ سے دوسرے گھوڑوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ سلیمان علیہ السلام کے اصطبل میں اس قسم کے ہزاروں

گھوڑے تھے جو جہاد میں استعمال ہوتے تھے اور سلیمان علیہ السلام کو ان سے بڑی محبت تھی اور ان کی دیکھ بھال خود کیا کرتے تھے۔

فرمایا اس قسم کے گھوڑے آپ کی خدمت میں سہ پہر کے وقت پیش کیے گئے۔ آپ ان کے معائنہ میں مصروف تھے۔ ہر ایک کو فرداً فرداً دیکھ رہے تھے کہ کسی گھوڑے میں کوئی نقص تو نہیں واقع ہوگیا۔ اسی کام میں وقت زیادہ لگ گیا اور جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ سورج غروب ہوگیا۔ اسی دوران یعنی غروبِ آفتاب سے پہلے آپ کی نماز یا دیگر عبادت کا وقت بھی تھا۔ آپ گھوڑوں کے معائنہ میں اس قدر محو رہے کہ آپ کی نماز کا وقت ہی جاتا رہا۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔

گھوڑوں سے محبت

جونہی آپ معائنہ سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ سورج غروب ہوچکا ہے اس وقت آپ کو تشویش لاحق ہوئی کیونکہ نماز کا وقت گزر چکا تھا۔ اس وقت آپ نے نہایت مغموم ہوکر کہا فَقَالَ اِنِّیْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِکْرِ رَبِّیْ افسوس کہ میں نے اپنے پروردگار کے ذکر سے مال کی محبت کو پسند کیا ہے۔ آپ کو دکھ ہوا کہ ان گھوڑوں کی دیکھ بھال میں مصروفیت کی وجہ سے اُن کی نماز ضائع ہوگئی حالانکہ گھوڑوں پہ ذکرِ الٰہی کو ترجیح دینی چاہیئے تھی حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ یہاں تک کہ سورج حجاب میں چلا گیا یعنی غروب ہوگیا اور عبادت کا وقت جاتا رہا۔

پہلی تفسیر

مفسرین کرام اس آیت کی تفسیر دو طریقوں سے کرتے ہیں اور وہ دونوں تفسیریں درست ہیں۔ پہلی تفسیر یہ ہے کہ عَنْ ذِکْرِ رَبِّیْ میں عَنْ بطور علت ہے اور اس طرح معنیٰ یہ بنتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے کہا "میں نے ان گھوڑوں سے محبت کی ہے رب تعالیٰ کے ذکر کی وجہ سے" مطلب یہ کہ آپ کو ذکرِ الٰہی کے فوت ہوجانے پہ ملال نہیں ہوا۔ بلکہ گھوڑوں کی دیکھ بھال اور ان سے محبت کو ذکر ہی کا حصہ قرار دیا۔ ظاہر ہے کہ مذکورہ

گھوڑے جہاد میں کام آتے تھے اور اُن کی دیکھ بھال اور تربیت بھی جہاد ہی کا حصہ سمجھا جائے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ نماز فرض ہے تو اس کی ادائیگی کی تیاری کے لیے انجام دیے گئے جملہ امور وضو وغیرہ بھی اسی کے تحت آئیں گے اب ایک طرف جہاد جیسا اہم فریضہ ہے جس میں مال وجان کی بازی لگانا پڑتی ہے اور دوسری طرف زبانی ذکر ہے جس میں اللہ کی بڑائی بیان کی جاتی ہے۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو جہاد بھی اعلائے کلمۃ الحق کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے اور یہ بھی یاد الٰہی کا ہی ایک حصہ ہے، لہٰذا جہاد کی تیاری میں ذکر الٰہی کا فوت ہو جانا کوئی خاص حرج والی بات نہیں ہے۔ چنانچہ سلیمان علیہ السلام نے خادموں کو حکم دیا رُدُّوهَا عَلَيَّ ان کو میری طرف واپس پلٹاؤ۔ ظاہر ہے کہ گھوڑوں کی تربیت کی جارہی ہوگی اور اس مقصد کے لیے انہیں دوڑایا جارہا ہوگا، تو آپ نے فرمایا کہ انہیں میرے پاس واپس لاؤ۔ پس جب اُن کو آپ کے پاس لایا گیا۔ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ تو سلیمان علیہ السلام اُن کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ مسح کے کئی معنی آتے ہیں۔ جن میں ہاتھ پھیر کر جھاڑ پونچھ کرنا بھی ہے اور ایسا محبت اور عزت واکرام کی بناء پر کیا جاتا ہے۔ چونکہ سلیمان علیہ السلام کو جہاد میں کام آنے والے عمدہ قسم کے گھوڑوں سے محبت تھی لہٰذا آپ نے اُن کی حوصلہ افزائی کے لیے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔

دوسری تفسیر

ان آیات کی ایک تو یہ تفسیر ہے اور دوسری تفسیر جو عام طور پر اختیار کی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ جب گھوڑوں کی دیکھ بھال میں سلیمان علیہ السلام کی عبادت کا فریضہ رہ گیا تو آپ کو اس پر سخت رنج ہوا۔ اور کہنے لگے "میں نے مال کی محبت کو ذکرِ الٰہی پر ترجیح دی ہے"۔ یہ مفسرین اَحْبَبْتُ کا معنیٰ "میں نے ترجیح دی ہے" کرتے ہیں اور اس طرح انہوں نے اپنی اس کوتاہی پر اپنے آپ کو گویا ملامت کی کہ اُن سے یہ غلطی ہوئی ہے کہ گھوڑوں کی دیکھ بھال میں لگے

سے اور نماز فوت ہو گئی یہ حضرات عَنْ ذِکْرِ کو عَلٰی ذِکْرِ پر محمول کرتے ہیں ۔ اور اس طرح مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ میں نے مال کی محبت کو ذکر الٰہی سے نہیں بلکہ ذکرِ الٰہی پر ترجیح دی ۔ اس کی مثال قرآن پاک کی دوسری آیت میں بھی ملتی ہے وَمَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِہٖ ۔ محمد ۔ ۳۸) جو شخص بخل کرتا ہے تو وہ اپنے ہی نفس پر بخل کرتا ہے ۔ یہاں بھی عَنْ کا معنی عَلٰی کے طور پر آیا ہے ۔ اسی طرح بعض مفسرین نے اَحْبَبْتُ کا معنی قَعَدْتُّ کیا ہے یعنی میں مال کی محبت میں ذکرِ الٰہی سے بیٹھ گیا اور اس کی طرف توجہ نہ دی ۔ مسح کا معنیٰ دھونا بھی آتا ہے اور نشان لگانا بھی ۔ حضور علیہ السلام بعض جانوروں کو نشان لگا کر جہاد کے لیے وقف کر دیتے تھے ۔ البتہ آپ کا حکم تھا کہ ایسے جانوروں کو چہرے کی بجائے جسم کے کسی دوسرے حصے پر داغا جائے ۔

مسح کا معنیٰ قطع بھی آتا ہے ، کاٹ دینا یا ذبح کر دینا ۔ چنانچہ امام سیوطیؒ نے درمنثور میں طبرانی اور مجمع الزوائد کے حوالے سے ابی ابن کعبؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ سے مراد قَطْعًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ بِالسَّیْفِ ہے یعنی سلیمان علیہ السلام نے اُن گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں کو تلوار سے کاٹنا شروع کر دیا اور ان میں سے ایک معتد بہ تعداد کی قربانی کر دی کیونکہ اِن میں مشغولیت کی وجہ سے آپ کی فرض عبادت ضائع ہو گئی تھی ۔ یہ درجہ دوئم کی مرفوع حدیث ہے اور قابل اعتماد ہے ۔ اس طرح گویا سلیمان علیہ السلام نے اپنی کوتاہی پر اپنے آپ کو سزا دینے کے لیے یا اپنی اصلاح کے لیے اپنے آپ کو گھوڑوں سے محروم کر دیا ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے اور اس کی مثال خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارکہ سے ملتی ہے ۔ ابو جہمؓ صحابی نے شام کی بنی ہوئی خوبصورت نقش و نگار والی چادر یا کمبل حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا ۔ آپ نے قبول فرمایا اور اوڑھ کر نماز ادا کی ۔ دورانِ نماز آپکی

توجہ کمبل کے نقش و نگار کی طرف مبذول ہوگئی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے فرمایا کہ یہ کمبل ابوجہمؓ کو واپس کر دو اور اس کی بجائے مجھے سادہ کمبل لا دو تاکہ صحابی کی دل شکنی نہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کا واقعہ بھی ایسا ہی ہے جو موطا میں مذکور ہے۔ آپ اپنے باغ میں نماز ادا کر رہے تھے۔ باغ بڑا گھنا تھا۔ اتنے میں ایک چھوٹا سا پرندہ درختوں کے گھنے پتوں میں داخل ہوا اور پھر وہیں پھنس کر رہ گیا اُس کے پھڑپھڑانے کی وجہ سے اُبوطلحہؓ کی توجہ اُس طرف چلی گئی۔ آپ کو بڑا رنج ہوا کہ نماز میں خلل واقع ہوا ہے۔ چنانچہ آئندہ کسی ایسے وقوعہ سے بچنے کے لیے سارا باغ ہی اللہ کے راستے میں وقف کر دیا اور خود اُس سے دست بردار ہو گئے۔ اسی طرح کعب ابن مالکؓ کا واقعہ بھی آتا ہے۔ آپ غزوہ تبوک میں شامل نہ ہو سکے کیونکہ آپ کو اپنے کھجوروں کے باغ کی دیکھ بھال کرنا تھی۔ اس کوتاہی پر آپ پر سخت ابتلاء آئی۔ چالیس دن تک آپ کا سخت بائیکاٹ رہا اور مدینے کا کوئی شخص آپ سے کلام تک کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ بالآخر پچاس روز بعد اللہ نے سورۂ توبہ کی آیات نازل فرما کر آپ کی توبہ قبول فرمائی۔ پھر آپ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اپنی تمام املاک اور باغ وغیرہ کی وجہ سے مجھ پر ابتلاء آئی۔ میں اس کو اللہ کی راہ میں وقف کرتا ہوں تاکہ آئندہ ایسی کوئی کوتاہی نہ ہونے پائے۔ غرضیکہ اسی اصول کے تحت سلیمان علیہ السلام نے بھی اپنے عمدہ گھوڑوں کی ایک بڑی تعداد کو قربان کر دیا۔

خلاصہ

بہرحال ان آیات کی دو طرح کی تفسیر میں نے آپ کے گوش گزار کر دی ہے۔ پہلی تفسیر یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے جہاد کے گھوڑوں کی تربیت اور دیکھ بھال کو ذکرِ الٰہی کے منافی نہ سمجھا بلکہ نماز کے فوت ہو جانے پر گھوڑوں کی حوصلہ افزائی کے لیے اُن کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرا اور ان کی جھاڑ

پونچھ کر کے اُن کا گرد و غبار دور کر دیا۔ اور دوسری تفسیر یہ کہ سلیمان علیہ السلام کو نماز یا ذکر کی فوتیدگی کا سخت رنج ہوا، اور انہوں نے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کے کفارے کے طور پر بہت سے گھوڑے ذبح کر ڈالے اور اس طرح سزا کے طور پر اپنے آپ کو اتنے عمدہ گھوڑوں سے محروم کر لیا۔

بعض متفرع مسائل

اس واقعہ میں ایک مسئلہ گھوڑے کی قربانی کا آیا ہے۔ اُس دور میں گھوڑے کی قربانی جائز تھی۔ یہ جانور حلال تو ہماری شریعت میں بھی ہے۔ جیساکہ بخاری شریف میں روایت موجود ہے، البتہ اس کی قربانی نہیں کی جاتی۔ بلکہ اس مقصد کے لیے اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری نر و مادہ کو استعمال کیا جاتا ہے جن کا ذکر سورۃ الانعام میں موجود ہے۔

مفسرین کرام اس واقعہ سے یہ مسئلہ بھی اخذ کرتے ہیں کہ حاکم کو امور سلطنت کی دیکھ بھال بذاتہٖ خود کرنی چاہیئے جیساکہ سلیمان علیہ السلام کی سیرت سے واضح ہوتا ہے۔ اس سے یہ مسئلہ بھی متفرع ہوتا ہے کہ کسی ایک عبادت کے وقت میں کوئی دوسری عبادت کرنا درست نہیں ورنہ بدنظمی پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ اس اصول کے تحت سلیمان علیہ السلام کو نماز کے وقت نماز ہی ادا کرنی چاہیئے تھی۔ اور گھوڑوں کی دیکھ بھال کسی دوسرے وقت پر ملتوی کر دینی چاہیئے تھی۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جب جمعہ کی اذان ہو جائے تو نماز جمعہ کی تیاری کے علاوہ کوئی دوسرا کام کرنا جائز نہیں حتّٰی کہ اس دوران میں نفل پڑھنا یا قرآن پاک کی تلاوت کرنا بھی درست نہیں۔ ہاں مسجد میں پہنچ کر نوافل ادا کر سکتا ہے یا تلاوت قرآن پاک کر سکتا ہے۔

درس ششم ۶ — آیت ۳۴ تا ۴۰

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ
جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ
لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ ۢبَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ
اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ
بِاَمْرِهٖ رُخَاۗءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَالشَّيٰطِيْنَ
كُلَّ بَنَّاۗءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ
فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هٰذَا عَطَاۗؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ
اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى
وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾ ع ۳ ۱۴ ۱۲

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق ہم نے آزمائش میں ڈالا
سلیمان (علیہ السلام) کو ، اور ڈال دیا اُن کی کرسی پر ایک دھڑ
پھر انہوں نے رجوع کیا اللہ کی طرف ﴿۳۴﴾ کہنے لگے
اے پروردگار ! معاف کر دے مجھے ، اور بخش مجھے
ایسی بادشاہی جو نہ لائق ہو کسی کے لیے میرے بعد ۔
بیشک ، تو بہت ہی بخشش کرنے والا ہے ﴿۳۵﴾ پس
ہم نے مسخر کر دیا ان کے لیے ہوا کو جو چلتی تھی
اُن کے حکم سے نرم نرم جہاں بھی وہ پہنچنا چاہتے
تھے ﴿۳۶﴾ اور شیطانوں کو بھی (مسخر کر دیا) ہر ایک

اُن میں عمارت بنانے والا اور پانی میں غوطہ لگانے والا ﴿۳۷﴾ اور بہت سے دوسرے جو جکڑے ہوئے تھے بیڑیوں میں ﴿۳۸﴾ (فرمایا اللہ تعالیٰ نے) یہ ہماری بخشش ہے، پس تم احسان کرو یا روک دو بغیر حساب کے ﴿۳۹﴾ اور بیشک اُس (سلیمان علیہ السلام) کے لیے ہمارے نزدیک البتہ مرتبہ ہے اور بہت اچھا ٹھکانا ﴿۴۰﴾

ربطِ آیات

پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش، پریشانی اور اُن کے رجوع الی اللہ کا ذکر کیا۔ پھر آپ کے فرزند اور اللہ کے جلیل القدر صاحبِ شریعت رسول اور خلیفۃ اللہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ ہُوا۔ اُن پر ہونے والے انعامات کا ذکر ہُوا۔ گھوڑوں کی دیکھ بھال میں نماز فوت ہو جانے کی وجہ سے اُن پہ آنے والی ابتلاُ اور پھر اُن کی طرف سے اُن قیمتی گھوڑوں کی قربانی کا حال بیان ہُوا۔ اب آج کے درس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی دوسری آزمائش کا ذکر ہو رہا ہے۔

دوسری آزمائش

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ اور البتہ تحقیق ہم نے سلیمان علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالا۔ فتنہ کا معنیٰ آزمائش، ابتلاء یا جانچنا ہوتا ہے۔ اور آزمائش یہ تھی وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا کہ ہم نے اُن کی کرسی یا تخت پر ایک دھڑ کو لا کر ڈال دیا۔ ثُمَّ اَنَابَ اور پھر آپ نے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ مفسرین کرام نے اس آیت کریمہ کی تفسیر دو طریقے سے کی ہے۔

پہلی تفسیر

پہلی تفسیر جو عام طور پر مفسرین کرتے ہیں۔ وہ اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہے اور صحیح نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک انگوٹھی تھی جس پر اسمِ اعظم کندہ تھا اور آپ اس کی برکت سے نظامِ سلطنت نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ آپ نے

غسل خانے میں جانے سے پہلے انگوٹھی اپنی کسی خادمہ کو دے دی کہ فارغ ہو کر لے لوں گا۔ اس اثنا میں صخر نامی ایک جن نے کسی حیلے سے وہ انگوٹھی خادمہ سے حاصل کر لی۔ روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ جن حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکل میں آیا اور انگوٹھی طلب کی تو خادمہ نے اسے اپنا آقا سمجھ کر انگوٹھی اس کے حوالے کر دی۔ پھر کیا تھا، وہ جن تخت سلیمانی پر بیٹھ گیا اور پوری سلطنت پر قابض ہو گیا، یہ حضرات ٹکڑا آیت وَاَلْقَیْنَا عَلٰی کُرْسِیِّهٖ جَسَدًا کا یہی مطلب لیتے ہیں کہ جن تخت پر قابض ہو گیا۔ جب سلیمان علیہ السلام فارغ ہوئے اور خادمہ سے انگوٹھی طلب کی تو اس نے آپ کو پہچاننے سے ہی انکار کر دیا کیونکہ سارا معاملہ ہی تبدیل ہو چکا تھا۔ پھر سلیمان علیہ السلام کو خطرہ پیدا ہوا کہ جن سلطنت پر تو قابض ہو ہی چکا ہے، کہیں وہ ان کو قتل ہی نہ کر دے، لہٰذا آپ چھ ماہ تک کہیں روپوش رہے۔ رعایا کو علم ہی نہیں تھا کہ سلیمان علیہ السلام روپوش ہو چکے ہیں اور جن نقلی سلیمان بن کر ان پر حکومت کر رہا ہے۔ پھر ایسا اتفاق ہوا کہ وہ انگوٹھی جن کے ہاتھ سے کسی طرح سمندر میں گر گئی جسے مچھلی نے نگل لیا۔ وہ مچھلی شکار ہوئی اور بکتی بکاتی سلیمان علیہ السلام تک پہنچ گئی۔ جب انہوں نے مچھلی کا پیٹ چاک کیا، تو اس میں سے آپ کی انگوٹھی برآمد ہو گئی جسے آپ نے فوراً پہن لیا اور آپ کا کاروبارِ سلطنت پھر بحال ہو گیا تو بعض مفسرین نے اس واقعہ کو سلیمان علیہ السلام کی ابتلاء سے تعبیر کیا تھا۔

تاہم امام رازیؒ مفسرِ قرآن فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس واقعہ کو بعض مفسرینؒ نے بیان کیا ہے مگر یہ بالکل من گھڑت ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ کوئی جن سلیمان علیہ السلام کی شکل میں آ کر اس قسم کی دھاندلی کرتا کیونکہ آپ اللہ کے جلیل القدر نبی اور رسول تھے اور اللہ نے آپ کو خلافتِ ارضی بھی عطا فرمائی۔ جن کے لیے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ آپ کی شکل اختیار کرتا۔ اس واقعہ سے متعلق بعض حضرات اس بات کا ذکر بھی کرتے ہیں کہ حضرت

سلیمان علیہ السلام کے گھر میں کوئی مشرکہ عورت تھی، آپ نے اُس کے بارے میں کچھ تغافل کیا اور آپ کو پتہ ہی نہ چلا، اس وجہ سے انگوٹھی آپ سے گم ہوگئی اور یہ آزمائش آئی۔ یہ قصہ بھی بالکل غلط ہے کیونکہ اللہ کے نبی کے بارے میں ایسا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

دوسری تفسیر

بخاری، مسلم اور دیگر کُتب احادیث میں آنے والی صحیح احادیث کے مضامین کو مربوط کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے ایک موقعہ پر اپنے فوجیوں میں کچھ سستی کا احساس پایا تو آپ سخت دل برداشتہ ہوئے اور انہوں نے قسم اٹھائی کہ میں رات کو اپنی سو یا کم وبیش ہر ایک بیوی کے پاس جاؤں گا، وہ حاملہ ہوں گی اور ان سے پیدا ہونے والا ہر بچہ مجاہد بن کر فوج میں خدمات انجام دے گا۔ مگر اس قسم کے ساتھ آپ انشاء اللہ کہنا بھول گئے حالانکہ یہ چیز آپ کے ذہن میں تھی اور فرشتے نے بھی آپ کو یاد دلایا تھا مگر یہ ابتلاء آنی تھی، لہذا آپ سے نسیان ہوگیا اور انشاء اللہ نہ کہہ سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ تمام بیویوں میں سے صرف ایک بیوی حاملہ ہوئی اور اس کے ہاں بھی ایک ادھورا یعنی اپاہج سا بچہ پیدا ہُوا۔ جسے لاکر آپ کے تخت پر ڈال دیا گیا تاکہ آپ جان سکیں کہ آپ کی قسم کا یہ نتیجہ برآمد ہُوا ہے۔ اس پر سلیمان علیہ السلام کو اپنی لغزش کا احساس ہوا، انہوں نے پروردگار کی طرف رجوع کیا۔ اور اس کوتاہی پر معافی مانگی۔

صحیح حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان بھی موجود ہے۔ کہ اگر سلیمان علیہ السلام قسم اٹھاتے وقت انشاء اللہ کہہ دیتے تو انہیں مقصد حاصل ہو جاتا مگر نہ کہنے کی وجہ سے آپ پر ابتلاء آئی اور ایک ادھورا بچہ آپ کی کرسی پر ڈال دیا گیا۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا، اور معافی طلب کی۔ یہ ایک ایسی معمولی سی لغزش تھی جو عام لوگوں کے لیے گناہ نہیں ہوتا مگر اللہ کے نبی کے لیے اتنی کوتاہی بھی قابلِ مواخذہ بن جاتی ہے۔ اس آیت کریمہ کی یہ تفسیر صحیح احادیث میں ملتی ہے اور یہی زیادہ قرینِ قیاس ہے۔

مودودی صاحب کی غلطی

مذکورہ بالا حدیث کو تسلیم نہ کر کے مولانا مودودی مرحوم نے شدید غلطی کی ہے کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مضمون اس لحاظ سے خلاف عقل ہے کہ کوئی شخص ایک رات میں اتنی تعداد میں بیویوں کے پاس کیسے جا سکتا ہے۔ پھر انہوں نے رات کے اوقات کو تقسیم کر کے ہر بیوی کے حصے میں آنے والے منٹوں کا حساب لگا کر بتایا کہ کسی شخص کے لیے ایسا ممکن ہی نہیں۔ یہی آپ کی غلطی ہے اگرچہ یہ ایک عام آدمی کیلئے ممکن نہیں مگر نبی کے لیے معجزے کے طور پہ تو ہر چیز ممکن ہے جسے عقل کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جا سکتا۔ بلاشبہ سارے معجزے خلافِ عقل ہوتے ہیں، کیا تمام معجزات کو عقل کے ترازو میں تولا جائے گا؟ اس سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام کے واقعہ میں بھی مودودی صاحب نے ایسی ہی غلطی کی ہے آیت ۲۶ میں ہے کہ اللہ نے داؤد علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے درمیان فیصلہ کرنا وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى اور خواہش کی پیروی نہ کرنا، ورنہ آپ سیدھے راستے سے بھٹک جائیں گے۔ وہاں بھی مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کی آزمائش میں خواہش نفسانی کا ضرور کچھ نہ کچھ دخل تھا۔ حالانکہ اس کا یہ مطلب نہیں۔ اللہ کے فرمان کا مطلب تو یہ ہے کہ جس طرح پہلے کبھی خواہش کی پیروی نہیں کی، اسی طرح آئندہ بھی نہ کرنا۔ اس کی مثال تو وہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا ہے لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر۔ ۶۵) اگر آپ نے کبھی شرک کیا تو آپ کے سارے عمل ضائع ہو جائیں گے۔ تو کیا وہاں پر شرک کو کوئی دخل تھا۔ العیاذ باللہ۔ اس جملے کا مطلب بھی یہی ہے کہ آپ نے نہ تو پہلے کبھی شرک کیا ہے اور نہ آئندہ کرنا۔ بہر حال اللہ کے معصوم نبی کی شان میں خواہش نفسانی کی بات کرنا ہرگز درست نہیں۔ بہر حال حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر سلیمان علیہ السلام انشاء اللہ کہہ دیتے تو سب بیویاں حاملہ ہو کر بچے جنم دیتیں۔ مگر اس لغزش کی وجہ سے آپ کو آزمائش میں ڈال دیا گیا

بے مثال سلطنت کے لیے دُعا

اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے لیے معافی اور بے مثال سلطنت کی دُعا کی۔ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ کہنے لگے پروردگار! مجھے معاف کر دے۔ میری کوتاہی کو درگزر فرما۔ پہلے ثُمَّ اَنَابَ کے الفاظ تو آہی چکے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوئے اور پھر بخشش و معافی کی درخواست پیش کی۔ اور ساتھ یہ بھی عرض کیا وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ مجھے ایسی بادشاہت عطا فرما۔ جو میرے بعد کسی کے لیے لائق نہ ہو۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ تو بہت ہی بخشش کرنے والا ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے بے مثال سلطنت کی درخواست نامناسب نہیں ہے کیونکہ آپ کا مقصد محض حصولِ اقتدار، تعیش، آرام طلبی یا مالی منفعت حاصل کرنا نہیں تھا۔ اتنی عظیم الشان اور بے مثال سلطنت کے وارث ہونے کے باوجود آپ بیت المال سے ایک پیسہ بھی نہیں لیتے تھے بلکہ اپنے اور اہل و عیال کے اخراجات ہاتھ سے ٹوکریاں بنا کر پورے کرتے تھے۔ ایسی حکومت کے حصول سے آپ کا مقصد اللہ کے دین اور شریعت کا نفاذ، عدل و انصاف کا قیام، اللہ کی مخلوق کے ساتھ خیر خواہی، اُن کے حقوق کی ادائیگی اور ظلم و تعدی کی بیخ کنی تھا۔

ہوا کی تسخیر

اللہ نے اپنے ہر نبی کو اختیار دیا تھا کہ وہ کوئی سی ایک دُعا مانگ لیں جو قبول کی جائیگی سلیمان علیہ السلام نے مذکورہ دُعا کی جو اللہ نے منظور فرمائی اور آپکو بے مثال سلطنت عطا فرمائی پھر آگے اللہ نے اپنے بعض انعامات کا ذکر کیا ہے جو اس بے مثال حکومت کا حصہ تھے۔ فرمایا فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا جو آپ کے حکم سے نرم نرم چلتی تھی۔ اور اس ہوا کے ذریعے حَيْثُ اَصَابَ آپ جہاں بھی جانا چاہتے۔ بحفاظت سرعت کے ساتھ باآسانی پہنچ جاتے تھے آپ یمن اور شام وغیرہ کا سفر ہوا کے دوش پر کرتے تھے۔ جہاں جانا مقصود ہوتا تھا آپ تخت پر مع لشکر اور سامان بیٹھ جاتے اور

ہوا یہ تخت اٹھا کر آپ کو مطلوبہ مقام تک نہایت تیزی کے ساتھ پہنچا دیتی۔ سورۃ سبا میں ہے غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ (آیت۔۱۲) آپ صبح کے وقت ایک ماہ کا سفر طے کر لیتے تھے اور شام کے وقت میں بھی اتنی مسافت آسانی سے طے کر جاتے تھے، یہ بھی معجزہ تھا جو عقل کے خلاف تھا مگر اللہ نے یہ ہوا سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دی تھی۔ پہلے گزر چکا ہے کہ آپ نے اپنے تیز رفتار گھوڑے تو پہلی لغزش کے ازالے کے طور پر قربان کر دیئے، لہٰذا اللہ نے اُن کا نعم البدل ہُوا کی صورت میں دیا جس کی وجہ سے آپ گھوڑوں کی نسبت بہت زیادہ تیز رفتاری سے نقل و حرکت کر سکتے تھے۔

مولانا اصلاحی کی غلطی

اِس مقام پر ہمارے زمانے کے ایک دوسرے مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی نے شدید غلطی کی ہے۔ وہ اس ہوا کو سمندری ہوا پر محمول کرتے ہیں جس کے ذریعے سلیمان علیہ السلام کی بادبانی کشتیوں کا بیڑا بڑی آسانی اور تیز رفتاری سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتا تھا۔ نہیں بلکہ اس سے مراد خشکی پر چلنے والی ہوا ہے جو معجزے کے طور پر آپ کے تخت کو اٹھائے پھرتی تھی۔ اسی طرح اصلاحی صاحب نے واقعہ معراج کو خواب کا واقعہ قرار دیا ہے حالانکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے پینتالیس[۴۵] صحابہ کرامؓ نے حضور علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے نقل کیا ہے۔ ایسے لوگوں کی بنیادی غلطی یہی ہے کہ معجزے کو تسلیم نہیں کرتے ورنہ خدا تعالیٰ کے لیے کون سا کام مشکل ہے۔ اگر معراج خواب میں ہی ہوا تھا تو پھر جھگڑا کس بات کا تھا کہ مشرک لوگ اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے خواب میں تو بڑے بڑے عجیب و غریب مناظر دیکھنے میں آتے ہیں مگر کبھی کسی نے ایسے مشاہدے پر شک نہیں کیا اور نہ کبھی مناظرہ بازی کی نوبت آئی ہے۔ بہرحال یہ بھی غلط تفسیر کا ایک نمونہ ہے۔

جنات کی تسخیر

سلیمان علیہ السلام پر کیے گئے احسانات میں سے اللہ نے ایک یہ احسان بھی ذکر کیا وَالشَّيٰطِيْنَ اور ہم نے شیطانوں یعنی جنات کو بھی آپ کے لیے

مسخر کر دیا کُلَّ بَنَّآءٍ جن میں سے ہر ایک عمارتیں بنانے والا تھا حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات کے ذریعے بڑی بڑی عمارات تعمیر کروائیں۔ جنات بڑے بڑے بھاری پتھر دور دراز سے اٹھا کر لاتے، اُن کو تراشتے اور اُوپر کی منزلوں تک پہنچاتے۔ آپ اُن سے شیشے کی قطع برید اور دھاتوں کی ڈھلائی کا کام بھی لیتے تھے۔ جس سے عمارات کے جملہ لوازمات تیار ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ فرمایا وَغَوَّاصٍ ان میں غوطہ خور شیاطین بھی تھے جو سمندر کی گہرائیوں سے قیمتی موتی اور ضروریات کی دوسری چیزیں نکال لاتے تھے۔ فرمایا۔ وَاٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ جنات میں بعض ایسے بھی تھے جو بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ سلیمان علیہ السلام شرارتی جنوں کو سزا کے طور پر قید بھی کر دیتے تھے۔ ان میں سے بعض آج تک جکڑے ہوئے سمندروں اور دور دراز جزیروں میں موجود ہیں جو قربِ قیامت میں جا کر آزاد ہوں گے۔ بہر حال انسانوں اور پرندوں کے ساتھ ساتھ جنات بھی سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں شامل ہوتے تھے اور آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرتے تھے۔

باز پرس سے استثنیٰ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے هٰذَا عَطَآؤُنَا یہ سب کچھ ہماری طرف سے تمہیں عطا ہوا ہے۔ اب آپ کو اختیار ہے فَامْنُنْ کہ جس پر چاہیں تقسیم کر کے احسان کریں اَوْ اَمْسِكْ یا جس سے چاہیں روک لیں یعنی کچھ نہ دیں۔ اور اس ضمن میں آپ جو بھی کاروائی کریں گے وہ بِغَیْرِ حِسَابٍ بغیر حساب کتاب کے ہوگی۔ یعنی اس تقسیم کی صحت یا عدم صحت پر آپ سے قیامت کو کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ آپ کو اس سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان جب بھی کوئی کام کرتا ہے تو اُسے آخرت کے محاسبے کا خوف لازماً دامن گیر ہوتا ہے مگر اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دل جمعی کے لیے آپ کو ہر قسم کے محاسبے سے بَری کر دیا۔ دلجمعی بہت بڑی چیز ہے، اسی لیے بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام اس کے درپے ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے

کہ دل میں کوئی شک و تردد نہ رہے۔ بلکہ شیشے کی مانند صاف ہو جائے۔

اللہ کے ہاں مرتبہ

دنیا کی عظیم الشان اور بے مثال حکومت کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام پر کیے جاتے والے ایک اور انعام کا ذکر بھی کیا۔ فرمایا وَاِنَّ لَہٗ عِنۡدَنَا لَزُلۡفٰی آپ کے لیے ہمارے ہاں بہت بڑا مرتبہ ہے۔ ہمارے انعامات دنیا تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ آخرت میں بھی آپ کا بہت بڑا حصہ ہے وَحُسۡنَ مَاٰبٍ اور آگے بہت اچھا ٹھکانا بھی ہے۔ اسی لیے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی بات سن کر اللہ کی عطا کردہ نعمت کا شکر ادا کیا تھا اور ساتھ یہ دعا بھی کی تھی وَاَدۡخِلۡنِیۡ بِرَحۡمَتِکَ فِیۡ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیۡنَ (النمل - ۱۹) مولا کریم! اپنی مہربانی سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما لے۔ چنانچہ اللہ نے آپ کو بہت بلند مرتبہ عطا فرمایا اور اچھا ٹھکانا بھی جو آگے چل کر حاصل ہو گا۔

وما لی ۲۳ — ص ۳ — ۳۸

درس ہفتم — آیت ۴۱ تا ۴۴

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ
الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ
هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ
اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى
لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ
بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۭ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۭ نِعْمَ
الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

ترجمہ :- اور تذکرہ کریں آپ ہمارے بندے ایوب (علیہ السلام) کا۔ جب کہ پکارا اس نے اپنے پروردگار کو کہ بیشک پہنچائی ہے مجھے شیطان نے تکلیف اور ایذا ﴿۴۱﴾ (ارشاد ہوا) مارو اپنے پاؤں کو زمین پر، یہ ایک چشمہ ہے نہانے کے لیے ٹھنڈا اور پینے کے لیے ﴿۴۲﴾ اور بخشے ہم نے اُس کو اس کے گھر والے اور اُن کے برابر مزید اپنی طرف سے مہربانی کرتے ہوئے، اور نصیحت اور یاددھانی کے طور پر عقل والوں کے لیے ﴿۴۳﴾ (فرمایا) پکڑ لو اپنے ہاتھ سے تنکوں کا گٹھا پس مارو اس کے ساتھ اور قسم میں جھوٹے نہ ہو۔ بیشک پایا ہم نے اُس کو صابر، خوب بندہ، بیشک وہ رجوع رکھنے والا ﴿۴۴﴾

ربط آیات

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے تذکرے کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے۔ ان پر سخت ترین آزمائشیں آئیں مگر ان کو اللہ کی رحمت سے کبھی مایوسی نہیں ہوئی اور مسلسل اٹھارہ سال تک مہلک بیماری کے سامنے صبر کا پہاڑ بن کر کھڑے رہے اور بالآخر امتحان میں کامیاب ہوئے۔ اس واقعہ سے بھی حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہؓ کو تسلی دلانا مقصود ہے کہ آپ بھی آنے والی تکلیفوں اور دکھوں پر صبر کریں۔ قوت برداشت پیدا کریں بالانتہا کامیابی آپ ہی کے حصے میں آئیگی۔

ایوب علیہ السلام کا تذکرہ

ارشاد ہوتا ہے وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ آپ ہمارے بندے ایوب (علیہ السلام) کا تذکرہ کریں۔ آپ کا کچھ ذکر سورۃ الانبیاء میں بھی گزر چکا ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملتا ہے۔ ایوبؑ ابن عوص ابن عیس ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہ السلام۔ بعض فرماتے ہیں کہ آپ کی والدہ حضرت یوسف علیہ السلام کی بیٹی یا پوتی تھیں، اور بعض دوسرے اقوال کے مطابق آپ کی والدہ لوط علیہ السلام کی بیٹی تھیں۔ ایوب علیہ السلام کا ذکر بائیبل میں بھی ہے اور آپ کے نام پر "صحیفہ ایوبؑ" بھی ملتا ہے۔ آپ اللہ کے عظیم الشان نبی تھے اور دنیاوی اعتبار سے بھی اللہ نے خیر کثیر عطا فرمایا تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ زمین کا ایک بہت بڑا خطہ کاشت کرواتے تھے جس میں پانچسو ہل اور ایک ہزار بیل استعمال ہوتے تھے۔ آپ کے پاس سات ہزار سے زیادہ بھیڑ بکریاں، تین ہزار سے زیادہ اونٹ، ایک ہزار سے زیادہ بار برداری کے لیے گدھے، خچر وغیرہ اور پانچسو سے زیادہ خدام تھے۔ آپ عوص کی سرزمین میں سب سے زیادہ مالدار شخصیت تھے۔ اللہ نے سات بیٹے بھی عطا کیے تھے۔

ایوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ان انعامات پر ہمیشہ اس کا شکر ادا کرتے رہتے تھے۔ ایک موقع پر شیطان نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا کہ پروردگار تیرا بندہ ایوب علیہ السلام تیرا شکر یہ اس لیے ادا کرتا ہے اور تیری عبادت و ریاضت

ہیں اس لیے مشغول رہتا ہے کہ تو نے اُسے وافر مال و دولت عطا کر رکھا ہے۔ اگر تیرے یہ انعامات اس پر نہ ہوں تو اس کی حالت مختلف ہو۔ شیطان کی اس بات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام پر آزمائش ڈال دی تاکہ شیطان دیکھ لے کہ مال کے چھن جانے اور سخت جسمانی بیماری میں مبتلا ہونے کے باوجود میرا بندہ مجھ سے دُور نہیں ہوتا، اور اس کی زبان ہر حالت میں میری حمد و ثنا اور شکر سے تر رہتی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی آزمائش آئی کہ کسی آفت کی وجہ سے کھیت جل گئے، فصلیں تباہ ہو گئیں، مال مویشی ہلاک ہو گئے اور یہی نہیں بلکہ مکان کی چھت گری اور ساری اولاد بیک وقت موت کی آغوش میں چلی گئی۔ ان حالات میں نوکر چاکر سب بھاگ گئے اور آپ کے پاس صرف اپنی بیوی رہ گئی جس نے پوری آزمائش کے دوران آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ وہ نہایت ہی پارسا اور وفادار خاتون تھیں۔ جنہوں نے ہر حالت میں خاوند کی خدمت کا پورا پورا حق ادا کیا۔

بائیبل کی روایت کے مطابق آپ کو ایسی شدید جلدی بیماری لاحق ہوئی کہ سر کی چوٹی سے لے کر پاؤں کے تلووں تک جسم میں آبلے پڑ گئے۔ آپ کی وفا شعار بیوی بیماری کی اس حالت میں پوری پوری خدمت کرتی رہی۔ مال تو پہلے ہی ضائع ہو چکا تھا، گزر اوقات کے لیے اس بیچاری کو خود محنت مزدوری کرنا پڑتی اور اس طرح وہ اپنے اور خاوند کے لیے خوراک کا بندوبست کرتی۔ جوں جوں ایوب علیہ السلام کی تکلیف بڑھتی گئی۔ توں توں آپ کے قلب و روح میں خدا کی ذات پر یقین محکم ہوتا چلا گیا۔ اور زبان پر اللہ کے شکر کے کلمات میں اضافہ ہوتا چلا گیا اس موقعہ پر آپ کے یہ الفاظ بھی منقول ہیں کہ جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ تو کچھ پاس نہیں تھا اور جب قبر میں جاؤں گا تو وہاں بھی خالی ہاتھ ہوں گا۔ اگر اللہ تعالےٰ نے مال و دولت خود ہی دے کر واپس لے لیا ہے تو یہ اُس کی طرف سے آزمائش ہے اور اُسی کا نام بابرکت ہے۔ غرضیکہ مال و اولاد کے چھن جانے اور سخت

جسمانی اذیت کے باوجود انہوں نے کبھی شکوہ نہ کیا بلکہ ہمیشہ اللہ کا شکر ہی ادا کرتے رہے۔

شیطان کا حملہ

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ اس حالت میں اٹھارہ سال گزر گئے۔ مگر شیطان اپنے دعوے کو سچا ثابت نہ کر سکا۔ آخر اُس نے یہ منصوبہ بنایا کہ ایوب علیہ السلام کی بیوی کو شرک میں ملوث کر کے اُن کے اعمال کی بربادی کا انتظام کر دیا جائے ۔

ایوب علیہ السلام کی بیوی کہیں محنت مزدوری کر کے واپس آ رہی تھی کہ راستے میں شیطان اُسے ایک نیک سیرت حکیم کی صورت میں ملا اور بیمار خاوند کے علاج کی پیش کش کی۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کے بدلہ میں صرف یہ معاوضہ طلب کیا کہ جب ایوب علیہ السلام تندرست ہو جائیں تو صرف یہ کہہ دینا کہ اس کو فلاں شخص نے شفا دی ہے۔ اور بعض مفسرین نے اس مطالبہ کا ذکر کیا کہ حارث (شیطان) کے نام کا کچھ نذرانہ دے دینا۔

واپس آ کر بیوی نے اس واقعہ کا ذکر حضرت ایوب علیہ السلام سے کیا ۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ شیطان کی کارروائی ہے جو ہمیں شرک میں ملوث کرنا چاہتا ہے چنانچہ آپ نے اپنی بیوی کو سخت ڈانٹ پلائی کہ تم شیطان کے پھانسے میں آگئیں اور ایسی بات کا ذکر مجھ سے کر دیا۔ تمہیں تو اس کی بات کو سننا بھی نہیں چاہیے تھا۔ الغرض! بیوی کے ساتھ اس ناراضگی کی بنا پر آپ نے قسم کھائی کہ میں تندرست ہو گیا تو تمہیں سو لاٹھیاں ماروں گا۔ اس ذہنی پریشانی کے عالم میں ایوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کیا اِذْ نَادٰی رَبَّہٗٓ جب کہ انہوں نے پکارا اپنے پروردگار کو اور عرض کیا اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ بے شک پہنچائی ہے مجھے شیطان نے تکلیف اور ایذا۔ یعنی شیطان کی اس حرکت سے مجھے سخت دکھ ہوا ہے۔ پہلے تو جسمانی تکلیف میں مبتلا تھے، اب شیطان نے شرک پر آمادہ کر کے ذہنی اذیت میں بھی مبتلا کر دیا۔

دریائے رحمت میں جوش

جب ایوب علیہ السلام نے نہایت عجز و انکساری کے ساتھ اپنی اس دوسری اذیت کا ذکر کیا تو اللہ تعالےٰ کے دریائے رحمت میں جوش آ گیا۔ ایوب علیہ السلام

آزمائش میں پورے اُتر چکے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ اُن کی تمام تکالیف اور پریشانیوں کو دُور کر کے انہیں اصلی حالت پر لانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے ایوب علیہ السلام کو حکم دیا اُرْکُضْ بِرِجْلِكَ اپنے پاؤں سے زمین پر ٹھوکر مارو۔ عرض کیا، مولا کریم! اس کا کیا فائدہ ہوگا؟ فرمایا میری قدرتِ تامہ اور حکمت بالغہ کا نظارہ تو دیکھو۔ جونہی آپ نے زمین پر پاؤں مارا وہاں پر ٹھنڈے پانی کا چشمہ اُبل پڑا۔ اللہ نے فرمایا۔ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ یہ نہانے کے لیے اور اور پینے کے لیے ٹھنڈے پانی کا چشمہ ہے۔ مطلب یہ کہ اس پانی سے غسل بھی کرو اور اسے پی بھی لو۔ آپ نے ایسا ہی کیا تو آپ کے جسم کی اندرونی اور بیرونی بیماریاں فوراً دُور ہو گئیں اور پہلے کی طرح آپ بالکل تندرست اور جوان بن گئے۔

امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاؤں کی یہ ٹھوکر کوئی غیر معمولی ٹھوکر تھی۔ ورنہ عام حالات میں کوئی ہزار دفعہ بھی زمین پر پاؤں مارے تو چشمہ جاری نہیں ہوتا۔ مگر اللہ کی قدرت سے کبھی بسط (کشادگی) ہوتا ہے اور کبھی قبض (سکڑنا)۔ پاؤں سے ٹھوکر مارنا اللہ کی طرف سے بسط تھا۔ اللہ نے اپنی قدرت سے ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا چشمہ کھول دیا۔ اسی طرح جب اللہ چاہتا ہے تو کسی چیز کو قبض کر لیتا ہے اور پھر وہ چیز کچھ اثر نہیں کر سکتی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو اللہ تعالیٰ نے تبدیلی (احالۃ) کے ذریعے آگ کے اثر کو روک دیا۔ فتح خیبر کا واقعہ بھی اللہ تعالیٰ کے بسط کی ایک مثال ہے۔ اُس قلعے کا دروازہ اتنا وزنی تھا جس کو ایک بڑی جماعت بھی نہیں اکھاڑ سکتی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کی پشت میں اتنی کشادگی پیدا کی، کہ انہوں نے تن تنہا دروازے کے نیچے اپنی پشت دیکر دروازے کو اکھاڑ پھینکا۔ ایسی ہی بسط آبِ زم زم کے ابھرنے کے وقت بھی ہوئی تھی۔ جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ایڑی رگڑنے یا فرشتے کے پر مارنے سے وہاں زم زم کا چشمہ پھوٹ پڑا تھا۔

بہر حال غسل کرنے اور پانی پینے سے ایوب علیہ السلام بالکل تندرست و توانا ہو گئے۔ اتنے میں بیوی بھی کھانا وغیرہ لے کر آ گئی۔ ایوب علیہ السلام کو اپنے بستر پر نہ پایا تو پریشان ہو گئی۔ آپ وہیں تندرست حالت میں موجود تھے، آپ ہی سے پوچھنے لگی کہ یہاں اس بستر پر اللہ کے نبی صاحب فراش تھے اُن کے متعلق کچھ علم ہو تو بتائیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ تو میں ہی ہوں۔ پھر غور سے دیکھا تو پہچان لیا۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ایوب علیہ السلام کو تندرستی واپس لوٹا دی بلکہ آسمان سے سونے کی ٹڈیاں بھی برسائیں۔ ایوب علیہ السلام نے اُن کو کپڑے میں سمیٹنا شروع کر دیا۔ اُدھر سے آواز آئی، ایوب! کیا تم قناعت نہیں کرتے؟ عرض کیا، پروردگار! میں تیری رحمت کا ہر وقت محتاج ہوں لہٰذا ان سنہری ٹڈیوں کو جمع کر رہا ہوں۔

اہل و مال کی بحالی

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کا ضائع شدہ اہل و مال بھی بحال فرما دیا۔ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ اور ہم نے بخش دیے آپ کو آپ کے اہل۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے فوت شدہ بیٹوں کو زندہ کر دیا۔ جب کہ دوسرے اصحاب فرماتے ہیں وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ کے مصداق آپ نے انہیں ڈبل کر دیا۔ یعنی پہلے سات بیٹے تھے اب چودہ ہو گئے۔ تو جملے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے آپ کو آپ کے اہل بھی بحال کر دیے اور ان جیسے مزید بھی فرمایا رَحْمَةً مِّنَّا یہ ہماری طرف سے خاص مہربانی تھی۔ وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ اور اہل خرد کے لیے نصیحت اور یاد دہانی بھی۔ اللہ کے نیک بندوں کی آزمائش، جان و مال اور صحت کا نقصان، رجوع الی اللہ پر استقامت صبر و برداشت یہ سب کچھ عقل و شعور رکھنے والے لوگوں کے لیے باعث نصیحت اور عبرت ہے۔

صاحب کشاف زمخشریؒ اور محمد ابن ابی بکر عبد القادر رازیؒ لکھتے ہیں، کہ اس موقعہ پر حضرت ایوب علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں یہ مناجات بھی پیش کی

تو اللہ نے آپ کی ہر کھوئی چیز بحال کر دی اور مزید انعامات سے بھی نوازا۔

اِلٰهِیْ قَدْ عَلِمْتَ اَنَّهٗ لَمْ يُخَالِفْ لِسَانِیْ قَلْبِیْ وَلَمْ يَتَّبِعْ قَلْبِیْ بَصَرِیْ وَلَمْ يُلْهِنِیْ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنِیْ وَلَمْ اٰكُلْ اِلَّا وَمَعِیْ يَتِيْمًا وَلَمْ اَبِتْ شَبْعًا وَلَا كَاسِيًا اِلَّا وَمَعِیْ جَائِعًا اَوْ عُرْيَانًا

اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میری زبان کبھی میرے دل کے خلاف نہیں ہوئی (زبان اور دل ایک جیسے ہوتے ہیں، جو بات دل میں ہوتی ہے، وہی زبان پہ آتی ہے) اور میرا دل کبھی نگاہ پر نہیں گیا (یعنی انسان کی نگاہ تو ہر اچھی بری چیز پہ پڑتی ہے مگر میں نے دل کو اس کے پیچھے نہیں لگایا یعنی دل کی حفاظت کی ہے) جو چیز میری ملکیت میں تھی اس نے کبھی مجھے (تیری یاد سے) غافل نہیں بنایا۔ اور میں نے یتیم کے بغیر کبھی کھانا نہیں کھایا۔ اور میں نے کبھی پیٹ بھر کر نہ کھایا ہے اور نہ کپڑا پہنا ہے۔ جب کہ میرے قریب کوئی بھوکا یا ننگا ہو (مطلب یہ ہے کہ بھوکے کو کھلا کر کھایا ہے اور ننگے کو پہنا کر پہنا ہے)

بیوی کو سو کوڑوں کی سزا

اب جب کہ آپ کو تندرستی حاصل ہو گئی، تو آپ کو اپنی وہ قسم بھی پوری کرنا تھی جس میں ایوب علیہ السلام نے کہا کہ میں اپنی بیوی کو سو کوڑے ماروں گا۔ آپ دیکھ رہے تھے کہ بیوی بڑی وفا شعار ہے اور اس نے اٹھارہ سال تک ان کی خدمت کی ہے۔ مگر اپنی قسم بھی پوری کرنا چاہتے تھے۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی آپ کی راہنمائی فرمائی اور کہا وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا اپنے ہاتھ میں تنکوں یا شاخوں کا ایک گٹھا لیں فَاضْرِبْ بِّهٖ اور یہ صرف ایک دفعہ بیوی کو مار دیں وَلَا تَحْنَثْ اور قسم میں جھوٹے نہ ہوں۔ یعنی اس طرح آپ اپنی قسم پوری کر لیں۔ چونکہ قسم سو کوڑے مارنے کی تھی تو اللہ نے فرمایا سو تنکوں کا ایک جھاڑو وغیرہ لے کر ایک ہی دفعہ ماردیں گے تو یہ سو ضربات شمار ہو کر تمہاری قسم پوری ہو جائے گی۔ اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو قسم

پوری کرنے کا حیلہ بتلا دیا۔

اِس آیت سے کئی مسائل متفرع ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ کیا مذکورہ حیلہ سازی صرف ایوب علیہ السلام کے لیے تھی یا دوسرے لوگ بھی اس قسم کا حیلہ کر سکتے ہیں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حیلہ حضرت ایوب علیہ السلام کے لیے خاص تھا اور دوسرے لوگوں کے لیے روا نہیں۔ البتہ امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ اور بعض دیگر ائمہ فرماتے ہیں کہ اِس قسم کی تدبیر ہماری امت میں روا ہے۔ تاہم کوئی ایسا حیلہ کرنا جائز نہیں ہوگا جس سے کوئی شرعی حکم باطل ہوتا ہو۔ مثلاً بعض لوگ اس قسم کی تدبیر کرتے ہیں کہ جب کسی مال پہ ایک سال پورا ہونے کو آیا تو وہ مال اپنی بیوی کے نام ہبہ کر دیا تاکہ اُس پہ زکوٰۃ نہ ادا کرنی پڑے۔ پھر جب بیوی کی ملکیت میں سال ہونے کو آیا تو اُس نے خاوند کو ہبہ کر دیا۔ یہ تو زکوٰۃ کی ادائیگی سے فرار ہے اور قطعاً جائز نہیں۔ اس طرح بعض سرمایہ داروں کے پاس قابل زکوٰۃ رقم موجود ہوتی ہے مگر وہ اُس پہ سال پورا ہونے سے پہلے اُس سے کوئی کارخانہ یا کوئی دوسری جائیداد خرید لیتے ہیں۔ تاکہ مال پہ زکوٰۃ نہ ادا کرنی پڑے۔ اس قسم کے حیلے کی بھی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

البتہ گناہ اور کسی حرام چیز سے بچنے کے لیے حیلہ سازی جائز ہے مثلاً ردی کھجوروں کا اعلیٰ کھجوروں کے ساتھ مقدار میں کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ سود شمار ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے اس سود سے بچنے کے لیے یہ حیلہ خود صحابہ کرامؓ کو سکھایا کہ اس قسم کے تبادلے کا جائز طریقہ یہ ہے کہ پہلے ردی یا اعلیٰ کھجوروں کو فروخت کر دو اور پھر اُس سے حاصل ہونے والی قیمت کے عوض متبادل مال خرید لو۔

یہاں پہ یہ مسئلہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا بیوی کو مارنا جائز ہے؟ جیسا کہ ایوب علیہ السلام نے اپنی قسم پوری کی۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ہاں جائز ہے بشرطیکہ یہ سزا تادیباً یعنی ادب سکھانے کے لیے ہو۔ اس کا حکم سورۃ النساء میں بھی موجود ہے۔ کہ عورتوں

کی طرف سے سرکشی کی صورت میں پہلے ان کو زبانی سمجھاؤ، پھر بستروں سے الگ کر دو۔ اور اگر پھر بھی باز نہ آئیں۔ وَاضْرِبُوهُنَّ (آیت ۳۴) تو ان کو زدوکوب کرو۔ مگر ایسا نہیں کہ ہڈی پسلی ہی توڑ دو بلکہ محض ادب سکھانے کے لیے جیسا کہ بعض اوقات کسی کوتاہی پر بچوں کو بھی سزا دی جاتی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے استاد حضرت عطا ابن ابی رباحؒ مکے میں رہائش پذیر تھے اُن سے کسی نے پوچھا کہ اگر کوئی آدمی قسم اٹھالے کہ وہ اپنی بیوی کو اس وقت تک کپڑا نہیں پہنائیگا۔ جب تک کہ وہ عرفات میں وقوف نہ کرے تو اس کے لیے کیا حکم ہے۔ فرمایا، اس کو سواری پر بٹھا کر عرفات میں لے جاؤ اور کپڑے پہنا دو۔ تمھاری قسم پوری ہو جائے گی۔ وہ شخص کہنے لگا کہ اس وقوف سے مراد یوم عرفہ کا وقوف ہے۔ فرمایا ضروری نہیں تم بھی حضرت ایوب علیہ السلام والا حیلہ کرو جنہوں نے الگ الگ سو کوڑے مارنے کی بجائے سو تنکوں کا گٹھا ایک ہی دفعہ مار کر قسم پوری کر لی تھی۔

فقہائے کرام اس مقام پر یہ وضاحت بھی کرتے ہیں کہ ایوب علیہ السلام کی حیلہ سازی خاص وجوہ کی بناء پر تھی۔ آپ کی بیوی سو کوڑوں کی ہرگز سزاوار نہیں تھی کیونکہ وہ تو ایک صالحہ اور خاوند کی خدمت گار خاتون تھی مگر شیطان کی بات سننے کی ذرا سی کوتاہی پر ایوب علیہ السلام نے سو لاٹھیاں مارنے کی قسم اٹھالی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ حیلہ اس لیے کیا تھا کہ ایسی صابرہ و شاکرہ عورت کو زیادہ اذیت نہ پہنچائی جائے تاہم امام ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ ایسے حیلہ میں بھی شرط یہ ہے کہ گٹھے کے سارے تنکے یا چھڑیاں طولاً یا عرضاً جسم کے ساتھ لگنی چاہئیں اور مضروب کو کچھ نہ کچھ تکلیف بھی پہنچنی چاہیئے، ورنہ قسم پوری نہ ہوگی۔

صبرِ ایوبؑ

بہرحال حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق اللہ نے فرمایا إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ہم نے ایوب علیہ السلام کو صبر کرنے والا پایا۔ انہوں نے طویل عرصہ تک تکلیف اٹھائی مگر حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے۔ اُن کی روح میں ہمیشہ یقین

دل میں صبر اور زبان پر شکر ہی رہا۔ فرمایا نِعْمَ الْعَبْدُ وہ بہت ہی خوب بندہ تھا۔ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ اور اللہ کی طرف رجوع رکھنے والا تھا۔ اللہ نے یہی صفات پہلے حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کی بیان فرمائیں سب تنگی اور آسائش میں خدا ہی کی طرف رجوع رہا۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾

ترجمہ :۔ اور آپ تذکرہ کریں ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) کا جو ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے ﴿۴۵﴾ بیشک ہم نے ان کو ممتاز کیا ہے ایک خاص چیز کے ساتھ جو اس گھر کی یاد ہے ﴿۴۶﴾ اور بیشک یہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے نیک لوگوں میں سے ہیں ﴿۴۷﴾

بعض انبیاء کا تذکرہ

گذشتہ درس میں حضرت ایوب علیہ السلام، ان کے صبر اور پھر ان کے انعامات کا ذکر ہو چکا ہے۔ اب آج کے درس میں بعض دیگر انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اور آپ ذکر کریں ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کا۔ اسحاق ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے اور یعقوب آپ کے پوتے ہیں۔ یہ سارے ہی اللہ کے نبی ہیں، گذشتہ آیات میں مذکورہ انبیاء کی طرح ان انبیاء کا ذکر بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے کہ ان پر بھی مصائب و آلام آئے مگر انہوں نے صبر و استقامت کا دامن تھامے رکھا۔ لہٰذا اے پیغمبر آخر الزمان! آپ بھی صبر و استقامت کو اختیار کیے رکھیں، کفار و مشرکین کی طعنہ زنی سے مشتعل نہ ہوں کہ اللہ کے ہاں

اسی چیز پہ کامیابی کا دار و مدار ہے۔

اس آیت میں مذکورہ انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ابتلا تو ضرب المثل بن چکی ہے جسے ساری دنیا کے لوگ جانتے ہیں۔ اہلِ بابل نے آپ پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے، آپ کو ملک بدر کرنے کی دھمکیاں دیں، کیسی کیسی بدسلوکی کی حتیٰ کہ بالکل ختم کر دینے کا منصوبہ بنایا مگر اللہ نے اُن کی تمام تدبیروں کو ناکام بنایا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام کو ہجرت کا حکم ہُوا۔ اور آپ نے اپنا وطن چھوڑ دیا۔ اور شام و فلسطین میں آباد ہو گئے۔ پھر آپ نے اللہ کے حکم سے بیوی بچے کو بے یار و مددگار صحرا میں چھوڑ دیا۔ پھر اسی بچے کو ذبح کرنے کا حکم ہُوا۔ تو آپ اس آزمائش میں بھی پورے اُترے، فرمایا آپ ان کا تذکرہ کریں اور ان کے ساتھ ان کے بیٹے اسحاق علیہ السلام اور پوتے یعقوب علیہ السلام کا بھی۔ اللہ کے ان نبیوں نے اپنے اپنے زمانے میں اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا، اور اس راستے میں آنے والی ہر تکلیف کو برداشت کیا۔

ہاتھوں اور آنکھوں والے انبیاء

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء علیہم السلام کی تعریف یہ فرمائی ہے۔ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ کہ وہ ہاتھوں اور آنکھوں والے لوگ تھے۔ ہاتھ اور آنکھیں تو ہر شخص کے جسم کے آلاتِ ضروریہ ہیں۔ انسانی ہاتھ کام کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہیں جب کہ آنکھوں کے ذریعہ انسان اشیاء کو دیکھتا ہے۔ اس بصارت کی رپورٹ دماغ میں پہنچتی ہے، دماغ اس مشاہدے کو سمجھتا ہے اور اس طرح انسان کو علم حاصل ہوتا ہے۔ گویا آنکھیں حصولِ علم کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (آیت ۳۶) کہ اللہ نے انسان کو کان، آنکھ اور دل جیسے اعضائے رئیسہ عطا فرمائے اور ان کی کارکردگی کے متعلق قیامت والے دن باز پرس ہوگی۔

امام رازیؒ اور بعض دیگر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان

کے اندر دو قسم کی قوتیں رکھی ہیں۔ یعنی قوتِ عملی اور قوتِ علمی یا نظری۔ قوتِ عملی کا منظر ہاتھ ہیں۔ کیونکہ تمام کام ہاتھوں سے انجام دیئے جاتے ہیں اور قوتِ علمی یا نظری آنکھوں کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ انسان آنکھوں کے ذریعے دیکھ کر غور و فکر کرتا ہے، عقل کو بروئے کار لاتا ہے اور پھر کسی نتیجے پر پہنچتا ہے۔ تو یہاں پر انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا کہ وہ ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ان برگزیدہ بندوں میں قوتِ عملی اور قوتِ علمی یا فکری کمال درجے کی تھی۔ عام انسانوں کی نسبت اللہ نے انہیں عقل و شعور اور فہم و فراست بھی زیادہ عطا فرمایا تھا اور عملی لحاظ سے بھی وہ بلند ترین مقام پر فائز تھے۔

علامہ زمخشریؒ کہتے ہیں کہ اس کا مفہوم اس طرح سمجھ لیں کہ جو لوگ ہاتھوں اور آنکھوں کی قویٰ کو صحیح طور پر تسلیم کرتے ہیں، جائز امور کو انجام دیتے ہیں اور منہیات سے بچتے ہیں، وہی اصل میں ہاتھوں اور آنکھوں والے ہیں۔ اور جو ان اعضاء کو صحیح طریقے سے استعمال نہیں کرتے وہ گویا ان اعضاء سے ہی محروم ہیں۔ اسی لیے اللہ نے کافروں کے متعلق فرمایا ہے۔ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (الانفال۔۲۲) بے شک اللہ کے نزدیک بدتر بہرے اور گونگے وہ لوگ ہیں۔ جو عقل سے کام نہیں لیتے اگر یہ لوگ عقل و شعور کو بروئے کار لاتے تو کفر و شرک جیسی مہلک بیماری میں مبتلا نہ ہوتے۔ کفر و شرک تو عقل کے بھی خلاف ہیں اور فطرتِ سلیمہ کے بھی خلاف ہیں۔ فرمایا يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ (الروم۔۷) یہ لوگ دنیا کی ظاہری زندگی کو تو خوب جانتے ہیں۔ اس کے ہر اچھے برے عمل سے واقف ہیں مگر آخرت کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ بلکہ بالکل غافل ہیں۔ وجہ وہی ہے کہ یہ اپنی قوتِ عملی

اور قوت علمی یا فکری سے صحیح طور پر مستفید نہیں ہوتے۔ اس کے برخلاف مذکورہ انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا کہ وہ اِن قویٰ کو بالکل صحیح صحیح طریقے سے استعمال کرتے تھے، گویا وہ صحیح معنوں میں ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے۔ وہ کمال درجے کی قوتِ عملی اور قوتِ نظری کے مالک تھے۔ اللہ نے اُن کی اس صلاحیت کی تعریف فرمائی ہے۔

عصمت انبیاء

اگلی دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے متعلق دو دلائل بیان فرمائے ہیں۔ عصمتِ انبیاء سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ اُن سے گناہ نہیں سرزد ہونے دیا جاتا۔ فرشتے تو سارے ہی معصوم ہیں، البتہ انسانوں میں سے یہ شرف صرف انبیاء کو حاصل ہے۔ معتزلہ قسم کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبیوں سے بڑے گناہ تو سرزد نہیں ہوتے البتہ چھوٹے چھوٹے گناہ ہو جاتے ہیں مگر اس ضمن میں تمام مفسرین، محدثین، محققین اور اہلِ حق کا اتفاق ہے کہ اللہ کے نبی تمام صغائر، کبائر سے پاک ہوتے ہیں۔ دراصل گناہ وہ ہوتا ہے جو قصد اور ارادے کے ساتھ کیا جائے مگر نبی کے متعلق ایسی بات سوچی بھی نہیں جا سکتی۔ البتہ معمولی درجے کی لغزش ہو سکتی ہے جو خطائے اجتہادی کے درجے میں آتی ہے لیکن نبیوں کو اُس پر بھی سخت گرفت ہو جاتی ہے۔ بعض انبیاء کی ایسی لغزشوں پر انہوں نے اپنے لیے ظلم اور گناہ کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں اور پھر اپنے لیے استغفار بھی کرتے ہیں وہ حقیقی گناہ نہیں ہوتے بلکہ انبیاء علیہم السلام معمولی کوتاہیوں کو بھی بہت بڑا سمجھتے ہوئے اِن لغزشوں کی معافی طلب کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ چیز اُن کے مقام رفیع کی دلیل ہے۔

مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ اپنی تفسیر "بیان القرآن" میں رقمطراز ہیں کہ انبیاء علیہم السلام سے نہ تو حقیقی گناہ سرزد ہوتا ہے اور نہ اُن کو حقیقی سزا ملتی ہے۔ بظاہر تو یہ گناہ نظر آتا ہے مگر یہ بلا ارادہ و قصد معمولی لغزش ہوتی ہے

جہاں تک سزا کا تعلق ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی یہ ابتلائیں بھی جسمانی حد تک محدود ہوتی ہیں۔ جب کہ حقیقی سزا تو وہ ہے جو مجرموں کو آخرت میں ملے گی۔

عصمتِ انبیاء پر پہلی دلیل

اِس مقام پر اللہ تعالیٰ نے عصمتِ انبیاء سے متعلق پہلی دلیل یہ بیان فرمائی ہے اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ہم نے اُن کو ممتاز کیا ہے ایک خاص خصلت کے ساتھ اور وہ خصلت ہے ذِكْرَى الدَّارِ آخرت کے گھر کی یاد۔ یہ نبیوں کی خصوصیت ہے کہ اُن کے پیشِ نظر ہمیشہ آخرت کا گھر ہوتا ہے اور وہ اس کو کسی طرح بھی فراموش نہیں کرتے، عام آدمی کی پوری زندگی تو لیا اوقات آخرت کی یاد سے خالی گزر جاتی ہے اور وہ اسے زندگی بھر فراموش کیے رہتے ہیں مگر اللہ کے نبیوں کا دِل ایک لمحہ بھر کے لیے بھی آخرت کے گھر کی یاد سے خالی نہیں ہوتا اور انہیں ہمیشہ اُسی گھر کی فکر رہتی ہے۔ یہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ہر گناہ سے محفوظ اور معصوم ہوتے ہیں۔

سورۃ الانبیاء میں اللہ تعالیٰ نے کئی انبیاء کا ذکر کر کے فرمایا ہے يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۖ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ (آیت ۹۰) یہ لوگ ہمیں امید اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کا اظہار کیا کرتے تھے۔ خود حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان[1] ہے كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْ كُلِّ اَحْيَانِهٖ کہ حضور علیہ السلام اپنے تمام اوقات میں اللہ تعالیٰ کی یاد کیا کرتے تھے، اور اس سے کسی وقت بھی غافل نہیں ہوتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے جو بندے اُس کی طرف اس قدر رغبت رکھنے والے ہوں اور اُس سے اس قدر ڈرنے والے ہوں ان سے گناہ کیسے سرزد ہو سکتا ہے، اُن کی آخرت کے گھر کی یاد ہی اُن کی عصمت کی دلیل ہے۔

دوسری دلیل

اللہ نے اپنے برگزیدہ بندوں کی عصمت کی دوسری دلیل یہ بیان فرمائی ہے وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ اور وہ ہمارے نزدیک

[1] ابوداؤد صک ج ۱

منتخب اور اچھے لوگوں میں سے ہیں۔ یہ منتخب کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جس ذات میں مطلوبہ استعداد اور صلاحیت پاتا ہے، اُس کو نبوت و رسالت کے لیے خود منتخب فرماتا ہے۔ گویا نبوت کوئی کسبی چیز نہیں ہے کہ کوئی شخص ڈگریاں پاس کر کے، کوئی کورس پاس کر کے یا عبادت و ریاضت کر کے منصبِ نبوت پر فائز ہو جائے، بلکہ یہ تو خالصتاً اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی ہستی کو نبوت و رسالت کے لیے منتخب نہیں کرے گا جس سے قصد و ارادہ کے ساتھ گناہ کا احتمال ہو سکتا ہو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے۔ اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِي وَبِكَلَامِي (الاعراف۔ ۱۴۴) میں نے تم کو منصبِ رسالت کے ساتھ منتخب فرمایا اور پھر تمھیں شرفِ تکلم بھی بخشا ہے۔ پس جو میں نے عطا کیا ہے اُس کو پکڑ لو اور میرا شکر بجا لاؤ۔ اس سے بھی معلوم ہوا، کہ رسالت و نبوت اللہ کا انتخاب ہوتا ہے اور یہ ایسی بہترین شخصیت کا ہوتا ہے جس سے گناہ سرزد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ عصمتِ انبیاء کی دوسری دلیل ہو گئی۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تشریح

بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ شاہ ولی اللہؒ کے سلسلہ کے لوگوں میں ایک ممتاز شخصیت ہیں جن کو اللہ نے کمال درجے کا علم و عقل و شعور عطا فرمایا تھا۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ مفکر اور حکیمانہ فکر کے مالک ہو کر باریک حقیقتیں صرف اہل ایمان کو سمجھا سکتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے مولانا نانوتویؒ کو وہ صلاحیت بخشی تھی کہ اپنے تو اپنے وہ ہندو اور عیسائی جیسے اغیار کو بھی اسلام کے غامض حقائق سمجھا سکتے تھے۔ شاہجہان پور کے تاریخی جلسہ میں جہاں ہندوؤں اور عیسائیوں نے اپنے اپنے مذہب کی صداقت بیان کی وہاں مولانا نے اسلام کی حقانیت پر مدلل تقریر کی جسے تمام لوگوں نے اعلیٰ ترین تقریر تسلیم کیا۔

حضرت مولانا نانوتویؒ نے اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (النساء۔۵۹) والی آیت سے عصمتِ انبیاء کو ثابت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت تو ہر حالت میں بغیر کسی قید اور شرط کے ہر مسلمان پر مطلقاً فرض ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ خالق، مالک اور معبودِ برحق ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت بحیثیت مالک فرض ہے، اسی طرح اس آیت کی رو سے رسول کی اطاعت بحیثیت رسالت فرض ہے۔ اگر نبی سے گناہ کا امکان ہوتا تو اس کی اطاعت اس طرح مطلقاً فرض نہ ہوتی۔ اللہ کا نبی غلطی سے مبرا ہوتا ہے لہٰذا اسکی اطاعت ہر حالت میں لازم ہے گویا یہ بھی عصمتِ انبیاء کی دلیل ہے۔

حضور علیہ السلام بعض اوقات خوشگوار مزاح بھی فرماتے تھے۔ صحابہؓ نے عرض کیا، حضور! آپ اللہ کے نبی ہو کر مزاح کرتے ہیں؟ فرمایا، ہاں! مگر میری زبان سے اُس وقت بھی حق ہی نکلتا ہے، عام قاضی اور جج کے متعلق تو حضور علیہ السلام کا فرمان ہے لَا تَحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ وَاَنْتَ غَضْبَانْ کہ غصے کی حالت میں کوئی فیصلہ نہ کیا جائے مگر اپنے متعلق فرمایا کہ میرا فیصلہ ہر حالت میں ناطق ہوتا ہے۔ آپ نے حضرت زبیرؓ اور ایک انصاریؓ کے تنازعہ میں غصے کی حالت میں فیصلہ کیا تھا مگر اس میں بھی غلطی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ گویا یہ بھی عصمتِ انبیاء کی دلیل ہے۔

مولانا مودودی کی غلطی

اس مسئلہ میں مولانا مودودی صاحب نے غلطی کی ہے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انبیاء سے اپنی حفاظت کو اٹھا کر اُن سے ایک دو غلطیاں بھی سرزد کرا دیتا ہے تاکہ لوگوں کو علم ہو جائے کہ آپ معبود نہیں بلکہ انسان اور بشر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بشریتِ رسالت کے بہت سے لوازمات خود قرآن میں بیان کر دیئے ہیں، مثلاً یہ کہ انبیاء نکاح کرتے ہیں، اُن کی بیویاں ہوتی ہیں۔ اور پھر اولاد بھی ہوتی ہے۔ وہ کھانا کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔ وہ بیمار بھی ہوتے ہیں اور شہید بھی ہوتے ہیں۔ اِن سب چیزوں سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کا نبی انسان ہوتا ہے

اِن حقائق کی موجودگی میں نبی کی بشریت ثابت کرنے کے لیے اُس سے غلطیاں سرزد کرانا قرینِ قیاس معلوم نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر نبی سے عصمت کو اٹھا لیا جائے خواہ تھوڑی دیر کے لیے ہی، تو پھر تو نبی پہ سے اعتماد ہی اٹھ جائے گا۔ کہ نہ جانے فلاں بات اللہ کے نبی نے کس حالت میں فرمائی ہے اور کیا یہ حقیقت ہے یا غلطی۔ لہٰذا نبی کے لیے عصمت کا ہونا ضروری ہے۔

درس نہم ۹ — آیت ۴۸ تا ۶۴

وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ وَكُلٌّ
مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾ هٰذَا ذِكْرٌ ۭ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ
مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾
مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ
وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ
اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾
اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾ هٰذَا ۭ وَ
اِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا
فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّ
غَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾ هٰذَا
فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ۭ اِنَّهُمْ
صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۣ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ۭ
اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا
رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا
فِي النَّارِ ﴿۶۱﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا
كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ

سِخۡرِیًّا اَمۡ زَاغَتۡ عَنۡهُمُ الۡاَبۡصَارُ ﴿۶۳﴾ اِنَّ
ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهۡلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾ ع ۲۴ ۱۳

ترجمہ :- اور آپ تذکرہ کریں اسماعیل ، الیسع اور ذالکفل علیہم السلام کا - اور یہ سب خوبی والے تھے ﴿۴۸﴾ یہ ایک نصیحت ہے - اور بیشک متقیوں کے لیے البتہ بہت اچھا ٹھکانا ہے ﴿۴۹﴾ باغات ہیں رہنے کے لیے ، کھلے ہوں گے اُن کے لیے دروازے ﴿۵۰﴾ تکیے لگا کر بیٹھنے والے ہوں گے اُن میں اور طلب کریں گے اس میں سے بہت سے پھل اور مشروب ﴿۵۱﴾ اور اُن کے پاس عورتیں ہوں گی نیچی نگاہیں رکھنے والی ، ہم عمر ﴿۵۲﴾ یہ وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا حساب کے دن ﴿۵۳﴾ بیشک یہ البتہ ہماری دی ہوئی روزی ہے ، نہیں ہے اس کے لیے کمی ﴿۵۴﴾ یہ بات (تو تم نے سُن لی) اور بیشک سرکشوں کے لیے البتہ بُرا ٹھکانا ہے ﴿۵۵﴾ وہ جہنم ہے ، جس میں وہ داخل ہوں گے ، پس بہت ہی بُری جگہ ہے آرام کرنے کی ﴿۵۶﴾ یہ بات (بھی تم نے سُن لی) پس وہ چکھیں گے کھولتا ہوا پانی اور بدبودار پیپ ﴿۵۷﴾ اور مزید بھی اس شکل کی طرح طرح کی چیزیں ﴿۵۸﴾ یہ ایک فوج (گروہ) ہے جو گھستی چلی آ رہی ہے تمہارے ساتھ - نہ خوش آمدید ہو ان کو - بیشک یہ داخل ہونے والے ہیں دوزخ کی آگ میں ﴿۵۹﴾ وہ

کہیں گے ، بلکہ تمہارے لیے خوش آمدید نہ ہو۔ تم نے ہی آگے بھیجا ہے ہمارے لیے اس چیز کو۔ پس بہت ہی بری ہے ٹھہرنے کی جگہ ⑥۰ وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار ! جس نے ہمارے لیے یہ چیز آگے بھیجی ہے پس اُس کے لیے کر دے عذاب دُگنا دوزخ کی آگ میں ⑥۱ اور کہیں گے وہ (دوزخ والے) کہ کیا ہے ہمیں کہ ہم نہیں دیکھتے اُن لوگوں کو جن کو شریر خیال کیا کرتے تھے ⑥۲ ہم نے اُن کے ساتھ ٹھٹھا کیا تھا، یا اُن سے آنکھیں چوک رہی ہیں ⑥۳ بیشک یہ البتہ برحق ہے جھگڑنا آپس میں دوزخ والوں کا ⑥۴

ربط آیات

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے صبر و استقامت کا ذکر فرمایا اور اُن کی تعریف میں اُن کی قوتِ عملی اور قوتِ نظری کو بیان فرمایا۔ انہوں نے ہر تکلیف پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہی ادا کیا۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھنے والے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کی عصمت کا تذکرہ فرمایا کہ وہ معصوم ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن سے کوئی گناہ نہیں سرزد ہونے دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو آخرت کے گھر کی یاد جیسی عظیم خصلت سے نوازا تھا۔ اللہ نے اُن کو از خود منتخب فرمایا تھا اور وہ اُس کے برگزیدہ بندے تھے

اسماعیل، الیسع اور ذالکفل علیہم السلام

آج کے درس کی پہلی آیت میں اللہ نے اپنے تین مزید انبیائے کرام کا تذکرہ فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے وَاذۡكُرۡ اِسۡمٰعِيۡلَ وَالۡيَسَعَ وَ ذَا الۡكِفۡلِ اور آپ تذکرہ کریں اسماعیل، الیسع اور ذالکفل علیہم السلام کا وَكُلٌّ مِّنَ الۡاَخۡيَارِ یہ سب کے سب خوبی والے انبیاء تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی نبوت و رسالت کے لیے منتخب فرمایا۔ ان میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے واقعات تو مشہور ہیں کہ آپ اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام

کی دُعا کے نتیجے میں بڑھاپے میں تولد ہوئے۔ پھر آپ کا باپ آپ کو اور آپ کی والدہ حضرت ہاجرہ کو مکے کی بے آب و گیاہ سرزمین میں چھوڑ گیا۔ پھر جب آپ بھاگنے دوڑنے کی عمر کو پہنچے تو باپ نے اللہ کے حکم سے آپ کی گردن پر چھری چلا دی مگر اللہ نے آپ کو بچا لیا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ کے جن دوسرے نبی کا ذکر ہوا ہے وہ حضرت الیسع علیہ السلام ہیں جو حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد اُن کے جانشین بنے۔ ان پر بھی بہت سی مصیبتیں آئیں جنہیں انہوں نے صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کیا۔ گذشتہ سورۃ میں الیاس علیہ السلام کے بارے میں یہ تذکرہ ہو چکا ہے کہ دشمنوں کی ایذا رسانیوں کی وجہ سے آپ چھ ماہ تک روپوش بھی رہے بہرحال آپ کے جانشین الیسع علیہ السلام ہوئے جن کا ذکر بائیبل میں بھی موجود ہے۔

تیسرے نبی ذالکفل علیہ السلام ہیں۔ بعض انہیں حضرت ایوب علیہ السلام کا بیٹا بتاتے ہیں، تاہم یہ بھی انبیائے بنی اسرائیل میں سے تھے۔ آپ کا لقب ذالکفل اس لیے مشہور ہو گیا تھا کہ آپ نے کسی شخص کی ضمانت دی تھی۔ جس کی بنا پر آپ کو چودہ سال یا اس سے زیادہ عرصہ جیل میں گزارنا پڑا۔ اللہ کے اس نبی نے بھی مخالفین کے ہاتھوں بڑی تکلیفیں برداشت کیں۔ بعض مفسرین ذالکفل کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ آپ کے دور کے جبار اللہ کے نبیوں کو قتل کر دیتے تھے مگر آپ نے تقریباً ایک سو انبیاء کو پناہ دی اور اُن کی کفالت کی، اس لیے آپ کا لقب ذالکفل پڑ گیا۔ یہ سارے انبیاء نیک اور برگزیدہ انسان تھے۔ اللہ نے ان کے صبر و استقامت کا تذکرہ کر کے ان کے اسوۂ حسنہ کو اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔

قرآن بطور نصیحت

آگے ارشاد ہوتا ہے هٰذَا ذِكْرٌ یہ قرآنِ پاک ذکر ہے۔ ذکر کے دو معانی آتے ہیں اور یہاں پر دونوں درست ہیں۔ ذکر کا ایک معنی تو نصیحت ہے اور قرآن پاک بلاشبہ سرتاپا نصیحت ہی نصیحت ہے اور اہل

عقل وخرد لوگ اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ آیت ۔ ۲۹ میں بھی گذر چکا ہے کہ ہم نے یہ کتاب اس لیے اتاری ہے کہ لوگ اس میں غور و فکر کریں وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ اور تاکہ عقلمند لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔

ذکر کا دوسرا معنی شرف ہے یعنی یہ قرآنِ پاک بنی نوعِ انسان کے لیے بالعموم اور عربوں کے بالخصوص باعثِ عزت و شرف ہے۔ یہ اللہ کا کلام اور اُس کا قانون ہے جو اُس نے اپنے بندوں کے ہاتھ میں دیا ہے۔ اس سے بڑا شرف کیا ہو سکتا ہے بشرطیکہ انسان اس میں غور و فکر کریں اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر دنیا اور آخرت میں سرخرو ہو جائیں۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ اکثر لوگ نہ تو اس کو پڑھتے ہیں۔ نہ اس میں غور و فکر کرتے ہیں، نہ اس پر خود عمل کرتے ہیں اور نہ اسے دوسروں تک پہنچاتے ہیں اور اس طرح اس کے فیوض و برکات سے محروم رہتے ہیں۔

متقین کے لیے انعامات

اپنے بعض برگزیدہ بندوں کا ذکر کرنے کے بعد آگے مطلقاً نیک لوگوں کو ملنے والے انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے اور پھر ساتھ ساتھ برے لوگوں کا انجام بھی بیان کیا ہے۔ اچھے لوگوں میں، انبیاء علیہم السلام سرفہرست ہیں، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآبٍ بے شک متقیوں کے لیے بہت اچھا ٹھکانا ہے۔ متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو کفر، شرک اور معاصی سے بچتے ہیں اور حدود شرعیہ کا احترام کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ تقویٰ کا معنی ہی یہ کرتے ہیں[1] "محافظت بر حدودِ شرع" یعنی شریعتِ الٰہیہ کی حدود کی حفاظت کرنا۔ انسانی زندگی کا کوئی مرحلہ ہو، عبادت اور ریاضت ہو یا سیاست و معیشت، تجارت ہو یا روابط باہمی، ہر سطح پر شریعت کی حدود کی حفاظت کرنے والا متقی کہلائے گا۔

جنت عدن

فرمایا ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں جَنّٰتِ عَدْنٍ قابلِ رہائش باغات ہیں۔ بعض باغات محض پیداوار کے لیے ہوتے ہیں اور اُن میں

[1] الطاف القدس مترجم ص۹۳

کسی کی ذاتی رہائش نہیں ہوتی۔ البتہ جنت عدن اس باغ کو کہا جاتا ہے جس میں مالک خود بھی رہائش پذیر ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسے باغ میں پودوں اور درختوں کے علاوہ رہائش کی تمام سہولتیں بھی ہوں گی جن میں بہترین مکان اور اس سے متعلقہ تمام لوازمات کو شامل کیا جا سکتا ہے۔ ایسے باغات کے متعلق فرمایا مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْأَبْوَابُ متقیوں کے لیے ان باغات کے دروازے کھلے ہوں گے، اور وہ ان میں بلا کسی رکاوٹ کے آجا سکیں گے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جنتیوں کو اپنے ٹھکانے پہ پہنچنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی اس دنیا میں تو بعض اوقات گھر پہنچنے میں کوئی دقت بھی پیش آسکتی ہے یا آدمی راستہ بھی بھول سکتا ہے مگر وہاں ایسی بات نہیں ہوگی بلکہ ہر جنتی بغیر کسی راہنمائی اور دقت کے اپنے ٹھکانے پہ پہنچ سکے گا۔

بہترین خوردونوش

فرمایا ان باغات میں متقی لوگ مُتَّكِـِٔينَ فِيهَا تکیہ لگا کر بیٹھیں گے۔ يَدْعُونَ فِيهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ وَّشَرَابٍ۔ وہاں پر طلب کریں گے۔ بہت سے پھل اور مشروبات۔ سورۃ الطور میں ہے کہ جنتی جس قسم کا پھل اور گوشت چاہیں گے اُن کے سامنے موجود ہوگا وَأَمْدَدْنَٰهُم بِفَاكِهَةٍ وَلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ (آیت۔۲۲) مشروبات میں سے شراب طہور کا ذکر قرآن پاک میں کئی جگہ موجود ہے۔ مثلاً سورۃ الدھر میں ہے وَسَقَٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا (آیت۔۲۱) اللہ تعالیٰ جنتی لوگوں کو پاک شراب پلائے گا جو کہ نہایت ہی خوشگوار اور خوش ذائقہ ہوگی اور اسمیں دنیا کی شراب جیسی گندگی اور نشہ آوری نہیں ہوگی۔ گذشتہ سورۃ الصّٰفّٰت میں بھی گذر چکا ہے کہ جنتی ایک دوسرے کے بالمقابل تختوں پہ بیٹھے ہوں گے اور اُن میں لطیف شراب کے جام چل رہے ہوں گے جو کہ سفید رنگ میں پُرلذت شراب ہوگی لَا غَوْلٌ فِيهَا (آیت۔۴۷) اُس میں کوئی سرگردانی نہیں ہوگی۔ بلکہ سرور ہی سرور ہوگا۔

باحیا ہم عمر عورتیں

فرمایا خورد و نوش کی اشیاء کے علاوہ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ اُن کے پاس نیچی نگاہیں رکھنے والی ہم عمر عورتیں ہوں گی۔ انسانی زندگی کی تکمیل میں مرد کے لیے عورت کا بھی حصہ ہے۔ عورت کے بغیر زندگی سونی سونی اور نامکمل رہتی ہے۔ اللہ نے مرد و زن کے باہمی تعلق کو اس طرح بیان فرمایا ہے هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (البقرہ-۱۸۷) عورتیں مردوں کا لباس ہیں اور مرد عورتوں کا لباس ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ جنت میں عورتیں بھی عطا کریگا جن کو اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ (البقرہ-۲۵) یعنی پاک عورتوں سے تعبیر کیا گیا ہے ان کے اجسام اور اخلاق مکمل طور پہ پاک ہوں گے۔ اور نیچی نگاہیں رکھنے والی اس لحاظ سے کہ وہ اپنے خاوندوں کے علاوہ کسی دوسری طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گی۔ اس دنیا میں تو عورتیں غیر مردوں کے ساتھ گپیں مارتی ہیں۔ کلبوں اور سینما گھروں میں جاتی ہیں، پروگرام چلاتی ہیں اور گانے گا کر غیر مردوں کا دل بہلاتی ہیں، مگر وہاں ایسی بات نہیں ہوگی۔ جنتی حوروں کے اپنے خاوند اس قدر حسین وجمیل ہوں گے کہ اُن کی نگاہ کسی طرف اٹھے گی نہیں اور یہی چیز ہر مرد اور عورت کے حق میں عفت و پاکدامنی کی علامت ہے۔

مرد و زن کا ہم عمر ہونا بھی ایک نعمت ہے۔ عمر کے تفاوت کی وجہ سے کئی ایک پیچیدگیاں اور پریشانیاں لاحق ہو جاتی ہیں مگر جنت میں ایسا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوگا۔ کیونکہ جنتی مرد اور جنتی عورتیں ہم عمر ہوں گے۔

بافراط روزی

ارشاد ہوتا ہے هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ یہ وہ چیز ہے جس کا حساب کے دن (قیامت) کے لیے تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ فرمایا اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا یہ ہماری طرف سے روزی ہے مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ بے شک یہ کم نہیں ہوگی۔ دنیا میں تو اکثر چیزوں کی کمی واقع ہو جاتی ہے فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں، قحط سالی پیدا ہو جاتی ہے، کارخانوں کی پیداوار بند ہو جاتی ہے اور لوگوں کو مشکلات پیش آتی ہیں، مگر جنت میں کسی چیز کی کوئی

کمی واقع نہیں ہوگی۔ جنت میں ہر چیز بافراط میسّر ہوگی۔

سرکشوں کا بدترین ٹھکانا

فرمایا هٰذَا یہ بات تو ہوگئی۔ تم نے جنتیوں کے انعامات کا تذکرہ سن لیا، اب ذرا نافرمانوں کا انجام بھی ملاحظہ کرلیں۔ ارشاد ہوتا ہے وَاِنَّ لِلطّٰغِیْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ اور بیشک سرکشوں کے لیے بُرا ٹھکانا ہوگا۔ جن لوگوں کی فکر، اعمال اور اخلاق خراب ہوں گے اور جنہوں نے خدا تعالیٰ کی شریعت اور دین کی حدود کو توڑا ہوگا، کفر، شرک اور ظلم وتعدی پر اصرار کرتے ہونگے بدعات کو رواج دیتے ہوں گے، غرور وتکبر میں مبتلا ہوں گے اور لوگوں کی حق تلفی کے مرتکب رہے ہوں گے۔ ان کا ٹھکانا بہت بُرا ہوگا۔ اور وہ کون سا ہے؟ جَهَنَّمَ وہ ٹھکانا جہنم ہے یَصْلَوْنَهَا جس میں داخل ہوں گے فَبِئْسَ الْمِهَادُ پس یہ آرام کرنے کے اعتبار سے بہت ہی بُری جگہ ہوگی یعنی وہاں کوئی آرام میسّر نہیں آئے گا۔

بدترین خورد ونوش

فرمایا هٰذَا یہی عذاب ہے فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ پس چکھیں اس کو کھولتا ہوا پانی اور بدبودار پیپ ہے۔ حمیم کھولتے ہوئے گرم پانی کو کہتے ہیں جو دوزخیوں کو پینے کے لیے دیا جائے گا۔ سورۃ محمد میں آتا ہے وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (آیت ۔ ۱۵) جب وہ اتنا گرم پانی پئیں گے تو اُن کے پیٹ کی آنتیں کٹ کر نیچے گر پڑیں گی۔ اس پانی کا ایک ہی گھونٹ جسم کے پورے اندرونی نظام کو درہم برہم کرنے کے لیے کافی ہوگا۔ یہاں پر دوسری چیز غساق کا ذکر ہے۔ غساق زخموں سے بہنے والی پیپ کو کہا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اگر غساق کا ایک ڈول دنیا میں پھینک دیا جائے تو تمام انسانوں اور جانوروں کی زندگی اس کی بُو کی وجہ سے تلخ ہوجائے۔ امام ابن جریرؒ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ حمیم اور غساق دو چیزیں ہیں۔ حمیم سے مراد سخت ترین گرم پانی اور غساق کا مطلب انتہائی ٹھنڈا یخ بستہ پانی ہے جبکہ دوسرا نام زمہریر بھی ہے جسطرح سخت گرم پانی ناقابل استعمال ہوتا ہے اسی طرح سخت

منجمد پانی بھی مفید نہیں ہوتا۔ غرضیکہ مفسرین نے غساق کے یہ دونوں معنی بیان کیے ہیں یعنی پیپ اور انتہائی ٹھنڈا پانی۔ اِن دو چیزوں کے علاوہ فرمایا وَاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ اور سزا کے طور پر اس قسم کی طرح طرح کی مزید چیزیں بھی ہوں گی جو جہنمیوں کے لیے وبال جان بن جائیں گی اور وہ دردناک اذیت میں مبتلا ہوں گے۔

دوزخیوں کی جماعت

اب آگے اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں کی دو جماعتوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک جماعت تابعین کی ہوگی اور دوسری متبوعین کی۔ دنیا میں باطل طریقے پر پیچھے لگنے والے اور پیچھے لگانے والے سب جہنم میں داخل ہوں گے اور پھر وہ ایک دوسرے پر الزام تراشی بھی کریں گے جس کی وجہ سے اُن کو جہنم کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ ارشاد ہوتا ہے هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ یہ ایک فوج، گروہ یا جماعت ہے جو تمہارے ساتھ گھستی چلی آرہی ہے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس جماعت سے جہنمیوں کے دو طبقات مراد ہیں جو یا تو دنیا میں باطل طور پر لوگوں سے اپنی اتباع کراتے رہے یا وہ ایسے لوگوں کی اتباع کرتے رہے۔ اِن سب کو جہنم میں داخل کرنے سے پہلے جہنم کے کنارے پر کھڑا کیا جائے گا اور پھر یہ آپس میں ایک دوسرے کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنائیں گے۔ گویا اس فوج سے مراد تابع اور متبوعین کا گروہ ہے جو جہنم کے کنارے پر جمع ہوگا۔ پھر آواز آئے گی لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ اِن کو خوش آمدید نہ کہو یعنی اِن کی آؤ بھگت نہ کرو کیونکہ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ یہ تو جہنم میں داخل ہونے والے ہیں۔ یہ بڑے بڑے ائمۃ الکفر کہیں گے جو دنیا میں اپنی بات منواتے رہے اور کمزور لوگوں کو اپنے پیچھے لگنے پر مجبور کرتے رہے۔ پھر کمزور اور تابع لوگ جواب دیں گے قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ بلکہ تمہیں خوش آمدید نہ ہو۔ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا یہ تمہیں لوگ ہو جنہوں نے ہمارے لیے اس چیز کو آگے بھیجا ہے۔ تم نے ہی یہ مصیبت ہمارے لیے کھڑی کی ہے۔ ہم تمہارے

پیچھے لگ کر گمراہ ہوئے اور پھر جہنم کے دروازے تک پہنچ گئے ہیں۔ فَبِئْسَ الْقَرَارُ یہ تو قرار پکڑنے کی بہت ہی بُری جگہ ہے پھر وہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا پروردگار! جس نے ہمارے لیے یہ مصیبت آگے بھیجی ہے یعنی جو لوگ ہمارے لیے عذاب کا باعث بنے ہیں فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِی النَّارِ ایسے شخص کو دوزخ میں دگنی سزا دے۔ انہوں نے اپنے ساتھ ہمارا بیڑا بھی غرق کر دیا۔ قرآن میں دوسری جگہ موجود ہے کہ متبوعین کہیں گے کہ تم نے خود ہی گمراہی کا راستہ اختیار کیا تھا، تم اپنے مقصد و ارادہ کے ساتھ اس راستہ پر چلتے رہے، ہم نے تمھیں مجبور تو نہیں کیا تھا کہ ضرور ہی ہمارے پیچھے چلو۔ اب ہم پر کیسے الزام دھرتے ہو۔ دوزخیوں کی ایک دوسرے پر الزام تراشی بجائے خود ان کے لیے ایک ذہنی عذاب ہوگا۔

اہل ایمان کی تلاش

اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ دوزخ کی ایک اور حیرانگی کا ذکر کیا ہے جہنمی لوگ جہنم میں پہنچ کر اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں گے، اور پھر وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ کہیں گے کہ ہم یہاں اُن مردوں کو نہیں دیکھ رہے ہیں جنہیں ہم شریر خیال کرتے تھے اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا دنیا میں ہم اُن سے ٹھٹا کیا کرتے تھے، اُن کا مذاق اڑایا کرتے تھے یہ اہل ایمان کی بات ہو رہی ہے۔ دوزخ والے اُن کو یاد کریں گے اور کہیں گے کہ ہم تو یہاں پہنچ گئے ہیں مگر وہ کہاں ہیں جنہیں ہم طرح طرح کی اذیتیں پہنچایا کرتے تھے، پھر خود ہی کہیں گے، کیا وہ لوگ یہاں آئے ہی نہیں اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ یا ہماری آنکھیں چوک رہی ہیں اور اُن کو تلاش کرنے سے عاجز ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ایمان والے تو اللہ کی رحمت کے مقام میں ہوں گے، وہاں دوزخ میں کہاں نظر آئیں گے؟

فرمایا یاد رکھو! اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ

اہلِ دوزخ کا آپس میں اس قسم کا جھگڑا تنازعہ اور ایک دوسرے پر الزام تراشی بالکل ایسی ہی ہوگی۔ یہ آپس میں جھگڑا کریں گے، اور پھر دوسروں کے متعلق بھی گفتگو کریں گے کہ وہ کہاں ہیں؟ یہ صورت حال ان کی پریشانی میں مزید اضافہ کا باعث بنے گی۔

درسِ دہم ۱۰ آیت ۶۵ تا ۷۰

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ
الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾ قُلْ هُوَ
نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿۶۷﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿۶۸﴾
مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ
يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۶۹﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا
نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۰﴾

ترجمہ :- آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) بے شک میں ڈر سنانے والا ہوں ، اور نہیں ہے کوئی الٰہ اللہ کے سوا جو اکیلا ہے اور زبردست ہے ﴿۶۵﴾ جو پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے ، وہ کمال قوت کا مالک اور بخشش کرنے والا ہے ﴿۶۶﴾ آپ کہہ دیجئے کہ یہ ایک بڑی خبر ہے ﴿۶۷﴾ تم اس سے اعراض کرنے والے ہو ﴿۶۸﴾ نہیں تھا مجھے علم ملاء اعلیٰ کا جب کہ وہ آپس میں تکرار کر رہے تھے ﴿۶۹﴾ نہیں وحی کی جاتی میری طرف مگر یہ کہ بیشک میں ڈر سنانے والا ہوں کھول کر ﴿۷۰﴾

ربطِ آیات

اِس سورۃ کی ابتداء میں مَیں نے عرض کیا تھا کہ اس میں اللہ نے تمام

عقائد توحید، رسالت، معاد اور قرآن پاک کی صداقت و حقانیت کو واضح کیا ہے چنانچہ یہ چاروں مضامین اس سورۃ مبارکہ میں بیان ہو چکے ہیں۔ درمیان میں اللہ تعالیٰ نے صبر و استقامت کے سلسلہ میں کئی انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرمایا اور اُن کی شکر گزاری اور صبر کا حال بیان کیا۔ اس کے ساتھ اللہ نے جنتیوں کے بعض انعامات کا تذکرہ فرمایا اور سرکش اور نافرمان لوگوں کا انجام بھی ذکر کیا۔ اہلِ دوزخ کی جہنم میں تکالیف اور پھر آپس میں گفتگو کا ذکر بھی آگیا ہے۔ آخر سورۃ میں پھر خلاصہ مضامین آرہا ہے۔ چنانچہ آج کے درس میں بطورِ خاص توحید و رسالت کا بیان ہے۔ اور پھر اگلے درس میں ابلیس کی نافرمانی کا ذکر ہوگا۔ اور سورۃ کے اختتام پر پھر توحید و رسالت ہی کا بیان ہوگا۔

پیغمبر بحیثیت منذر

ارشاد ہوتا ہے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ میں تو ڈر سنانے والا ہوں۔ میرا فریضہ ہے کہ لوگوں کو کفر، شرک اور معاصی کے انجام سے خبردار کر دوں۔ اللہ کا فرمان ہے کہ نبی نذیر اور بشیر ہوتا ہے اللہ کے تمام نبی ایمان، توحید اور اطاعت کرنے والوں کو آخرت میں عیش و آرام سے بھرپور لازوال زندگی کی بشارت سناتے ہیں۔ تاہم اُن کے پیغام میں انذار کا پہلو زیادہ نمایاں ہوتا ہے کیونکہ دنیا میں عام طور پر کفر، شرک اور معاصی کا دور دورہ رہا ہے۔ فرمایا آپ کہہ دیجئے کہ میں تو انذار کرنے والا ہوں۔ اس میں ضمناً یہ بات بھی آجاتی ہے کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور نبیوں والا کام ہی کرتا ہوں کوئی فرشتہ یا الٰہ نہیں ہوں۔ میں تمہیں برائی کے انجام سے خبردار کر رہا ہوں۔

توحید باری تعالیٰ

فرمایا کہ تمہیں انذار کرنے کے ساتھ ساتھ توحید کی دعوت بھی دیتا ہوں، وَمَا مِنْ اِلٰـهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ تعالیٰ جو اکیلا ہے اور غالب ہے۔ اس کے علاوہ نہ کوئی خالق ہے، نہ مالک ہے نہ مدبر ہے، نہ کوئی علیم کل ہے اور نہ قادرِ مطلق ہے۔ یہ تمام صفات صرف ذاتِ باری تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا وہ اکیلا ہی معبود ہے، ہر چیز پر غالب

ہے۔ ہر عیب، نقص اور کمزوری سے پاک ہے فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (الاعراف۔ ۱۹۰) یہ مشرک لوگ جن چیزوں کو اُس کا شریک بناتے ہیں وہ اُن تمام چیزوں سے بلند و برتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ بادشاہی صرف اِس دنیا تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ تو آخرت کے جہاں کا بھی بلا شرکتِ غیرے مالک و مختار ہے۔ اُس کا اعلان ہے وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى (اللّیل۔۱۳) یہ دنیا بھی ہماری ہے اور آخرت بھی ہماری ہے۔ ہر دو جہانوں میں ہماری ہی حکومت ہے، ہمارے سوا دونوں جہانوں میں کسی غیر کا سکہ نہیں چلتا۔

سورۃ کی ابتداء میں بیان ہو چکا ہے کہ جب اللہ کے رسول نے مشرکین کو خدائے وحدہٗ لاشریک کی طرف دعوت دی تو وہ متعجب ہو کر کہنے لگے اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ (آیت۔ ۵) کیا اس شخص نے سارے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا لیا ہے یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں کوئی شریک نہیں وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ (الانعام۔ ۶۱) اور وہ اپنے تمام بندوں پر تسلط رکھتا ہے۔ سب چیزیں اُسی کے اختیار میں ہیں۔

فرمایا خدائے واحد کی ایک صفت یہ بھی ہے رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وہ آسمانوں، زمین اور اُن دونوں کے درمیان کی تمام چیزوں کا پروردگار ہے۔ عالمِ بالا ہو یا عالمِ زیریں، درمیانی فضا ہو یا فضائی کرے سورج، چاند، ستارے وغیرہ سب کا رب وہی ہے۔ وہ الْعَزِيْزُ کمال قدرت کا مالک اور ہر چیز پر غالب، اور الْغَفَّارُ بخشش کرنے والا ہے۔ وہ بڑا مہربان ہے، اپنے بندوں پر فوری گرفت نہیں کرتا بلکہ سنبھل جانے اور توبہ کر لینے کا موقع دیتا ہے۔ اگر انسان اُس کی طرف رجوع کر لے، اور تائب ہو جائے تو وہ نہ صرف غلطیوں کو معاف کر دیتا ہے بلکہ گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر کے بلند درجہ بھی عطا کرتا ہے۔

قیامت بطور بڑی خبر

اگلی دو آیات میں وقوعِ قیامت کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم قُلْ آپ کہہ دیجئے هُوَ نَبَؤٌا عَظِيمٌ کہ یہ ایک بڑی خبر ہے۔ اس سے مراد قیامت کی خبر ہے جیسے سورۃ النبا کے آغاز میں فرمایا عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ① عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ ② یہ لوگ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں ؟ کیا بڑی خبر کے بارے میں یعنی قیامت کے متعلق جس میں یہ اختلاف کرتے ہیں ؟

علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ هُوَ کا اشارہ نہ صرف وقوعِ قیامت کے متعلق ہے بلکہ توحید و رسالت کی طرف بھی ہے۔ توحید کا مسئلہ بھی عظیم خبر ہے جسے اللہ کے سارے نبیوں نے لوگوں تک پہنچایا۔ دوسری طرف نبی کی نبوت و رسالت بھی بہت بڑی خبر ہے۔ خدا کی توحید کو لوگوں تک پہنچانے اور دین اور شریعت کے احکام کی تبلیغ نبوت و رسالت کے ذریعے ہی ہوتی رہی ہے۔ اسی طرح نزولِ قرآن پاک بھی ایک عظیم خبر ہے۔ اللہ نے اس کو وحی کے ذریعے نازل فرمایا۔ اللہ کے نبی نے نہ تو کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا، نہ کسی سے علم حاصل کیا۔ نہ کوئی کتابیں پڑھیں مگر اس کے باوجود آپ نے امت کو تمام علوم سے آگاہ کیا۔ یہ سب کچھ وحی الٰہی کے ذریعے ممکن ہوا اور یہی اس کتاب کی صداقت کی دلیل ہے۔ بہر حال فرمایا کہ قیامت، توحید، رسالت یا قرآنِ حکیم ایک بہت بڑی خبر ہے أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ مگر تم اس سے اعراض کرنے والے ہو۔ اللہ نے اُن لوگوں کی مذمت بیان فرمائی ہے جو وقوعِ قیامت کے منکر ہیں یا اس کی توحید اور رسالت کو تسلیم نہیں کرتے یا قرآن پاک کو وحی الٰہی ہونے کا یقین نہیں کرتے۔

ملاءِ اعلیٰ

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی جماعت ملاءِ اعلیٰ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ مجھے ملاءِ اعلیٰ کے متعلق کچھ علم نہیں تھا جب کہ وہ تکرار

کر رہے تھے۔ ملاء اعلیٰ قرآن وسنت کی اصطلاح ہے جس کا لغوی معنی بلند جماعت ہے۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک اور صحیح احادیث میں ملاء اعلیٰ کا ذکر موجود ہے جس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔ پھر فرماتے ہیں[1] کہ یاد رکھو! اس کائنات یعنی ارض وسما، چاند، سورج، سیارے اور ستارے، ان سب سے اربوں کھربوں سال پہلے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی جماعت ملاء اعلیٰ کو پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا تھا کہ نوعِ انسانی کی مصلحت فرشتوں پر موقوف ہے، لہٰذا اُس نے آدم علیہ السلام کی تخلیق سے فرشتوں کو اس قدر پہلے پیدا کیا کہ جس کا ہم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اِن فرشتوں کے ذمے بعض کام لگا رکھے ہیں۔ لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (التحریم ۶) فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے بلکہ وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

فرشتوں کے فرائض میں سے ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ اُن لوگوں کے حق میں دعائیں کرتے ہیں، جنہوں نے اپنے نفس کو مہذب بنایا ہے اور وہ لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف جو لوگ غیر مہذب، ناشائستہ اور عقیدہ، عمل اور اخلاق کے لحاظ سے بدتر ہوتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں تو ملاء اعلیٰ کے یہ فرشتے اُن کے حق میں لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ جن لوگوں کے لیے فرشتے دعائیں کرتے ہیں اُن پر دعاؤں کی برکات نازل ہوتی ہیں اور دعاؤں کا اثر انسانوں پر ظاہر ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو ترقی نصیب ہوتی ہے۔ اور اُن کے لیے جزائے عمل میں مزید بہتری پیدا ہوتی ہے۔ پھر جن کے حق میں فرشتے بددعائیں کرتے ہیں اُن کی ذات میں حسرت و افسوس اور ندامت پیدا ہوتی ہے۔ اور اُن کے جزائے عمل میں خرابی آتی ہے۔ باعتبار جماعت اِن فرشتوں کو ملاء اعلیٰ کہا جاتا ہے، باعتبار مجلس ان کا نام ندی اعلیٰ اور باعتبار رفاقت اِن کا نام رفیق اعلیٰ ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وفات کے وقت یہی دعا کی

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص ۳۳ ج ۱

تھی اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی اے اللہ! مجھے رفیقِ اعلیٰ میں پہنچا دے۔

ملاءِ اعلیٰ کے تین درجات

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں میں تین گروہ پائے جاتے ہیں۔ پہلے درجے کی جماعت کا مادہ تخلیق بہت ہی بسیط اور لطیف ہے۔ ان کے مادۂ تخلیق کی مثال کوہِ طور پر نظر آنے والی آگ کی سی ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپس اپنے وطن آ رہے تھے تو انہوں نے طور پر آگ دیکھی۔ قریب گئے تو دیکھا کہ وہ آگ ایک درخت سے پھوٹ رہی تھی مگر اس کو جلاتی نہیں تھی بلکہ درخت کی سرسبزی میں مزید اضافہ ہو رہا تھا۔ مسلم شریف کی روایت کے مطابق وہ حجابِ ناری تھا یا حجابِ نوری تھا۔ مطلب یہ کہ ملاءِ اعلیٰ کے پہلے درجے کے فرشتوں کو اللہ نے مذکورہ آگ جیسے مادہ سے پیدا فرمایا ہے۔ ان کے اجسام نہایت لطیف ہیں اور اللہ نے ان میں نہایت لطیف روحیں پیدا کی ہیں اور اُن کو بہت بڑی طاقت عطا فرمائی ہے۔ اُن کی توجہ ہر وقت خدا تعالیٰ کی تجلیٔ اعظم کی طرف لگی رہتی ہے۔

ملاءِ اعلیٰ کی دوسرے درجے کی جماعت وہ ہے جسے اللہ نے عالمِ مثال کے لطیف عناصر سے پیدا کیا ہے اور یہ بھی بڑے لطیف فرشتے ہیں۔ یہ جماعت بھی پہلی جماعت کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ملاءِ اعلیٰ کی تیسری جماعت افاضل الآدمیین کی ہے۔ انسانوں میں افضل ترین لوگ انبیاء اور کاملین بھی اپنا مادی دور ختم کرنے کے بعد ملاءِ اعلیٰ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ملاءِ اعلیٰ کے ملائکہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان کسی نہ کسی طرح سفارت کا کام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہی کے ذریعے کائنات تک فیض پہنچاتا ہے۔ مخلوق پر نازل ہونے والی راحت ہو یا تکلیف، خوشحالی ہو یا بدحالی، بارانِ رحمت ہو یا خشک سالی سب انہی فرشتوں کے واسطے سے نافذ العمل ہوتی ہیں۔ جس مقام میں یہ جماعت رہتی ہے اُس کو حظیرۃ القدس کہا جاتا ہے۔ اسی مقام پر اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کے فیصلے نازل ہوتے ہیں اور پھر آگے کائنات میں جاری ہوتے ہیں۔ انسانوں

لہ حجۃ اللہ البالغہ ص۱۶
ج۱

میں سے انبیائے کرام یا دیگر کاملین کی روحیں جب اِس مادی جسم کو چھوڑتی ہیں تو وہ بھی اس رفیق اعلیٰ میں پہنچ جاتی ہیں۔

ملاءِ سافل

ملاءِ اعلیٰ کے بالمقابل ملاءِ سافل ہوتے ہیں۔ اِن کا مقام حظیرۃ القدس سے نیچے ہوتا ہے۔ اِن فرشتوں کے آگے بہت سے طبقات ہیں۔ اِن میں سے بعض قبر اور برزخ میں متعین ہیں۔ کوئی زمین پہ اور کوئی فضا میں۔ بعض سمندروں میں اور بعض انسانی اجسام کے اندر متعین ہیں۔ بعض فرشتے انسان کی حفاظت پہ مامور ہیں۔ بعض انسانوں کے اعمال لکھنے پہ مامور ہیں اور بعض کو اللہ نے دیگر امور پہ مقرر کر رکھا ہے۔ جب اِن تمام فرشتوں کی روشنی بیک وقت چمکتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے۔ جس طرح بہت سے بلب بیک وقت روشن کر دیے گئے ہوں۔ اور پھر یہ روشنی جس مقام تک پھیلتی ہے اُس کو علیین کہا جاتا ہے۔

تشریح بزبان رسول

فرمایا مجھے تو علم نہیں تھا کہ فرشتے کس بات میں تکرار کر رہے تھے۔ اس تکرار کے متعلق مفسرین کرام دو تفسیریں پیش کرتے ہیں۔ پہلی تفسیر تو یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق فرشتوں میں بات چیت ہوئی۔ جس کا ذکر اگلی آیات میں آرہا ہے کہ جب اللہ نے آدم علیہ السلام کو تخلیق کیا تو فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ سب فرشتے سربسجود ہو گئے مگر ابلیس نے اس بناء پہ انکار کر دیا کہ وہ آدم سے افضل ہے، لہٰذا وہ اس کو سجدہ نہیں کر سکتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اُسے راندۂ درگاہ ٹھہرایا اور قیامت تک کے لیے اس پہ لعنت مسلط کر دی گئی۔ ایک تو یہ تکرار ہے۔

دوسری تشریح خود حضور علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے ہے۔ مسند احمد اور ترمذی شریف میں یہ روایت موجود ہے جو کہ محدثین کے نزدیک صحیح ہے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فجر کی نماز کے لیے کافی دیر سے تشریف لائے یہاں تک کہ ہمیں خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں سورج نہ نکل آئے۔ آپ جلدی سے تشریف لائے۔ اقامت کہی گئی اور آپ نے

وقت کی تنگی کی وجہ سے ہلکی نماز پڑھائی۔ سلام پھیرنے کے بعد آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہو۔ پھر آپ نے اس طرح ارشاد فرمایا۔ اِنِّیْ قُمْتُ مِنَ اللَّیْلِ فَصَلَّیْتُ مَا قُدِّرَ لِیْ فَنَعَسْتُ فِیْ صَلٰوتِیْ فَرَاَیْتُ رَبِّیْ فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَۃٍ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ هَلْ تَدْرِیْ فِیْ مَا یَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْاَعْلٰی فَقُلْتُ لَا اَدْرِیْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَرَاَیْتُهٗ فَوَضَعَ کَفَّهٗ بَیْنَ کَتِفَیَّ حَتّٰی وَجَدْتُّ بَرْدَهَا فِیْ نَحْرِیْ فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔ قَالَ یَا مُحَمَّدُ هَلْ تَدْرِیْ فِیْ مَا یَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْاَعْلٰی قُلْتُ نَعَمْ فِی الْکَفَّارَاتِ نَقْلُ الْاَقْدَامِ اِلَی الْجَمَاعَاتِ الْمُکْثُ فِی الْمَسْجِدِ بَعْدَ الصَّلٰوۃِ وَاِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ فِی الْمَکَارِهِ قَالَ وَمَا الدَّرَجَاتُ قُلْتُ اِطْعَامُ الطَّعَامِ وَلِیْنُ الْکَلَامِ وَالصَّلٰوۃُ وَالنَّاسُ نِیَامٌ ثُمَّ قَالَ سَلْ فَقُلْتُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَتَرْکَ الْمُنْکَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاکِیْنِ وَاَنْ تَغْفِرَلِیْ وَتَرْحَمْنِیْ وَاِذَا اَرَدْتَّ بِقَوْمٍ فِتْنَةً فَتَوَفَّنِیْ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ وَاَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُّقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّکَ میں رات کو بیدار ہوا اور نماز پڑھی جتنی مقدار میں تھی۔ مجھ پہ دوران نماز ہی اونگھ طاری ہوگئی اور میں بوجھل ہوگیا۔ میں نے اسی حالت میں اپنے پروردگار کو بہت ہی عمدہ صورت میں دیکھا، تو اس نے فرمایا اے محمد! کیا آپ جانتے ہیں کہ ملاء اعلیٰ کس چیز میں تکرار کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا، پروردگار! میں تو نہیں جانتا۔ اللہ نے یہ سوال تین دفعہ کیا اور میں نے تینوں مرتبہ وہی جواب دیا۔ پھر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے کندھے

کے درمیان رکھا، یہاں تک کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے دل میں محسوس کی اور پھر ہر چیز مجھے روشن نظر آنے لگی اور میں نے پہچان لیا، پھر اللہ نے فرمایا۔ اے محمد! یہ بتلاؤ کہ ملاء اعلیٰ کس بات میں تکرار کر رہے ہیں، تو میں نے عرض کیا کہ وہ گناہوں کے کفاروں کے بارے میں تکرار کر رہے ہیں۔ اللہ نے فرمایا، کفارات کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا، جماعت میں شریک ہونے کے لیے پاؤں سے چل کر جانا (جب کہ ہر ہر قدم کا اٹھنا غلطیوں کا کفارہ بنتا ہے اور درجات کی بلندی کا سبب بنتا ہے) نیز فرمایا مساجد میں نماز کے بعد بیٹھنا، تکلیف برداشت کر کے کامل وضو بنانا (یعنی گرمی سردی کی پرواہ کیے بغیر اچھی طرح وضو کرنا۔) پھر مجھ سے خدا تعالیٰ نے پوچھا درجے کیا ہیں؟ تو میں نے عرض کیا، محتاجوں کو کھانا کھلانا، نرمی سے بات کرنا، اور راتوں کو نماز پڑھنا جب کہ لوگ سو رہے ہوں۔ پھر اللہ نے فرمایا، مانگ کیا مانگتے ہو۔ تو میں نے عرض کیا، مولا کریم! میں تجھ سے نیکیوں کے کرنے، منکرات کے ترک کرنے کی اور مساکین کے ساتھ محبت کرنے کی توفیق مانگتا ہوں۔ اور یہ کہ تو مجھے میری کوتاہیاں معاف کر دے اور مجھ پر رحم فرمائے اور جب کسی قوم کے بارے میں آزمائش کا ارادہ کرے تو مجھے اس سے پہلے اٹھا لے۔ اور پروردگار! میں سوال کرتا ہوں تیری محبت کا، اور اس کی محبت کا جو تجھ سے محبت کرے اور اس عمل کی محبت کا جو مجھے تیرے قریب کر دے۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ بات برحق ہے لہذا اس کو سیکھو اور سکھلاؤ۔ بعض کہتے ہیں کہ سارا واقعہ حضور علیہ السلام کو بیداری کی حالت میں پیش آیا مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ آپ نے خواب میں دیکھا۔

اس آیت کریمہ میں يَخْتَصِمُوْنَ کا لفظ آیا ہے جس کا معنی تکرار یا جھگڑا کرنا ہوتا ہے، مگر شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر فرشتوں کے جھگڑے کی بات نہیں ہے بلکہ اس سے مراد عام بات چیت یا بحث مباحثہ ہے جو وہ آپس میں کرتے ہیں۔

تجلئ اعظم کے اثرات

اس حدیث پاک سے حضور علیہ السلام کے لیے علم غیب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ علم غیب تو جب ہوگا جب ہر چیز کا ہر وقت علم ہو، اور یہ خاصۂ خداوندی ہے حقیقت یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے تجلی فرمائی تو ہر چیز روشن ہوگئی اور جب وہ تجلی دور ہوگئی تو پھر کچھ نظر نہ آیا یہ تو وہی بات ہے۔

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم
گہے بر پائے پشت خود نہ بینم

ہماری حالت تو یہ ہے کہ جب ہم اونچے محل پہ ہوتے ہیں تو ہر چیز نظر آتی ہے اور کبھی یہ حالت ہوتی ہے کہ اپنے پاؤں پہ رکھی ہوئی چیز بھی نظر نہیں آتی حضرت یعقوب علیہ السلام کو اڑھائی سو میل سے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آگئی مگر جب وہ ایک میل کے فاصلے پر کنوئیں میں پڑے ہوئے تھے تو کچھ پتہ نہ چلا۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک موقعہ پر حضور علیہ السلام نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا سَلُوْنِیْ مَادُمْتُ فِیْ مَقَامِیْ هٰذَا یعنی جب تک میں اس مقام پر کھڑا ہوں، جو چاہے سوال کر لو۔ میں جواب دوں گا۔ اس وقت تجلیات کا نزول ہو رہا تھا جس سے ہر چیز روشن نظر آ رہی تھی۔ چنانچہ دو آدمیوں نے سوال کیا جن کے حضور علیہ السلام نے جواب دیے۔ پھر حضرت عمرؓ نے آگے بڑھ کر کہا رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا وَّنَبِیًّا میں راضی ہوں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی اور رسول ہونے پر۔ حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر اس سلسلہ کلام کو ختم کرا دیا تاکہ کوئی شخص الٹا سیدھا سوال نہ کر دے اور پھر خدا تعالیٰ کا غضب ہی نہ نازل ہو جائے، اس وقت حضور علیہ السلام جوش کی حالت میں تھے۔ اور آپ کا چہرہ مبارک سرخ تھا۔ پھر مذکورہ الفاظ سن کر آپ خاموش ہو گئے۔

رسالت کی غائیت

یہاں تک جتنی باتیں بیان ہوئی ہیں یہ سب اللہ نے وحی کے ذریعے

حضور علیہ السلام کو بتلائیں۔ اسی بات کو حضور علیہ السلام کی زبان سے کہلوایا اِنْ يُّوْحٰۤى اِلَیَّ اِلَّاۤ اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ میری طرف تو یہی وحی کی جاتی ہے کہ میں کھول کر ڈرسانے والا ہوں۔ میں نے نہ تو کتابیں پڑھیں اور نہ کسی سے کچھ سیکھا، بلکہ میں تو تمھیں وہی باتیں بتلاتا ہوں جو اللہ نے مجھے وحی کے ذریعے سکھلائیں اور یہی میری نبوت کی حقانیت کی دلیل ہے۔ مشرکوں کے عقیدے کے برخلاف نہ تو میں خدا ہوں اور نہ حاجت روا اور مشکل کشا۔ میں تو برائی اور عقائدِ فاسدہ کے انجام سے کھول کر ڈرسانے والا ہوں۔ میں لوگوں کو خبردار کرتا ہوں کہ اگر برائی کو اختیار کرو گے تو اس کا نتیجہ بھی برائی کی صورت میں ہی نکلے گا۔

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّي خَٰلِقٌۢ بَشَرًا مِّن
طِينٍ ﴿۷۱﴾ فَإِذَا سَوَّيْتُهُۥ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن
رُّوحِي فَقَعُوا۟ لَهُۥ سَٰجِدِينَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ
كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿۷۳﴾ إِلَّآ إِبْلِيسَ ٱسْتَكْبَرَ وَ
كَانَ مِنَ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿۷۴﴾ قَالَ يَٰٓإِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ
أَن تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ أَسْتَكْبَرْتَ
أَمْ كُنتَ مِنَ ٱلْعَالِينَ ﴿۷۵﴾ قَالَ أَنَا۠ خَيْرٌ مِّنْهُ
خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُۥ مِن طِينٍ ﴿۷۶﴾
قَالَ فَٱخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿۷۷﴾ وَإِنَّ
عَلَيْكَ لَعْنَتِيٓ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلدِّينِ ﴿۷۸﴾ قَالَ رَبِّ
فَأَنظِرْنِيٓ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿۷۹﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ
ٱلْمُنظَرِينَ ﴿۸۰﴾ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْوَقْتِ ٱلْمَعْلُومِ ﴿۸۱﴾
قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۸۲﴾ إِلَّا
عِبَادَكَ مِنْهُمُ ٱلْمُخْلَصِينَ ﴿۸۳﴾ قَالَ فَٱلْحَقُّ
وَٱلْحَقَّ أَقُولُ ﴿۸۴﴾ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكَ وَمِمَّن
تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۸۵﴾

ترجمہ:۔ جب فرمایا تیرے پروردگار نے فرشتوں سے،
بےشک میں پیدا کرنے والا ہوں انسان مٹی سے (۷۱)
جب میں اُس کو برابر کر دوں اور پھونک ڈالوں اس کے
اندر اپنی طرف سے روح پس گر پڑو تم اس کے
سامنے سجدہ کرتے ہوئے (۷۲) پس سجدہ کیا فرشتوں نے
سب کے سب نے (۷۳) مگر ابلیس نے تکبر کیا اور تھا
وہ کفر کرنے والوں میں (۷۴) فرمایا (اللہ نے) اے ابلیس!
کس چیز نے روکا تجھے سجدہ کرنے سے اُس کے سامنے
جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔ کیا تو
نے تکبر کیا ہے یا تو بڑے درجے والوں میں ہے (۷۵)
اُس نے کہا، میں بہتر ہوں اُس سے۔ تو نے مجھے آگ
سے پیدا کیا ہے اور اُس کو مٹی سے (۷۶) فرمایا (اللہ نے)
نکل جاؤ یہاں سے، بیشک تم مردود ہو (۷۷) اور بیشک
تجھ پر میری لعنت ہے انصاف کے دِن تک (۷۸) کہا
اُس (ابلیس) نے اے میرے پروردگار! پس مہلت
دے مجھے اُس دن تک جس دِن یہ دوبارہ اٹھائے جائیں
گے (۷۹) فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) بیشک تو مہلت دیے ہوؤں
میں سے ہے (۸۰) ایک معلوم وقت کے دن تک (۸۱)
کہا اُس نے پس تیری عزت کی قسم ہے میں ضرور ان
سب کو گمراہ کروں گا (۸۲) ہاں! مگر جو تیرے مخلص
بندے ہوں گے اِن میں سے (۸۳) فرمایا، پس ٹھیک
بات ہے، اور ٹھیک بات ہی میں کہتا ہوں (۸۴) اور
میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو تجھ سے اور اُن میں سے

کہ جنہوں نے پیروی کی تیری ان میں سے سب کے سب سے (۸۵)

ربطِ آیات
گذشتہ درس میں نبوت و رسالت کا ذکر ہوا۔ اور پھر اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ملاءِ اعلیٰ کا ذکر بھی کیا۔ اللہ نے حضور علیہ السلام کی زبان سے کہلوایا کہ میں تو ڈر سنانے والا ہوں۔ نیز یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو واحد اور قہار ہے، اور جو ارض و سما اور ان کے درمیان کی چیزوں کا پروردگار ہے۔ پھر اللہ نے توحید رسالت اور نزولِ قرآن کے بارے میں فرمایا کہ یہ ایک عظیم خبر ہے جس سے تم اعراض کرتے ہو۔ مجھے تو ملاءِ اعلیٰ کی تکرار کا علم نہیں تھا، میری طرف یہ بات تو اللہ نے وحی کے ذریعے نازل فرمائی ہے۔ ملاءِ اعلیٰ کے متعلق حضور علیہ السلام نے خود بھی تشریح فرمائی۔ شاہ عبد القادرؒ فرماتے ہیں کہ اگلی آیات میں آمدہ تخلیق آدم کا واقعہ بھی ملاءِ اعلیٰ کے بحث مباحثہ کا موضوع تھا۔

تخلیقِ آدمؑ
ارشاد ہوتا ہے اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اس واقعہ کو دھیان میں لاؤ جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ کہ میں مٹی سے انسان کو پیدا کرنے والا ہوں۔ اور ساتھ یہ حکم بھی دیا فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ پھر جب میں اس کو ٹھیک ٹھاک بنا دوں یعنی انسانی ڈھانچے کے گوشت پوست، ہڈیوں جوڑوں اور تمام اعضاء کو اپنے اپنے مقام پر درست طور پر رکھ دوں، اور اس کی ظاہری اور باطنی قویٰ کو مکمل کر دوں۔ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ اور اس میں اپنی جانب سے روح بھی پھونک دوں۔ انسان مادہ اور روح دونوں چیزوں سے مرکب ہے۔ انسانی ڈھانچہ تو مادی عناصر سے تیار ہوتا ہے مگر اس کی روح عالمِ بالا کی طرف سے آتی ہے۔ جب انسانی تخلیق کے ابتدائی چار ماہ گزر جاتے ہیں۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس میں روح ڈال دی جاتی ہے۔ یہ روح اس نسمہ میں ڈالی جاتی ہے جو انسانی جسم کے ساتھ ہی پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے اور پھر اس روح کی وجہ سے انسان میں صفاتِ کمال پیدا ہوتی ہیں۔

فرشتوں کا سجدہ ابلیس کا انکار

اللہ نے ارشاد فرمایا جب میں آدم علیہ السلام کا ڈھانچہ تیار کر کے اُس میں اپنی جانب سے روح پھونک دوں فَقَعُوا لَهُ سٰجِدِيْنَ تو تم اُس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا۔ اس سے آدم علیہ السلام کا شرف و فضیلت ظاہر کرنا مراد تھا چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کی تھوڑی تھوڑی مٹی لے کر ڈھانچہ مکمل کیا اور پھر اُس میں روح ڈالی فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ تو سب کے سب فرشتے سجدہ ریز ہو گئے۔ اِلَّآ اِبْلِيْسَ سوائے ابلیس کے کہ اس نے سجدہ نہ کیا اِسْتَكْبَرَ اس نے تکبر کیا وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ اور وہ کفر کرنے والوں میں تھا۔

یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سجدے کا حکم تو فرشتوں کو دیا تھا مگر ابلیس کا انکار درمیان میں کیسے آگیا۔ تو مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اعلیٰ درجے کی مخلوق کے لیے حکم ادنیٰ درجہ کی مخلوق پر خود بخود عائد ہوتا ہے۔ چنانچہ جب فرشتوں کو سجدے کا حکم ہُوا تو اُن سے ادنیٰ مخلوق جنات پر یہ حکم بطریقِ اولیٰ عائد ہو گیا۔ مطلب یہ کہ فرشتوں کے ساتھ جنات کو بھی سجدے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس بات کی صراحت سورۃ الاعراف میں آمدہ مضمون سے بھی ہوتی ہے۔ جب ابلیس نے سجدہ سے انکار کر دیا تو اللہ نے اُسے مخاطب کر کے فرمایا مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ (آیت ۱۲) جب میں نے تجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا تو پھر کس چیز نے تمہیں اس سے روکا؟ معلوم ہُوا کہ فرشتوں کے ساتھ ساتھ جنوں کو بھی سجدے کا حکم ہُوا اور ابلیس جنات میں سے تھا جیسے فرمایا كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ (الکھف - ۵۰) یہ جنات میں سے تھا پس اس نے اپنے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کی۔

آیت زیرِ درس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے حکم سے تمام طبقات کے فرشتے سجدہ ریز ہوئے تھے، تاہم شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم صرف ملاء سافل کے لیے تھا اور ملاء اعلیٰ کے فرشتے اس حکم میں شامل

نہیں تھے۔ اور جنات ملاءِ سافل میں ہی رلے ملے تھے۔ لہٰذا فرشتوں اور جنات سب کو سجدے کا حکم ہوا تھا۔ ممکن ہے کہ صرف ملاءِ سافل کو حکم ہوا ہو یا سارے کے سارے فرشتوں کو۔ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم میں تمام طبقات کے فرشتے شامل تھے۔ بہرحال ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ متکبر تھا اور کافروں میں سے تھا۔

ابلیس سے بازپرس

ابلیس کے انکار پر اللہ تعالیٰ نے اس سے اس طرح بازپرس کی قَالَ فرمایا یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ اے ابلیس! تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا تھا۔ اُس کے سامنے جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا تھا اَسْتَكْبَرْتَ کیا تو نے تکبر کیا تھا؟ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ یا تو نے اپنے آپ کو اونچے درجے والا سمجھا۔ قَالَ ابلیس نے جواب دیا اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ کہ میں تو اُس سے بہتر ہوں، پھر بھلا میں آدم علیہ السلام کے سامنے کیوں سجدہ ریز ہوتا۔ اور بہتری کی وجہ یہ بیان کی خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ پروردگار! میری تخلیق تو تو نے آگ سے کی جب کہ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا۔ آگ لطیف اور بلند چیز ہے جب کہ مٹی ایک کثیف چیز ہے۔ تو پھر بھلا میں اعلیٰ ہو کر ادنیٰ کے سامنے کیوں سجدہ کروں۔ گویا اُس نے تکبر کی وجہ سے آدم علیہ السلام کو حقیر جانا جس کی وجہ سے فرشتوں کے ساتھ انجام پانے والی اس کی لاکھوں سال کی تسبیح اور دیگر عبادات رائیگاں چلی گئیں۔

اللہ تعالیٰ کے ہاتھ

اِن آیات میں بیان کردہ دو چیزیں خاص طور پر قابلِ توجہ ہیں۔ پہلی بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہیں۔ اگر بعینہٖ اللہ کے ہاتھ بھی انسانوں کے ہاتھوں جیسے تصور کئے جائیں تو یہ تو خدا تعالیٰ کے لیے جسم ثابت ہوگا اور یہ کفر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم، جہت اور مادیت سے وراء الوراء ہے انسان خدا تعالیٰ کی ذات کو عقل سے نہیں سمجھ سکتا کیونکہ اس کی ذات بے مثل اور بے مثال ہے۔ اُس

کا اپنا ارشاد ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ ۔ ۱۱) اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ ہم ہر وقت اس کی تسبیح پڑھتے رہتے ہیں اور سبحان اللہ کہتے ہیں تو اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب، نقص، اور مادیت سے پاک اور منزہ ہے۔ لہٰذا ہمیں یہی اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ تو ہیں مگر مخلوق کے ہاتھوں کی طرح نہیں بلکہ جس طرح اُس کی شان کے لائق ہیں ہم اُسے خیال میں لانے سے قاصر ہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، وہاں بائیں کا بھی کوئی تصور نہیں ہے کیونکہ بایاں ہاتھ کمزوری اور عیب کی علامت ہے کہ ہم اس سے استنجا پاک کرتے ہیں اور نجاست کو دور کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر بائیں کی نسبت خدا کی طرف کی جائیگی تو اس سے عیب ثابت ہوگا جو کہ خدا کی شان کے لائق نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں کے علاوہ بعض دیگر اعضا مثلاً چہرہ، پنڈلی، ردا، آزار اور قدم کا ذکر بھی آتا ہے۔ بعض روایات میں قدم کو دوزخ میں ڈالنے اور پنڈلی کو کھولنے کا ذکر بھی ملتا ہے۔ تو اس سلسلہ میں سلف کا مسلک یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ یہودی کہتے تھے کہ اللہ کے ہاتھ جکڑے ہوئے ہیں، وہ نعوذ باللہ بخیل ہوگیا ہے مگر اللہ نے فرمایا بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ (المائدہ ۔ ۶۴) بلکہ اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ مگر وہ اپنی مرضی سے خرچ کرتا ہے جسے چاہے دیتا ہے اور جسے چاہے روک لیتا ہے۔ یہاں بھی اللہ کے دونوں ہاتھوں کا ذکر ہے۔ اور آیت زیر درس میں بھی فرمایا کہ میں نے آدم علیہ السلام کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تخلیق کیا تو دیگر اعضا کی طرح اللہ کے ہاتھ بھی اُس کی صفات میں داخل ہیں اور یہ ویسے ہی ہیں جیسے اُس کی شان کے لائق ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں کے مجازی معنی مراد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قوت کے ہاتھ۔ انسان کی تخلیق میں مادیت اور لطافت دونوں

چیزیں پائی جاتی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ مادی جہان کے تمام عناصر کا خالق بھی اللہ ہے اور عالمِ بالا سے آنے والی روح کا خالق بھی اللہ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ بایں معنیٰ مراد ہیں کہ مادیت اور لطافت دونوں اشیاء اُسی کی پیدا کردہ ہیں۔

آگ اور مٹی کا تقابل

اِن آیات میں پیش آمدہ دوسری قابلِ غور چیز آگ اور مٹی کا تقابل ہے ابلیس نے اپنی برتری بایں وجہ جتلائی کہ آگ چمکدار، تیز اور طیش والی ہے جب کہ مٹی میں عجز و انکساری پائی جاتی ہے اور یہ پاؤں کے نیچے پامال ہوتی ہے بشار ابن برد ایک مجوسی شاعر گزرا ہے، کہتے ہیں کہ یہ بعد میں مسلمان ہو گیا تھا مگر حقیقت میں وہ آتش پرست ہی تھا۔ ظاہر ہے کہ آگ کی پوجا کرنے والے اور اس کو معبود ماننے والے اُسی کو اعلیٰ و ارفع بتلائیں گے۔ چنانچہ اس نے ابلیس کی ہم نوائی میں مزاحیہ انداز میں کچھ اشعار کہے تھے۔

إِبْلِيسُ أَفْضَلُ مِنْ أَبِيكُمْ آدَمَ
فَتَبَيَّنُوا يَا مَعْشَرَ الْأَشْرَارِ
النَّارُ عُنْصُرُهُ وَآدَمُ طِينَةٌ
وَالطِّينُ لَا يَسْمُو سُمُوَّ النَّارِ
الْأَرْضُ مُظْلِمَةٌ وَالنَّارُ مُشْرِقَةٌ
وَالنَّارُ مَعْبُودَةٌ مُذْ كَانَتِ النَّارُ

اے گروہِ اشرار! ابلیس تمہارے جد امجد آدم علیہ السلام سے افضل ہے کیونکہ ابلیس کا مادہ تخلیق آگ ہے اور آدم علیہ السلام کا مٹی ہے اور مٹی آگ کی بلندی کو نہیں پہنچ سکتی۔ آگ چمکدار ہے جب کہ مٹی تاریک ہے اور آگ جب سے پیدا ہوئی ہے اس کی پوجا ہو رہی ہے۔ اسی لئے بچارے مجوسی آگ کو چوبیس گھنٹے آتش کدہ میں جلائے رکھتے ہیں۔

غرضیکہ ابلیس نے اپنے آپ کو ناری ہونے کی بنا پر برتر ظاہر کیا جبکہ

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو شرف مٹی اور خاک کو بخشا ہے وہ تو فرشتوں میں بھی نہیں پایا جاتا ہے فرشتوں پہ خدا تعالیٰ کی صفاتی تجلیات پڑتی ہیں جب کہ انسان اس کی واحد مخلوق ہے جس پہ اس کی ذاتی تجلیات کا نزول ہوتا ہے ابلیس کو دھوکہ ہُوا جو آگ کی ظاہری چمک دمک پہ مفتون ہو گیا۔ اور آدم علیہ السلام پہ اپنی برتری جتلائی۔ حقیقت یہ ہے کہ آگ میں طیش، گرمی اور اچھلنے کا مادہ تو ہے مگر اس میں سکون کی دولت نہیں ہے، وقار، تواضع اور انکساری نہیں ہے اور یہی وہ چیزیں ہیں جو مٹی کو آگ پہ فوقیت دلاتی ہیں۔

ابلیس پہ لعنت

جب ابلیس نے سجدہ ریز ہونے سے انکار کر دیا اور غرور و تکبر کی بنا پہ اپنی برتری کا اظہار کیا تو اللہ نے فرمایا قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا یہاں سے نکل جاؤ۔ ابلیس فرشتوں کے ساتھ ہی رہتا تھا اور جنت میں بھی اس کی آمد و رفت تھی، مگر اللہ نے فرمایا، یہاں سے دفع ہو جاؤ فَإِنَّكَ رَجِيمٌ تم مردود ہو۔ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ تم پہ انصاف کے دن یعنی قیامت تک میری لعنت اور پھٹکار ہی پڑتی رہے گی۔ رجیم کا معنی پھینکا ہوا یا مارا ہوا۔ تم میری رحمت سے دور ہو چکے ہو لہٰذا تم پہ قیامت تک لعنت ہی برستی رہے گی۔ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ابلیس کہنے لگا، پروردگار! مجھے مہلت دے دے اس دن تک جب یہ لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ مجھے اختیار دے دے کہ میں اس دن تک تیرے بندوں کو گمراہ کرتا رہوں تا کہ ثابت کر سکوں کہ آدم کو مجھ پہ فضیلت نہیں ہے۔ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ اللہ نے فرمایا، پس بیشک تو مہلت دیئے ہوؤں میں سے ہے تجھے اجازت ہے کہ انسانوں کو گمراہ کرنے کے لیے پورا پورا زور لگا لے مگر یہ مہلت إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ایک معلوم وقت کے دن تک ہے اس سے مراد پہلے صور پھونکے جانے کا دن ہے جب ہر چیز فنا ہو جائے گی اور بعث اس کے بعد دوسرے صور پھونکے جانے پہ ہو گا۔

ابلیس فنا کے بعد والا وقت بھی چاہتا تھا مگر اللہ نے وہ نہیں دیا۔ کیونکہ اس کے بعد تو ابلیس کو عملی طور پر سزا ملنی شروع ہو جائیگی۔ سورۃ مریم میں ہے فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا (آیت-۶۸) تیرے پروردگار کی قسم ہم ان کو اور شیاطین کو اکٹھا کریں گے۔ پھر انہیں جہنم کے گرد حاضر کریں گے اور وہ گھٹنوں کے بل گرنے والے ہوں گے۔ اُس وقت شیطان کے پجاری اُس کو ملامت کریں گے کہ تیرے اغوا کی وجہ سے ہمیں جہنم کا مزا چکھنا پڑا، مگر وہ صاف انکار کر دے گا کہ میں نے تم سے کوئی بات جبراً تو نہیں منوائی تھی، میں نے تو صرف وسوسہ اندازی کی تھی اور تم نے نیک لوگوں کی بات پر یقین نہ کیا اور میری بات کو سچا تسلیم کر لیا فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ (ابراہیم-۲۲) آج مجھے ملامت نہ کرو بلکہ خود اپنے آپ کو ملامت کرو کیونکہ تم نے خود ہی غلط راستہ اختیار کیا۔

محدثین اور مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے ابلیس جیسے ملعون کی دُعا بھی قبول کر لی اور اُسے قیامت تک کے لیے مہلت دیدی۔ اس کا مطلب یہ ہُوا کہ دُعا کی قبولیت نیکی کی علامت نہیں بلکہ اللہ چاہے تو بدترین شخص کی دُعا بھی قبول کر لے۔ مسند احمد شریف کی روایت میں آتا ہے کہ آخر زمانہ کے سخت نافرمان اور ناہنجار لوگوں کی دُعا بھی اللہ تعالیٰ قبول کریگا۔

شیطان کا اغوا

جب شیطان کو حسبِ خواہش مہلت مِل گئی تو اس نے اپنی بدبختی کا کھل کر اظہار کر دیا۔ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ کہنے لگا، تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کروں گا، میں اِن کے دائیں بائیں، آگے پیچھے سے، دنیا کے راستے سے، دین کے راستے سے، خواہشات کے راستے سے، آخرت کے راستے سے، غرضیکہ ہر راستے سے آکر ان کو گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک بھی ہے کہ جب کوئی آدمی جہاد کے لیے نکلتا ہے، نماز کے لیے جاتا ہے یا صدقہ خیرات کا ارادہ کرتا ہے

تو شیطان اُس کے دِل میں وسوسہ اندازی کر کے اُسے ہر نیک کام سے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو ابلیس نے خدا تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کہا کہ میں ضرور ان کو گمراہ کروں گا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ کے نبی نے فرمایا کہ اللہ نے جو بیماری پیدا کی ہے، اُس کا علاج بھی پیدا فرمایا ہے چنانچہ جب شیطان نے قسم اُٹھا کر انسانوں کو گمراہ کرنے کا وعدہ کیا تو اللہ نے بھی فرمایا کہ مجھے میری عزت بڑائی عظمت اور جبروت کی قسم ہے کہ میرے بندے جب تک مجھ سے معافی مانگتے رہیں گے میں انہیں معاف کرتا رہوں گے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے گمراہی جیسی مہلک بیماری کا علاج بھی پیدا کر دیا۔ لہٰذا انسانوں کو چاہیئے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہیں۔

مخلصین کا استثنیٰ

شیطان نے اغوا کی قسم تو اٹھالی کہ میں ان سب کو گمراہ کروں گا۔ مگر ساتھ ساتھ اللہ کے مخلص بندوں کو مستثنیٰ بھی کر دیا۔ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ اُن میں سے تیرے مخلص بندوں پر میرا داؤ نہیں چلے گا۔ لہٰذا وہ میرے اغواء سے بچ جائیں گے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ ابلیس کا داؤ پیچ عام لوگوں پر ہی چلتا ہے جب کہ اُس کے منتخب اور برگزیدہ بندے محفوظ رہتے ہیں۔ قَالَ فَالْحَقُّ اللہ نے فرمایا کہ تیری بات تو ٹھیک ہے، کہ میرے مخلص بندے تیرے اغوا میں نہیں آئیں گے وَالْحَقَّ اَقُوْلُ اور میں بھی حق بات ہی کہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جو انسان تیری پیروی کریں گے۔ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ میں تجھے اور تیرے تمام پیروکاروں کو جہنم میں ڈال کر جہنم کو بھر دوں گا۔ میری طرف سے بھی یہ اعلان ہے۔ اب یہ انسانوں کا کام ہے کہ وہ ابلیس کے اغوا کا شکار ہو کر جہنم کا ایندھن بنتے ہیں یا اللہ کی توحید اور ایمان کو تسلیم کر کے اُس کے مخلص بندوں میں شامل ہوتے ہیں۔

درس دوازدہم ۱۲ — آیت ۸۶ تا ۸۸

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿۸۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿۸۸﴾ ع ۵ ۲۴ ۱۴

ترجمہ:- آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) میں نہیں مانگتا تم سے اس (پیغام رسانی) پہ کوئی بدلہ، اور نہیں ہوں میں تکلف کرنے والوں میں ﴿۸۶﴾ نہیں ہے یہ (قرآن حکیم) مگر نصیحت تمام جہان والوں کے لیے ﴿۸۷﴾ اور البتہ تم ضرور جان لو گے اس کی خبر کو ایک وقت کے بعد ﴿۸۸﴾

ربطِ آیات

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے دین کے بنیادی عقائد توحید، رسالت، وقوعِ قیامت اور قرآن کی حقانیت بیان کیے ہیں۔ رسالت کے سلسلہ میں اللہ نے بعض انبیاء کو بطور نمونہ پیش کر کے اُن کے صبر و استقلال کا ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں مشرکین کا رد، سابقہ اقوام کی نافرمانیاں اور تکذیبِ رُسل کا ذکر ہے اور پھر نافرمان قوموں کی سزا کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اللہ نے اپنے انبیاء علیہم السلام اور دیگر نیک بندوں کے انعامات کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ خاص طور پہ انبیاء کی نبوت و رسالت، اقتدار و خلافت اور کتاب و شریعت جیسی عظیم نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ سب چیزیں بطور نمونہ اور عبرت بیان کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ ملاءِ اعلیٰ کا ذکر، فرشتوں کو سجدے کا حکم، ابلیس کا انکار بھی اس سورۃ مبارکہ میں بیان ہوا ہے۔ توحید و رسالت کا

بار بار ذکر آیا ہے۔ خاص طور پہ حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے یہ اعلان کروایا کہ میں تو محض منذر (ڈرسنانے والا) ہوں معبود برحق تو صرف ذاتِ خداوندی ہے۔ آخر میں اللہ نے شیطان کے اغوا اور اس کا اور اس کی جماعت کا حشر بھی بیان فرمایا ہے۔

بے لوث تبلیغ

سورۃ کی آخری آیات زیرِ درس میں اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ پہلی چیز انبیاء علیہم السلام کی بے لوث تبلیغ سے متعلق ہے۔ ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ میں تم سے اس پہ کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا۔ مطلب یہ کہ میں جو خدا کا کلام تم کو پڑھ کر سناتا ہوں اور جو احکام دین و شریعت تم تک پہنچاتا ہوں، اس کے لیے میں تم سے کوئی اجرت تو نہیں مانگتا بلکہ یہ خدمت تو میں بغیر کسی ذاتی غرض کے انجام دے رہا ہوں۔ اب یہ تمہارا فرض ہے کہ تم اس بات پہ غور کرو کہ تمہیں میری بات سننے میں کیا تامل ہو سکتا ہے۔ اللہ کے سارے نبیوں نے اپنی اپنی قوم سے یہی کہا يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ (الاعراف ۹۳) اے میری قوم کے لوگو! میں تو اپنے پروردگار کے پیغامات تم تک پہنچاتا ہوں اور تم سے خیر خواہی کا برتاؤ کرتا ہوں۔ انہوں نے یہ بھی کہا يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ (ہود - ۵۱) اے میری قوم کے لوگو! میں اس پیغام رسانی پر تم سے کوئی مزدوری طلب نہیں کرتا۔ میرا بدلہ تو اسی کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے میں تو صرف یہی کہتا ہوں کہ میری بات سنو کہ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ اگر اپنے ایمان کو درست کر لو گے، اعمال و اخلاق کو صحیح بنا لو گے تو تمہیں ہمیشہ کی کامیابی حاصل ہو جائے گی اور اگر کفر و شرک میں پھنسے رہو گے، اپنی فکر کو درست نہیں کرو گے، تو اس کا انجام نہایت ہی برا ہو گا۔ اب یہ تمہارا فرض ہے کہ تم دوست اور دشمن میں تمیز پیدا کرو، اچھائی اور برائی کو پرکھو اور شیطان کے بہکاوے میں نہ آؤ بلکہ صحیح راستہ اختیار کرو۔

تکلف سے پرہیز

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی زبان سے یہ بات کہلوائی ہے وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ تکلف کا معنیٰ تصنع اور بناوٹ ہوتا ہے۔ اور عدم تکلف بہت بڑا اصول ہے جس کا اظہار نبی کی زبانِ مبارک نے کر دیا ہے۔ مطلب یہ کہ تکلف کا دین کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ میں جھوٹ موٹ یا بناوٹ سے کوئی بات نہیں کہتا بلکہ میری ہر بات سراسر حقیقت ہوتی ہے۔ تکلف نہ تو اللہ کے نبی کی بات میں ہوتا ہے اور نہ اس کے عمل میں۔

یہ اصول تمام بنی نوع انسان کے لیے قابلِ عمل ہے کہ انسانی زندگی میں کہیں بھی تکلف نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ یہ اچھی چیز نہیں ہے۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ انہوں نے کہا لوگو! مَنْ عَلِمَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ وَمَنْ لَّمْ يَعْلَمْ فَلْيَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ جو شخص کسی چیز کے متعلق جانتا ہے، وہ کہہ دے اور جو کوئی نہیں جانتا اُسے چاہیئے کہ یوں کہے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ایسے موقع پر اپنی طرف سے کوئی فتویٰ جاری نہیں کرنا چاہیئے۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ جس چیز کو جانتے ہو اُس کو بتا دو، اور جس کو نہیں جانتے اُس کو جاننے والے کی طرف سونپ دو۔ یہ تو قرآن پاک کا فیصلہ بھی ہے فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل-۴۳) اگر تم خود نہیں جانتے تو اہلِ علم سے پوچھ لو۔ خود تکلف نہ کرو کہ یہ علم کی بات ہے۔ اور بغیر علم کے محض تکلف سے جواب دے دینا جہالت کی بات ہے۔

ایک شخص سات ماہ کی مسافت طے کر کے امام مالکؒ کے پاس بعض مسائل دریافت کرنے کے لیے حاضر ہوا۔ آپ نے بعض مسائل کا جواب دے دیا اور بعض کے متعلق لاعلمی کا اظہار کیا۔ وہ شخص کہنے لگے حضرت! مجھے لوگوں نے اتنی دور سے مسائل دریافت کرنے کے لیے بھیجا ہے، میں اُن لوگوں کو کیا جواب

دوں گا؟ آپ نے فرمایا کہ اُن سے کہہ دینا کہ مالکؒ نے اپنی جہالت کا اقرار کرتے ہوئے کہہ دیا کہ میں ان باتوں کو نہیں جانتا گویا آپ نے بلا تکلف ٹھیک ٹھیک بات کہہ دی اور یہی بات اللہ نے اپنے پیغمبر سے کہلوائی کہ میں تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔

ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ تکلف، تصنع اور بناوٹ بری چیز ہے البتہ اَلْبَذَاذَةُ مِنَ الْاِیْمَانِ یعنی سادگی ایمان کا جزو ہے گویا سادگی تکلف کے مقابلہ میں آتی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاصؓ جلیل القدر صحابی ہوئے ہیں۔ باپ اور بیٹا دونوں صحابی رسول ہیں۔ عبداللہؓ پہلے مسلمان ہوا اور عمرو ابن العاصؓ بعد میں۔ یہ وہی عمرو ابن العاصؓ ہیں جنہوں نے مصر فتح کیا۔ تو کسی نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کا ذکر کیا کہ وہ ساری رات قیام کرتا ہے اور صبح کو روزہ بھی رکھتا ہے۔ آپ یہ بات سمجھانے کے لیے حضرت عبداللہؓ کے ہاں تشریف لے گئے کہ عبادت اس قدر کرو جتنی برداشت کر سکو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ زیادہ عبادت کرتے کرتے بالکل ہی چھوڑ بیٹھو۔ بہرحال جب آپ عبداللہؓ کے ہاں پہنچے تو انہوں نے آپ کے بیٹھنے کے لیے گدا بچھانے کی کوشش کی مگر آپ گدا بچھانے سے قبل ہی زمین پر بیٹھ گئے۔ اب ایک طرف حضور علیہ السلام تشریف فرما تھے اور دوسری طرف عبداللہؓ تھے اور اُن دونوں کے درمیان گدا بچھا ہوا تھا۔ یہ بھی حضور علیہ السلام کی بے تکلفی کی علامت ہے کہ آپ نے گدے پر بیٹھنا بھی پسند نہ کیا اور لوگوں کو تعلیم دے دی کہ کسی بھی کام میں تکلف اچھا نہیں ہوتا۔

حضرت انسؓ نے ایک موقعہ پر اپنے شاگردوں کو ایک پیالہ دکھایا اور فرمایا کہ اس پیالے میں میں نے حضور علیہ السلام کو ہر قسم کے مشروبات دودھ، پانی، شربت، شہد وغیرہ پلائے ہیں اور آپ نے کبھی تکلف نہیں فرمایا کہ پانی مٹی کے برتن میں پینا چاہیے اور دودھ شیشے کے گلاس میں ڈالنا چاہیئے یا شربت کسی اور برتن میں پیش کرنا چاہیئے

بلکہ بلا تکلف ہر قسم کا مشروب ایک ہی برتن میں نوش فرماتے رہتے ہیں۔
مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضور کہیں تشریف لے گئے واپسی پہ ایک صحابی سہل بن سعدؓ کے پاس ٹھہرے۔ اتفاق سے اسی دن ان کی شادی ہوئی تھی۔ آپ نے پیاس محسوس کی اور پانی طلب کیا تو آپ کو شہد سے میٹھا کیا ہوا پانی پیش کیا گیا۔ حدیث کے الفاظ ہیں کہ یہ شربت پیش کرنے والی صحابی کی نئی دلہن تھی یہ بھی بے تکلفی کی ایک مثال ہے۔ بہر حال تکلف کسی مقام پہ بھی اچھا نہیں۔ ؎

وَلَيْسَ التَّكَلُّفُ اِلَّا دُوْنَهَا كُلَفُ

یعنی تکلف کے پیچھے تکالیف ہی آتی ہیں جب کہ سادگی میں ہمیشہ آسانی ہوتی ہے
امام بیہقیؒ نے حدیث بیان کی ہے جس میں تکلف کرنے والوں کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ (۱) تکلف کرنے والا آدمی ہمیشہ اُوپر والے کو نیچے گرانے کی کوشش کرتا ہے یعنی خود اُس سے اُوپر آنا چاہتا ہے (۲) تکلف کرنے والا ایسی چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جس کو نہیں پا سکتا۔ اور (۳) ایسی بات کہتا ہے جس کو جانتا نہیں۔ ابن عدی کی کتاب سے روایت ہے کہ ایک موقع پہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، کیا میں تم کو نہ بتلاؤں کہ جنت والے کون لوگ ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا، حضور ضرور ارشاد فرمائیں۔ فرمایا هُمُ الرُّحَمَاءُ بَيْنَهُمْ جو آپس میں مہربانی سے پیش آتے ہیں۔ اور اللہ نے یہی صفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی قرآن میں بیان کی ہے اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح - ۲۹) کہ وہ کافروں پہ بڑے سخت ہیں۔ مگر آپس میں بڑے رحمدل اور شفیق ہیں۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا میں تم کو اہلِ دوزخ کی علامات نہ بتاؤں۔ عرض کیا، حضور! بتلائیں۔ فرمایا دوزخ والے خدا کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں۔ جھوٹ بولتے ہیں اور تکلف سے کام لیتے ہیں۔
تکلف ہر چیز میں پایا جاتا ہے جیسے مکان، لباس، سواری، خوراک، وغیرہ۔ رسوماتِ فاسدہ کو اختیار کرنے میں بڑا تکلف کیا جاتا ہے اور اسی وجہ سے

تعیش کے کام انجام دیئے جاتے ہیں اور سادگی جیسی جزو ایمان کو ترک کر دیا جاتا ہے اس تکلف کی وجہ سے ہی اکثر لوگ پریشان ہوتے ہیں اور پورا معاشرہ خرابی میں مبتلا ہوتا ہے۔ تکلف میں فضول خرچی ہوتی ہے۔ جب کہ سادگی کفایت شعاری کی علامت ہے۔ حضرت علیؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنے عمال سے عہد لیا تھا کہ تم خود ایسی وضع اختیار کرو کہ بڑے آدمی کو اسے اختیار کرتے میں عار نہ ہو اور چھوٹے آدمی کو تکلیف نہ ہو۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ اب ہمارے ہاں کسی چیز کا کوئی معیار باقی نہیں رہا۔ لوگ خواہ مخواہ تکلف میں پڑ کر تکلیف میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ہمارے سامنے بے تکلفی کا کوئی نمونہ ہی نہیں جسے اختیار کر کے تکلیف سے بچا جا سکے۔ رسومات ہیں اس لیے تکلف کیا جاتا ہے کیونکہ لوگوں کے سر پر یہ بھوت سوار ہے کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ہماری خفت ہو گی اور ہم ذلیل ہو جائیں گے۔ اب بیٹھا کر کھانا نہیں کھلایا جاتا کہ لوگ کہیں گے یہ دقیانوسی آدمی ہے اسے نئے معاشرہ کے آداب کا بھی لحاظ نہیں۔ لباس میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مکانات کی تعمیر میں پڑوسی سے بلند ہونے کا خبط سوار ہوتا ہے اور پھر مکان کی تزئین و آرائش میں اسراف کی تمام حدیں پھلانگ لی جاتی ہیں۔ سواری کے لیے ہر نئے ماڈل کی کار کا انتظار ہوتا ہے۔ غرضیکہ یہ سب تکلفات ہیں جنہیں امراء تو اپنی دولت کے بل بوتے پر انجام دیتے ہیں۔ جب کہ کم تر حیثیت کے لوگ بڑوں کی دیکھا دیکھی اسی روش پر چلنے کی کوشش میں مقروض ہو جاتے ہیں۔ مگر اللہ نے اپنے نبی کی زبان سے کہلوایا کہ میں تو تکلف کرنے والا نہیں ہوں۔ تمہیں سیدھی سادھی بات بتاتا ہوں۔ مان لو گے تو فائدہ میں رہو گے۔ ورنہ مصیبت کا شکار ہو گے۔

قرآن بطور نصیحت

تیسری بات اللہ نے قرآن حکیم کے بارے میں فرمائی ہے کہ یہ کوئی تکلف اور بناوٹ کی بات نہیں ہے بلکہ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ یہ تو تمام جہانوں کے لیے سراسر نصیحت ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں قرآن پاک کو تین دفعہ نصیحت

سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سورۃ کی پہلی آیت میں وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ کے الفاظ آئے تھے۔ پھر آٹھویں آیت میں آیا ہے ءَ اُنْزِلَ عَلَیْہِ الذِّکْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا اور تیسری مرتبہ یہاں آیت ۸۷) میں ذکر کا لفظ قرآن پاک کے لیے استعمال ہوا ہے کہ قرآن پاک تمام جہان والوں کیلئے بطور نصیحت ہے۔ اس میں انسانوں کے علاوہ جن بھی آجاتے ہیں۔ تاہم عام طور پر جہان والوں سے اقوامِ عالم مراد لیا جاتا ہے، مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ عالمین سے اقوامِ عالم مراد ہیں کیونکہ قرآن کو اللہ نے ساری بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے ویسے تو اللہ تعالیٰ ہی ساری مخلوق جن، انسان، چرند، پرند، کیڑے مکوڑوں کا خالق ہے مگر جہاں قانون کی پابندی کی بات ہوتی ہے۔ وہاں اقوامِ عالم مراد ہوتی ہیں جو کہ اس ازلی ابدی قانون کی مکلف ہیں۔ قرآن حکیم نہ صرف اہلِ ایمان کے لیے باعث نصیحت ہے بلکہ روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کے لیے ہے اب یہ اہلِ ایمان کی ذمہ داری ہے کہ اسے باقی لوگوں تک بھی پہنچائیں۔

قرآنی پروگرام کی حقانیت

یہاں پر چوتھی بات اللہ نے یہ فرمائی ہے وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَہٗ بَعْدَ حِیْنٍ تم اس قرآنی پروگرام کی خبر یا نتیجے کو ضرور جان لوگے ایک وقت کے بعد، جب تمام ادیانِ عالم کو آزما لوگے، ہر قسم کے نظام کا تجربہ کر لوگے تو پھر آخر میں قرآنی پروگرام کی حقانیت کو ہی تسلیم کرنا پڑے گا کہ سب سے اعلیٰ، ارفع اور قابلِ عمل پروگرام یہی ہے، دنیا کا کوئی مذہب، کوئی کتاب، کوئی فلسفہ اور کوئی سائنس قرآن جیسا پروگرام پیش نہیں کر سکتی۔ مشرکین ختم ہو گئے۔ یہود و نصاریٰ دب گئے اور بالآخر اللہ نے قرآن کے پروگرام کو ہی غالب بنایا اور اہلِ ایمان نے اس پر عمل کر کے دکھا دیا۔ یہ پروگرام عرصہ تک کامیابی کے ساتھ چلتا رہا۔ پھر مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے مغلوب ہونا شروع ہو گیا۔ آج اس کے ماننے والے نالائق ہیں۔ تکلف میں پڑ کر ان میں طرح طرح کی کمزوریاں پیدا ہو چکی ہیں۔ آج اگرچہ بحیثیت مجموعی قرآنی پروگرام مغلوب ہے مگر ہر معاملے میں صحیح پروگرام یہی ہے

اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ تو فرمایا تم ایک وقت کے بعد قرآن کی حقانیت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔

امام ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ جاننے سے مراد اگر جزائے عمل ہے تو پھر قیامت صغریٰ اور قیامت کبریٰ کے وقت اس پروگرام کی صداقت کا پتہ چلے گا۔ جب کوئی آدمی فوت ہو جاتا ہے تو اس وقت سمجھے گا کہ قرآنی پروگرام ہی درست تھا۔ اور پھر جب قیامت کبریٰ برپا ہوگی اور جزائے عمل کا موقعہ آئے گا۔ تو اس وقت انسانوں کو اس پروگرام کی اہمیت اور حقانیت کا اندازہ ہوگا۔ مگر اس وقت اس پر عمل پیرا ہونے کا وقت گزر چکا ہوگا۔ اسلام کے پہلے ساڑھے چھ سو سالہ دور میں اس قرآن پر کسی نہ کسی طرح عمل ہوتا رہا۔ اس کے بعد مسلمانوں کی اجتماعیت ختم ہوگئی، خلافتوں کا سلسلہ ہی ختم ہوگیا۔ اور پھر انگریزوں نے مسلمانوں کو ویسے ہی تتر بتر کر دیا۔ یہ قرآن کو ماننے والوں کی کوتاہی کا نتیجہ ہے۔ وگرنہ قرآن کا پروگرام آج بھی اسی طرح سچا اور قابلِ عمل ہے جس طرح قرونِ اولیٰ میں تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ لوگ اس کی حقانیت کو ضرور جان لیں گے مگر ایک وقت کے بعد۔

سُورَةُ

الزُّمَر

مكّيّة

سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّثَمَانِيْ رُكُوْعَاتٍ
سورۃ الزّمر مکی ہے - یہ پچھتر آیتیں ہیں اور اس کے آٹھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بےحد رحم کرنیوالا ہے

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ①
اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ
مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ② اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ
وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا
نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ
اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ
يَخْتَلِفُوْنَ ۥ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ
كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ
وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ
سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ④

ترجمہ:- اتارنا کتاب کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے
جو زبردست اور حکمتوں والا ہے ① بیشک ہم نے

اتاری ہے آپ کی طرف کتاب حق کے ساتھ، پس آپ عبادت کریں اللہ کی اس حال میں کہ خالص اُسی کی اطاعت کرنے والے ہوں ② آگاہ رہو! اللہ ہی کے لیے ہے اطاعت خالص، اور وہ لوگ جنہوں نے بنایا ہے اُس کے سوا دوسروں کو کارساز (وہ کہتے ہیں) نہیں عبادت کرتے ہم اِن کی مگر اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ کا قرب دلائیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا اِن کے درمیان اُن چیزوں میں جن میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں راہنمائی کرتا اُس کی جو جھوٹا اور ناشکر گزار ہو ③ اگر اللہ تعالیٰ ارادہ کرے کہ بنالے اولاد تو وہ چُن لے مخلوق میں سے جس کو چاہے۔ پاک ہے اس کی ذات، وہ اللہ ایک ہی ہے اور دباؤ والا ہے ④

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الزمر ہے۔ اس سورۃ کے آخری رکوع میں جنت اور جہنم کی طرف جانے والے گروہوں کا ذکر ہے۔ زمر، زمرہ کی جمع ہے جس کا معنی گروہ یا ٹولہ ہوتا ہے تو سورۃ کا نام اسی مناسبت سے الزمر رکھا گیا ہے۔

یہ سورۃ مکی زندگی میں نبوت کے چھٹے یا ساتویں سال میں نازل ہوئی جب کہ صحابہؓ کی ایک جماعت نے حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کی۔ اس سورۃ مبارکہ کی پچھتر آیات، آٹھ رکوع، ۱۱۹۲ الفاظ اور چار ہزار حروف ہیں۔

مضامین سورۃ

اس سورۃ کے مضامین بھی سابقہ سورۃ صٓ کے ساتھ ملتے جلتے ہیں۔ اُس سورۃ کی ابتداء اور انتہا میں قرآن پاک کے بطور نصیحت ہونے کا ذکر تھا۔ تو اس سورۃ کی ابتداء اور انتہا میں بھی یہی مضمون آرہا ہے۔ وہاں

پر شروع، وسط اور آخر میں توحید و رسالت کا ذکر تھا تو یہاں بھی ایسا ہی ہے ویسے مکی سورۃ ہونے کے ناطے اس سورۃ میں بھی چاروں بنیادی عقائد، توحید، رسالت، معاد اور قرآن پاک کی حقانیت کا ہی زیادہ تر تذکرہ ہے اور کچھ ضمنی مسائل بھی ہیں۔ اس سورۃ کے بعد سات حوامیم سورتیں آ رہی ہیں جن میں سے ہر ایک حروف مقطعات حٰمٓ سے شروع ہوتی ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ سات سورتیں پورے قرآن پاک کا لب لباب ہیں اور مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ الزمر حوامیم سورتوں کی تمہید ہے کہ دین کا خلاصہ اور نچوڑ اس سورۃ میں بیان کر دیا گیا ہے، اور وہ ہے فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ یعنی عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی کرو، اس حالت میں کہ صرف اسی کے لیے اطاعت کو خالص بنانے والے بن جاؤ۔

اس سورۃ مبارکہ میں توحید کے عقلی اور نقلی دلائل بیان کیے گئے ہیں اور ساتھ ساتھ شرک کا رد ہے، اور چاروں بنیادی مسائل میں سے توحید کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔ قرآن کی حقانیت کے ساتھ ساتھ اس سے مستفید ہونے والے لوگوں کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں، اور اس سے اعراض کرنے والوں کا انجام بھی بیان ہوا ہے۔ مشرکین کے ساتھ بحث و مباحثہ کا ذکر ہے اور ان کو انذار بھی کیا گیا ہے اس سورۃ مبارکہ میں جزائے عمل کا مسئلہ بھی بیان ہو گیا ہے

قرآن کی حقانیت

سابقہ سورۃ کی طرح اس سورۃ کی ابتدا بھی قرآن کریم کی حقانیت و صداقت سے ہو رہی ہے۔ مشرک لوگ اس کو وحی الٰہی تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو بار بار واضح کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ کتاب کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یہ کسی مخلوق کا کلام نہیں اور نہ یہ پیغمبر اسلام کا گھڑا ہوا ہے بلکہ اس کو تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے نازل فرمایا ہے اور یہ ایسی کتاب ہے لَا رَيْبَ فِيْهِ جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگر کوئی شخص اس میں شک کا اظہار کرتا ہے تو یہ اس کے

اپنے دماغ کی کجی کی علامت ہے۔ جس طرح بھینگے آدمی کو ایک چیز دو نظر آتی ہے۔ اور یرقان کے مریض کو ہر چیز زرد نظر آتی ہے، اسی طرح دماغ کے ٹیڑھے آدمی کو قرآن حکیم کے وحی الٰہی ہونے میں شک نظر آتا ہے۔ یہ اللہ کا کلام اور اس کی صفت ہے، اس کے تمام اصول صحیح اور واقعہ کے مطابق ہیں۔ یہ خدا کا بے مثل کلام ہے۔ جس کو اللہ نے انسانوں کی راہنمائی کے لیے سب سے آخری کتاب کے طور پہ نازل فرمایا۔

فرمایا یہ قرآن اُس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُتارا ہوا ہے جو اَلْعَزِیْزِ یعنی کمالِ قوت کا مالک ہے۔ وہ ہر چیز پہ غالب ہے لہٰذا اس قرآن کی تکذیب یا مخالفت کرنے والے کو سزا دینے پر بھی قادر ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی ذات اَلْحَکِیْمِ بھی ہے۔ وہ تمام حکمتوں کا مالک ہے۔ یہ اُس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ منکرین اور مکذبین کی فوری گرفت نہیں کرتا، بلکہ مہلت دیتا رہتا ہے، اس کا ارشاد ہے وَاُمْلِیْ لَهُمْ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ (القلم - ۴۵) میں ایسے لوگوں کو ڈھیل دیتا رہتا ہوں مگر میری تدبیر بڑی سخت ہے، جب چاہوں گا پکڑ لوں گا۔ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم حکمت اور مصلحت پہ مبنی ہوتا ہے مگر اس کا ادراک بہت کم لوگوں کو ہوتا ہے۔

اخلاص فی العبادۃ

ارشاد ہوتا ہے اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ بیشک ہم نے اس کتاب کو آپ کی طرف حق کے ساتھ اتارا ہے۔ اور اس کی غرض و غایت یہ ہے فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ کہ آپ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی اس حال میں کہ آپ خالص اُسی کی اطاعت اور بندگی کرنے والے ہوں، اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں۔ تمام صحفِ سماویہ اور تمام شرائع الٰہیہ کی یہی تعلیم ہے۔ تمام انبیاء نے اسی بات کی تبلیغ کی اور تمام عقلمند اور فطرتِ سلیمہ رکھنے والے لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عبادت صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی ہونی چاہیئے، اُس کے علاوہ کوئی بھی مستحقِ عبادت نہیں ہے۔ پھر تاکیداً فرمایا اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ، خبردار، آگاہ رہو کہ خالص اطاعت صرف

اللہ تعالیٰ کا ہی حق ہے، یہ اطاعت کسی دوسری ذات کے لیے نہیں ہوسکتی۔

امام بیضاویؒ، امام زمخشریؒ اور بعض دوسرے بڑے بڑے مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص فی العبادت کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر قسم کے شرک اور ریا سے پاک ہو۔ اگر عبادت میں شرک یا دکھاوے کی ذرا بھی ملاوٹ ہے تو عبادت خالص نہیں رہے گی اور یہی چیز عبادت کی نامقبولیت کی علامت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ دکھاوے کی عبادت کا میں کوئی اجر نہیں دوں گا، بلکہ ایسا شخص الٹا ماخوذ ہوگا۔ اللہ فرمائے گا تیری اس عبادت کا میرے پاس کچھ بدلہ نہیں، جس کو دکھانے کے لیے یہ عبادت کی تھی۔ اس کا بدلہ اور اجر بھی اسی سے جا کر لے مگر وہ بیچارہ کہاں سے اجر دے گا؟ نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسا عبادت گزار عبادت و ریاضت کرنے کے باوجود اس کے اجر سے محروم رہے گا۔ غرضیکہ عبادت کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ یہ شرک اور ریا کی آمیزش سے پاک ہو۔ سورۃ الکہف میں فرمایا فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (آیت۔ ۱۱۰) جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی امید رکھتا ہے، اسے چاہیئے کہ اچھے اعمال انجام دے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شرک کی ملاوٹ نہ کرے۔

اخلاص فی العبادت تبھی پیدا ہوگا۔ جب انسان کا ایمان کامل ہوگا، اور ایمان کا کمال یہ ہے کہ یہ شرک و ریا سے پاک ہو۔ حدیث شریف[1] میں آتا ہے اَخْلِصْ فِيْ دِيْنِكَ يَكْفِيْكَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْعَمَلِ یعنی اپنے دین میں اخلاص پیدا کرو۔ اگر ایسا ہوگا تو تھوڑا عمل بھی کفایت کر جائے گا اور اگر اخلاص نہ ہوا تو بڑے سے بڑا عمل بھی رائیگاں جائے گا۔ سورۃ ابراہیم میں موجود ہے مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ نِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ (آیت۔ ۱۸) کافروں کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے تیز آندھی راکھ کو اڑا لے جاتی ہے۔ جب اعمال میں شرک و

[1] فیض القدیر ص۲۰۶ ج ۱ بحوالہ مستدرک عن معاذؓ

ریا کی آمیزش ہوگی تو اُن میں وزن نہیں ہوگا۔ اور وہ گرد و غبار کی طرح اڑ جائیں گے سورۃ القارعہ میں بھی ہے کہ قیامت والے دن جن لوگوں کے اعمال وزنی ہوں گے وہ دِل پسند آرام میں ہوں گے وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ﴿۹﴾ اور جس کے وزن ہلکے ہوں گے، اُس کا مرجع ہاویہ دوزخ ہے۔ حدیث شریف میں بھی آتا ہے کہ ایمان سے خالی لوگوں کے پہاڑوں جیسے اعمال بھی گرد و غبار کی طرح اڑ جائیں گے۔

ایک صحابیؓ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ جب میں صدقہ خیرات کرتا ہوں تو میرے ذہن میں دو باتیں آتی ہیں۔ ایک یہ کہ مجھے اس صدقہ خیرات کا آخرت میں بدلہ ملے اور دوسرا یہ کہ لوگ میری تعریف کریں، تو کیا مجھے ایسے صدقہ خیرات کا فائدہ پہنچے گا؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا اُس ذات پاک کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، جو عمل ریا کے لیے کیا جائے گا۔ خدا کے ہاں اُس کا کوئی بدلہ نہیں ملے گا، بلکہ خدا ایسے عمل کو باطل کر دیتا ہے۔ جس طرح شرک کرنے سے تمام اعمال برباد ہو جاتے ہیں، اسی طرح ریاکاری سے بھی نیکی ضائع ہو جاتی ہے اور احسان جتلانا بھی عمل کو برباد کرنے کے مترادف ہے غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طریقہ سے ہونی چاہیئے کہ اس میں شرک، ریا اور بدعت کی ملاوٹ نہ ہو، ہر عبادت اللہ، اس کے رسول اور شریعت مطہرہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کی جائیگی تو اس کا فائدہ ہوگا، ورنہ وہ ضائع ہو جائیگی۔

تقرب الی اللہ کے لیے غلط راستہ

آگے مشرکوں کی تردید میں ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو حمایتی اور کارساز بنا لیا ہے، وہ کہتے ہیں مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ہم تو اِن کی عبادت اس لیے کرتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ کا قرب دلا دیں۔ زُلفیٰ کا معنیٰ درجہ اور مرتبہ ہوتا ہے، یعنی ہمارا مرتبہ اللہ کے قریب کر دیں۔ عبادت انتہا درجے کی تعظیم کو کہتے ہیں اور یہ قول و فعل

اور عمل ہر طریقے سے ہوتی ہے، تو اللہ کے سوا دوسروں کو کارساز سمجھنا، اُسکی تعظیم کرنا، نذرانے پیش کرنا۔ اُن کی عبادت کرنے کے مترادف ہے، اور مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ ہماری سفارش کرکے ہمیں اللہ کا قرب دلا دیں گے اللہ نے فرمایا کہ اِن کا یہ عقیدہ ہی غلط ہے کیونکہ غیر اللہ کی عبادت ہی تو کفر، شرک اور بغاوت ہے، یہ چیز اخلاص کے بھی خلاف ہے اور اصول کے بھی۔ اور اِن کی سفارش بھی جبری قسم کی سفارش ہے کہ ان کے خود ساختہ معبود اِن کو ہر حالت میں خدا کے عذاب سے چھڑا کر اُس کا قرب دلا دیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا قرب ایمان اور اخلاص کے بغیر کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْمَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ بیشک اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے گا اُن چیزوں میں جن میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔ اب تو یہ سمجھ رہے ہیں کہ اُن کے خود ساختہ معبود انہیں بچا لیں گے۔ مگر اس بات کا حتمی فیصلہ تو اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ہی ہوگا، اور وہاں پتہ چلے گا کہ وہ اِن کے کس طرح کام آسکتے ہیں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی راہنمائی نہیں کرتا جو جھوٹا اور ناشکر گزار ہو۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ غیر کی عبادت کا عقیدہ رکھنا تو خالصتاً کذب اور افترا ہے، ظاہر ہے کہ غلط عقیدہ رکھنے والا آدمی اور پھر اس پر اصرار کرنے والا جھوٹا ہے۔ جب تک وہ اِس اصرار کو ترک نہیں کریگا، ظلم کو ترک کرکے عدل کا طالب نہیں ہوگا، اور کفر اور شرک کی بجائے حق کا طالب نہیں ہوگا، اُسے ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح جو شخص سچی بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں اور غلط عقیدہ رکھتا ہے وہ گویا خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا کفران کر رہا ہے، لہٰذا ایسے شخص کو بھی راہِ راست کی طرف راہنمائی نہیں حاصل ہو سکتی۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ غیر اللہ کو حامی و ناصر اور کارساز جاننے والا عقیدہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت

کے بغیر کوئی کسی کو اُس کا قرب نہیں دلا سکتا اور نہ کوئی اللہ کے ہاں سفارش کر سکتا ہے۔ سفارش تو اللہ کے حکم اور اس کی مرضی سے ہوگی۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ (البقرہ-۲۵۵) کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کر سکے؟ کوئی بھی نہیں۔ سفارش صرف اُس شخص کے لیے ہوگی جس کا عقیدہ درست ہوگا وگرنہ ناشکرے گنہگاروں کو تو راہ راست نصیب نہیں ہوتا۔

ولدیت کا باطل عقیدہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ولدیت کے باطل عقیدے کا رد کیا ہے، لوگ مسیح اور عزیر علیہما السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے یا مخلوق میں سے کسی اور کو خدا کی اولاد تسلیم کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ جو چاہیں خدا سے کروا سکتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا لَوْ اَرَادَ اللّٰہُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی اولاد بنانا چاہتا تو ظاہر ہے لَّاصْطَفٰی مِمَّا یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وہ اپنی مخلوق میں سے ہی جس کو چاہتا منتخب کرتا۔ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور باقی سب مخلوق ہے، لہٰذا اگر وہ کسی کو اولاد بنانے کا ارادہ کرتا تو وہ اُس کی مخلوق میں سے ہی کوئی ہوتا۔ اور دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اولاد اپنے باپ کی ہم جنس ہوتی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ خالق اور مخلوق ہم جنس بن جاتے اور یہی چیز حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (الشوریٰ-۱۱) خدا کی مانند کوئی چیز نہیں ہے لہٰذا خالق اور مخلوق کا ہم جنس ہونا بھی ناممکن ہے مطلب یہ ہوا کہ چونکہ خالق اور مخلوق کا ہم جنس ہونا محال ہے فرمایا سُبْحٰنَہٗ وہ ذات تو ہر قسم کے عیب، نقص، کمزوری اور اولاد سے پاک ہے۔ لوگوں نے ولدیت کا عقیدہ غلط طور پر بنا رکھا ہے۔ سورۃ جن میں اللہ نے جنوں کی زبان سے کہلوایا ہے وَاَنَّہٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَۃً وَّلَا وَلَدًا (آیت-۳) ہمارے رب تعالیٰ کی ذات بہت بلند ہے، اُس کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ اولاد۔ وہ ایسی چیزوں سے پاک ہے ھُوَ اللّٰہُ الْوَاحِدُ

الْقَهَّارُ وہ یگانہ ہے اور قہار ہے کہ ہر چیز اس کے دباؤ میں ہے۔ کوئی چیز اس کے تسلط سے باہر نہیں۔ وہ جب چاہے گا ولدیت کا باطل عقیدہ رکھنے والوں کو گرفت میں لے لیگا۔ اللہ تعالیٰ نے اصولِ دین بتلا دیا ہے کہ اخلاص کے ساتھ صرف اللہ کی عبادت کرو۔ آگے توحید کے دلائل بیان کیے جارہے ہیں۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ
عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ
اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿٥﴾ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ
وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ
لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ
فِىْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ
فِىْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ
الْمُلْكُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿٦﴾ اِنْ
تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنْكُمْ ۟ وَلَا يَرْضٰى
لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ؕ
وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ
مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ
اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٧﴾ .

ترجمہ :- پیدا کیے ہیں اُس نے آسمان اور زمین حق کے ساتھ
لپیٹ دیتا ہے رات کو دن پر ، اور لپیٹ دیتا ہے دن

کو رات پر - اور اُس نے مسخر کیا ہے سورج اور چاند کو۔
ہر ایک چلتا ہے ایک مقررہ مدت پر - سنو ! وہی ہے
زبردست اور بخشش کرنے والا ⑤ اُس نے پیدا کیا
تمہیں ایک جان سے - اور بنایا ہے اُس نے اُسی (جان)
سے اُس کا جوڑا - اور اتارے ہیں تمھارے لیے مویشیوں
میں سے آٹھ جوڑے - پیدا کرتا ہے تمھیں تمھاری ماؤں
کے پیٹوں میں ایک پیدائش کے بعد دوسری پیدائش
تین اندھیروں میں - یہ ہے اللہ تمھارا پروردگار - اسی کے
لیے ہے بادشاہی - نہیں کوئی عبادت کے لائق اُس کے
سوا تم کدھر پھیرے جا رہے ہو ⑥ اگر تم کفر کرو گے
تو بیشک اللہ بے نیاز ہے تم سے - اور وہ نہیں پسند
کرتا اپنے بندوں سے کفر - اور اگر تم شکر ادا کرو گے
تو وہ راضی ہو گا تم سے - اور نہیں اٹھائے گا کوئی
بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ - پھر تمھارے پروردگار
ہی کی طرف تمھارا لوٹ کر جانا ہے - پس وہ تم کو بتا دے
گا جو کچھ کام تم کیا کرتے تھے - بیشک وہ خوب
جاننے والا ہے دلوں کے رازوں کو ⑦

ربط آیات

قرآنِ حکیم کی صداقت اور وحی الٰہی کی حقانیت کو بیان کرنے کے بعد
اللہ تعالیٰ نے دین کے اصل الاصول فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ
کی حقیقت کو آشکار فرمایا کہ عبادت خالص اللہ کی ہونی چاہیئے جو ہر قسم کے
شرک اور ریا سے پاک ہو - جو لوگ اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتے
ہیں وہ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں اور انہیں جزائے عمل کی منزل میں سخت مشکلات
کا سامنا کرنا پڑے گا - اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شرک سے مبرا اور منزہ ہے - پھر

اللہ نے ولدیت کے عقیدہ کی نفی کی اور فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اولاد بنانا چاہتا تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں سے ہی کسی کو منتخب کرتا۔ اور اولاد کے ہم جنس ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں ہو سکتا۔ تو اس طرح گویا اللہ تعالیٰ اپنی ہی مخلوق کا ہم جنس ٹھہرتا اور یہی اس کے لیے عیب والی بات ہے حالانکہ اللہ جل شانہٗ ہر قسم کے عیب، نقص اور کمزوری سے پاک ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ولدیت کا عقیدہ بھی من گھڑت اور باطل ہے۔

دلائلِ توحید

(۱) نظامِ کائنات

عقیدۂ توحید بیان کرنے کے بعد اب اللہ نے اُس کے کچھ عقلی دلائل بیان فرمائے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یعنی کائنات کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت اور مصلحت کے تحت واقع ہوئی ہے۔ اس سے اُن لوگوں کی تردید ہو جاتی ہے جو پورے نظامِ کائنات کو عبث خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی اِن کا خالق نہیں، بس یہ چیزیں شروع سے اسی طرح چلی آ رہی ہیں اور اسی طرح چلتی رہیں گی، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے، اس کی ابتدا بھی ہے اور اس کی انتہاء بھی لازماً ہوگی۔ سورۃ آلِ عمران کے آخر میں اللہ نے اپنے اُن نیک بندوں کا تذکرہ فرمایا جو ارض و سما کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں اور وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (آیت ۔ ۱۹۱) پروردگار! تو نے یہ سب کچھ بیکار محض پیدا نہیں کیا بلکہ بنی نوعِ انسان کی مصلحت کے لیے اپنی خاص حکمت کے تحت اِن کی تخلیق فرمائی ہے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ جو رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے، اُس نے شب و روز کا یہ نظام اپنی حکمتِ بالغہ کے ساتھ قائم کر دیا ہے جن کی آمد و رفت میں ذرا فرق نہیں پڑتا بلکہ ہر رات اور ہر دن

اپنے اپنے مقررہ وقت پر یکے بعد دیگرے آتے ہیں۔ شاہ عبدالقادر دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر دن اور رات ایک پر دوسرا چلا آرہا ہے اور بقصور العین کمی بیشی نہیں ہوتی بلکہ یہ سلسلہ مسلسل جاری ہے۔ دن چلا گیا تو رات آگئی اور رات گئی تو دن نمودار ہو گیا اور جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ (یٰس ۔ ۴۰) نہ تو سورج چاند کو پکڑ سکتا ہے اور نہ ہی رات دن سے پہلے آسکتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ایک نہایت ہی متوازن نظام قائم کر دیا ہے جس کے ذریعے انسان اور دیگر جاندار اپنی ضروریات زندگی حاصل کرتے رہتے ہیں۔ دن کے وقت انسان کام کاج کر کے اپنے لیے روزی کا سامان کرتے ہیں، علم حاصل کرتے ہیں، عبادت کرتے ہیں اور نیکی کے دوسرے اشغال انجام دیتے ہیں۔ پھر جب وہ کام کاج سے تھک جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ رات کو لے آتا ہے جس میں وہ آرام کر کے اپنے قویٰ کو بحال کرتے ہیں اور اگلے دن کے اشغال کے لیے پھر تازہ دم ہو جاتے ہیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ جس نے سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا ہے۔ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ان میں سے ہر ایک مقررہ وقت تک چل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شمس و قمر کی تخلیق اور ان کی مسلسل روانی میں بھی انسانوں کی مصلحت کے کیسے کیسے سامان پیدا کیے ہیں، شمس و قمر کی ایک تو یومیہ حرکت ہے جس سے شب و روز پیدا ہوتے ہیں۔ دونوں اپنی اپنی منازل میں اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہیں اور ہر دن اور رات ان کی منزل مختلف ہوتی ہے۔ اس اختلاف کی وجہ سے سال بھر کے موسموں کا تغیر و تبدل واقع ہوتا ہے جن کے دوران مختلف پھل اور مختلف اجناس پیدا ہوتی ہیں۔ جو انسانوں اور جانوروں کی خوراک بنتی ہیں۔ یہ نظامِ کائنات اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت تک جاری رہیگا، اور پھر جب وہ چاہے گا۔ اس پورے

نظامِ شمس و قمر کو درہم برہم کر کے قیامت برپا کر دے گا اور پھر دوسرا نظام قائم کر ے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک مقررہ وقت تک چل رہا ہے۔

فرمایا اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ آگاہ رہو کہ جس خدا تعالیٰ نے یہ نظامِ کائنات قائم کر رکھا ہے، وہ کمالِ قوت کا مالک ہے اور بہت بخشش کرنے والا ہے۔ یہ اس کی قوت کا ایک ادنیٰ مظاہرہ ہے کہ اُس نے چاند، سورج، زمین، اور دیگر لاکھوں گنا بڑے سیارے قائم کر رکھے ہیں۔ جو سب کے سب ایک مربوط نظام کے تحت اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہیں، پھر اس کی شانِ غفاری بھی ہے کہ وہ مجرموں کو فوراً گرفت میں نہیں لیتا بلکہ مہلت بھی دیتا ہے۔ پھر جب کوئی سچے دل سے تائب ہو کر اس کی طرف رجوع کر لیتا ہے، برائیوں کو چھوڑ کر نیکی کی طرف راغب ہو جاتا ہے اور ایمان کو قبول کر لیتا ہے، تو اس کی عفو و مغفرت بھی جوش میں آجاتی ہے اور وہ بندوں کے گناہوں کو معاف کر کے انہیں اپنی آغوشِ رحمت میں لے لیتا ہے۔

(۲) تخلیق نسلِ انسانی

نظامِ کائنات کو بطور دلیلِ توحید پیش کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسانی کی تخلیق کو بھی اپنی وحدانیت اور قدرتِ کاملہ کی دلیل بنایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا پھر اسی میں سے اُس کا جوڑا بھی بنایا ہے۔ اس سے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواؑ کی تخلیق مراد ہے۔ اللہ نے سب سے پہلے نسلِ انسانی کے باپ آدم علیہ السلام کو مٹی سے تخلیق کیا۔ اور پھر آپ ہی کی پسلی سے آپ کی زوجہ حواؑ کو بھی نکالا۔ پسلی چونکہ ٹیڑھی ہوتی ہے اس لیے ہر عورت میں فطرتاً کجی پائی جاتی ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ عورت سے اسی حالت میں کام لیتے رہو اور اس کی کجی کو درست کرنے کی کوشش نہ کرو، کہیں یہ ٹوٹ ہی نہ جائے۔ بہر حال نفسِ واحد سے تخلیق کا مضمون اللہ نے سورۃ النساء کے آغاز میں بھی بیان فرمایا ہے اے لوگو!

اللہ سے ڈر جاؤ جس نے خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَاءً (آیت ۱) تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، پھر اسی میں سے اس کا جوڑا تخلیق کیا، اور پھر ان دونوں میں سے کثیر تعداد میں مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا۔ چنانچہ آج دنیا کی پانچ ارب کی آبادی صرف ایک جان سے ہی پھیلی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی یہ ایک بہت بڑی دلیل ہے۔

(۴) مویشیوں کے آٹھ جوڑے

اللہ نے اپنی وحدانیت کی تیسری دلیل یہ بیان فرمائی ہے وَأَنزَلَ لَكُم مِّنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ اور تمہارے لیے مویشیوں میں سے آٹھ جوڑے اتارے۔ ان جانوروں کی تفصیل سورۃ الانعام میں موجود ہے کہ ان سے مراد اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری نر اور مادہ مراد ہیں۔ یہ حلال جانور ہیں اور انہی کی قربانی بھی کی جاتی ہے۔ یہ جانور خاص طور پر انسان کے خادم ہیں اور لوگ ان سے کئی طرح سے مستفید ہوتے ہیں۔ اونٹ باربرداری اور سواری کے کام آتا ہے، گائے بیل ہل جوتنے میں بڑے مفید ہیں اور ان کے ذریعے کنوئیں سے پانی بھی کھینچا جاتا ہے۔ بھیڑ اور بکریاں خاص طور پر اون پیدا کرتی ہیں جو لباس اور دیگر ضروریات زندگی میں کام آتی ہے۔ اس کے علاوہ ان جانوروں کا گوشت اور دودھ بکثرت استعمال ہوتا ہے اور ان کی کھال اور ہڈیاں بھی انسانی ضروریات میں کام آتی ہیں یہ پالتو جانور ہیں اور انسانی مزاج کے بہت قریب ہیں لہٰذا اللہ نے ان کو پیدا کر کے انسانی خدمت پر مامور کر دیا ہے۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کے لیے تخلیق کی بجائے نزول کا لفظ استعمال کیا ہے حالانکہ یہ جانور کہیں اوپر سے تو نہیں نازل ہوتے بلکہ زمین پر ہی پیدا ہوتے ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کا یہ بھی ایک اسلوب بیان ہے اور یہ ان جانوروں کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ اللہ نے

لوہے کے متعلق بھی فرمایا ہے وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (الحدید - ۲۵) اور ہم نے لوہا اتارا جس میں شدید خطرہ بھی ہے اور لوگوں کے لیے فوائد بھی۔ اسی طرح لباس کے لیے بھی نزول کا لفظ استعمال ہوا ہے یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ط (اعراف - ۲۶) اے بنی آدم! ہم نے تم پر لباس اتارا جو کہ تمھاری ستر پوشی اور زینت کے کام آتا ہے۔ ان تمام مقامات پر نزول کا معنی کہیں اوپر سے اتارنا نہیں بلکہ پیدا کرنا ہی ہے۔

بعض مفسرین نے لفظ نزول کی بعض توجیہات بھی کی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جانوروں کی زندگی کا مدار پانی اور چارے پر ہے اور پانی کو اللہ تعالیٰ بارش کی صورت میں اوپر کی طرف سے نازل کرتا ہے، جس سے سبزہ پیدا ہوتا ہے اور جانوروں کی خوراک بنتا ہے، لہذا ان جانوروں کو مجازی طور پر نازل کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّاؓ کو جنت سے اتارا گیا تھا، اسی طرح بعض دیگر اشیاء مثلاً حجر اسود اور خوشبو کو بھی جنت سے اتارنے کا ذکر ملتا ہے اسی طرح ان مویشیوں کو بھی جنت سے ہی اتارا گیا اس لیے ان کے لیے اَنْزَلَ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ بعض مفسرین یہ بھی فرماتے ہیں کہ اَنْزَلَ کا مادہ نَزَلَ نہیں بلکہ نُزُلْ ہے جس کا معنی مہمان نوازی ہوتا ہے یہ آٹھ قسم کے جانور بھی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی خدمت اور مہمان نوازی کے لیے پیدا کیے ہیں لہذا ان کے لیے اَنْزَلَ کا لفظ استعمال ہوا ہے

(۴) شکم مادر میں پرورش

اللہ نے اپنی قدرت کا چوتھا نمونہ اس طرح ذکر فرمایا ہے يَخْلُقُكُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ وہی اللہ تعالیٰ تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے ایک درجے کے بعد دوسرے درجے پر یعنی شکم مادر میں تمھاری نشوونما بتدریج مرحلہ وار عمل میں آتی ہے۔ اس بات

کا ذکر اللہ نے قرآن پاک کے کئی مقامات پر کیا ہے۔ مثلاً سورۃ المؤمنون میں فرمایا کہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا، پھر اس کو ایک مضبوط جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا، پھر نطفے کا لوتھڑا بنایا، پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی۔ پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں ا پھر ہڈیوں پر گوشت پوست چڑھایا، پھر اس کو نئی صورت میں تیار کر دیا فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (آیت - ۱۴) بڑا بابرکت ہے خدا تعالیٰ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے، غرضیکہ فرمایا ہم نے ماں کے پیٹ میں تمہاری مرحلہ وار نشوونما کی اور وہ بھی فِىْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ تین اندھیروں کے اندر۔ دیکھ لیں جہاں بچہ پرورش پاتا ہے وہاں ایک تو ماں کے پیٹ کا اندھیرا ہوتا ہے، پھر رحم مادر کا اندھیرا اور تیسرا اندھیرا اس جھلی کا ہوتا ہے جس کے اندر بچہ نشوونما پاتا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو تمہیں تین اندھیروں میں حد کمال تک پہنچاتا ہے۔ حالانکہ دنیا کی کوئی بھی مشینری اندھیرے میں کام نہیں کر سکتی بلکہ ذرا بھی برقی رو میں خرابی واقع ہو جائے تو سارا کام بند ہو جاتا ہے، مگر یہ خداوند تعالیٰ کی لگائی ہوئی فیکٹری ہے جس میں روشنی کی بھی ضرورت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ تہ در تہہ اندھیروں میں انسان کو فِىْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (التین - ۴) بہترین شکل وصورت میں پیدا فرماتا ہے، اور یہ بھی اس کی قدرت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

دعوت غور وفکر

فرمایا ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ یہ ہے تمہارا پروردگار جس کی صفات بیان ہوئی ہیں اور جس نے تمہاری مصلحت کے لیے کائنات کا نظام قائم کر رکھا ہے لَهُ الْمُلْكُ اسی کی بادشاہی ہے اور اس کی سلطنت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ عبادت کے لائق تو وہی ذات ہو سکتی ہے۔ جو خالق، مالک، مدبر اور واجب الوجود ہو۔ جب یہ صفات اس کے سوا کسی ذات میں نہیں پائی جاتیں تو پھر معبود برحق بھی اس کے سوا کوئی نہیں، فرمایا حقیقت تو یہ ہے فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ مگر تم کدھر پھیرے جاتے ہو۔ تم اس کو چھوڑ کر کس کو حاجت روا اور مشکل کشا

سمجھتے ہو، کس کی نذر و نیاز دیتے ہو اور کس کے سامنے سر بسجود ہوتے ہو معبود برحق تو وہ ہے۔

کفر اور شکر کا تقابل

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور کفر کی حقیقت بھی سمجھا دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنْ تَكْفُرُوْا اگر کفر کرو گے فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ تو بے شک اللہ تعالیٰ تم سے بے پرواہ ہے۔ انسان لاکھ بار بھی کفر کرے، خدا تعالیٰ کو کیا نقصان پہنچا سکتا ہے؟ اور نہ اس کے ایمان لانے سے خدا تعالیٰ کی شان میں کوئی اضافہ ہو جاتا ہے اس کو کوئی مانے یا نہ مانے اس کی شانِ ربوبیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ کفر کرنے کا نقصان خود کفر کرنے والے کی ذات پہ پڑتا ہے اور وہ کمالِ مطلب تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس کو نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ اور اگر کوئی شخص ایمان اور توحید پہ کاربند ہوتا ہے تو اس کا فائدہ خود اسی کی ذات کو پہنچے گا۔ وہ راحت کے مقام خطیرۃ القدس تک پہنچ جائے گا اسے ترقی نصیب ہوگی۔ تجلی اعظم سے تعلق قائم ہو جائے گا۔ اور بالآخر اللہ کی رحمت کے مقام میں پہنچ جائے گا۔ اور اگر کفر کا راستہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ تو بے پرواہ ہے، البتہ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وہ اپنے بندوں سے کفر کی بات کو پسند نہیں کرتا اگرچہ وہ ایسا کرنے کی توفیق دے دیتا ہے اور کسی کو زبردستی روکتا نہیں۔ اس نے تو نیکی اور بدی، ایمان اور کفر دونوں راستے واضح کر دیے ہیں اور انسانوں کو اختیار دے دیا ہے۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف۔ ۲۹) جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کفر کا راستہ اختیار کرے۔ مگر ساتھ یہ بھی بتلا دیا کہ جو کفر کا راستہ پکڑے گا۔ اس کے لیے آگے جہنم بھی تیار ہے۔

فرمایا، کفر کے بالمقابل وَاِنْ تَشْكُرُوْا اگر تم شکر ادا کرو گے يَرْضَهُ لَكُمْ تو اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو جائے گا۔ اس مقام پہ کفر کے مقابلے میں ایمان کی بجائے شکر لایا گیا ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں پہ کفر سے عام کفر

یعنی اللہ کی ذات، صفات، توحید، رسل، کتب سماویہ، ملائکہ اور معاد کا انکار ہی مراد ہے اور شکر سے ایک خاص چیز مراد ہے۔ آپ شکر کی تعریف میں لکھتے ہیں حَالَۃٌ مُّرَکَّبَۃٌ مِّنْ قَوْلٍ وَّاِعْتِقَادٍ وَّعَمَلٍ یعنی شکر قول اعتقاد اور عمل کا مرکب ہے۔ قول یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا زبان سے اقرار کرے، اعتقاد یہ ہے کہ اس کی وحدانیت کا دل میں یقین ہو، اللہ کے رسولوں، وحی الٰہی، اس کی کتابوں اور قیامت پر ایمان ہو اور عمل یہ ہے کہ انسان اپنے اعضاء و جوارح کے ساتھ اللہ کی عبادت بجالائے، تو فرمایا جس شخص میں یہ تینوں چیزیں پائی جائیں گی، وہ گویا صحیح معنوں میں شکر کرنے والا ہو گا۔ چنانچہ یہاں پہ شکر کے لفظ میں ایمان بھی موجود ہے۔ اس لیے اس کو کفر کے مقابلہ میں لایا گیا ہے کہ شکر کرو گے تو اللہ تعالیٰ راضی ہو گا۔

بوجھ اپنا اپنا

پھر فرمایا یاد رکھو! وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، بلکہ ہر ایک کو اپنے عقیدے اور عمل کا خود بھگتان کرنا ہو گا۔ وہاں نہ کوئی رشتہ دار کام آئے گا اور نہ ہی کوئی ترجمان، یا وکیل کھڑا ہو سکے گا جو کسی کی طرف سے جوابدہی کر سکے، بلکہ کُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا (النحل۔ ۱۱۱) ہر شخص کو خود اپنا جھگڑا پیش کرنا ہو گا۔ گویا ہر شخص کو اپنا بوجھ خود اٹھانا ہو گا۔

فرمایا ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ مَّرْجِعُکُمْ پھر تم سب کا تمہارے پروردگار کی طرف ہی لوٹنا ہو گا۔ سب کو اُس کی عدالت میں لازماً ذاتی طور پر پیش ہونا ہو گا۔ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ پھر وہ تمہیں بتلا دے گا جو کچھ کام تم دنیا میں کرتے تھے۔ اُس نے تمہارا ایک ایک قول، فعل اور عمل محفوظ کر کے رکھا ہوا ہے اور قیامت والے دن تمہارے سامنے پیش کر دیگا وہ علیم کل ہے کہ اُسے تمہارے ہر عمل کا علم ہے اور مختار کل ہے کہ وہ انہیں حاضر کرنے پہ بھی قادر ہے۔ اور پھر اس کا علم اس قدر وسیع ہے اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ کہ وہ سینوں کے مخفی رازوں کو بھی جانتا ہے۔ وہ ایسے بھیدوں سے بھی واقف ہے جن کو دنیا میں تمھارے سوا کوئی نہیں جانتا تھا، وہ تمام رازوں کو افشا کر دے گا۔ اور پھر ہر عمل کا حساب کتاب ہوگا اور جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ
ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ
يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا
لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ
قَلِيْلًا ڰ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ (٨) اَمَّنْ
هُوَ قَانِتٌ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَاۗىِٕمًا يَّحْذَرُ
الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي
الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۭ اِنَّمَا
يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ (٩) قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ ع ١ ٩ ١٥
اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ
الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ اِنَّمَا
يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (١٠)

ترجمہ :- اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف تو پکارتا ہے وہ اپنے پروردگار کو ، اس کی طرف رجوع کرنے والا ہوتا ہے ۔ پھر جب وہ اس کو بخشتا ہے نعمت اپنی طرف سے تو وہ بھول جاتا ہے اس کو جس

کی طرف پکارتا تھا اس سے پہلے ۔ اور ٹھہراتا ہے وہ اللہ کے لیے شریک تاکہ گمراہ کرے اللہ کے راستے سے ۔ آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) فائدہ اٹھا لے تو اپنے کفر کے ساتھ تھوڑے دنوں تک ۔ بیشک تو دوزخ والوں میں سے (٨) بھلا وہ شخص جو اطاعت کرنے والا ہے ، رات کی گھڑیوں میں سجدہ کرتے ہوئے اور کھڑے ہوئے ، ڈرتا ہے آخرت سے اور امید رکھتا ہے اپنے پروردگار کی رحمت کی ۔ آپ کہہ دیجئے ، کیا برابر ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے ؟ بیشک نصیحت حاصل کرتے ہیں عقلمند لوگ (٩) آپ کہہ دیجئے (اللہ کی طرف سے) اے وہ بندو جو ایمان لائے ہو ، ڈرو اپنے پروردگار سے ۔ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے نیکی کی اس دنیا میں ، بھلائی ہے ۔ اور اللہ کی زمین کشادہ ہے ، بیشک پورا دیا جائے گا ، صبر کرنے والوں کو ان کا بدلہ بغیر حساب کے (١٠)

ربط آیات

سورۃ کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر ہوا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اس حال میں کہ صرف اسی کے لیے اطاعت کو خالص کرنے والے ہو، اور خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی طرح بھی شریک نہ بناؤ ، نہ اس کی ذات میں ، نہ صفات میں اور نہ ہی ولدیت کا عقیدہ رکھو ۔ اللہ تعالیٰ واحد اور قہار ہے ، اور ساری کائنات اسی کی پیدا کردہ ہے اور اسی کے تصرف میں ہے ۔ پھر فرمایا انسانوں کی تخلیق اللہ نے ایک ہی جان سے کی ہے ۔ اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور تمہارے فائدے کے لیے مویشیوں کے آٹھ جوڑے بنائے ۔ تمہاری پیدائش بھی اللہ نے عجیب طریقے سے کی ۔ ماؤں کے پیٹوں کے اندھیروں

میں تمھارا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی تمھارا پروردگار اور مستحق عبادت ہے پھر فرمایا کہ اگر تم اُس کی وحدانیت کا انکار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تو بے پرواہ ہے، تمھارے کفر کا اُس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، نہ اس کو کچھ نقصان پہنچ سکے گا، مگر وہ اپنے بندوں سے کفر کی بات کو پسند نہیں کرتا۔ اور اگر تم اس کا شکر ادا کرو گے تو وہ تم سے راضی ہو گا۔ پھر فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال کو خوب جانتا ہے حتیٰ کہ وہ سینوں کے رازوں سے بھی واقف ہے، تمھیں تمھارے اعمال کے مطابق ہی بدلہ ملے گا۔

انسانی فطرت کے دو رُخ

اَب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی ناشکر گزاری کا حال اس طرح بیان فرمایا ہے وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ تو پکارتا ہے اپنے پروردگار کو اُس کی طرف رجوع رکھتے ہوئے۔ اِس انسان کی حالت عجیب ہے کہ مصیبت کے وقت یہی سمجھتا ہے کہ اس کو دور کرنے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں لہٰذا اُسی کے سامنے گڑگڑاتا ہے۔ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ پھر جب وہ اُس کو اپنی طرف سے نعمت بخشتا ہے یعنی جب تکلیف دور ہو جاتی ہے۔ کوئی بیماری تھی تو شفا مل گئی، تنگدستی تھی تو خوشحالی آگئی، بے اولاد تھا تو اولاد مل گئی، غرضیکہ جب کوئی نعمت حاصل ہو جاتی ہے نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ تو پھر وہ اپنی اس پہلی حالت کو بالکل ہی بھول جاتا ہے جس کی طرف وہ پکارتا تھا، گویا کہ اُس کو کبھی کوئی تکلیف پہنچی ہی نہیں تھی۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ جب اُس کی تکلیف دور ہو چکی تو اپنے پروردگار کا شکریہ ادا کرتا جس کو وہ تکلیف کے وقت پکارتا تھا اور جس نے اُس مصیبت کو رفع کر دیا، مگر انسان اس قدر ناشکر گزار ہے کہ اپنی اُس سابقہ تکلیف کو ہی بھول جاتا ہے اور لہو و لہب میں مبتلا ہو کر ناشکر گزاری کا مظاہرہ کرتا ہے

فرمایا ایک تو وہ تکلیف کے رفع ہونے پر اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا اور دوسرا ظلم یہ کرتا ہے وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے شریک ٹھہرانے لگتا ہے مصیبت تو اللہ نے دور کی تھی۔ مگر وہ نذر و نیاز دوسروں کی دینے لگتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اُس کی تکلیف فلاں بزرگ کی وجہ سے دُور ہوئی ہے، یا یہ فلاں ستارے یا سیارے کے اثرات کا نتیجہ ہے اور پھر اس غلط عقیدہ کا پراپیگنڈا بھی کرتا ہے لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ "تاکہ دوسروں کو بھی اللہ تعالیٰ کی راہ سے گمراہ کر دے۔ پھر یہ شخص اپنے قول، فعل اور عمل سے دوسروں کی گمراہی کا سبب بھی بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو بالکل فراموش کر دیتا ہے اللہ نے فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ ان لوگوں کو واضح طور پر کہہ دیں تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا اپنے اس کفر کے ساتھ تھوڑا عرصہ تک فائدہ اٹھالو۔ اپنے اس باطل عقیدے کے سایہ میں اس دنیا کی زندگی میں عیش و آرام کر لو۔ یہ اللہ کی طرف سے مہلت ہے لیکن بالآخر اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ بیشک تم دوزخ والوں میں سے ہو تمہارے اس شرک اور ناشکری کا بدلہ تمہیں دوزخ کی صورت میں ملے گا۔ جہاں سے رہائی کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ اس مضمون کو اللہ نے سورۃ العنکبوت میں اس طرح بیان فرمایا فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ (آیت - ۶۵) جب مشرک لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں اور وہ کشتی گرداب میں پھنس جاتی ہے تو اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لیے خالصتاً اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں اور اسی کے سامنے گڑگڑاتے ہیں مگر جب اللہ تعالیٰ اُس مصیبت سے نجات دے دیتا ہے تو پھر اُس کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں اور اس نجات کو دوسروں کے ساتھ منسوب کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ فرمایا یہ کتنے ناشکر گزار لوگ ہیں جو تنگی کے وقت تو اسی کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔

مگر خوشحالی کے وقت اس کو فراموش کر دیتے ہیں اور اس آسودگی کا سہرا دوسروں کے سر پر باندھ دیتے ہیں۔

نیک و بد کا تقابل

آگے اللہ نے نیک و بد میں تقابل کے طور پر فرمایا ہے اَمَّنۡ هُوَ قَانِتٌ بھلا وہ شخص جو کہ اطاعت کرنے والا ہے اٰنَآءَ الَّیۡلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا رات کی گھڑیوں میں سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے یَّحۡذَرُ الۡاٰخِرَۃَ اور وہ آخرت سے ڈرتا بھی ہے وَیَرۡجُوۡا رَحۡمَۃَ رَبِّہٖ اور اپنے پروردگار کی رحمت کی اُمید رکھتا ہے۔ فرمایا کیا ایسا خدا پرست انسان نافرمانوں اور ناشکر گزاروں کے برابر ہو سکتا ہے؟ یقیناً ایسا نہیں ہو سکتا۔

اِس مقام پر لفظ قَانِتٌ استعمال ہوا ہے جس کا معنیٰ ہم نے اُطاعت کرنے والا کیا ہے۔ قنوت کا لفظ نماز کی ایک خاص حالت کے متعلق بھی آیا ہے وَقُوۡمُوۡا لِلّٰہِ قٰنِتِیۡنَ (البقرہ - ۲۳۸) یعنی نماز کے لیے ایسی حالت میں کھڑے ہو کہ خدا کے سامنے عاجزی کرنے والے ہو، نگاہ کو بالکل نیچے رکھو اور دائیں بائیں التفات نہ کرو، نہ کپڑوں کے ساتھ کھیلو اور نہ کسی اور شغل میں مشغول ہو۔ اس کے علاوہ قنوت کا معنیٰ لمبی قرأت کرنا بھی ہوتا ہے حدیث میں آتا ہے اَفۡضَلُ الصَّلٰوۃِ طُوۡلُ الۡقُنُوۡتِ افضل نماز وہ ہے جس میں لمبی قرأت کی جائے۔ البتہ فقہائے کرام میں اس بات میں اختلاف ہے کہ لمبی قرأت زیادہ افضل ہے یا زیادہ سجدے کرنا افضل ہے بعض فرماتے ہیں کہ سجدہ بڑی بلند عبادت ہے جس سے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے، لہٰذا زیادہ سجدے کرنے میں فضیلت ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں قرأت زیادہ کرنے میں زیادہ فائدہ ہے۔

بہر حال قنوت کا معنیٰ اطاعت ہوتا ہے اور نماز میں قنوت کے استعمال کا مطلب یہ ہے کہ آدمی پورے سکون کے ساتھ، سجدے کی جگہ پر نگاہ رکھتے ہوئے نہایت عجز و انکساری کے ساتھ اللہ کے حضور کھڑا ہو تو فرمایا جو شخص

سکون کے ساتھ قیام وسجود کرتا ہے، آخرت سے ڈرتا ہے اور خدا کی رحمت کا اُمیدوار ہے، وہ نافرمانوں کے برابر ہرگز نہیں ہوسکتا۔

پھر فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے یعنی عالم اور جاہل برابر ہوسکتے ہیں؟ بالکل نہیں۔ ایماندار اور فاجر برابر نہیں ہوسکتے۔ اگر ایسا ہو تو پھر تو اندھیر نگری بن جائے، نیکی اور بدی کا معیار ہی باقی نہ رہے، علم و جہالت خلط ملط ہو جائیں۔ فرمایا یہ دونوں گروہ مساوی نہیں ہوسکتے۔ علم کا حاصل کرنا تو فرائض میں داخل ہے۔ علم کے بغیر انسان نہ خدا کی ذات کو پہچان سکتا ہے نہ اُس کی صفات کو، نہ توحید کو، نہ آخرت کے معاملات اور نہ ہی حقوق کی ادائیگی میں تمیز کرسکتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اہلِ علم اور بے علم کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ فرمایا إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ایسی مثالوں سے تو صاحبِ عقل و دانش ہی نصیحت حاصل کرسکتے ہیں۔

تقویٰ کی منزل

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کی زبان سے خوفِ خدا کی تلقین فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے قُلْ يَا عِبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ اے پیغمبر! آپ میرے ان بندوں کو کہہ دیں جو ایمان لے آئے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہیں کہ کہیں اُس کی کوئی نافرمانی نہ ہو جائے، کہیں کفر، شرک، اور نفاق میں ملوث نہ ہو جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم میں شقاوت پیدا ہو جائے اور ہم اللہ کی رحمت سے دُور ہو جائیں۔ اسی لیے فرمایا کہ میرے بندو! اپنے قول و فعل عمل اور اخلاق میں نہایت محتاط رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ امام شاہ ولی اللہ[ؒ] تقویٰ کا معنی[1] "محافظت است برحدودِ شرع" کرتے ہیں، یعنی شریعت کی حدود کو قائم رکھنے کا نام تقویٰ ہے۔ سب سے پہلے اپنے اعتقاد اور ایمان کی حفاظت کرو، اس میں کفر، شرک اور بدعقیدگی کو داخل نہ ہونے دو۔ اپنے ایمان کو بُری نیت، حسد، بغض اور گندے اخلاق سے پاک رکھو، فرمایا یاد رکھو!

---

[1] الطاف القدس مترجم ص۹۳

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ جن لوگوں نے اس دنیا میں نیکی کو اختیار کیا اُن کے لیے بھلائی ہے۔ انہیں اُن کی نیکی کا بدلہ ضرور ملے گا، البتہ شرط یہ ہے کہ اُس نیکی کی تہ میں ایمان موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ایک واضح اصول بتلا دیا ہے فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ (الانبیاء۔ ۹۴) جس شخص نے کوئی نیکی کا کام کیا بشرطیکہ وہ ایماندار ہو تو اُس کی محنت کی ناقدری نہیں کی جائے گی بلکہ اُس کی نیکی کا بدلہ ضرور دیا جائے گا۔ یہاں بھی فرمایا کہ اِس دنیا میں نیکی کے کام کرنے والوں کو آخرت میں لازماً اچھا بدلہ ملے گا۔

ہجرت کا حکم

اب آیت کے اگلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو حالات کے مطابق ہجرت کر جانے کی ترغیب دی ہے۔ اس حکم کے نزول کے وقت تک نبوۃ کے پانچ یا چھ سال گزر چکے تھے۔ اہلِ ایمان کفار کی ایذا رسانیوں کا تختہ مشق بنے ہوئے تھے اور صحابہؓ کے دو گروہ حبشہ کی طرف ہجرت کر چکے تھے۔ اِن حالات میں اللہ نے فرمایا وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے۔ لہٰذا اگر حالات بالکل ناساعد ہو جائیں تو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت ہے۔ مطلب یہ کہ جب کسی مقام پر کفار کا غلبہ ہو اور خدا کے دین کو قائم رکھنا مشکل ہو جائے تو پھر ایمان اور دین کی حفاظت کے لیے اُس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانا چاہیئے۔ شان الهجرة لشديد ہجرت میں تکلیف بھی بڑی اٹھانا پڑتی ہے۔ وطن، عزیز و اقارب، زمین و مکان اور کاروبار ہر چیز کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ لہٰذا یہ مشکل کام ہے۔ پھر دورانِ ہجرت مشکلات بھی پیش آسکتی ہیں، دشمن کا خطرہ ہوتا ہے، مطلوبہ جگہ پر پہنچ کر رہائش اور کاروباری مسائل پیدا ہوتے ہیں اور بعض اوقات آب و ہوا بھی موافق نہیں آتی، اس لیے اللہ نے ہجرت کا درجہ بھی بہت بڑا رکھا ہے۔ اہل ایمان مہاجرین اور مجاہدین کے متعلق اللہ کا فرمان ہے اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ (التوبہ۔ ۲۰)

اللہ کے ہاں اُن کا بہت بڑا مرتبہ ہے اور یہ کامیاب لوگ ہیں۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہؓ کے لیے ہجرت کی دعا بھی فرمائی ہے اَللّٰھُمَّ اَمْضِ لِاَصْحَابِیْ ھِجْرَتَھُمْ وَلَا تَرُدَّھُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِھِمْ اے اللہ! میرے صحابہ کی ہجرت کو نافذ فرما اور اُن کو واپس نہ پلٹانا کیونکہ ہجرت کا اجر بہت بڑا ہے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ہجرت دین اور ایمان کی حفاظت کی خاطر کی جاتی ہے۔ تاہم بعض اوقات ہجرت کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی جگہ انسان گناہ سے نہیں بچ سکتا یا اُسے رزقِ حلال نصیب نہیں ہوتا تو اُس پر ہجرت فرض ہو جاتی ہے۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اب مکہ دار الاسلام بن گیا ہے لہٰذا یہاں سے ہجرت کا حکم ختم ہو گیا ہے۔ ہاں، اگر بعد میں کسی جگہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں تو ہجرت کا حکم نافذ العمل سمجھا جائے گا۔

فرمایا جنہوں نے دین اور ایمان کی خاطر ہجرت کی اور مشکلات کو عبور کیا۔ اور صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ تو ایسے صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بلا حساب پورا بدلہ دے گا۔ اللہ نے ہر نیکی کے کام کے لیے اجر کی تحدید فرمائی ہے لیکن صبر کے متعلق فرمایا کہ اس کا اجر بے حساب ہو گا جس کی کوئی حد مقرر نہیں۔ توحید، ذکر الٰہی، شکر، نماز، شعائر اللہ کی تعظیم وغیرہ کی طرح صبر بھی ملتِ ابراہیمی کا ایک بہت بڑا اصول ہے۔ صبر کا بے حساب اجر

امام غزالیؒ صبر کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کے مختلف مقامات ہیں۔ کبھی جسمانی تکلیف پر صبر کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے برداشت کرنے کی توفیق طلب کی جاتی ہے، کبھی اجتماعی مصائب پر صبر کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت بھی صبر کے بغیر نہیں ہو

سکتی، وضو، نماز، روزہ، حج جہاد وغیرہ کی انجام دہی میں صبر و استقامت کی ضرورت ہوتی ہے، معاصی سے بچاؤ کے لیے صبر کرنا پڑتا ہے۔ غرضیکہ زندگی کے کسی بھی موڑ پر صبر کا اظہار بے انتہاء اجر کا باعث ہوگا۔

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ
الدِّيْنَ ﴿۱۱﴾ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲﴾
قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ
عَظِيْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ﴿۱۴﴾
فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ۭ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ
الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ
اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ مِّنْ
فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۭ
ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۭ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾
وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَ
اَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ لا
الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ
اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ
اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ
الْعَذَابِ ۭ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ﴿۱۹﴾ لٰكِنِ
الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا

غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ؕ وَعْدَ
اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿۲۰﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ
اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي
الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ
ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ
ع ۲ ۱۴ ۱۶ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾

ترجمہ:- آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) بے شک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں اللہ تعالیٰ کی خالص اسی کے لیے اطاعت کرنے والا ہوں ﴿۱۱﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ہو جاؤں میں سب سے پہلے فرمانبرداری کرنے والا ﴿۱۲﴾ آپ کہہ دیجئے، بیشک میں خوف کھاتا ہوں، اگر میں نے نافرمانی کی اپنے رب کی، بڑے دن کے عذاب سے ﴿۱۳﴾ آپ کہہ دیجئے کہ میں اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتا ہوں، خالص کرنے والا ہوں اس کے لیے اپنی اطاعت ﴿۱۴﴾ پس تم عبادت کرو جس کی چاہتے ہو اس کے سوا۔ آپ کہہ دیجئے، بیشک نقصان اٹھانے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے نقصان میں ڈالا اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن۔ آگاہ رہو، یہی ہے کھلا نقصان ﴿۱۵﴾ ان کے لیے اوپر سے سائبان ہوں گے آگ کے، اور ان کے نیچے بھی سائبان۔ یہ بات، ڈراتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اپنے بندوں

کو (اور فرماتا ہے) اے میرے بندو! مجھ سے ڈرو (۱۶)
اور وہ لوگ جنہوں نے کنارہ کشی اختیار کی طاغوت
کی پرستش سے، اور رجوع کیا انہوں نے اللہ کی طرف
اُن کے لیے بشارت ہے، پس بشارت دیں میرے بندوں
کو (۱۷) جو سنتے ہیں بات، پھر پیروی کرتے ہیں اس
کی اچھی بات کی۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے
ہدایت دی ہے، اور یہی لوگ ہیں عقل رکھنے والے (۱۸)
بھلا وہ شخص جس پر ثابت ہو گیا ہے عذاب کا کلمہ،
کیا تو چھڑائیگا اُس کو جو دوزخ میں (پڑا چکا ہے) (۱۹) لیکن
وہ لوگ جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے، اُن کے
لیے بالاخانے (چوبارے) ہیں۔ اُن کے اُوپر اور بالاخانے
بنائے ہوئے۔ اور جاری ہیں اُن کے سامنے نہریں۔
یہ وعدہ ہے اللہ تعالیٰ کا، اللہ تعالیٰ نہیں خلاف کرتا وعدے
کا (۲۰) کیا نہیں دیکھا آپ نے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اتارا
آسمان کی طرف سے پانی۔ پس چلا دیا اُس کو چشموں
کی شکل میں زمین میں۔ پھر نکالتا ہے اُس کے ساتھ کھیتی
جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں۔ پھر وہ خشک ہو جاتی
ہے۔ پھر دیکھتا ہے تو اُس کو زرد۔ پھر کر دیتا ہے
اس کو چورا چورا۔ بیشک البتہ اس میں نصیحت ہے
عقلمندوں کے لیے (۲۱)

ربط آیات: اس سے پہلے توحید کے اثبات اور شرک کی تردید میں بہت سے دلائل
بیان ہوئے، پھر نیک و بد اور عالم و جاہل کا تقابل ہوا کہ دونوں گروہ برابر نہیں

ہو سکتے ، اور اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ دلائل سے عقلمند لوگ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ پھر اللہ نے ہجرت کی طرف اشارہ کیا کہ اللہ کی زمین وسیع ہے۔ اگر کسی مقام پر کفار و مشرکین کا غلبہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں رکاوٹ بنتے ہیں اور شعائر دین پر عمل درآمد نہیں کرنے دیتے تو پھر وہاں سے ہجرت کر کے دوسری جگہ چلے جائیں۔ ظاہر ہے کہ ترک وطن میں بہت سی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑے گا، تو اللہ نے فرمایا کہ ان تکالیف کو صبر و استقامت سے برداشت کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا کیا جائے گا۔

اخلاص فی العبادت کا حکم

اب آج کی ابتدائی آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ لوگوں کو کہہ دیں یعنی اُن کے سامنے اس بات کی وضاحت کر دیں اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اس حال میں کہ اسی کے لیے اطاعت کو خاص کرنے والا ہوں۔ دین سے مراد بندگی اور اطاعت ہے یہی مضمون سورۃ ہٰذا کی ابتداء میں بھی بیان ہوا تھا فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ صرف اللہ کی عبادت کرو۔ اسی کے لیے اطاعت کو خاص کرنے والے ہو کر، گویا یہ بات بار بار ذہن نشین کرائی گئی ہے، کہ اللہ کے نزدیک ایسی خالص عبادت ہی معتبر ہے۔ جس میں شرک اور ریا کی آمیزش نہ ہو۔ نیز فرمایا کہ آپ یہ بھی کہہ دیں وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا اولین فرمانبردار اور اطاعت گزار بن جاؤں۔ چنانچہ امت میں اولین ذات پیغمبر علیہ السلام کی ہوتی ہے جو اللہ کا مطیع اور فرمانبردار ہوتا ہے اور پھر ساری امت اس کے تابع ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے بھی فرمانبرداری میں پہلا نمبر نبی کا ہی ہوتا ہے اور اگر بلحاظ مجموعی تمام کائنات کا شمار کیا جائے تو ازل اور عالم ارواح میں بھی اللہ کی فرمانبرداری اور اطاعت کرنے والی ذات پیغمبر علیہ السلام کی ہی ثابت

ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ کے نزدیک میں تو اُس وقت بھی خاتم النبیین تھا جب کہ آدم علیہ السلام کا ابھی پانی اور مٹی سے ڈھانچہ تیار ہو رہا تھا۔ تو گویا عالمِ شہادت اور عالمِ غیب دونوں مقامات پر تمام لوگوں میں اولین اطاعت گزار اور فرمانبردار پیغمبر علیہ السلام ہیں۔

ساتھ یہ بھی فرمایا قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ آپ کہہ دیں کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں۔ تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ اللہ کے نبی معصوم اور اُس کے مقرب ہوتے ہیں، مگر امت کی تعلیم کے لیے واضح کیا جا رہا ہے کہ بالفرض محال اگر میں بھی اللہ کے حکم کی نافرمانی کروں تو میں بھی اُس کے غضب سے بچ نہیں سکتا، لہٰذا عام امتیوں کو بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کس قدر ضروری ہے، اور اس کی نافرمانی کس قدر مہلک ہے۔ آگے اسی سورۃ میں مزید وضاحت بھی آ رہی ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ البتہ تحقیق تمہاری طرف وحی کی گئی ہے اور آپ سے پہلے والوں کی طرف بھی لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (آیت ۔ ۶۵) اگر آپ نے بھی شرک کا ارتکاب کیا تو آپ کے بھی سارے اعمال ضائع کر دیے جائیں گے۔ اسی طرح سورۃ الانعام میں اللہ نے اٹھارہ انبیاء کا نام لے کر فرمایا ہے وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (آیت ۸۹) اگر وہ بھی شرک کرتے تو اُن کے اعمال بھی ضائع کر دیے جاتے۔

آگے پھر اسی مضمون کو اپنے نبی کی زبان سے دوسرے انداز میں کہلوایا قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ آپ کہہ دیں کہ میں تو اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتا ہوں اس حالت میں کہ اُس کی اطاعت کو خالص بنانے والا ہوں پہلے کہا تھا کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں خالص اُسی کی عبادت کروں اور اب تعمیلِ حکم کے انداز میں فرمایا کہ میں تو اُسی کا اطاعت گزار بن کر خالص اُسی کی عبادت

کرتے والا ہوں، اور اپنے قول، فعل یا عمل میں کسی طرح بھی عبادت الٰہی میں شرک یا ریا کی آمیزش نہیں کرتا۔ پھر خود اقرار کرنے کے بعد دوسروں کو فرمایا فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ تم اللہ کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو، تمہیں کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ جو شخص مومنوں کے راستہ کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ (النساء - ۱۱۵) تو جدھر وہ جانا چاہتا ہے ہم اس کو اسی طرف کی توفیق دے دیتے ہیں مگر اس کا ٹھکانا بالانتہا جہنم ہوگا۔ ہم کسی کو ہاتھ سے پکڑ کر شرک یا کسی دیگر معصیت سے نہیں روکتے مگر اس پر انجام واضح کر دیتے ہیں۔ بہر حال فرمایا کہ تم جدھر چاہو جا سکتے ہو مگر میں تو خالص اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔

نقصان زدہ لوگ

اور ساتھ ساتھ اللہ نے تنبیہ کے طور پر اپنے نبی کی زبان سے یہ اعلان بھی کروا دیا قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ آپ ان سے یہ بھی فرما دیں کہ دراصل نقصان اٹھانے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی اور اپنے گھر والوں کی جانوں کو قیامت والے دن نقصان میں ڈالا، مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اس دنیا میں خود بھی کفر، شرک اور معاصی میں مبتلا رہے اور اپنے گھر والوں کو بھی اسی ڈگر پر چلاتے رہے، صحیح معنوں میں نقصان زدہ لوگ یہ ہیں۔ یہ سمجھتے رہے کہ ہم عرس وں میں شریک ہو کر، مزاروں پر چادریں چڑھا کر، غیر اللہ کی نذر و نیاز دے کر اور بدعات کو فروغ دے کر بڑے نیکی کے کام کرتے رہے ہیں جو قیامت والے دن ان کے کام آئیں گے، مگر اللہ نے فرمایا کہ ان کے یہی اعمال قیامت والے دن ریت کے ذرات کی طرح اڑ جائیں گے اور یہ خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔ سورۃ الکہف میں اللہ نے ایسے ہی نقصان زدہ لوگوں کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کیا ہم نہ بتلائیں تم کو کہ اعمال کے لحاظ سے خسارے میں پڑنے والے کون لوگ ہوں گے۔ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں اَلَّذِيْنَ ضَلَّ

سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (آیت۔ ۱۰۴) جنہوں نے دنیا کی زندگی میں غلط راستے پر چل کر اپنی ساری محنت کو ضائع کر لیا مگر سمجھتے یہ رہے کہ ہم بڑے نیکی کے کام کرتے رہے۔ فرمایا ایسے لوگ قیامت والے دن خود بھی نقصان اٹھانے والے ہوں گے اور اپنے گھر والوں کے لیے بھی نقصان کا باعث بنیں گے۔ اللہ کا حکم تو یہ تھا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم۔ ۶) لوگو! خود کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ مگر انہوں نے گھر والوں کو بھی کفر، شرک اور بدعات کے کاموں میں لگائے رکھا، لہٰذا قیامت والے دن اُن کے ساتھ ان کے گھر والے بھی نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔ اللہ نے کفارِ مکہ کے متعلق بھی فرمایا ہے وَاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ (ابراہیم۔ ۲۸) کہ یہ لوگ خود بھی جہنم واصل ہوئے اور اپنی قوم کے لوگوں کو بھی وہیں پہنچایا۔

فرمایا نقصان زدہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے قیامت والے دن اپنی اور اپنے گھر والوں کی جانوں کو نقصان میں ڈالا۔ اللہ نے انسان کو جان جیسی قیمتی پونجی دے کر دنیا میں بھیجا تھا تاکہ اس کے ذریعے ایمان اور اطاعت کما لے مگر اُس نے یہاں آکر اس پونجی سے کفر، شرک اور بدعات کو خرید ا اور خسارے میں پڑ گیا۔ منافقوں کے متعلق بھی فرمایا فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ (البقرہ۔ ۱۶) اُن کی اس تجارت نے انہیں کچھ نفع نہ پہنچایا اور وہ زندگی جیسی قیمتی پونجی گنوا بیٹھے۔ فرمایا اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ آگاہ رہو کہ یہی کھلا نقصان ہے، جس نے خود کو اور گھر والوں کو نذرِ آتش کر دیا، اس سے بڑا گھاٹا کیا ہو گا؟

فرمایا اس نقصان کا اثر یہ ہو گا لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ اُن کے لیے اُن کے اوپر بھی آگ کے سائبان ہوں گے، وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ اور اُن کے نیچے بھی ایسے ہی سائبان ہوں گے مطلب

یہ کہ اُن پر خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہوگا اور دوزخ کی آگ اُن کو ہر طرف سے گھیر لے گی۔ پھر ناصحانہ انداز میں فرمایا ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ اللہ تعالیٰ اُس چیز کے ذریعے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے اور فرماتا ہے يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ اے میرے بندو! مجھ سے ڈرتے رہو۔ کہیں تم اس عذاب میں مبتلا نہ ہو جانا، جس سے تمھیں آگاہ کر دیا گیا ہے۔

انابت الی اللہ والے لوگ

اب نقصان زدہ لوگوں کے برخلاف اہل اللہ کے متعلق فرمایا وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا اور وہ لوگ جنہوں نے طاغوت کی عبادت کرنے سے اجتناب کیا، اس کے داؤ میں نہیں آئے وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ اور طاغوت کی بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا لَهُمُ الْبُشْرٰى ایسے لوگوں کے لیے بشارت ہے فَبَشِّرْ عِبَادِ پس میرے بندوں کو بشارت سنا دیں کہ وہ کامیاب ہو جائیں گے۔ اور وہ بشارت کے مستحق کون لوگ ہیں اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ جو بات سنتے ہیں۔ یعنی ہر اچھی بُری بات اُن کے کانوں میں پڑتی ہے فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ مگر اُن میں سے پیروی صرف اچھی بات کی کرتے ہیں۔ فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ اور یہی ہیں جو صحیح معنوں میں عقل مند ہیں۔ دنیا کے اعتبار سے خواہ یہ کسی زمرہ میں آئیں۔ خدا کے نزدیک یہی صاحبِ عقل ہیں جنہوں نے طاغوت کی پوجا کو چھوڑ کر خالص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کیا۔

اِس آیتِ کریمہ میں طاغوت کی عبادت سے کنارہ کشی کا ذکر آیا ہے، تو طاغوت سے کیا مراد ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جبت کا معنی سحر اور طاغوت کا معنی شیطان ہے۔ امام ابن ہشامؒ اپنی سیرت میں لکھتے ہیں كُلَّمَا اَضَلَّ عَنِ الْحَقِّ فَهُوَ طَاغُوْتٌ یعنی جو بھی حق کے راستے سے گمراہ کرنے والی طاقت ہو، وہ طاغوت ہے۔ چنانچہ شیطان کے

علاوہ بعض انسان بھی طاغوت ہو سکتے ہیں جو لوگوں کو ایمان اور توحید کے راستے سے ہٹا کر غلط راستے پر ڈالتے ہیں۔ اس لحاظ سے بعض سلاطین اور ملوک بھی طاغوت ہیں جو ہمیشہ حق کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس فہرست میں امریکہ کا ریگن اور روس کا گوربا چوف بھی طاغوت ہیں۔ جو دین، مذہب، خدا کے وجود اور شرائع الٰہیہ کی مخالفت کرتے ہیں اور لوگوں کو باطل کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔

حسن اور احسن کی بحث

اس آیتِ کریمہ میں آمدہ لفظ اَحۡسَنَہٗ بھی قابلِ توجہ ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ ہدایت یافتہ اور صاحبِ عقل وہ لوگ ہیں جو ہر بات کو سنتے ہیں مگر اتباع احسن کا کرتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ احسن سے مراد اللہ کا حکم ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ لوگوں کو حکم دیں کہ وہ تورات کی احسن باتوں کا اتباع کریں۔ اس لحاظ سے اللہ کا دین، شریعت، کتابیں یا پیغمبر کا طریق کار سب احسن میں آتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ میں تو اللہ کی کتاب، نبی کی سنت اور شرائع الٰہیہ بھی آتی ہیں تو ان میں احسن اور غیر احسن کی تمیز کیسے ہو کہ بعض کا اتباع کیا جائے اور بعض کو چھوڑ دیا جائے؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ کے دین اور شریعت میں بھی بعض چیزیں حسن ہیں اور بعض اَحسن کا درجہ رکھتی ہیں، یعنی بعض باتیں اچھی ہیں اور بعض بہت اچھی ہیں۔ اس کی مثال یوں ہے کہ کسی شخص نے کسی دوسرے شخص کو نقصان پہنچایا تو نقصان زدہ کے لیے بدلہ لینا جائز ہے اور جائز کام حسن کہلاتا ہے۔ اگر وہ شخص بدلہ لینے کی بجائے زیادتی کرنے والے کو معاف کر دے تو وہ احسن کے درجے میں یعنی بہت اچھا فعل ہو گا، اور اس کے بدلے میں اُسے آخرت میں بہت بڑا اجر حاصل ہو گا۔ حسن اور احسن کی مثال اس طرح بھی دی جا سکتی ہے کہ ایک طرف عزیمت ہے اور دوسری طرف رخصت ہے۔ رخصت کو اختیار کرنا حسن ہے جب کہ عزیمت کو اختیار کرنا احسن ہے۔ مسافر کے لیے سفر کے دوران روزہ افطار کرنے کی رخصت ہے۔ اگر وہ روزہ نہیں رکھتا تو یہ جائز یا حسن ہے۔ اور اگر وہ رخصت کی بجائے عزیمت

کو اختیار کرتا ہے یعنی دوران سفر بھی روزہ رکھ لیتا ہے تو یہ احسن یعنی زیادہ بہتر ہے۔ اسی طرح کسی شخص کو نوافل بیٹھ کر پڑھنے کی رخصت ہے، مگر وہ کھڑا ہو کر ادا کرتا ہے تو یہ عزیمت اور احسن کے درجہ میں آئیگی۔ تو اللہ نے احسن چیز کو اختیار کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے۔

نیک اور بد کا انجام

ارشاد ہوتا ہے اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ بھلا وہ شخص جس پر عذاب کی بات ثابت ہوگئی ہے، یعنی اُس نے کفر، شرک اور معاصی کا ایسا راستہ اختیار کیا کہ اُس کے لیے اللہ تعالیٰ کا عذاب ثابت ہو گیا اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ تو کیا ایسے شخص کو آپ چھڑا لیں گے۔ جو دوزخ میں پڑ چکا ہے؟ جو آدمی اپنی ضد، عناد اور بداعمالی کی بدولت دوزخ کا مستحق ہو چکا ہے، اس کو آپ کیسے راہِ راست پر لا سکیں گے؟ مطلب یہ کہ ایسا شخص اب عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکتا۔

ہاں، ایسے شخص کے برخلاف لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، انہیں محاسبہ اعمال اور جزائے عمل کی فکر ہے، فرمایا لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ایسے لوگوں کے لیے بالاخانے ہوں گے جن کے اُوپر اور بالاخانے بنے ہوئے ہوں گے۔ ان رہائش گاہوں میں ضرورت کی ہر چیز مہیا ہوگی اور وہ وہاں نہایت آسائش کی زندگی گزار سکیں گے۔ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ان رہائش گاہوں کی ایک خوبی یہ بھی ہوگی کہ اُن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی وَعْدَ اللّٰهِ ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے وعدہ ہو چکا ہے۔ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا، بلکہ وہ اپنے بندوں کے حق میں اس وعدے کو ضرور پورا کرے گا۔ اُن کو اپنی رحمت کے مقام میں ہمیشہ کی زندگی عطا کرے گا۔ جہاں ہر قسم کا عیش و آرام میسر ہوگا۔ اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے دونوں گروہوں کا ذکر فرما دیا ہے اور ان کے انجام سے بھی آگاہ کر دیا ہے

اب یہ ہر شخص کا اپنا انتخاب ہے کہ وہ کس گروہ میں شامل ہو کر اپنی عاقبت کو کس طرح ڈھالنا چاہتا ہے۔

دنیا اور آخرت کی مثال

آگے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعے نیکی، بدی اور جزائے عمل کی بات سمجھائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا۔ بادل، ستارے، سیارے، فضا اور ہر بلند چیز کو آسمان سے تعبیر کیا جاتا ہے اور پھر بارش کے نزول میں عالم بالا سے آنے والا حکم خداوندی بھی شامل ہوتا ہے تو بارش نازل ہوتی ہے۔ تو فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان کی طرف سے بارش کی صورت میں پانی نازل فرمایا فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ پھر اس کو چشموں کی صورت میں زمین کے اندر چلا دیا۔ پہاڑوں پہ بارش نازل ہوتی ہے یا برف پگھلتی ہے تو اس کا کچھ پانی تو ندی نالوں کی صورت میں سطح زمین پہ بہ نکلتا ہے اور کچھ پانی زمین کے اندر ہی نالیوں کی صورت میں چل پڑتا ہے۔ پھر جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے چشموں کی صورت میں ابل پڑتا ہے۔ اور لوگ اسے پینے کے کام میں لاتے ہیں اور اس سے کھیتی باڑی بھی کرتے ہیں۔ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ پھر اس پانی کے ذریعے اللہ تعالیٰ مختلف رنگوں کی کھیتیاں اگاتا ہے ثُمَّ يَهِيجُ پھر وہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا اور تو دیکھتا ہے اس کو زرد ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطَامًا ۚ پھر اللہ تعالیٰ اس کو چورا چورا کر دیتا ہے۔ اس مثال سے مراد یہ ہے کہ جس طرح پانی ملنے پر کھیتی پیدا ہوتی ہے، پھر وہ پک کر اپنے عروج کو پہنچتی ہے اور پھر زرد اور خشک ہو کر چورا چورا ہو جاتی ہے، اسی طرح انسانی زندگی بھی عارضی ہے اس دنیا میں اس کو ایک وقت میں عروج بھی حاصل ہوتا ہے مگر بالآخر وہ اپنے انجام کو پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے اور اگلی دائمی زندگی کا پیش خیمہ بنتی ہے لہذا انسانوں کو چاہیے کہ وہ اس عارضی زندگی پہ مفتون ہونے کی بجائے دائمی

زندگی کی فکر کرے اور اس کے لیے زادِ راہ تیار کرے، نیز اس مثال سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ جس طرح فصل پک جانے پر اناج اور بھوسہ الگ الگ ہو جاتے ہیں، اسی طرح اگلے جہان میں نیکی اور بدی الگ الگ ہو کر سامنے آجائینگی اور انسان اپنے تمام اعمال و کردار کو دیکھ سکے گا۔

فرمایا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ بے شک اس مثال میں عقلمندوں کے لیے نصیحت ہے۔ انسانوں کو اس مثال پر غور و فکر اور اپنے اعمال و کردار کی اصلاح کرنی چاہیے۔ اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ، یہ دنیا بھی آخرت کی کھیتی ہے، جو کچھ یہاں پر بوئے گا وہی آگے کاٹے گا۔ لہٰذا اس دنیا کی زندگی میں آخرت کے لیے سامان پیدا کرنا چاہیے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى
نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ
مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٢﴾
اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا
مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ
رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ
اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ
مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ
هَادٍ ﴿٢٣﴾ اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْۗءَ الْعَذَابِ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا
كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٢٤﴾ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا
يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٥﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ
لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾

ترجمہ :- بھلا وہ شخص جس کے سینے کو اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے، پس وہ روشنی پر ہے اپنے پروردگار کی طرف سے، پس خرابی ہے اُن لوگوں کے لیے جن کے دل سخت ہیں اللہ کی یاد سے، یہی لوگ ہیں صریح گمراہی میں (۲۲) اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اتاری ہے بہترین بات کتاب آپس میں ملتی جلتی اور دہرائی ہوئی۔ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اس سے اُن لوگوں کے جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے۔ پھر نرم ہو جاتی ہیں اُن کی کھالیں اور اُن کے دل اللہ کے ذکر کی طرف۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ ہدایت دیتا ہے اس کے ساتھ جس کو چاہے۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے، پس نہیں ہے اُس کو کوئی ہدایت دینے والا (۲۳) بھلا وہ شخص جو بچے گا اپنے چہرے کے ساتھ بُرے عذاب سے قیامت کے دن، اور کہا جائے گا ظلم کرنے والوں کے لیے کہ چکھو جو کچھ تم کماتے تھے (۲۴) جھٹلایا ہے اُن لوگوں نے جو اِن سے پہلے گزرے ہیں۔ پس آیا اُن کے پاس عذاب ایسی جگہ سے جہاں سے ان کو خیال بھی نہیں تھا (۲۵) پس چکھائی اللہ تعالیٰ نے اُن کو رسوائی دنیا کی زندگی میں۔ اور البتہ عذاب آخرت کا بہت بڑا ہے، اگر اِن کو سمجھ ہوتی (۲۶)

شرح صدر اور تنگدلی کا تقابل

گزشتہ درس میں اللہ نے نیک و بد کا تقابل اور دونوں کا انجام بیان فرمایا تھا، اور اب اس درس میں بھی اللہ نے شرح صدر اور تنگدلی کا تقابل کر کے اُن کا انجام ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ

لِلْاِسْلَامِ بھلا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے۔ اُس کو اسلام کے اصول، قوانین اور احکام پورے طریقے سے سمجھ میں آ رہے ہیں اور اُسے کسی اصول و ضابطے میں ذرہ بھر بھی شک و شبہ نہیں، وہ اسلام کی ہر بات کو بخوشی قبول کر کے اُس پر عمل پیرا ہو جاتا ہے۔ اللہ نے اُس کے دل کو بصیرت سے لبریز کیا ہے اور وہ پورے اطمینان و سکون میں ہے فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ پس وہ اپنے رب کی طرف سے روشنی پر ہے۔ ایمان، اسلام اور اطاعت روشنی ہے اور اُس کے برخلاف کفر، شرک، بدعات اور معاصی تاریکیاں ہیں تو فرمایا ایک طرف تو شرح صدر والا آدمی ہے جو اپنے پروردگار کی طرف سے نور ایمان پر ہے، اور دوسری طرف سخت دل لوگ ہیں جو اللہ کے ذکر سے منہ موڑنے والے ہیں۔ یہ دونوں گروہ برابر نہیں ہو سکتے۔ فرمایا۔ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ پس ہلاکت اور خرابی ہے اُن لوگوں کے لیے جن کے دل اللہ کے ذکر سے سخت ہیں یہ ایسے لوگ ہیں جن کے دل میں نیکی کی کوئی بات داخل ہی نہیں ہوتی اور نہ ہی خدا تعالیٰ کی یاد نصیب ہوتی ہے۔ یہ لوگ اوہام، خیالات فاسدہ، قومی، ملکی اور خاندانی رسم و رواج میں ہی پڑے رہتے ہیں، حجاب طبع، حجاب رسم اور حجاب سوءِ معرفت کا شکار ہو کر شرک، کفر یا تشبیہ کے باطل عقیدہ میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اسلام کے اصولوں، قوانین اور احکام سے متعلق ہمیشہ شک و تردد میں پڑے رہتے ہیں۔ بھلا یہ دونوں قسم کے لوگ کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ اس مضمون کو اللہ نے سورۃ الانعام میں اس طرح بیان فرمایا ہے اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا (آیت۔۱۲۲) بھلا وہ شخص جو مردہ تھا یعنی کفر، شرک اور گمراہی میں مبتلا تھا، پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا یعنی گمراہی سے نکلنے اور ایمان قبول کرنے کی توفیق

بخشی۔ پھر ہم نے اُس کے لیے روشنی کا انتظام کر دیا یعنی ایمان، قرآن اور اسلام کی روشنی عطا فرمائی جس کے ذریعے وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے۔ یعنی کفر، شرک اور بدعات والے ماحول میں رہ کر صراطِ مستقیم پر چلتا ہے، تو کیا ایسا شخص اُس شخص کی طرح ہے، جو کفر، شرک، بدعات اور معاصی کی تاریکیوں میں دھکے کھا رہا ہے اور ان تاریکیوں سے نکلنے کی بھی کوئی راہ نہیں پاتا۔ ہرگز نہیں، یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

سنگدلی بہت بری چیز ہے جو کہ ضد، عناد، تعصب اور نافرمانی کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ اللہ نے بنی اسرائیل کی قساوتِ قلبی کے متعلق فرمایا ہے وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً (المائدۃ۔۱۳) ہم نے اُن کے دلوں کو سخت کر دیا کیونکہ وہ احکامِ الٰہی کی نافرمانی کرتے تھے اللہ کے نبیوں کو ستاتے تھے، اور اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے تھے، گناہوں کے اصرار پر دل کی نرمی سختی میں تبدیل ہو جاتی ہے جس سے انسان کی عقل اور فہم معکوس ہو جاتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ کہ وہ صریح گمراہی میں مبتلا ہیں۔ اِن کے دل خدا کی یاد سے سخت ہو چکے ہیں، یہ لوگ نورِ ایمان سے محروم ہیں۔ نیکی کی بات کو قبول نہیں کرتے، تو ایسے لوگ اس شخص کی طرح کیسے ہو سکتے ہیں جس کا دل اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے اور وہ اپنے رب کی طرف سے نورِ ہدایت پر ہے۔

قرآن بطور احسن الحدیث

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے بعض خواص بیان فرمائے ہیں ارشاد ہوتا ہے اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا اللہ تعالیٰ نے کتاب کی صورت میں بہترین بات اتاری ہے۔ احسن الحدیث سے قرآن پاک جیسی عظیم کتاب مراد ہے۔ ہم اکثر خطبہ جمعہ میں پڑھتے سنتے رہتے ہیں فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتٰبُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی بہترین بات اللہ

کی کتاب ہے اور بہترین نمونہ حضور علیہ السلام کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ عام محاورے میں بھی کہتے ہیں کَلَامُ الْمُلُوْكِ مُلُوْكُ الْكَلَامِ یعنی بادشاہوں کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے۔ گویا بادشاہِ وقت کے منہ سے نکلی ہوئی بات سب باتوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ملک الملوک یعنی شہنشاہوں کے شہنشاہ کی بات تو سب سے اعلیٰ وارفع ہوگی۔ تو یہ قرآنِ پاک اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ بہترین بات کتاب کی صورت میں نازل ہوئی ہے۔

اِس کتاب کی ایک صفت یہ ہے مُتَشَابِهًا کہ اس کی آیات آپس میں ملتی جلتی ہیں۔ دراصل متشابہ کے کئی معانی آتے ہیں۔ ایک معنیٰ تو یہ ہے جو ہم نے بیان کیا ہے یعنی باہم ملتی جلتی، اور دوسرا معنیٰ محکم کے مقابلے میں متشابہ آتا ہے اس کی مثال سورۃ آل عمران کی ابتدا میں موجود ہے۔ جہاں دونوں الفاظ آئے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ (آیت ۔ ۷) اس کتاب کی زیادہ تر آیتیں تو محکم یعنی مضبوط ہیں۔ جن کے الفاظ، معانی اور مطالب واضح ہیں، البتہ بعض آیات متشابہ ہیں جن کے الفاظ اور معانی تو معلوم ہیں مگر انسان کو اُن کی حقیقت تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ جیسے اللہ کا فرمان ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (طٰہٰ ۔ ۵) خدا تعالیٰ عرش پر مستوی ہے۔ بظاہر معانی تو سمجھ میں آتے ہیں مگر عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت کا ادراک انسانی عقل و فہم کے بس کا روگ نہیں۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کے ہاتھ، پاؤں، چہرے اور پنڈلی کا ذکر بھی آتا ہے، اور ہم ان الفاظ کے معانی بھی جانتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کے اِن اعضاء کو انسان یا کسی دیگر مخلوق کے اعضاء پر تصور نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے خدا تعالیٰ کی جسمیت اور جہت ثابت ہوتی ہے حالانکہ خدا تعالیٰ اِن چیزوں سے پاک ہے لہٰذا ایسی چیزوں پر ایمان لانا ہی کافی ہے کہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ، پاؤں، چہرہ یا پنڈلی ایسے ہی ہیں جیسے اُس کی شان کے لائق ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ کے

اعضاء کو مخلوق کے اعضاء پر قیاس کرے گا تو وہ اپنا عقیدہ خراب کر بیٹھے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے کہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ-۱۱) اُس جیسی کوئی چیز نہیں ہے کہ جس کے ساتھ اس کی مثال دی جا سکے۔ وہ بے مثل اور بے مثال ہے۔

متشابہ کا ایک معنیٰ یہ بھی ہے کہ قرآنِ پاک کے مضامین میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ اَلْقُرْاٰنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا قرآن پاک ایک ایسی کتاب ہے کہ جس کے بعض حصے بعض دوسرے حصوں کی تفسیر کرتے ہیں۔ اگر کسی ایک مقام پر اجمال ہے تو دوسرے مقام پر اُس کی تفصیل بھی ہے اگر کسی واقعہ کا ایک جزو ایک جگہ بیان ہوا ہے تو دوسرا جزو دوسری جگہ پر ہے، مطلب یہ کہ قرآن پاک کی آیات میں اختلاف یا تعارض نہیں بلکہ وہ ایک دوسری کے ساتھ ملتی جلتی ہیں۔

فرمایا، قرآن پاک کی تیسری خصوصیت یہ ہے مَثَانِيَ کہ اس کی آیات بار بار دہرائی جاتی ہیں یعنی اس کی تلاوت بکثرت کی جاتی ہے۔ چنانچہ آج دنیا میں کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس کی تلاوت اس قدر کثرت سے کی جاتی ہو جس قدر کثرت سے قرآنِ حکیم پڑھا جاتا ہے۔ اس کے معانی یا مطالب سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں، ہر ایمان دار اس کی تلاوت میں ہمیشہ لذت اور حلاوت محسوس کرتا ہے اس کی کثرتِ تلاوت کا یہ ایک بیّن ثبوت ہے کہ دنیا میں آج بھی اس کے لاکھوں حفاظ موجود ہیں جنہیں یہ کتاب لفظاً بلفظاً زبانی یاد ہے اور وہ اس کو ہمیشہ دہراتے رہتے ہیں۔

مثانی یعنی دہرانے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اس کی آیات میں اگر ایک طرف ترغیب کا مضمون آیا ہے تو ساتھ ہی ترہیب کا مضمون بھی آگیا ہے۔ اگر کسی مقام پر ایمان کے فضائل بیان ہوئے ہیں تو ساتھ ہی کفر کی قباحت بھی آ گئی ہے۔ توحید کا ذکر ہے تو ساتھ شرک کی تردید بھی ہے۔ جہاں اخلاص کا تذکرہ ہے وہاں نفاق کا رد بھی آگیا ہے اگر کسی جگہ دنیا کی بات کی گئی ہے تو ساتھ

عقبیٰ کا ذکر بھی آگیا ہے۔ کہیں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا تذکرہ ہے تو ساتھ عذاب کی وعید بھی ہے، جہاں جنت کا ذکر ہے وہاں دوزخ کی تفصیلات بھی بیان ہوئی ہیں۔ گویا اس لحاظ سے بھی قرآنِ کریم مثانی ہے کہ اس میں ہر چیز کو دہرایا گیا ہے

تلاوتِ قرآن کے اثرات

ارشاد ہوتا ہے تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ اپنے پروردگار سے ڈرنے والے جب تلاوتِ قرآنِ پاک سنتے ہیں تو اُن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تَقْشَعِرُّ کا معنیٰ خوف کی حالت میں بال کھڑے ہو جانا، کپکپی طاری ہو جانا ہے۔ یہ تلاوتِ قرآن کا اثر ہے۔ سورۃ المائدہ میں موجود ہے۔ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ (آیت۔۸۳) جب وہ رسول کی طرف نازل شدہ چیز کو سنتے ہیں تو آپ اُن کی آنکھوں کو اشکبار دیکھتے ہیں اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ ہر سلیم الفطرت انسان جو تعصب، عناد اور نجاست سے خالی ہو کر اللہ کی کتاب کو پڑھے گا۔ یا سنے گا اُس کے دل پر ضرور اس کا اچھا اثر پڑے گا حتیٰ کہ بعض اوقات آنسو بھی بہ جاتے ہیں۔ ہر آدمی کے لیے ہر سماعت پر تو ایسا ہونا لازمی نہیں ہے تاہم بعض اوقات خوف کی ایسی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ احادیث میں صحابہؓ کے متعلق بھی ذکر آتا ہے کہ جب وہ کلامِ الٰہی کو سنتے تو اُن کے آنسو بہ نکلتے تھے اس کے برخلاف جس کے دل میں ضد، عناد، تعصب اور نفاق ہو گا۔ اُس پر معکوس اثر ہو گا جیسا کہ فرمایا وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل ۸۲) یہ چیز ظالموں کے لیے مزید نقصان کا باعث بنتی ہے اور منافقوں کے لیے نجاست کو بڑھاتی ہے۔ ہاں۔ جس دل میں طہارت اور پاکیزگی ہو گی اُس پہ کتابِ الٰہی کا ضرور مثبت اثر ہو گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ جس دل میں خشیت ہو گی اور قساوت نہیں ہو گی، تو اس کی علامت یہ ہے اَلْاِنَابَةُ اِلٰى

دَارُ الْخُلُودِ اس کا دھیان اور توجہ آخرت کی طرف لگی ہوئی ہوگی اور اس کا دل دنیا کی زندگی سے کسی نہ کسی درجے میں اچاٹ ہوگا۔ ایسا شخص موت کے لیے ضرور تیاری کرے گا۔ بعض اوقات کمزور دل لوگوں پر غشی بھی طاری ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کے بارے میں آتا ہے کہ قیامت کا تصور کرکے آپ پر تین دفعہ غشی طاری ہوئی۔ بعض لوگ جب خدا تعالیٰ کی عظمت و جلال کا تصور کرتے ہیں تو اُن پر دہشت طاری ہو جاتی ہے۔

آثار میں آتا ہے کہ ایک موقع پر موسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کا ذکر کرکے کوئی نصیحت فرما رہے تھے کہ مجمع میں سے ایک شخص نے جوش میں آکر اپنا گریبان چاک کر ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر فوراً وحی نازل فرمائی کہ اس شخص کو بتلادیں کہ کرتا پھاڑ دینا کچھ معنی نہیں رکھتا بلکہ یہ تو اسراف میں داخل ہے۔ گریبان کو چاک کرنے کی بجائے اپنے دل کو چاک کرو تاکہ اس پر خشیت طاری ہو جائے۔ اگر جسم پر کوئی اثر نہ بھی ظاہر ہو تو کوئی حرج نہیں اگرچہ بعض پر ظاہری اثر بھی ہو جاتا ہے تاہم دل پر اثر کے نتیجے میں آنسو یا گریہ کا طاری ہو جانا بھی کافی ہے۔

فرمایا، اپنے پروردگار سے ڈرنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ پھر اُن کی کھالیں یعنی جسم اور دل اللہ تعالیٰ کی یاد کی طرف نرم یعنی مائل ہو جاتے ہیں اور وہ ہمیشہ اللہ کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں اللہ کی ناراضگی سے اُس کی گرفت میں نہ آجائیں۔ فرمایا ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ یہ اللہ کی ہدایت ہے، وہ جسے چاہے ہدایت سے نوازتا ہے۔ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے، اُس کو کوئی راہ دکھانے والا نہیں ہے۔

گمراہی میں مبتلا ہونے کے بھی بعض اسباب ہوتے ہیں۔ یہ انسان کی ضد، عناد تعصب اور استعداد کی خرابی ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی دستگیری

نہیں ہوتی اور انسان گمراہی کے گڑھے میں جاگرتا ہے۔ ایسے شخص کو پھر ایمان کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔

نیک و بد میں تفریق

آگے نیک و بد کا تقابل کرتے ہوئے فرمایا ہے اَفَمَنْ یَّتَّقِیْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ بھلا وہ شخص جو قیامت والے دن بچے گا اپنے چہرے کے ساتھ بُرے عذاب سے، کیا وہ ان لوگوں کے برابر ہوگا جو خدا تعالیٰ کے انعام و اکرام میں ہوں گے۔ چہرے کے عذاب کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان پر کوئی تکلیف آتی ہے تو وہ اپنے چہرے کو بچانے کے لیے ہاتھوں کو ڈھال کے طور پر استعمال کرتا ہے مگر قیامت والے دن ہاتھ تو جکڑے ہوئے ہوں گے لہٰذا بُرا عذاب براہِ راست اُس کے چہرے پر پڑے گا جس سے وہ بچنے کی کوشش کرے گا۔ مطلب یہ کہ جس شخص پر عذاب نازل ہو جائے گا وہ اللہ کے پسندیدہ شخص کی طرح تو نہیں ہو سکتا جو ہر طرح سے عیش و آرام میں ہوگا۔ اور اللہ کی طرف سے اُس کی عزت افزائی ہوگی۔ فرمایا وَقِیْلَ لِلظّٰلِمِیْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ اس دن ظلم کرنیوالوں سے کہا جائے گا کہ آج اپنے کیے کا مزا چکھو۔ دنیا میں کی ہوئی کمائی تمہارے سامنے ہے، اب منہ پر پڑنے والے تھپیڑوں کو برداشت کرو۔

ارشاد ہوتا ہے كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ نزولِ قرآن کے زمانے کے مکذبین سے پہلے بھی لوگ اللہ کے رسولوں اور اس کی کتابوں کو جھٹلا چکے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ان کے پاس ایسی جگہ سے عذاب آیا کہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ اُن کی ہلاکت ایسے طریقے اور ایسے ذریعے سے واقع ہوئی جس کے متعلق وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے، پھر کیا ہوا۔ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْیَ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا اللہ نے ان کو دنیا میں بھی رسوائی کا مزا چکھایا، کہیں شکست ہوئی، زلزلہ اور طوفان آیا یا شکلیں تبدیل کر دی گئیں وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ

اور آخرت کا عذاب تو بہر حال بہت بڑا ہے جو دائمی ہے۔ دنیا میں تو بعض جرائم کی پوری سزا نہیں مل سکتی، البتہ جب قیامت برپا ہوگی تو دنیا میں کیے گئے ذرے ذرے کا حساب ہو کر پوری پوری سزا ملے گی۔ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ اگر ان کو کچھ سمجھ ہوتی تو یقیناً یہ ایسا عقیدہ اور عمل اختیار نہ کرتے جو ان کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں سخت عذاب کا باعث بنتا۔ کاش یہ اس حقیقت کو جان لیتے تو آخرت میں چہرے پر پڑنے والے عذاب سے آج بچنے کی کوشش کرتے۔

درس ششم ۶ آیت ۲۷ تا ۳۱

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ
مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا
غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾ ضَرَبَ
اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَاۗءُ مُتَشٰكِسُوْنَ
وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾
اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ
ع ۳/۱۰/۱۷ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾ ع

ترجمہ:- اور البتہ تحقیق ہم نے بیان کی ہیں اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں، تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں ﴿۲۷﴾ یہ قرآن عربی زبان میں ہے جس میں کسی قسم کی کجی نہیں ہے، تاکہ یہ لوگ بچ جائیں ﴿۲۸﴾ اللہ نے بیان کی ہے مثال ایک شخص کی جس میں کئی شریک ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ ضد کرتے ہیں، اور ایک شخص پورے کا پورا دوسرے شخص کے لیے ہے کیا یہ مثال میں برابر ہیں۔ سب خوبیاں اللہ کے لیے ہیں، مگر ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے ﴿۲۹﴾ بیشک آپ بھی مرنے والے ہیں، اور بیشک یہ لوگ بھی

مرنے والے ہیں (۳۰) پھر تم قیامت والے دن اپنے پروردگار
کے پاس جھگڑا کرو گے (۳۱)

ربط آیات

شرک کی تردید کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایمانداروں کے انجام اور ان کو ملنے والے انعام واکرام کا ذکر فرمایا۔ نیز مختصر طور پر مشرکوں اور کافروں کی سزا کو بیان فرمایا کہ یہ لوگ دنیا میں بھی ذلت ورسوائی کا سامنا کریں گے اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہو گا۔ فرمایا یہ لوگ محض غفلت اور بیوقوفی کی بنا پر ایمان اور وحدانیت کا انکار کرتے ہیں، وگرنہ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن کریم نازل فرما کر ہر طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی ہے اور اس سلسلے میں مختلف قسم کی مثالیں بھی بیان فرمائی ہیں اگر اب بھی یہ لوگ نہیں مانتے تو یہ ان کی اپنی حماقت ہے قرآن نے تو توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کو مثالوں کے ذریعے واضح کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی مقصد یہ ہے کہ لوگ حقیقت کو پالیں اور غور و فکر کر کے اپنے انجام کو بہتر بنالیں۔

معجز قرآن

اب آج کے درس میں اللہ نے پہلے قرآن حکیم کی حقانیت اور اس کے اعجاز کا ذکر کیا ہے۔ پھر شرک اور توحید کی بات ایک مثال کے ذریعے سمجھائی ہے اور آخر میں کفار ومشرکین کے ایک طعنہ کا جواب دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ اور البتہ تحقیق ہم نے لوگوں کے استفادہ کے لیے قرآن پاک میں ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں۔ ضرب کے مختلف معانی آتے ہیں جن میں مارنا، سفر کرنا اور بیان کرنا شامل ہیں۔ تاہم اس مقام پر بیان کرنا ہی موزوں معنیٰ ہے۔ بعض اوقات کوئی مشکل بات عام تقریر کے ذریعے سمجھ میں نہیں آتی اور اگر اس کی کوئی مثال بیان کر دی جائے تو بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے۔ قرآن پاک پر ایک عمومی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت سی مثالیں بیان کی ہیں جن میں منافقین اور کفار کے طرز عمل کی مثالیں ہیں، کفار کے انفاق کی

مثال ہے۔ شرک کے بودا پن کی مثال ہے، نورِ خداوندی کی مثال بیان کی گئی ہے، حق و باطل، دنیوی زندگی، علمائے یہود، مومن اور کافر، کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ وغیرہ کی مثالیں بھی موجود ہیں۔ آج کے درس میں بھی ایک مالک اور متعدد مالکوں کے غلام کی مثال بیان کی گئی ہے۔ اِن مثالوں کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنے اعتقاد ایمان اور توحید کو درست کرلیں، شرک اور کفر کی قباحت جان لیں اور پھر صراطِ مستقیم پر گامزن ہو کر اپنی عاقبت کو سنوار لیں۔ مطلب یہ ہے لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ کہ یہ لوگ نصیحت حاصل کرلیں۔ اگر بیان کردہ مثال اِن کی سمجھ میں آگئی تو اپنی حالت کو درست کر کے بچ جائیں گے ورنہ ابدی جہنم تو اُن کے لیے تیار ہے۔

فرمایا جس قرآن میں ہم نے مثالیں بیان کی ہیں وہ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا عربی زبان میں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جس پیغمبر آخر الزمان پر یہ قرآن نازل ہوا اور جو قوم اس کی اولین مخاطب بھی وہ سب عرب تھے اور عربی زبان بولتے تھے، اس لیے اللہ نے اپنا آخری کلام بھی اسی زبان میں نازل فرمایا۔ سورۃ حٰمٓ سجدۃ میں ہے۔ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ (آیت ۔ ۴۴) اگر ہم اس قرآن کو عجمی (غیر عربی) زبان میں نازل کرتے تو یہ لوگ اعتراض کرتے کہ اسے ہماری زبان میں کھول کر کیوں نہیں بنایا گیا۔ لہٰذا اللہ نے اس کو عربی زبان میں نازل فرمایا۔

اور پھر اس قرآن کی ایک صفت یہ ہے غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ کہ اس میں کوئی کجی یا ٹیڑھا پن نہیں ہے بلکہ بالکل صاف صاف اور سیدھی سیدھی باتیں ہیں جو ہر فطرتِ سلیمہ اور عقلِ سلیم رکھنے والوں کو آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہیں۔ اس قرآن میں نہ کوئی اختلاف ہے، نہ خرابی، نہ تعارض اور نہ کوئی خلافِ واقعہ بات ہاں اگر کسی شخص کا اپنا دماغ ہی مختل ہو تو پھر اُس کو ہر چیز ٹیڑھی ہی نظر آئے گی۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں ہے۔ سورۃ الکہف کی ابتدا

میں اللہ نے فرمایا ہے کہ سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ کتاب نازل فرمائی اور اس کو ٹیڑھا نہیں بنایا بلکہ قَیِّمًا یعنی بالکل درست اور صحیح بنایا ہے جس کی ہر بات واقعہ کے مطابق ہے۔ اس میں کوئی خرابی نہیں ہے پھر جس ماحول میں یہ قرآن نازل ہوا ہے، وہ لوگ اہلِ زبان تھے اور قرآن کی فصاحت وبلاغت سے بخوبی آگاہ تھے۔ مگر قرآن کا اعجاز محض عبارت کی موزونیت اور اس کی فصاحت وبلاغت کی بناء پر نہیں بلکہ یہ کتاب اپنے علوم ومعارف، تعلیم نظام، قانون اور صحیح صحیح نقشہ کشی کے اعتبار سے بھی معجزہ ہے۔ قرآن نے دنیا بھر کے عربوں اور غیر عربوں کو چیلنج کر رکھا ہے کہ اگر تمہیں اس کی صداقت میں کچھ شک ہے تو اس جیسی ایک سورۃ ہی بنا کر لے آؤ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ (البقرہ ۲۳) مگر آج تک کوئی بھی اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکا۔ فرمایا ہم نے اس قرآن کو ان تمام خوبیوں کے ساتھ اس لیے نازل فرمایا ہے لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ تاکہ لوگ برے انجام سے بچ جائیں، اپنے عقیدہ وعمل کی اصلاح کر لیں اور اپنی فکر کو صحیح بنا لیں

شرک اور توحید کی مثال

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی قباحت کو ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان کرتا ہے رَّجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ ایک آدمی یعنی غلام ایسا ہے جس کی ملکیت میں کئی مالک شریک ہیں۔ مُتَشَاكِسُونَ وہ آپس میں ضد بازی بھی کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بعض جھگڑالو قسم کے مالکوں کا ایک مشترک غلام ہے۔ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ اور ایک غلام ایسا ہے جو مکمل طور پر ایک ہی شخص کی ملکیت میں ہے۔ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا کیا یہ دونوں غلام برابر ہو سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ دونوں یکساں نہیں ہو سکتے۔ جس غلام کے کئی مالک ہیں اور وہ ہیں بھی ضدی اور جھگڑالو تو ظاہر ہے کہ ہر مالک غلام سے زیادہ سے زیادہ خدمت لینے کی کوشش کرے گا، اور اس طرح وہ مختلف

مالکوں کی کھینچا تانی کا شکار ہو کر سخت مصیبت میں گرفتار ہوگا۔ اور دوسری طرف وہ غلام ہے جو ایک ہی مالک کی خدمت پر مامور ہے اور وہ اسی ایک کی طرف پوری توجہ دے کر اُس کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔ ایسا غلام پہلے غلام سے بہت آرام میں ہوگا اور اُسے کوئی پریشانی بھی لاحق نہیں ہوگی۔ اس مقام پر شاہ عبدالقادر دہلویؒ لکھتے ہیں کہ ایک غلام جو کئی مالکوں کا ہوگا، اُس کو کوئی بھی اپنا نہیں سمجھے گا اور نہ ہی اُس کی پوری طرح خبر گیری کرے گا، اس لیے وہ ہمیشہ تکلیف میں رہے گا اور دوسری طرف وہ غلام ہے جو سارے کا سارا ایک ہی مالک کا ہے وہ شخص اُس کو اپنا سمجھتا ہے اور اس کی خبر گیری بھی پورے طریقے سے کرتا ہے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہی مثال ایک موحد اور مشرک کی ہے۔ ایک رب تعالیٰ کو پوجنے والوں کو اطمینان اور سکون حاصل ہوگا۔ جب کہ کئی معبودوں کے پجاری ہمیشہ پریشان ہی رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مثال کے ذریعے توحید کی سعادت اور شرک کی قباحت بیان فرما دی ہے۔ اسی وضاحت کے بعد فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو ہر طرح کی مثالیں بیان کر کے مسئلہ کو سمجھا دیتا ہے۔ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ مگر افسوس کا مقام ہے کہ لوگوں کی اکثریت بے سمجھ ہے جو اس قدر واضح حقائق کو بھی سمجھنے سے قاصر ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ شقی اور بدبخت ہی ہو سکتے ہیں جو اپنے انجام بد کو پہنچ کر رہیں گے وگرنہ اللہ تعالیٰ نے تو بات کو سمجھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

موت لازم ہے

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شرک کی تردید میں معبودانِ باطلہ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا تو مشرکین سخت برہم ہوئے۔ کہنے لگے یہ شخص نیا دین لے آیا ہے جو ہمارے عقیدے خراب کر رہا ہے، اس نے ہمارے درمیان اختلافات پیدا کر دیے ہیں۔ پھر حضور علیہ السلام کو تبلیغ حق اور بتوں کی قباحت بیان کرنے سے منع کرتے، مگر جب آپ اُن کی باتوں میں نہ آتے اور اپنے مشن کو جاری

رکھتے تو وہ لوگ کہتے اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ (الطور - ۳۰) کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کا نبی شاعر ہے، اور ہم اس کے حق میں زمانے کے حوادثات کا انتظار کر رہے ہیں۔ جونہی یہ شخص موت سے ہمکنار ہو گا اس کا سارا دھندا اور تبلیغ خود بخود ختم ہو جائے گی، پھر ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہنے والا کوئی نہ ہو گا۔ لہٰذا اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو اور کچھ عرصہ کے لیے اس کی موت کا انتظار کرو۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ بے شک آپ بھی موت کا پیالہ پینے والے ہیں اور یہ لوگ بھی مرنے والے ہیں، مرنا تو سب کو ہے۔ یہ بدبخت آپ کی موت کا انتظار جب کریں جب اِن کو نہ مرنا ہو۔ لہٰذا اِن کی یہ بات لایعنی ہے۔ موت عامہ کے متعلق تو اللہ نے بار بار فرمایا ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (الانبیاء - ۳۵) موت کا مزا تو ہر ذی روح کو چکھنا ہے خواہ وہ کافر ہو یا مومن، مخلص ہو یا منافق نیک ہو یا بد، کوئی بھی اس سے بچ نہیں سکتا۔ دوسرے مقام پر اللہ نے اس مسئلہ کی یوں وضاحت فرمائی اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ (انبیاء - ۳۴) اگر آپ موت کی آغوش میں چلے جائیں گے تو کیا یہ ہمیشہ اس دنیا میں رہیں گے، نہیں، بلکہ اِن کو بھی مرنا ہے، لہٰذا آپ کی موت کا انتظار ان کے لیے کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔

قیامت کے دن مخاصمت

فرمایا موت تو ہر ایک پر طاری ہوتی ہے۔ ہر انفرادی موت کو قیامت صغریٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور ایک دن مجموعی موت یعنی قیامت کبریٰ بھی واقع ہو گی۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ پھر اُس دن تم اپنے پروردگار کے پاس جھگڑا کرو گے۔ اس مخاصمت کی تفصیل میں حدیث میں بہت سی باتیں وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً حضور علیہ السلام کا فرمان ہے لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوْقَ اِلٰى اَهْلِهَا لوگوں کے حقوق ادا کرو ورنہ یہ حق قیامت والے دن خدا تعالیٰ کی عدالت میں دلائے جائیں گے۔ فرمایا اگر

دنیا میں کسی سینگ والی بکری نے بے سینگ بکری کو اذیت پہنچائی ہے تو قیامت والے دن اس مظلوم کا حق بھی دلوایا جائے گا۔ اُس دن ایک پڑوسی دوسرے کے خلاف اپنے حق کے لیے اللہ کی عدالت میں مقدمہ دائر کرے گا اور کہے گا کہ پروردگار! اس شخص نے مجھے ستایا، گالی گلوچ دی اور میرا حق غصب کیا، جو مجھے دلایا جائے۔ بیوی اور خاوند بھی آپس میں جھگڑیں گے۔ بیوی اپنے خاوند کے ظلم و زیادتی کی شکایت کرے گی اور خاوند اپنے حقوق کی عدم ادائیگی کی بات کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ قاتل اور مقتول کا تنازعہ بھی رب العزت کی بارگاہ میں پیش ہوگا۔ مقتول اپنے قاتل کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا دربارِ خداوندی میں لائے گا۔ اُس کے جسم سے خون ٹپک رہا ہوگا اور وہ مقدمہ پیش کرے گا، کہ مولا کریم! اس شخص نے ظلم و زیادتی کے ساتھ مجھے ناحق قتل کیا۔ اللہ تعالیٰ اس جھگڑے کا فیصلہ بھی فرمائیں گے۔ حضور کا یہ بھی فرمان ہے اَوَّلُ مَا یُقْضٰی بَیْنَ النَّاسِ فِی الدِّمَآءِ یعنی قیامت والے دن سب سے پہلے قتلِ ناحق کے فیصلے ہوں گے۔

ایک موقعہ پر حضرت زبیرؓ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا، کیا دنیا میں پیش آنے والے جھگڑے قیامت کو پھر پلٹ کر آئیں گے؟ آپ نے فرمایا، ہاں ہر چیز کے متعلق جھگڑے پیش ہوں گے۔ حضرت زبیرؓ نے کہا اِذًا لَشَدِیْدٌ پھر تو معاملہ بہت ہی دشوار ہوگا۔ آپ کا یہ بھی فرمان ہے کہ کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس مال و دولت اور روپیہ پیسہ نہ ہو۔ فرمایا قیامت والے دن مفلس آدمی وہ ہوگا جس کے تمام نیک اعمال ظلم و زیادتی اور ادائیگی حقوق کے سلسلے میں دوسروں کو تقسیم کر دیے جائیں گے۔ ظالم کی تمام نیکیاں ماسوائے ایمان ظلم کے بدلے میں مظلوم کو دے دی جائیں گی۔ اگر پھر بھی بدلہ پورا نہ ہوا تو پھر مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈال دیے جائیں گے۔ اور یہ شخص اس بوجھ کو لے کر جہنم میں داخل ہوگا۔

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ظالم حاکم کو بھی اللہ کی عدالت میں پیش کیا جائے گا۔

رعایا شکایت کریگی کہ اِس نے ہمارے ساتھ فلاں فلاں زیادتی کی، ہمارے حقوق ادا نہیں کیے یا ہمارے مال وجان کی حفاظت کی ذمہ داری پوری نہیں کی یا اس نے ظلم کو نہیں روکا۔ اس مقدمہ کے نتیجے میں ظالم حاکم مغلوب ہو جائے گا۔ اُس سے کوئی جواب بن نہیں پڑے گا، اور بالآخر اُسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انسان کی روح اور جسم بھی آپس میں جھگڑیں گے، روح کہے گی کہ اے فلاں تو نے اس جسم کے ساتھ فلاں فلاں گناہ کئے لہٰذا سزا کا مستحق تو ہے، مگر جسم کہے گا کہ فلاں برائی کا حکم تو تو نے ہی دیا تھا جس پر میں نے عمل کیا، لہٰذا سزا کا مستحق تو ہے۔ آپ نے ایک مثال کے ذریعے بات سمجھائی کہ ایک اندھا اور اپاہج ایک باغ کے قریب اکٹھے ہو گئے۔ وہ پھل چوری کرنا چاہتے تھے مگر اندھے کو نظر نہیں آتا ہے اور لنگڑا لولا چل کر نہیں جا سکتا۔ بالآخر انہوں نے فیصلہ کیا کہ اندھا آدمی معذور کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر باغ میں لے جائیگا اور اپاہج مگر بینا آدمی پھل توڑے گا تو فرمایا جس طرح یہ اندھا اور اپاہج دونوں مجرم ہیں، اسی طرح روح اور جسم دونوں کو مجرم ٹھہرا کر سزا دی جائیگی۔ الغرض! قیامت والے دن ہر شخص اپنا جھگڑا خدا تعالیٰ کی عدالت میں پیش کرے گا اور پھر سب کے قطعی فیصلے ہوں گے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ
بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى
لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٢﴾ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ
بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿٣٣﴾ لَهُمْ مَّا
يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣٤﴾
لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ
اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٣٥﴾
اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ
مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ
هَادٍ ﴿٣٦﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ
اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿٣٧﴾ وَلَئِنْ
سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ
كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ
مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ

يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿٣٨﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى
مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ج فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٩﴾
مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ
عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٤٠﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ
لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ج فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ج وَ
مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ج وَمَآ اَنْتَ
ع ٤ ١٠ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ع ﴿٤١﴾

ترجمہ :- پس اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ پہ جھوٹ بولا ، اور جھٹلایا سچی بات کو جب کہ اس کے پاس آگئی - کیا نہیں ہے جہنم ٹھکانا کفر کرنے والوں کا ﴿٣٢﴾ اور وہ شخص جو لایا ہے سچی بات اور تصدیق کی ہے اس کی ، یہی لوگ ہیں جو ڈرنے والے ہیں ﴿٣٣﴾ ان کے لیے ہو گا جو چاہیں گے ان کے پروردگار کے پاس - یہ بدلہ ہے نیکی کرنے والوں کا ﴿٣٤﴾ تاکہ معاف کر دے اللہ تعالیٰ ان سے وہ بُری بات جو انہوں نے کی ، اور بدلہ دے ان کو بہتر جو وہ کیا کرتے تھے ﴿٣٥﴾ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کفایت کرنے والا اپنے بندے کے لیے ، اور ڈراتے ہیں آپ کو ان سے جو اس کے سوا ہیں - اور جس کو اللہ گمراہ کر دے نہیں ہے اس کے لیے کوئی راہ دکھانے والا ﴿٣٦﴾ اور جس کو اللہ راہ دکھا دے ، پس نہیں ہے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا

کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ زبردست اور انتقام لینے والا (۳۷)
اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے
آسمانوں اور زمین کو تو یقیناً کہیں گے کہ اللہ نے۔ آپ
کہہ دیں، بتلاؤ جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا، اگر اللہ تعالیٰ
ارادہ کرے میرے بارے میں کوئی تکلیف پہنچانے کا
تو کیا یہ ہٹا سکتے ہیں اس کی تکلیف کو۔ یا ارادہ کرے
اللہ تعالیٰ مجھے رحمت پہنچانے کا تو کیا یہ روک سکتے ہیں
اس کی رحمت کو۔ آپ کہہ دیجئے کافی ہے میرے لیے
اللہ۔ اسی پہ چاہیئے کہ بھروسہ رکھیں بھروسہ رکھنے والے (۳۸)
آپ کہہ دیجئے، اے میری قوم کے لوگو! عمل کرو اپنی
جگہ پہ میں بھی عمل کرنے والا ہوں۔ پس عنقریب تم جان
لوگے (۳۹) کہ کس کے پاس آتا ہے عذاب جو اس کو رسوا
کر دے، اور کس پہ اترتا ہے ہمیشہ ٹھہرنے والا عذاب (۴۰)
بے شک ہم نے اتاری ہے آپ پر کتاب لوگوں
کے لیے حق کے ساتھ۔ پس جس نے ہدایت پائی تو اپنے
نفس کے لیے، اور جو گمراہ ہوا، پس بیشک وہ گمراہ ہوتا
ہے اسی پہ۔ اور نہیں ہیں آپ ان پہ کوئی کارساز (۴۱)

ربطِ آیات
گذشتہ درس میں اللہ نے توحید اور شرک کی مثال بیان فرمائی کہ ایک
غلام صرف ایک آقا کی ملکیت اور دوسرا کئی آقاؤں کا غلام ہے جو ہیں بھی
ضدی اور جھگڑالو۔ تو ظاہر ہے کہ ایک آقا والا غلام سکون و اطمینان میں ہوگا
جب کہ کئی آقاؤں کا غلام سخت مشکل میں ہوگا کیونکہ اُسے کئی مالکوں کے احکام
کی تعمیل کرنا ہوگی۔ اسی طرح مُوحد آدمی جو صرف ایک وحدہٗ لاشریک کو پکارتا
ہے وہ اطمینان میں ہوگا اور کئی معبودوں کا پرستار مشرک مشکل میں پھنس جائے گا

اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ قیامت والے دن تم سب اکٹھے ہوگے اور آپس میں جھگڑا کروگے، دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ کی گئی کمی بیشی وہاں دہرائی جائے گی اور ہر ایک کو اس کے عقیدے اور عمل کے مطابق بدلہ ملے گا۔

سب سے بڑا ظالم

آج کی ابتدائی آیات میں بھی کفار و مشرکین کا رد ہو رہا ہے۔ وہ لوگ حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت کو تسلیم نہیں کرتے تھے، بلکہ آپ کو نعوذ باللہ جھوٹا کہتے تھے اور ساتھ یہ بھی کہ اللہ نے آپ پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ اور جس نے سچی بات کو جھٹلا دیا جب کہ وہ اُس کے پاس آگئی۔ اللہ پر جھوٹ یہ باندھا کہ اُس نے کوئی چیز نازل نہیں کی ۔ نیز حضور نبی آخر الزمان علیہ السلام اور اللہ کے آخری کلام قرآن کی تکذیب کی جب کہ دونوں چیزیں اُن کے پاس آگئیں ۔ یہ دونوں سچی باتیں ہیں مگر اِن کو جھٹلا کر سب سے بڑے ظالموں میں شمار ہوگئے شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ العیاذ باللہ اگر نبی نے اللہ کا نام جھوٹ موٹ لیا ہے تو اُس سے بُرا کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر وہ سچا ہے، اور یقیناً سچا ہے مگر کفار و مشرکین نے اُس کو جھٹلایا ہے تو پھر اُن سے بُرا کوئی نہیں ہو سکتا۔ اللہ کا نبی کبھی غلط بیانی نہیں کر سکتا۔ اس کے برخلاف اُس کو جھٹلانے والے خود جھوٹے اور غلط کار ہیں۔ فرمایا یاد رکھو! اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ کیا یہ بات قطعی اور اٹل نہیں ہے کہ کفر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اس کو استفہامیہ انداز میں بیان کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کافر لوگ لازماً جہنم رسید ہوں گے۔ جھوٹا اور ظالم آدمی خدا تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔

سچائی کی قدر دانی

جھوٹ کے برخلاف آگے سچائی کا ذکر ہو رہا ہے وَالَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اور جو شخص سچی بات لایا اور اُس کی تصدیق کی بعض فرماتے ہیں کہ سچی بات لانے اور اُس کی تصدیق والا ایک ہی گروہ ہے

اور وہ انبیاء کرام ہیں۔ اور بعض فرماتے ہیں سچی بات لانے والے اور اُس کی تصدیق کرنے والے مختلف گروہ ہیں اور دونوں کی اللہ نے تعریف بیان کی ہے شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ وہ ذات جو سچ بات لے کر آئی ہے، وہ اللہ کا نبی ہے اور جنہوں نے اُس سچی بات کی تصدیق کی ہے۔ وہ مومن ہیں۔ گویا دونوں جملوں کے مصداق الگ الگ ہیں۔ اللہ کے نبی کے اولین مصداق بالغ مردوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، عورتوں میں حضرت خدیجہؓ، غلاموں میں حضرت زیدؓ اور بچوں میں حضرت علیؓ ہیں۔ تو فرمایا کہ جو سچی بات لایا اور جس نے اُس کی تصدیق کی أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ وہ سب متقی ہیں یعنی خدا تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ متقی کی تفسیر میں فرماتے ہیں إِتَّقُوا الشِّرْكَ سب سے پہلے شرک سے بچو، پھر کبیرہ گناہوں سے اور پھر درجہ بدرجہ صغائر سے۔ جس شخص کا عقیدہ گمراہ کن ہوگا، وہ متقی نہیں ہو سکتا۔ بہر حال فرمایا کہ جو سچ کو لائے اور جنہوں نے اُس کی تصدیق کی لَهُم مَّا يَشَاءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ان کے لیے اُن کے پروردگار کے ہاں ہر وہ چیز ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے۔ ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ نیکی کرنے والوں کا یہی بدلہ ہے۔ اور اس کا اثر یہ ہوگا لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے سرزد ہونے والی بُری بات کو معاف کر دے وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ اور تاکہ اللہ تعالیٰ اُن کے اچھے اعمال کا اُن کو بہتر بدلہ دے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے متقین کے لیے بشارت بھی سنا دی۔

غیر اللہ کا خوف

مشرک لوگ نبی علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو کہتے تھے کہ تم ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہتے ہو، اس سے باز آجاؤ۔ ورنہ یہ تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔ اس طرح گویا وہ اہلِ ایمان کو اپنے معبودانِ باطلہ سے خوفزدہ کرتے تھے۔ مگر اللہ نے فرمایا أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں، یعنی وہ اس کی مدد کرنے پر قادر نہیں۔ فرمایا وہ یقیناً اپنے بندے کے

لیے کافی ہے۔ وہ ضرور اُس کی مدد کرے گا اور ہر شر سے محفوظ رکھے گا۔ حالانکہ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِن دُونِهِ یہ آپ کو اُن سے ڈراتے ہیں جو اللہ کے سوا دوسرے ہیں اور جن کو کچھ اختیار نہیں کہ وہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکیں۔ ایسے لوگ یقیناً گمراہ ہیں اور اللہ کا فیصلہ یہ ہے وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ اُس کی ضد، عناد اور سوءِ استعداد کی بنا پر گمراہ کر دے، اُس کو کوئی راہِ راست دکھلانے والا نہیں ہے۔ اس کے برخلاف وَمَن يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن مُّضِلٍّ اور جس کو اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم کی ہدایت دے دے، اس کو گمراہ کوئی نہیں کر سکتا فرمایا أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ ذِي انتِقَامٍ کیا اللہ تعالیٰ کمالِ قدرت کا مالک غالب اور انتقام لینے والا نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ضرور ہے۔ وہ مکذبین کو انتقام لیے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ بلکہ انہیں اُن کی کارکردگی کی ضرور سزا دے گا۔

معبودانِ باطلہ سے ڈرانے کا سلسلہ پہلی اقوام میں بھی موجود تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے بھی آپ سے کہا تھا إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ (ہود-۵۴) میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی اس بات کے گواہ رہو کہ میں تمہاری تمام شرکیہ باتوں سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں۔ تم جو تدبیر کرنا چاہتے ہو کر لو، اور مجھے مہلت بھی نہ دو۔ میرا بھروسہ اللہ کی ذات پر ہے جو میرا پروردگار ہے، اور میں تو یہی کہتا ہوں کہ زمین پر چلنے پھرنے والے تمام جانداروں کی پیشانی میرے پروردگار کے ہاتھ میں ہے مطلب یہ ہے کہ مجھے ڈرانے کی بجائے ڈرنا تو تمہیں چاہیئے تھا اس مالک الملک سے جو بااختیار اور قدرتِ تامہ کا مالک ہے۔ تم اُس کو چھوڑ کر مخلوق کی پوجا کرتے ہو جو بے اختیار ہے۔ تو یہاں پر حضور علیہ السلام کے متعلق بھی فرمایا کہ یہ لوگ آپ کو ماسوا اللہ سے ڈراتے ہیں۔ فرمایا کیا آپ کے لیے اللہ کافی نہیں

ہے۔ جو ان سب سے نپٹ لے گا۔

خالق حقیقی کی پہچان

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بعض عقلی دلائل کے ذریعے اپنی توحید کو سمجھایا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا، تو یقینی بات ہے لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ کہ کہیں گے کہ اللہ ہی نے ان کو پیدا کیا ہے۔ جب ہر چیز کا خالق حقیقی اللہ ہے تو پھر تم اُس کے ساتھ دوسروں کو کیوں شریک بناتے ہو۔ اگر اللہ کے سوا خالق کوئی نہیں تو پھر وہ معبود کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر آگے ایک دوسرے طریقے سے یہی بات سمجھائی ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں۔ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ بھلا دیکھو تو کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہارے کس کام آسکتے ہیں اور اللہ کے مقابلے میں اُن کی کیا حیثیت ہے؟۔ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اگر خدا تعالیٰ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا ان میں سے کوئی ہے جو میری اس تکلیف کو دور کر سکے؟ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ یا اگر خدا تعالیٰ مجھ پر اپنی کوئی مہربانی کرنا چاہے۔ تو کیا یہ معبودانِ باطلہ اس رحمت کو روکنے پر قادر ہیں؟ ظاہر ہے کہ دونوں سوالوں کا جواب نفی میں ہے نہ کوئی اللہ کی بھیجی ہوئی مصیبت کو دور کر سکتا ہے اور نہ اس کی رحمت کے راستے میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ اگر یہ بات ہے تو پھر اُن کی عبادت کیوں؟ اُن کی نذر و نیاز کیسی اور تکلیف کے وقت اُن کو پکارنے کا کیا فائدہ؟ حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے وہی کسی کی تکلیف کو رفع کر سکتا ہے، ہر چیز کا مالک، مختار اور مدبر وہی ہے لہٰذا اس کے سوا کسی کو پکارنا محض جہالت اور ارتکاب شرک ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اُن کو نصیحت کی تھی اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ اللّٰهُ تم دل میں اللہ کا خیال کرو، اللہ

تمھاری حفاظت کرے گا۔ تم اللہ کو یاد رکھو تَجِدْهُ تُجَاهَكَ تم اُسے اپنے سامنے پاؤ گے۔ فرمایا تَعَرَّفْ اِلَى اللّٰهِ فِي الرَّخَاءِ يَعْرِفْكَ فِي الشِّدَّةِ تم اللہ کو خوشحالی کی حالت میں پہچانو۔ وہ تمھیں تنگی کے وقت پہچانے گا۔ اگر تم نے آسودگی میں اُس کو یاد نہیں رکھا تو وہ تنگدستی میں تمھاری طرف توجہ نہیں فرمائے گا۔ پھر فرمایا اِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ جب بھی سوال کرو اللہ سے کرو اور جب بھی مدد طلب کرو تو اللہ سے، اور یقین جان لو کہ اگر ساری مخلوق بھی اکٹھی ہو جائے تو اللہ کی طرف سے تمھارے لیے مقرر کردہ چیز تمھیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اور جو چیز اللہ نے تمھارے مقدر میں نہیں کی، یہ سارے مل کر بھی تجھے کوئی نفع پہنچانے پر قادر نہیں۔ فرمایا صحیفے خشک ہو چکے، قلمیں اٹھالی گئیں، یقین اور شکر کے ساتھ نیک اعمال انجام دیتے رہو، تکلیفوں میں صبر کرنے پر بڑی نیکیاں ملتی ہیں۔ رنج و غم کے ساتھ ہی خوشی اور فراخی ہے، اور ہر سختی اپنے اندر آسانی کو لیے ہوئے ہے۔

توکل علی اللہ

ارشاد ہوتا ہے قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ آپ کہہ دیں کہ میرے لیے اللہ ہی کافی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہر مشکل وقت میں وہی میری مدد کرے گا عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ بھروسہ رکھنے والے صرف اُسی کی ذات پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی فرمایا مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّكُوْنَ اَقْوَى النَّاسِ فَلْيَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ جو شخص لوگوں میں طاقتور بننے کا خواہشمند ہے اسے چاہیے کہ وہ اللہ پر بھروسہ رکھے کیونکہ قوت کا سرچشمہ اُسی کی ذات ہے۔ اور جو شخص مستغنی ہونا چاہتا ہے، اُس کا فرض ہے کہ اللہ کی مقبوضہ چیز پر اعتماد رکھے اور اپنی مقبوضہ چیز پر اعتماد نہ رکھے۔ اور جو شخص چاہتا ہے کہ اُسے لوگوں میں عزت حاصل ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اللہ سے ڈرتا رہے۔ بہر حال فرمایا کہ آپ کہہ دیں کہ میرے لیے اللہ کافی ہے اور بھروسہ کرنے والے اُسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

جزائے عمل کا انتظار

پھر آگے جزائے عمل کے متعلق ارشاد ہوتا ہے قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ تم اپنی جگہ پر کام کرتے رہو اِنِّیْ عَامِلٌ میں اپنے مقام پر کام کرتا ہوں۔ پھر اپنے اور میرے اعمال کے متعلق فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ تم عنقریب ہی جان لو گے کہ کس کا عمل درست تھا اور کس کا غلط تھا۔ اور پھر اس کے نتیجے میں تمہیں اس بات کا بھی علم ہو جائے گا مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ کہ رسوا کر دینے والا عذاب کس کے پاس آتا ہے وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ اور ہمیشہ رہنے والا عذاب کس کے حصے میں آتا ہے مطلب یہ کہ تمہیں جلدی ہی پتہ چل جائے گا، صرف مرنے کی دیر ہے معلوم ہو جائے گا۔ کہ اللہ کی گرفت میں کون آتا ہے۔ تم اس آنے والے وقت کا انتظار کرو۔

آگے اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کے بنیادی مضامین میں قرآن کریم کی حقانیت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ بے شک ہم نے یہ کتاب لوگوں کے لیے آپ پر حق کے ساتھ اتاری ہے اس میں لوگوں کے لیے ہدایت اور فائدہ ہے۔ اللہ نے یہ کتاب نبی اور اس کی قوم کی زبان میں نازل فرمائی ہے کہ وہ لوگ اس کے پروگرام کو بخوبی سمجھ سکیں، نیکی اور بدی میں امتیاز پیدا کریں صحیح اور غلط کو پہچانیں، اور اس پر عمل پیرا ہو کر اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخرو ہو جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس کتاب کا فائدہ اسی صورت میں ہو گا۔ جب کہ اس کے پروگرام پر عمل کیا جائے گا، محض تلاوت ہی مفید نہیں ہو گی، بلکہ اپنی فکر و عمل کو بھی اس کے مطابق بنانا ہو گا۔

ہدایت اور گمراہی

اب رہی یہ بات کہ اس پروگرام کو اپنانے کا فائدہ کس کو ہو گا۔ تو فرمایا فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ جس نے اس کتاب کے ذریعے

ہدایت پائی اور وہ راہِ راست پر چل نکلا تو یہ اس کے اپنے ہی فائدے کے لیے ہے اس کو ترقی نصیب ہوگی، اللہ کا قرب حاصل ہوگا اور وہ آخرت میں سزا سے بچ جائے گا۔ اس کے برخلاف وَمَنْ ضَلَّ جو شخص گمراہ ہو گیا، صحیح راستے سے بھٹک گیا، اس نے توحید کی بجائے شرک و کفر اور نیکی کی بجائے بدی کو اختیار کیا فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا تو اس گمراہی کا نقصان بھی خود اسی کی ذات کو ہوگا۔ اور بالآخر وہی جہنم کا شکار بنے گا۔ کسی کے بے راہ ہونے سے معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کا تو کچھ نقصان نہیں ہوگا۔ اس کی شان میں تو کوئی کمی واقع نہیں ہوگی، بلکہ اس کا نقصان خود گمراہ شخص کو ہی ہوگا، لہٰذا اسے اچھا یا برا راستہ اختیار کرتے وقت اس کے انجام کو خوب ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔

باقی رہ گئی یہ بات کہ لوگوں کی گمراہی کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پر کیا اثر پڑ سکتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرما دی وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ آپ ان پر کوئی ذمہ دار تو نہیں ہیں کہ ان کو ضرور ہی جنت میں پہنچانا ہے، آپ کا کام تو اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلٰغُ (المائدۃ - ۹۹) آگے ماننا یا نہ ماننا ان کا کام ہے اور یہی اپنے عمل کے ذمہ دار ہیں اگر یہ لوگ اپنی ضد، عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے انکار کر کے دوزخ کا ایندھن بنتے ہیں وَلَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحٰبِ الْجَحِيمِ (البقرہ - ۱۱۹) تو اس کے متعلق آپ سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی، بلکہ خود ان سے سوال ہوگا کہ تم جہنم میں کیوں آئے۔ یہ خود جواب دیں گے کہ ہم نے توحید کا انکار کیا، نماز نہ پڑھی حقوق ادا نہ کیے، قیامت کو جھٹلایا، غرضیکہ اپنے جرائم کا خود اقرار کریں گے آپ سے اس معاملہ میں کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ ہاں اگر آپ نے لوگوں تک پیغام نہ پہنچایا وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ (المائدہ ۶۷) تو گویا آپ نے تبلیغ کا حق ہی ادا نہ کیا۔ آپ مکمل دین لوگوں تک پہنچا دیں۔ اور منکرین کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے حقِ رسالت

پورا پورا ادا کیا اور فرمایا کہ جنت سے قریب اور دوزخ سے بعید کرنے والی کوئی ایسی چیز نہیں جو میں نے تمھیں نہ بتلائی ہو۔ اب نہ ماننے والے خود ذمہ دار ہوں گے، آپ ان کے وکیل نہیں ہیں۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ
لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى
عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمِ
اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا
لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ قُلْ لِّلّٰهِ
الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا ذُكِرَ
اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ
دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ
فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا
فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ
لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ

الْقِيٰمَةِ ۚ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا
يَحْتَسِبُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا
وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٤٨﴾
فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ
نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى
عِلْمٍ ۭ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٩﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ ﴿٥٠﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۭ
وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٥١﴾ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ
اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ
ع ۵ ۲ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٥٢﴾ ع

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کھینچتا ہے جانوں کو اُن کی موت
کے وقت۔ اور وہ جان جو نہیں مرتی نیند میں، پس
روک دیتا ہے اُس کو جس پہ اُس نے موت کا
فیصلہ کیا ہے۔ اور چھوڑ دیتا ہے دوسری کو
ایک مقررہ وقت تک۔ بیشک البتہ اس میں
نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے
ہیں ﴿۴۲﴾ کیا بنا لیا ہے انہوں نے اللہ کے سوا

دوسروں کو سفارشی ۔ آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) اگرچہ وہ نہ
مالک ہوں کسی چیز کے اور نہ وہ عقل رکھتے ہوں (۴۳)
آپ کہہ دیجئے ، اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے ساری
سفارش ۔ اُسی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی
پھر اُسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے (۴۴) اور جب وقت ذکر
کیا جاتا ہے اللہ وحدہٗ لاشریک کا تو بگڑ جاتے ہیں دل
اُن لوگوں کے جو ایمان نہیں رکھتے آخرت پر ۔ اور جب
ذکر کیے جاتے ہیں وہ لوگ جو اس کے سوا ہیں تو اچانک
وہ خوش ہو جاتے ہیں (۴۵) آپ کہہ دیجئے اے اللہ
جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا ، جاننے والا
ہے پوشیدہ اور کھلی باتوں کا ، تو ہی فیصلہ کرے گا ،
اپنے بندوں کے درمیان اُس چیز میں جس میں وہ اختلاف
کرتے تھے (۴۶) اور اگر ہو بلاشبہ ان لوگوں کے لیے
جنہوں نے ظلم کیا جو کچھ ہے زمین میں سارے کا سارا
اور اس جیسا مزید بھی اس کے ساتھ ، پھر وہ فدیہ دیں اس
کے ساتھ بڑے عذاب سے قیامت والے دن (تو ہرگز
قبول نہ کیا جائے گا) اور ظاہر ہو گا اُن کے لیے اللہ
کی طرف سے جس کا وہ خیال نہیں رکھتے تھے (۴۷) اور ظاہر
ہوں گی اُن کے لیے وہ برائیاں جو انہوں نے کمائیں اور گھیر
لے گی اُن کو وہ چیز جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کیا کرتے
تھے (۴۸) پس جب پہنچے انسان کو بُرائی تو پکارتا ہے ہمیں ۔
پھر جب دیتے ہیں ہم اُس کو نعمت اپنی طرف سے تو کہتا ہے
کہ بیشک یہ دی گئی ہے مجھے علم کی بناء پر ۔ نہیں بلکہ یہ

آزمائش ہے ، مگر اکثر اِن میں سے نہیں جانتے (۴۹) تحقیق کہی ہے یہ بات ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے ہیں ۔ پس نہ کام آئی اُن کو وہ چیز جو وہ کماتے تھے (۵۰) اور پہنچیں اُن کے پاس وہ برائیاں جو انہوں نے کمائی تھیں اور وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا ان میں سے ، عنقریب پہنچیں گی اُن کو وہ برائیاں جو انہوں نے کمائی ہیں ۔ اور نہیں ہیں یہ عاجز کرنے والے (۵۱) کیا نہیں جانتے یہ لوگ کہ بیشک اللہ تعالیٰ کشادہ کرتا ہے روزی جس کی چاہے اور تنگ کر دیتا ہے ۔ بیشک اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں (۵۲)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی تردید فرمائی ، کچھ دلائلِ قدرت بیان کیے ہیں اور پیغمبر علیہ السلام پر طعن کرنے والوں کا رد کیا ۔ پھر فرمایا ، کہ نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے لہذا اُسی کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہیئے ۔ پھر آگے تنبیہہ فرمائی کہ تم اپنی جگہ پر کام کرتے رہو ، میں اپنے مشن کی تکمیل میں مصروف ہوں ، تمھیں عنقریب پتہ چل جائے گا کہ صحیح راستے پر کون ہے اور گمراہی میں کون بھٹک رہا ہے ۔ نیز یہ بھی کہ دائمی عذاب کس پر مسلط ہوتا ہے اور کون اس سے بچتا ہے ۔ پھر قرآنِ پاک کی ہدایت اور راہنمائی کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے اس کتاب کو نازل فرمایا ہے ، جو اس سے ہدایت پائے گا ، اُس میں اُسی کا فائدہ ہے ، اور جو گمراہ ہوگا تو اُس کا نقصان بھی اُسی کو ہوگا ۔ پھر پیغمبر علیہ السلام کو تسلی دی کہ ان کے مسلسل انکار پر آپ افسوس نہ کریں کیونکہ یہ آپ کی ذمہ داری نہیں ہے کہ یہ ایمان کیوں نہیں لاتے بلکہ اپنی
ہیں اور قیامت کو جواب دہ ہوں گے ۔

انسان کی موت و حیات

اب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی موت و حیات کو اپنی قدرت

کی نشانی کے طور پر پیش کیا ہے اور اس ضمن میں اپنے مکمل اختیار کا ذکر کیا ہے ارشاد ہوتا ہے اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو وفات دیتا ہے جانوں کو اُنکی موت کے وقت یعنی اللہ تعالیٰ کے فرشتے اُس کے حکم سے مقررہ وقت پر کسی انسان کی جان کھینچ لیتے ہیں سورۃ الانعام میں ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تَوَفَّتْہُ رُسُلُنَا (آیت - ۶۱) تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اُس کی جان قبض کر لیتے ہیں۔ یہ تو عام طبعی موت کا حال ہے کہ انسان بیداری کی حالت میں اپنے عزیز و اقارب کے سامنے جان دے دیتا ہے۔ موت کی ایک دوسری صورت بھی ہے۔ وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ جس کو بیداری کی حالت میں عام موت نہیں آئی فِیْ مَنَامِھَا وہ اپنی نیند کے دوران موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ چنانچہ فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ جس کے لیے اللہ تعالیٰ موت کا فیصلہ کرتا ہے اُس کی روح کو نیند کی حالت میں روک لیتا ہے یعنی نیند کے دوران ہی اُس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ کے معلم قاری عبدالمالک جو لاہور میں مقیم تھے، اُن کی موت نیند کی حالت میں ہی واقع ہو گئی تھی۔ خود ہمارے شیخ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی دوپہر کے وقت قیلولہ کی حالت میں ہی وفات پا گئے تھے، اسی طرح کے کئی واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے دعا سکھائی ہے بِسْمِکَ اللّٰھُمَّ اَمُوْتُ وَاَحْیٰ[1] اے اللہ! میں تیرے نام پر ہی مرتا ہوں اور زندہ رہتا ہوں۔ اسی طرح آپ نے بیداری کے وقت کی دعا بھی سکھلائی ہے[2] اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانِیْ بَعْدَ مَا اَمَاتَنِیْ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے موت طاری کرنے کے بعد پھر زندگی بخشی۔

بہر حال فرمایا کہ جس کے متعلق موت کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس کو نیند کی حالت میں ہی روک لیتا ہے وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی

---
[1] بخاری ص۹۳۴ ج۲، مسند احمد ص۱۵۴ ج۵ [2] و بخاری ص۱۱ ج۲

اور دوسری جانوں کو ایک مقررہ وقت تک کے لیے واپس بھیج دیتا ہے۔ پھر جب اُن کا مقررہ وقت آجاتا ہے تو اللہ کے فرشتے اُن کو وفات دے دیتے ہیں۔

روح اور جسم کا تعلق

نیند اخت الموت یعنی موت کی بہن کہلاتی ہے۔ جب انسان پر نیند طاری ہوتی ہے تو اُس سے روح کھینچ لی جاتی ہے، البتہ اُس کی سانس اور نبض چلتی رہتی ہے۔ اس ضمن میں دو قسم کی توجیہات پائی جاتی ہیں۔ امام بغویؒ نے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ نیند کے دوران انسان کی جان اُس کے جسم سے کھینچ لی جاتی ہے مگر اس کا تعلق جسم کے ساتھ بھی قائم رکھا جاتا ہے۔ اس کی مثال سورج کا زمین کے ساتھ تعلق ہے کہ لاکھوں کروڑوں میل دُور ہوتے کے باوجود سورج کی شعاعیں اس کی روشنی اور حرارت زمین تک پہنچاتی رہتی ہیں۔ اسی طرح روح کا تعلق بھی جسم کے ساتھ قائم رہتا ہے اگرچہ نیند کے وقت اُسے جسم سے نکال لیا جاتا ہے۔

شاہ عبدالقادرؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور بعض دوسرے مفسرین اور محققین فرماتے ہیں کہ ہر انسان کی دو روحیں ہوتی ہیں۔ ایک روحِ حیوانی ہے جو شکمِ مادر میں انسانی تخلیق کے روزِ اوّل سے انسانی جسم کے ساتھ منسلک رہتی ہے اور دوسری روح روحِ الٰہی یا روحِ آسمانی ہے جو حمل کے چوتھے ماہ میں انسانی جسم میں داخل کی جاتی ہے۔ روحِ حیوانی زندگی بھر جسم میں موجود رہتی ہے۔ یہ ایک لطیف قسم کا دھواں یا بخار ہوتا ہے جو موت کے وقت انسانی جسم سے نکل جاتا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ فلاں شخص کی روح اُس کے جسم سے پرواز کر گئی ہے۔ البتہ روحِ الٰہی نیند کی حالت میں جسم سے الگ ہو جاتی ہے اور بعض اوقات اُس کی ملاقات دوسری زندہ اور مردہ روحوں کے ساتھ بھی ہو جاتی ہے۔ اور خواب میں انسان کی ملاقات دور دراز کے رہنے والے یا مر جانے والے عزیزوں اور دوستوں سے بھی ہو جاتی ہے۔ الغرض! اس نظریہ کے تحت روحِ حیوانی تو

نیند میں بھی انسانی جسم میں موجود رہتی ہے جس کی وجہ سے اُس کی سانس اور نبض چلتی رہتی ہے اور روحِ الٰہی کو نکال لیا جاتا ہے۔ اسی چیز کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ نیند کی حالت میں روح کو کھینچ لیا جاتا ہے، پھر جب اُس کی موت کا فیصلہ کر لیا جاتا ہے تو اُس کی روحِ الٰہی کو باہر ہی روک لیا جاتا ہے یعنی جسم میں واپس نہیں لوٹایا جاتا، اور جس کے متعلق فوری موت کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ اُس کی روح کو واپس جسم میں ایک مقررہ وقت تک لوٹا دیا جاتا ہے۔ اور مقررہ وقت وہی ہے جو اس کی موت کے لیے مقرر ہے جب وہ وقت آجاتا ہے۔ تو پھر اس روح کو نہیں لوٹایا جاتا۔ شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ انسان کی روح الٰہی ہر روز کھینچی جاتی ہے اور لوٹائی جاتی ہے حتیٰ کہ موت کا وقت آپہنچتا ہے۔ اور پھر روح الٰہی اور روح حیوانی دونوں الگ ہو جاتی ہیں۔

فرمایا اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ اس میں البتہ نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین رکھتے ہوئے اُس کی قدرت کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ اُن کے لیے موت و حیات کے اس نظام میں دلائلِ قدرت ہیں۔ جب وہ غور کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کیسے کیسے تغیرات اور تصرفات کرتا ہے کس طرح روحوں کو داخل کرتا اور نکالتا ہے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت پر یقین آجاتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ کیا انہوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو سفارشی بنا رکھا ہے؟ یہ سمجھتے ہیں، کہ خدا تعالیٰ راضی ہو یا ناراض ہمارے معبودانِ باطلہ ضرور ہی ہماری سفارش کر کے ہمیں غضبِ الٰہی سے بچالیں گے۔ سفارش کا یہی عقیدہ باطل ہے۔ عیسائی بھی یہی کہتے ہیں کہ عیسٰی علیہ السلام نے خود سولی پہ لٹک کر ہمیں بخشوا لیا ہے لہٰذا ہمیں کوئی فکر نہیں۔ ستارہ پرست ستاروں کے متعلق اور قبر پرست اہلِ قبور کے متعلق ایسا ہی عقیدہ رکھتے ہیں حالانکہ یہ باطل عقیدہ ہے، اِس قسم کی کوئی

سفارش کا غلط عقیدہ

سفارش قابلِ قبول نہیں ہوگی۔
فرمایا انہوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو سفارشی بنا رکھا ہے قُلْ آپ کہہ دیجئے اَوَلَوْ کَانُوْا لَا یَمْلِکُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَعْقِلُوْنَ اگرچہ نہ وہ کسی چیز کے مالک ہوں اور نہ ہی سمجھ رکھتے ہوں۔ اِن کے سفارشی بعض تو بے جان اشیاء بُت، درخت وغیرہ ہیں جنہیں کسی قسم کا شعور ہی نہیں۔ بھلا وہ کیا سفارش کریں گے؟ اور بعض انسان، فرشتے یا جنات ہیں تو وہ بھی بے اختیار ہیں۔ سفارش تو وہاں ہوگی جہاں اللہ راضی ہوگا۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ (البقرہ۔۲۵۵) اُس کی اجازت کے بغیر کون سفارش کر سکتا ہے؟ ہاں! جب اللہ کا حکم ہوگا تو اللہ کے نبی، فرشتے، شہید اور دیگر ایماندار لوگ سفارش کر سکیں گے۔ پھر آگے اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ کسی کی سفارش قبول کرتا ہے یا نہیں تاہم مشرکوں کی مزعومہ جبری اور قہری سفارش سراسر باطل ہے۔
فرمایا قُلْ لِّلّٰہِ الشَّفَاعَۃُ جَمِیْعًا اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ سفارش تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جس کی بادشاہی آسمانوں اور زمین پر ہے ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ پھر تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ قیامت والے دن ساری مخلوق اللہ کی عدالت میں پیش ہوگی، پھر حساب کتاب ہوگا۔ اور جزائے عمل کی منزل آئے گی اور ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کا بھگتان کرنا ہوگا۔ جب تک اللہ کی رضا نہ ہوگی کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکے گا، اور سفارش اس کے حق میں ہوگی جس کا ایمان اور توحید صحیح ہوگی۔ وہاں جبری سفارش کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی

ذکرِ الٰہی اور ذکرِ انبیاء

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی ایک اور گندی ذہنیت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وَاِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَحْدَہُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ جب ان کے پاس اکیلے اللہ وحدہٗ لاشریک کا ذکر کیا جائے تو اُن کے دِل بھسکتے ہیں اور سکڑ جاتے ہیں جو آخرت پر ایمان

نہیں رکھتے ۔ گویا وہ اللہ تعالیٰ کا نام بھی سننا گوارا نہیں کرتے ۔ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ اور جس وقت اللہ کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں ۔ مشرک کی یہ بہت بڑی علامت ہے ، کہ اُسے اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال ، اُس کی شان وشوکت اور اس کی ذات وصفات کا بیان تو پسند نہیں آتا ۔ مگر جب دیوی دیوتاؤں کا ذکر ہو ، شجر وحجر کی بات ہو ، گنبد ومینار کا ذکر کیا جائے ، اولیاء اللہ کے ساتھ خود ساختہ کرامات منسوب کی جائیں تو یہ لوگ بڑے خوش ہوتے ہیں اور نعرے مارتے ہیں ۔ دوسری جگہ فرمایا کہ اگر اللہ وحدہٗ لاشریک کا ذکر کیا جائے تو قریب ہے کہ مشرک لوگ ذکر کرنے والوں پر حملہ کر دیں ۔

مشرکین کا یہ خاصہ آجکل کے نام نہاد مسلمانوں میں بھی پایا جاتا ہے ، خدا کی قدرت ، عظمت ، علم اور لامحدود وسعت کا ذکر ہو تو ان کے چہروں پر انقباض ہو جاتا ہے اور ان کے دل سکڑنے لگتے ہیں مگر جب کسی پیر فقیر کی جھوٹی کرامات بیان کی جائیں تو دل میں خوشی کے جذبات اور چہرے پر رونق آجاتی ہے ۔ آج کل شرک نواز لوگ دنیا میں کثرت سے ہیں ۔ اُن کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جو شخص اولیاء اللہ کے ساتھ جھوٹی سچی باتیں منسوب نہیں کرتا اور اُن کی تعریف وتوصیف میں زمین وآسمان کے قلابے نہیں ملاتا ۔ وہ اولیاء اللہ کا منکر ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ خود اولیائے کرام اور بزرگانِ دین اپنی مجالس میں اللہ کی عظمت اور مواعظ حسنہ ہی کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی توحید اور اس کی عظمت وجلال ہی کی طرف دعوت دیتے ہیں مگر آج اُن کے نام لیوا انہی کی بات کو سننا تک پسند نہیں کرتے اس سے زیادہ بے انصافی کی بات کیا ہو سکتی ہے ؟

اللہ تعالیٰ کا حتمی فیصلہ

ارشاد ہوتا ہے قُلِ اے پیغمبر ! آپ کہہ دیں اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اے اللہ ! جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا عٰلِمَ الْغَيْبِ جو پوشیدہ چیزوں کا جاننے والا ہے ۔ پوشیدہ چیزوں سے مراد وہ اشیاء ہیں جو

مخلوق کے اعتبار سے مخفی ہیں وگرنہ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز بھی چھپی ہوئی نہیں ہے۔ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ (یونس-۶۱) تیرے پروردگار سے تو زمین و آسمان میں ایک ذرے کے برابر بھی کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ تو فرمایا جو جاننے والا ہے۔ چھپی ہوئی اشیا کو وَالشَّهَادَةِ اور اُن چیزوں کو بھی جو مخلوق کے سامنے کھلی ہیں۔ یعنی تو ظاہر اور مخفی ہر چیز سے واقف ہے۔ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِي مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ تو ہی اپنے بندوں کے درمیان اُن چیزوں میں فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ مطلب یہ کہ آج تو مشرک اپنے شرک پر ڈٹے ہوئے ہیں اور الٹا اہلِ توحید کو گستاخ اور بے ادب کہتے ہیں، مگر جب قیامت کا دن آئے گا تو اے اللہ! تمام مختلف فیہ باتوں میں تیرا فیصلہ ہی حتمی فیصلہ ہوگا۔ اسی حقیقت کے پیش نظر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (اے اللہ! تو ہی آسمانوں اور زمین کا خالق ہے، تو ہی اپنے بندوں کے درمیان اُن امور میں فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ مختلف فیہ چیزوں میں میری حق کے ساتھ راہنمائی فرما کیونکہ راہِ راست کی طرف تو ہی راہنمائی کرتا ہے جس کی چاہتا ہے۔

آخرت میں جان کا فدیہ

آگے اللہ نے محاسبہ اعمال کا ذکر اس انداز میں کیا ہے وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ جب قیامت والے دن ظالم لوگ پکڑے جائیں گے، پھر اگر اُن کے پاس

زمین کی جملہ چیزیں ہوں- اور اس سے دوگنی بھی، اور وہ جان بخشی کے لیے یہ سب کچھ فدیہ کے طور پہ دینا چاہیں گے لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تو قیامت والے دن کے برے عذاب سے بچاؤ کے لیے یہ فدیہ بھی کفایت نہیں کرے گا وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ چیز ظاہر ہو جائے گی جس کا انہیں گمان تک نہ تھا۔ یعنی ایسی گرفت آئیگی۔ جس کے متعلق انہوں نے کبھی سوچا تک نہ تھا۔ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا اور ان کی وہ تمام برائیاں بھی ظاہر ہو جائیں گی۔ جو وہ انجام دیتے رہے انہیں اپنے کرتوت نظر آنے لگیں گے اور ان کا نتیجہ بھی ان کی نظروں میں گھومنے لگے گا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ہ اور جن چیزوں کے ساتھ وہ ٹھٹھا کیا کرتے تھے، وہ سب ان کو گھیر لیں گی۔ دنیا میں رہ کر یہ لوگ اللہ کے نبیوں، خدا کے کلام اور وحی، وقوع قیامت، اور جزائے عمل کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ سب خود ساختہ باتیں ہیں۔ اللہ نے نہ کوئی نبی بھیجا ہے اور نہ کتاب، نہ کوئی قیامت ہے نہ حساب کتاب اور نہ جزائے عمل، فرمایا انہی باتوں کے انکار کی وجہ سے اللہ کا عذاب انہیں ہر طرف سے گھیر لے گا۔

انسان کی ناشکر گزاری

فرمایا عام طور پر انسان اس قدر ناشکر گزار ہے فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا کہ جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو پھر ہمیں پکارتا ہے۔ جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو نہایت عاجزی کے ساتھ گڑگڑا کر خدائے وحدہٗ لا شریک کو پکارتا ہے اور مصیبت کے ازالے کے لیے اسی کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے۔ جب ہر قسم کے ظاہری اسباب منقطع ہو جاتے ہیں تو انسان فطری طور پہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے نعمت عطا کر دیتے ہیں، تکلیف دور ہو جاتی ہے

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ تو کہتا ہے کہ یہ نعمت مجھے میرے علم، لیاقت اور استعداد کی بناء پر حاصل ہوئی ہے۔ میں کوالیفائیڈ ہوں، میں نے اس طرح منصوبہ بندی کی، فلاں تجارت میں مال لگایا، فلاں کارخانہ کھولا تو مجھے یہ سب کچھ حاصل ہوگیا۔ یہی خدا تعالیٰ کی ناشکری کی علامت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اُس کی راہنمائی نہ فرماتا تو نہ وہ مصیبت سے چھوٹ سکتا تھا اور نہ اُسے نعمت حاصل ہوسکتی تھی۔ قارون نے بھی یہی کہا تھا اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ط (القصص - ۷۸) یہ مال و دولت تو مجھے میرے علم و ہنر اور استعداد و قابلیت کی وجہ سے حاصل ہوا ہے بڑے بڑے مشرک بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات کو اپنی قابلیت پر محمول کرتے تھے۔ مگر اللہ نے فرمایا بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ بلکہ یہ تو آزمائش ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تنگدستی کے ذریعے بھی آزماتا ہے اور خوشحالی کے ذریعے بھی۔ جو اس آزمائش پر پورا اُترے، انعامات الٰہیہ کو اللہ کی طرف منسوب کرکے اُس کا شکر ادا کرے وہ کامیاب ہوجاتا ہے، اور جو اُسے اپنی استعداد کا مرہونِ منت سمجھ لے وہ ناکام ہوجاتا ہے۔ اللہ نے فرمایا یہ تو آزمائش ہوتی ہے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ مگر اکثر لوگ بے سمجھ ہیں جو خدا کی نعمت کی قدر دانی نہیں کرتے۔

فرمایا قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ تحقیق ان سے پہلے لوگوں نے بھی ایسی ہی بات کی، وہ بھی اپنے مال و دولت پر اترانے لگے۔ انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرنے کی بجائے اُسے اپنی محنت کا نتیجہ قرار دیا۔ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ مگر ان کی کمائی کسی کام نہ آئی۔ اِس مال و دولت نے انہیں بچانے کی بجائے مزید سزا میں مبتلا کردیا پھر فرمایا فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا پھر پہنچیں اُن کو وہ برائیاں جو انہوں نے دُنیا میں رہ کر کمائی تھیں۔ بالآخر اُن کو اپنے گناہوں کی سزا مل کر رہی یہ سابقہ لوگوں کی بات تھی وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ اور اس

دور کے لوگوں میں سے بھی جنہوں نے ظلم کیا یعنی کفر، شرک اور معاصی کا ارتکاب کیا سَيُصِيبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا اِن کو بھی ان کی اکتساب شدہ برائیاں ضرور پہنچیں گی، انہیں بھی اپنے اعمال کی سزا بھگتنا ہوگی۔ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ اور وہ خدا تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکیں گے یعنی نہ تو اُس کو تھکا سکیں گے اور نہ اُس کی گرفت سے بھاگ کر کہیں جا سکیں گے۔ جس طرح پہلے لوگوں کو سزا ملی، اسی طرح اِن کو بھی مِل کر رہے گی۔

آخر میں پھر خدا تعالیٰ کے تصرف کا ذکر کیا گیا ہے کہ مال و دولت یا روزی کسی انسان کے اپنے بس میں نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی تقسیم ہے جو وہ اپنی حکمت کے تحت انسان کی مصلحت کی خاطر کرتا ہے۔ اس میں انسان کی ذاتی کاوش و محنت کو کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کارفرما ہوتی ہے۔ فرمایا اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ کیا اِن لوگوں نے اس بات کو نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ ہی روزی کشادہ کرتا ہے جس کی چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے جس کی چاہے روزی کا مدار نہ تو علم اور کم علمی پر ہے اور نہ عقل اور بے عقلی پر۔ اس میں انسان کی ذاتی استعداد و ذہانت کو کچھ دخل نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے کم علم اور بے وقوف لاکھوں میں کھیلتے ہیں مگر بڑے بڑے صاحبِ علم، فلاسفر اور دانشور عسرت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ رزق کی تقسیم خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہی اُس کی مصلحت کو جانتا ہے۔ فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ اس میں البتہ نشانیاں اور دلائل ہیں مگر اُن لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانے والے ان نشاناتِ قدرت سے مستفید ہوتے ہیں اور انہیں خدا تعالیٰ کا مزید قرب حاصل ہوتا ہے مگر کفار و مشرکین اِن دلائل سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتے اور ہمیشہ نقصان میں رہتے ہیں۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا
تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ
جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾ وَاَنِيْبُوْٓا
اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ
يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾
وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ
مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً
وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ
يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَ
اِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ
اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ
تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً
فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ
اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ
مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ
كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ

فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٦٠﴾ وَيُنَجِّي اللَّهُ
الَّذِينَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوءُ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦١﴾ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ
وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿٦٢﴾ لَّهُ مَقَالِيدُ
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ
ع ۱۱ ۲ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٦٣﴾

ترجمہ:۔ آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر! میری طرف سے) کہ
اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتی کی ہے اپنی جانوں پر
نہ مایوس ہوں اللہ کی رحمت سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخش
دیتا ہے سب گناہ۔ بیشک وہ بہت بخشش کرنے والا
اور نہایت مہربان ہے ﴿۵۳﴾ اور رجوع کرو اپنے پروردگار
کی طرف اور فرمانبرداری کرو اس کی، قبل اس کے کہ آئے
تمہارے پاس عذاب۔ پھر تمہاری مدد بھی نہیں کی جائیگی ﴿۵۴﴾
اور پیروی کرو بہتر بات کی جو اتاری گئی ہے تمہاری
طرف تمہارے پروردگار کی جانب سے قبل اس کے کہ
آئے تمہارے پاس عذاب اچانک اور تم کو خبر بھی نہ
ہو ﴿۵۵﴾ (اور یہ اس لیے) کہ کہے کوئی نفس اے افسوس
اس چیز پر جو میں نے کوتاہی کی ہے اللہ کے سامنے
اور بیشک تھا میں البتہ ٹھٹھا کرنے والوں میں ﴿۵۶﴾
یا کہے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت دیتا تو میں یقیناً متقیوں
میں سے ہوتا ﴿۵۷﴾ یا کہے جب کہ عذاب کو دیکھے گا

کاش! میرے لیے دوبارہ پلٹ کر جانا ہوتا، پس ہوتا
میں نیکی کرنے والوں میں ۵۸ کیوں نہیں، تحقیق آچکی ہیں
تیرے پاس میری نشانیاں۔ پس تو نے جھٹلایا ہے اُن
کو اور تکبر کیا تو نے، اور تھا تو کفر کرنے والوں میں
سے ۵۹ اور قیامت والے دن دیکھے گا تو اُن لوگوں
کو جنہوں نے جھوٹ باندھا ہے اللہ پہ اُن کے چہرے
سیاہ ہوں گے۔ کیا نہیں ہے جہنم ٹھکانا تکبر کرنے
والوں کا؟ ۶۰ اور بچا لے گا اللہ تعالیٰ اُن لوگوں
کو جو ڈرتے رہے اُن کی کامیابی کی جگہ میں۔ نہ پہنچے گی
اُن کو برائی، اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۶۱ اللہ ہی خالق
ہے ہر چیز کا، اور وہ ہر چیز کا ذمہ دار ہے ۶۲ اُسی
کے پاس ہیں چابیاں آسمانوں اور زمین کی۔ اور وہ لوگ
جنہوں نے کفر کیا اللہ کی آیتوں کے ساتھ، یہی لوگ
ہیں نقصان اٹھانے والے ۶۳

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کی تردید فرمائی اور پھر عام انسانوں کی ناشکری کا حال اس طرح بیان فرمایا کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت ملتی ہے، آرام وراحت اور خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو اُسے اپنی عقل، سمجھ، ہنر اور تدبیر کا کمال سمجھتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ تو ہماری طرف سے آزمائش ہوتی ہے مگر اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے اور ناکام ہو جاتے ہیں۔ پھر اللہ نے مجرمین کی سزا کا ذکر فرمایا اور اپنی قدرت اور تصرف کا تذکرہ فرمایا۔ اللہ نے واضح فرمایا کہ رزق کی کشادگی اور تنگی خالصتاً اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت کے تحت ہوتی ہے۔ نیز فرمایا کہ مذکورہ تمام باتوں میں ایمان رکھنے والے لوگوں کے لیے واضح نشانیاں موجود ہیں۔

مغفرتِ عامہ کا اعلان

اسلام کے ابتدائی دَور میں جب لوگ کفر اور شرک کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو رہے تھے، تو بعض لوگوں کو یہ خیال پیدا ہُوا کہ اگر ہم ایمان لا کر اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کر لیں اور نیک اعمال بھی شروع کر دیں تو ہمارے سابقہ گناہوں کا کیا بنے گا۔ جو ہم دَورِ جاہلیت میں انجام دیتے رہے۔ اگر اسلام لانے کے بعد بھی سابقہ گناہوں کی سزا بھگتنا ہے تو اسلام لانے کا کیا فائدہ؟ چنانچہ صحیح حدیث میں آتا ہے، کہ کچھ لوگ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہی سوال کیا کہ کیا ہمارے وہ گناہ معاف ہو جائیں گے جن کا ارتکاب ہم نے کفر و شرک کی حالت میں کیا؟

اس سوال کا جواب پہلے سورۃ الفرقان میں بھی گزر چکا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے سابقہ گناہوں سے توبہ کر لی، ایمان لے آئے اور اچھے اعمال انجام دینے لگے فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (آیت ۷۰) ایسے لوگوں کے گناہ اللہ تعالیٰ نیکیوں میں بدل دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔ اِس مقام پر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی عفوِ عامہ کا ذکر دوسرے انداز میں کیا ہے ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ میری طرف سے میرے بندوں میں اعلان کر دیں يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی ہے یعنی کفر، شرک یا معاصی کا ارتکاب کیا ہے، کوئی زندیق بن گیا ہے، مرتد ہو گیا ہے، یہودی، نصرانی یا بدعتی بن گیا ہے، فاسق فاجر ہو گیا ہے۔ غرضیکہ کوئی بھی جرم کیا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے نسخہ شفا نازل فرمایا ہے لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہونا کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اللہ تعالیٰ سب کے سب گناہ معاف کر دیگا۔ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ بے شک وہ بہت بخشش کرنے والا اور از حد مہربان ہے۔ یہ عام لوگوں کے لیے تسلی کا مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بے حد و بیشمار ہے اور اُس کی

معافی اور درگزر کی شان بہت رفیع ہے۔ اللہ نے ہر قسم کے گناہ کو معاف کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

شرائطِ معافی

اور اس کے لیے صرف دو شرائط کی پابندی لگائی ہے۔ جو شخص وہ شرائط پوری کر دے گا۔ اُس کے لیے اللہ کی بخشش و رحمت موجود ہے۔ فرمایا پہلی شرط یہ ہے وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے جن جرائم کا ارتکاب کرتے رہے تھے اُن کو یکدم ترک کر دو اور اُن سے توبہ کرو کہ آئندہ ایسی غلطی نہیں کریں گے۔ اور دوسری شرط یہ ہے وَاَسْلِمُوْا لَہٗ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اختیار کر لو۔ آئندہ کے لیے اُس کے احکام سے انحراف نہ کرو۔ اِن دو شرائط کی تکمیل موت کی حالت طاری ہونے سے پہلے پہلے ضروری ہے۔ حدیث میں آتا ہے تَوْبَۃُ الْعَبْدِ مَالَمْ یُغَرْغِرْ بندے کی توبہ کی قبولیت کا وقت موت کا غرغرہ طاری ہونے سے پہلے پہلے ہے۔ جب موت کے فرشتے نظر آنے لگیں اور انسان کا وقت قریب آجائے تو پھر توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے لہٰذا اُس وقت سے پہلے پہلے توبہ کر لے اور خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کو اختیار کر لے تو اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے کہ وہ اپنے بندے کا بڑے سے بڑا گناہ بھی معاف کر دے گا۔

مفسرین اور محدثین کرام فرماتے ہیں کہ اگر حقوق اللہ کا تعلق ایسے حقوق سے ہے جن کی قضا ہو سکتی ہے تو انہیں قضا کرنے کی کوشش کرے اور اگر قضا نہیں ہو سکتے تو ویسے ہی استغفار کرے اور پھر آئندہ کے لیے اطاعت گزار بن جائے۔ جہاں تک حقوق العباد کا تعلق ہے تو اُن کو اللہ تعالیٰ اُس وقت تک معاف نہیں کرتا جب تک بندہ معاف نہ کر دے ایسے حقوق یا تو ادا کیے جائیں یا پھر متعلقہ اشخاص سے معاف کرایا جائے اور پھر اللہ کی بارگاہ میں معافی کی درخواست پیش کی جائے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے اِن دو شرائط کے ساتھ معافی عامہ کے قانون سے مطلع فرمایا ہے۔ اور ساتھ یہ بھی کہ یہ عنایت

ل ترمذی ص ۵۰۰

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کی آمد سے قبل تک ہے۔ اگر ایمان لانے اور توبہ کرنے سے پہلے عذاب آگیا تو پھر بھی توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا اور اس وقت کی توبہ قبول نہیں ہوگی ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ پھر تمہاری کوئی مدد نہیں کی جاسکے گی اور تمھیں اپنی کارگزاری کی سزا بھگتنا ہوگی۔

قرآنی تعلیمات کا اتباع

فرمایا وَاتَّبِعُوْۤا اَحْسَنَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً اور اس بہتر بات کا اتباع کرو جو تمھاری طرف نازل کی گئی ہے تمھارے پروردگار کی طرف سے قبل اس کے کہ اچانک تمھارے پاس عذاب آجائے۔ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ اور تمھیں خبر بھی نہ ہو۔ اللہ کی جانب سے بہترین نازل ہونے والی چیز قرآنِ کریم ہے جس کے اتباع کا حکم دیا جارہا ہے۔ آیت ۲۳ میں اسے احسن الحدیث بھی کہا گیا ہے، اور یہ ایسا قانون اور تعلیم ہے کہ اس سے بہتر کوئی پروگرام نہیں ہے اور اچانک عذاب آجانے کا مطلب یہ ہے کہ اچانک تمھاری موت واقع ہو جائے یا اجتماعی طور پر تمھاری موت واقع ہو جائے یا اجتماعی طور پر قیامت برپا ہو جائے لہٰذا اللہ کے اس دستور کا اتباع اختیار کرلو۔

یہ باتیں اس لیے سمجھا دی گئی ہیں کہ جس طرح کلیتاً گناہ سے بے نیاز اور بخشش کے لیے پُر امید ہونا کفر ہے، اسی طرح اللہ کی رحمت سے بالکل نا امید ہو جانا بھی کفر ہے۔ سورۃ یوسف میں اللہ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبان سے کہلوایا ہے وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (آیت ۸۷) اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو، کیونکہ یہ مایوسی تو کافروں کا شیوہ ہے۔ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈرتا رہتا ہے اور اس کی رحمت و بخشش کے لیے پر امید ہوتا ہے عام مقولہ بھی ہے اَلْاِيْمَانُ بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ یعنی ایمان کا

گذشتہ زندگی پر حسرت

صحیح مقام خوف اور اُمید کے درمیان ہے اکسی ایک طرف کو جُھک جانا درست نہیں
فرمایا اِن حقائق کا اظہار اس لیے بھی ضروری ہے اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ کہ
کل کو کوئی نفس یہ نہ کہہ دے یٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِیْ
جَنْۢبِ اللّٰهِ افسوس کہ میں نے اللہ کے سامنے کوتاہی کی ہے وَاِنْ كُنْتُ
لَمِنَ السّٰخِرِیْنَ اور میں تو ٹھٹا کرنے والوں میں تھا۔ میں دنیا میں
خواہشات کی پوجا کرتا تھا اور دوسروں کی دیکھا دیکھی حجاب رسم میں مبتلا تھا۔
افسوس میں نے اللہ اس کے رسولوں اور دین کے حقائق کی طرف توجہ ہی نہ
کی اور اللہ کی دی ہوئی مہلت سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا۔ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ
هَدٰىنِیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ یا کوئی یہ نہ کہہ دے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے
ہدایت دے دیتا تو میں متقیوں میں سے ہوتا۔ اللہ نے ایسے شخص کی حسرت کا حال بیان
کیا ہے، وگرنہ اللہ نے تو ہدایت کے سارے سامان مہیا کر دیے تھے۔ اپنے نبی بھیجے
کتابیں نازل فرمائیں، اُن کے پیچھے مبلغ بھیجے جنہوں نے ہدایت کے راستے کو واضح
کیا۔ پھر جگہ جگہ دلائل قدرت بکھیر دیے جنہیں دیکھ کر اور جن پر غور و فکر کر کے انسان
اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچان سکتا ہے۔ اس کے بعد اللہ نے زندگی بھر اس
ہدایت کو اختیار کرنے کی مہلت بھی دی۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص ہدایت
کو قبول نہیں کرتا تو پھر اس کے لیے وہ خود ذمہ دار ہے اور اُسے قیامت
والے دن افسوس ہی کرنا پڑے گا۔ مگر اس کا کچھ فائدہ نہیں ہو گا۔

اللہ نے فرمایا کہ ہم نے یہ تمام چیزیں اس لیے بھی واضح کر دیں۔ اَوْ
تَقُوْلَ حِیْنَ تَرَى الْعَذَابَ کہ کوئی شخص عذاب الٰہی کو آتا ہوا دیکھ کر یہ
بھی نہ کہہ دے لَوْ اَنَّ لِیْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ
کاش کہ میرے لیے دنیا میں پلٹ کر جانا ہوتا تو میں نیکی کرنے والوں میں ہوتا۔
مگر اللہ کا قانون یہ ہے کہ جو شخص ایک دفعہ اس دُنیا سے چلا جاتا ہے اُسے
دوبارہ واپس آنے کا موقع نہیں دیا جاتا بلکہ اُسے اپنی اُسی زندگی کے اعمال و کردار

کا ہی بھگتان کرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کو بے وقت افسوس کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

تکذیب کا انجام

آگے اللہ نے اتمامِ حجت کے طور پر یاد دلایا بَلٰی کیوں نہیں۔ قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا تحقیق میری آیتیں تیرے پاس آ چکی ہیں مگر تو نے اُن کو جھٹلا دیا یعنی قبول نہ کیا۔ آیات سے مراد معجزات، احکام اور دلائل ہیں۔ اللہ نے دنیا کی زندگی میں یہ سب کچھ تمھیں مہیا کر دیا۔ اللہ کی وحدانیت کے بے شمار دلائل ظاہر کیے۔ انبیاء علیہم السلام نے معجزات اور حلال و حرام اور جائز ناجائز کے احکام پیش کیے مگر تو نے کسی کو تسلیم نہ کیا۔ اور تیرا یہ جھٹلانا اس وجہ سے تھا وَاسْتَكْبَرْتَ کہ تو نے غرور و تکبر کیا۔ نبیوں کی بات کو نہ مانا بلکہ اپنی عقل کو بڑا سمجھتا رہا اور اپنے مال و دولت پر اتراتا رہا جس کے نتیجے میں وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ تو کفر کرنے والوں میں شامل ہو گیا اور تو نے مذکورہ تمام چیزوں کا انکار کر دیا۔

فرمایا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ قیامت والے دن تو اللہ پر جھوٹ باندھنے والوں کو دیکھے گا کہ اُن کے چہرے سیاہ ہوں گے، اُن پر کفر، شرک اور معاصی کی تاریکی چھائی ہوگی۔ سورۃ عبس میں ہے وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اس دن بعض چہروں پر گرد و غبار اور سیاہی چڑھی ہوئی ہوگی۔ دُور سے پہچانے جائیں گے۔ کہ یہ کفر، شرک اور معاصی والے لوگ ہیں۔ اللہ نے فرمایا، اب دیکھ لو اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم نہیں ہے؟ مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ یقیناً جہنم رسید ہوں گے۔

متقین کے لیے اجر

مکذبین کے بالمقابل متقین کے متعلق فرمایا وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ اور بچا لے گا اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جنہوں نے تقویٰ کا راستہ

اختیار کیا اُن کی کامیابی کی جگہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کفر، شرک، بدعقیدگی اور کبائر وصغائر سے بچنے کا نام تقویٰ ہے۔ اللہ نے مومنوں کی شان میں یہ بھی فرمایا ہے وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ (التوبة - ۱۱۲) اُن ایمان والوں کو کامیابی کی بشارت دے دو جو اللہ کی حدود کی حفاظت کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی بھی تقویٰ کا معنیٰ "محافظت بر حدود شرع" ہی کرتے ہیں، یعنی اللہ کی مقرر کردہ حدوں کی حفاظت کرنا ہی تقویٰ ہے۔ مفازت کا معنیٰ کامیابی کی جگہ ہے جو یقیناً اللہ کی رحمت کا مقام جنت ہی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو حظیرۃ القدس اور جنت تک پہنچائے گا۔ اس کے علاوہ لَا یَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ اُن کو کسی قسم کی برائی بھی نہیں پہنچے گی۔ اللہ کی رحمت کے مقام میں کوئی دکھ تکلیف جسمانی یا روحانی نہیں ہوگا وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے ظاہر ہے کہ جب کوئی ظاہری باطنی تکلیف نہیں ہوگی تو غم بھی نہیں ہوگا۔ اُن کی کوشش ٹھکانے لگ چکی ہوگی اور وہ ہمیشہ کی پُر آسائش زندگی گزاریں گے جس میں کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں آئے گی۔

خسارے کا سودا

پھر یاد دلایا، اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے وہی مدبر اور متصرف ہے وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ اور وہی ہر چیز کا کارساز یعنی ذمہ دار ہے۔ جب ہر چیز اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے تو پھر اس کی ذات، صفات اور عبادت میں کسی کو شریک بھی نہیں بنانا چاہیئے۔ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ زمین و آسمان کی چابیاں بھی اُسی کے ہاتھ میں ہیں یعنی تمام کائنات پر اُسی کا کنٹرول ہے، لہٰذا اُس کی وحدانیت کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے تمام معاملات اسی کے سپرد کر دینے چاہئیں، اور اس کے علاوہ کسی دوسری طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھنا چاہیئے۔ کیوں ؟ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی معجزات، دلائل اور احکام کا انکار کیا، اللہ کی نازل کردہ کتاب اور اُس کے

پروگرام کی حقانیت کو تسلیم نہ کیا اور نہ اُس پہ عمل پیرا ہوئے۔ فرمایا اُولٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ یہی لوگ حقیقی خسارے والے ہیں جن کے متعلق اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ نہ صرف خدا تعالیٰ کی رحمت سے دور رہیں گے۔ بلکہ اُس کے غیظ و غضب کا شکار بھی ہوں گے اور یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَأْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾
وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ
اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ
الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ
الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ
وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ
وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَنُفِخَ فِي
الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ
مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ
نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾
وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ
الْكِتٰبُ وَجِايْۗءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَاۗءِ
وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾
وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ
بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع

۷ ع ۴

ترجمہ:۔ آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) تم مجھے حکم دیتے
ہو کہ میں اللہ کے سوا غیر کی عبادت کروں، اے نادانو! (۶۴)
اور البتہ تحقیق وحی کی گئی ہے آپ کی طرف اور آپ
سے پہلے لوگوں کی طرف کہ اگر شرک کیا آپ نے تو
البتہ ضائع ہو جائے گا آپ کا عمل، اور ہو جائیں گے
آپ نقصان اٹھانے والوں میں سے (۶۵) ایسا نہیں، بلکہ
اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو، اور شکر گزاروں میں ہو
جاؤ (۶۶) اور نہیں قدر کی انہوں نے اللہ کی جیسا کہ حق
ہے اس کی قدر کرنے کا۔ اور زمین ساری اس کے
قبضے میں ہو گی قیامت کے دن۔ اور آسمان لپیٹے ہوئے
ہوں گے اس کے داہنے ہاتھ میں۔ پاک ہے اس کی ذات
اور بلند ہے اُن چیزوں سے جن کو یہ شریک بناتے
ہیں (۶۷) اور پھونکا جائے گا صور میں، پس بیہوش ہو
جائے گا جو ہے آسمانوں میں اور زمین میں، مگر وہ
جس کو اللہ چاہے۔ پھر پھونکا جائے گا دوسری مرتبہ
پس یہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے اور دیکھ رہے ہوں
گے (۶۸) اور چمک اُٹھے گی زمین اپنے رب کے
نور سے، اور رکھی جائے گی کتاب، اور لائے گا نبیوں
کو اور گواہوں کو، اور فیصلہ کیا جائے گا اُن کے درمیان
حق کے ساتھ۔ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا (۶۹)
اور پورا پورا دیا جائے گا ہر ایک نفس کو جو اس نے
عمل کیا۔ اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اُن تمام کاموں
کو جو یہ لوگ کرتے ہیں (۷۰)

عبادت لغیر اللہ کی ترغیب

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید میں بعض دلائل بیان فرمائے اور مشرکین کے انجام کا ذکر کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اہل ایمان نیکوکاروں کا انجام بھی بیان فرمایا۔ اب آج کے درس میں وقوعِ قیامت، محاسبہ اعمال اور کافروں اور مشرکوں کی حسرت اور افسوس کا ذکر ہے۔ اور ساتھ ساتھ توحید کی بات بھی سمجھائی گئی ہے۔ آج کی پہلی آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ کافر اور مشرک لوگ حضور علیہ السلام پر طعنہ زنی کرتے تھے۔ کہ آپ نے اپنے آباؤ اجداد کے دین کو باطل اور خود ان کو گمراہ ٹھہرایا ہے جو کہ سراسر غلط بات ہے۔ پھر آپ کو سابقہ دین پر قائم رہتے ہوئے معبودانِ باطلہ کی پرستش کی ترغیب دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اس حرکت کا سختی کے ساتھ جواب دیا ہے ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ ان سے دو ٹوک الفاظ میں کہہ دیں، اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ اے نادانو! کیا تم مجھے اس بات کا حکم دیتے ہو کہ میں اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کروں؟ بھلا یہ کوئی عقل کی بات ہے بلکہ غیر اللہ کی پوجا تو عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔ کوئی بھی سلیم الفطرت آدمی اللہ وحدہٗ لاشریک، عالم الغیب، قادر مطلق اور تمام تصرفات کے مالک و مختار کو چھوڑ کر غیروں کی پرستش نہیں کر سکتا۔ تمام آسمانی کتابوں میں اس کی تردید آئی ہے اور اللہ کے سارے نبیوں نے اسی ایک وحدہٗ لاشریک کی عبادت کا حکم دیا ہے۔

اعمال کی بربادی

آگے اللہ نے شرک کی تردید میں فرمایا وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ اور البتہ تحقیق وحی کی گئی ہے آپ کی طرف وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ اور ان کی طرف بھی جو آپ سے پہلے گزرے ہیں۔ اور وہ یہ بات ہے لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ اگر آپ نے بھی شرک کا ارتکاب کیا تو آپ کے اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے۔ شرک کے ارتکاب سے تمام اچھے اعمال برباد ہو جاتے ہیں ایسی قبیح چیز ہے۔ سورۃ الانعام میں فرمان خداوندی ہے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ

وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (آیت۔ ۸۲) جو لوگ ایمان لائے اور پھر انہوں نے اپنے ایمان میں شرک کی ملاوٹ نہیں کی، امن اُن کے لیے ہے اور وہ لوگ ہی ہدایت پر ہیں۔ اگر اعمال میں ذرا بھی شرک کی آمیزش ہوگئی تو معاملہ خراب ہو گیا۔ اسی سورۃ الانعام میں جہاں اللہ نے اٹھارہ انبیاء کا اکٹھا ذکر کیا ہے، وہاں بھی فرمایا ہے وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (آیت۔ ۸۸) اگر اللہ کے یہ مقربین بھی شرک کا ارتکاب کرتے تو اُن کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے۔ غرضیکہ شرک ایک ایسی بیماری ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا واضح فرمان ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء۔ ۱۱۶) بیشک اللہ تعالیٰ شرک جیسے اکبر الکبائر کو معاف نہیں کرے گا، اس کے علاوہ جس کو چاہے اپنے عفو و درگزر سے معاف فرما دے۔ فرمایا اگر بفرضِ محال آپ نے بھی شرک کا ارتکاب کیا تو نہ صرف اعمال ضائع ہو جائیں گے وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ، بلکہ آپ نقصان اٹھانے والوں میں بھی ہو جائیں گے۔ اس سے زیادہ اور کیا نقصان ہوگا کہ انسان کے تمام نیک اعمال ہی برباد ہو جائیں اور وہ قیامت والے دن مفلس ترین آدمی ہو۔

فرمایا غیر اللہ کی عبادت کرنے کی بجائے بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ اور اس کے شکر گزار بن جاؤ۔ شرک کفران ہے۔ اس سے بچ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کو سمجھو اور اس پر یقین رکھو، شرک کے قریب نہ جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے تمام انعامات کا شکریہ ادا کرو۔

عظمتِ خداوندی کی پہچان

یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین کے شرک کے بارہ میں فرمایا وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ان ظالموں نے اللہ تعالیٰ کی قدر ہی نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کا حق ہے۔ یہ لوگ اللہ جل شانہٗ کی بزرگی، برتری اور اس کے

جلالی کو نہیں سمجھ سکے ۔ اگرچہ یہ معرفتِ الٰہی کے دعویدار ہیں مگر انہوں نے اللہ کی عظمت کو پہچانا ہی نہیں ۔ اللہ کی شان اور مرتبہ بہت بلند ہے ۔ اگر یہ لوگ اللہ کی عظمت کو پہچان لیتے تو شرک کے مرتکب نہ ہوتے ۔

ایک دفعہ ایک یہودی عالم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور قیامت والے دن کی کیفیت کے متعلق کہنے لگا ۔ اے ابوالقاسم ! قیامت والے دن جب زمین ایک انگلی پہ ہوگی ، آسمان ایک انگلی پہ اور باقی تمام چیزیں ایک انگلی پہ تو اُس وقت کیا کیفیت ہوگی ۔ یہ سُن کر حضور علیہ السلام مسکرائے اور یہی آیت تلاوت فرمائی ۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ دیکھو ! اِن لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہیں کی جیسا کہ اُس کی قدر کرنے کا حق ہے ۔ شرک کی تردید تو تورات میں بھی موجود ہے مگر یہ لوگ جانتے بوجھتے ہوئے اس میں مبتلا ہیں اور عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں ، انہیں اللہ تعالےٰ کی عظمت کی کیا پہچان ہے ؟

فرمایا حقیقت یہ ہے وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت والے دن ساری کی ساری زمین اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہوگی ۔ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے ، حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دائیں بائیں کو مخلوق کے دائیں بائیں پہ محمول کرنے سے خدا تعالیٰ کی توہین کا پہلو نکلتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں مگر اس کی کیفیت ہماری ادراک سے باہر ہے لہٰذا ہمیں یہی ایمان رکھنا چاہیئے کہ اللہ کا داہنا ہاتھ ایسا ہی ہے جیسا اس کی شان کے لائق ہے ۔ دراصل لفظ یمین متشابہات میں سے ہے جس کا معنیٰ تو معلوم ہے ۔ مگر اس کی کیفیت معلوم نہیں ویسے یمین قوت اور طاقت پہ بھی بولا جاتا ہے ۔ تو فرمایا زمین اُس کے قبضہ میں

ہوگی اور آسمان اُس کے دائیں ہاتھ پہ لپٹے ہوئے ہوں گے۔ یہ اُن کی شان رفیع کی علامت ہے سُبْحٰنَهٗ پاک ہے اس کی ذات وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اور خدا تعالیٰ کی ذات بلند و برتر ہے ان چیزوں سے جن کو یہ اُس کا شریک بناتے ہیں۔

صورِ اسرافیل

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے وقوعِ قیامت کے سلسلہ میں صور کے دو نفخوں کا ذکر کیا ہے۔ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ اور صور میں پھونکا جائے گا۔ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ پس بیہوش ہو جائیں گے۔ جو ہیں آسمانوں میں اور جو زمین میں اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ، سوائے اُس کے کہ جس کو اللہ تعالیٰ چاہے، اُس پہ بیہوشی طاری نہیں ہوگی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ حاملین عرش اور مقرب فرشتے جبرائیل، میکائیل وغیرہ محفوظ رہیں گے، باقی سب پر بیہوشی طاری ہو جائے گی۔ گویا جب پہلا صور پھونکا جائے گا۔ تو ہر چیز پہ بیہوشی طاری ہو جائے گی۔ اور نظامِ کائنات درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى پھر صور میں دوسری مرتبہ پھونکا جائے گا فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ تو اچانک سب لوگ کھڑے ہو جائیں گے اور سب کچھ دیکھ رہے ہوں گے۔

عام مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کے مصداق صرف دو دفعہ صور پھونکا جائے گا۔ پہلے صور کے بعد ہر چیز فنا ہو جائے گی اور دوسرے صور پہ سب لوگ پھر سے زندہ ہو جائیں گے، سارے کے سارے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر ہوں گے، حساب کتاب کی منزل آئے گی اور پھر جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے۔ تاہم بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ کل چار صور ہوں گے پہلا صور تمام عالم کے فنا کا پیش خیمہ ہوگا۔ دوسرے صور پہ مخلوق پھر سے زندہ ہو جائے گی، پھر تیسری مرتبہ حشر کے میدان میں صور پھونکا جائے گا تو سب پہ بیہوشی طاری ہو جائے گی اور چوتھے صور پہ سب لوگ ہوش میں آجائیں گے۔ اور پھر ساری کارروائی ہوگی۔

عدالتِ خداوندی کے فیصلے

بہر حال قیامت والے دن کیفیت یہ ہوگی وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ

بِنُوْرِ رَبِّهَا اُس دن زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی۔ یہ ایسی کیفیت ہوگی جو انسان آج اپنے ذہن میں نہیں لا سکتے کہ وہ کیسا نظارہ ہوگا، بس خدا کی تجلیات پڑ رہی ہوں گی اور ساری زمین روشن ہو جائیگی، پھر حساب کتاب کی منزل شروع ہو جائیگی وَوُضِعَ الْکِتٰبُ اور کتاب یعنی ہر ایک کا اعمالنامہ سامنے رکھ دیا جائے گا۔ ہر شخص اُس کو پڑھ سکے گا۔ سورۃ الکھف میں آتا ہے وَوُضِعَ الْکِتٰبُ فَتَرَی الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْهِ (آیت-۴۹) مجرم لوگ یہ اعمالنامہ پڑھ کر ڈر جائیں گے اور کہیں گے، ہائے افسوس ہمارے، یہ کیسی کتاب ہے کہ جس نے ہر چھوٹی بڑی چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔ بہرحال اس اعمالنامے کے علاوہ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ نبیوں اور شہیدوں کو بھی بطور گواہ لایا جائے گا۔ پھر وہ اپنے ماننے اور نہ ماننے والوں کے متعلق گواہی دیں گے۔ تمام معاملات پیش ہوں گے، سوال و جواب ہوں گے وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ اور اُن میں سے کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔ کسی کا حق نہیں مارا جائے گا۔ نہ کسی ایک کا گناہ دوسرے پر ڈالا جائے گا۔ اور نہ کسی کے اعمال میں کمی کی جائے گی، بلکہ سب کے ساتھ حق و انصاف کا فیصلہ ہوگا وَوُفِّیَتْ کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ پھر ہر نفس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ جو کچھ اُس نے کیا۔ نیکی یا بُرائی کا جو بھی کام کیا ہے اس کی جزا یا سزا ملے گی۔ اور کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں ہوگی۔

فرمایا وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا یَفْعَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ اُن تمام باتوں کو خوب جانتا ہے۔ جو کچھ انسان اس دنیا میں کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ قیامت والے دن تمام مخفی چیزوں کو بھی ظاہر کر دیگا۔ پھر گواہ لائے جائیں گے۔ بلکہ خود انسان کے اعضاء و جوارح گواہی دیں گے، زمین اور شجر و حجر گواہی دیں گے۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب

والشہادت ہے اور اُسے اِن گواہوں کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ مگر وہ ضابطہ کی کارروائی کے لیے متعلقہ گواہ بھی پیش کرے گا۔ تاکہ اتمام حجت ہو جائے اور کسی کے لیے اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ
حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ
لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ
يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ
لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ
كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ قِيْلَ
ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ
فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَسِيْقَ
الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ
حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ
لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ
فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ
الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ
نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ
اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ
مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ

وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ
لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿۷۵﴾ ع ۸ ۵

ترجمۃ:- اور چلائے جائیں گے کافر لوگ جہنم کی طرف گروہ در گروہ یہاں تک کہ جب وہ آئیں گے اس کے قریب تو کھولے جائیں گے اُس کے دروازے ، اور کہیں گے اُن کے لیے اُس کے داروغے ، کیا نہیں آئے تھے تمھارے پاس رسول تم میں سے جو پڑھتے تھے تم پر تمھارے پروردگار کی آیتیں ، اور ڈراتے تھے تمھیں اس دن کی ملاقات سے ۔ تو کہیں گے وہ لوگ ، کیوں نہیں ، مگر ثابت ہو گیا عذاب کا کلمہ کفر کرنے والوں پر ﴿۷۱﴾ کہا جائے گا داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں ، ہمیشہ رہنے والے ہو گے اُس میں ۔ پس بُرا ہے ٹھکانا تکبر کرنے والوں کا ﴿۷۲﴾ اور چلائے جائیں گے وہ لوگ جو ڈرتے رہے اپنے پروردگار سے ، جنت کی طرف گروہ در گروہ ۔ یہاں تک کہ جب وہ پہنچیں گے اس کے قریب اور کھولے جائیں گے اس کے دروازے اور کہیں گے اُن کو اس کے داروغے ، سلام ہو تم پر خوش رہو ، داخل ہو جاؤ اس (جنت) میں ہمیشہ رہنے والے ﴿۷۳﴾ اور کہیں گے وہ ، سب تعریفیں اللہ تعالےٰ کے لیے ہیں جس نے سچا کیا ہے ہمارے ساتھ اپنا وعدہ ، اور وارث بنایا ہے ہم کو اس سرزمین کا ۔ ہم ٹھکانا پکڑتے ہیں جنت میں جہاں بھی چاہیں ۔ پس

کیا اچھا ہے بدلہ عمل کرنے والوں کا (۷۴) اور دیکھے گا تو فرشتوں کو کہ گھیرنے والے ہوں گے عرش کے گرد تسبیح کریں گے اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ۔ اور فیصلہ کیا جائیگا ان لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ۔ اور یہی بات کہی جائے گی کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے (۷۵)

ربط آیات

گذشتہ درس میں دو دفعہ صور پھونکے جانے کا ذکر ہوا۔ پہلے صور پر ہر چیز بیہوش ہو جائیگی، اور جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ اکٹھے ہو جائیں گے اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اٹھے گی، اعمال نامے سامنے رکھ دیے جائیں گے، نبی اور گواہ آئیں گے اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا۔ ہر نفس کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ جزائے عمل کا ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے اس کی کیفیت بھی بیان کی ہے کہ نافرمان لوگ جہنم تک اور اہل ایمان جنت تک کیسے پہنچیں گے۔

کفار کی جہنم کی طرف روانگی

ارشاد ہوتا ہے وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا کفر کرنے والے جہنم کی طرف گروہ در گروہ چلائے جائیں گے۔ گروہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر جرم اور اس کے درجے کے مطابق مجرمین علیحدہ علیحدہ ٹولیوں میں منقسم ہوں گے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ انسانی زندگی کے مختلف ادوار میں انفرادیت بھی آتی ہے اور اجتماعیت بھی۔ انسان شکم مادر میں انفرادی زندگی گزارتا ہے، پھر جب اس دنیا میں آتا ہے تو اپنے والدین اور افراد کنبہ کے ساتھ محدود اجتماعی زندگی گزارتا ہے۔ جب بچپن کو عبور کر کے جوان ہوتا ہے تو گھر سے باہر عام معاشرے میں قدم رکھتا ہے، تعلیم حاصل کرتا ہے، ہنر سیکھتا ہے، پھر گلی محلے یا گاؤں کی اجتماعی زندگی میں عملی طور پر شریک ہو جاتا ہے۔ کسی عہدے پر فائز ہوتا ہے حلقے کا ممبر بنتا ہے اور معاشرے میں اچھی طرح

گھل مل جاتا ہے۔ یہ اُس کی اجتماعی زندگی ہوتی ہے۔ پھر دنیا کی زندگی پوری کر کے عالم برزخ میں پہنچتا ہے تو وہاں پھر انفرادی زندگی کی طرف لوٹ آتا ہے۔ پھر جب حشر کے میدان میں سب لوگ جمع ہوں گے تو یہ پھر اجتماعی دور ہوگا۔ جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے وہاں لوگ اپنے اپنے عمل کے مطابق مختلف گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ اور پھر ہر درجے کے عمل کی علیحدہ ٹولی ہوگی اور اس طرح تمام گروہ در گروہ اور قطار در قطار جمع ہوں گے اور پھر مجرمین کے گروہوں کو جہنم کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا۔

اس مقام پر مجرمین اور متقین دونوں کے لیے سیق کا لفظ استعمال ہوا ہے یعنی سب لوگ جہنم یا جنت کی طرف چلائے جائیں گے۔ تاہم سورۃ مریم میں ان دونوں طبقات کے لیے ان کی جزا یا سزا کے لحاظ سے مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً متقین کے لیے فرمایا ہے یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا (آیت - ۸۵) ہم متقیوں کو رحمان کے پاس وفد (DEPUTATION) کی صورت میں اکٹھا کریں گے۔ ظاہر ہے کہ کسی کے پاس جانے والا وفد معزز سمجھا جاتا ہے۔ اور میزبان اس کے ساتھ نہایت اچھا برتاؤ کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ کے نیک بندے اپنے پروردگار کے پاس وفد یعنی معزز مہمانوں کے طور پر جائیں گے۔ اور ان کی عزت افزائی ہوگی۔ برخلاف اس کے مجرمین کے متعلق فرمایا وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ہ (مریم - ۸۶) اور ہم گنہگاروں کو جہنم کی طرف ہانک کر لے جائیں گے۔ اُن کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں ہوگا۔ بلکہ پیاسے اونٹوں کی طرح ہانک کر لے جایا جائے گا۔

بہر حال فرمایا کہ کفر کرنے والوں کو جہنم کی طرف گروہ در گروہ لے جایا جائے گا۔ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا حتیٰ کہ جب وہ اس کے قریب پہنچیں گے فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا تو جہنم کے دروازے کھولے جائیں گے مطلب

یہ ہے کہ کفار کے آنے سے پہلے دروازے بند تھے اب اُن کی آمد پر کھولے جائیں گے تاکہ انہیں اندر دھکیل کر دروازے پھر سے بند کر لیے جائیں۔ دنیا کی جیلوں کا بھی یہی دستور ہے کہ قید خانے کے دروازے بند رہتے ہیں، جب کوئی مجرم جیل کے دروازے پر پہنچتا ہے تو پھاٹک کھول کر اُس کو اندر داخل کر دیا جاتا ہے، اور دروازہ پھر بند ہو جاتا ہے۔ یہی سلوک جہنم کے قیدیوں کے ساتھ بھی کیا جائے گا۔ آگے جہنم کے دروازے پر موجود فرشتوں کا ذکر آرہا ہے۔ سورۃ المدثر میں ہے۔ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ (آیت - ۳۰) اُن کی تعداد انیس [19] ہے۔ بہر حال جب یہ کافر لوگ جہنم کے دروازے پر پہنچیں گے وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا اُس کے داروغے اُن سے کہیں گے أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس تم میں سے رسول؟ جہنم کے داروغے سرزنش کے انداز میں گنہگاروں سے پوچھیں گے کہ تم جہنم کے قیدی بن گئے ہو کیا تمہاری ہدایت کے لیے تمہیں میں سے تمہارے پاس اللہ کے رسول نہیں آئے تھے۔ جنہوں نے تمہیں کفر اور شرک کو ترک کر کے توحید کی دعوت دی تھی۔ مِنْكُمْ کا مطلب یہ ہے کہ ہر قوم کے پاس انہی میں سے یعنی اُن کے خاندان اور وطن سے اور انہی کے ہم زبان پیغمبر اللہ نے بھیجے تھے تاکہ تمہیں اُن کی بات سمجھنے اور اُن کے اسوہ اختیار کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ خود حضور علیہ السلام کے متعلق اللہ نے ارشاد فرمایا هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ (الجمعة - ۲) اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں سے اُن کی طرف ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرمایا۔ عرب کی اکثریت اُمّی تھی جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، صرف ایک دو فیصدی لوگ کچھ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اسی لیے فرمایا کہ امیوں کی طرف اُن میں سے ایک رسول بھیجا۔

جہنم کے داروغے بھی کہیں گے، کیا تمہارے پاس تم میں سے کوئی رسول نہیں آیا تھا۔ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ جو تمہیں تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر

سناتے تھے، آیات سے مراد احکام، دلائل اور مسائل ہیں۔ اگرچہ آیات میں معجزات بھی داخل ہیں مگر اس مقام پر معجزات مراد نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام مراد ہیں۔ جو اللہ کے رسول اپنی اپنی امتوں تک پہنچاتے تھے۔ فرمایا۔ اللہ کے رسول تمھیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے تھے وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ط اور کیا وہ تمھیں آج کے دن کی ملاقات سے ڈراتے نہیں تھے؟ بھلا بتلاؤ تو کیا تمھیں ہدایت کے یہ سامان نہیں پہنچے تھے۔ مگر تم کفر و شرک میں مبتلا ہوئے اور بالآخر جہنم کا منہ دیکھنا پڑا؟

قَالُوْا بَلٰى وہ آگے سے جواب دیں گے، کیوں نہیں۔ بیشک اللہ کے رسول ہمارے پاس آئے، انہوں نے آیاتِ الٰہی پڑھ کر سنائیں اور قیامت کے دن سے ڈرایا، مگر یہ ہماری بدبختی تھی کہ ہم نے اُن کی آواز پر لبیک نہ کہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ کہ کفر کرنے والوں پر عذاب کا کلمہ ثابت ہوگیا۔ جب وہ اپنے جرم کا اقرار کرلیں گے قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ تو حکم ہوگا۔ جہنم کے دروازوں میں داخل ہوجاؤ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اب تمھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہیں رہنا ہوگا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ پس کتنا بُرا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کا جنھوں نے غرور و تکبر کی بنا پر اللہ کی وحدانیت کو تسلیم نہ کیا، اُن کا یہی حشر ہوگا۔

متقین کا جنت میں استقبال

اس کے بعد متقین کا حال بیان کیا وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا چلائے جائیں گے وہ لوگ جو اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے جنت کی طرف گروہ در گروہ۔ یہ وہ ایماندار لوگ ہیں جو شرک کفر جرائم اور مظالم سے بچتے رہے اور جنہوں نے حدود اللہ کی حفاظت کی۔ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا یہاں تک کہ جب وہ جنت کے قریب پہنچیں گے وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا اور اس کے دروازے کھولے جائیں گے۔ یہاں پر یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ پہلے جہاں جہنمیوں کا حال بیان کیا ہے۔ وہاں فُتِحَتْ سے پہلے وَ نہیں

ہے۔ مگر یہاں جنتیوں کے لیے فُتِحَتۡ سے پہلے و لائی گئی ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ وَ زاید ہے۔ مگر بعض فرماتے ہیں کہ اس وَ سے حال کی طرف اشارہ ملتا ہے اور مطلب یہ بنتا ہے کہ جب وہ جنت کے قریب پہنچیں گے تو اس حال میں کہ دروازے پہلے سے کھلے ہوں گے اور وہاں انہیں دروازے کھلنے کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ اور جنت کے داخلے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔

بہرحال جب جنتی جنت کے دروازے پہ پہنچیں گے وَقَالَ لَهُمۡ خَزَنَتُهَا تو اس کے داروغے ان سے کہیں گے سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ تم پر سلامتی ہو طِبۡتُمۡ تم خوش رہو۔ مطلب یہ کہ داروغے جنتیوں کا استقبال کریں گے۔ اور انہیں خوش آمدید کہیں گے۔ اور پھر یہ بھی کہیں گے فَادۡخُلُوهَا خٰلِدِيۡنَ جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ۔ چنانچہ جب وہ اللہ کی رحمت کے مقام میں پہنچ جائیں گے تو اللہ کی حمد و ثنا بیان کریں گے۔ وَقَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِيۡ صَدَقَنَا وَعۡدَهٗ اور کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے ہمارے ساتھ اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ اللہ نے اپنے نبیوں کی معرفت ہم سے جو جنت کا وعدہ کیا تھا، وہ آج پورا ہو گیا۔ سورۃ آل عمران کے آخر میں اہلِ عقل و خرد مومنین کی طرف سے یہ دعا بھی نقل کی گئی ہے رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخۡزِنَا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ (آیت - ۱۹۴) پروردگار! اپنا وہ وعدہ پورا فرما۔ جو تو نے ہمارے ساتھ اپنے انبیاء کی معرفت کیا، اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا۔ دوسری جگہ پر ہے کہ مومن یوں کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہمیں توفیق دے کر اور خاص مہربانی فرما کر یہاں تک پہنچایا، ورنہ یہاں تک پہنچنا ہمارے بس میں نہ تھا۔ اسی لیے دنیا میں اہلِ ایمان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کرنی چاہیے۔ لَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کا یہی مطلب ہے کہ نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی توفیق کی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔

بہر حال جنتی لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے جس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ اور جس نے ہمیں جنت کی اُس سرزمین کا وارث بنایا کہ ہم وہاں پر ٹھکانا پکڑتے ہیں جہاں چاہیں۔ جنت کی وراثت کا ذکر سورۃ مریم میں بھی موجود ہے۔ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا (آیت-۶۳) یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے متقی بندوں کو بنائیں گے، دوسری جگہ یہ بھی ہے کہ ہمارے بندوں نے دنیا میں جو نیکی کے کام انجام دیئے۔ ہم نے اُن کے بدلے اُن بندوں کو جنت کا وارث بنا دیا۔ اور جنت میں ٹھکانا پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں چاہیں گے بلا روک ٹوک جا سکیں گے۔ بعض فرماتے ہیں کہ ٹھکانا پکڑنے سے سیر و سیاحت اور ملاقات مراد ہے۔ مستقل ٹھکانا تو ایک ہی ہوگا مگر حسب خواہش جہاں چاہیں گے جا آ سکیں گے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ جمعہ کے دن بازار لگیں گے۔ اور مومن لوگ کروڑوں میل دور تیز رفتار سواریوں پر سوار ہو کر آپس میں ملاقات کریں گے۔ اور بازاروں سے خوشنما چیزیں بھی بلا قیمت حاصل کریں گے۔ ایک حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ تمہیں جنت میں پہنچا دے تو سمجھ لو کہ تم جنت کے سُرخ گھوڑے پر سوار ہو اور جہاں چاہتے ہو وہ تمہیں اڑائے لیے جا رہا ہے۔ وہاں پہ کسی رکاوٹ، دقت یا ایکسیڈنٹ کا بھی کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ اسی قسم کے انعامات کے متعلق اللہ نے فرمایا فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ پس کتنا اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا۔ جنہوں نے دنیا کی زندگی میں نیک اعمال انجام دیئے وہ جنت میں عیش و آرام کی دائمی زندگی گزاریں گے۔ یہ اُن کی نیکی کا بہت ہی اچھا بدلہ ہوگا۔

ملائکہ کی تسبیح

ارشاد ہوتا ہے وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ اور تو دیکھے گا اُن فرشتوں کو جو عرش کو ارد گرد سے گھیرنے والے ہیں، تو اُن کی حالت یہ ہے يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ کہ وہ اپنے پروردگار کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ تعریف کے ساتھ۔ اُن کا کام ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

کی حمد وثنا بیان کرتے رہتے ہیں۔ فرشتوں کے مختلف طبقات میں سے حاملین عرش کا ذکر اگلی سورۃ مومن میں آرہا ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ (آیت ۷) وہ جو عرش عظیم کو اُٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے اردگرد حلقہ باندھے ہیں سب اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح بیان کرتے ہیں۔

وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ اور سب لوگوں کے درمیان حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا۔ نہ صرف بنی نوع انسان کے اعمال وکردار کے فیصلے ہوں گے۔ بلکہ اگر جانوروں وغیرہ نے بھی ایک دوسرے پر زیادتی کی ہوگی۔ تو ان مظلوموں کو بھی ظالموں سے بدلہ دلایا جائے گا۔ اور پھر آخر میں یہی ہوگا۔ وَقِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اور کہا جائے گا کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ سورۃ یونس میں بھی اللہ نے مومنوں کی آخری پکار یہی بیان فرمائی ہے وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (آیت - ۱۰) کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ بہرحال جنتی لوگ اللہ تعالیٰ کی تعریف وتوصیف اور حمد وثنا بیان کریں گے جس نے انہیں جنت کے مقام تک پہنچایا۔

سُورَة
المؤمن
مكّيّة

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ
سُورۃ مومن مکی ہے یہ پچاسی آیتیں ہیں اور اِس کے نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم کرنیوالا ہے

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ
الْعَلِيْمِ ﴿۲﴾ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ
شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِى الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ
اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ
فِى الْبِلَادِ ﴿۴﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ
الْاَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ
اُمَّةٍ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ
لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ
عِقَابِ ﴿۵﴾ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ
عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۶﴾

ترجمہ:۔ حٰمٓ ① اتارنا کتاب کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو غالب اور سب کچھ جاننے والا ہے ② بخشنے والا ہے گناہ کو، اور توبہ قبول کرنے والا ہے سخت عذاب والا ہے۔ طاقت والا ہے، نہیں کوئی الٰہ اُس کے سوا، اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ③ نہیں جھگڑا کرتے اللہ کی آیتوں میں مگر وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا۔ پس نہ آپ کو دھوکے میں ڈالے اِن لوگوں کا چلنا پھرنا شہروں میں ④ جھٹلایا اِن سے پہلے قومِ نوح نے، اور بہت سے فرقوں نے اُن کے بعد۔ اور ارادہ کیا ہر ایک امت نے اپنے رسول کے بارے میں کہ اس کو پکڑ لیں، اور جھگڑا کیا انہوں نے باطل کے ساتھ تاکہ گرادیں اس کے ساتھ حق کو۔ پس میں نے پکڑا اُن کو، پس کس طرح ہوئی میری سزا ⑤ اور اسی طرح ثابت ہوا تیرے رب کا کلمہ اُن لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا، بیشک وہ دوزخ والے ہیں ⑥

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ المؤمن ہے۔ سورۃ کے آخری حصے میں فرعون کے خاندان کے ایک مومن آدمی کا تذکرہ ہے جس سے اس سورۃ کا یہ نام تجویز کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ سورۃ الغافر اور سورۃ الطول بھی اسی سورۃ کے نام ذکر کیے جاتے ہیں۔ یہ دونوں نام سورۃ ہذا کی تیسری آیت میں آمدہ الفاظ سے ماخوذ ہیں یہ سورۃ مکی زندگی کے درمیانہ عرصہ میں سورۃ الزمر کے بعد نازل ہوئی۔ اس کی پچاسی آیات اور نو رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۱۱۹۲ الفاظ اور چار ہزار حروف پر مشتمل ہے

مضامین سورۃ

اِس سورۃ مبارکہ سے حوامیم سبعہ یعنی حٰمٓ والی سات سورتوں کی ابتداء

ہو رہی ہے۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ یہ سات سورتیں پورے قرآن کریم کا لب لباب اور نچوڑ ہیں اور گذشتہ سورۃ الزمر حوامیم سبعہ کی تمہید ہے۔ بعض روایات میں حوامیم کو دیباجۃ القرآن یعنی قرآن کی زینت بھی کہا گیا ہے۔

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ میں بھی زیادہ تر اسلام کے بنیادی عقائد توحید رسالت، معاد اور قرآن کی صداقت و حقانیت ہی کا بیان ہے جس سے عقیدے کی اصلاح مقصود ہے۔ دین میں عقیدے کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، اگر یہ درست ہو گیا تو نیک اعمال بھی مقبول ہوں گے اور اگر عقیدے میں ہی بگاڑ رہا تو پھر اعمال کسی کام نہیں آئیں گے، چنانچہ مکی سورتوں میں زیادہ تر اسی طرف توجہ دی گئی ہے۔ تاہم کچھ ضمنی مسائل بھی آگئے ہیں۔ اس سورۃ مبارکہ میں مذکورہ مضامین کے علاوہ پیغمبر علیہ السلام کے لیے تسلی کا مضمون بھی ہے۔ اور کافروں کا انذار بھی کیا گیا ہے۔

حروف مقطعات حٰمٓ

سورۃ کا آغاز حروف مقطعات حٰمٓ سے ہوتا ہے تمام حروف مقطعات کے بارے میں یہ امر مسلّم ہے کہ ان حروف کا حقیقی معنیٰ نہیں بتایا جا سکتا۔ مفسرین کرام کو امام جلال الدین سیوطیؒ کی اس بات[1] سے اتفاق ہے اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ ان حروف سے جو بھی مراد ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اور ہمارا اس پر ایمان ہے کہ وہ برحق ہے۔ تاہم صحابہ کرامؓ میں سے حضرت علیؓ اور عبد اللہ ابن عباسؓ سے تقریب فہم کے لیے ان حروف سے متعلق بعض باتیں منقول ہیں۔ اسی طرح بعض بزرگانِ دین نے قیاس کی بناء پر اور بعض نے کشف و القا کی بنیاد پر بعض معانی بیان کیے ہیں، مگر حق بات وہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان حروف سے کیا مراد ہے۔

شیخ ابن عربیؒ فتوحات مکیہ میں بیان کرتے ہیں کہ حٰمٓ دو حروف پر مشتمل مکمل آیت ہے۔ ان حروف میں حٰ کا اشارہ حق کی طرف اور مٓ کا اشارہ محمد کی طرف سمجھیں گے، اور مطلب یہ ہوگا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بھی لوگوں

[1] جلالین ص۳۹۲

کے سامنے پیش کر رہے ہیں وہ سراسر حق پر مشتمل ہے اور اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ حٰ کا اشارہ حکیم اور مٓ کا اشارہ مُلک کی طرف ہے، گویا یہ حروف حکیم اور مُلک کا مخفف ہیں اور اس لحاظ سے حٰمٓ کا مطلب یہ ہوگا کہ حکم بھی پروردگارِ عالم کا ہے اور بادشاہی بھی اُسی کی ہے۔ ظاہر ہے کہ پوری کائنات کی بادشاہی رب تعالیٰ کی ہے اور اس میں حکم بھی اُسی کا چلتا ہے۔ تکوینی حکم تو خدا تعالیٰ کا کائنات میں ہر وقت جاری ہے اور شرعی حکم بھی اللہ نے اپنے انبیاء بھیج کر اور کتابیں نازل فرما کر مکمل کر دیا ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ کائنات کے تمام تقلبات اور تصرفات اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے سے انجام پا رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابنِ عباسؓ اور چوتھی صدی کے عظیم مفسرِ قرآن امام ابنِ جریرؒ اور بعض دیگر حضرات کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات حروف حٰمٓ کو اللہ تعالیٰ کے اسمائے پاک میں شمار کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ الٓر، حٰمٓ اور نٓ اللہ تعالیٰ کے اسم رحمٰن کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں حٰمٓ اللہ تعالیٰ کا بہت ہی بابرکت نام ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام جنگ کے موقع پر اپنے مجاہدین کے لیے کوئی شعار یعنی شناختی نشان مقرر کر دیتے تھے۔ ایسے ہی ایک موقع پر جنگی نشان حٰمٓ لَا یُنْصَرُوْنَ مقرر کیا گیا تھا۔ بعض شعراء کے کلام سے بھی حٰمٓ کے اسمِ الٰہی ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔ مثلاً

یُذَکِّرُنِیْ حٰمٓ وَالرُّمْحُ شَاجِرٌ
فَھَلَّا تَلٰی حٰمٓ قَبْلَ التَّقَدُّمِ

جب جنگ چھڑ چکی ہے اور نیزے چل رہے ہیں تو اُس وقت حٰمٓ کا واسطہ پیش کرتا ہے بھلا جنگ چھڑنے سے پہلے یہ واسطہ کیوں نہ پیش کیا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حٰمٓ کے ذریعے سورۃ کا خلاصہ ظاہر کیا

گیا ہے۔ حٓ سے مراد حثؓ یعنی برانگیختہ کرنا اور قٓ سے مراد منہیات سے منع کرنا ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں ہر سورۃ کا حصہ ہیں کہ اچھے امور پر برانگیختہ کیا جاتا ہے ترغیب دلائی جاتی ہے اور ناجائز کاموں سے روکا جاتا ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں[1] کہ ان حروف کے ذریعے سورۃ کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔ جس طرح تعلیمی سندات بی اے، ایم اے، پی ایچ ڈی وغیرہ بعض الفاظ کے مخفف ہوتے ہیں یا جیسے جج، قاضی یا امیر کے الفاظ سے ان کے حاملین کا عہدہ اور اُن کے فرائض سمجھ میں آتے ہیں۔ اسی طرح حٰمٓ کے حروف سورۃ کا عنوان ہیں۔ جن سے سورۃ کے مضامین پر روشنی پڑتی ہے

شاہ صاحبؒ کشفی طور پر ان حروف کی حقیقت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ عالمِ بالا سے نازل ہونے والی نورانی چیز اس مادی جہاں میں آکر یہاں کے اعمالِ فاسدہ اور کفار کے اقوال واعتقادِ باطلہ کے ساتھ ٹکراتی ہے جس کی وجہ سے حق و باطل کے درمیان امتیاز پیدا ہوتا ہے۔ یہ حروف حٰمٓ اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے ظاہر ہے کہ ساری سورۃ کفار کے ساتھ بحث مباحثہ، ترغیب و ترہیب، اظہارِ حق اور تردید عقائدِ باطلہ پر ہی مشتمل ہے، لہٰذا ان مضامین کو حروف حٰمٓ کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔

تنزیل القرآن

حوامیم سبعہ کی پہلی سورۃ میں حروف حٰمٓ کے بعد قرآن پاک کی حقانیت وصداقت اور اُس کے منزل من اللہ ہونے کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ ساتوں سورتوں کا خاصہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ یہ کتاب یعنی قرآنِ حکیم اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے پیغمبر پر اتارا گیا ہے۔ یہ کسی انسان یا خود پیغمبر کا کلام نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اُس نے اپنے برگزیدہ بندے پر نازل فرمایا ہے اور اس کو نازل کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ ہے جو الۡعَزِيۡزِ کمال قدرت کا مالک ہے۔ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور اُس کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔ تمام غلبہ اور قوت اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔ اور وہ ذات

[1] الفوز الکبیر ص۱۰۸، ۱۰۸

اَلْعَلِیْمُ بھی ہے۔ کائنات کے ذرے ذرے سے باخبر ہونا خاصۂ خداوندی ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی ایسی ہستی نہیں جو علیم کل ہو، بلکہ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (الحجرات - ۱۶) ہر چیز کو جاننے والا صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اللہ نے اس بات کو دوسرے انداز میں اس طرح بیان فرمایا ہے اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ (الملک - ۱۴) کیا اللہ تعالیٰ ہی کسی چیز کو نہیں جانتا جو کہ خود ہر چیز کا خالق ہے؟ وہ نہایت ہی باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے۔ مطلب یہی ہے کہ خدا تعالیٰ ہر ذرے ذرے کا علم رکھتا ہے اور یہ صفت کسی اور میں نہیں پائی جاتی۔

نزول کتاب کے حوالے سے اس مقام پہ اللہ تعالیٰ کی آٹھ صفات بیان کی گئی ہیں۔ پہلی دو صفات تو بیان ہو گئیں کہ وہ عزیز اور علیم ہے۔ اب آگے تیسری صفت یہ بیان ہو رہی ہے غَافِرِ الذَّنْبِ وہ گناہوں کو بخشنے والا ہے وہ اپنی مخلوق پہ بڑا مہربان ہے۔ جب کوئی بندہ نادم ہو کر اس کے دروازے پہ آجاتا ہے تو اس کی رحمت جوش میں آکر اس کی تمام خطائیں معاف کر دیتی ہے اللہ کی چوتھی صفت یہ ہے وَقَابِلِ التَّوْبِ وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ کوئی شخص بڑے سے بڑا گناہ کرنے کے بعد بھی اگر سچے دل سے توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ ہاں اس میں پابندی اس قدر ہے کہ یہ توبہ عذاب کے آنے یا موت کی حالت طاری ہونے سے پہلے پہلے کر لی جائے جب عذاب آجائے یا انسان پہ غرغرے کی حالت طاری ہو جاتی ہے تو پھر توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

اس مقام پہ اللہ کی پانچویں صفت یہ بیان ہوئی ہے شَدِیْدِ الْعِقَابِ وہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ جب کوئی مجرم اپنے جرائم پہ اصرار کرتا چلا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتا تو پھر وہ سخت عذاب میں مبتلا کرنے پہ قادر ہے، وہ کسی باغی کو چھوڑتا نہیں۔ اللہ کی چھٹی صفت یہ ہے کہ وہ ذِی الطَّوْلِ

یعنی صاحب قوت وطاقت ہے طول کا معنیٰ فضل بھی آتا ہے اور طاقت بھی جیسا کہ سورۃ النساء میں ہے وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا (آیت - ۲۵) جو تم میں سے آزاد عورت کے ساتھ نکاح کی طاقت نہیں رکھتا وہ لونڈی کے ساتھ نکاح کرے بہر حال تفضل اور مقدرت دونوں صفات طول میں داخل ہیں۔

پھر فرمایا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں عبادت کے لائق صرف وہی ذات ہے - یہ اس کی ساتویں صفت ہے اور آٹھویں صفت یہ ہے اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ کہ سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ انسان کی یہ زندگی آخری زندگی نہیں کہ جس کے بعد معاملہ ختم ہو جائے گا۔ بلکہ اسے برزخ اور آخرت کی زندگی بھی گذارنا ہے۔ مرنے کے بعد قیامت کو پھر اسے اٹھایا جائے گا اور ہر انسان کو اپنے پروردگار کی عدالت میں پیش ہو کر اپنے عقائد و اعمال کا حساب دینا ہے، اس لیے فرمایا کہ سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

آیات الٰہی میں مجادلہ

پہلے نزول قرآن کا ذکر کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے جس کی آٹھ صفات بھی بیان کیں۔ آگے اس کتاب الٰہی کے متعلق شکوک وشبہات رکھنے والوں اور اس پر اعتراض کرنے والوں کے متعلق فرمایا مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا نہیں جھگڑا کرتے اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں مگر وہی جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کر رکھا ہے۔ اس جھگڑے سے مطلق جھگڑا مراد نہیں بلکہ ایسا جھگڑا مراد ہے جس کے ذریعے حق کو مغلوب کرنے کی کوشش کی جائے۔ ظاہر ہے کہ کافر لوگ ہمیشہ حق کو مٹانے کے درپے رہتے ہیں اور اس مقصد کے لیے جھگڑے، بحث، مباحثے اور مناظرے کے علاوہ ہر قسم کے حربے استعمال کرتے ہیں۔ ہاں وہ بحث مباحثہ کرنے کی اجازت ہے جو احسن طریقے سے کیا جائے۔ خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اپنے پروردگار کے راستے کی طرف حکمت اور بہتر موعظت کے ذریعے دعوت دیں وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (النحل - ۱۲۵) اور جب کسی غیر

مذہب سے بحث ومباحثہ کی نوبت آئے تو احسن طریقے سے انجام دیں۔ فرمایا
فَلَا یَغْرُرْکَ تَقَلُّبُهُمْ فِی الْبِلَادِ اور ان بے دین اور دشمن خدا لوگوں
کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے۔ کفار کی عیش وعشرت اور
آرام و آسائش کی زندگی دیکھ کر آپ دھوکہ میں نہ پڑیں۔ یہ سہولتیں اُن کے اچھا
ہونے کی دلیل نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت دی جارہی ہے۔
وہ جب چاہے گا انہیں گرفت میں لے لے گا۔

پھر آگے اللہ نے تاریخی مثال بیان فرمائی ہے کہ جس طرح آپ کے زمانے
کے لوگ خدا تعالیٰ، اُس کے رسول اور اُس کی کتاب کی تکذیب کر رہے ہیں، اسی
طرح کَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم
نے بھی تکذیب کی۔ وَالْاَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ اور بہت سے فرقوں
اور گروہوں نے قوم نوح کے بعد بھی تکذیب کی۔ نوح علیہ السلام کے بعد
بڑی طاقتور قومیں دنیا میں پیدا ہوئیں جنہوں نے اللہ کے نبیوں کو جھٹلایا، اور
وقوع قیامت کا انکار کیا۔ وَهَمَّتْ کُلُّ اُمَّةٍ بِرَسُوْلِهِمْ
لِیَاْخُذُوْهُ ایسی ہر امت نے اپنے رسول کے متعلق ارادہ کیا کہ اُسے پکڑ کر ہلاک
کر دیں۔ قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کو ہلاک کرنے کا مشورہ کیا۔ حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پہ لٹکانے کی سعی کی گئی۔ اللہ کے کئی نبیوں کو قتل کر دیا گیا۔
خود حضور علیہ السلام کے متعلق بھی کفار نے قتل کا منصوبہ بنایا مگر ناکام رہے
وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِیُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ نیز ان لوگوں نے باطل کے
ساتھ گٹھ جوڑ کر کے جھگڑا کیا تاکہ اس کے ذریعے حق کو گرا دیں۔ کمزور کر دیں
یا مٹا دیں۔ فرمایا یہ تو اپنی سکیم میں کامیاب نہ ہو سکے، البتہ فَاَخَذْتُهُمْ
میں نے اُن کو گرفت میں لے لیا۔ وہ لوگ ذلیل و خوار ہوئے فَکَیْفَ کَانَ
عِقَابِ پھر میری سزا کیسی ثابت ہوئی جس نے مکذبین کی جڑ بنیاد ہی اکھاڑ کر
رکھ دی ہے اور وہ صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ گئے۔

آگے پھر نزول قرآن کے زمانے کے کافروں کے متعلق فرمایا وَكَذَٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ اسی طرح ثابت ہوگئی تیرے رب کی بات عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ان لوگوں پر جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا۔ سابقہ منکرین کی طرح یہ بھی عذاب الٰہی سے بچ نہ سکے أَنَّهُمْ أَصْحَابُ النَّارِ بلاشبہ یہ لوگ جہنم کا شکار ہونے والے ہیں۔ یہ بھی اپنی قبیح حرکات سے باز آنے والے نہیں ہیں، لہذا لامحالہ خدا کی گرفت میں آکر جہنم رسید ہوں گے۔

درس دوم ٢ — آیت ٧ تا ٩

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ
بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ
لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً
وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ
وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ﴿٧﴾ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ
جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ
مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ ؕ
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿٨﴾ وَقِهِمُ
السَّیِّاٰتِ ؕ وَمَنْ تَقِ السَّیِّاٰتِ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ
رَحِمْتَهٗ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿٩﴾ ع ٩ ١ ٦

ترجمہ :- جو اُٹھا رہے ہیں عرش کو اور جو اُس کے اردگرد ہیں، وہ تسبیح بیان کرتے ہیں تعریف کے ساتھ اپنے رب کی، اور ایمان رکھتے ہیں اس پر، اور بخشش طلب کرتے ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لائے (اور کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار! وسیع ہے ہر چیز پر تیری رحمت اور علم۔ پس بخشش دے اُن لوگوں کو جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستے پر چلے

اور بچا اُن کو آگ کے عذاب سے ⑦ اے ہمارے پروردگار! اور داخل کر اُن کو رہنے کے باغوں میں جس کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے اور اُن کو بھی جو نیک ہوں اُن کے آباؤاجداد میں سے اور اُن کی بیویوں اور اولادوں میں سے۔ بیشک تو غالب اور حکمت والا ہے ⑧ اور بچا اُن کو برائیوں سے، اور جس کو تو بچائے برائیوں سے، پس بیشک تو نے اُس پر مہربانی فرمائی، اور یہ ہے وہ بڑی کامیابی ⑨

ربطِ آیات

گذشتہ درس میں قرآن کریم کی حقانیت و صداقت اور اس کا وحی الٰہی کے ذریعے منزل من اللہ ہونا بیان ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی آٹھ صفات کا ذکر ہوا۔ اور انکار کرنے والوں کا شکوہ بیان ہُوا۔ یہ کافر لوگ جھگڑا کرتے ہیں جو کہ کوئی نئی بات نہیں کیونکہ ان سے پہلے لوگوں کو بھی اللہ نے اس جرم کی پاداش میں ہلاک کیا۔ باطل کے ذریعے حق کو مغلوب کرنے والوں کو اپنے سے پہلے لوگوں کا انجام یاد کر لینا چاہیئے۔ فرمایا تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے کہ کافر لوگ ضرور دوزخ میں جائیں گے۔

حاملین عرش فرشتے

اِس کے بعد اللہ نے اہل ایمان کا انجام بیان فرمایا ہے۔ مگر اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عظمت و حکمت اور جلال و بزرگی کا تذکرہ ہے۔ مضمون کی ابتدا حاملین عرش فرشتوں کے ذکر سے ہوتی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے اَلَّذِیۡنَ یَحۡمِلُوۡنَ الۡعَرۡشَ وہ فرشتے جو عرشِ عظیم کو اٹھائے ہوئے ہیں وَمَنۡ حَوۡلَہٗ اور جو عرش کے اردگرد طواف کر رہے ہیں۔

عرش کے اردگرد گھومنے والوں کا تذکرہ گذشتہ سورۃ کے آخر میں بھی ہو چکا ہے وَتَرَی الۡمَلٰٓئِکَۃَ حَآفِّیۡنَ مِنۡ حَوۡلِ الۡعَرۡشِ (الزمر۔ ۷۵) اور تو دیکھے گا فرشتوں کو جو عرش کے اردگرد چکر لگا رہے ہیں۔

بہرحال حاملین عرش اور اس کے ارد گرد والے فرشتے ملاء اعلیٰ میں پہلے درجے کے فرشتے ہیں۔ سورۃ الحاقہ میں ہے کہ آج تو عرشِ الٰہی کو تھامنے والے چار فرشتے ہیں مگر يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ (آیت - ۱۷) قیامت والے دن اِن کی تعداد آٹھ ہو جائے گی۔ شاہ عبدالعزیزؒ اپنی تفسیر عزیزی میں بیان کرتے ہیں کہ اس وقت حالات نارمل ہیں اس لیے عرش کو تھامنے کے لیے چار فرشتے ہی کافی ہیں، مگر قیامت والے دن اللہ کی قہری تجلیات نازل ہوں گی جس کی وجہ سے ثقل بہت بڑھ جائے گا، لہٰذا اُس دن حاملینِ عرش کی تعداد دگنی کر دی جائیگی

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اُذِنَ لِیَ اُحَدِّثَ مجھے اجازت دی گئی ہے کہ میں حاملینِ عرش فرشتوں کے متعلق یہ بیان کر دوں کہ ہر فرشتے کی جسامت اس قدر بڑی ہے کہ اُس کی کان کی لو سے لے کر کندھے تک سات سو سال کی مسافت ہے۔ فرشتوں کی تخلیق کے متعلق امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں رقمطراز ہیں[۱] کہ اللہ نے انسان کی مصلحت کی خاطر فرشتوں کو آدم علیہ السلام کی تخلیق سے اربوں کھربوں سال پہلے پیدا فرمایا۔ فرشتوں کے سات طبقات[۲] ہیں۔ سب سے بلند ملاء اعلیٰ کی جماعت ہے جن میں حاملین عرش بھی شامل ہیں۔ پھر حافین حول العرش فرشتے ہیں جو عرشِ الٰہی کا طواف کر رہے ہیں۔ اس کے بعد علیین کے فرشتے ہیں۔ پھر جنت کے فرشتے، آسمانوں، فضا اور زمین کے فرشتے۔ یہ تمام ملائکہ اللہ کی لطیف مخلوق ہیں جو ہر وقت احکامِ الٰہی کی تعمیل میں مصروف رہتے ہیں۔

شاہ رفیع الدین دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حاملین عرش فرشتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی چار صفات ابداع، خلق، تدبیر اور تدلی کا اظہار ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ بدیع یعنی موجد ہے۔ اُس نے آسمان و زمین کو بغیر مادے اور آلے کے پیدا کیا۔ وہ خالق ہے کہ اُس نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا۔ وہ مدبر بھی ہے کہ ہر چیز میں توازن برقرار رکھا اور ہر چیز کو بتدریج حد کمال تک

۱؎ حجۃ اللہ البالغہ صـ۲۳ ۲؎ الخیر الکثیر صـ۲۴۷

پہنچانا اسی کا کام ہے۔ اور پھر اس کی صفتِ تدلی کا مفہوم یہ ہے کہ جب شکمِ مادر میں انسان کی ساخت مکمل ہو جاتی ہے تو اس کی روح پہ خدا تعالیٰ کی تجلیٔ اعظم کا عکس پڑنا شروع ہو جاتا ہے جس کے ذریعے روح کا تعلق عالمِ بالا کے ساتھ قائم رہتا ہے۔

حضرت شاہ عبد العزیزؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت تو اس کائنات کی نسبت سے اللہ تعالیٰ کی مذکورہ چار صفات کا ظہور ہو رہا ہے مگر قیامت والے دن ان کے ساتھ چار مزید صفات شامل ہو جائیں گی۔ اُن میں سے ایک صفت انکشاف ہے کہ اس دن ہر چیز کو کھول دیا جائے گا۔ یعنی کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہے گی۔ فرماتے ہیں کہ دوسری صفت کمال ہے کہ اس دن ہر چیز اپنی حد کمال تک پہنچی ہوگی، پھر تیسری صفت تقدیس ہے۔ اس دن ہر قسم کی نجاست دور ہو کر ہر طرف طہارت اور پاکیزگی کا دور دورہ ہوگا۔ اور چوتھی صفت عدل ہے۔ کہ اس دن مکمل عدل و انصاف ہوگا۔ کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں ہوگی۔ چونکہ یہ صفات آٹھ ہو جائیں گی، اس لیے حاملینِ عرش فرشتوں کی تعداد بھی چار سے بڑھ کر آٹھ ہو جائے گی۔

عرشِ عظیم کی ساخت

عرشِ عظیم کا ذکر قرآنِ پاک میں کئی جگہوں پر آیا ہے۔ مثلاً سورۃ توبہ کی آخری آیت میں ہے وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ یعنی اللہ تعالیٰ ہی عرشِ عظیم کا رب ہے۔ عرش اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی مخلوق ہے۔ مفسرین کرام عرش کی ساخت کے متعلق فرماتے ہیں کہ عرش کے علاوہ اس کے نیچے کی تمام کائنات کی نسبت اس کے ساتھ ایسی ہے جیسے کسی صحرا میں ایک چھوٹا سا کڑا، چھلہ یا انگوٹھی پڑی ہو۔ صاحب روح المعانیؒ بیان کرتے ہیں اور بعض آثار میں یہ بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کو ایک سبز رنگ کے جوہر سے پیدا کیا جس کی کیفیت کو مخلوق میں سے کوئی نہیں جان سکتا کیونکہ اس کا تعلق عالمِ غیب سے ہے بہر حال عرش کی جسامت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی تیز رفتار پرندہ

عرش کے پائے کے ساتھ اسی ہزار سال تک اڑتا رہے تو بھی پائے کی مسافت طے نہیں کر سکتا۔

فرشتوں کی تسبیح

فرمایا کہ حاملینِ عرش اور اُس کے اِردگرد طواف کرنے والے فرشتے یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ اپنے پروردگار کی تسبیح بیان کرتے ہیں اُس کی تعریف کے ساتھ۔ وہ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ کا ورد کر کے خدا تعالیٰ کی تقدیس و تنزیہ بیان کرتے ہیں یعنی خدا تعالیٰ ہر نقص، عیب اور کمزوری سے پاک ہے۔ گویا یہ فرشتے ہر وقت تسبیح و تحمید میں مصروف رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا پورا یقین اور ایمان رکھتے ہیں۔ ایمان بہت بڑی حقیقت ہے، اسی لیے انسانوں کو بار بار تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنے ایمان کو درست کر لیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات، اُس کی صفات، توحید، کُتب، انبیاء اور قیامت پر ایمان لائیں اور اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک تسلیم کر لیں۔

بخشش کی دعائیں

فرمایا، فرشتوں کا ایک فرضِ منصبی یہ بھی ہے وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کہ وہ اہلِ ایمان کے لیے بخشش کی دعائیں کرتے ہیں۔ اس سے ایمان والوں کے درجات کا اظہار مقصود ہے۔ گذشتہ درس میں گزر چکا ہے کہ کافر لوگ جہنم رسید ہوں گے۔ مگر مومنوں کے متعلق فرمایا کہ اُن کے لیے اللہ کی پاک مخلوق فرشتے بخشش کی دعائیں مانگتے ہیں۔ اے پروردگار! اِن کی خطاؤں اور لغزشوں کو معاف فرما دے۔ سورۃ الشوریٰ میں ہے کہ فرشتے اپنے پروردگار کی تسبیح بیان کرتے ہیں اُس کی تعریف کے ساتھ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِى الْاَرْضِ (آیت۔ ۵) اور زمین کے ہر باسی کے لیے یعنی عام انسانوں کے لیے بھی مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں کہ مولا کریم! اِن کو فوری سزا نہ دے بلکہ مہلت دے دے شاید کہ یہ کافر اور مشرک بھی ایمان لے آئیں اور تیرے غضب سے بچ جائیں۔ البتہ اہلِ ایمان کے لیے خاص طور پر بخشش کی دعائیں کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ فرشتے یہ بھی عرض کرتے ہیں رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز پر وسیع ہے۔ تو رحمان و رحیم اور علیم کُل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا خود اپنا بیان ہے وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (الاعراف - ۱۵۶) میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے سزا تو میں خاص مجرموں کو ہی دیتا ہوں مگر پوری کائنات میری رحمت سے ہی مستفید ہو رہی ہے، تو فرشتے عرض کرتے ہیں! مولا کریم! تیری رحمت اور علم ہر چیز پر وسیع ہے فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا پس بخش دے اُن لوگوں کو جنہوں نے توبہ کر لی۔ جو اپنی غلطی کو تسلیم کر کے تیری طرف رجوع رکھتے ہیں نیز وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ جو تیرے راستے پر چلتے ہیں۔ ایمان اور نیکی کا جو راستہ تیرے نبیوں نے بتایا وہ اس پر گامزن ہیں۔ لہٰذا ہماری درخواست ہے وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ کہ اُن کو دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔

جنت میں داخلہ کی دعائیں

اللہ کے فرشتے یہ دُعا بھی مانگتے ہیں رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنٍ اے اللہ! مذکورہ اہل ایمان کو رہائش کے باغوں میں داخل فرما۔ جنت عدن کا معنیٰ ایسا باغ ہے جو رہائش کے لیے بھی استعمال کیا جا سکے۔ عام باغات میں تو درخت اور پودے وغیرہ ہی ہوتے ہیں مگر قابلِ رہائش باغات میں رہائش کی تمام سہولتیں بھی میسّر ہوتی ہیں۔ تو فرشتوں کی دُعا یہ ہوتی ہے کہ مولا کریم! اپنے ان بندوں کو رہائشی باغات (جنت عدن) میں داخل فرما الَّتِي وَعَدْتَّهُمْ جن کا تو نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے۔ نہ صرف ان کو جنت عدن میں داخلہ عطا فرما۔ بلکہ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ اور ان کے آباؤ اجداد میں سے نیکی والے لوگوں کو بھی یہ نعمت عطا فرما۔ اس کے علاوہ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ان کی بیویوں اور اولادوں کو بھی جنت میں داخل فرما۔ یہ سب ایمان کی برکت ہے کہ فرشتے نہ صرف اہل ایمان بلکہ ان کے نیک آباؤ و اجداد بیویوں اور اولاد کے لیے بھی ایسی ہی دعائیں کرتے ہیں۔

حضرت انسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں اللہ کے رسول علیہ السلام حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ سے محبت رکھتا ہوں اگرچہ میں اُن جیسے نیکی کے کام تو نہیں کر سکتا۔ مگر مجھے اللہ کی رحمت سے اُمید ہے کہ مجھے اِن بزرگوں کی معیت نصیب ہوگی۔ مقصد یہ کہ ایمان اور فرشتوں کی دُعا کی بدولت اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے لواحقین کو بھی اُنہی کے ساتھ ملا دیگا۔

شاہ عبد القادرؒ یہ نکتہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ کوئی آدمی اچھا عمل کرتا ہے مگر اُس کے لواحقین اُس د۔ جہ کو نہیں پہنچ پاتے، مگر اللہ تعالیٰ ایمان اور ان کے نیک جذبہ کی برکت سے انہیں بھی اعلیٰ مقام عطا کرے گا۔ اگرچہ وہ نیک کام کثرت کے ساتھ نہیں کر سکے مگر اُن میں جذبہ تو موجود ہے کہ اگر خدا تعالیٰ توفیق دے تو ہم بھی نیک کام انجام دیں۔ دوسری آیت میں موجود ہے۔ کہ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور پھر اُن کی اولاد نے بھی ایمان میں اُن کی پیروی کی تو ہم اُن کو بھی اہلِ ایمان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے اعمال میں کسی قسم کی کمی نہیں کریں گے۔ اہلِ ایمان اس بات پر خوش ہو جائیں گے۔ کہ اُن کے لواحقین بھی اُن کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں۔ الغرض! فرشتے اہلِ ایمان اور اُن کے لواحقین کے حق میں دُعائیں کرنے کے ساتھ ساتھ رب تعالیٰ کی صفات بھی بیان کریں گے اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ پروردگار! بیشک تو غالب بھی ہے اور حکمت والا بھی۔ تو ہر چیز پر قادر ہے لہٰذا غالب ہے اور اہلِ ایمان کو ملنے والے انعامات تیری حکمت کے عین مطابق ہیں۔

معاصی سے بچاؤ کی دُعا

اللہ کے مقرب فرشتے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال بھی کرتے ہیں کہ پروردگار! وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ اپنے اِن نیک بندوں کو برائیوں سے محفوظ رکھ کیونکہ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ جس کو تو نے آج برائیوں سے بچا لیا۔ بیشک تو نے اس پر مہربانی فرمائی۔ اگر کوئی شخص دنیا میں کفر، شرک، بدعات اور معاصی سے بچ گیا تو سمجھ لو کہ اللہ نے اس پر خاص مہربانی

فرمائی ہے۔ اس کی حقیقت تو قیامت کو ہی کھُلے گی۔ کیونکہ دنیا میں تو صحیح پتہ نہیں چلتا کہ کون شخص گناہوں میں ملوث ہے اور کس کو اللہ نے بچا لیا ہے۔ فرمایا وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ یہ بہت بڑی کامیابی ہے کہ دنیا میں ایمان نصیب ہو جائے۔ اللہ کے بتلائے ہوئے راستے پر حسبِ توفیق چلتا رہے اور برائیوں سے بچ جائے۔ جو شخص ایسی حالت میں قیامت کے دن میدانِ حشر میں حاضر ہو گا۔ اس کو بہت بڑی کامیابی حاصل ہو گئی۔ اللہ کی رحمت اس کے شاملِ حال ہو جائے گی، عزت نصیب ہو گی اور وہ جنتِ عدن میں پہنچ جائے گا۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے اللہ کے فرشتے دعائیں کرتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ
مِن مَّقْتِكُمْ أَنفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى
الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ⑩ قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا
اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا
بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَىٰ خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ ⑪
ذَٰلِكُم بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ
وَإِن يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا ۚ فَالْحُكْمُ لِلَّهِ
الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ⑫

ترجمہ :- بے شک وہ لوگ جنھوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا ، وہ پکارے جائیں گے (اور ان سے کہا جائیگا) اللہ کی ناراضگی زیادہ بڑی ہے تمھاری اپنی جانوں پر ناراضگی سے ۔ جب تمھیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا۔ تو تم کفر کرتے تھے ⑩ وہ کہیں گے ، اے ہمارے پروردگار ! تو نے موت دی ہمیں دو دفعہ اور زندہ کیا دو دفعہ - پس ہم اقرار کرتے ہیں اپنے گناہوں کا ، پس کیا نکلنے کا کوئی راستہ ہے ؟ ⑪ یہ اس لیے کہ جب پکارا جاتا تھا اللہ وحدہٗ لاشریک کو تو تم کفر کرتے تھے اور اگر شرک کیا جاتا تھا اس کے ساتھ تو تم یقین کر لیتے تھے - پس حکم اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو بلند اور بڑا ہے ⑫

رابطِ آیات

گذشتہ آیات میں پہلے قرآن پاک کی حقانیت اور اس کا وحی الٰہی ہونا ذکر ہوا، پھر اللہ تعالیٰ کی آٹھ صفات بیان ہوئیں اور کافروں کے طرزِ عمل کا شکوہ کیا گیا۔ اللہ نے پہلی قوموں کا حال بیان کیا اور اُن کے انجام سے خبردار کیا۔ پھر اللہ کے رسول کے ساتھ عناد رکھنے والے ضدی لوگوں کی مخالفت کا حال بیان ہُوا۔ اس کے بعد اللہ نے اہل ایمان کے مرتبے اور اُن کے انجام کا ذکر کیا۔ فرمایا کہ حاملین عرش اور اس کے اردگرد طواف کرنے والے ملائکہ مقربین اہلِ ایمان کے لیے بخشش کی دعائیں کرتے ہیں جن کے صلے میں اللہ تعالیٰ انہیں جنتِ عدن میں ٹھکانا عطا فرمائے گا۔

کفار کی حسرت

اب آج کے درس میں کفار کی اُس پریشانی اور حسرت کا ذکر کیا ہے جو اُن کو قیامت کے روز پیش آئے گی۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بیشک وہ لوگ جنہوں نے اس دنیا میں کفر کا شیوہ اختیار کیا یعنی اللہ کی ذات، صفات، توحید، ایمان، شریعت، انبیاء، کتب سماویہ، ملائکہ اور آخرت کے دن کا انکار کیا یُنَادَوْنَ اُن کو پکار کر کہا جائے گا۔ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اللہ کی ناراضگی زیادہ بڑی ہے تمہاری اپنی جانوں پر ناراضگی سے۔ قیامت والے دن جب کفار کو اپنا انجام نظر آنے لگے گا تو انہیں اپنی سابقہ کارکردگی پر سخت افسوس ہوگا جس کی بنا پر وہ اپنے آپ پر نفرت اور ناراضگی کا اظہار کریں گے کہ ہم دنیا میں غلط راستے پر کیوں چلتے رہے جس کی وجہ سے یہ انجامِ بد دیکھنا پڑا۔ مگر اُدھر سے آواز آئے گی کہ آج اللہ تعالیٰ تم سے جس قدر ناراض ہے تمہاری اپنی جانوں پر ناراضگی تو اس کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتی یعنی اللہ کی ناراضگی تمہاری ناراضگی سے زیادہ شدید ہے۔ فرمایا اللہ کی ناراضگی تو اُس وقت بھی بڑی تھی اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ جب تمہیں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی فَتَكْفُرُوْنَ تو تم اُسے قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔ تمہارے پاس اللہ کے نبی آئے، کتابیں آئیں جن کے ذریعے تمہیں اللہ کے احکام اور شرائع پہنچائے گئے

مگر تم اُس وقت غرور و تکبر میں مبتلا تھے اور ہر چیز کا انکار کر رہے تھے۔ جب تمھیں وقوعِ قیامت اور محاسبہ اعمال سے ڈرایا جاتا تھا۔ تو اس وقت بھی انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کوئی قیامت نہیں، نہ کوئی محاسبہ اعمال ہے اور نہ کوئی سزا اور جزا۔ اللہ تعالیٰ تو اس وقت بھی تم سے سخت ناراض تھا۔ آخر وہ کیوں ناراض نہ ہوتا۔ جب کہ تم حق کی بجائے باطل کے پروگرام کو سر بلند کرنا چاہتے تھے اور توحید کی بجائے شرک و کفر کو اختیار کر رکھا تھا۔

دنیا میں واپسی کی خواہش

غرضیکہ قیامت والے دن کافر لوگ حسرت و یاس کا اظہار کریں گے قَالُوْا اور ساتھ عرض کریں گے رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں دو دفعہ موت دی اور دو دفعہ زندگی بخشی، فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا پس ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہم سے واقعی غلطیاں ہوئی ہیں اور ہم نے بُرے کام انجام دیے ہیں فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ پس کیا ہے نکلنے کا کوئی راستہ۔ مطلب یہ ہے کہ کس طرح ہم واپس دنیا میں جا کر اپنے سابقہ اعمال کی تلافی کر لیں اور نیک اعمال انجام دینے لگیں، اس مرتبہ ہم کفر و شرک سے بیزاری کا اعلان کر کے ایمان اور توحید کو قبول کر لیں گے، تو کیا یہاں سے نکل کر واپس جانے کی کوئی صورت ہے؟ مگر یہ ناممکن ہوگا۔ سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، حقیقت یہ ہے وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (آیت - ۲۸) کہ اگر انہیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تو پھر وہی برے کام ہی کریں گے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اُن کی استعداد کو جانتے ہیں لہٰذا وہ انہیں دنیا میں دوبارہ واپس نہیں بھیجیں گے۔

دوہری موت و حیات

دو مرتبہ موت و حیات کے متعلق مفسر سدیؒ کہتے ہیں کہ پہلی موت اس دنیا میں آتی ہے اور انسان کو برزخ میں سوال و جواب کے لیے زندہ کیا جاتا ہے اس کے بعد اُس پر دوسری مرتبہ موت طاری ہوتی ہے اور حشر کے دن اُسے دوبارہ

زندہ کیا جائے گا۔ اس طرح گویا ہر انسان کے لیے دو اموات اور دو زندگیاں ہو گئیں مگر جمہور مفسرین جن میں امام بیضاویؒ۔ امام ابن جریرؒ، امام ابن کثیرؒ، صاحب بیان القرآنؒ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت قتادہؓ، امام ضحاکؒ اور دیگر بڑے بڑے مفسرین شامل ہیں، فرماتے ہیں کہ پہلی موت سے مراد وہ موت ہے جب انسان پیدائش سے پہلے بے جان لوتھڑا تھا، پھر حمل کے چوتھے مہینے میں شکمِ مادر میں اُس ڈھانچے میں اللہ نے روحِ الٰہی ڈالی تو اس کو زندگی حاصل ہو گئی۔ پھر جب انسان پیدا ہو کر اپنی زندگی پوری کرتا ہے تو اُس پر اس دنیا میں موت طاری ہو جاتی ہے، یہ اس کی دوسری موت ہو گئی اور قیامت والے دن دوبارہ زندگی اُس کی دوسری زندگی شمار ہو گی۔ اس نظریے کے ثبوت میں مفسرین سورۃ البقرہ کی آیت ۔ ۲۸ پیش کرتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کس طرح کفر کرتے ہو، حالانکہ تم مردہ تھے تو اللہ نے تمھیں زندہ کیا۔ پھر وہ تم پر موت طاری کرتا اور قیامت کو پھر زندہ کرے گا۔

مفسرؒ حقانیؒ فرماتے ہیں کہ آخرت کی زندگی کا آغاز عالمِ برزخ سے ہو جاتا ہے۔ جب کسی انسان کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو اس کی روح کو دوبارہ لوٹا دیا جاتا ہے اور پھر اس مرنے والے سے قبر کے سوال وجواب ہوتے ہیں۔ اس ابتدائی حساب کتاب کے بعد بھی روح کا تعلق جسم کے ساتھ کسی درجے تک قائم رہتا ہے، جبھی تو اُس کو سزا یا راحت کا احساس ہوتا رہتا ہے۔ قرآن کی بعض آیات اور متعدد احادیث صحیحہ سے برزخ کی سزا یا جزا کا ثبوت ملتا ہے۔ بعض معتزلہ قسم کے فرقوں نے اس کا انکار کیا ہے مگر یہ گمراہی اور کفر کے مترادف ہے۔ قبر کی زندگی کو مکمل قید کی بجائے ادنیٰ درجے کی حوالات کی زندگی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے بعض کہتے ہیں کہ پہلی زندگی سے مراد عہد الست والی زندگی ہے۔ جب کہ

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے تمام ارواحِ انسانی کو نکال کر ان سے عہد و پیمان لیا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى (اعراف - ۱۷۲) اللہ نے پوچھا تھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ تو سب نے جواب دیا تھا، کیوں نہیں، تو ہی ہمارا پروردگار ہے۔ اس عہد کے بعد اللہ نے سب پر موت طاری کر دی اور یہ انسان کی پہلی موت ہے۔ پھر انسان کی پیدائش کے وقت دوسری زندگی دی اور پھر جب اس کا وقت پورا ہو جاتا ہے تو دوبارہ موت دے دیتا ہے پھر جب حشر قائم ہو گا تو انسان کو دوسری دفعہ زندگی نصیب ہو گی۔ اس طرح دو اموات اور دو زندگیاں ہو گئیں۔

شرک کا خمیازہ

فرمایا حشر والے دن کافر لوگ سخت مشکل میں ہوں گے اور خود اپنے آپ پر ناراضگی اور نفرت کا اظہار کریں گے۔ اللہ نے فرمایا ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ یہ اس وجہ سے کہ دنیا میں جب تمہیں اللہ وحدہٗ لاشریک کی طرف بلایا جاتا تھا کہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہی معبود برحق مانو، اُسی پر ایمان لاؤ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ تو تم اس دعوت کا انکار کر دیتے تھے، اور کہتے تھے کہ اللہ کے علاوہ ہمارے سفارشی بھی ہیں جن کو اللہ نے اختیار دے رکھا ہے، وہ ہماری بگڑی بنا دیتے ہیں اور اللہ کا قرب دلاتے ہیں۔ اللہ نے اُن پر الوہیت کی چادر ڈال رکھی ہے اور یہ ہماری مشکلات کو حل کروا دیتے ہیں۔ چنانچہ تم نے دنیا میں کسی کو خدا تعالیٰ کا بیٹا تسلیم کیا اور کسی کو مختار مانا۔ بعض کے متعلق یہ عقیدہ قائم کر لیا کہ ہم براہ راست خدا کو راضی نہیں کر سکتے، ہم ان معبودوں کو راضی کرتے ہیں تاکہ یہ آگے اللہ کو راضی کر کے ہمیں بچا لیں۔ غرضیکہ تم نے کفر کے حق میں طرح طرح کے فلسفے بنا رکھے تھے جس کی بنا پر اللہ وحدہٗ لاشریک کا انکار کرتے تھے وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا اور اگر اس کے ساتھ شرک کیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ دوسروں کو بھی حاجت روا اور مشکل کشا کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

ان کے سامنے نذر و نیاز پیش کی جاتی تھی، اور اُن کو سجدے کیے جاتے تھے تو تم اس پر یقین کر لیتے تھے کہ یہ بالکل ٹھیک ہو رہا ہے۔ مطلب یہ کہ تم ایمان اور توحید کا انکار کرتے تھے اور شرکیہ کاموں پر خوش ہوتے تھے۔ یہ اسی جرم کا نتیجہ ہے جو تمھارے سامنے ہے اور تمھیں اپنی سابقہ زندگی پر افسوس ہو رہا ہے۔ اور خود اپنے آپ سے بیزاری کا اظہار کر رہے ہو۔ آج تم اس مصیبت سے نکلنے کی راہ تلاش کر رہے ہو اور دوبارہ دنیا میں جا کر سابقہ اعمال کی تلافی کرنا چاہتے ہو مگر اب یہ موقع نہیں مل سکتا۔ عمل کی دنیا ختم ہو کر جزائے عمل کی منزل آچکی ہے۔ اب تمھیں اپنی کمائی کا مزا چکھنا ہی ہوگا۔

فرمایا حقیقت یہ ہے فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ آج فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے جو بلند و برتر اور بڑائی کا مالک ہے۔ آج کسی دوسرے کا حکم نہیں چل سکتا۔ ہر چیز اللہ وحدہٗ لا شریک کے اختیار میں ہے۔ تمہیں طوعاً و کرھاً اسی کے حکم کے سامنے اپنی گردن کو جھکانا ہوگا۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ
السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴿١٣﴾
فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ
الْكٰفِرُوْنَ ﴿١٤﴾ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ
يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ
عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿١٥﴾ يَوْمَ هُمْ
بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ؕ
لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿١٦﴾
اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا
ظُلْمَ الْيَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٧﴾
وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ
لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۚ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ
حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿١٨﴾ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ
الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿١٩﴾ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ
بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ
بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿٢٠﴾ ع ٢ / ٧

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ وہی ہے جو دکھاتا ہے تمھیں اپنی
نشانیاں، اور اتارتا ہے آسمان کی طرف سے تمھارے لیے
روزی۔ اور نہیں نصیحت حاصل کرتا مگر وہ شخص جو
رجوع رکھتا ہے (۱۳) پس پکارو اللہ تعالیٰ کو (اس حال
میں) کہ خالص کرنے والے ہو اُسی کی اطاعت اگرچہ
ناپسند کرتے ہیں اِس کو کفر کرنے والے (۱۴) وہ بلند
درجوں والا ہے، عرش کا مالک ہے، اتارتا ہے روح
(وحی) اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے
تاکہ ڈرائیں وہ ملاقات کے دِن سے (۱۵) جس دِن
وہ ظاہر ہونے والے ہوں گے۔ نہیں مخفی ہو گی
اللہ کے سامنے اُن میں سے کوئی چیز۔ کس کے لیے
ہے بادشاہی آج کے دِن، اللہ تعالیٰ کے لیے جو اکیلا
اور دباؤ والا ہے (۱۶) آج بدلہ دیا جائے گا ہر نفس
کو جو اُس نے کمایا۔ نہیں زیادتی ہو گی آج کے دن۔
بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے (۱۷) اور
ڈرا دیں آپ اِن کو قریب آنے والے دِن سے
جب کہ دل گلوں تک پہنچ رہے ہوں گے۔ نہیں
ہو گا ظالموں کے لیے کوئی دوست اور نہ کوئی سفارشی
جس کی بات مانی جائے (۱۸) وہ جانتا ہے آنکھوں کی
خیانت کو اور جس چیز کو سینے چھپاتے ہیں (۱۹) اور
اللہ تعالیٰ فیصلہ کرتا ہے حق کے ساتھ۔ اور جن کو
یہ پکارتے ہیں اُس کے سوا، وہ نہیں فیصلہ کرتے کسی
چیز کا۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ سننے والا اور دیکھنے والا (۲۰)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں فرمایا کہ قیامت والے دن کافر لوگ خود اپنے آپ پہ غصے، ناراضگی اور بیزاری کا اظہار کریں گے۔ کہ انہوں نے دنیا میں ایمان قبول کیوں نہ کیا، مگر اُن سے کہا جائے گا کہ تمہاری اس ناراضگی سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اُس وقت بھی زیادہ تھی جب تمہیں ایمان کی دعوت دی جاتی تھی اور تم انکار کر دیتے تھے۔ پھر وہ اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے خواہش ظاہر کریں گے کہ انہیں دنیا میں دوبارہ بھیج دیا جائے تاکہ وہ اپنے سابقہ عقائد و اعمال کی تلافی کر سکیں، مگر یہ ممکن نہ ہوگا۔ اُن کو سزا مل کر رہے گی۔ کیونکہ دنیا میں جب اللہ وحدہ لاشریک کو پکارا جاتا تھا، تو یہ لوگ انکار کر دیتے تھے، اور جب شرکیہ باتیں ہوتی تھیں تو اُن پہ یقین کر لیتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ آج کے دن فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے مجرموں کو سزا ضرور ملے گی اور اُن کے باہر نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

نشانات قدرت

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے بعض نشانات پیش کیے ہیں جو دلائل توحید بھی ہیں اور ساتھ ساتھ جزائے عمل کا ذکر بھی کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے هُوَ الَّذِىْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے۔ اِن نشانیوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی عظمت سمجھ میں آسکتی ہے۔ فرمایا ایک نشانی یہ ہے وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا کہ وہ تمہارے لیے آسمان کی طرف سے روزی نازل فرماتا ہے۔ سورۃ الذریٰت میں وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے۔ وَفِى السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ (آیت ۲۲) اور آسمانوں میں ہے تمہارا رزق اور جو تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رزق کا حکم اُوپر سے آتا ہے تو تقسیم ہوتا ہے اور جو تم سے موت کا وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ ضرور آنے والی ہے اُس کا حکم بھی عالم بالا سے ہی آتا ہے۔ بہرحال روزی کا آسمان کی طرف سے نزول ایک تو اس وجہ سے ہے کہ اُس کا حکم اُوپر سے آتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بارش بھی اُوپر کی طرف سے بادلوں

کے ذریعے آتی ہے۔ جس سے زمین میں روئیدگی پیدا ہوتی ہے اور پھر رزق کا سامان اناج، پھل، سبزیاں وغیرہ پیدا ہوتی ہیں۔ اللہ نے سورۃ نمل میں اسی بات کو ایک دوسرے انداز میں بیان کیا ہے وَمَنۡ یَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ (آیت - ۶۴) تمہیں آسمان و زمین سے روزی کون پہنچاتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ مطلب یہ ہے کہ روزی رساں فقط اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس کے ساتھ کوئی بھی شریک نہیں۔ اللہ کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ بارش برسا کر زمین سے پھل اناج اور سبزیاں پیدا کر سکے۔ اگر انسان صرف ایک اسی دلیل میں غور و فکر کر لے تو اُسے اللہ کی وحدانیت سمجھ میں آجائے اور وہ شرک میں کبھی ملوث نہ ہو۔ مگر فرمایا وَمَا یَتَذَکَّرُ اِلَّا مَنۡ یُّنِیۡبُ نصیحت وہی شخص حاصل کرتا ہے۔ جو خدا کی طرف رجوع رکھتا ہے۔ جو شخص اپنی غلطی سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیتا ہے، وہی اِن دلائل میں غور و فکر کر کے صحیح نتیجے پر پہنچ سکے گا۔

توحید پر استقامت

فرمایا جب آسمان کی طرف سے روزی اللہ تعالیٰ ہی نازل فرماتا ہے۔ فَادۡعُوا اللّٰهَ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ تو پھر بندگی اور اطاعت بھی خالص اسی کے لیے کرنے والے بنو اور کسی کو اُس کا ساجھی اور شریک نہ بناؤ۔ خالص اللہ ہی کو پکارو وَلَوۡ کَرِهَ الۡکٰفِرُوۡنَ اگرچہ کفر کرنے والے اس چیز کو ناپسند ہی کریں۔ آگے اللہ تعالیٰ کی شان بیان ہو رہی ہے کہ وہ ذات رَفِیۡعُ الدَّرَجٰتِ بلند درجات والی ہے۔ یہاں پر درجات کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی تمام صفات کامل درجے کی ہیں گویا وہ ذات تمام خوبیوں کی صفات کے ساتھ متصف ہے۔ اُس کی صفات میں کوئی نقص یا عیب نہیں، وہ بلند صفات کا مالک ہے۔ یہ تو رفیع الدرجات کا لازمی معنیٰ ہو گیا۔ لیکن بعض مفسرین اس کا متعدی معنیٰ بھی کرتے ہیں۔ رفیع صفت مشبہ کا صیغہ ہے جو فاعل کے معنی میں آتا ہے یعنی وہ درجات کو بلند کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ

بندوں انبیاء، شہداء اور حسب المراتب دیگر صالحین کے درجات کو بلند کرنے والا ہے
اُس کا ارشاد ہے وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوۡا (الاحقاف - ۱۹) ہر
شخص کے لیے اُس کے عمل کے مطابق درجات ہوں گے، وہی درجوں کو بلند
کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ ذُو الْعَرْشِ یعنی عرشِ عظیم کا مالک بھی ہے۔ یہ عرش الٰہی
بہت بڑی چیز ہے۔ جس کو اللہ کے مقرب فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں اور اس
کے ارد گرد والے فرشتے اس کا طواف اور اللہ کی تسبیح و تحمید بیان کر رہے ہیں۔
عرش پر ہر وقت خدا تعالیٰ کی تجلیات نازل ہوتی رہتی ہیں۔ جو ساری کائنات کو
رنگین بناتی ہیں۔ اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اور پھر وہ پلٹ کر واپس
جاتے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔

وحی الٰہی کا نزول

آگے اللہ تعالیٰ کی یہ صفت بھی بیان ہوئی ہے یُلۡقِی الرُّوۡحَ مِنۡ
اَمۡرِهٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا
ہے اپنے حکم سے روح اتارتا ہے۔ روح کا اطلاق وحی الٰہی پر بھی ہوتا ہے،
اور روحِ انسانی پر بھی۔ وحی کا لفظی معنی پوشیدہ بات ہے اور مطلب یہ ہے
کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں پر وحی نازل فرماتا ہے جو اللہ کے احکام اور شریعت
دوسرے لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ نزولِ وحی کا سلسلہ اللہ نے حضرت آدم
علیہ السلام سے شروع کر کے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا
ہے۔ وحی کے ذریعے نازل ہونے والی اللہ کی آخری کتاب قرآن حکیم کا
پروگرام اب قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے نافذ العمل ہے۔ اس
کے بعد نہ وحی کا نزول ہوگا، نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی کتاب۔

فرمایا وحی الٰہی کے نزول کا مقصد یہ ہے لِیُنۡذِرَ یَوۡمَ التَّلَاقِ
تاکہ جس پر وحی الٰہی نازل ہوئی ہے وہ ملاقات یعنی قیامت کے دن سے
ڈرائے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اس وحی کے ذریعے لوگوں کو
ڈرائے۔ تلاق کا لغوی معنی آپس میں مل جانا ہوتا ہے اور قیامت والے دن سب

لوگ مل جائیں گے یعنی اکٹھے ہو جائیں گے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ ظالم اور مظلوم اکٹھے ہو جائیں گے اور پھر ایک دوسرے پر کی گئی زیادتی کا بدلہ طلب کریں گے۔ اسی طرح عابد اور معبود اور قاتل اور مقتول بھی اکٹھے ہونگے اور آپس میں جھگڑا کریں گے۔ غرض قیامت والے دن سب اگلے پچھلے اکٹھے ہو جائینگے اور اپنے اپنے اعمال کا نتیجہ حاصل کریں گے۔ فرمایا نزول وحی کا مقصد یہ ہے کہ اس دن سے لوگوں کو ڈرا دیا جائے، کہ دنیا میں کوئی ایسا کام نہ کریں جس کی اُس دن سزا بھگتنی پڑے۔

بادشاہی صرف اللہ کی

اُسی قیامت والے دن کے متعلق فرمایا یَوۡمَ هُمۡ بَارِزُوۡنَ جس دن وہ ظاہر ہونے والے ہوں گے۔ بروز کا معنیٰ باہر نکلنا ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ جس دن لوگ قبروں سے باہر نکلیں گے۔ اُس وقت کھلے میدان میں ہوں گے جہاں کوئی شجر، حجر، پہاڑ یا آڑ نہیں ہو گی۔ بلکہ ہر شخص دوسرے کو اپنے سامنے پائے گا۔ لَا یَخۡفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنۡهُمۡ شَیۡءٌ اللہ کے سامنے اُن میں کوئی چیز مخفی نہیں ہو گی۔ ہر ظاہر و باطن سامنے آ جائے گا۔ دنیا میں تو انسان روپوش بھی ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات حکومت بھی انہیں تلاش کرنے میں ناکام رہتی ہے مگر اُس دن کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہے گی۔ حتیٰ کہ لوگوں کے سینوں کے راز بھی کھل کر سامنے آ جائیں گے۔ اُس وقت آواز آئے گی تبلاؤ لِمَنِ الۡمُلۡكُ الۡيَوۡمَ آج بادشاہی کس کی ہے؟ اُس وقت کوئی جواب نہیں دے سکے گا۔ دنیا کے بڑے بڑے جابر حکمران اور فوجی جرنیل انگشت بدنداں ہوں گے اور کسی کو دم مارنے کی ہمت نہیں ہو گی، سب خاموش ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ خود ہی جواب دے گا لِلّٰهِ الۡوَاحِدِ الۡقَهَّارِ آج بادشاہی صرف خدائے یکتا کی ہے جو دباؤ والا ہے۔ اُس کے سامنے ہر چیز مغلوب ہے۔ آج اُسی کا حکم غالب ہے۔

مفسرین کرام تفسیری روایات بیان کرتے ہیں کہ جب صور پھونکا جائے گا تو ساری مخلوق ہلاک ہو جائے گی سوائے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل کے۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اب کون باقی رہ گیا ہے۔ اسرافیل عرض کرے گا، پروردگار! تیری ذات ہے اور جبرائیل اور میکائیل ہیں۔ ان کے علاوہ تیرا یہ بندہ اسرافیل ہے۔ جو صور پھونکنے پر مامور ہے۔ اللہ فرمائے گا جبرائیل اور میکائیل کو بھی فنا کر دو، پھر ایسا ہی ہوگا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اسرافیل سے کہے گا۔ کہ تم بھی مر جاؤ تو وہ بھی ہلاک ہو جائے گا۔ اور کوئی بھی باقی نہیں بچے گا۔ اُس وقت اللہ تعالےٰ فرمائے گا کہ آج بادشاہی کس کی ہے، بڑے بڑے ظالم، جابر اور دعویدار کہاں گئے مگر کوئی جواب نہیں آئے گا۔ پھر اللہ خود ہی فرمائے گا کہ آج کے دِن بادشاہی صرف اللہ کی ہے جو واحد اور قہار ہے۔

جزائے عمل کی منزل

ارشاد ہوتا ہے اَلْیَوْمَ تُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ آج ہر نفس کو اُس کی کمائی کا بدلہ ملے گا۔ دنیا میں اُس نے جو بھی اچھا یا برا عمل کیا ہے اُس کی جزا یا سزا ملے گی۔ سورۃ المدثر میں ہے کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ رَھِیْنَۃٌ (آیت ۔ ۳۸) اُس دِن ہر شخص اپنی کمائی کا مرہون ہوگا۔ یعنی اس میں پھنسا ہوا ہوگا۔ اُس نے دُنیا میں رہ کر اپنے اندر جو بھی اعمال کردار یا اخلاق جمع کیے ہیں۔ وہ سب محفوظ ہوں گے اور کوئی چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی ضائع نہیں ہوگا بلکہ سب سامنے آجائے گا۔ اور ہر شخص کو اُس کا بھگتان کرنا پڑے گا۔ مگر ایک بات ہے لَا ظُلْمَ الْیَوْمَ آج کے دِن کسی پر زیادتی نہیں ہوگی۔ دنیا میں تو لوگ ایک دوسرے پر ظلم کرتے رہے اور ایک دوسرے کا حق ناجائز طریقے سے غصب کرتے رہے مگر آج حق و انصاف کا بول بالا ہوگا۔ اسی لیے اس دن کو یَوْمَ الدِّیْنِ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ پورے پورے بدلے کا دِن ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ حساب کتاب شروع کرے گا۔ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ بے شک وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ وہ ہر ایک کے عقیدہ اور عمل کے مطابق فیصلہ کریگا اور کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔

پھر تاکیداً فرمایا وَاَنْذِرْھُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَۃِ آپ اِن کو قریب

آنے والے دن سے ڈرا دیں۔ اس سے مراد قیامت ہے کہ وہ قریب ہی آنے والی ہے۔ شیخ ابن عربیؒ کی زبان میں اس سے قیامت صغریٰ اور قیامت کبریٰ دونوں مراد ہیں۔ قیامت صغریٰ تو ہر شخص پر بصورت موت وارد ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے[1] مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُہٗ جو مر گیا اُس کی قیامت واقع ہو گئی۔ عقبیٰ کی منازل میں پہلی منزل برزخ ہے، دوسری منزل حشر نشر ہے اور پھر اگلی منزل دوزخ یا جنت ہے اور قیامت کبریٰ وہ ہے جب ہر چیز فنا ہو جائے گی اور پھر نئی زمین اور نیا آسمان ہو گا۔ سب لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا، حساب کتاب ہو گا اور جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے۔ تو فرمایا ان لوگوں کو قریب آنے والے دن یعنی قیامت صغریٰ اور قیامت کبریٰ سے ڈرا دیں۔ اور اُس وقت حالت یہ ہو گی اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَی الْحَنَاجِرِ کٰظِمِیْنَ کہ خوف و دہشت کے مارے دل اچھل کر گلوں تک آ جائیں گے اور وہ اُن کو دبائے ہوں گے۔ خاموشی طاری ہو گی اور کوئی لب کشائی نہیں کر سکے گا۔ انفرادی موت کے وقت بھی انسان پر دہشت طاری ہو جاتی ہے اور اجتماعی قیامت کے وقت بھی ایسی ہی حالت ہو گی، فرمایا، ان کو اس دن کی سختی سے ڈرا دیں۔ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ اس دن ظالموں یعنی کافروں اور مشرکوں کے لیے کوئی مخلص دوست نہیں ہو گا، جو اُن کی رفاقت اور دلجوئی کر سکے۔ دنیا میں تو بہت سے دوست خلوص و محبت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر وہاں کوئی مخلص دوست نہیں ہو گا۔ وَلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ اور نہ کوئی سفارشی ہو گا جس کی بات مانی جائے یعنی سفارش قبول کی جائے۔ اس دنیا میں تو لوگ رشوت اور سفارش سے کام نکال لیتے ہیں مگر وہاں ایسی بات نہیں ہو گی، تمام فیصلے حق و انصاف کی بنیاد پر ہوں گے۔

حق و انصاف کے فیصلے

یَعْلَمُ خَآئِنَۃَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت اور دلوں میں پوشیدہ چیزوں کو بھی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کی نیت اور ارادے سے بھی واقف ہے۔ اللہ نے سورۃ النور میں مردوں

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۲۳۳ بحوالہ دیلمی عن انسؓ مرفوعاً

اور عورتوں دونوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی نگاہیں پست رکھیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اگر کسی نامحرم پہ اچانک نظر پڑ جائے تو وہ معاف ہے اور اگر دوبارہ قصداً پڑے گی تو قابلِ مؤاخذہ ہوگی۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ دوسرا کوئی جانے یا نہ جانے مگر اللہ تو آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور لوگوں کے سینوں کے رازوں سے بھی واقف ہے۔ وَاللّٰہُ یَقۡضِیۡ بِالۡحَقِّ وہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن حق و انصاف کے ساتھ فیصلے کرے گا اور کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی بلکہ ہر شخص کو اس کی محنت کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ہر مظلوم کی داد رسی کی جائے گی۔

فرمایا، اللہ تعالیٰ تو حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے وَالَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ اور جن کو یہ کافر اور مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔ اُن سے حاجت روائی اور مشکل کشائی چاہتے ہیں، فرمایا لَا یَقۡضُوۡنَ بِشَیۡءٍ وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے اور نہ اُن کے پاس طاقت ہے، لہٰذا ان کو پکارنا خود پکارنے والوں کے لیے وبالِ جان بن جائے گا۔ فرمایا، یاد رکھو! اِنَّ اللّٰہَ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ بے شک اللہ تعالیٰ وہی ہے سننے والا اور دیکھنے والا۔ اُس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ وہ اپنے علم اور قائم کردہ نظام کے تحت فیصلہ کرے گا جو قطعی اور آخری ہوگا۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْا
هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ
اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ
وَّاقٍ ﴿٢١﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۭ
اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا
مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٣﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ
وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿٢٤﴾
فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا
اَبْنَاۗءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَاۗءَهُمْ ۭ
وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿٢٥﴾ وَقَالَ
فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ
اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ
فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿٢٦﴾ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّىْ عُذْتُ ع
بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٢٧﴾ ٣ / ٢٧ / ٨

ترجمہ:۔ کیا نہیں چلے پھرے یہ لوگ زمین میں پس
دیکھتے کہ کیسا ہوا انجام اُن لوگوں کا جو اُن سے پہلے
تھے۔ وہ ان سے زیادہ تھے طاقت میں اور نشانیوں
میں جو وہ زمین میں چھوڑ گئے ہیں۔ پس پکڑا اُن کو
اللہ تعالیٰ نے اُن کے گناہوں کے بدلے میں، اور نہیں
تھا اُن کے لیے اللہ کے سامنے کوئی بچانے والا (۲۱)
یہ اس وجہ سے ہے کہ اُن کے پاس آئے تھے ان کے رسول
کھلی نشانیاں لے کر۔ پس انہوں نے کفر کیا تو پکڑا انکو
اللہ تعالیٰ نے۔ بیشک وہ قوت والا اور سخت سزا
دینے والا ہے (۲۲) اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجا
موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں کے ساتھ اور کھلی
سند کے ساتھ (۲۳) فرعون اور ہامان اور قارون کی
طرف۔ پس کہا انہوں نے کہ یہ جادوگر ہے اور بڑا
جھوٹا ہے (۲۴) جب وہ آئے اُن کے پاس حق
لے کر ہماری طرف سے تو کہا انہوں نے قتل کر دو
ان کے بیٹوں کو جو ایمان لائے ہیں اس کے ساتھ
اور زندہ چھوڑو اِن کی عورتوں کو۔ اور نہیں ہے داؤ پیچ
کفر کرنے والوں کا۔ مگر گمراہی میں (۲۵) اور کہا فرعون
نے کہ چھوڑ دو مجھے کہ میں قتل کروں موسیٰ (علیہ السلام)
کو، اور یہ پکارے اپنے پروردگار کو۔ میں خوف کھاتا
ہوں کہ کہیں یہ تبدیل نہ کر دے تمھارے دین کو یا
پھیلا نہ دے زمین میں فساد (۲۶) اور کہا موسیٰ علیہ السلام
نے کہ بیشک میں پناہ پکڑتا ہوں اپنے اور تمھارے

پروردگار کے ساتھ ہر تکبر کرنے والے سے جو حساب کے
دن پر ایمان نہیں رکھتا (۲۷)

رابطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر تھا اور کچھ دلائلِ قدرت بھی بیان ہوئے تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھ سکیں اور اس کی قدرتِ تامہ اور حکمتِ بالغہ کا ادراک ہو۔ پھر اللہ نے وقوعِ قیامت اور وہاں پیش آنے والے بعض حالات کا ذکر کیا۔ اور جزائے عمل کے متعلق یاد دہانی کرائی۔ اب آج کے درس میں بھی زیادہ کفر و شرک کرنے والوں کا شکوہ ہی بیان کیا گیا ہے۔ اور اُن کی توجہ بعض سابقہ نافرمان اقوام کے حالات کی طرف مبذول کرائی گئی ہے

سابقہ اقوام کا انجام

ارشاد ہوتا ہے اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں ؟ یہ نزولِ قرآن کے زمانے کے کفار و مشرکین کے متعلق کہا جا رہا ہے، جو اللہ کی وحدانیت، حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت قرآن کی حقانیت اور جزائے عمل کا انکار کرتے تھے، فرمایا، کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ تاکہ وہ دیکھتے کہ اُن سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا ؟ فرمایا ان سے پہلی قوموں کے لوگ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِى الْاَرْضِ وہ ان سے قوت میں بھی زیادہ تھے اور وہ زمین میں نشانیاں بھی زیادہ چھوڑ گئے تھے۔ وہ لوگ بڑے بڑے مضبوط قلعوں میں رہتے تھے، بعض پہاڑوں کو تراش کر اُن کے اندر مکان بناتے تھے، بڑے بڑے گنبد اور مینار تعمیر کرتے تھے۔ اُن کی عمارات کے نشانات آج بھی کھنڈرات کی صورت میں گزرنے والوں کو درسِ عبرت دے رہے ہیں۔ تو کیا ان لوگوں نے چل پھر کر اُن کا انجام نہیں دیکھا ؟ مکے کے لوگ تجارتی سفر پر شام و فلسطین کی طرف جاتے تھے اور راستے میں آنے والے ہزاروں سال پرانے کھنڈرات پر سے گزرتے تھے یہ اجڑی ہوئی بستیاں بتلا رہی تھیں کہ ان کے رہنے والے کبھی

بڑے طاقتور اور بہادر ہوتے تھے، بڑے مالدار اور صاحب جاہ و اقتدار تھے مگر آج اُن کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔ اللہ نے اُن کی نافرمانی کی وجہ سے دنیا سے انکو ناپید کر دیا اور آج ان کھنڈرات کے سوا اُن کا کچھ نہیں بچا۔ سورۃ سبا میں اللہ نے مشرکین مکہ کے متعلق فرمایا وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ (آیت ۴۵) کہ اِن کو تو پرانی اقوام کے عشر عشیر کے برابر بھی نہیں دیا گیا۔ جب اُن کو اللہ نے اُن کی نافرمانیوں کی وجہ سے نیست و نابود کر دیا تو یہ لوگ انہی کے نقشِ قدم پہ چل کر اُس کی گرفت سے کیسے بچ سکتے ہیں ؟

فرمایا جب سابقہ اقوام کے لوگ حد سے بڑھ گئے فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ تو اللہ نے اُن کو اُن کے گناہوں کے بدلے میں پکڑ لیا۔ اور گناہوں میں سرفہرست کفر، شرک اور ظلم و زیادتی ہے۔ وہ لوگ انہی معاصی میں نہ صرف مبتلا تھے بلکہ ان پہ اصرار کرتے تھے، لہذا اللہ کی گرفت آگئی وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ پھر اللہ کے سامنے اُن کو بچانے والا کوئی نہیں تھا۔ چنانچہ کسی قوم پہ آگ کا عذاب آیا، کسی پہ طوفان بادو باراں مسلط ہوا، کسی کو چیخ نے آلیا، کسی کو پانی میں غرق کر دیا گیا اور کسی کی شکلیں تبدیل کر دی گئیں مگر اُن کو اِس عذاب سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔ لہذا پرانی قوموں کے آثار دیکھ کر اُن سے نصیحت حاصل کرنی چاہیئے محض سیر و تفریح اور فوٹو گرافی کرنا مناسب نہیں، اللہ نے اِن نشانات کو آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے عبرت کا سامان بنایا ہے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غزوہ تبوک کے سفر پہ گئے تو راستے میں قومِ ثمود کے کھنڈرات سے گزر رہے تھے۔ آپ وہاں سے عاجزی کے ساتھ سر کو جھکاتے ہوئے گزر گئے اور فرمایا کہ لوگو! خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو، توبہ کرو، کہیں تم پر بھی ایسا ہی عذاب نہ آجائے جو اِس قوم پہ آیا تھا۔ ان آثار قدیمہ سے عبرت پکڑو۔ اور عاجزی کرتے ہوئے گزرو، تاکہ اللہ تعالیٰ راضی ہو اور ہمیں عذاب سے محفوظ رکھے۔

فرمایا ان اقوام پر عذاب آنے کی وجہ یہ تھی ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا کہ ان کے رسول ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ اللہ کا نبی خود ایک نشانی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ نے ہر نبی کے ہاتھ پر معجزات کا اظہار فرمایا۔ اس کے علاوہ اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی کتاب یا صحیفہ، نبی کی تعلیمات، اس کا عمل، اور اس کا چہرہ مبارک سب نشانیاں ہیں جو اللہ کے رسول لے کر آئے مگر کفار نے کسی چیز کو تسلیم نہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پکڑ لیا، اور عذاب میں مبتلا کر دیا۔ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ بے شک اللہ تعالیٰ زور آور اور سخت سزا دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ منکرین اور مکذبین کو مہلت دیتا رہتا ہے مگر جب کوئی قوم حد سے بڑھ جاتی ہے تو پھر اس کو گرفت میں لے لیتا ہے جو کہ بہت سخت ہوتی ہے۔ پرانی اقوام کے یہ حالات اللہ نے نزولِ قرآن کے زمانے اور بعد میں آنے والوں کے لیے بطور عبرت ذکر فرمائے ہیں۔

فرعون اور اس کے حواری

آگے اللہ نے چند سرکشوں کا حال ذکر کیا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجا۔ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں اور کھلی سند کے ساتھ، ان نشانیوں سے وہ معجزات مراد ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے، ان میں دو معجزات عصا اور ید بیضا خاص طور پر مشہور ہیں۔ اللہ کی عطا کردہ عظیم المرتبت کتاب تورات بھی نشانی ہے۔ ان معجزات کی وجہ سے اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو غلبہ عطا فرمایا تھا۔ اور کھلی سند سے وہ تائید مراد ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے آپ بڑے بڑے جابروں کے سامنے حق کا کلمہ پیش کرنے میں ذرا نہیں ہچکچاتے تھے بلکہ دو ٹوک بات کہہ دیتے تھے۔

فرمایا ہم نے بھیجا موسیٰ علیہ السلام کو اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فرعون، ہامان اور قارون کی طرف۔ ان میں سے فرعون تو سخت

جابر اور ڈکٹیٹر تھا۔ جو کہتا تھا اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (النّٰزعٰت - ۲۴) میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ اس نے یہ بھی کہا تھا اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ (البقرہ - ۲۵۸) میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ اور دوسرے جس شخص کا اللہ نے یہاں ذکر فرمایا ہے۔ وہ فرعون کا وزیر ہامان تھا۔ یہ شخص آجکل کی بیوروکریسی یعنی نوکرشاہی کا مکمل نمونہ تھا۔ یہی شخص تھا جو فرعون کو غلط مشورے دے کر لوگوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتا تھا۔ نوکرشاہی کا یہ پرانا طریقہ ہے کہ وہ برسراقتدار شخص کے سامنے امورِ سلطنت کا ایسا نقشہ پیش کرتے ہیں کہ اقتدار پر قابض اُن کا مشورہ ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور اس طرح ظلم و جور کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ اور تیسرا شخص قارون تھا جو اگرچہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا فرد تھا مگر اس نے فرعون کا اعتماد حاصل کر رکھا تھا۔ بڑے بڑے کاموں کے ٹھیکے لیتا تھا جس کی وجہ سے اس شخص نے بے پناہ دولت جمع کر رکھی تھی۔ حتیٰ کہ خود قرآن کے بیان کے مطابق اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ (القصص ۷۶) اُس کے خزانوں کی چابیاں ایک طاقتور جماعت اٹھاتی تھی تو یہ شخص سرمایہ داری کا ایک نمونہ تھا۔ الغرض! یہاں پر مذکورہ تین شخصیات میں سے فرعون ڈکٹیٹر تھا، ہامان بیوروکریٹ اور قارون سرمایہ دار تھا۔

برصغیر کی ہولناک تاریخ

برصغیر کی دو صد سالہ سابقہ تاریخ بڑی بھیانک تصویر پیش کرتی ہے ہزاروں میل دور سے آکر انگریز نے بیوروکریسی اور سرمایہ داری نظام کے بل بوتے پر ہی ہندوستان پر قبضہ کیا تھا۔ انگریز سولھویں صدی میں بطور تاجر برصغیر میں داخل ہوئے، ستارھویں صدی میں انہیں تجارت پر مکمل غلبہ حاصل ہو گیا اور اٹھارویں صدی میں بڑی گہری سازشوں کے ذریعے کابل سے لے کر رنگون تک کے علاقے پر سیاسی طور پر بھی قابض ہو گئے۔ یہاں پر انہوں نے اپنے مفاد کی حفاظت کے لیے نوکرشاہی، جاگیرداری اور سرمایہ داری کا نظام رائج کیا اور پھر دو سو سال تک اس برصغیر میں سیاہ و سفید کے مالک رہے انہوں

نے اس خطہ ارضی میں بالکل فرعون، ہامان اور قارون کا کردار ادا کیا۔ لوگوں کو خطاب دیے، بڑی بڑی جاگیریں دیں، نوکریاں دیں اور اس طرح انہیں اپنی حمایت پر آمادہ کیا۔ چنانچہ انگریز کا یہ پروردہ طبقہ اپنی قوم و ملک کے مفاد کے خلاف انگریزوں کے مفاد کی حفاظت کرتا رہا۔

اس زمانے میں بھی اللہ کے بعض بندے پیدا ہوتے رہے جنہوں نے اس ظالمانہ نظام کی ڈٹ کر مخالفت کی۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ بھی انہی میں سے تھے۔ انگریزوں نے تنگ آکر آپ کو ملک بدر کر دیا۔ آپ مکہ مکرمہ چلے گئے ایک دن خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ انگریز کا خفیہ پولیس والا پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ آپ نے مڑ کر دیکھا تو فرمایا، ظالم! تم خانہ خدا میں بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ مطلب یہ کہ انگریز آپ کی تحریک سے اسقدر خوفزدہ تھے کہ دیارِ غیر میں بھی آپ کا پیچھا نہیں چھوڑتے تھے۔ پھر بعض حضرات کی کوشش سے آپ کو ہندوستان واپس آنے کی اجازت ملی۔ آپ نے واپس آکر کہا کہ میں محض اس لیے یہاں واپس آیا ہوں تاکہ قوم کے نوجوانوں اور عام مسلمانوں کو بتا دوں کہ تم خطرناک روش پر چل رہے ہو۔ اس ظالمانہ نظام کو بدلنے کی کوشش کرو۔ میں چشمِ تصور میں بڑے بڑے طوفان اُٹھتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، اب بھی وقت ہے کہ سنبھل جاؤ اور انگریز کی غلامی کا جوا اتار پھینکو۔

فرعون کا جبر و استبداد

فرمایا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون، ہامان اور قارون کی طرف بھیجا تاکہ اُن کو پیغامِ حق سنائیں، مگر انہوں نے حق کو تو قبول نہ کیا فَقَالُوا سٰحِرٌ كَذَّابٌ بلکہ اُلٹا موسیٰ علیہ السلام پر اتہام لگا دیا کہ یہ جادوگر ہے اور سخت جھوٹا آدمی ہے العیاذ باللہ۔ آگے اللہ نے مذکورہ تینوں شخصوں کی خباثت کا اس طرح ذکر کیا۔ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا جب موسیٰ علیہ السلام اُن کے پاس حق بات لے کر آئے ہماری طرف سے فرعون اور اس کے حواری کہنے لگے قَالُوا اقْتُلُوٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ کہ جو لوگ موسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لے آئے ہیں اُن

کے بیٹوں کو قتل کر دو وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَ هُمْ اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دو بچوں کو قتل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ بنی اسرائیل کی تعداد نہ بڑھنے پائے اور ان میں سے کوئی مخالفت پہ آمادہ نہ ہو۔ اور عورتوں کو زندہ رہنے دینے سے ان کا مقصود یہ تھا کہ ان کو لونڈیاں بنا کر ان سے خدمت لی جائے۔ چنانچہ فرعون نے اس سکیم پہ کئی سال تک عمل کیا اور تفسیری روایات کے مطابق نوے ہزار بچے ان کے والدین کی آنکھوں کے سامنے قتل کروا دیے۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ اتنے ظلم و استبداد کے باوجود وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ کافروں کا داؤ پیچ گمراہی کی نذر ہوا۔ ان کی ہر تدبیر ناکام ہوئی۔ انہوں نے اپنی سلطنت کو بچانے کے لیے اتنی کثیر تعداد میں قتل ناحق کئے مگر ان کا یہ منصوبہ کامیاب نہ ہوا۔ اللہ نے ایک ایسے بچے کے ہاتھوں ان کا تختہ الٹا جس کی انہوں نے خود ہی پرورش کی تھی۔ یہ موسیٰ علیہ السلام تھے جنہوں نے فرعون کے محل میں پرورش پائی مگر آپ ہی ساری قوم کی غرقابی کا باعث بنے اور اس طرح اللہ تعالےٰ کی تدبیر کافروں کے مقابلے میں کامیاب ہوئی۔

جب تمام تر دھمکیوں اور کارروائیوں کے باوجود موسیٰ علیہ السلام تبلیغ حق سے باز نہ آئے وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ تو فرعون اپنے حواریوں سے کہنے لگا، مجھے چھوڑ دو کہ میں خود موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کروں اور یہ اپنے رب کو پکارے جس کو اپنا حمایتی اور کارساز سمجھتا ہے۔ پھر ہم دیکھ لیں گے کہ کون اس کو بچاتا ہے۔ شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ شاید فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو خود قتل کرنے کا فیصلہ اس لیے کیا کہ اس کے درباری حواری آپ کے معجزات دیکھ چکے تھے اور ڈر گئے تھے۔ کہ کہیں اللہ کی گرفت میں نہ آجائیں۔ کہتے ہیں کہ فرعون خود بھی خوفزدہ ہو چکا تھا مگر لوگوں کے حوصلے بلند کرنے اور موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت پہ کمر بستہ رکھنے کی غرض سے اس قسم کی ڈینگیں مارتا تھا کہ لاؤ میں اس کو خود قتل کرتا ہوں۔ پھر کہنے

لگا اس شخص کو اپنے رستے سے ہٹانا ہی پڑے گا کیونکہ اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَکُمْ مجھے ڈر ہے کہ یہ تمھارا دین ہی نہ بدل ڈالے یعنی تمھاری کفریہ اور شرکیہ رسم و رواج کو ہی نہ الٹ پلٹ دے لوگ اس کے وعظ سے اثر قبول کرتے ہیں۔ لہٰذا عافیت اسی میں ہے کہ اس شخص کا کام تمام کر دیا جائے تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔

مکے کے مشرک خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے ساتھیوں کے متعلق کہتے تھے کہ یہ لوگ صابی (بے دین) ہو گئے ہیں جو آباؤ اجداد کے طریقے کو چھوڑ چکے ہیں، لہٰذا ان کے بہکاوے میں آکر اپنے آبائی دین کو ترک نہ کر دینا۔ شعیب علیہ السلام کی قوم نے بھی آپ سے کہا اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ (ہود۔ ۸۷) کیا تمھاری نماز تمھیں یہی حکم دیتی ہے کہ ہم اُن معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پوجا ہمارے آباؤ اجداد کرتے آئے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنے دین کو ترک کر دیں۔

الغرض فرعون نے کہا کہ میں موسیٰ (علیہ السلام) کو ایک تو اس وجہ سے قتل کرنا چاہتا ہوں کہ کہیں یہ شخص تمھارا دین ہی تبدیل نہ کر دے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ کہ کہیں یہ زمین میں فساد برپا نہ کر دے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر تم لوگ اس کی بات مان گئے تو یہ حکومت کا تختہ الٹ دیگا اور اس طرح فساد فی الارض کا باعث بنے گا۔ سورۃ اعراف میں ہے کہ فرعون کے حواریوں نے کہا کہ یہ شخص جادوگر ہے یُرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَکُمْ مِّنْ اَرْضِکُمْ (آیت۔ ۱۱۰) اور تمھیں تمھاری سرزمین سے نکال دینا چاہتا ہے تاکہ خود اقتدار پر قبضہ کر لے۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ موسیٰ علیہ السلام سے متنفر ہو جائیں اور اُن کی بات نہ مانیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کفر، شرک، سرکشی، غرور و تکبر اور قتلِ ناحق بجائے خود بہت بڑا فساد فی الارض ہے۔ جس کا فرعون اور اُس کے حواری ارتکاب کر رہے تھے مگر الزام موسیٰ علیہ السلام پر لگا رہے تھے

امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ اضلال فی الشرائع یعنی اللہ کے دین اور شریعت کو بگاڑنے کا نام ہی فساد ہے۔ کفر، شرک، معاصی اور بدعات سے زمین بگڑتی ہے اور ایمان، توحید، نیکی اور اطاعت سے اس کی اصلاح ہوتی ہے، مگر فرعون الٹا موسیٰ علیہ السلام کو بدامنی کا طعنہ دے رہا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کا استعاذہ

پھر موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے حواریوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی وَقَالَ مُوسَىٰ إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُم مِّن كُلِّ مُتَكَبِّرٍ کہنے لگے میں ہر متکبر شخص سے اپنے اور تمہارے رب کی پناہ پکڑتا ہوں وہ متکبر لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ جو قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا۔ ظاہر ہے کہ جس کا وقوعِ قیامت اور جزائے عمل پر یقین نہیں ہے وہ برائی اور ظلم وستم سے کیسے بچ سکتا ہے برائی سے تو وہ شخص بچے گا جو جانتا ہے کہ مجھے ہر عمل کا حساب دینا ہے۔ اور جو حساب کے دن کو ہی نہیں مانتا وہ شتر بے مہار ہے جدھر چاہے چلا جائے اور جو چاہے کرتا پھرے۔

موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا اللہ نے قبول فرمائی اور آپ کو فرعون اور اس کے حواریوں کی دست برد سے پناہ میں رکھا، وہ آپ کو قتل نہ کر سکے بلکہ خود ساری قوم پانی میں غرق ہو گئی۔ مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت إِنِّي عُذْتُ .... الخ ایک ورد بھی ہے۔ جو شخص دن میں سو مرتبہ اس کو پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی اسی طرح حفاظت کرے گا جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی فرعون سے حفاظت فرمائی۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ
اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ
كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ
يَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ
كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ
فِي الْاَرْضِ ۫ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْ ۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ
جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى
وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾ وَقَالَ
الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ
يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ
عَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْ ۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَمَا
اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ
اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ
مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ
يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

ترجمہ :- اور کہا مردِ مومن نے جو آلِ فرعون میں سے تھا، اور چھپاتا تھا اپنے ایمان کو، کیا تم ارادہ کرتے ہو قتل کرنے کا اُس شخص کو جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے۔ اور تحقیق لایا ہے وہ تمھارے پاس کھلی نشانیاں تمھارے پروردگار کی جانب سے۔ اور اگر ہو وہ جھوٹا تو اُسی پر ہو گا اس کا جھوٹ۔ اور اگر ہو وہ سچا تو پہنچیں گی تمھیں وہ چیزیں جو وہ تم سے وعدہ کرتا ہے بیشک اللہ نہیں راہ دکھاتا جو مسرف اور بہت جھوٹ بولنے والا ہو (۲۸) اے میری قوم کے لوگو! تمھارے لیے ہے بادشاہی آج، تم غالب ہو زمین میں۔ پس کون مدد کرے گا ہماری اللہ کی گرفت سے اگر وہ آگئی۔ کہا فرعون نے میں نہیں بتاتا تم کو مگر وہی بات جو میں دیکھتا ہوں، اور میں نہیں راہنمائی کرتا تمھاری مگر بھلائی کے راستے کی (۲۹) اور کہا اُس شخص نے جو ایمان لایا تھا، اے میری قوم کے لوگو! بے شک میں خوف کھاتا ہوں تم پر اگلی جماعتوں کے دن کی طرح (۳۰) جیساکہ عادت تھی نوح کی قوم کی، عاد اور ثمود کی قوم کی، اور اُن لوگوں کی جو اُن کے بعد آئے۔ اور اللہ تعالیٰ نہیں ارادہ کرتا بے انصافی کا بندوں کے ساتھ (۳۱) اور اے میری قوم کے لوگو! بیشک میں خوف کھاتا ہوں تم پر چیخ و پکار کے دن سے (۳۲) جس دن تم پشت پھیر کر بھاگو گے۔ نہیں ہو گا تمھارے لیے اللہ کے سامنے کوئی بچانے والا۔ اور جس کو اللہ بھٹکا دے، نہیں ہے

اُس کے لیے کوئی راہ دکھانے والا (۳۳)

ربطِ آیات

اللہ تعالیٰ نے کفر و شرک کی تردید اور مشرکین کو تنبیہ کے انداز میں پہلے لوگوں کا حال ذکر کیا، اور اُن سرکشوں کا بھی جن کی طرف اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ یہ فرعون، ہامان اور قارون تھے جنہوں نے غلط تدبیریں سوچ کر موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے مشن کو ناکام کرنا چاہا حتیٰ کہ آپ کے قتل کا ارادہ کیا۔ فرعون دل میں موسیٰ علیہ السلام سے خوف بھی کھاتا تھا کیونکہ وہ آپ کے ہاتھ پر واضح نشانیاں دیکھ چکا تھا مگر لوگوں میں اپنا رعب قائم رکھنے کے لیے کہتا کہ مجھے موسیٰ (علیہ السلام) کے قتل سے مت روکو۔ یہ شخص تمہارے دین کو تبدیل اور زمین میں فساد برپا کرنا چاہتا ہے۔ مگر موسیٰ علیہ السلام نے متکبر اور قیامت پر ایمان نہ لانے والے شخص سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی۔

مردِ مومن کی حق گوئی

آج کی ابتدائی آیت میں ایک مردِ مومن کا ذکر آرہا ہے جس نے فرعون اور اُس کی قوم کو منع کیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے سے باز رہیں جن کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا پروردگار تسلیم کرتا ہے۔ یہ وہی مردِ مومن ہے جس کے نام پر اس سورۃ کا نام المؤمن ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فرعون کی قوم میں سے صرف تین آدمی مشرف بہ ایمان ہوئے۔ ایک تو فرعون کی بیوی ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔ وہ بلاشبہ بلند مرتبہ خاتون تھیں۔ دوسرا ایماندار شخص وہ ہے جس نے شہر کے دوسرے سرے سے آکر موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع دی کہ تمہارے ہاتھوں ایک قبطی کے قتل کے بدلے میں اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ (القصص۔ ۲۰) لوگ تمہارے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں۔ لہٰذا جان بچانے کے لیے شہر سے فوراً نکل جاؤ۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ تیسرا ایماندار شخص یہی مردِ مومن تھا جس کا تذکرہ آج کے درس میں ہو رہا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ اور کہا ایک مردِ مومن نے جو فرعون کی قوم سے تھا يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗ مگر اپنے

ایمان کو چھپا رکھا تھا۔ چونکہ فرعون اور اس کے حواری اہلِ ایمان پر طرح طرح کے مظالم ڈھا رہے تھے، اس لیے یہ واقعہ پیش آنے تک اس شخص نے اپنا ایمان مخفی رکھا ہوا تھا مگر جب اس نے دیکھا کہ پانی سر سے گزر رہا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا منصوبہ بن رہا ہے تو اس سے نہ رہا گیا اور اس نے اپنی قوم کے سامنے اپنے ضمیر کی آواز کو ظاہر کر دیا، اور کہنے لگا اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟ اور یہ شخص خدا تعالیٰ کی ربوبیت کا محض زبانی دعویدار نہیں بلکہ وَقَدْ جَآءَکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّکُمْ اور تحقیق اپنے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس نشانیاں بھی لایا ہے۔ تم نے اس کے معجزات عصا اور ید بیضا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیے ہیں، اس کی واضح تعلیم بھی سن لی ہے مگر پھر بھی اس پر ایمان لانے کی بجائے اس کے قتل کے درپے ہو گئے ہو کس قدر افسوسناک بات ہے۔

ایمان کا اخفاء

اس مردِ مومن نے عرصہ تک اپنے ایمان کو چھپائے رکھا۔ مفسرین اس مسئلہ میں کلام کرتے ہیں کہ اپنے ایمان کو ظاہر نہ کرنے والے شخص کے متعلق کیا حکم ہے؟ اس ضمن میں یہ بات امام مالکؒ کی طرف منسوب کی جاتی ہے کہ ایسا شخص ایماندار نہیں سمجھا جائیگا جس نے زبان سے ایمان کا اقرار نہ کیا ہو اگرچہ ایمان اس کے دل میں موجود ہو۔ ہاں، اگر اسے کسی ظالم اور جابر حکمران کی طرف سے خطرہ ہو تو وہ اس کے سامنے بیشک اظہارِ ایمان نہ کرے مگر اسے تنہائی میں زبان سے اقرار ضرور کر لینا چاہیئے۔ ورنہ وہ صحیح معنوں میں مومن نہیں ہوگا۔ بعض فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر دل میں ایمان موجود ہے تو زبان سے اقرار ضروری نہیں کیونکہ زبان کا اقرار تو احکام کے اجراء کیلئے ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً کسی شخص پر اسلامی قوانین اس وقت نافذ ہوں گے جب وہ زبان سے اپنے ایمان اور اسلام کا اقرار کریگا۔ وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے گا تو اس کے لیے نکاح و طلاق یا موت کی صورت میں تجہیز و تکفین اور وراثت کے احکام لاگو ہوں گے۔ تاہم

اگر وہ دل سے خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور اُس کے احکام پہ ایمان رکھتا ہے تو وہ ایماندار ہی سمجھا جائے گا اگرچہ وہ کسی فتنہ میں مبتلا ہونے کے خوف سے ایمان کو چھپا رہا ہو۔ تاہم تنہائی میں اقرار اُس کے لیے ضروری ہوگا۔

تقیہ کا باطل عقیدہ

یاد رہے کہ ایمان کا مذکورہ اخفا شیعوں کے عقیدہ تقیہ سے مختلف ہے اور اس سے وہ عقیدہ ثابت نہیں ہوتا۔ اس عقیدہ کی رو سے شیعہ حضرات اپنے دین کے بعض اجزاء کو ہمیشہ چھپانے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر اُسے عین دین بھی سمجھتے ہیں اور یہی عقیدہ باطل ہے۔ آج کے پریس کے زمانہ میں لوگ شیعوں کے اس قسم کے عقائد پڑھ کر حیران ہوتے ہیں۔ اب تک تو یہ حضرات اپنے بعض عقائد کو چھپاتے رہے ہیں مگر اب وہ کتابوں کی اشاعت کی وجہ سے ظاہر ہو رہے ہیں اور معلوم ہو رہا ہے کہ یہ عقائد حق سے کس قدر دور ہیں۔ ہاں، کفار و مشرکین کے شر سے بچنے کے لیے اُن کے ساتھ ظاہری طور پہ دوستانے کی اجازت دے دی گئی ہے جیسے سورۃ آل عمران میں اللہ کا فرمان ہے کہ مسلمان کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اُسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ واسطہ نہ رہا إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقٰىةً، ہاں، اگر تمہیں اُن کی طرف سے جان و مال کا خطرہ ہو تو ظاہری طور پہ دوستانے کے اظہار کی اجازت ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ دین کو ہر وقت چھپائے رکھو بلکہ جب بھی موقع ملے اپنے دین کا اظہار ضروری ہوگا۔

حضور علیہ السلام کے واقعات سے مماثلت

اِس مردِ مومن نے جس طرح فرعونیوں کے سامنے حق بات پیش کی اور کہا کہ کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ اسی طرح کے بعض واقعات خود حضور علیہ السلام کے ساتھ بھی پیش آئے۔ ایک موقع پہ حضرت علیؓ منبر پر تشریف فرما تھے، آپ نے دورانِ خطاب لوگوں سے دریافت کیا کہ بتلاؤ اَشْجَعُ النَّاسِ یعنی لوگوں میں بہادر کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہمیں تو معلوم نہیں۔ اس پہ آپ نے خود ہی فرمایا کہ ہمارے معاشرے میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ بہادر ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ کے پاس

نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکین نے آپ کو پیٹنا شروع کر دیا۔ اتنے میں صدیق اکبرؓ نے لوگوں کو دھکے دے کر پیچھے ہٹایا اور زبان سے یہی الفاظ دہرائے اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ کیا تم ایسے شخص کے قتل کے درپے ہو جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے؟ ایسے ہی ایک دوسرے موقع پر مشرکین حضور علیہ السلام پر زیادتی کر رہے تھے حضرت صدیقؓ کو پتہ چلا تو فوراً پہنچے اور آپ کو مشرکین کے ظلم و ستم سے چھڑانے کی کوشش کی تو مشرک کہنے لگے یہ کون شخص ہے جو محمد کا ہمدرد ہے؟ بتایا گیا کہ یہ ابن ابی قحافہ ہے مشرکین نے آپ کو بھی پیٹنا شروع کر دیا اور اس قدر مارا کہ آپ کے سر کے بال ہی اڑ گئے۔ آپ نے اس وقت بھی یہی آیت تلاوت فرمائی کہ ظالمو! تم ایسے شخص کو مارتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت علیؓ منہ پر کپڑا ڈال کر خوب روئے۔

جھوٹے اور سچ میں امتیاز

بہر حال اس مرد مومن نے سمجھایا کہ تم کیوں موسیٰ علیہ السلام کے درپے آزار ہو وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ اگر یہ شخص تمہارے زعم کے مطابق جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر پڑیگا تم اس معاملہ میں کیوں پریشان ہوتے ہو؟ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا اور اگر وہ سچا ہے اور یقیناً سچا ہے۔ يُصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ تو تمہیں وہ چیزیں پہنچکر رہیں گی جنکا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر تم نے اس کی سچی دعوت کو ٹھکرا دیا اور اس کو اذیت پہنچائی تو پھر خدا کی گرفت تم پر یقیناً آئے گی۔ تم اس سے بچ نہیں سکتے۔ لہٰذا تمہیں اپنی فکر کر لینی چاہیئے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ بیشک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والے اور سخت جھوٹے آدمی کو راہ نہیں دکھاتا ایسا شخص صراط مستقیم سے محروم ہی رہتا ہے۔ لہٰذا تم کسی کاروائی سے پہلے اپنے انجام کو اچھی طرح سوچ لو۔

مرد مومن اور فرعون کا مکالمہ

اس مومن آدمی نے یہ بھی کہا۔ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ اے میری قوم کے لوگو! تمہارے لیے آج کے دن بادشاہی ہے اور زمین میں تم ہی غالب ہو۔ آج تو تم اس عارضی اقتدار پر اترا رہے ہو۔ مگر یہ تو بتاؤ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا بھلا کون ہماری مدد کرے گا اللہ

کے عذاب سے اگر وہ ہمارے پاس آگیا؟ آج تو تم لاؤ لشکر اور ساز و سامان رکھتے ہو، جس کو چاہتے ہو قتل کر دیتے ہو اور جس کو چاہتے ہو زندہ رہنے دیتے ہو، ہر طرح سے با اختیار ہو، مگر جب اللہ کی گرفت آگئی تو پھر تمہارے ظاہری اسباب دھرے کے دھرے رہ جائیں گے اور تمہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔

اس کے جواب میں قَالَ فِرْعَوْنُ فرعون کہنے لگا مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى میں تو تمہیں وہی بات سمجھاتا ہوں جو مجھے سوجھ رہی ہے کہ یہ شخص ہمارے دین کو خراب کرنا چاہتا ہے، لہٰذا اس کا کام تمام کر دینا چاہیئے اور پھر پورے وثوق سے کہنے لگا۔ وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ اور میں تو تمہاری راہنمائی صرف بھلائی کے راستہ کی طرف کر رہا ہوں۔ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور تمہیں آنے والی مصیبت سے بچانا چاہتا ہوں لہٰذا میری رائے یہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر کے اپنے دین اور اقتدار کو بچالو۔ دنیا کے ہر ظالم اور مستبد کا یہی طریقہ کار ہے کہ وہ اپنے ظالمانہ نظام کو ہی صحیح قرار دیتا ہے۔ حالانکہ یہ سراسر گمراہی ہے۔ ظلم و ستم کفر و شرک کا راستہ ہے۔ بھلا وہ کیسے بہتر ہو سکتا ہے؟ آج دنیا کی سپر پاورز بھی فرعون کے نقش قدم پہ چل رہی ہیں۔ وہ بھی اپنے اپنے مروجہ نظام کو ہی بہتر کہتی ہیں اور پوری دنیا میں نافذ کرنے کی خواہش مند ہیں اور اسی بناء پر ان دو بڑی طاقتوں میں آپس میں بھی کشمکش چل رہی ہے۔ امریکہ سرمایہ دارانہ نظام کا داعی ہے، جب کہ روس اشتراکی نظام معیشت کا حامی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں نظام باطل ہیں، صحیح پروگرام وہی ہے جو اسلام پیش کرتا ہے۔

مرد مومن کی طرف سے انذار

مرد مومن نے قوم کو ان کے انجام سے ڈرانے کی کوشش بھی کی۔ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ اور کہا اہل ایمان آدمی نے يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ اے میری قوم کے لوگو! میں تم پہ اگلی جماعتوں کے دن کا خوف کھاتا ہوں، یعنی مجھے ڈر ہے کہ تم پر بھی وہی گرفت نہ آجائے جو پہلی قوموں پر آئی اور وہ تباہ و برباد ہوئے۔ انہوں نے بھی اپنے انبیاء کو جھٹلایا اور ان کو تکالیف پہنچائیں

تو اللہ کے عذاب کا شکار ہوئے۔ کہیں تم پر بھی عذاب کا وہی دن نہ آجائے مِثْلَ
دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ جیساکہ قوم
نوح علیہ السلام اور قومِ عاد اور ثمود پہ آیا ہے، اور اُن کے بعد والے لوگوں پر بھی
آیا۔ قومِ نوح کے حال سے تو فرعون بھی واقف تھا۔ اُن کو قومِ ثمود اور عاد کی تباہی
کا حال بھی معلوم تھا اور ان کے حالات زبانِ زدِ عام تھے۔ یہ لوگ اُن کی اجڑی بستیوں
کے کھنڈر بھی اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے تھے۔ لہٰذا ان کو مردِ مومن نے یاد
دلایا کہ تم بھی سابقہ اقوام کی روش پہ چل کر اُن پر آنے والے عذاب کا شکار نہ ہو جانا
مجھے سخت ڈر لگ رہا ہے۔ اور یاد رکھو کہ اگر تمھیں کوئی مصیبت آئے گی تو
تمھاری اپنی کارکردگی کی وجہ سے آئے گی وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ حقیقت
یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو بندوں پر زیادتی نہیں کرتا۔ وہ تو صرف انہی کے جرائم کی اُن
کو سزا دیتا ہے۔

اُس مردِ مومن نے یہ بھی کہا وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ
اے میری قوم کے لوگو! میں تمہیں چیخ و پکار کے دن سے ڈراتا ہوں۔ اس سے
مراد حشر کا دن ہے جس دن لوگ ایک دوسرے کو پکاریں گے۔ سخت افراتفری
کا عالم ہوگا جسے چیخ و پکار سے تعبیر کیا گیا۔ مومن آدمی نے کہا کہ میں تمھیں اس دن کی
سختی سے ڈراتا ہوں۔ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ جس دن تم پشت پھیر کر
بھاگو گے۔ اللہ تعالیٰ کے قہر سے سخت خوف زدہ ہو گے۔ مَا لَكُمْ مِّنَ
اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ مگر اس دن تمھیں اللہ کے سامنے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا
اُس دن کوئی دستگیری نہیں کر سکے گا، اللہ رب العزت کے سامنے کسی کو دم مارنے
کی ہمت نہ ہوگی کہ تمھاری کوئی مدد کر سکے۔ لہٰذا تم موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے
جرم کا ارتکاب نہ کرو، ورنہ سخت عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ
اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ یاد رکھو! جس شخص کو اللہ تعالیٰ بہکا دے اس کو کوئی راہ
دکھانے والا نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر شخص کی استعداد اور صلاحیت سے واقف

ہے۔ وہ اس آدمی کو گمراہ کرتا ہے جو اپنی ضد، عناد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر اپنی استعداد کو ہی بگاڑ چکا ہو۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہی نہ کرے اُسے صراطِ مستقیم کیسے نصیب ہو سکتا ہے؟ لہٰذا تم ہٹ دھرمی کو چھوڑ دو اور اللہ کے نبی کو ایذا نہ پہنچاؤ۔ اُس مردِ مومن نے اپنی قوم کو یہ نصیحت کیں۔ اُس کا بیان اگلی آیات میں بھی جاری ہے۔

درس ہفتم ۷ — آیت ۳۴ تا ۳۷

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا
زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَا
هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ
كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ۳۴
الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ
كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ
كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ
جَبَّارٍ ۳۵ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ
صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۳۶ اَسْبَابَ
السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ
كَاذِبًا ؕ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ
ع۴ ۱۰/۹ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ۳۷ ع

ترجمہ:۔ اور البتہ تحقیق آئے تمھارے پاس یوسف علیہ السلام اس سے پہلے کھلی کتابیں لے کر، پس برابر تم شک میں رہے اس چیز سے جس کو وہ لے کر آئے، یہاں تک کہ جب وہ فوت ہو گئے تو تم نے کہا کہ ہرگز نہیں بھیجے گا

اللہ تعالیٰ اُن کے بعد ایسا رسول - اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ بہکاتا ہے مسرف اور شک کرنے والے کو (۳۴) وہ جھگڑا کرتے ہیں اللہ کی آیتوں میں بغیر کسی سند کے جو اُن کے پاس آئی ہو - یہ بڑی بات ہے ناراضگی کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک اور اُن لوگوں کے نزدیک جو ایمان لائے - اسی طرح اللہ تعالیٰ مہر کر دیتا ہے ہر غرور کرنے والے سرکش دل پر (۳۵) اور کہا فرعون نے کہ اے ہامان ! بناؤ میرے لیے ایک محل اونچا شاید کہ میں پہنچ جاؤں راستوں پر (۳۶) یعنی آسمان کے راستوں پر ، پس میں جھانک کر دیکھوں موسیٰ (علیہ السلام) کے الٰہ کو - اور میں تو گمان کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے - اور اس طرح مزین کیا گیا فرعون کے لیے اُس کا بُرا عمل اور روکا گیا وہ سیدھے راستے سے اور نہیں تھی تدبیر فرعون کی مگر تباہی میں (۳۷)

ربطِ آیات

اللہ تعالیٰ نے مسئلہ توحید اور جزائے عمل کی بات سمجھانے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا - جس وقت آپ نے فرعون ، ہامان اور قارون کے سامنے خدا تعالیٰ کا پیغام رکھا تو انہوں نے آپ کو ساحر اور کذاب کہہ دیا - فرعون خاص طور پر موسیٰ علیہ السلام کو راستے سے ہٹانے کے لیے بُری تدبیریں سوچنے لگا - اُس نے اپنے حواریوں سے کہا کہ مجھے موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کرنے دو - موسیٰ علیہ السلام نے ہر متکبر کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی - اس دوران میں فرعون کی قوم کا ایک مردِ مومن سامنے آگیا جو اپنے ایمان کو چھپا رہا تھا اور کہنے لگا کہ اے میری قوم کے لوگو ! کیا تم ایک ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مانتا ہے ، اور وہ تمہارے پاس کھلی نشانیاں

بھی لے کر آیا ہے۔ کہنے لگا، اگر موسیٰ علیہ السلام غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں تو اُن کے جھوٹ کا وبال انہی پر پڑے گا اور اگر وہ سچے ہیں تو تمھیں اپنی فکر کرنی چاہیئے کہ کہیں انکا بیان کردہ وبال تم پر نہ آ پڑے۔

اُس مردِ مومن نے یہ بھی کہا کہ آج تو اقتدارِ ارضی تمھارے پاس ہے اور غرور میں مبتلا ہو کر دندناتے پھرتے ہو مگر جب اللہ تعالیٰ کی گرفت آگئی تو پھر تمھیں کون بچائیگا؟ مگر فرعون اپنی ضد پر اڑا رہا اور کہنے لگا کہ میں تو تمھارے سامنے وہی بات پیش کرتا ہوں جو مجھے سوجھی ہے اور وہ یہی ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنے راستے سے ہٹا دینا چاہیئے ورنہ وہ تمھارے طور طریقے اور دین کو بدل ڈالے گا اور تمھارے اقتدار پر بھی قبضہ کرے گا۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ تم پر بھی عذابِ الٰہی کا وہی دن نہ آجائے جو تم سے پہلے قومِ نوح، قومِ ثمود اور قومِ عاد پر آیا۔ لوگو! میں ڈرتا ہوں کہ تم پر چیخ و پکار کا دن آئے گا تو تم پشت پھیر کر بھاگو گے مگر خدا تعالیٰ کے سامنے کوئی بچانے والا نہ ہو گا۔

بعد از وقت افسوس

آج کے درس کی ابتدائی آیات میں مردِ مومن ہی کی تقریر جاری ہے اور پھر آگے فرعون کی ایک تدبیر کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ اور البتہ تحقیق آئے تمھارے پاس یوسف علیہ السلام اس سے پہلے کھلی باتیں لے کر فَمَا زِلْتُمْ فِىْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ مگر تم برابر شک میں رہے اس چیز کے متعلق جو وہ لے کر آئے۔ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ حتیٰ کہ جب آپ فوت ہو گئے قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا تو تم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اُن کے بعد ایسا رسول نہیں بھیجے گا۔ اُس مردِ مومن نے نصیحت آموز انداز میں اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ یہ دیکھو! اس سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ نے نبی بنا کر بھیجا مگر اُن کی زندگی میں تم نے اُن کو تسلیم نہ کیا مگر جب وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو پھر تم نے اُن کی عظمت کو تسلیم کیا اور اقرار کیا۔ کہ اُن جیسا عظیم المرتبت نبی اب کہاں آئے گا۔ گویا اُن کے جانے کے بعد تمھیں افسوس ہُوا۔ اسی طرح آج موسیٰ علیہ السلام تم میں موجود ہیں مگر تم ہو کہ اُن پر ایمان لانے کی

بجائے انکے قتل کے درپے ہو۔ یاد رکھو! جب یہ بھی دنیا سے چلے گئے تو یوسف علیہ السلام کی طرح تمہیں پھر افسوس ہوگا کہ تم نے اُن کو تسلیم کیوں نہ کیا اور اُن پر ایمان کیوں نہ لائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تقریباً چار سو سال پہلے ہوئے ہیں مگر مردِ مومن اُن کا حوالہ اب دے رہے ہیں۔ اس ضمن میں بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اُس وقت کے فرعون نے بڑی لمبی عمر پائی تھی اور وہ وہی فرعون تھا جو یوسف علیہ السلام کے زمانے سے زندہ چلا آرہا تھا۔ اُس مردِ مومن نے اُس کو یاد دلایا کہ تم یوسف علیہ السلام کا انکار کرکے پچھتائے تو اب موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کرکے بھی پچھتاؤ گے۔ البتہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ جس طرح یوسف علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانے مختلف ہیں اسی طرح ہر دو زمانوں کے فرعون بھی مختلف تھے۔ اور جس یوسف علیہ السلام کا حوالہ دیا گیا ہے وہ یوسف علیہ السلام بن یعقوب علیہ السلام نہیں بلکہ اُن کے بعد کے دور کے یوسف بن افراہیم علیہ السلام تھے اور یہ بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ آپ بھی اللہ کے نبی تھے، انہوں نے بیس سال تک تبلیغِ دین کی مگر قوم نے تسلیم نہ کیا، اور اُن کی وفات کے بعد اُن کو سمجھ آئی تو بڑا ملال آیا۔

شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ یہ حضرت یوسف بن یعقوب علیہما السلام ——— ہی ہیں۔ اہلِ مصر نے آپ کی نبوت کو تسلیم نہ کیا۔ آپ عرصہ تک مصر کے سیاہ و سفید کے مالک رہے اور اس دوران میں انہوں نے نظامِ سلطنت کو نہایت احسن طریقے سے چلایا۔ خاص طور پر قحط کے سات سالوں میں آپ نے غلہ کی فراہمی کا جو بندوبست کیا وہ نہایت ہی عمدہ تھا جس کی وجہ سے دیگر ممالک کے برخلاف اہلِ مصر کو کوئی دقت پیش نہ آئی۔ پھر جب آپ کی وفات ہوگئی تو نظامِ سلطنت میں بگاڑ پیدا ہونے لگا۔ تو اس وقت لوگوں کو آپ کی نبوت اور استعداد کی قدر معلوم ہوئی تو پھر افسوس کا اظہار کیا کہ ان کی زندگی میں ہم ان کو تسلیم نہ کرسکے۔

الغرض! اُس مردِ مومن کی تقریر کا مقصد اپنی قوم کو یہ باور کرانا تھا کہ نعمت کی قدر اُس کے زوال کے بعد ہوتی ہے۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام کی قدر بھی لوگوں کو اُن کے جانے کے بعد ہوئی۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کرنے پر تمہیں بعد میں افسوس ہو گا۔ فرمایا۔ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ اسی طرح اللہ تعالیٰ مسرف اور شک کرنے والے کو بھٹکا دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ ہدایت سے محروم رہتے ہیں۔

دلوں پر مہر

آگے مسرف اور مرتاب لوگوں کے انجام کے متعلق فرمایا اَلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ وہ مسرف اور شکی لوگ جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں بغیر کسی سند کے جھگڑا کرتے ہیں كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ان کا یہ جھگڑا اللہ تعالیٰ اور اہلِ ایمان کے نزدیک بہت بڑی ناراضگی کی بات ہے۔ ایسے جھگڑالو لوگوں کے متعلق فرمایا كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ اسی طرح اللہ تعالیٰ مہر کر دیتا ہے۔ ہر مغرور اور سرکش دِل پر۔ جو لوگ حق کو تسلیم کرنے کی بجائے اکڑ دکھاتے ہیں۔ اور اللہ کی آیات میں جھگڑا کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ ٹھپہ لگا دیتا ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے ہدایت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شک و تردد کی وجہ سے انسان گمراہی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور جھگڑا کرنے کے نتیجہ میں اُس کے دِل پر مہر لگ جاتی ہے اور وہ ہدایت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتا ہے۔

خدا کی شان میں گستاخی

نصیحت کی یہ باتیں سُن کر فرعون کا ردِّ عمل یہ تھا وَقَالَ فِرْعَوْنُ کہ فرعون نے کہا يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ اے ہامان! میرے لیے ایک اُونچا مینار بناؤ شاید کہ میں راستوں پر پہنچ جاؤں اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى یعنی میں آسمانوں کے راستوں پہ پہنچ کر موسیٰ (علیہ السلام) کے الٰہ کو جھانک کر دیکھ سکوں۔ یہ ہر روز بتاتا ہے کہ اس کا خدا

اُوپر ہے، ذرا میں دیکھوں تو سہی کہ وہ کیا ہے اور اس کے پاس کتنی قوت اور اختیار ہے کہنے لگا۔ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّہٗ کَاذِبًا میں تو اس معاملہ میں موسیٰ (علیہ السلام) کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔ مطلب یہ کہ آسمانوں پہ کوئی خدا نہیں ہے۔ موسیٰ (علیہ السلام) خواہ مخواہ ہمیں ڈراتا رہتا ہے۔ اور اس کی طرف سے عذاب کی وعید سناتا ہے۔ یہ فرعون کا استہزا تھا۔ وگرنہ کون ہے جو خدا تعالیٰ کو جھانک کر دیکھ سکتا ہے؟ یہ تو فرعون کی محض حجت بازی تھی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ قرب قیامت میں یاجوج ماجوج اپنے ٹھکانوں سے نکل کر زمین میں پھیل جائیں گے اور تمام چیزوں کو درہم برہم کر دیں گے۔ اس کے بعد وہ آسمان کی طرف تیر چلائیں گے، وہ تیر خون آلود واپس آئے گا تو خوب نعرے ماریں گے کہ ہم نے خدا کو بھی قتل کر دیا، اب کوئی ہمارا مقابلہ کرنے والا باقی نہیں رہا۔ فرعون نے بھی خدا تعالیٰ کے بارے میں اسی قسم کی گستاخانہ بات کی کہ میں اُسے جھانک کر دیکھنا چاہتا ہوں۔

روس کے ڈکٹیٹر سٹالن نے بھی اس قسم کی ہرزہ سرائی کی تھی۔ یہ شخص مسلمان تھا مگر مارکس ازم کا قائل ہو کر اشتراکی بن گیا۔ اُس کے تیس سال تک روس پر مطلق العنانی کے ساتھ حکومت کی۔ اس نے پورے روس کو اپنے شکنجے میں اس قدر جکڑ لیا کہ نہ تو باہر کا کوئی نظریہ روس میں داخل ہو سکتا تھا اور نہ یہاں کے لوگوں کی زبوں حالی کی داستان باہر جا سکتی تھی۔ ایک موقع پر اس نے اپنی تقریر میں اس حد تک یاوہ گوئی کی تھی کہ ہم نے زمین سے سرمایہ داروں کو ختم کر دیا ہے اور نعوذ باللہ آسمان سے خدا کا خاتمہ کر دیا ہے۔ کتنا تھا مذہبی جنونیوں نے خدا کو ایک ہوّا بنا رکھا ہے۔ مذہب ایک افیون ہے جو سرمایہ داروں اور علماء نے لوگوں کو کھلا رکھی ہے، تاکہ ان کا کام چلتا رہے اور وہ لوگوں کا خون چوستے رہیں۔ غرض اس قسم کے گستاخ لوگ ہر زمانے میں موجود رہے ہیں۔

بہرحال فرعون نے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا کہ وہ ایک اونچا مینار تعمیر کرائے تاکہ وہ اوپر چڑھ کر موسیٰ (علیہ السلام) کے خدا کو دیکھ سکے۔ اس کے متعلق بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ فرعون نے یہ بات محض تمسخر کے طور پر کہی تھی، وگرنہ ایسا کوئی مینار تعمیر ہی نہیں

ہوا تھا۔ اور نہ اُسے اُوپر جا کر خدا کو جھانکنے کا موقع ملا۔ تاہم بعض مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ مینار تو تعمیر کیا گیا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اُسے تباہ کر دیا اور فرعون کو اُس پہ چڑھنے کا موقع نہ ملا۔

برے اعمال کی تزئین

ارشاد ہوتا ہے وَكَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوٓءُ عَمَلِهِۦ اسی طریقے سے فرعون کا بُرا عمل اُس کے لیے مزین کر دیا گیا تھا۔ سورۃ الانعام میں ہے۔ وَزَيَّنَ لَهُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ شیطان نے اُن کے بُرے اعمال کو مزین یعنی خوبصورت کر کے دکھایا۔ مشرکوں اور کافروں کے نزدیک اُن کے اعمال باطلہ بڑے خوشنما ہوتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑا اچھا کام کر رہے ہیں حالانکہ یہ کام سو فیصدی غلط ہوتے ہیں۔ اسی طرح سرکشوں کے اعمالِ بد کو بھی خوبصورت کر کے دکھایا جاتا ہے اور وہ یہی سمجھتے ہیں کہ اُن کا طریقہ بالکل ٹھیک ہے مگر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہی عقائد و اعمال اُن کے لیے وبالِ جان بن جاتے ہیں۔

فرمایا اسی طرح فرعون کا عمل اس کو مزین کر کے دکھایا گیا، اور وہ وَصُدَّ عَنِ ٱلسَّبِيلِ سیدھے راستے سے روک دیا گیا۔ وہ بزعم خود سمجھتا رہا کہ وہ بالکل درست راستے پہ جا رہا ہے مگر ایسے غلط راستے پہ چل نکلا کہ دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوا اور آخرت کے دائمی عذاب کا بھی مستحق بن گیا۔ فرمایا وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِى تَبَابٍ فرعون کی ہر تدبیر ہلاکت کے گڑھے میں جا کر گری۔ اُس کی کسی تدبیر نے اُسے کچھ فائدہ نہ دیا بلکہ وہ خود ہی اللہ کے عذاب کا شکار ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو ختم کرتے کرتے خود ہی بمع لشکر اور حواریوں کے صفحۂ ہستی سے ناپید ہو گیا۔ اُس مردِ مومن کی قوم کو نصیحت ابھی جاری ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ
الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ز
وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً
فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ج وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا
مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ
الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ وَ
يٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ
اِلَى النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ
مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ز وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ
الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ
لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ
اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾
فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ط وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ
اِلَى اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾ فَوَقٰىهُ
اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ
سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾

ترجمہ:- اور کہا اُس شخص نے جو ایمان لایا تھا،
اے میری قوم کے لوگو! پیروی کرو میری بات کی
میں تمھیں راہ دکھاتا ہوں بھلائی کا (۳۸) اے میری قوم
کے لوگو! بیشک یہ دنیا کی زندگی ایک برتنے کا
سامان ہے اور بیشک آخرت ہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے (۳۹)
جس شخص نے برائی کی پس نہیں بدلہ دیا جائے گا اُس
کو مگر اُس کے برابر۔ اور جس نے نیک عمل کیا،
خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اس حال میں کہ وہ ایماندار ہو،
پس یہی لوگ داخل ہوں گے جنت میں، اور روزی دیے
جائیں گے اس میں بے شمار (۴۰) اور اے میری قوم
کے لوگو! کیا ہے مجھ کو کہ میں بلاتا ہوں تم کو نجات
کی طرف، اور تم مجھے بلاتے ہو آگ کی طرف (۴۱) تم
مجھے بلاتے ہو اس بات کی طرف کہ میں کفر کروں
اللہ کے ساتھ اور شریک ٹھہراؤں اُس کے ساتھ وہ
چیزیں جن کا مجھے علم بھی نہیں۔ اور میں تمھیں دعوت
دیتا ہوں عزیز اور بخشش کرنے والی ہستی کی طرف (۴۲)
ضروری بات ہے کہ تم مجھے جس کی طرف دعوت
دیتے ہو، نہیں ہے اُس کی دعوت دنیا میں اور نہ
آخرت میں۔ اور بیشک ہمارا پھر کر جانا اللہ ہی کی طرف
ہے۔ اور بیشک زیادتی کرنے والے وہی دوزخ والے
ہیں (۴۳) پس تم آگے چل کر یاد کرو گے وہ بات

جو میں تمھیں کہتا ہوں، اور میں سونپتا ہوں اپنا معاملہ اللہ
کی طرف۔ بیشک اللہ نگاہ میں رکھتا ہے بندوں کو (۴۴)
پس بچا لیا اللہ نے اُس مرد مومن کو اُن برائیوں سے
جو فرعونیوں نے سوچی تھیں، اور گھیر لیا آل فرعون کو
بُری طرح کے عذاب نے (۴۵)

ربط آیات

جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اُسی کی قوم کے ایک مردمومن اللہ کے نبی کی جان بچانے کے لیے آگے آئے۔ اس شخص کا نام قرآن نے تو ذکر نہیں کیا، تاہم بعض مفسرین نے حزقیل یا سمعان نام بتایا ہے۔ اس شخص نے اپنی قوم کو نصیحت کی اور کہا کہ تم ایک شخص کو محض اس لیے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ اُس مردمومن نے قوم کو خدا کے عذاب سے ڈرایا اور اُن کے کردار پر سخت تنقید کی مگر فرعون نے کہا میری بات مانو اور موسیٰ (علیہ السلام) کا خاتمہ کر دو ورنہ یہ تمھارا دین بھی بگاڑ دے گا۔ اور زمین میں فساد بھی برپا کرے گا۔

نیکی کا راستہ

فرعون کی اس بات کے جواب میں مردمومن نے اپنا ردّعمل ظاہر کیا وَقَالَ الَّذِيٓ اٰمَنَ اور کہا اُس شخص نے جو ایمان لا چکا تھا يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اے میری قوم! میری بات کا اتباع کرو۔ میرے پیچھے لگو اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ نیکی کے راستے کی طرف میں تمھاری راہنمائی کرتا ہوں۔ مطلب یہ کہ فرعون نے جس راستے کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ تو ظلم و زیادتی اور قتل ناحق کا راستہ ہے، اُس کو اختیار کرو گے تو سب خدا تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے، آؤ میں تمھیں بھلائی کا راستہ بتاتا ہوں، اور یہ وہی راستہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام نے پیش کیا ہے۔ اور جس سے مراد یہ ہے کہ کفر و شرک سے باز آجاؤ، اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کر لو، ظلم و زیادتی کو چھوڑ دو اور سرکشی اور بغاوت سے کنارہ کشی اختیار کر لو۔ اس کے بجائے عدل و انصاف کا راستہ اختیار کرو جو کہ نیکی کا راستہ ہے۔

پھر اُس مردِ مومن نے یہ بھی کہا یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ اے میری قوم کے لوگو ! یہ دنیا کی زندگی تو برتنے کا سامان ہے ۔ یہ دنیا فانی ہے اور اس کی عیش و بہار چند روزہ ہے ، پھر ختم ہو جائیگی وَاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ اور آخرت کا گھر ہی دائمی ٹھہرنے کی جگہ ہے ۔ یہ مضمون سورۃ العنکبوت میں بھی بیان ہوا ہے وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (آیت ۔ ۶۴) اور ہمیشہ کی زندگی کا مقام آخرت کا گھر ہی ہے ۔ بلکہ یہ زندگی تو محض کھیل تماشہ ، لہو و لعب اور عیش و عشرت کا نام ہے ۔ عقلمند آدمی کو اس زندگی پر مفتون نہیں ہونا چاہیئے بلکہ آخرت کی دائمی زندگی کی فکر کرنی چاہیئے ۔

نیکی اور برائی کا بدلہ

اسی حقیقت کے پیش نظر مردِ مومن نے اپنی قوم کو یہ بات سمجھائی ۔ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا کہ جس شخص نے بُرا عمل انجام دیا اس کا بدلہ اس برائی کے برابر ہو گا ۔ یعنی جتنی برائی کی ہے اس سے زیادہ سزا نہیں ملے گی ۔ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى اور مرد یا عورت میں سے جس نے بھی نیک عمل کیا وَهُوَ مُؤْمِنٌ بشرطیکہ وہ مومن ہو فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ پس وہ جنت میں داخل ہوں گے يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ اور اُس میں انہیں بے شمار روزی نصیب ہو گی ۔

نیکی کا کام خواہ مرد کرے یا عورت اُن کو برابر اجر ملے گا ۔ کیونکہ مکلف ہونے میں مرد اور عورت برابر ہیں ۔ جس طرح مرد قوانین الٰہیہ کا پابند ہے ۔ اسی طرح عورت بھی ذمہ دار ہے اس لحاظ سے تو برابر ہیں مگر اُن کے دائرہ ہائے کار مختلف ہیں ۔ مرد کا کام ہے کہ وہ محنت کر کے باہر سے کما کر لائے اور عورت کا فرض ہے کہ بچوں کی پرورش اور گھر کی دیکھ بھال کرے ۔ بعض کام مشترکہ طور پر بھی انجام دیے جا سکتے ہیں ۔ مگر بعض ایسے بھی ہیں جو صرف مرد کے دائرہ کار میں یا صرف عورت کے دائرہ کار میں آتے ہیں ۔ بہر حال قانون کے دونوں پابند ہیں اور سزا تیب کا اصول دونوں کے لیے یکساں ہے ۔ اسی طرح انجام کی خرابی مردوں کے لیے بھی ویسی ہی

ہے۔ جیسی عورتوں کے لیے ناپسندیدہ ہے۔ بہرحال فرمایا کہ جس مرد یا عورت نے ایمان کی حالت میں کوئی نیک کام انجام دیا تو وہ قابلِ قدر ہوگا۔ اگر کسی کا ایمان درست نہیں، اس میں کفر، شرک یا نفاق کی ملاوٹ ہے تو اس کی کوئی نیکی بھی قابلِ قبول نہیں ہوگی، بلکہ اس کا بڑا عمل بھی رائیگاں جائے گا۔

نجات اور دوزخ کی طرف دعوت

قومِ فرعون کے ایماندار آدمی نے اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے کہا وَیٰقَوْمِ مَالِیٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ اے میری قوم کے لوگو! کیا ہے مجھے کہ میں تمھیں نجات کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔ میں تمھیں متنبہ کر رہا ہوں۔ کہ کفر و شرک اور ظلم و زیادتی کو ترک کر کے ایمان، نیکی اور خیر خواہی اختیار کر لو تو نجات پا جاؤ گے، ورنہ اللہ کے عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ اس کے برخلاف وَ تَدْعُوْنَنِیٓ اِلَى النَّارِ تم لوگ مجھے دوزخ کی آگ کی طرف بلاتے ہو یعنی تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ تم مجھے اس بات کی دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر اور شرک کا ارتکاب کروں، اور شرک بھی ایسا مَا لَيْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ کہ جس کا مجھے علم ہی نہیں وَاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ اور تمھارے لیے میری دعوت غالب اور بخشش کرنے والے پروردگار کی طرف ہے۔ اس مردِ مومن نے اپنی دعوت اور قوم کی دعوت کا موازنہ کر کے کہا کہ عجیب بات ہے کہ میری اور تمھاری دعوت میں بعد المشرقین ہے۔ میں تمھیں ایمان، نیکی، توحید اور آخرت کی زندگی کی طرف بلا رہا ہوں جبکہ تم اپنے ساتھ مجھے بھی دوزخ میں دھکیلنا چاہتے ہو۔ ذرا غور تو کرو کہ تم کدھر جا رہے اور میں تمھیں کس طرف بلا رہا ہوں۔ نیکی اور ابدی راحت کا راستہ کون سا ہے اور دائمی عذاب کا شکار ہونے کی راہ کون سی ہے۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تم اب بھی سنبھل جاؤ اور کفر و شرک اور اللہ کے نبی کی ایذا رسانی کو ترک کر کے خدائے غفار کی بخشش کے مستحق بن جاؤ۔ وہ بڑا مہربان ہے۔ انسان جب بھی اس کی طرف رجوع کرے وہ مہربانی فرماتا ہے اور سابقہ کوتاہیاں معاف کر کے انسان کو اپنی آغوش

رحمت میں لے لیتا ہے۔ وہ تمام قوتوں کا سرچشمہ ہے اور ہر لحاظ سے غالب اور متصرف ہے۔

فرمایا لَا جَرَمَ یہ بالکل سچی، پکی اور قطعی بات ہے اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ کہ تم مجھے جس کی طرف دعوت دیتے ہو اس کی دنیا اور آخرت میں کوئی دعوت نہیں۔ وہ نہ تو خود کوئی کام کر سکتے ہیں یعنی کسی کی دعا کو قبول کر سکتے ہیں اور نہ وہ کسی سے قبول کروا سکتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو شجر، حجر وغیرہ بے جان چیزیں ہیں، مگر وہ بیچارے کسی کی دعا کو کیسے قبول کریں گے، انہیں تو کسی بات کا شعور ہی نہیں۔ اور جو ہستیاں ذی روح اور ذی جان ہیں وہ ویسے ہی بے اختیار ہیں۔ اللہ نے انہیں کوئی اختیار نہیں دیا کہ وہ کسی کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کریں یا اللہ تعالیٰ سے جبراً کوئی بات منوالیں۔ اختیار تو سارے کا سارا قادرِ مطلق کے پاس ہے جو ہر چیز کا خالق مدبر اور متصرف ہے۔ اور میں تمہیں اسی وحدہٗ لاشریک کی طرف بلاتا ہوں جو حاجت روائی اور مشکل کشائی پر قادر ہے۔

سورۃ الاحقاف میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗٓ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ (آیت-۵) اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو ایسی ہستی کو پکارے جو قیامت تک اس کو جواب نہ دے سکے، اور ان کو ان کے پکارنے کی خبر تک نہ ہو۔ اس مرد مومن نے کہا کہ تم مجھے ایسی ہستیوں کی طرف دعوت دے رہے ہو جو جواب دینا تو درکنار وہ بات سننے سے بھی عاری ہیں۔ لہٰذا اس بات میں غور کرو اور میری دعوت کو قبول کر لو جو مبنی برحق ہے۔ ایسا ہی مضمون اللہ نے سورۃ الرعد میں بھی بیان فرمایا ہے کہ غیر اللہ کو پکارنے والوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کَبَاسِطِ كَفَّیْهِ اِلَی الْمَآءِ لِیَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ (آیت ۱۴)

اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلا دے کہ وہ خود بخود اس کے منہ تک پہنچ جائے حالانکہ وہ اس شخص تک کبھی نہیں آسکتا جب تک کہ اللہ کے مقرر کردہ ظاہری ذرائع کو استعمال نہیں کرے گا۔ مطلب یہ ہے کہ شجر و حجر، بتوں اور اہل قبور کو پکارنا لایعنی ہے۔ اللہ وحدہٗ لاشریک کو پکارنا ہی کار آمد ہو سکتا ہے۔

سورۃ الاحقاف میں اس طرح بھی آیا ہے وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ (آیت ۔۶) جب قیامت والے دن تابع اور متبوع اکٹھے کیے جائیں گے اور تابعین اپنے متبوعین سے مدد کی درخواست کریں گے تو وہ اُن کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی پرستش سے انکار کر دیں گے، وہ صاف کہہ دیں گے کہ ہم نے تمہیں کب کہا تھا کہ ہماری عبادت کرو۔ تم نے تو شیطان کی بات مان کر کفر اور شرک کا راستہ اختیار کیا، آج ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ بہر حال اس مرد مومن نے ہر طریقے سے قوم کو بات سمجھانے کی کوشش کی اور انہیں آخرت کی گرفت سے بھی ڈرایا، اور پھر ساتھ یہ بھی کہا وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ اور ہمارا پھرنا تو اللہ وحدہٗ لاشریک کی طرف ہی ہے، قیامت والے دن سب اسی کی عدالت میں حاضر ہوں گے، حساب کتاب ہوگا، جزائے عمل کی منزل آئے گی وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ اور پھر حد درجہ زیادتی کرنے والے ہی دوزخ میں جائیں گے اور یاد رکھو تمہارا یہ فرعون، ہامان قارون اور دیگر بڑے بڑے ائمۃ الکفر تمام جہنمیوں کے لیڈر ہوں گے۔

حرفِ آخر — آخر میں اس اللہ کے ایماندار بندے نے نہایت دلسوزی اور ہمدردی کے انداز میں قوم کو خطاب کیا فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ جو باتیں میں آج تمہیں بتلا رہا ہوں ان کو آگے چل کر یاد کرو گے۔ میری یہ نصیحت اس وقت یاد آئیگی جب گرفتارِ بلا ہو گے مگر اس وقت کی پشیمانی کچھ کام نہ آئے گی۔ اور تمہیں عذابِ الٰہی کا مزا چکھنا پڑے گا۔ میری نصیحت پر عمل کرنے کا وقت آج

ہے، اگر سمجھ جاؤ گے تو بچ جاؤ گے ورنہ تمہارا ٹھکانا جہنم ہی ہوگا۔ نیز فرمایا کہ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، میں نے حقِ نصیحت ادا کر دیا وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَى اللّٰهِ اور اب میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں، وہ جو چاہے گا میرے ساتھ سلوک کرے گا۔ کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ بے شک اللہ تعالیٰ بندوں پر نگاہ رکھنے والا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون سا بندہ کس درجے میں جا رہا ہے توحید پرست ہے یا کافر و مشرک۔ اُس سے کوئی عمل پوشیدہ نہیں، جزا یا سزا کا فیصلہ وہ خود کرے گا۔ لہٰذا میں تو اپنا معاملہ اسی کے سپرد کرتا ہوں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے اس سارے معاملے کا انجام بھی بیان فرما دیا فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا اللہ تعالیٰ نے اُسے کفار کی بُری تدبیر سے بچا لیا۔ اس مقام پر ہٗ کی ضمیر مردِ مومن کی طرف لوٹائی جائے تو معنیٰ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے کفار کی برائیوں سے بچا لیا۔ اور اگر اس ضمیر کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹایا جائے تو یہ بھی درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کے حواریوں کے شر سے بچا لیا۔ اور دشمنان کی تمام تدابیر ناکام ہوگئیں۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ جب فرعون اور اس کے حواری موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے درپے تھے تو وہ اُس مردِ مومن کو کیسے معاف کر سکتے تھے، جس نے علی الاعلان موسیٰ علیہ السلام کی حمایت کا اظہار کر دیا تھا۔ چنانچہ صاحب تفسیر مدارک اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ کا یہ بندہ مذکورہ نصائح کر کے وہاں سے بھاگ کر کسی پہاڑی علاقے میں روپوش ہوگیا۔ فرعون نے اُس کی گرفتاری کے لیے ایک ہزار فوجی مامور کیے۔ مگر خدا کی قدرت کہ اُن میں سے پانچ سو آدمی تو دورانِ تلاش ہی کسی حادثہ کا شکار ہو کر مر گئے اور باقی پانچ سو آدمیوں نے سر توڑ کوشش کی مگر وہ مردِ مومن کو تلاش کرنے میں ناکام رہے۔ پھر جب وہ فرعون کے پاس ناکام واپس لوٹے تو اُس نے اُن سب کو مروا دیا کہ یہ اپنے فرض کی انجام دہی میں ناکام ہوئے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس ایماندار آدمی کو کفار کی بُری تدبیر سے

بچالیا۔

حضرت قتادہؒ اور صاحب تفسیر درِ منثور فرماتے ہیں کہ اس مردِ مومن کو بھی اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ بحر قلزم سے نجات دلائی تھی۔ بہر حال حضرت موسیٰؑ اور یہ ایماندار آدمی تو فرعون اور اُس کے حواریوں کی بُری تدبیر سے بچ گئے وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ مگر بُرے عذاب نے آلِ فرعون کو گھیر لیا۔ چنانچہ فرعون اپنے لاؤ لشکر اور حواریوں سمیت بحر قلزم کی موجوں میں غرق ہوگیا، اور جتنے لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کا تعاقب کیا تھا۔ اُن میں سے ایک بھی زندہ نہ بچا۔ البتہ جو لوگ اپنے گھروں میں رہے اور تعاقب میں شریک نہ ہوئے وہ بھی بچ گئے۔

اَلنَّارُ يُعۡرَضُوۡنَ عَلَيۡهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوۡمَ
تَقُوۡمُ السَّاعَةُ ۚ اَدۡخِلُوۡۤا اٰلَ فِرۡعَوۡنَ اَشَدَّ الۡعَذَابِ ﴿۴۶﴾
وَاِذۡ يَتَحَآجُّوۡنَ فِى النَّارِ فَيَقُوۡلُ الضُّعَفٰٓؤُا
لِلَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡۤا اِنَّا كُنَّا لَـكُمۡ تَبَعًا فَهَلۡ اَنۡتُمۡ
مُّغۡنُوۡنَ عَنَّا نَصِيۡبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡۤا
اِنَّا كُلٌّ فِيۡهَاۤ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدۡ حَكَمَ بَيۡنَ الۡعِبَادِ ﴿۴۸﴾
وَقَالَ الَّذِيۡنَ فِى النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادۡعُوۡا
رَبَّكُمۡ يُخَفِّفۡ عَنَّا يَوۡمًا مِّنَ الۡعَذَابِ ﴿۴۹﴾
قَالُوۡۤا اَوَلَمۡ تَكُ تَاۡتِيۡكُمۡ رُسُلُكُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوۡا
۵ بَلٰى ؕ قَالُوۡا فَادۡعُوۡا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الۡكٰفِرِيۡنَ اِلَّا فِىۡ
ع ۱۳ ۱۰ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ ع

ترجمہ:- آگ پر پیش کیے جاتے ہیں وہ (آل فرعون)
صبح اور شام۔ اور جس دن قیامت برپا ہو گی (فرشتوں
سے کہا جائے گا) داخل کرو آلِ فرعون کو سخت عذاب
میں ﴿۴۶﴾ اور جب آپس میں جھگڑیں گے دوزخ میں تو
کہیں گے کمزور اُن سے جنہوں نے تکبر کیا، بیشک
تھے ہم تمہارے تابع، پس کیا تم بچانے والے ہو

ہم سے کچھ حصہ دوزخ کی آگ کا (۴۷) کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے تکبر کیا ، بیشک ہم سب اس میں پڑے ہوئے ہیں ، بیشک اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا ہے بندوں کے درمیان (۴۸) اور کہیں گے وہ لوگ جو دوزخ کے اندر ہیں جہنم کے داروغوں سے کہ دعا کرو اپنے پروردگار سے کہ وہ تخفیف کر دے ہم سے ایک دن ہی عذاب سے (۴۹) کہیں گے وہ (جواب میں) کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس تمہارے رسول کھلی نشانیاں لے کر ۔ وہ کہیں گے کیوں نہیں (وہ آئے تھے) پس کہیں گے وہ (فرشتے) پھر پکارو اور نہیں ہے پکار کفر کرنے والوں کی مگر ناکامی میں ۔ (۵۰)

ربطِ آیات

اللہ تعالیٰ نے توحید اور جزائے عمل کی بات سمجھانے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ آلِ فرعون کا ذکر کیا کہ انہوں نے کس طرح سرکشی کی ، حق کی مخالفت کرتے رہے ، موسیٰ علیہ السلام کو تکالیف پہنچائیں اور آخر میں قتل کے درپے ہوئے اس دوران میں قومِ فرعون میں سے ایک مردِ مومن نے آلِ فرعون کو نصیحت کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کے قتل کی مخالفت کی اور پھر اپنے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ۔ اللہ تعالیٰ نے اس مردِ مومن اور موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کے حواریوں کی بُری تدبیر سے بچا لیا اور خود انہی کو عذاب میں مبتلا کیا ۔ دنیا میں تو وہ بحرِ قلزم میں غرق ہوئے اور اب عالمِ برزخ میں بھی ان کو سخت تکلیف پہنچ رہی ہے ۔ جب کہ آخرت کا دائمی عذاب ابھی آنے والا ہے ۔

برزخ میں جزا و سزا کا مسئلہ

ارشاد ہوتا ہے اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ان کو صبح و شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے ۔ اس وقت فرعون اور اس کے حواری عالمِ برزخ میں ہیں اور اسی دوران ان کی کیفیت بتلائی جا رہی ہے کہ انہیں ابھی سے

صبح شام آگ پر پیش کیا جا رہا ہے تاکہ آخرت میں ابدی جہنم کا تھوڑا سا نمونہ ابھی سے چکھ لیں۔ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اور پھر جب قیامت برپا ہوگی، اُس دن اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ کہ آلِ فرعون کو سخت عذاب میں داخل کر دو۔ یہ سزا ان کو اس لیے دی جا رہی ہے کہ دنیا کی زندگی میں یہ لوگ بڑے سرکش، مغرور اور حد سے تجاوز کرنے والے تھے۔

یہ آیت منجملہ اُن دس آیات میں سے ہے جن میں برزخ یا عذابِ قبر کا ذکر ملتا ہے۔ ان آیات سے متبادر ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد کفار، مشرکین، اور دیگر گنہگاروں کو قبر میں تکلیف پہنچتی ہے۔ جب کہ اہلِ ایمان اور نیکی والوں کو راحت نصیب ہوتی ہے۔ تمام بڑے بڑے مفسرین امام بیضاوی، امام ابوبکر جصاص، امام رازی، صاحبِ مدارک وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کی رو سے عذابِ قبر برحق ہے، لہٰذا برزخ کے ثواب و عذاب کا مسئلہ اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ البتہ بعض گمراہ فرقے معتزلہ، رافضی، چکڑالوی اور پرویزی وغیرہ عذابِ قبر کے منکر ہیں اور وہ عالمِ برزخ میں انسان کے جسم و روح کے تعلق اور پھر احساسِ راحت والم کو تسلیم نہیں کرتے۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے قبر کے عارضی عذاب اور پھر آخرت کے دائمی عذاب کا ذکر فرمایا ہے۔ البتہ اہل ایمان کے لیے راحت کا ذکر سنت میں مذکور ہے۔ عذابِ قبر کا ذکر کم و بیش ستر احادیث صحیحہ میں آتا ہے۔ قبر میں دفن کیے جانے والے شخص کا ذکر تو عام ہے کہ دفن کے فوراً بعد منکر نکیر نامی فرشتے قبر میں آکر مردے سے سوال وجواب کرتے ہیں جس کے نتیجے میں اُس پر راحت یا تکلیف والی منزل ضرور آتی ہے۔ اور اگر کسی شخص کو دفن ہی نہ کیا گیا ہو۔ اُسے جانوروں نے کھا لیا ہو، آگ نے جلا دیا ہو یا پانی میں غرق ہو گیا ہو، اُس کے ذرات ہوا میں اڑ گئے ہوں یا مٹی میں مِل گئے ہوں ہر صورت میں سوال وجواب کی منزل ضرور آتی ہے مگر اس کی کیفیت کا علم

ہمیں اِس وقت نہیں ہوتا۔ اس سارے مرحلے کا صحیح صحیح ادراک تو مرنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے، اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم اپنے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا کہ مردوں کی سزا کی جو کیفیت میں دیکھ رہا ہوں وہ تمہیں بھی دکھا دی جائے وہ ایسی ہولناک کیفیت ہے کہ اگر کوئی دیکھ لے تو مردوں کو دفن ہی نہ کرے۔ حضور علیہ السلام نے عذاب قبر سے بچاؤ کی یہ دُعا بھی تعلیم فرمائی ہے۔ جو کہ نماز میں درود شریف کے بعد پڑھی جانے والی دعاؤں میں شامل ہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِكَ مِنۡ عَذَابِ الۡقَبۡرِ وَاَعُوۡذُبِكَ مِنۡ فِتۡنَةِ الۡمَسِیۡحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوۡذُبِكَ مِنۡ فِتۡنَةِ الۡمَحۡیَا وَالۡمَمَاتِ ۔ اے اللہ! میں تیری ذات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں قبر کے عذاب سے، مسیح دجال کے فتنہ سے، اور زندگی اور موت کے فتنہ سے۔

صحیح حدیث میں آپ کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ قبروں میں تمہاری بہت بڑی آزمائش ہوگی اور دجال کے فتنہ کے وقت بھی۔ لہٰذا جو شخص عذاب قبر کا انکار تاویل کے ساتھ کرتا ہے۔ وہ گمراہ اور بدعتی ہے اور جو آدمی سرے سے ہی عذاب و ثواب قبر کا منکر ہے اُس پر کفر لازم آتا ہے۔ یہ مسئلہ شفاعت کے مسئلہ کی مانند ہے کہ جو اس کا تاویل کے ساتھ انکار کرے وہ گمراہ اور بدعتی ہے اور جو مطلقاً انکار کرتا ہے اُس پر تکفیر کا فتویٰ لگتا ہے۔

قبر کا عذاب

عذاب قبر سے متعلق صحیح حدیث میں آتا ہے کہ بعض گنہگاروں پر قبر اس قدر سکڑتی ہے کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں پیوست ہو جاتی ہیں یہ ضغطہ قبر کہلاتا ہے۔ قبر میں منکر نکیر کے سوال وجواب کا ذکر بھی صحیح احادیث میں آتا ہے اور یہ بھی کہ مومن آدمی صحیح جواب دیتا ہے تو فرشتے اُس کو تسلی دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آرام سے سو جا۔ برخلاف اس کے کافر، مشرک یا بدعقیدہ آدمی صحیح جواب نہیں دیتا تو اُس کو سزا ملتی ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ فرشتے ایسے شخص کو کانوں کے درمیان ہتھوڑے کے ساتھ اتنی شدید ضرب لگاتے ہیں کہ اگر وہ ضرب کسی سخت ترین چٹان پر ماری جائے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جائے۔ اس ضرب کی آواز انسانوں اور جنوں کے سوا ہر چیز سنتی ہے۔ پھر بعض لوگوں پر ننانوے

سانپ مسلط کرنیکا ذکر بھی ملتا ہے جو بڑے سے ڈستے رہتے ہیں۔ بہر حال عذاب قبر احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، آیاتِ قرآنی بھی اس کی تصدیق کرتی ہیں، لہٰذا اس پر یقین رکھنا چاہیئے۔ بعض معتزلہ قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کی حیثیت پتھر کی سی ہوتی ہے اور اس کے لیے سزا یا جزا کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ مگر یہ نظریہ باطل ہے

صحیح احادیث میں عذابِ قبر میں تخفیف کا ذکر بھی ملتا ہے۔ مثلاً حضور علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ میں اس قسم کے دو واقعات ملتے ہیں۔ پہلا واقعہ یہ ہے کہ آپ بعض قبروں پر گذرے تو آپ نے ان پہ دو سبز ٹہنیاں رکھوا دیں اور فرمایا کہ ان قبر والوں کو عذاب ہو رہا تھا۔ مگر کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں بلکہ ان میں سے ایک تو چغل خور تھا اور دوسرا شخص پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ صحیح حدیث میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ پیشاب سے بچو کیونکہ عام طور پہ عذابِ قبر اسی وجہ سے ہوتا ہے۔

آپ کا دوسرا واقعہ دورانِ سفر کا ہے آپ نے حضرت جابرؓ سے فرمایا کہ درخت سے دو شاخیں کاٹ کہ ایک اس جگہ پر رکھ دو اور دوسری اُس جگہ پہ حضرت جابرؓ نے ایسا ہی کر دیا اور پھر دریافت کیا حضور! اس کا کیا مطلب؟ آپ نے فرمایا کہ اِن جگہوں میں دو قبروں والوں کو سزا ہو رہی تھی اور میں نے چاہا کہ ان کے عذاب میں تخفیف کی سفارش کروں، لہٰذا یہ دو ٹہنیاں رکھوا دی ہیں۔

عذاب کا احساس

یہاں پہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد قبر میں جو عذاب ہوتا ہے، یہ صرف روح کو ہوتا ہے یا اس میں جسم بھی شریک ہوتا ہے۔ بعض حضرات تو صرف روح کے احساسِ عذاب کے قائل ہیں لیکن اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ روح کو تکلیف جسم کے تعلق کے ساتھ ہوتی ہے۔ البتہ یہ اشکال باقی رہتا ہے کہ اگر کسی شخص کا جسم معدوم ہو چکا ہے۔ مثلاً کوئی درندہ کھا گیا یا جل کر راکھ ہو گیا تو اس صورت میں جسم اور روح کا تعلق کیسے قائم ہوتا ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اگر انسانی جسم کے تمام عناصر بھی گل سڑ جائیں تب بھی اُس کا کچھ نہ کچھ حصہ باقی رہتا ہے۔ مثلاً بخاری، مسلم، مسند احمد اور موطا امام مالک میں موجود ہے، کہ

کہ انسان کی دمچی کی ہڈی ضرور باقی رہتی ہے اور پھر قیامت کو اسی سے انسان کا ڈھانچہ دوبارہ کھڑا کیا جائے گا۔ بہرحال جسم کے کسی ایسے حصے کے ساتھ روح کا تعلق فی الجملہ قائم رہتا ہے جس کی وجہ سے جزا یا سزا کے احساس کا تعلق اس مجموعہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے انسان کے جسم کی اگر کسی ایک انگلی کو تکلیف ہو تو سارا جسم اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔ الغرض! عالم برزخ میں جزا یا سزا کا احساس روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔ مگر اس کو کوئی دوسرا آدمی دیکھ نہیں سکتا۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ انسان کو چاہیئے کہ وہ اللہ اور اُس کے رسُول کے ارشاد کے مطابق عذاب قبر کو تسلیم کرے۔ اگر ہم اس کی کیفیت معلوم کرنا چاہیں تو یہ ممکن نہیں کیونکہ ہمارے پاس وہ آنکھیں نہیں جن کے ذریعے ہم عذاب و ثواب کا مشاہدہ کرسکیں۔ آپ اس کی مثال اس طرح بیان کرتے ہیں کہ آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کے قریب ایک شخص سویا ہوا ہے۔ اُس کو خواب میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے، جل رہا ہے، ڈوب رہا ہے، سانپ ڈس رہا ہے یا اُس پر کوئی آفت آگئی ہے جس کی وجہ سے وہ خوفزدہ ہو کر کانپ رہا ہے اور بعض اوقات اُس کی چیخیں بھی نکل جاتی ہیں مگر پاس والے آدمی کو اس کی تکلیف کا کچھ ادراک نہیں ہوتا۔ اسی طرح عذاب قبر کا ادراک اس جہان میں رہنے والوں کو نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کو وہی محسوس کرتا ہے۔ جو اس میں مبتلا ہوتا ہے۔

مفسر قرآن قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ تفسیر مظہری میں بیان کرتے ہیں کہ اس دُنیا سے چلے جانے والے مومنوں کی ارواح تو علیین میں چلی جاتی ہیں اور کافروں کی ارواح سجین میں۔ قرآن پاک میں دونوں کا ذکر موجود ہے اور اِن کے اجسام تو قبروں میں ہوتے ہیں پھر اِن روحوں کا تعلق اجسام کے ساتھ کیسے قائم رہتا ہے تو قاضی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ روح اور جسم کے اس اتصال کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اسی اتصال کی وجہ سے جزا یا سزا کا احساس روح اور جسم کے مجموعے

کو ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی بھائی کی قبر پہ جاکر سلام کہتا ہے۔ تو اہل قبر اُس کو سُنتا ہے اور اُس کا جواب بھی دیتا ہے۔ مگر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ہر عالم کے احکام الگ الگ ہیں۔ کان کے عالم کو آنکھ نہیں جان سکتی۔ اور آنکھ کا عالم کان کے عالم سے بے بہرہ ہے۔ اسی طرح عالمِ برزخ کے احوال کو عالمِ دنیا والے نہیں جان سکتے۔ جب خود وہاں پہنچتے ہیں تو حقیقت حال واضح ہوتی ہے۔

برزخ دنیا کا تتمہ ہے

یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ عالمِ برزخ کا تعلق عالمِ دنیا سے ہے یا عالمِ آخرت سے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ عالمِ برزخ اسی جہانِ دنیا کا تتمہ ہے اس کو اس طرح سمجھ لیں کہ عالمِ برزخ کے واقعات اس جہان کی نسبت سے ایک باریک جالی یا پردے کے پیچھے پیش آرہے ہیں جنہیں ہم نہیں دیکھ سکتے۔ جب حشر برپا ہوگا اور یہ پردہ اُٹھ جائے گا۔ تو تمام چیزیں کُھل کر سامنے آجائیں گی۔ اس وقت عالمِ برزخ کا ادراک کوئی نہیں کر سکتا۔ بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی چیز غیر معمولی طریقے سے سمجھائے اس کی مثال خدا تعالےٰ کی رؤیت والی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اپنے پروردگار کو اس جہان میں نہیں دیکھ سکتے۔ جب تک کہ مر کر دوسرے جہان میں نہ چلے جاؤ۔

امام غزالیؒ اس بات کو اس طرح سمجھاتے ہیں کہ تم اس کو تو تسلیم کرتے ہو کہ جبرائیل علیہ السلام حضور علیہ السلام پہ نازل ہوتے تھے مگر صحابہؓ کی آنکھیں اُن کا مشاہدہ کرنے سے قاصر تھیں۔ جب حضور علیہ السلام خود بتلاتے تھے کہ جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے تو پھر پتہ چلتا تھا۔ ایک موقعہ پہ حضور علیہ السلام ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس تشریف فرما تھے کہ جبرائیل علیہ السلام آئے اور عرض کیا کہ میری طرف سے عائشہؓ کو بھی سلام کہہ دیجئے آپ نے یہ پیغام دیا تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ حضور! میری طرف سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو سلام کہہ دیں۔ اور ساتھ یہ بھی کہا تریٰ مالا نریٰ حضور! جو کچھ آپ دیکھتے ہیں وہ ہم تو نہیں دیکھ سکتے۔ غرضیکہ ہر مومن نزولِ وحی پہ ایمان رکھتا ہے مگر اُسے دیکھ نہیں سکتا اسی طرح اگر وحی پہ ایمان ہے تو پھر قبر میں فرشتوں کی آمد، سوال و جواب اور جزا و سزا

پر بھی ایمان رکھنا چاہیے۔

بہر حال فرمایا کہ فرعونیوں کو عالمِ برزخ میں صبح و شام آگ پہ پیش کیا جاتا ہے۔ پھر جب قیامت برپا ہوگی، جزا اور سزا کی منزل آئیگی تو فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ان کو سخت عذاب میں داخل کر دو۔ اُن کو جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔ اور یہ اُن کے لیے قطعی اور دائمی سزا ہوگی۔

تابع اور متبوع کا مکالمہ

آگے اللہ تعالیٰ نے دوزخ میں جانے والے بعض لوگوں کے مکالمے کا ذکر کیا ہے ارشاد ہوتا ہے وَاِذْ یَتَحَاجُّوْنَ فِی النَّارِ اور جب کہ دوزخ میں پہنچنے والے آپس میں جھگڑا کریں گے فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا پس کمزور لوگ مغرور اور متکبر لوگوں سے کہیں گے اِنَّا کُنَّا لَکُمْ تَبَعًا ہم تو دنیا میں تمہارے تابع تھے، تمہارا ہر حکم مانتے تھے، تمہاری ہاں میں ہاں ملاتے تھے فَھَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِیْبًا مِّنَ النَّارِ تو کیا آج تم دوزخ کے کچھ حصے سے ہمیں بچا سکتے ہو؟ ہم دنیا میں تمہارے پیچھے لگ کر اس نتیجے کو پہنچے ہیں، اب ہمارا کچھ تو دکھ بانٹو اور سزا کا کچھ حصہ اٹھا لو۔ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا اُس وقت متکبر لوگ جواب دیں گے بھلا ہم تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں اِنَّا کُلٌّ فِیْھَآ آج تو ہم سب دوزخ میں پڑے ہیں۔ اور برابر ہیں، ہم تمہارا بوجھ کیسے اٹھا سکتے ہیں؟ اور ساتھ یہ بھی کہیں گے اِنَّ اللّٰہَ قَدْ حَکَمَ بَیْنَ الْعِبَادِ اب اللہ نے بندوں کے درمیان فیصلہ کر دیا ہے۔ اہلِ ایمان کو راحت کے مقام میں اور مجرموں کو یہاں بھیج دیا ہے، لہٰذا اب ہمارے اور تمہارے عذاب میں نہ تخفیف ہو سکتی ہے اور نہ ہی یہ دور ہو سکتا ہے۔ اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسی عذاب میں مبتلا رہنا پڑے گا۔

تخفیفِ عذاب کی درخواست

جب تابعین اپنے متبوعین سے مایوس ہو جائیں گے۔ تو پھر جہنم کے داروغوں کی طرف رجوع کریں گے۔ وَقَالَ الَّذِیْنَ فِی النَّارِ لِخَزَنَۃِ جَھَنَّمَ اور آگ میں پڑے ہوئے لوگ جہنم کے داروغوں سے کہیں گے۔

اُدۡعُوۡا رَبَّکُمۡ یُخَفِّفۡ عَنَّا یَوۡمًا مِّنَ الۡعَذَابِ کہ اپنے پروردگار سے دُعا کرو کہ وہ ہمارے عذاب میں ایک دِن کے لیے ہی تخفیف کر دے۔ کم از کم ایک دِن تو ہمیں اس مصیبت سے نجات ملے۔ قَالُوۡۤا اَوَلَمۡ تَکُ تَاۡتِیۡکُمۡ رُسُلُکُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ ؕ وہ جواب دیں گے، کیا تمہارے پاس تمہارے رسول کھلی نشانیاں لے کر نہیں آئے تھے؟ کیا انہوں نے تمہیں اللہ کے احکام، شرائع اور دلائل نہیں پہنچائے تھے کہ تم ایمان لے آتے؟ قَالُوۡا بَلٰی وہ کہیں گے، کیوں نہیں۔ اللہ کے رسول تو ہمارے پاس آئے تھے اور انہوں نے ہمیں ہر نیک و بد سے آگاہ کر دیا تھا، مگر یہ ہماری بدبختی تھی کہ ہم نے اُن کی آواز پر لبیک نہ کہا اور کفر و شرک اور معاصی میں مبتلا رہے۔ قَالُوۡا فَادۡعُوۡا فرشتے کہیں گے، پس اب پکارتے اور چیختے چلاتے رہو، مگر کوئی شنوائی نہیں ہوگی۔ وَمَا دُعٰٓؤُا الۡکٰفِرِیۡنَ اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ اور کافروں کی پکار کا گمراہی یعنی ناکامی کے سوا کچھ نتیجہ نہیں نکلے گا۔ اُن کے مسلسل چیخنے چلانے پر بھی عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی۔ سورۃ المؤمنون میں بھی ایسا ہی مضمون گزر چکا ہے کہ مجرم لوگ کہیں گے کہ پروردگار! ہماری کمبختی ہم پر غالب آگئی، اور ہم راستے سے بھٹک گئے جس کی وجہ سے ہمیں دوزخ کا منہ دیکھنا پڑا۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کریں گے کہ ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے نکال لے، ہم آئندہ نافرمانی نہیں کریں گے، مگر وہاں سے جواب آئے گا قَالَ اخۡسَئُوۡا فِیۡهَا وَلَا تُکَلِّمُوۡنِ (آیت - ۱۰۸) دوزخ میں ذلت کے ساتھ پڑے رہو اور مجھ سے کلام بھی نہ کرو۔ میں تمہاری کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ مجرم لوگ ہزار سال تک رب العزت کی بارگاہ میں چیختے چلاتے رہیں گے مگر اتنے عرصہ کے بعد یہ جواب آئے گا کہ مجھ سے کلام نہ کرو اور ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں پڑے رہو۔

إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ ءَامَنُوا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ
يَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهٰدُ ﴿٥١﴾ يَوْمَ لَا يَنفَعُ الظّٰلِمِينَ
مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوٓءُ الدَّارِ ﴿٥٢﴾
وَلَقَدْ ءَاتَيْنَا مُوسَى الْهُدٰى وَأَوْرَثْنَا بَنِيٓ
إِسْرَآءِيلَ الْكِتٰبَ ﴿٥٣﴾ هُدًى وَذِكْرٰى لِأُولِي
الْأَلْبٰبِ ﴿٥٤﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَ
اسْتَغْفِرْ لِذَنۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ
بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكٰرِ ﴿٥٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُجٰدِلُونَ
فِيٓ ءَايٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ أَتٰىهُمْ إِن
فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ مَّا هُم بِبٰلِغِيهِ
فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ إِنَّهُۥ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿٥٦﴾
لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ
النَّاسِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٧﴾
وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيرُ وَالَّذِينَ
ءَامَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيٓءُ قَلِيلًا
مَّا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ إِنَّ السَّاعَةَ لَءَاتِيَةٌ لَّا رَيْبَ

فِيهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَقَالَ
رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ط اِنَّ الَّذِيْنَ
يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ
دَاخِرِيْنَ ﴿٦٠﴾ ع

ترجمہ :- بے شک ہم البتہ مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے دنیا کی زندگی میں ، اور جس دن کھڑے ہوں گے گواہ ﴿٥١﴾ جس دن نہیں فائدہ دیگا ظلم کرنے والوں کو اُن کا کوئی عذر ، اور اُن کے لیے پھٹکار ہو گی اور بُرا گھر ﴿٥٢﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے دی موسیٰ (علیہ السلام) کو ہدایت ، اور وارث بنایا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب کا ﴿٥٣﴾ جو ہدایت کرنے والی ہے ، اور نصیحت ہے عقلمندوں کے لیے ﴿٥٤﴾ پس آپ صبر کریں ، بیشک اللہ تعالےٰ کا وعدہ برحق ہے - اور بخشش طلب کریں اپنے گناہ کے لیے ، اور تسبیح بیان کریں اپنے رب کی تعریف کے ساتھ پچھلے پہر اور صبح ﴿٥٥﴾ بیشک وہ لوگ جو جھگڑتے ہیں اللہ کی آیتوں میں بغیر کسی سند کے جو ان کے پاس آئی ہو ، نہیں ہے اُن کے سینوں میں مگر تکبر - نہیں ہیں وہ اُس تک پہنچنے والے - پس آپ پناہ مانگیں اللہ کی ذات کے ساتھ ، بے شک وہ سُننے والا اور دیکھنے والا ہے ﴿٥٦﴾ البتہ پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا بڑا ہے لوگوں کی پیدائش

سے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (۵۷) اور نہیں برابر اندھا
اور بینا، اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے
اچھے اعمال کیے اور نہ بدکار، بہت کم تم نصیحت حاصل
کرتے ہو (۵۸) بیشک قیامت البتہ ضرور آنے والی ہے
کوئی شک نہیں اُس میں، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں
لاتے (۵۹) اور فرمایا تمہارے پروردگار نے پکارو مجھے میں
قبول کروں گا تمہاری پکار کو۔ بیشک وہ لوگ جو تکبر
کرتے ہیں میری عبادت سے عنقریب داخل ہوں گے،
جہنم میں ذلیل ہو کر (۶۰)

ربطِ آیات

مسئلہ توحید کی تفہیم، قرآن کریم کی حقانیت وصداقت کی وضاحت اور جزائے عمل کے تعین کے لیے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ بیان کیا اور پھر ان کا انجام بھی ذکر کیا۔ فرعونیوں کا غرور وتکبر اور سرکشی اور موسیٰ علیہ السلام کے قتل کی منصوبہ بندی کا تذکرہ ہوا۔ ایک عبدِ مومن کی نصیحت اور خیر خواہی کی بات ہوئی۔ آخر کار فرعون اور اس کے حواریوں کی تدبیر ناکام ہوئی اور اللہ نے موسیٰ علیہ السلام اور مردِ مومن دونوں کو بچا لیا۔ اللہ نے فرمایا کہ دنیا میں تو آلِ فرعون کو غرقابی کی سزا ملی اور عالمِ برزخ میں وہ صبح وشام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ اُن کا آخری ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ جہاں انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنا ہوگا۔ پھر اللہ نے دوزخ میں تابعین اور متبوعین کے جھگڑے کا ذکر کیا کہ تابعین اپنے متبوعین سے عذاب میں تخفیف کرانے کے لیے کہیں گے مگر وہ اپنی بے بسی کا اظہار کر دیں گے پھر اہلِ دوزخ جہنم کے داروغوں سے تخفیفِ عذاب کی درخواست کریں گے مگر اُن کی یہ چیخ وپکار بھی رائیگاں جائے گی۔ اور وہ دائمی عذاب میں مبتلا رہیں گے

اب اگلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی ہے مشرکوں اور کافروں کی ایذا رسانیوں کے مقابلہ میں صبر واستقلال کی تعلیم دی ہے

اور آخر میں اللہ کی بارگاہ میں دُعا کرنے کا مسئلہ بیان فرمایا ہے ۔

نصرت الٰہی کا وعدہ

اہل ایمان کی تسلی کے لیے ارشادِ خداوی ہے اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَیَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡاَشۡهَادُ بے شک بہ تحقیق ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں اور اہل ایمان کی اس دنیا کی زندگی میں بھی اور اس دن بھی جس دن گواہ کھڑے ہوں گے یعنی قیامت برپا ہو کر حساب کتاب کی منزل آئے گی اور لوگوں کے حق میں یا اُن کے خلاف گواہ پیش کیے جائیں گے ۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں جہانوں میں اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی نصرت کا وعدہ فرمایا ہے ، اور انہیں تسلی دی گئی ہے کافروں اور مشرکوں کی طرف سے کتنی بھی تکلیف دِہ باتیں سُننی پڑیں یا ان کی طرف سے کتنی بھی تکالیف پہنچیں آپ صبر سے کام لیں ۔ دِل برداشتہ نہ ہوں ، اُس کا دستور ہے کہ وہ اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی ضرور مدد کرتا ہے ۔

اس موقع پر امام ابن جریرؒ نے یہ اشکال پیش کیا ہے کہ دنیا میں تو بعض انبیاء اور ایمان والوں کو سخت تکالیف بھی پہنچی ہیں اور شکست بھی آئی ہے حتیٰ کہ بعض انبیاء کو شہید بھی کر دیا گیا جیسے زکریا علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام اور جیسا کہ اللہ نے فرمایا وَیَقۡتُلُوۡنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ (البقرہ ۔ ۶۱) اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل پر ذلّت و مسکنت مسلط ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی وہ اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے ، تو ایسی صورت میں نصرت الٰہی کا کیا مطلب ہے اس کا جواب خود امام صاحب اور بعض دوسرے مفسرین یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ نے بعض انبیاء کو تو دُنیا میں بھی کامیابی عطا فرمائی حتیٰ کہ حضرت داؤد علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خلافتِ ارضی سے نوازا ، اور یہی اُن کی اس دُنیا میں مدد ہے ، البتہ جن انبیائے کرام اور مومنین کو دنیا میں غلبہ حاصل نہیں ہو سکا اور وہ تکالیف ہی برداشت کرتے رہے اُن کی نصرت بایں معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے مخالفین سے ضرور انتقام لیا ہے ، اُن کو

نیست و نابود کیا ہے اور پیغمبروں کے مشن کو دنیا میں جاری رکھا ہے۔ یہی اُن کی نصرت اور پھر کامیابی کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ حق پرستوں کی قربانیوں کو ضائع نہیں کرتا خواہ درمیان میں کتنے ہی اُتار چڑھاؤ کیوں نہ آئیں، مگر مشن انہی کا کامیاب ہوتا ہے اور آخرت میں تو اُن کی کامیابی یقینی ہے۔

بعض اوقات اہلِ ایمان میں کچھ کمزوریاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے وقتی طور پر ناکامی بھی ہوتی ہے مگر اللہ کا یہ واضح فرمان موجود ہے۔ غم نہ کھاؤ، پریشان نہ ہو وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران ۱۳۹) بالآخر تم ہی بلند و برتر رہو گے بشرطیکہ تم صحیح ایماندار ہو۔ یہ تو ظاہری فتح و شکست کی بات ہے، البتہ باعتبار دلیل اور حجت تو حق ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ اور پھر جب حشر برپا ہوگا تو وہاں بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے انبیاء اور اہل ایمان کو عزت اور بلندی عطا فرمائے گا، اور مخالفین وہاں بھی ذلیل و خوار ہی ہوں گے۔ اسی لیے فرمایا کہ ہم اپنے بندوں کی دنیا میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس دن بھی کریں گے جب قیامت برپا ہوگی اور اولین و آخرین سب جمع ہوں گے۔

فرمایا وہ ایسا دن ہوگا يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ کہ اُس دن ظالموں کا کوئی عذر یا بہانہ مفید نہیں ہوگا، اُن کی کوئی دستگیری نہیں ہوگی وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ اُن پر لعنت اور پھٹکار ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور دھکیل دیے جائیں گے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ کہ اُن کے رہنے کے لیے بہت بُرا ٹھکانا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد جہنم کا ٹھکانا ہے۔ جہاں پر سخت ترین عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔

صبر و استقامت کی تلقین

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ہدایت عطا فرمائی۔ وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ اور بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا۔ اس کتاب سے مراد کتاب تورات ہے جو اللہ نے بنی اسرائیل کی راہنمائی کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر

نازل فرمائی، اور وارث بنانے کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو اس کتاب کے احکام پر عملدرآمد کا مکلف بنایا۔ فرمایا یہ ایسی عظیم المرتبت کتاب ہے جو کہ هُدًى وَّ ذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ عقلمندوں کے لیے سراسر ہدایت اور نصیحت کی بات ہے اللہ نے اپنا یہ احسان جتلایا ہے کہ اُس نے بنی اسرائیل کو فرعون کے مظالم سے نجات دے کر عظیم الشان کتاب کا وارث بنایا، اور یہ ایسی کتاب ہے جو قرآنِ پاک کے بعد شمع ہدایت ہے۔

پھر اللہ نے حضور علیہ السلام اور آپ کے متبعین کو تسلی دی اور فرمایا فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ آپ صبر کریں، اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے۔ وہ اپنے وعدے کے مطابق تمہیں ضرور کامیابی اور بلندی سے سرفراز فرمائے گا۔ اور ساتھ ساتھ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ آپ اپنے گناہ کی بخشش طلب کریں یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے لیے گناہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ حالانکہ اللہ کے تمام نبی صغائر اور کبائر سے پاک ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ ہر شخص کا گناہ اُس کے درجے کے مطابق ہوتا ہے۔ بعض لوگ صغائر میں ملوث ہوتے ہیں اور بعض کبائر میں بھی۔ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو صغائر و کبائر دونوں سے پاک ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کے نبی ہیں جن کی معمولی سی لغزش بھی ان کے لیے تکلیف دِہ ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ گناہ نہیں ہوتا۔ تو یہاں پر گناہ سے مراد عام لوگوں کا گناہ نہیں بلکہ نبی کی معمولی سے معمولی لغزش مراد ہے کہ آپ اُس پر بھی استغفار کریں۔ کیونکہ بعض اوقات معمولی لغزش پر بھی اللہ کی گرفت آ جاتی ہے۔ جیسا کہ یونس علیہ السلام کا واقعہ سورۃ الصّٰفّٰت میں گزر چکا ہے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام دن میں سو سو بار استغفار کیا کرتے تھے۔

شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ ہر بندے کی تقصیر اُسکے درجے کے مطابق ہوتی ہے، لہٰذا ہر بندے کو ہمیشہ استغفار کرتے رہنا چاہیئے۔ انبیاء علیہم السلام اگرچہ صغائر اور کبائر سے پاک ہوتے ہیں مگر ذرا سی غفلت پر بھی سو سو بار استغفار کرتے ہیں۔

گناہ سے بخشش طلب کرنے کا یہی مطلب ہے۔

خدا تعالیٰ کی تسبیح و تحمید

پھر ارشاد ہوتا ہے وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ اور پروردگار کی تسبیح بیان کریں اس کی تعریف کے ساتھ پچھلے پہر بھی اور صبح کے وقت بھی۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ تسبیح و تحمید میں نماز بھی داخل ہے اور پچھلے پہر سے مراد ظہر سے عشا تک کی چار نمازیں اور ابکار سے مراد فجر کی نماز ہے۔ اس طرح گویا اس آیت میں پانچوں نمازوں کی ادائیگی کی تلقین کی گئی ہے۔ اس قسم کا اشارہ سورۃ بنی اسرائیل میں بھی موجود ہے وہاں فرمایا اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ (آیت-۷۸) اس آیت کی تفسیر میں بھی مفسرین بیان کرتے ہیں کہ دن ڈھلے (دلوک الشمس) سے لے کر رات کے اندھیرے (غسق الیل) میں چار نمازیں ظہر تا عشا آجاتی ہیں اور فجر کی نماز قرآن الفجر میں آجاتی ہے۔ بہرحال تسبیح و تحمید سے عام ذکر و اذکار سبحان اللہ الحمد للہ وغیرہ بھی مراد لیا جاسکتا ہے، اور پانچوں نمازیں بھی اس میں آجاتی ہیں کیونکہ نماز بھی تسبیح و تحمید اور دعا کا مرکب ہے تو فرمایا اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید بیان کیجئے پچھلے پہر اور صبح کے وقت۔

فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰهُمْ بیشک وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑا کرتے ہیں بغیر کسی سند یا دلیل کے جو ان کے پاس پہنچی ہو، ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ کہ ان کے سینوں میں غرور بھرا ہوا ہے مگر وہ اس تک پہنچنے والے نہیں ہیں یعنی کامیاب نہیں ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح دلائل، احکام اور مسائل آ چکے ہیں مگر یہ اپنے غرور و تکبر کی بنا پر بلاوجہ ان میں جھگڑا کرتے ہیں اور اللہ کی آیات کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرنا چاہتے تمام بڑے بڑے ڈکٹیٹر، دولت مند اور سرکش لوگوں نے ہمیشہ انبیاء کے اتباع سے گریز کیا ہے کیونکہ

اگر وہ نبیوں کی نبوت کو تسلیم کرلیں تو پھر اُن کی اپنی چوہدراہٹ جاتی رہتی ہے۔ تو فرمایا کہ ان ناہنجاروں کے سینے غرور وتکبر سے بھرے رہتے ہیں مگر یہ اُس کی انتہا تک نہیں پہنچ سکیں گے یعنی کامیاب نہیں ہوں گے۔ بایں ہمہ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ آپ ان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کریں تاکہ یہ لوگ آپ کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکیں اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ ایسے موقع پر پناہ طلب کرنے کا طریقہ بھی حضور علیہ السلام نے سکھایا ہے کہ یوں دعا کیا کرو اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ اے اللہ ہم تیری ذات کو ان دشمنانِ دین کے مقابلے میں لاتے ہیں اور ان کے شرور سے پناہ چاہتے ہیں، لہٰذا تو ہی ہماری حفاظت فرما۔

بعث بعد الموت کی دلیل

ارشاد ہوتا ہے لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کی پیدائش سے بڑا کام ہے۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ مگر اکثر لوگ سمجھ سے کام نہیں لیتے اور انسانوں کی بعث بعد الموت کو محال خیال کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا جو ذات آسمانوں اور زمین جیسی بڑی بڑی اشیا کو تخلیق کر سکتی ہے اس کے لیے انسان جیسی چھوٹی سی چیز کو دوبارہ پیدا کرنا کونسا مشکل کام ہے جب کہ پہلے سے اُس کا نمونہ بھی موجود ہے۔ تو انسان کس غرور وتکبر کی بنا پر وقوع قیامت، بعث بعد الموت اور جزائے عمل کا انکار کرتے ہیں۔ کیا اتنی سی بات بھی اُن کی سمجھ میں نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے؟

پھر فرمایا ذرا غور کرو وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ کہ ایک اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ایمان لانے کے بعد نیک اعمال انجام دینے والے اور بدکار اور گنہگار لوگ بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ جب یہ ہماری نظروں میں بھی برابر نہیں ہو سکتے تو پھر جزائے عمل کے اعتبار سے کیسے برابر ہو سکتے ہیں کہ سب

کو یونہی چھوڑ دیا جائے اور اُن کے اعمال وکردار کا کوئی فیصلہ نہ کیا جائے گا۔ فرمایا قَلِيلًا مَّا تَتَذَكَّرُونَ بہت ہی کم لوگ اِن حقائق سے نصیحت حاصل کرتے ہیں وگرنہ اکثر گمراہ ہی رہتے ہیں۔ فرمایا حقیقت یہ ہے اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا بلاشبہ قیامت برپا ہونے والی ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو دوبارہ زندہ کرکے اپنے سامنے کھڑا کریگا اور اُن سے اِس زندگی کے اعمال کا حساب لے گا اور پھر جزا یا سزا کا حتمی فیصلہ کرے گا۔ اس واضح حقیقت کے باوجود فرمایا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ لوگوں کی اکثریت وقوعِ قیامت اور جزائے عمل پر یقین نہیں رکھتی اگر قیامت پر ایمان ہوتا تو اُس کے لیے تیاری کرنے، خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے اور آخرت کے لیے توشہ تیار کرتے مگر یہ تو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور اُن کی اکثریت کے سامنے قیامت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ یہ اُس کے لیے تیاری کیا کریں گے؟

دُعا کی اہمیت

آگے اللہ تعالیٰ نے دُعا کا مسئلہ بھی بیان فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اور تیرے پروردگار کا فرمان ہے، کہ مجھے پکارو، میں تمھاری دُعا کو قبول کروں گا۔ نیز فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ وہ عنقریب جہنم میں ذلیل ہوکر داخل ہوں گے۔ آیت کے پہلے حصے میں اُدْعُوْنِيْ کا لفظ ہے یعنی مجھے پکارو یا میرے سامنے دُعا کرو اور دوسرے حصے میں عَنْ عِبَادَتِيْ ہے یعنی جو لوگ میری عبادت سے عزور کرتے ہیں وہ جہنم رسید ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دُعا اور عبادت ایک ہی چیز ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں دُعا بھی عبادت ہی کا حصہ ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ عبادت کا اطلاق نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر عبادات کے علاوہ دُعا پر بھی ہوتا ہے۔ اس مقام پر عبادت سے مراد خاص طور پر دعا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ

کے سامنے دستِ دُعا دراز نہیں کرتا وہ گویا متکبر ہے اور تکبر اللہ کے نزدیک بہت ہی بری خصلت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک[1] ہے اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ یعنی دُعا عبادت کا مغز ہے آپ کا یہ بھی فرمان ہے لَیْسَ شَیْءٌ اَکْرَمُ عَلَی اللّٰہِ مِنَ الدُّعَاءِ یعنی اللہ کے ہاں دُعا سے زیادہ کوئی چیز عزت والی نہیں ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا مَنْ لَّمْ یَسْاَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ جو شخص اللہ تعالےٰ سے سوال نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے۔ ترمذی شریف میں یہ روایت بھی آتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اَلدُّعَاءُ ھُوَ الْعِبَادَۃُ کہ دُعا ہی عین عبادت ہے، اور پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْ... الخ

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ دُعا کی مختلف قسمیں ہیں۔ مثلاً اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ والی دعا فرض ہے جس میں درخواست کی جاتی ہے کہ مولا کریم! ہمیں سیدھا راستہ دکھا اور اس پر چلا۔ ایک دُعا سنت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم تشہد میں بیٹھو تو درود شریف کے بعد بہتری کی جو دُعا پسند ہو وہ مانگو۔ اسی طرح میدان عرفات میں حاجی کے لیے دُعا کرنا سنت کے درجے میں ہے۔ دُعا کی ایک قسم حرام اور مکروہ ہے، اور وہ یہ کہ انسان صرف دنیا کی لذات طلب کرے اور آخرت کو فراموش کر دے، قطع رحمی یا معصیت کی دُعا مانگے یا کوئی ایسی چیز طلب کرے جو محال ہو، تو ایسی دعائیں درست نہیں ہیں بلکہ مکروہ اور حرام ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ دنیا میں اپنی جائز ضروریات کی دُعا کرے اور آخرت میں بھی بھلائی کا سوال کرے۔ اس کے علاوہ ہر قسم کے شر سے پناہ مانگنا مستحب ہے۔

مستجاب الدعوات لوگ

حضور علیہ السلام کے فرمان کے مطابق بعض لوگ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں اور اُن کی دُعا کو رد نہیں کیا جاتا مثلاً والد کی دُعا اولاد کے حق میں مستجاب ہوتی ہے۔ اور اگر والد اولاد پر ناراض ہے تو اُس کی بد دُعا فوراً لگے گی۔ اسی طرح سفر کے دوران مسافر کی دُعا قبول ہوتی ہے مظلوم کی دُعا بھی رد نہیں ہوتی۔

---

[1] مشکوٰۃ صہ ۱۹۴

اسی طرح روزے دار اور حاکم عادل کی دُعا کو شرفِ قبولیت حاصل ہوتا ہے بیمار کی دُعا بھی مقبولیت کے درجے میں ہوتی ہے جب تک وہ تندرست نہ ہو حاجی جب تک حج کر کے واپس اپنے گھر نہ پہنچ جائے اُس کی دُعا مقبول ہوتی ہے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے پس پشت دُعا کرے تو فرشتہ آمین کہتا ہے اور ساتھ یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ تجھے بھی ایسا ہی عطا فرمائے۔ غرضیکہ بعض لوگوں کی دُعا ردّ نہیں کی جاتی۔

ترکِ دُعا کا مسئلہ

بعض بزرگانِ دین کا مقولہ ہے کہ عام طور پر دُعا کا کرنا سنت اور مستحب ہے لیکن بعض اوقات اس کا ترک بھی افضل ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا جانے لگا۔ تو آپ سے کہا گیا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے بچاؤ کی دعا کریں تو آپ نے فرمایا عِلْمُهُ بِحَالِي حَسْبِي مِنْ سَوَالِي یعنی میرے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم میرے سوال سے بہتر ہے، وہ خود میری حالت سے واقف ہے لہٰذا سوال کی کیا ضرورت ہے؟ اسی لیے بعض فرماتے ہیں کہ اگر معاملے کو خدا تعالیٰ کی طرف سونپ دیا جائے تو ترکِ دُعا بھی دُعا ہی کی ایک قسم ہے۔ انسان کہہ دے کہ مولا کریم! میں تیری رضا پر راضی ہوں، تو میرے متعلق جو بھی فیصلہ کرے مجھے منظور ہے۔ برصغیر کے مولانا حسرت موہانی رح دین دار آدمی تھے۔ انہوں نے بھی اپنے شعر میں کہا ہے۔

مرضیٔ یار کے خلاف نہ ہو
اس لیے لوگ میرے لیے دُعا نہ کریں

اسی طرح گوجرانوالے کے مجید لاہوری رح کہتے ہیں:۔

خدا جب رازِ عسرت جانتا ہے
کہو تو کیا کہوں آخر خدا سے

یہ تفویض کا مقام ہے کہ اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا جائے اور اس قسم کا تصور زاہد لوگ رکھتے ہیں۔ عام آدمی کو یہ مقام حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہمیں عام

قانون کے مطابق ہر وقت دُعا مانگتے رہنا چاہیئے ۔ اللہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو لوگ میرے سامنے دُعا نہیں کرتے وہ گویا اپنی بڑائی اور تکبر کا اظہار کرتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے ۔ ایسے لوگ ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے ۔

اَللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ
وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى
النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَىْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ
كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِىْ
جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ
فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۴﴾
هُوَ الْحَىُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ
الدِّيْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۵﴾ قُلْ اِنِّىْ
نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِىَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّىْ ۫ وَاُمِرْتُ اَنْ
اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ
مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ
ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ

ثُمَّ لِتَكُونُوا شُيُوخًا ۚ وَمِنكُم مَّن يُتَوَفّٰى
مِن قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ
تَعْقِلُونَ ﴿۶۷﴾ هُوَ الَّذِي يُحْيِ وَيُمِيتُ ۚ فَاِذَا
قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُولُ لَهٗ كُن فَيَكُونُ ﴿۶۸﴾ ع ۸ / ۱۲

ترجمہ:- اللہ کی ذات وہ ہے جس نے بنائی ہے تمہارے لیے رات تاکہ تم آرام پکڑو اس میں ۔ اور دن بنایا ہے دیکھنے کے لیے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ فضل کرنے والا ہے لوگوں پر ، مگر اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے ﴿۶۱﴾ یہ ہے تمہارا پروردگار جو خالق ہے ہر چیز کا ۔ نہیں کوئی معبود اس کے سوا ، پس تم کدھر پھیرے جاتے ہو ﴿۶۲﴾ اسی طرح پھیرے گئے وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں کے ساتھ انکار کرتے تھے ﴿۶۳﴾ اللہ کی ذات وہ ہے جس نے بنائی ہے تمہارے لیے زمین ٹھہرنے کی جگہ ، اور آسمان کو چھت ۔ اور تم کو صورت بخشی ہے پس بہت اچھی صورت ۔ اور روزی دی ہے تم کو پاکیزہ چیزوں سے ۔ یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار ۔ پس بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ﴿۶۴﴾ وہی زندہ ہے ۔ نہیں کوئی معبود اس کے سوا ۔ پس اسی کو پکارو اس حال میں کہ خالص اسی کی اطاعت کرنے والے ہو ۔ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سب جہانوں کا پروردگار ہے ﴿۶۵﴾ (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے ، بیشک مجھے روکا گیا ہے کہ میں عبادت کروں ان کی جن کو تم

پکارتے ہو اللہ کے سوا جب کہ پہنچ چکی ہیں میرے پاس
کھلی نشانیاں میرے رب کی طرف سے ۔ اور مجھے حکم دیا
گیا ہے کہ میں فرمانبرداری کروں تمام جہانوں کے رب کی (۶۶)
وہ وہی ذات ہے جس نے پیدا کیا ہے تم کو مٹی سے
پھر قطرۂ آب سے ، پھر خون کے جمے ہوئے لوتھڑے
سے ، پھر نکالتا ہے تم کو بچے کی شکل میں ، پھر تاکہ تم
پہنچو اپنے پورے زور پر ، پھر تاکہ تم ہو جاؤ بوڑھے ۔ اور
بعض تم میں سے وہ ہیں کہ جن کو وفات دی جاتی ہے
اس سے پہلے ۔ اور تاکہ پورا کرو تم ایک مقررہ مدت
کو ، اور تاکہ تم عقل سے کام لو (۶۷) وہی ذات ہے
جو زندہ کرتی ہے اور مارتی ہے پس جب فیصلہ کرتا ہے
وہ کسی کام کا ، پس بے شک وہ کہتا ہے اس کیلئے
ہو جاؤ ، پس وہ چیز ہو جاتی ہے (۶۸)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں خدا تعالیٰ کی قدرت کے دلائل کا ذکر تھا اور ساتھ ساتھ ہدایت اور گمراہی کی وضاحت بھی کی گئی تھی ۔ قیامت کے برحق ہونے کی بات تھی اور دعا کا مسئلہ بھی بیان ہوا تھا ۔ اللہ کا فرمان ہے کہ ہر وقت اس کے سامنے دست بدعا رہو ۔ جو شخص تکبر کی بناء پر اللہ کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے گریز کریگا ۔ اس کو ذلیل و خوار کر کے جہنم میں داخل کیا جائیگا ۔

جیسا کہ سورۃ کی ابتداء میں بیان ہو چکا ہے حوامیم کی ساری سورتیں اسلام کے بنیادی عقائد توحید ، رسالت ، قرآن کی حقانیت اور معاد پر مشتمل ہیں ۔ چنانچہ اس سورۃ مبارکہ میں بھی یہی مضامین مختلف انداز سے بیان ہوئے ہیں توحید کا مسئلہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے اور آج کے درس میں بھی توحید کے عقلی دلائل کا ذکر ہے اور ساتھ ساتھ وقوعِ قیامت اور محاسبہ اعمال کی بات بھی سمجھا دی گئی ہے ۔

لیل ونہار کی افادیت

ارشاد ہوتا ہے اَللّٰہُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِتَسْکُنُوْا فِیْہِ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمہارے لیے رات کو بنایا ہے تاکہ تم اس میں سکون پکڑ سکو۔ اللہ تعالیٰ نے رات کی وضع ہی ایسی بنائی ہے کہ اس میں قدرے ٹھنڈک ہوتی ہے۔ کبھی دھیمی روشنی اور کبھی تاریکی ہوتی ہے جو نہ صرف انسانوں بلکہ جانوروں درندوں، پرندوں، اور کیڑے مکوڑوں کو بھی آرام کرنے میں مدد دیتی ہے۔ انسان ہوں یا جانور چوبیس گھنٹے تو کام نہیں کر سکتے۔ اپنے اعضاء کی تحلیل شدہ قویٰ کی بحالی کے لیے سب کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ رات کو پھیلا کر ان کے لیے آرام وسکون کا موقع بہم پہنچا دیتا ہے۔ بیشتر جاندار رات کے وقت آرام کرتے ہیں اور اگلے دن کے کام کے لیے پھر سے تازہ دم ہو جاتے ہیں بہر حال اللہ تعالیٰ نے رات کو اپنی حکمت اور جانداروں کی مصلحت کے لیے بنایا ہے تاکہ اس میں آرام پکڑ سکیں۔

فرمایا وَالنَّھَارَ مُبْصِرًا اور اللہ کی ذات وہ ہے جس نے دن کو دیکھنے والا بنایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دن کو سورج کی روشنی کی وجہ سے انسان ہر چیز آسانی سے دیکھ سکتا ہے اور پھر اپنے کام کاج میں مصروف ہو جاتا ہے۔ انسان جو بھی پیشہ اختیار کرتا ہے، وہ صنعت ہو یا زراعت، تجارت ہو یا کوئی علمی کام، ملازمت ہو یا کوئی محنت مزدوری، اس کے لیے عام طور پر دن کا وقت ہی موزوں ہوتا ہے، جس طرح اللہ نے رات کو آرام کا ذریعہ بنایا ہے، اسی طرح دن کو کام کرنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ اگر رات اور دن کی یہ تقسیم نہ ہو تو مخلوق کے لیے معمولی طریقے سے زندگی گذارنا مشکل ہو جائے۔ ایک جگہ اللہ نے دن میں سونے کا ذکر بھی کیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جو شخص رات کی ڈیوٹی پر متعین ہے۔ لازم ہے کہ وہ دن کے وقت آرام کرے گا۔ چونکہ ہر جاندار کے لیے آرام ضروری ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کا یہ نظام قائم کر دیا ہے۔

رات اور دن دونوں اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ (بنی اسرائیل-۱۲) ہم نے رات اور دِن کو دو نشانیاں بنایا ہے، رات کو تاریک اور دن کو روشن کیا ہے تاکہ تم دِن کے وقت روزی تلاش کرو اور رات کے ذریعے تقویم کا حساب رکھ سکو۔ یہ لیل و نہار خود بخود کسی حادثے کے نتیجے میں نہیں پیدا ہوئے بلکہ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ (النور-۴۴) اللہ تعالیٰ اِن کو پلٹیاں دے کر ان میں امتیاز پیدا کرتا ہے۔ اللہ نے نظام شمسی کا ایک ایسا سلسلہ قائم کر دیا ہے کہ جس کے ذریعے رات اور دِن آگے پیچھے آتے رہتے ہیں کبھی رات بڑی ہو جاتی ہے اور دِن چھوٹا اور کبھی دِن بڑا ہوتا ہے اور رات چھوٹی۔ موسموں کا تغیر و تبدل بھی اسی نظامِ قدرت کے ساتھ وابستہ ہے۔ اِن مختلف موسموں کی وجہ سے دنیا کے مختلف خطوں میں ہر موسم کی الگ الگ پیداوار ہوتی ہے جس سے انسان اور جانور چرند، پرند اور کیڑے مکوڑے اپنی اپنی خوراک اور گرمی سردی کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ بہرحال فرمایا کہ ہم نے رات کو آرام کے لیے اور دن کو کام کاج کے لیے وضع کیا ہے

انسان کی ناشکر گزاری

اللہ تعالیٰ نے تو انسانوں کی مصلحت کے لیے دِن رات جیسا یہ مفید نظام قائم کیا ہے کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وہ لوگوں پر بڑا ہی فضل اور مہربانی کرنے والا ہے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ۔ مگر اکثر لوگ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری کرتے ہیں یعنی اُس کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔ اور سب سے بڑی ناشکری یہ ہے کہ اُس منعم حقیقی کی ذات، صفات یا عبادت میں کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو لاکھوں، کروڑوں نعمتیں عطا کی ہیں جن میں سے رات اور دِن کی تخلیق کا ذکر اسی آیت میں ہوا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ انسان اپنی زبان، عمل اور اعضا جوارح سے ہر ہر نعمت کا شکریہ ادا کرتے مگر فرمایا کہ لوگوں کی اکثریت ناشکر گزار ہی ہے۔

فرمایا ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ یہی ہے اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ جو ہر چیز کا خالق ہے۔ اس کے علاوہ ہر چیز مخلوق ہے

خواہ وہ عالمِ بالا میں ہو یا عالمِ زیریں میں۔ جنت، دوزخ، ملائکہ، جنات، انسان اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ ہر قسم کے جانور اور کیڑے مکوڑے خواہ وہ ارضی ہوں یا بحری، جنگلی ہوں یا صحرائی، سب اللہ کی مخلوق ہیں اور وہی سب کا خالق ہے۔ جب ہر چیز کا وہ خالق ہے تو لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ اُس کے سوا معبود بھی کوئی نہیں۔ عبادت صرف اسی کی کی جا سکتی ہے فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ مگر تم خدائے وحدہٗ لاشریک کو چھوڑ کر کدھر پھیرے جاتے ہو۔ جب خالق وہ ہے، نعمتیں اس نے عطا کی ہیں، مدبر اور متصرف وہ ہے تو پھر تم کس کی نذر و نیاز دیتے ہو، کس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہو اور کس کی حد سے زیادہ تعظیم کرتے ہو۔؟ کیا یہ بے عقلی اور ناشکری کی بات نہیں ہے؟

فرمایا كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ اسی طرح وہ لوگ بھی پھیرے جاتے تھے جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے مطلب یہ کہ تم سے پہلے منکرین بھی اسی طرح اندھیرے میں ٹکریں مارتے رہے، اللہ کو چھوڑ کر مخلوق کے پیچھے بھٹکتے رہے، اُن سے مشکل کشائی اور حاجت روائی چاہتے تھے۔

جس طرح وہ کفر و شرک میں مبتلا ہو کر ناکام ہوئے۔ اسی طرح تم بھی انہی کے نقشِ قدم پہ چل کر دائمی ناکامی کا منہ دیکھو گے۔ انسان اگر صرف تخلیق کی نشانی میں غور و فکر کرے تو اللہ کی وحدانیت سمجھ میں آ سکتی ہے مگر یہ تو اپنے ارد گرد پھیلے ہوئے لاکھوں دلائل میں سے کسی میں غور ہی نہیں کرتے، پھر یہ راہ راست پہ کیسے آ سکتے ہیں؟

زمین و آسمان کے فوائد

ارشاد ہوتا ہے اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا اللہ تعالیٰ کی ذات تو وہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو قرارگاہ یعنی ٹھہرنے کی جگہ بنا دیا زمین کے علاوہ دوسرے کرے۔ چاند۔ سورج، ستارے، مریخ وغیرہ انسان کے لیے قیام گاہ نہیں بن سکتے کیونکہ وہاں پہ اللہ تعالیٰ نے انسانی ضروریات کی

اشیاء پیدا ہی نہیں کیں۔ اگر کوئی سائنسدان زمین کے علاوہ فضا یا کسی دوسرے سیارے میں جائے گا تو بالکل عارضی طور پر جائے گا، انسان کی مستقل اور طبعی قیام گاہ زمین ہی ہے جہاں اُسے ضرورت کی ہر چیز میسّر ہے فرمایا ایک تو زمین کو قرار گاہ بنایا وَالسَّمَآءَ بِنَآءً اور آسمان کو تمہارے لیے بمنزلہ چھت کے بنا دیا۔ یہ ایسے ہی نظر آتا ہے۔ جیسے کوئی قبہ یا خیمہ ہو جو زمین کے اُوپر تنا ہوا ہے۔ اور اس کی وجہ سے زمین آفات و بلیات سے محفوظ ہے۔ سورۃ الانبیاء میں ہے وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا (آیت۔ ۳۲) ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا ہے۔ بہر حال اللہ نے زمین اور آسمان کی تخلیق اور اس کی افادیت کا ذکر کیا ہے۔

مصورِ حقیقی کی تصویر کشی

پھر فرمایا، اللہ کا یہ احسان بھی یاد کرو وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ اُس نے تمہیں شکل و صورت بخشی اور بہت اچھی صورت عطا کی۔ اللہ تعالیٰ مصورِ حقیقی ہے اُس نے انسان کو فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (التین۔ ۴) بہترین صورت میں پیدا کیا۔ سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ (آیت۔ ٦) خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو رحمِ مادر میں تمہاری تصویر کشی کرتا ہے جیسے چاہتا ہے۔ اگرچہ بعض لوگوں کی شکل و صورت واجبی ہوتی ہے اور بعض بدشکل بھی ہوتے ہیں لیکن بحیثیت مجموعی اللہ تعالیٰ نے انسان کو سب سے بہتر شکل و صورت میں پیدا فرمایا ہے اور اُسے تمام مخلوق پر شرف عطا کیا ہے۔ تصویر سازی مصورِ حقیقی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اسی لیے کسی شخص کو کسی جاندار کی تصویر بنانا جائز نہیں بلکہ حرام ہے، قیامت والے دن اللہ تعالیٰ تصویر بنانے والے سے کہے گا کہ میں نے تو تصویر بنا کر اس میں جان بھی ڈالی تھی۔ اب تم بھی اس میں جان ڈالو۔ جب وہ ایسا نہیں کر سکے گا تو اللہ تعالیٰ سخت مؤاخذہ کرے گا، زیب و زینت کے لیے بے جان اشیاء، عمارت پہاڑ، دریا، سورج، چاند وغیرہ کی تصویر تو بنائی جا سکتی ہے مگر کسی جاندار کی تصویر بنانا اور پھر اُسے دیوار کی زینت بنانا قطعی حرام ہے، حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔

جس گھر میں کتا یا تصویر ہوتی ہے وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ بہر حال اللہ نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا فرمایا ہے۔

پاکیزہ روزی

فرمایا وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اے انسانو! اللہ نے تمہیں پاکیزہ چیزوں میں سے روزی عطا کی ہے۔ روزی تو تمام جانداروں، درندوں، پرندوں اور کیڑوں مکوڑوں کو بھی مل رہی ہے مگر اُن کی روزی کے ساتھ پاکیزگی کی شرط نہیں ہے پاکیزہ رزق اللہ نے صرف انسان کو مہیا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف وہی رزق انسان کے لیے حلال اور طیب کیا ہے جو اس کی جسمانی اور روحانی صحت اور پاکیزہ اخلاق کے لیے ضروری ہے۔ اور جن چیزوں سے جسم، روح اور اخلاق میں نجاست پیدا ہوتی ہے، وہ حرام قرار دی گئی ہیں۔ چنانچہ مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور نذر لغیر اللہ جسمانی اور روحانی نجاست پیدا کرتے ہیں۔ اس لیے اللہ نے انہیں انسان کے لیے حرام کر دیا ہے۔ روحانی نجاست میں غیر اللہ کی نذر کے علاوہ غصب شدہ اور چوری کا مال، رشوت اور دھوکہ دہی سے حاصل ہونے والی چیزیں بھی مالِ حرام میں شمار کی گئی ہیں۔ ان کے استعمال سے ذہن میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ اللہ نے صرف حلال اور پاک چیزیں ہی بطور رزق استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔

فرمایا ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار جس نے تمہارے لیے زمین کو قرار گاہ اور آسمان کو چھت بنایا، تمہیں بہترین صورت میں تخلیق کیا اور پھر طیبات میں سے روزی بہم پہنچائی۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ پس بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ فرمایا حقیقت میں هُوَ الْحَيُّ وہی زندہ ہے اور دوسروں کو زندگی بخشنے والا ہے وہی زندگی کا سرچشمہ ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اُس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے کہ جس کی پرستش کی جائے۔ لہٰذا فَادْعُوْهُ اپنی مشکلات اور حاجات میں اُسی کو پکارو، اس حال میں کہ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ خالص اُسی کے لیے اطاعت

کرنے والے ہو۔ اس کی عبادت و ریاضت میں شرک اور ریا کی ملاوٹ نہ کرو۔ گذشتہ سورۃ الزمر میں بھی گزر چکا ہے۔ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ (آیت ۲) آپ اللہ کی عبادت کریں اس حال میں کہ خالص اُسی کی اطاعت کرنے والے ہوں۔ ریا کی وجہ سے نیک اعمال نامقبول ہو جاتے ہیں، جب کہ شرک سے تو اصلاً سارے اعمال برباد ہی ہو جاتے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت میں کسی قسم کی ملاوٹ نہیں ہونی چاہیئے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سب تعریفیں اللہ تعالےٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ وہی تمام کمالات اور خوبیوں کا مالک ہے اور وہی ہر قسم کی عبادت کا حقدار ہے۔

شرک کی مخالفت

ارشاد ہوتا ہے اے پیغمبر! قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے تو منع کر دیا گیا ہے کہ میں اُن کی عبادت کروں جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ خاص طور پر لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ جب کہ میرے پروردگار کی طرف سے میرے پاس واضح نشانیاں اور دلائلِ قدرت بھی آ چکے ہیں۔ لہٰذا میں تو اللہ کی ذات اُس کی صفات اور اُس کو پکارنے میں کسی کو شریک نہیں بنا سکتا۔ فرمایا آپ یہ بھی اعلان کر دیں وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کا ہی تابع فرمان بن جاؤں۔ اسلام کا معنیٰ انقیاد اور اطاعت ہوتا ہے یعنی قلب و قالب، دل و جان اور پوری عقیدت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرنا۔ فرمایا میں تو اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کا مکمل اطاعت گزار ہوں

تخلیقِ انسانی کے ادوار

آگے تخلیقِ انسانی کے حوالے سے قیامت کی بات بھی سمجھائی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ خدا کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں مٹی جیسی حقیر اور بے جان چیز سے پیدا کیا۔ لوگ اس مٹی کو پاؤں تلے روندتے ہیں اس پر گندگی پھینکتے ہیں اور اس کو بڑی بے قدری سے استعمال کرتے ہیں۔ نوعِ انسانی کے جدِ امجد حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے تخلیق فرمایا اور پھر نسلِ انسانی کو

ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ قطرۂ آب سے چلایا۔ یہ ایک ایسا ناپاک قطرہ ہوتا ہے کہ جسم یا کپڑے کو لگ جائے تو دھوئے بغیر چارہ نہیں ہوتا اور لوگ اسے حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ بہر حال یہ قطرہ شکم مادر میں ایک چلّے یعنی چالیس دن تک اسی حالت میں رہتا ہے اور پھر اس میں تغیر پیدا ہونے لگتا ہے۔ دوسرے چلّے میں یہ قطرۂ آب منجمد خون میں تبدیل ہو جاتا ہے اور تیسرے چلّے میں ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ گوشت میں تبدیل ہو کر ایک لوتھڑا سا بن جاتا ہے۔ پھر اس میں ہڈیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان پر گوشت چڑھایا جاتا ہے اور بچے کے اندرونی اعضاء درست ہوتے ہیں، جسم کے اوپر والے حصے میں کھال بن جاتی ہے اور پھر چوتھے چلّے میں اس مجسمہ میں روح الٰہی داخل کر دی جاتی ہے۔ نو ماہ کے عرصہ میں بچہ مکمل ہو جاتا ہے تو فرمایا ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا پھر اللہ تعالیٰ تمھیں بچے کی شکل میں شکم مادر سے باہر نکالتا ہے ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ پھر تم بڑھتے بڑھتے اپنی قوت اور جوانی تک پہنچ جاتے ہو۔ ثُمَّ لِتَكُونُوا شُيُوخًا پھر جب زندگی کا زیادہ حصہ گزار چکتے ہو تو بڑھاپے کو پہنچ جاتے ہو اور تمھارے قویٰ مضمحل ہونے لگتے ہیں۔ جس طرح تم کمزوری سے قوت کی طرف آئے، اسی طرح اب قوت سے کمزوری کیطرف سفر شروع ہو جاتا ہے۔

فرمایا خدا تعالیٰ کی قدرت یہ ہے وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ کہ تم میں سے بعض جوانی کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں مطلب یہ ہے کہ بعض بچے تو پیدا ہی مُردہ حالت میں ہوتے ہیں۔ بعض ایک دو سانس لے کر اور بعض ایک دو دن میں ختم ہو جاتے ہیں۔ بعض کی عمر اللہ تعالیٰ مہینوں اور سالوں تک دراز کرتا ہے اور بعض کو عین شباب میں اپنے پاس بلا لیتا ہے۔ ہر انسان کی عمر اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق مقرر ہوتی ہے جسے پورا کر کے وہ اس دنیا سے چلا جاتا ہے وَلِتَبْلُغُوا أَجَلًا مُّسَمًّى اور تاکہ تم پورا کرو مقررہ مدت کو یعنی بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو لمبی عمر پاتے ہیں اور

اللہ کے مقرر کردہ وقت تک زندہ رہتے ہیں۔ اللہ نے ہر ایک کی عمر یکساں نہیں بنائی اور ہر ایک کے لیے جو مدت مقرر کی ہے وہ پورا کرتا ہے اور پھر مقررہ وقت پر راہیٔ ملکِ عدم ہو جاتا ہے۔

معاد پر دلیل

فرمایا انسانی زندگی کے تمام ادوار ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ تاکہ تم عقل سے کام لو اور سوچو سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سارا نظامِ حیات کیسی حکمت اور مصلحت کے تحت قائم کر رکھا ہے۔ اور اس بات میں بھی غور کرو کہ جس اللہ تعالیٰ نے تمہیں نیست سے ہست میں لا کر زندگی میں اتنے تغیر و تبدل پیدا کیے ہیں، وہ تمہیں مرنے کے بعد آخرت کے دور میں بھی ضرور پہنچائے گا۔ جس طرح ہر انسان کی زندگی اور موت کا ایک وقت مقرر ہے، اسی طرح کائنات کا بحیثیت مجموعی بھی ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آئے گا تو ہر چیز پر موت وارد ہو جائیگی۔ پھر اللہ تعالیٰ نئی زمین اور نیا آسمان پیدا کرے گا۔ تمام انسانوں اور جنوں کو دوبارہ پیدا کرے گا، حشر کا میدان قائم ہو گا ہر ایک کا محاسبہ اعمال ہو گا اور پھر جزائے عمل کے فیصلے ہوں گے اگر انسان ذرا بھی غور کرے تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ جس اللہ نے انسان کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔ اسی طرح وہ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے اور اس طرح معاد کا مسئلہ آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔

فرمایا هُوَ الَّذِيْ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ خدا کی ذات وہی ہے جو تمہیں زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا پھر جب وہ کسی چیز کے متعلق فیصلہ کر لیتا ہے۔ فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ تو حکم دیتا ہے کہ ہو جاؤ تو وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے اللہ انسان کی ابتدائی تخلیق بھی اپنے حکم سے کرتا ہے، پھر وہی ہر ایک کو موت سے ہمکنار کرتا ہے اور پھر آخر میں وہی دوبارہ بھی زندہ کر کے اپنے سامنے کھڑا کرے گا اور محاسبہ اعمال اور جزائے عمل کی منزل آئے گی۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يُجَادِلُوۡنَ فِيۡۤ اٰيٰتِ اللّٰهِؕ اَنّٰى
يُصۡرَفُوۡنَ ﴿٦٩﴾ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِالۡكِتٰبِ وَبِمَاۤ
اَرۡسَلۡنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿٧٠﴾
اِذِ الۡاَغۡلٰلُ فِىۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ وَالسَّلٰسِلُ يُسۡحَبُوۡنَ ﴿٧١﴾
فِى الۡحَمِيۡمِ ۙ ثُمَّ فِى النَّارِ يُسۡجَرُوۡنَ ﴿٧٢﴾
ثُمَّ قِيۡلَ لَهُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تُشۡرِكُوۡنَ ﴿٧٣﴾
مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوۡا ضَلُّوۡا عَنَّا بَلۡ لَّمۡ نَكُنۡ
نَّدۡعُوۡا مِنۡ قَبۡلُ شَيۡـًٔا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ
الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿٧٤﴾ ذٰلِكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَفۡرَحُوۡنَ
فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ وَبِمَا كُنۡتُمۡ
تَمۡرَحُوۡنَ ﴿٧٥﴾ اُدۡخُلُوۡۤا اَبۡوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ
فِيۡهَا ۚ فَبِئۡسَ مَثۡوَى الۡمُتَكَبِّرِيۡنَ ﴿٧٦﴾ فَاصۡبِرۡ
اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعۡضَ الَّذِىۡ
نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيۡنَا يُرۡجَعُوۡنَ ﴿٧٧﴾
وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلًا مِّنۡ قَبۡلِكَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ
قَصَصۡنَا عَلَيۡكَ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّمۡ نَقۡصُصۡ

عَلَيۡكَ ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوۡلٍ اَنۡ يَّاۡتِىَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ
اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمۡرُ اللّٰهِ قُضِىَ بِالۡحَقِّ وَخَسِرَ
هُنَالِكَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۷۸﴾ ع ۸ / ۱۲

ترجمہ:- کیا تو نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کی طرف جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ کی آیتوں میں، کدھر پھیرے جا رہے ہیں یہ لوگ؟ ﴿۶۹﴾ وہ جنہوں نے جھٹلا دیا کتاب کو اور اس چیز کو کہ بھیجا ہے ہم نے اُس کے ساتھ اپنے رسولوں کو، پس عنقریب یہ لوگ جان لیں گے ﴿۷۰﴾ جب کہ اِن کی گردنوں میں طوق پڑے ہوں گے، اور زنجیریں، وہ گھسیٹے جائیں گے ﴿۷۱﴾ کھولتے ہوئے پانی کی طرف، پھر آگ میں اُن کو جھونک دیا جائے گا ﴿۷۲﴾ پھر کہا جائے گا ان سے کہاں ہیں وہ کہ تم شریک بناتے تھے اُن کو ﴿۷۳﴾ اللہ کے سوا۔ کہیں گے وہ کہ گم ہو گئے ہم سے، بلکہ ہم نہیں تھے بلاتے اِس سے پہلے کسی چیز کو۔ اسی طرح اللہ بہکاتا ہے کفر کرنے والوں کو ﴿۷۴﴾ یہ اس وجہ سے کہ تھے تم زمین میں ناحق خوشی مناتے۔ اور اس وجہ سے کہ تم اکڑ دکھاتے تھے ﴿۷۵﴾ داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں، ہمیشہ رہنے والے ہو گے اس میں۔ پس بُرا ہے ٹھکانا تکبر کرنے والوں کا ﴿۷۶﴾ پس آپ صبر کریں (اے پیغمبر!) بیشک اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ پس یا تو ہم دکھا دیں گے آپ کو بعض وہ چیز کہ ہم اُن سے وعدہ کرتے ہیں، یا ہم آپ

کو وفات دے دیں گے پس ہماری طرف ہی یہ سب لوٹائے جائیں گے ﴿۷۷﴾ اور البتہ تحقیق بھیجا ہے ہم نے رسولوں کو تجھ سے پہلے۔ بعض اُن میں سے وہ ہیں کہ جن کے حالات ہم نے آپ پر بیان کر دیے ہیں، اور بعض وہ ہیں کہ ہم نے اُن کے حالات آپ پر بیان نہیں کیے۔ اور نہیں ہے کسی رسول کے لیے کہ وہ لائے کوئی نشانی مگر اللہ کے حکم سے۔ پس جب آگیا اللہ تعالیٰ کا حکم تو فیصلہ کر دیا جائے گا حق کے ساتھ اور نقصان اٹھائیں گے اس موقع پر باطل پرست لوگ ﴿۷۸﴾

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسئلہ توحید کے سلسلے میں اپنی قدرت کی کچھ نشانیوں کا ذکر کیا۔ اِن نشانیوں میں انسانی تخلیق کے مختلف ادوار کا بیان ہوا۔ زمین کو قرار گاہ اور آسمان کو چھت بنانے کا تذکرہ ہوا۔ پھر فرمایا کہ ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت اور پاکیزہ روزی عطا کی، اور ساتھ یہ بھی کہ موت وحیات کا سر رشتہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ پھر اللہ نے انسان کو تلقین کی کہ اِن دلائلِ قدرت میں غور وفکر کر کے توحیدِ الٰہی کو سمجھنے کی کوشش کرے۔

آیاتِ الٰہی میں جھگڑا

اب آج کے درس کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کا شکوہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ واضح نشانیوں کے باوجود یہ لوگ ان میں جھگڑا کرتے ہیں اور اِن کو تسلیم نہیں کرتے۔ ارشاد ہوتا ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ کیا آپ نے اُن لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑا کرتے ہیں؟ آیات سے مراد معجزات، دلائل اور احکام ہیں۔ بعض لوگ اِن پر خواہ مخواہ اعتراض کرتے ہیں جس کی وجہ محض اِن کا عناد، ضد اور ہٹ دھرمی ہے، وگرنہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ کی آیات برحق ہیں۔ گذشتہ سورۃ میں گزر چکا ہے کہ آیاتِ الٰہی میں جھگڑے

سے مقصود حق کو کمزور اور باطل کو غالب کرنا ہے۔ فرمایا اس قسم کی باتیں کرکے اَنّٰی یُصْرَفُوْنَ یہ لوگ کدھر پھیرے جا رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ ایسے لوگ صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر گمراہی کے راستے پر چل رہے ہیں۔

فرمایا جھگڑا کرنے والے لوگ وہ ہیں اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِالْکِتٰبِ جنہوں نے اللہ کی کتاب یعنی قرآنِ کریم کو جھٹلا دیا اور اُسے وحی الٰہی ہونا تسلیم نہ کیا۔ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا اور اُس چیز کو بھی جھٹلا دیا جو ہم نے رسولوں کو دے کر بھیجا ہے۔ اللہ کے نبیوں کو دی جانے والی چیز میں دین، شریعت احکام اور معجزات شامل ہیں۔ کفار و مشرکین نے ان سب چیزوں کی تکذیب کی فرمایا اس کا نتیجہ یہ ہوگا فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ کہ ان کو عنقریب پتہ چل جائے گا کہ یہ کس قدر غلطی میں مبتلا تھے اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ جب کہ طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے وَالسَّلٰسِلُ اور پاؤں میں بیڑیاں ہوں گی اغلال غل کی جمع ہے جس کا معنی گلے کا طوق ہے اور یہ ذلت کی علامت ہے۔ سلاسل یعنی پاؤں کی بیڑیوں کے متعلق سورۃ الحاقہ میں آتا ہے سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا (آیت-۳۲) کہ یہ ستر ستر گز لمبی ہوں گی جن میں مجرموں کو جکڑا جائے گا یُسْحَبُوْنَ پھر اُن کو گھسیٹا جائے گا فِی الْحَمِیْمِ کھولتے ہوئے پانی کی طرف۔ لفظ حمیم اضداد میں سے ہے اس کا معنی مخلص دوست بھی ہوتا ہے اور یہ لفظ گرم اور ٹھنڈے پانی پر بھی بولا جاتا ہے اس مقام پر سخت گرم کھولتا ہوا پانی مراد ہے۔ جب مجرموں کو پیاس تنگ کرے گی۔ اور وہ پانی مانگیں گے تو انہیں گھسیٹ کر کھولتے ہوئے پانی کے قریب لایا جائے گا جسے وہ پی نہیں سکیں گے۔ اور ایک آدھ گھونٹ اندر چلا بھی گیا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (محمد-۱۵) تو وہ اُن کی آنتیں کاٹ کر نیچے پھینک دے گا۔ اس کے بعد کیا ہوگا؟ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ اُن کو آگ میں جھونک دیا جائے گا یعنی جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ فرمایا اس وقت ان بدبختوں کو پتہ چلے گا کہ وہ آیاتِ الٰہی

اور انبیاء کی طرف سے لائے جانے والے معجزات، شرائع اور احکام کو کس طرح جھٹلاتے ہے۔ معبودانِ باطلہ کی تلاش

فرمایا ثُمَّ قِیۡلَ لَهُمۡ اَیۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تُشۡرِكُوۡنَ پھر اُن سے کہا جائے گا کہ آج کہاں ہیں وہ جن کو تم اللہ کا شریک بناتے تھے۔ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اللہ کے علاوہ، دنیا میں جن سے غلط توقعات وابستہ کر رکھی تھیں، جن کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے اور ان کو نذر و نیاز پیش کرتے تھے، بتلاؤ آج وہ کہاں ہیں اور تمھاری مدد کے لیے کیوں نہیں آتے؟ قَالُوۡا ضَلُّوۡا عَنَّا مجرم جواب دیں گے کہ ہمارے وہ جعلی معبود تو آج ہم سے گم ہو گئے ہیں، کہیں نظر نہیں آتے۔ صاحب تفسیر کشاف علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اتنی ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ سوال ہو گا کہ وہ سامنے نہیں آسکیں گے۔ مجرم کہیں گے کہ وہ تو آج بھاگ گئے بَلۡ لَّمۡ نَكُنۡ نَّدۡعُوۡا مِنۡ قَبۡلُ شَيۡئًا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس سے قبل ہم کسی چیز کو نہیں پکارتے تھے۔ مطلب یہ کہ جن معبودانِ باطلہ پر تکیہ لگائے بیٹھے تھے آج پتہ چلا کہ اُن کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں ہے، دراصل ہم کسی چیز کو نہیں پکارتے تھے۔ ہم نے اُن کو بلاوجہ سفارشی یا مختار سمجھ رکھا تھا اور اُمید رکھتے تھے کہ یہ ہمیں مشکل وقت میں چھڑا لیں گے مگر آج تو وہ ہم سے گم ہو گئے ہیں اور ہمارے کسی کام نہیں آسکتے، دنیا میں یہ ہماری سخت بھول تھی اس وقت یہ لوگ اپنی غلطی کا اعتراف کریں گے، فرمایا جس طرح بے وقت کا اعتراف مفید نہیں گا۔ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الۡكٰفِرِيۡنَ اسی طرح دنیا میں اللہ تعالیٰ کافروں کو گمراہ کر دیتا ہے، اُن کی نیت اور ارادے اچھے نہیں ہوتے، ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں، تکبر اور غرور میں مبتلا ہوتے ہیں جس کی وجہ سے انہیں دنیا میں راہِ راست نصیب نہیں ہوتا اور وہ زندگی بھر بھٹکتے رہتے ہیں۔

جرم اور سزا

فرمایا آج اُن کی گردنوں میں طوق، پاؤں میں بیڑیاں اور جہنم رسیدگی اس وجہ سے ہے ذٰلِكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَفۡرَحُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ کہ تم دنیا کی زندگی کے دوران ناحق خوشی مناتے رہتے تھے وَبِمَا كُنۡتُمۡ تَمۡرَحُوۡنَ

اور اس وجہ سے بھی کہ تم اتراتے تھے یعنی غرور کرتے تھے۔ فرح مطلقاً بری چیز نہیں ہے بلکہ اچھے کام پر خوشی کا ہونا اچھی بات ہے۔ بعض اوقات جب کوئی نعمت ملتی ہے تو ایمان والے خوش ہوتے ہیں۔ اور یہ ایمان کی نشانی ہے مگر یہاں اُس خوشی کا ذکر ہو رہا ہے جو ناحق ہو اور جس کے پس پردہ اکڑ غرور اور شیخی ہو۔ ایسی خوشی درست نہیں ہے۔ فرمایا چونکہ تم دنیا میں ناحق خوشی میں مبتلا تھے اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ آج اُس کے بدلے میں جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا جہاں تم ہمیشہ رہو گے۔ دروازوں کا مطلب یہ ہے کہ جرم کی نوعیت کے اعتبار سے مجرمین اپنے اپنے مخصوص دروازوں سے جہنم میں داخل ہوں گے فرمایا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ پس کتنا برا ٹھکانا ہے۔ تکبر کرنے والوں کا۔ اسی تکبر کی وجہ سے کفر اور شرک کا ارتکاب کیا، اللہ کی کتاب، احکام اور آیات کو جھٹلایا۔ انبیاء کی تکذیب کی، لہذا اب اس غرور کی سزا بھی بھگتو۔

نصرتِ الٰہی کا وعدہ

اب آگے نبی علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون ہے، دنیا میں کفار، مشرکین اور مکذبین کی طرف سے بڑی تکلیف دہ باتیں سننا پڑتی ہیں اور جسمانی اذیتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں، اللہ نے فرمایا کہ ان مصائب پر فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ آپ صبر کریں کیونکہ اللہ کا وعدہ سچا ہے جو پورا ہو کر رہے گا اور نافرمانوں کو ضرور سزا ملے گی۔ اللہ نے سورۃ الروم میں فرمایا ہے وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (آیت۔ ۴۷) اہل ایمان کی مدد کرنا ہماری ذمہ داری ہے آپ دل برداشتہ نہ ہوں۔ اپنا کام جاری رکھیں، صبر و استقامت کا دامن تھامے رکھیں، اللہ تعالیٰ ضرور آپ کی مدد کریگا اور بالآخر آپ ہی کامیاب ہوں گے یہ مکی دور کے آخری حصے کی سورتیں ہیں۔ جب مسلمان سخت تکالیف برداشت کر رہے تھے۔ پھر جلدی ہی آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے، اسلامی ریاست کی بنیاد پڑی اور پھر آپ کو پے در پے کامیابیاں حاصل ہونے لگیں، حتیٰ کہ جس مکہ مکرمہ سے آپ راتوں رات ہجرت کے لیے نکلے تھے، اسی شہر میں آپ فاتحانہ

انداز میں داخل ہوئے اور اس طرح اللہ نے ظاہری کامیابی کا وعدہ بھی پورا فرما دیا۔
بدر کے مقام پر کفار کے ستر بڑے بڑے لیڈر قتل ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بہت بڑی کامیابی عطا فرمائی تھی۔ کفار کی لاشیں ایک کنوئیں میں پھینک دی گئی تھیں۔ حضور علیہ السلام اُس کنوئیں کی منڈیر پر کھڑے ہو گئے اور بڑے بڑے ائمۃ الکفر مقتولین کو آواز دے کر کہا، اے ابوجہل، اے عتبہ، اے شیبہ، اللہ نے ہمارے ساتھ جو وعدہ کیا تھا، وہ تو اُس نے آج پورا کر دیا۔ بتلاؤ اللہ نے تمہارے ساتھ جو وعدہ کیا تھا، تم نے بھی اُسے سچا پایا ہے یا نہیں؟ آج تمہیں تمہاری بدکرداری کی سزا ملی یا نہیں؟

ایفائے عہد کا وقت

فرمایا آپ صبر کریں، اللہ کا وعدہ برحق ہے فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ پس یا تو ہم آپ کو دکھا دیں گے وہ چیز جو اُن سے ہم وعدہ کرتے ہیں، اور آپ کے مخالفین سے وعدہ یہ ہے سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ (القمر - ۴۵) کہ عنقریب یہ جماعت شکست کھا جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ مطلب یہ کہ یہ وعدہ یا تو ہم آپ کی زندگی میں ہی پورا کر دیں گے، اور آپ اسے پورا ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔
أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ یا ہم آپ کو وفات دے دیں گے اور اس کے بعد یہ وعدہ پورا ہو گا۔

تاریخ شاہد ہے کہ عرب کا خطہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ طیبہ میں اسلام کے زیرِ نگیں آ گیا۔ کفر کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور یہ واقعہ ۲ھ میں جنگ کے موقع پر اللہ نے آپ کو دکھا دیا۔ پھر آہستہ آہستہ سارا عرب کفار و مشرکین سے پاک ہو گیا۔ البتہ دوسرے ممالک آپ کی وفات کے بعد خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ شام، روم، فلسطین اور افریقہ وغیرہ آپ کے بعد فتح ہوئے۔ بہرحال اللہ نے جو وعدہ کیا تھا۔ اس کا کچھ حصہ آپ کی زندگی میں پورا ہو گیا اور کچھ حصہ بعد میں پورا ہوا۔ فرمایا فَإِلَيْنَا

يُرْجَعُوْنَ بالآخر یہ سب ہماری طرف ہی لوٹائے جائیں گے، سب کو قیامت والے دن ہمارے روبرو حاضر ہونا ہے اور اپنے اپنے عقائد و اعمال کا حساب دینا ہے، پھر ہم جزائے عمل کے فیصلے کریں گے۔ آپ تسلی رکھیں، ان کا فیصلہ ہو کر رہے گا۔

سابقہ انبیاء کا اسوہ

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے تسلی کے سلسلے میں ہی پہلے نبیوں کا حال بھی بیان کیا ہے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ اور البتہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کو بھیجا مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ اُن میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ کے سامنے بیان کر دیے ہیں۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ اور بعض کے حالات ہم نے آپ کے سامنے بیان نہیں کیے۔ اللہ نے قرآن پاک میں پچیس انبیاء علیہم السلام کے نام ذکر کر دیے ہیں اور بعض کے حالات تفصیل کے ساتھ اور بعض کے اجمالاً بیان کیے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ نے تمام انبیاء اور رسل کو اپنے احکام اور دین کی سربلندی کے لیے دنیا میں بھیجا اور انہوں نے اپنے اپنے دور میں ہر قسم کی تکالیف برداشت کر کے حق کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ حضرت ابو ذر غفاری رضؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اللہ نے کتنے نبیوں کو دنیا میں مبعوث فرمایا ہے، تو فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار یا ایک لاکھ بیس ہزار جن میں سے صاحب کتاب و شریعت رسول تین سو پندرہ اور باقی سارے صاحب وحی انبیاء علیہم السلام تھے۔ غرضیکہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے بعض کے حالات آپ کے سامنے بیان کیے ہیں اور بعض کے نہیں۔

سورۃ الانعام میں اللہ نے ایک ہی مقام پر اٹھارہ انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ کر کے فرمایا ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (آیت ۔ ۹۱) یہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی، لہٰذا آپ بھی انہی کے نقش قدم پر چلتے رہیں۔ سورۃ الانعام ہی میں ہے وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ

اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ (آیت - ۴۸) ہم نے ہر رسول کو بشارت سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تمام انبیاء ایمان اور نیکی کے کاموں پر جنت کی بشارت دیتے رہے اور کفر و شرک اور بداعمالی پہ ڈر سناتے رہے۔ مطلب یہ کہ انذار و تبشیر انبیاء اور رسل کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ بہرحال اللہ نے بعض انبیاء و رسل کے تفصیلی حالات بیان کیے ہیں اور بعض کے بالکل نہیں کیے، تاہم ہر اہل ایمان کے لیے تمام نبیوں اور رسولوں پہ ایمان لانا ضروری ہے۔ یہ تسلی کا مضمون بھی آگیا۔

معجزہ غیر اختیاری چیز ہے

اگلے حصہ آیت میں اللہ نے اصولی طور پر یہ بات بیان کر دی ہے وَمَا کَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ کسی رسول یا نبی کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی یا معجزہ پیش کر سکے۔ مکی زندگی میں کفار و مشرک طرح طرح کی نشانیاں طلب کرتے تھے۔ کبھی کہتے زمین میں چشمے جاری کر دیں۔ کبھی کہتے تیرے پاس کھجوروں اور انگوروں کے باغات ہونے چاہئیں، کبھی کہتے ہم پہ آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے، تمہارے لیے سونے کا گھر ہونا چاہیے یا آسمان پر چڑھ جا، اور ہمارے سامنے کتاب لے کر آجسے ہم پڑھ سکیں۔ اس کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل میں موجود ہے، مگر اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ آپ کہہ دیں میرا پروردگار پاک ہے هَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (آیت ۹۳) میں تو ایک انسان رسول ہوں، مطلب یہ کہ معجزات پیش کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ کوئی نشانی ظاہر کر دیتا ہے۔ اسی اصول کو یہاں بھی بیان کیا گیا ہے کہ کسی رسول کے لائق نہیں ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی یا معجزہ پیش کر سکے۔ اللہ نے اپنے انبیاء کے ہاتھوں پہ بے شمار معجزات دکھائے اور خود حضور خاتم النبیین علیہ السلام کو اللہ نے سب سے زیادہ معجزات عطا کیے مگر یہ سب اللہ کے حکم سے ہوا، کسی نبی کے اختیار میں نہ تھا۔ الغرض! اللہ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ صبر سے کام لیں، سابقہ انبیاء علیہم السلام کا

اسوہ پیش نظر رکھیں اور اپنا مشن کمزور نہ ہونے دیں۔

جزائے عمل کی منزل

فرمایا آپ تسلی رکھیں فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ جب اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے گا۔ تو حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ہر کافر، مشرک اور بد عقیدہ کا محاسبہ ہونے والا ہے۔ جب ان کا مقدمہ پیش ہو گا تو ان کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جائے گا، جس کا حتمی نتیجہ یہ ہو گا۔ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ کہ باطل پرستوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑے گا۔ کفر، شرک اور غرور و تکبر کرنے والوں اور غلط عقائد رکھنے والوں کا فیصلہ ہو جائے گا، ان کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا اور ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ میں جلنا ہو گا۔ اللہ نے جزائے عمل کا مسئلہ بھی بیان فرما دیا۔

درس سیزدہم ۱۳ — آیت ۷۹ تا ۸۵

اَللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا
وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ
وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِىْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا
وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖۗ
فَاَىَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿٨١﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا
فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ
قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِى الْاَرْضِ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ
مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ
الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٨٣﴾
فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا
بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿٨٤﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ
لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِىْ قَدْ خَلَتْ
فِىْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٥﴾ ع

ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے بنائے

ہیں تمھارے لیے چوپائے تاکہ تم سواری کرو ان میں سے بعض
پر اور ان میں سے بعض سے تم کھاتے بھی ہو (۷۹) اور تمھارے لیے ان میں
بہت سے فائدے ہیں۔ اور تاکہ پہنچو ان پر سوار ہو کر
اس کام تک جو تمھارے دلوں میں ہے۔ اور تمھیں
ان (چوپائیوں) پر اور کشتیوں پر سوار کیا جاتا ہے (۸۰)
اور دکھاتا ہے وہ تم کو اپنی نشانیاں۔ پس اللہ تعالیٰ
کی کونسی نشانی سے تم انکار کرو گے (۸۱) کیا یہ لوگ نہیں
چلے پھرے زمین میں تاکہ دیکھتے کہ کیسا ہوا انجام اُن
لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ تھے وہ زیادہ
ان سے تعداد میں اور قوت میں بھی زیادہ تھے، اور
نشانیوں میں بھی جو وہ زمین میں چھوڑ گئے تھے۔ پس نہ
بچایا ان کو اُس چیز نے جو وہ کماتے تھے (۸۲) پس جب
آئے ان کے پاس اُن کے رسول کھلی نشانیاں لے کر
تو اِترانے لگے اس کے ساتھ جو ان کے پاس علم تھا،
اور گھیر لیا اُن کو اُس چیز نے جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا
کرتے تھے (۸۳) پس جب دیکھا انہوں نے ہمارے
عذاب کو تو کہنے لگے ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر
جو اکیلا ہے، اور ہم انکار کرتے ہیں اُس چیز کا
جس کو ہم اُس کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے (۸۴)
پس نہ فائدہ دیا اُن کو اُن کے ایمان نے جب دیکھا
انہوں نے ہمارے عذاب کو۔ یہ اللہ کا دستور ہے اُن
لوگوں میں جو گزرے ہیں اُس کے بندوں میں، اور نقصان
اٹھایا اس جگہ کفر کرنے والوں نے (۸۵)

رابطہ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی تردید فرمائی اور ساتھ ساتھ پیغمبر علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو تسلی بھی دی کہ پہلی قوموں نے بھی اپنے انبیاء کی تکذیب کی، اُن کو طرح طرح کی تکالیف پہنچائیں مگر بالآخر کامیابی اللہ کے نبیوں کو ہوئی اور مکذبین دنیا و آخرت دونوں جگہ ناکام اور دائمی عذاب کے مستحق ٹھہرے اب آج کی آیات میں پہلے کچھ دلائل توحید بیان ہوئے ہیں اور پھر کفار و مشرکین کی توجہ سابقہ اقوام کی طرف دلائی گئی ہے جو ان سے زیادہ تعداد میں اور زیادہ طاقتور تھے مگر وہ اپنے غرور و تکبر کی وجہ سے مبتلائے عذاب ہوئے۔ اُس وقت انہوں نے توبہ کی مگر اُس بے وقت ایمان لانے کا کچھ فائدہ حاصل نہ کر سکے۔

مویشی بطور نشانات قدرت

ارشاد ہوتا ہے اَللّٰہُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَنْعَامَ خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمہارے لیے مویشی پیدا کیے ہیں۔ ان جانوروں کی تخلیق اور ان سے حاصل ہونے والے فوائد میں غور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اُس کی وحدانیت سمجھ میں آتی ہے۔ یہ جانور انسان کی نسبت جسامت اور قوت میں بہت بڑے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی کمالِ قدرت و حکمت سے انہیں انسان کے تابع کر دیا ہے اور وہ اِن سے بڑے بڑے کام لیتے ہیں۔

انعام کا لفظ مویشیوں میں سے خاص طور پر اونٹ کے لیے بولا جاتا ہے۔ اور سورۃ الانعام میں مذکور بھیمۃ الانعام سے انسان کے خدمتگار آٹھ قسم کے نر و مادہ مویشی مراد ہیں جن میں اونٹ، گائے بھینس، بھیڑ اور بکری شامل ہیں۔ یہ وہ جانور ہیں جن کو انسان گھروں میں پالتے ہیں اور یہ انسان سے زیادہ مانوس ہوتے ہیں۔ اللہ نے اِن کو مسخر کر کے انسان کی خدمت پر مامور کر دیا ہے اور لوگ ان سے سواری اور بار برداری کا کام لینے کے علاوہ ان کا گوشت بھی کھاتے ہیں اور ان کی کھالیں بال چربی اور ہڈیاں بھی استعمال میں لاتے ہیں۔ اِن جانوروں کے علاوہ بعض دیگر جانور بھی انسان کی مختلف طریقوں سے خدمت کرتے ہیں جن کے متعلق سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ

لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً (آیت - ۸) یہ گھوڑے، خچر اور گدھے اللہ نے تمہاری سواری اور باربرداری، نیز زینت کے لیے پیدا فرمائے ہیں۔ یہ جانور بہیمۃ الانعام کے علاوہ ہیں۔ صرف سواری اور باربرداری کے کام آتے ہیں۔ مگر ان کا گوشت حلال نہیں ہے۔

جانوروں کے فوائد

بہرحال اللہ نے انعام یعنی مویشیوں کا ذکر کر کے ان سے حاصل ہونے والے فوائد کے متعلق فرمایا لِتَرْكَبُوا مِنْهَا تاکہ تم ان میں سے بعض پر سواری کرو مذکورہ آٹھ قسم کے حلال جانوروں میں سے سواری کے لیے اونٹ سب سے زیادہ کار آمد ہے آج تو سواری اور باربرداری کے لیے بڑی بڑی گاڑیاں، ٹرک، ٹریلر، بحری اور ہوائی جہاز معرض وجود میں آ چکے ہیں مگر پرانے زمانے میں اونٹ ہی ایک ایسا جانور تھا جو سواری اور باربرداری کے لیے زیادہ تر استعمال ہوتا تھا۔ ریگستانی علاقوں میں اسے صحرا کا جہاز کہا جاتا ہے اور یہ تپتی ریت پر کئی کئی دن تک بھوکا پیاسا سفر کر سکتا ہے۔ آج بھی جن صحراؤں میں جدید ذرائع نقل و حمل میسر نہیں وہاں اونٹ ہی کام دیتا ہے۔ اونٹ کے علاوہ بیل بھی کسی حد تک سواری اور باربرداری کا کام دیتا تھا، مگر اس لحاظ سے اس کی افادیت تقریباً معدوم ہو چکی ہے البتہ یہ جانور ہل یا خراس میں جوتا جاتا ہے۔ باقی دو حلال جانور بھیڑ اور بکری ہیں جب کہ سورۃ الانعام میں فَرْشًا کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی یہ پست قد جانور ہیں اور سواری کے قابل نہیں ہے بلکہ ان کا گوشت کھایا جاتا ہے اور بال اور کھالیں استعمال ہوتی ہیں۔ ان کی سواری کے علاوہ فرمایا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ تم ان میں سے کھاتے ہو۔ یہ حلال جانور ہیں جن کا گوشت کھایا جاتا ہے اور قربانی کے لیے بھی یہی آٹھ قسم کے جانور مخصوص ہیں۔

بہیمۃ الانعام کے علاوہ باقی جانوروں میں سے گھوڑا سواری کے لیے بڑا کار آمد جانور ہے، پرانے زمانے میں یہ جنگوں میں خاص طور پر استعمال ہوتا تھا۔ حضور علیہ السلام نے گھوڑے کی بڑی تعریف فرمائی ہے کہ قیامت تک کیلیے

یہ ایک مفید جانور ہے جس کی پیشانی پہ اللہ نے خیر کو باندھ دیا ہے ۔ اس زمانے میں جدید آلاتِ حرب و ضرب کی وجہ سے اگرچہ گھوڑے کی جنگی اہمیت بہت حد تک کم ہو چکی ہے ۔ مگر پھر بھی یہ معدوم نہیں ہوئی اور آج بھی دنیا کی کوئی فوج گھوڑ سواروں کے ایک حصہ سے خالی نہیں ۔ پہاڑی علاقوں میں جہاں مشینی ذرائع سے سامان اور خوراک پہنچانا ممکن نہیں ہوتا ، وہاں آج بھی گھوڑے ، خچر اور گدھے ہی کام دیتے ہیں ۔

سورۃ النحل میں اللہ کا ارشاد ہے کہ اس وقت تو تمہاری سواری کے لیے اونٹ ، خچر اور گدھے موجود ہیں مگر آئندہ زمانے میں وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (آیت - ۸) وہ ایسی چیزیں بھی پیدا کر دے گا جنہیں آج تم نہیں جانتے ۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ نے سواری اور باربرداری کے لیے بہت سے جدید ترین ذرائع بھی پیدا کر دیے ہیں ۔ آج کے سائنسی دور میں نقل و حمل کے لیے مشینی ذرائع ایجاد ہو چکے ہیں جن میں موٹر گاڑیوں سے لے کر ہوائی اور بحری جہاز تک شامل ہیں جو انسانوں کی روز افزوں آبادی کے استعمال میں آ رہے ہیں ۔

فرمایا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ تمہارے لیے مویشیوں میں مزید کئی فوائد بھی ہیں ۔ سواری کرنے اور گوشت کھانے کے علاوہ لوگ ان کا دودھ بھی استعمال کرتے ہیں جو کہ انسان کی بہترین اور مقوی غذا ہے ۔ بھیڑ ، بکری اور اونٹوں کے بالوں سے طرح طرح کے کام لیے جاتے ہیں ۔ ان سے گرم کپڑے اور قالین بنائے جاتے ہیں ۔ ان کی کھالیں جوتے بنانے کے کام آتی ہیں اور ہڈیاں مصنوعی کھاد میں استعمال ہوتی ہیں ۔ غرضیکہ ان جانوروں کے جسم کا کوئی حصہ بھی فائدے سے خالی نہیں ، اسی لیے فرمایا کہ اس میں تمہارے لیے بہت سے فوائد ہیں اور یہ بھی وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ کہ تمہارے دلوں میں جو کام ہیں ان تک تم ان جانوروں پر سوار ہو کر پہنچ سکو ۔ معاشرے میں ہر شخص کو دوسرے سے کام پڑتا ہے اور اس کے لیے جانا آنا پڑتا ہے تجارت اور حصول علم کے لیے دور دراز کا سفر بھی اختیار کرنا پڑتا ہے ۔ غرضیکہ

تمہارے دل میں جو بھی حاجت ہے اُس کے حصول میں یہ جانور معاون بنتے ہیں ۔

ذرائع نقل وحمل

فرمایا وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ تمہیں اِن چوپائیوں کی سواری بھی مہیا کی جاتی ہے اور کشتیوں پر بھی سوار کیا جاتا ہے۔ خشکی میں جانوروں کے علاوہ مشینی گاڑیاں ہیں اور بحری سفر کے لیے چھوٹی چھوٹی کشتیوں سے لے کر بڑے بڑے جہاز مہیا کیے گئے ہیں۔ چنانچہ آج کے اس جدید دور میں بھاری سامان کی نقل وحرکت بحری راستوں سے ہوتی ہے جو کہ خشکی اور ہوائی راستوں کی نسبت سستی پڑتی ہے خشکی پر سفر کے لیے بسیں، ویگنیں، ائیرکنڈیشنڈ گاڑیاں معرض وجود میں آچکی ہیں۔ بڑے بڑے ٹرک اور ٹرالیہ باربرداری کے لیے مصروف عمل ہیں۔ اب ہوائی جہاز جیسی تیز ترین سواری بھی دستیاب ہے جس کے ذریعے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک نہایت قلیل وقت میں بڑا آرام دہ سفر کیا جاسکتا ہے اور سامان کی ترسیل ہو سکتی ہے۔ ہوائی جہاز کی ایجاد کے لیے گذشتہ آٹھ صدیوں سے تگ و دو ہو رہی تھی۔ بڑے بڑے انجنیئر اور سائنسدان چاہتے تھے کہ کوئی ایسی سواری ہونی چاہیئے جس کے ذریعے پرندوں کی طرح ہوا میں اُڑ سکیں۔ لوگ آٹھ سو سال تک تجربات کرتے رہے۔ حتیٰ کہ ۱۹۰۴ء میں ہوائی جہاز کی پہلی اڑان معرض وجود میں آئی۔ اب یہ صنعت اتنی ترقی کر چکی ہے کہ لوگ فضائی سیاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں۔ اب تک جو کچھ سواریاں ایجاد ہو چکی ہیں وہ ہمارے سامنے ہیں۔ اب آگے آگے پتہ نہیں کیا کچھ ایجاد ہونے والا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے اِن سواریوں کی بنیاد کا ذکر کر کے اِن کی افادیت کا احسان جتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کس قدر آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔

فرمایا وَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ ایسی چیزوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی اِن نعمتوں کا شکریہ ادا کرو اور اُس کی وحدانیت کو تسلیم کرو فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ مگر تم اللہ کی کس کس نشانی کا انکار کرو گے۔ اللہ نے تو بنی نوع انسان کی مصلحت کے لیے ایسی

ایسی چیزیں پیدا کیں مگر یہ حضرتِ انسان ہے کہ اپنے اور ان چیزوں کے خالق کی طرف رجوع کرنے کی بجائے اغیار کے دروازے پر جا کر انکی نذر و نیاز پیش کرتا ہے اور اس طرح گویا اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کا مرتکب ہوتا ہے۔

نافرمان قوموں کا انجام

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام کی سرکشی اور ان کے انجام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ کیا یہ زمین میں چلے پھرے نہیں ؟ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ تاکہ وہ دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا۔ فرمایا، یہ تو ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں کَانُوْٓا اَکْثَرَ مِنْھُمْ پہلے لوگ تعداد میں بھی زیادہ تھے وَاَشَدَّ قُوَّۃً اور طاقت میں بھی بڑھے ہوئے تھے وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ اور زمین میں اپنے نشانات چھوڑنے کے اعتبار سے بھی وہ لوگ ان سے بہت آگے تھے۔ اللہ نے قرآن پاک میں پرانے مصریوں، بابلیوں، کلدانیوں، قدیم ہندوستانیوں، فارسی، رومی اور یونانیوں وغیرہ کا حال بیان کیا ہے۔ عاد اور ثمود کی قوم کا ذکر ہے۔ قومِ لوط اور قوم صالح کے حالات مذکور ہیں۔ یہ لوگ نزولِ قرآن کے زمانے کے عربوں سے بہت کثیر تعداد میں اور بڑے طاقتور تھے۔ ان میں بڑے بڑے کاریگر اور صناع تھے جو پہاڑوں کو تراش تراش کر ان میں گھر بنا لیتے تھے اور اہرامِ مصر جیسی بڑی بڑی عمارات تعمیر کرتے تھے۔ فرمایا جب ہماری گرفت آئی فَمَآ اَغْنٰی عَنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ تو ان کی اس جملہ کمائی نے کچھ فائدہ نہ دیا بلکہ اللہ نے ان قوموں کو ان کی سرکشی اور بغاوت کی وجہ سے صفحۂ ہستی سے ناپید کر دیا۔

علم و ہنر پہ غرور

فرمایا ان لوگوں کا حال یہ تھا۔ فَلَمَّا جَآءَتْھُمْ رُسُلُھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ جب ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَھُمْ مِّنَ الْعِلْمِ تو وہ اس علم کی بنا پر اترا گئے جو ان کے پاس تھا۔ اسی غرور و تکبر کی بنا پر انہوں نے اللہ کے نبیوں، ان کے دین، شریعت اور کتابوں کو تسلیم نہ کیا۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کے پاس علم معاش یعنی دنیا

کی زندگی گزارنے کا علم تو تھا، مگر اُن کے پاس علمِ معاد نہیں تھا۔ جس کو بروئے کار لاکر وہ نہ صرف دنیا میں کامیاب ہو سکتے تھے، بلکہ آخرت کی دائمی زندگی کو بھی بہتر بنا سکتے تھے۔ اُن کے پاس دین کا علم نہیں تھا جس کے ذریعے وہ عقیدہ، اعمال اور اخلاق کو درست کر سکتے

محض معاش کا علم تو آج بھی دُنیا میں بہت زیادہ ہے۔ آج سائنس اور ٹیکنالوجی کا زمانہ ہے، علمِ طب و جراحت اپنے عروج پہ ہے، صنعت و حرفت کی بدولت نئی نئی چیزیں سامنے آرہی ہیں، مگر وہ علم نہیں ہے جو اللہ کے نبیوں پہ بذریعہ وحی نازل ہُوا۔ موجودہ زمانے میں امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس اور جرمنی وغیرہ اپنے آپ کو بڑا ترقی یافتہ سمجھتے ہیں مگر اُن کا سارا علم و ہنر معیشت کے گرد گھومتا ہے اور وہ اسی کو علمِ کُل سمجھتے ہیں اور اصل علم کی طرف نہیں آتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں کسی نے ایک بہت بڑے فلسفی سے کہا کہ آپ اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن سے اکتساب فیض کریں اور اُن کی دعوت کو قبول کریں، تو وہ شخص کہنے لگا کہ ہم تو خود عالم فاضل اور مہذب آدمی ہیں، ہمیں موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کی کوئی ضرورت نہیں نبیوں کی تعلیم و تربیت تو جاہل لوگوں کے لیے ہوا کرتی ہے، وہ اُن کی راہنمائی کرتے ہیں، ہمیں تو ضرورت نہیں۔

ایرانیوں میں بھی عربوں کے متعلق اسی قسم کا غرور اور تعصب پایا جاتا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ہمارے پاس دانشور لوگ موجود ہیں۔ ہم تعلیم یافتہ ہیں، ہماری سلطنت قدیم زمانہ سے چلی آرہی ہے، اِن گوہ کھانے والے عرب شتربانوں کو کس چیز کا علم ہے۔ یہ اَن پڑھ لوگ ہیں۔ ہم اِن سے کیا سیکھیں گے؟ وہ گویا عربوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ شاہنامہ فردوسی میں بھی اسی قسم کا تاثر ملتا ہے کہ یہ عرب کے صحرائی لوگ ہیں، انہیں کس چیز کا علم ہے؟ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ کسی نے افلاطون یا کسی دوسرے بڑے فلاسفر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق دریافت کیا تو اس فلسفی نے عیسیٰ علیہ السلام کا امتحان لینا چاہا کہتے ہیں کہ اُس نے آپ سے

سوال کیا کہ اگر زمین و آسمان ایک کمان کی شکل اختیار کرلیں اور دنیا میں ظاہر ہونے والے تمام حوادثات کو تیر تصور کرلیا جائے اور اس تیر کمان کو چلانے والا خود خدا ہو تو پھر اس تیر کمان کے حملے سے بچاؤ کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے جواب دیا کہ بچاؤ کی ایک ہی صورت ہے کہ دوڑ کر خدا تعالیٰ کے دامن میں پناہ حاصل کرلی جائے۔ قرآن پاک میں موجود ہے فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ اللہ کی طرف دوڑ کر جاؤ تو ہر شر سے پناہ حاصل ہو جائے گی۔ تو اس شخص نے یہ جواب سن کر اقرار کیا کہ ایسے مشکل سوال کا جواب نبی کے بغیر کوئی نہیں دے سکتا۔ یہ واقعی اللہ کے نبی ہیں مگر ہمیں ان کی ضرورت نہیں، ہم خود مہذب لوگ ہیں۔ نبی تو جاہلوں کی تربیت کے لیے آتے ہیں۔ اس طرح وہ انبیاء کی تعلیمات کو ٹھکرا دیتے تھے اور اپنے فلسفہ کو ہی برتر سمجھتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ کہ انہیں اسی چیز نے گھیر لیا جس کو وہ انبیاء کے استہزا کا ذریعہ بناتے تھے اُن کے خود ساختہ فلسفے اور اُن کا علم و ہنر ہی اُن کی ہلاکت کا باعث بن گیا۔

بے وقت ایمان غیر مفید ہے

پھر کیا ہوا؟ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا جب انہوں نے ہمارے عذاب کو اپنی آنکھوں سے آتا ہوا دیکھ لیا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ کہنے لگے، ہم ایمان لے آئے یعنی ایک خدا کی وحدانیت کو تسلیم کیا، اللہ کے انبیاء، معجزات اور کتابوں پر ایمان لائے وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ اور جن چیزوں کو ہم خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے رہے، اب اُن کا انکار کرتے ہیں۔ فرمایا فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا، مگر ہمارا عذاب دیکھنے کے بعد اُن کا ایمان لانا ان کے لیے کچھ مفید نہ ہوا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ انسان کا ایمان اس وقت غیر مفید ہو جاتا ہے جب اس پہ غرغرے کی حالت طاری ہو جائے یعنی وہ قریب المرگ ہو جائے، غیب کے پردے اٹھ جائیں اور موت کے فرشتے نظر آنے لگیں۔ دوسری غیر مفید صورت وہ ہے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کے آثار نظر آنے لگیں۔ پوری تاریخ انسانی میں صرف یونس علیہ السلام کی قوم ایسی ہے کہ عذاب کے

آثار شروع ہو گئے تو انہوں نے توبہ کی، گڑگڑائے تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کر کے عذاب کو ٹال دیا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ قوم یونسؑ پر ابھی عذاب آیا نہیں تھا، صرف بعض نشانیاں ہی ظاہر ہوئی تھیں جب کہ اللہ نے ان سے عذاب کو ٹال دیا۔ ہاں جب خدا کا عذاب پورے طریقے سے نظر آنے لگے تو اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ فرعون نے بھی غرقابی کے وقت کہا تھا۔ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ (یونس۔ ۹۰) میں بنو اسرائیل کے خدا پر ایمان لایا جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ مگر اللہ نے اس وقت کا ایمان لانا قبول نہ کیا اور فرمایا اٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ (یونس۔ ۹۱) اب ایمان لاتے ہو جب جان حلق تک پہنچ چکی ہے حالانکہ اس سے پہلے غنڈہ گردی کرتے رہے۔ بہر حال فرمایا کہ سابقہ نافرمان قوموں نے بھی عذاب کو دیکھ کر توحید کا اقرار اور شرک کا انکار کیا، مگر اللہ نے فرمایا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ یہ اللہ کا اُس کے بندوں میں دستور ہے جو پہلے گزر چکے ہیں کہ جب وہ عذاب کو دیکھ کر غلطی کا اقرار کرتے ہیں تو پھر اُن کا ایمان اور اعتراف مفید نہیں ہوتا۔ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ چنانچہ ایسے مواقع پر کافروں نے ہمیشہ نقصان ہی اٹھایا۔ اُن کی توبہ قبول نہ ہوئی اور وہ ہمیشہ کے لیے خسارے میں پڑ گئے اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو اس خسارے سے محفوظ رکھے۔

سورة
حم السجدة
مكية

درس اول ۱ آیت ۱ تا ۸

سُوْرَۃُ حٰمٓ السَّجْدَۃِ مَكِّيَّۃٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَۃً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ حٰمٓ سجدہ مکی ہے۔ یہ چون آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

حٰمٓ ۞۱ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞۲ كِتٰبٌ
فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۞۳
بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ
لَا يَسْمَعُوْنَ ۞۴ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا
تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا
وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۞۵
قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ
اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ
وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۞۶ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ
وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۞۷ اِنَّ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ
مَمْنُوْنٍ ۞۸ ع ۱/۸/۱۵

ترجمہ:۔ حٰمٓ ۞۱ (یہ کلام) اتارا ہوا ہے رحمان

اور رحیم کی طرف سے (۲) ایک کتاب ہے جس کی آیتوں
کی تفصیل کی گئی ہے، یہ قرآن عربی زبان میں ہے۔ ان
لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں (۳) یہ خوشخبری دینے
والا اور ڈر سنانے والا ہے، پس اعراض کیا ہے ان
میں سے اکثر نے، پس وہ نہیں سنتے (۴) اور کہا انہوں
نے کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں اس چیز سے کہ جس کی
طرف آپ بلاتے ہیں، اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہیں
اور ہمارے درمیان اور آپ کے درمیان پردہ ہے۔ پس
آپ اپنا کام کرتے جائیں، بیشک ہم اپنا کام کر رہے
ہیں (۵) آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) بیشک میں تو انسان
ہوں تمہارے جیسا۔ وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ بیشک
تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ پس سیدھے رہو اُس
کی طرف، اور بخشش طلب کرو اس سے۔ اور ہلاکت
ہے شرک کرنے والوں کے لیے (۶) وہ جو نہیں دیتے
زکوٰۃ اور آخرت کا وہ انکار کرنے والے ہیں (۷) بیشک
وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے اعمال کیے
اُن کے لیے غیر منقطع اجر ہے (۸)

نام اور کوائف

اِس سورۃ کا نام سورۃ حٰمٓ السجدۃ ہے۔ اس کے علاوہ اس کے نام فصلت اور اقوات بھی ذکر کیے جاتے ہیں، تاہم زیادہ مشہور نام حٰمٓ السجدۃ ہی ہے۔ یہ سورۃ حوامیم سبعہ کی دوسری سورۃ ہے یہ ساتوں سورتیں مکی زندگی کے آخری دور میں یکے بعد دیگرے اسی ترتیب کے ساتھ نازل ہوئیں جو اِن کی ترتیب تلاوت ہے، جیسا کہ پچھلی سورۃ المؤمن کی تشریح میں بیان کیا تھا۔ یہ تمام سورتیں لباب القرآن یعنی پورے قرآنِ پاک کا خلاصہ اور نچوڑ ہیں۔

اس سورۃ مبارکہ کی چون آیات اور چھ رکوع ہیں اور یہ آٹھ سو نو[۸۰۹] الفاظ اور
اور ۳۴۰۶ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

دیگر مکی سورتوں کی طرح حوامیم سبعہ میں بھی زیادہ تر اسلام کے بنیادی اصول و عقائد یعنی توحید، رسالت، قرآن کی حقانیت اور معاد ہی کا ذکر ہے۔ گذشتہ سورۃ المؤمن میں توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کا مضمون غالب تھا تو اس سورۃ میں بھی توحید کا ذکر ہے۔ رسالت کا ذکر بھی ہے کہ یہ بھی دین کا بنیادی رکن ہے جب کہ نزولِ قرآن کے زمانے کے کفار و مشرکین اس کا انکار کرتے تھے۔ قرآنِ کریم کی طرف خصوصی دعوت دی گئی ہے اور اس کی حقانیت اور صداقت کو بیان کیا گیا ہے۔ وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کے مسئلہ کو بھی اس سورۃ میں خاصی اہمیت دی گئی ہے۔ بہرحال دعوت الی التوحید، دعوت الی الایمان اور دعوت الی القرآن اس سورۃ مبارکہ کے خاص موضوعات ہیں۔

اس سورۃ میں نافرمان اور سرکش لوگوں کا حال اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو سلوک کیا اُس کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ نافرمانوں کی تاریخ کا ایک حصہ ہے۔ استقامت علی الدین بھی اس سورۃ کا ایک موضوع ہے جس کا ذکر پہلے ہی درس میں آرہا ہے اور پھر آگے بھی آئے گا۔ ہر انسان خطا کار ہے، لہٰذا ہر شخص کو اپنے گناہوں اور خطاؤں سے معافی طلب کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی اصطلاح کے مطابق دین کے چار بنیادی اصولوں طہارت، اخبات، سماحت، اور عدل بھی اس سورۃ میں بیان ہوئے ہیں۔ آپ ہی کی اصطلاح میں تین حجابات یعنی حجاب طبع، حجابِ رسم اور حجابِ سوءِ معرفت کا ذکر بھی آرہا ہے۔ چنانچہ ایک حجاب کا ذکر پہلے درس میں ہی آگیا ہے۔ بہرحال ان تمام حوامیم سبعہ میں دین کے بنیادی عقائد و اصول بیان ہوئے ہیں اس لیے ان کو لباب القرآن یعنی سارے قرآن کا خلاصہ اور نچوڑ کہا جاتا ہے۔

حروف مقطعات

پچھلی سورۃ کی طرح اس سورۃ کا آغاز بھی حروف مقطعات حٰمٓ [۱]

سے ہوا ہے۔ بعض مفسرین تقریب فہم کے لیے ان حروف میں سے ح کا اشارہ حمد اور مٓ کا اشارہ رحمان اور رحیم کی طرف بتاتے ہیں۔ اس طرح مطلب یہ بنتا ہے کہ ہر قسم کی حمد اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو رحمان اور رحیم ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ ح کا اشارہ حاوی ہونے کی طرف ہے یعنی یہ سورۃ پانچ علوم پہ حاوی ہے۔ اور مٓ سے مراد ماحی یعنی مٹانے والی ہے۔ اس سورۃ کے پڑھنے اور اس پہ ایمان لانے سے انسانوں کے غم اور پریشانیاں دور ہوتی ہیں، اور انسان صحیح راستے پہ گامزن ہو کر منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ غرضیکہ یہ سورۃ علومِ خمسہ پہ حاوی ہے۔ بعض یوں بھی فرماتے ہیں کہ ح کا اشارہ حکمت اور مٓ کا اشارہ رحمان و رحیم کی طرف ہے اور مطلب یہ بنتا ہے کہ یہ سورۃ خدائے رحمان و رحیم کی طرف سے سر بسر حکمت پہ مبنی ہے۔

بایں ہمہ سب سے بہتر بات وہی ہے جو امام جلال الدین سیوطیؒ نے بیان[1] کی ہے کہ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ ان حروف کی مراد کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس کی جو بھی مراد ہے ہمارا اس پہ ایمان ہے ہمیں ان کے معانی میں کریدنہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ ان کو خود اللہ کے رسول نے وضاحت کے ساتھ بیان نہیں فرمایا۔ ویسے بھی ہر شخص کے لیے ہر چیز کا جاننا ضروری نہیں ہے کیونکہ انسانوں کا علم بہت ہی محدود ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں جہاں روح کے متعلق سوال کا ذکر آتا ہے، وہاں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (آیت - ۸۵) تمھیں ایسے معاملات میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ تمھیں بہت ہی قلیل علم عطا کیا گیا ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ ہر شخص کو علم میں سے الگ الگ حصہ دیا گیا ہے۔ سورۃ یوسف میں ہے۔ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ (آیت - ۷۶) ہر علم والا دوسرے علم والے سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ یہ تدریج قائم رہتی ہے اور ان سب پہ اللہ تعالیٰ کی ذات حاوی ہے

قرآن کریم کی حقانیت

آغازِ سورۃ میں قرآنِ کریم کی حقانیت وصداقت کا بیان ہے تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ یہ کلام پاک بڑے مہربان اور نہایت رحم کرنے والے خدا کے

[1] جلالین ص۴

عز وجل کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ یہ ایسا کلام ہے جس میں انسانی زندگی کے تمام مسائل کے حل کے لیے اصول بیان کیے گئے ہیں کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیات کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔ اس کتاب میں ترغیب اور ترہیب ہے، وعدہ اور وعید ہے اجمال اور تفصیل ہے، ذکرِ دنیا اور ذکرِ عقبیٰ ہے ارض و سما کی مختلف اشیاء کی تفصیل ہے۔ دلائلِ عقائد اور ان کی تشریح و تفصیل ہے۔

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا یہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس کو کسی دوسری زبان میں بھی نازل کر سکتا تھا اس نے تورات اور انجیل کو عبرانی اور سریانی زبان میں نازل فرمایا۔ مگر چونکہ حضور علیہ السلام خود عربی تھے اور اس کتاب کے اولین مخاطبین بھی عربی زبان جانتے تھے، لہٰذا اللہ نے اس کو عربی زبان میں اتارا۔ نماز میں قرآن پڑھنے کا حکم ہوا ہے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۭ (المزمل - ۲۰) جتنا ہو سکے قرآن پڑھیں۔ قرآن چونکہ عربی زبان میں ہے، لہٰذا نماز میں اس کے اصل الفاظ کی تلاوت ضروری ہے۔ اگر عربی الفاظ کی بجائے اس کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں پڑھا جائے گا تو نماز نہیں ہو گی۔ کیونکہ اس میں قرآن پڑھنے کا حکم ہے اور اس کا ترجمہ قرآن نہیں ہو گا۔ بلکہ صرف ترجمہ ہو گا۔

فرمایا یہ قرآن عربی زبان میں ہے لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ان لوگوں کے لیے جو سمجھ اور علم رکھتے ہیں۔ جو لوگ اس سے اعراض برتتے ہیں اور اس کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے ان کے لیے یہ قرآن کیسے مفید ہو سکتا ہے؟

قرآن سے اعراض

جس طرح پیغمبر اسلام کو اللہ نے بشیر اور نذیر کا لقب عطا فرمایا ہے اسی طرح اس قرآن کے متعلق بھی ارشاد ہے بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا کہ یہ بھی خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا ہے مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ کہ اکثر لوگوں نے اس سے اعراض کیا ہے یعنی اس کی طرف توجہ ہی نہیں دی۔ فرمایا فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ وہ گویا اس قرآن پاک کو سننے کے لیے بھی تیار نہیں، یہ کتاب لاتعداد نصیحتوں پر مشتمل ہے۔ اس میں پوری زندگی

کا لائحہ عمل موجود ہے۔ مگر لوگوں کی اکثریت اس کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ بعض ناہنجاروں کا حال تو یہ ہے وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِيٓ أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَآ إِلَيْهِ کہ وہ کہتے ہیں کہ آپ جس چیز کی طرف ہمیں بلاتے ہیں، ہمارے دل اس چیز کی طرف سے پردے میں پڑے ہوئے ہیں۔ مطلب یہ کہ آپ کی دعوت ہمارے دلوں میں اُترتی ہی نہیں۔ سورۃ بقرہ میں ہے وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ (آیت -۸۸) وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پہ غلاف چڑھے ہوئے ہیں، ہم تمہاری کتاب کو دل میں جگہ نہیں دے سکتے بلکہ ہم اپنی کتاب کو ہی مانتے ہیں۔ مشرک لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ ہم کسی کتاب کو نہیں جانتے، ہم تو اپنے آباؤ اجداد کے عقائد اور اُن کی رسومات کو ہی مانتے ہیں۔ اور انہی پہ عمل پیرا رہیں گے۔

فرمایا قرآن پاک کی طرف سے ایک تو اُن کے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور دوسرے وہ کہتے تھے وَفِيٓ ءَاذَانِنَا وَقْرٌ اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے یعنی ہمارے کان قرآن پاک یا وحی الٰہی کی طرف لگتے ہی نہیں اور اُن میں تمہاری کوئی بات داخل ہی نہیں ہوتی۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکینِ عرب سب قرآن حکیم سے اعراض کرتے تھے اور مختلف حیلوں بہانوں سے اس سے دور رہتے تھے۔ اس کے علاوہ مشرک لوگ یہ بھی کہتے تھے وَمِنۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ حائل ہے۔ ہم ایک دوسرے کے نظریہ کو قبول نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ہم سے توقع نہ رکھو کہ ہم قرآن کی باتوں کو سُن کر تسلیم کر لیں گے، لہٰذا فَاعْمَلْ إِنَّنَا عَـٰمِلُونَ آپ اپنا کام کرتے رہیں، ہم اپنی ڈگر پہ چلتے رہیں گے۔ مطلب یہ کہ کفار و مشرکین نے نبی اور قرآن کی بات سننے سے مکمل طور پر انکار کر دیا۔

نبی اکرمؐ کی بشریت

کفار و مشرکین کی اس ہٹ دھرمی کے جواب میں اللہ نے فرمایا۔ قُلْ اے پیغمبر! آپ ان لوگوں پر واضح فرمادیں إِنَّمَآ أَنَا۠ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ بلاشبہ میں تو تمہارے جیسا انسان ہی ہوں۔ میں نے کب دعویٰ کیا ہے کہ میں کوئی فرشتہ

ہوں یا نعوذ باللہ مجھ میں کوئی الوہیت والی بات ہے۔ میں تو کسی کا حاجت روا اور مشکل کشا نہیں بلکہ تمہارے خاندان اور قبیلے کا تمہارے جیسا انسان ہوں۔ البتہ مجھ میں اور تم میں فرق یہ ہے یُوحیٰ اِلَیَّ کہ میری طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی کی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے میں اور ہر نبی دوسرے لوگوں سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ نزول وحی انتہائی درجے کا شرف ہے جو اللہ کے نبیوں کو حاصل ہوتا ہے۔ نبی اور رسول بھی انسان ہی ہوتے ہیں مگر وہ اس وحی الٰہی کو دوسروں تک پہنچانے پر مامور ہوتے ہیں جو ان پہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتی ہے۔

بہر حال فرمایا کہ میری طرف وحی کی گئی ہے اَنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ کہ بے شک تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اس کا کوئی ساتھی اور شریک نہیں وہ خداوند قدوس اپنی ذات وصفات، عبادت و اختیار اور علم و قدرت میں یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ ہر چیز کا خالق، مالک، مربی اور متصرف ہے۔ وہ علیم کل مختار کل، بدیع اور فاطر ہے، لہٰذا مستحق عبادت بھی صرف وہی ہے، انسان کا فرض ہے کہ وہ اس کے سامنے عاجزی اور نیازمندی کا اظہار کرے، اسی کے سامنے نذر و نیاز پیش کرے، اسی کی رضا کی خاطر مالی قربانی پیش کرے اور اپنے قلب و قالب کو اسی کی طرف لگائے کیونکہ معبود برحق صرف اور صرف وہی ہے اس کے علاوہ کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔

استقامت الی اللہ

فرمایا جب الٰہ صرف وہی ہے فَاسْتَقِیْمُوْٓا اِلَیْہِ تو اسی کی طرف سیدھے رہو اپنے عقیدے اور اعمال میں استقامت اختیار کرو۔ اور دل میں غیر یقینی کیفیت نہ پیدا ہونے دو، اسی کو اپنا خالق، مالک اور معبود سمجھو اور اسی کے سامنے سر نیاز خم کرو۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ انسان کو استقامت اس وقت نصیب ہوتی ہے۔ جب اس میں یہ چاروں صفات یعنی طہارت، اخبات، سماحت اور عدالت پائی جائیں۔ امام رازیؒ اس کو آسان طریقے سے اس طرح بتاتے ہیں کہ استقامت دو چیزوں کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے اور وہ ہیں

اَلتَّعْظِیْمُ لِاَمْرِ اللّٰہِ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی تعظیم و تعمیل کی جائے وَالشَّفْقَۃُ عَلٰی خَلْقِ اللّٰہِ اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ شفقت و مہربانی کا سلوک کیا جائے۔ ان دو صفات کا حامل شخص مستقیم الحال سمجھا جائیگا۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے احکام کی تعظیم وہی شخص کرے گا جس کا دل پاک ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین رکھتا ہوگا۔ اور صرف اس کی عبادت کرتا ہوگا۔ فرمایا ایک تو اللہ کی طرف سیدھے ہو جاؤ، اُسی کی طرف رجوع رکھو اور دوسرا وَاسْتَغْفِرُوْہُ اپنے گناہوں، خطاؤں اور غلطیوں کی اُس سے بخشش طلب کرتے رہو۔ ہر انسان خطا کار ہے مگر بہتر خطا کار وہ ہے جو توبہ کر لیتا ہے۔ لہذا اللہ نے یہ اصول بھی بتلا دیا کہ ہر وقت اپنے پروردگار سے استغفار کرتے رہو۔ خود حضور علیہ السلام ایک ایک مجلس میں سو سو دفعہ استغفار کرتے تھے حالانکہ اللہ نے آپ کی اگلی پچھلی تمام خطائیں معاف کرنے کا اعلان فرما دیا تھا۔

مشرکین کے لیے ہلاکت

فرمایا ان تمام واضح حقائق کے باوجود اگر مشرک لوگ ایمان نہیں لاتے وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ تو اُن کے لیے ہلاکت، تباہی اور بربادی ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ فرمایا یہ وہ مشرک ہیں اَلَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ اور وہ جو آخرت کا انکار کرتے ہیں یعنی وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کو تسلیم نہیں کرتے۔ ظاہر ہے کہ جو محاسبہ اعمال پر ہی یقین نہیں رکھتا۔ جو بعث بعد الموت کو ہی نہیں مانتا وہ آخرت کے لیے تیاری کیا کرے گا، وہ تو ساری عمر غفلت میں ہی بسر کر دیگا۔ اسی لئے فرمایا کہ ایسے لوگوں کے لیے ہلاکت اور تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت تو مدنی زندگی میں جا کر ہوئی تھی مگر اس مکی سورۃ میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا کیا مطلب؟ مفسرین اس کے متعلق دو باتیں بیان کرتے ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت نہیں بلکہ اس کا نصاب مدنی زندگی کے دوسرے سال میں مقرر ہوا جس کے بعد زکوٰۃ کی باقاعدہ ادائیگی شروع ہو گئی

اور لوگ سونا چاندی، مال مویشیوں یا غلہ وغیرہ سے زکوٰۃ کا مقررہ حصہ نکالنے لگے۔ تاہم جہاں تک زکوٰۃ کی فرضیت کا تعلق ہے تو یہ مکی دور میں ہی لازم ہو چکی تھی۔ جس کی بنا پر ہر ہر مسلمان کو اپنے مال کا کچھ نہ کچھ حصہ غربا و مساکین کے لیے علیحدہ کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم نبوت کے پہلے ہی سال میں نازل ہونے والی سورۃ المزمل میں بھی موجود ہے وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (آیت - ۲۰)۔ یعنی نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔

مفسرین کرام دوسری بات یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ خطاب چونکہ مشرکین سے ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تو اس سے مراد مال کی زکوٰۃ نہیں بلکہ دل کی زکوٰۃ مراد ہے۔ زکوٰۃ کا لغوی معنیٰ پاکیزگی ہے اور مشرکین سے زکوٰۃ کے مطالبے سے مراد اُن کی طہارتِ قلب ہے کہ وہ اپنے دلوں کو کفر، شرک اور معاصی سے پاک کر کے اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لے آئیں۔ ظاہر ہے کہ ایمان کے بغیر انسان پاک نہیں ہو سکتا۔ اور مشرکوں کے متعلق تو اللہ کا واضح ارشاد موجود ہے اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ (التوبہ - ۲۸) بلاشبہ مشرک لوگ ناپاک ہیں، لہٰذا انہیں مسجد حرام کے قریب آنے سے منع کر دیا گیا۔ بہرحال ہلاکت و بربادی کی وعید اُن لوگوں کو سنائی گئی ہے جو اپنے دلوں کو نورِ ایمان سے منور نہیں کرتے اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔

ایمان والوں کے لیے لامتناہی اجر

مشرکین کو سخت وعید سنانے کے بعد فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وہ لوگ جو اللہ کی وحدانیت، اس کے رسولوں، ملائکہ، اس کی کتابوں اور وقوعِ قیامت پر ایمان لے آئے۔ اور پھر نیک اعمال بھی انجام دیے۔ انہوں نے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جیسے اچھے کام کیے۔ صدقہ و خیرات کیا، جہاد کیا، اللہ کے راستے میں قربانی کی اور لوگوں کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کیا۔ فرمایا لَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ اللہ کے ہاں اُن کے لیے لامتناہی اجر ہے۔ ممنون کے دو معانی آتے ہیں۔
ایک معنیٰ تو قطع کرنا آتا ہے یعنی ایسا اجر جو کبھی منقطع نہیں ہوگا بلکہ اہلِ ایمان کو آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ملتا رہے گا۔ اس دنیا میں کسی درخت سے ایک دفعہ پھل اتار

لیا جائے تو پھر وہ اگلے موسم میں ہی دوبارہ آتا ہے مگر جنت کے درخت ایسے ہوں گے کہ جونہی کوئی پھل اتارا، اس کی جگہ فوراً دوسرا پھل لے لیگا اور اس طرح یہ غیر متناہی انعام کا سلسلہ جاری رہے گا۔

غیر ممنون کا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ کے انعام پر احسان نہیں جتلایا جائیگا۔ مَن کا معنیٰ احسان بھی ہوتا ہے۔ جیسے سورۃ بقرہ میں فرمایا لَا تُبْطِلُوا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی (آیت-۲۶۴) اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور تکلیف دے کر باطل نہ کرلو۔ تو مفسرین نے یہ دونوں معانی بیان کیے ہیں۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ
یَوْمَیْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۹
وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِیْهَا
وَقَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً
لِّلسَّآئِلِیْنَ ۱۰ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ
فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ
اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ۱۱ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ
یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَیَّنَّا
السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ۖۗ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ
الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۱۲

ترجمہ:۔ آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) کیا تم لوگ کفر کرتے ہو اُس ذات کے ساتھ جس نے پیدا کیا ہے زمین کو دو دن میں ، اور ٹھہراتے ہو تم اُس کے لیے شریک ۔ یہ ہے پروردگار سب جہانوں کا ۹ اور رکھے ہیں اُس نے اُس (زمین) میں بوجھل پہاڑ اس کے اُوپر اور برکت رکھی ہے اس میں ، اور مقدر کی ہیں اُس میں اُنکی خوراکیں چار دن میں ۔ یہ برابر ہے پوچھنے والوں کے لیے ۱۰

پھر ارادہ کیا اُس نے آسمان کی طرف اور وہ دھواں تھا
پس کہا اُس سے اور زمین سے، آؤ تم خوشی سے یا
ناخوشی سے۔ کہا اُن دونوں نے کہ آئے ہیں ہم خوشی سے (۱۱)
پھر بنایا اُن کو سات آسمان دو دن میں اور وحی کی ہر
آسمان میں اُس کا معاملہ۔ اور رونق بخشی ہم نے آسمانِ دنیا
کو چراغوں کے ساتھ اور محفوظ کر دیا اس کو۔ یہ ہے ٹھہرایا
ہوا اندازہ زبردست خدا کا جو سب چیزوں کی خبر
رکھتا ہے (۱۲)

ربط آیات

پہلے قرآنِ حکیم کی حقانیت وصداقت اور اُس کا وحی الٰہی ہونا بیان کیا اور ساتھ یہ بھی کہ یہ مفصل کتاب ہے۔ جو عربی زبان میں نازل ہوئی ہے۔ اللہ نے اس کی غرض وغایت بیان کی اور ساتھ مشرکوں کا ردّ فرمایا۔ پھر پیغمبر علیہ السلام کی زبان مبارک سے کہلوایا، کہ میں تو تم جیسا انسان ہوں اور میری طرف وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود برحق ایک ہی معبود ہے۔ اس کے بعد اللہ نے استقامت علی الدین کا حکم دیا اور خدا تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کی ترغیب دی۔ مشرکین کا شکوہ بیان ہوا کہ وہ پاکیزگی اختیار نہیں کرتے اور نہ ہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ اُن کے برخلاف ایمان اور نیکی والوں کے لیے اللہ کے ہاں بے انتہا اجر ہے۔ اب آج کے درس میں اللہ نے اپنی بعض نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے جو کہ اللہ کی وحدانیت کی دلیل بنتی ہیں۔

تخلیقِ ارض بطور دلیلِ توحید

ارشاد ہوتا ہے قُلْ آپ اِن لوگوں سے کہہ دیں اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ کیا تم اُس ذات کے ساتھ کفر کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا؟ زمین کی پیدائش کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ اتنے بڑے کُرے کو بنانا جس میں سات حصے پانی اور صرف ایک حصہ خشکی ہے۔ اور پھر یہ بھی کہ دیگر سیاروں کی طرح یہ بھی ایک سیارہ ہے جو اتنے حجم کے باوجود فضا میں معلق ہے اور جدید سائنس کے مطابق یہ زمین اپنے محور کے گرد چوبیس گھنٹے میں

چکر پورا کرتی ہے اور سال بھر میں سورج کے گرد چکر کاٹتی ہے۔ اتنے بڑے نظام کو قائم کرنا اللہ وحدہٗ لاشریک کا ہی کام ہے، مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ وَتَجۡعَلُوۡنَ لَهٗۤ اَنۡدَادًا کہ تم اُس کے لیے شریک ٹھہراتے ہو۔ ہر چیز کا خالق تو اللہ ہے، باقی ہر چیز اُس کی عاجز مخلوق ہے مگر تم دوسروں کو اُس کا ساجھی اور شریک بناتے ہو حالانکہ ذٰلِكَ رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ تمام جہانوں کا پروردگار تو وہ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا شکوہ بیان کیا ہے۔

فرمایا زمین کو تخلیق کیا وَجَعَلَ فِيۡهَا رَوَاسِىَ مِنۡ فَوۡقِهَا اور اسی میں سے اس کے اوپر بوجھل پہاڑ رکھ دیے تاکہ زمین کا توازن برقرار رہے اور اس میں اضطراب نہ پیدا ہو۔ پھر اللہ نے زمین کی یہ خصوصیت بیان فرمائی وَبٰرَكَ فِيۡهَا کہ اللہ نے اس میں برکت رکھ دی۔ برکت مقدس زیادتی کو کہا جاتا ہے۔ گویا اللہ نے زمین کو ایسی خاصیت عطا فرمائی ہے کہ اس پر رہنے والے ہر جاندار کی ضروریاتِ زندگی کو اسی کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ انسان، حیوان، چرند، پرند، کیڑے مکوڑے اور تمام آبی جانور اپنی غذائی اور دیگر ضروریات اسی زمین سے حاصل کرتے ہیں۔ پھر خاص طور پر فرمایا وَقَدَّرَ فِيۡهَاۤ اَقۡوَاتَهَا اللہ نے جانداروں کے لیے خوراک کا سامان اسی زمین میں رکھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں ایسی صلاحیت رکھ دی ہے کہ وہ انسانوں کے لیے غلہ از قسم گندم، چاول، مکئی وغیرہ پیدا کر رہی ہے اور انہی چیزوں کا بھوسہ جانوروں اور مویشیوں کی خوراک بنتا ہے۔ پھر اللہ نے زمین کے مختلف خطوں میں مختلف آب و ہوا اور درجہ حرارت رکھا ہے اور اسی کے مطابق وہاں اناج، پھل اور چارہ پیدا ہوتا ہے۔ بعض چیزیں مختلف علاقوں میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہیں اور بعض چیزیں خاص خاص خطوں کی خصوصیت ہوتی ہیں۔ بعض علاقوں میں غلہ کی فراوانی ہوتی ہے اور بعض میں پھلوں کی جس خطے میں جس چیز کی کمی یا نایابی ہوتی ہے وہ دوسرے خطے سے حاصل کر لی جاتی ہے اور اس طرح دنیا کے مختلف حصوں میں رہنے والے لوگوں کو ہر خطے کی پیداوار پہنچتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

زمین کی تخلیق اپنی حکمت اور اس پہ بسنے والے انسانوں اور جانوروں کی مصلحت کے مطابق کی ہے۔ زمین کی سطح نہ تو اتنی نرم ہے کہ اس میں رکھی جانے والی اشیاء دھنس جائیں اور نہ لوہے اور پتھر کی طرح اتنی سخت ہے کہ اس میں کاشتکاری ہی نہ ہو سکے۔ اسی زمین کو نرم کر کے اس میں کاشتکاری ہوتی ہے اور خوراک کا بندوبست کیا جاتا ہے اور پھر یہ سب ہے کہ مردوں کو سمیٹنے والی بھی یہی زمین ہے۔ فوت ہونے والے انسان کو اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ اگر زمین میں یہ صلاحیت نہ ہوتی تو مردوں کے تعفن سے جانداروں کا رہنا بھی مشکل ہو جاتا۔ اس کے علاوہ کتنی ہی چیزیں ہیں جو انسان کے فائدے کے لیے اس کے اندر سے معدنیات کے طور پر نکالی جاتی ہیں تمام دھاتیں جو ضروریات زندگی کا اہم حصہ ہیں، اسی زمین سے نکلتی ہیں، لوہا، تانبہ، کوئلہ حتیٰ کہ سونا اور چاندی بھی زمین کی پیداوار ہے جو کہ انسانی زندگی کے اہم عناصر ہیں۔ اللہ نے زمین کی تہہ میں پانی کے بڑے بڑے ذخائر جمع کر دیے ہیں جن سے کنوؤں اور ٹیوب ویلوں کے ذریعے چوبیس گھنٹے پانی نکلتا رہتا ہے مگر یہ ذخائر ختم نہیں ہوتے۔ پانی ایک ایسی نعمت ہے کہ ہوا کے بعد ہر جاندار کی زندگی کا انحصار اسی پہ ہے۔ آج کے مشینی دور میں پٹرول کی حیثیت مسلم ہے۔ اگر یہ نہ ملے تو تمام متمدن ملکوں کی زندگی مختل ہو کر رہ جائے۔ بہت سی مشینیں اور موٹر گاڑیاں بند ہو جائیں اور دیہات کے بہت سے حصے روشنی سے محروم ہو جائیں۔ یہ پٹرول، تیل اور گیس وغیرہ سب زمین کی پیداوار ہیں۔ غرضیکہ تمام ضروریاتِ زندگی زمین کی مرہونِ منت ہیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین کی تخلیق دو دن میں کی، پھر اس میں بڑے بڑے بوجھل پہاڑ رکھے، اس میں برکت رکھی اور تمھاری غذاؤں کا سامان اسی میں پیدا کیا۔ اور یہ سب کچھ فِیۡۤ اَرۡبَعَۃِ اَیَّامٍ چار دنوں میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیۡنَ یہ برابر ہو گیا پوچھنے والوں کے لیے یعنی اُن کے سوال کا جواب مکمل ہو گیا۔ جب کسی سوال کرنے والے نے سوال کیا تو اللہ نے بتلا دیا کہ اس نے دو دن میں زمین کو پیدا کیا اور دو دن میں زمین کی باقی اشیا کو تخلیق کیا اور اس طرح زمین اور مافیہا کا سلسلہ چار دن

میں مکمل ہو گیا۔

سائلین سے مراد محتاج لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔ اگر یہ معنی لیا جائے تو مطلب ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے محتاج مخلوق کے لیے زمین میں یہ سب کچھ رکھ دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مخلوق تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے۔ انسان ہوں یا جانور، چرند ہوں یا پرند، کیڑے مکوڑے ہوں یا آبی مخلوق سب اُسی کے در کے محتاج ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ انسان اپنی حاجات زبانِ قال سے یعنی بول کر طلب کرتا ہے جب کہ دیگر مخلوق زبانِ حال سے مانگ رہی ہے۔ ہر جاندار حتیٰ کہ درخت بھی اپنی بے زبانی اور عاجزی کے ساتھ اپنی ضروریات کا اظہار کر رہے ہیں۔ درخت کا ایک ایک پتہ زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ مجھے پانی، روشنی، گرمی اور آکسیجن کی ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ برابر اُسے یہ چیزیں بہم پہنچا رہا ہے۔ غرضیکہ سائلین سے محتاج مخلوق بھی مراد ہو سکتی ہے۔

آسمانوں کی تخلیق

زمین کی چار دن میں تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے آسمانوں کی پیدائش کا ذکر فرمایا ہے ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف ارادہ کیا وَھِیَ دُخَانٌ اور یہ ایک دھواں سا تھا۔ دوسرے مقام سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین اور آسمان کا مادہ ایک ہی تھا۔ اسی کے ایک حصے سے آسمان اور اس کے ستارے اور سیارے بنائے۔ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا (النّٰزعٰت، ۳۰) اس کے بعد زمین کو بچھا دیا۔ زمین بھی ایک گول کرہ ہے مگر بہت بڑا ہونے کی وجہ سے اس کی سطح بچھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ بہر حال فرمایا کہ اللہ نے آسمان کا ارادہ کیا۔ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ پھر اُن کو سات آسمان بنا دیا دو دن میں۔ چار دن میں زمین اور اُس کی اشیاء تیار کی تھیں اور پھر دو دن میں ساتوں آسمان مکمل کیے، گویا چھ دن میں اللہ نے زمین و آسمان کا سارا سلسلہ قائم کر دیا۔ اس بات کا ذکر قرآن کے مختلف مقامات پر آیا ہے۔ مثلاً سورۃ الاعراف میں ہے اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ (آیت۔ ۵۴) اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ

دن میں تخلیق کیا۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مقام پہ اللہ نے جس دن کا ذکر کیا ہے۔ اس کی مقدار کیا ہے۔ ہماری زمین تو نظامِ شمسی کا ایک حصہ ہے اور اس کا ایک دن چوبیس گھنٹوں کا شمار ہوتا ہے مگر جب ابھی یہ نظام ہی قائم نہیں ہوا تھا، اُس وقت دن کی مقدار کیا تھی۔ اس ضمن میں سورۃ السجدۃ میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی آسمان سے لے کر زمین تک کے ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔ پھر وہ ایک دن اُس کی طرف صعود کرے گا۔ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ (آیت۔ ۵) جس کی مقدار تمھارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ اگر اس سے یہ دن مراد ہے تو اس کا مطلب یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور اُن کے درمیان کی تمام چیزوں کو چھ ہزار سال کے وقفہ میں پیدا کیا۔ اور قیامت والے دن کے تذکرہ میں ایک دن کی مقدار پچاس ہزار سال بتلائی گئی ہے۔ جیسے فرمایا۔ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (المعارج۔ ۴) جس کی طرف جبرائیل علیہ السلام اور فرشتے چڑھتے ہیں ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ بہر حال زمین و آسمان کی چھ دنوں میں تخلیق سے اس دنیا کے دن مراد نہیں بلکہ ایک خاص وقفہ مراد ہے

یہاں پہ ایک یہ اشکال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پہ قادر ہے۔ وہ چاہتا تو زمین و آسمان کے نظام کو ایک لمحے میں بھی پیدا کر سکتا تھا مگر اُس نے چھ دن کا وقفہ کیوں ٹھہرایا؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس میں بھی اللہ نے انسانوں کے لیے ایک مصلحت اور ایک تعلیم رکھی ہے کہ کوئی کام جلد بازی میں نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ہر کام آہستہ آہستہ بتدریج اور اطمینان کے ساتھ انجام دینا چاہیئے کیونکہ اور تعجیل کام ہے شیاطین کا۔ یعنی جلد بازی شیطان کا کام ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ مبارک بھی ہے کہ آہستگی، سکون اور اطمینان رحمان کی طرف سے ہے جبکہ جلد بازی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔

زمین و آسمان کی اطاعت گذاری

زمین و آسمان کی تخلیق کا ذکر کرکے درمیان میں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی اطاعت گذاری کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ اللہ نے آسمان اور زمین دونوں سے فرمایا اِئْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا تم دونوں آؤ اور تعمیل حکم کرو۔ خوشی سے یا ناخوشی سے۔ اس کے جواب میں زمین اور آسمان نے کہا قَالَتَا اَتَيْنَا طَائِعِيْنَ ہم دونوں خوشی سے اطاعت کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ سوال و جواب یا تعمیل حکم صرف انسانوں کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی کوئی حکم دے سکتا ہے اور وہ چیز جواب دہی کی مکلف ہے اللہ نے پہاڑوں کے متعلق فرمایا لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (الحشر-۲۱) اگر ہم یہ قرآن پہاڑوں پہ نازل کرتے تو وہ خشیت الٰہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ گویا خدا تعالیٰ نے پہاڑوں میں بھی اتنی صلاحیت اور اتنا شعور رکھا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو سنتے ہیں، سمجھتے ہیں اور تعمیل حکم کرتے ہیں۔ تو فرمایا کہ ہم نے زمین اور آسمان کو اطاعت گذاری کے لیے کہا تو انہوں نے بسر و چشم اُسے قبول کیا۔

اس قسم کی مثال حضور علیہ السلام کے فرمان میں بھی ملتی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ احد ایک پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔ اس سے بھی معلوم ہُوا کہ جامد چیزوں میں اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ شعور اور تعمیلِ حکم کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔

فرمایا ہم نے سات آسمان دو دنوں میں تخلیق کیے۔ سورۃ الملک میں ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا (آیت - ۳) جس نے سات آسمانوں کو تہ بہ تہ بنا دیا وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا اور ہر آسمان میں اس کے کام کے مطابق حکم بھیجا۔ یقینی بات ہے کہ جس طرح زمین پہ خدا تعالیٰ کی مخلوق آباد ہے، اسی طرح آسمانوں پہ ہوگی، لہٰذا اللہ نے اُس مخلوق کے مناسب حال ہی اپنا حکم دیا۔ پھر آسمانِ دنیا کے متعلق فرمایا وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ

ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں کے ساتھ مزین کر دیا۔ چھوٹے چھوٹے ستارے اور بڑے بڑے سیارے رات کو چراغوں کی طرح روشن نظر آتے ہیں۔ سب سے بڑا چراغ سورج ہے جب وہ طلوع ہوتا ہے تو باقی سارے چراغ ماند پڑ جاتے ہیں اور نظر نہیں آتے۔ البتہ اندھیری راتوں میں ان کی سرخ پیلی، زرد اور نیلی روشنی خوب رونق بخشتی ہے۔

اس کے علاوہ فرمایا کہ اِن ستاروں اور سیاروں کو ہم نے وَحِفۡظًا حفاظت کا ذریعہ بنایا۔ نزولِ قرآن سے پہلے شیاطین کا اُوپر آسمانوں پر جانا عام تھا، وہ فرشتوں سے کچھ باتیں سن لیتے اور پھر آکر اپنے کاہنوں کو بتاتے جو اس میں سو جھوٹ ملا کر اپنے سائلین کو بتاتے۔ نزولِ قرآن کے بعد اللہ نے شیاطین کو اُوپر جانے سے روک دیا۔ اس کا ذکر سورۃ جن میں موجود ہے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ جب ہم نے آسمانوں کو چھوا تو اُن کو پہریداروں اور شہابوں (انگاروں) سے بھرا ہوا پایا۔ چنانچہ اب جو جن یا شیاطین اُوپر جانے کی کوشش کرتے ہیں، انہیں آگے سے شہاب پڑتے ہیں اور اس طرح اللہ نے حفاظت کا انتظام بھی کر دیا۔

فرمایا ذٰلِكَ تَقۡدِيۡرُ الۡعَزِيۡزِ الۡعَلِيۡمِ یہ اندازہ ٹھرایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا جو کمالِ قدرت کا مالک، غالب اور ذرے ذرے کا علم رکھنے والا ہے وہ ہر ایک کے اعمال، احوال اور ضروریات سے واقف ہے۔ اَلَا يَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيۡفُ الۡخَبِيۡرُ (الملک-۱۴) کیا وہ نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا ہے حالانکہ وہ باریک بین اور ہر شئے کی خبر رکھنے والا ہے۔ مطلب یہی ہے کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے اور پھر اپنے علم اور حکمت کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ اللہ نے توحید کے عقلی دلائل بیان کیے ہیں تاکہ لوگ ان میں غور و فکر کریں اور شرک سے باز آجائیں۔

درس سوم ۳ — آیت ۱۳ تا ۱۸

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ
عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ
وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ
رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ
كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ
الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ
اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَ
كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ
الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى
وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ
فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ
صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾
وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾ ع ۲/۱۰/۱۶

ترجمہ:۔ اگر یہ لوگ اعراض کریں تو آپ کہہ دیں کہ
میں نے تمھیں ڈر سُنا دیا ہے سخت عذاب کا جیسا

کہ سخت عذاب آیا قومِ عاد اور ثمود پر (۱۳) جب آئے
اُن کے پاس اللہ کے رسول اُن کے آگے سے اور
پیچھے سے (تو انہوں نے کہا کہ) اللہ کے سوا کسی کی عبادت
نہ کرو۔ تو وہ لوگ کہنے لگے کہ اگر چاہتا ہمارا پروردگار تو
نازل کرتا فرشتوں کو۔ بیشک ہم تو اُس چیز سے جو تم
لے کر آئے ہو، انکار کرنے والے ہیں (۱۴) بہرحال
قومِ عاد نے تکبر کیا زمین میں ناحق اور کہا انہوں نے
کہ کون ہے ہم سے زیادہ طاقت والا۔ کیا انہوں
نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ جس نے اُن کو پیدا
کیا ہے وہ زیادہ طاقت والا ہے۔ پس وہ لوگ ہماری
نشانیوں کا انکار کرتے تھے (۱۵) پس بھیجی ہم نے اُن پر
بڑے زور کی تند ہوا کئی دن جو مصیبت کے تھے، تاکہ
ہم چکھائیں اُن کو رسوائی کا عذاب دنیا کی زندگی میں۔
اور آخرت کا عذاب تو بہت رسوا کُن ہوگا، اور اُن
کی مدد نہیں کی جائیگی (۱۶) اور بہرحال قومِ ثمود، پس ہم
نے اُن کو ہدایت کا راستہ دکھایا۔ پس انہوں نے پسند کیا
اندھے پن (گمراہی) کو ہدایت کے مقابلے میں۔ پس
پکڑا اُن کو سخت ذلّت ناک کڑک کے عذاب نے اس
وجہ سے جو کچھ وہ کماتے تھے (۱۷) اور بچا لیا ہم نے
اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور وہ بچتے تھے (۱۸)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے بعض عقلی دلائل پیش کیے اور
اپنی نعمتوں اور قدرت کی نشانیوں کا ذکر کیا۔ اللہ نے زمین کو پیدا کیا اور اس پر
بوجھل پہاڑ رکھ دیے تاکہ اس کا توازن برقرار رہے۔ زمین میں انسانوں اور جانوروں

کی مصلحت کے لیے روزی کے اسباب پیدا کیے اور اس کو بابرکت بنا دیا۔ پھر اللہ نے سات آسمانوں کو جدا جدا کر دیا۔ ہر آسمان کو اُس کی مخلوق کے مناسب حال حکم جاری فرمایا۔ آسمانِ دنیا کو ستاروں سے مزین فرمایا اور اُسے شیاطین اور جنات کی رسائی سے محفوظ کر دیا۔ یہ سب انعامات الٰہیہ ہیں اور توحید کے عقلی دلائل بھی ہیں۔ اگر انسان اِن میں غور کرے تو اُسے اللہ کی وحدانیت آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے اور وہ کفر و شرک سے بچ سکتا ہے۔

سخت عذاب کی وعید

ارشاد ہوتا ہے کہ اِن تمام تر دلائل قدرت کے باوجود فَاِنْ اَعْرَضُوْا اگر یہ کافر اور مشرک لوگ اعراض کریں، توحید کا انکار کریں اور نصیحت کی بات کو قبول نہ کریں فَقُلْ تو اے پیغمبر! آپ ان سے واضح طور پر کہہ دیں اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ کہ میں تمہیں ڈراتا ہوں یعنی خبردار کرتا ہوں اُس سخت عذاب سے جیسا کہ وہ قومِ عاد اور قومِ ثمود پر آیا تھا۔ اِن قوموں نے بھی خدا کی وحدانیت اور اس کے رسولوں کا انکار کیا تھا اور نصیحت کی باتوں سے اعراض کیا تھا تو اُن پر بڑی سخت قسم کی افتاد پڑی جس سے وہ ہلاک ہو گئے۔ اگر تم بھی انہی کے نقشِ قدم پر چلو گے تو تمہارا حشر بھی اُن اقوام سے مختلف نہیں ہوگا۔

امام زمخشریؒ نے اپنی تفسیر "کشاف" میں مؤرخ ابن اسحاق اور بعض محدثین کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک موقعہ پر ابوجہل اور دیگر سردارانِ قریش جمع تھے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ محمد نے ہم میں تفریق ڈال دی ہے۔ یہ ہمارے دین کی عیب جوئی کرتا ہے۔ اس کو مغلوب کرنے کے لیے کوئی ایسا شخص اس کے پاس جائے جو جادو، کہانت اور شعر و شاعری میں اس سے آگے ہو۔ انہوں نے اس مقصد کے لیے عتبہ بن ربیعہ کو موزوں ترین آدمی قرار دیا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں بھیجا۔ چنانچہ عتبہ نے حضور علیہ السلام سے پہلا سوال یہ کیا کہ تو اچھا ہے یا تیرا باپ عبداللہ۔ پھر کہا کہ تم بہتر ہو یا تمہارے جدامجد عبدالمطلب اور ہاشم، آپ خاموش رہے۔ وہ شخص کہنے لگا کہ اگر

تو اپنے آباؤ اجداد کو اچھا سمجھتا ہے تو پھر وہ تو انہی معبودوں کی پوجا کرتے تھے جن کی ہم کر رہے ہیں، اور اگر تو اپنے آپ کو بہتر سمجھتا ہے تو بات کر کہ ہم تیری بات بھی سنیں۔ پھر کہنے لگا خدا کی قسم اپنی قوم کے لیے تجھ سے زیادہ ضرر رساں کوئی نہیں ہُوا جس نے ہماری شیرازہ بندی کو توڑ کر ہمارے اتفاق کو نفاق میں بدل دیا ہے سُن! اگر تجھے مال کی طلب ہے تو ہم تمہیں عرب کا امیر ترین آدمی بنا سکتے ہیں۔ اگر تجھے اچھے نکاح کی خواہش ہے تو ہم میں سے جس کی بیٹی چاہے اسی کے ساتھ نکاح کروا دیتے ہیں۔ جب یہ کہہ کر عتبہ قدرے خاموش ہوا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا، بس جو کچھ کہنا تھا کہہ لیا؟ کہنے لگا، ہاں۔ آپ نے فرمایا، اب میری بات سنو! چنانچہ آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر اسی سورۃ حٰم السجدۃ کی تلاوت شروع کر دی اور اُس کی تیرھویں آیت مِثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ تک پڑھ دیا۔ عتبہ سے نہ رہا گیا اور اس نے اپنا ہاتھ حضور علیہ السلام کے منہ پر رکھ دیا۔ اور کہنے لگا۔ خدا کے لیے خاموش ہو جاؤ۔ پھر وہ شخص اکابرین قریش کے پاس واپس جانے کی بجائے اپنے گھر میں آ کر بیٹھ گیا اور کسی سے بات تک نہ کی۔ اس پر سردارانِ قریش کو تشویش ہوئی کہ شاید عتبہ بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دام میں آکر بے دین ہو گیا ہے پھر جب انہوں نے خود عتبہ سے گفتگو کر کے تفصیلات معلوم کرنا چاہیں تو وہ غصے میں آ کر کہنے لگا کہ میں نے کاہنوں اور شاعروں کا کلام سُنا ہے۔ ساحروں کی باتوں سے بھی واقف ہوں مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کچھ اور ہی ہے۔ تم جانتے ہو کہ محمد نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اب مجھے خطرہ لاحق ہو گیا ہے کہ وہ جس قوم عاد اور ثمود کے عذاب سے ڈراتا ہے۔ وہ عذاب کہیں تم پر بھی نہ آجائے۔ امام زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ اسی واقعہ کے پس منظر میں اللہ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ آپ کی دعوت سے اعراض کریں تو آپ اعلان کر دیں کہ میں تمہیں اُس سخت عذاب سے خبردار کرتا ہوں جو قومِ عاد اور قومِ ثمود پر آیا تھا۔

رسولوں کی پے در پے آمد

آگے اللہ نے مذکورہ اقوام میں رسولوں کی آمد اور اُن کی دعوت کا کچھ حال بیان

کیا ہے۔ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ جب ان کے پاس اللہ کے رسول آئے اُن کے آگے سے بھی اور پیچھے سے بھی یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ قومِ عاد کے پاس تو اللہ کے ایک رسول ہود علیہ السلام آئے تھے اور قومِ ثمود کی طرف اللہ نے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا مگر یہاں پر رسولوں کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے کہ ہر قوم کے پاس بہت سے رسول آئے تھے۔اس کے جواب میں مفسرین کرام فرماتے ہیں۔کہ ہو سکتا ہے کہ ہر قوم کے پاس بہت سے رسول آئے ہوں مگر ہمارے پاس اُن کی تفصیل نہیں ہے۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ہی رسول کے لیے جمع کا صیغہ لایا گیا ہو کیونکہ اللہ نے جتنے بھی رسول بھیجے ہیں۔سب کا مشن تو ایک ہی تھا۔اس کی مثال حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ میں بھی ملتی ہے۔آپ اپنی قوم کی طرف واحد رسول تھے مگر قوم کی طرف سے جہاں آپ کی تکذیب کا ذکر ہے وہاں اللہ نے فرمایا وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ (الفرقان۔۳۷) جب قوم نوح نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے اُن کو غرق کر دیا جس طرح سب رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح کسی ایک کی تکذیب سب کی تکذیب کے مترادف ہے۔تو قومِ عاد اور ثمود نے اپنے ایک ایک رسول کی تکذیب کر کے گویا تمام رسولوں کی تکذیب کی، اسی لیے فرمایا کہ جب اُن کے آگے اور پیچھے سے بہت سے رسول آئے۔

رسولوں کے قوم کے آگے اور پیچھے سے آنے کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی اپنی قوم کو ماضی کے حالات بھی بتائے اور آئندہ پیش آنے والے حالات سے بھی آگاہ کیا۔یا اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ کے رسولوں نے ہر جہت، ہر طریقے اور ہر اسلوب سے لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی۔اس کی مثال ابلیس کے مکالمہ میں بھی ملتی ہے۔جب اُس نے آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار کیا اور اللہ نے اُسے راندۂ درگاہ ٹھہرایا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا کہ میں تیرے راستے میں بیٹھوں گا۔ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ

اَیۡدِیۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ وَعَنۡ اَیۡمَانِهِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ (الاعراف - ۱۷) اور پھر آگے، پیچھے دائیں اور بائیں سے آکر تیرے بندوں کو گمراہ کروں گا یہاں بھی دائیں بائیں آگے، پیچھے سے مراد دنیا، عقبیٰ، خواہشات اور دین ہیں کہ ان راستوں سے آکر تیرے بندوں کو تجھ سے دُور کرنے کی کوشش کروں گا۔ الغرض! یہاں بھی آگے اور پیچھے سے یہی مراد ہے کہ اللہ کے رسولوں نے لوگوں کو ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کی۔ اُن کی دعوت یہ تھی اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو کیونکہ تمہارا خالق، مالک، مدبر، متصرف، حاجت روا اور مشکل کشا صرف وہی ہے۔ لہٰذا عبادت بھی صرف اُسی کی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔

دعوت توحید کا انکار

اِس دعوت کا ردِعمل یہ تھا قَالُوۡا لَوۡ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنۡزَلَ مَلٰٓئِکَةً کہنے لگے، اگر ہمارا پروردگار چاہتا تو نصیحت کرنے کے لیے کسی فرشتے کو بھیج دیتا اور اس طرح ہم اُس کی دعوت کو قبول بھی کر لیتے۔ فَاِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ کٰفِرُوۡنَ مگر جو چیز تم لے کر آئے ہو اُس کو ہم ماننے کے لیے تیار نہیں بلکہ اُس کا صریح انکار کرتے ہیں۔ اُن کا مطلب یہ تھا کہ ہم کسی فرشتے کو تو اللہ کا فرستادہ تسلیم کر سکتے ہیں مگر اُس کو اللہ کا نبی کیسے مان لیں جو ہماری طرح کا انسان اور ہمارے خاندان اور برادری کا آدمی ہے۔ اس طرح گویا کفار نے نہ صرف اپنے نبیوں کا انکار کیا بلکہ اُن کی لائی ہوئی کتابوں، دین اور شریعت کا بھی انکار کر دیا۔ اور اس طرح وہ توحید اور رسالت دونوں چیزوں کے منکر ٹھہرے۔

قوم عاد کا غرور

آگے اللہ نے قوم عاد کی خباثت اور اُسکی سزا کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا فَاَمَّا عَادٌ فَاسۡتَکۡبَرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ بہر حال قوم عاد، پس انہوں نے زمین میں ناحق تکبر کیا۔ وَقَالُوۡا مَنۡ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً اور کہنے لگے ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ انہیں اپنی جسمانی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ بڑے کڑیل جوان تھے۔ بڑے صناع اور کاریگر تھے۔ بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرتے تھے اور پہاڑوں

کو تراش تراش کر خوبصورت مکان بناتے تھے۔ کہتے تھے کہ ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے جس کی سزا سے ہمیں ڈراتے ہو۔ شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ اس قوم کو اپنی جسمانی قوت پر بڑا غرور تھا اور یہی چیز اُن کی تباہی کا باعث بنی۔

اللہ نے اُن کے اس تکبر کے جواب میں فرمایا اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیۡ خَلَقَہُمۡ ہُوَ اَشَدُّ مِنۡہُمۡ قُوَّۃً کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بیشک وہی اللہ تعالیٰ اُن سے زیادہ طاقتور ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔ یہ لوگ اپنی قوت کی طرف تو دیکھتے ہیں مگر اُس خدا تعالیٰ کی طاقت کی طرف دھیان نہیں کرتے جو اُن کا خالق ہے اور جس نے اُن کو بھی قوت عطا کر رکھی ہے جس پر وہ اترا رہے ہیں۔ فرمایا وَکَانُوۡا بِاٰیٰتِنَا یَجۡحَدُوۡنَ اور اس طرح وہ ہماری نشانیوں کا انکار کرتے تھے، انہوں نے دلائل توحید، رسالت اور انبیاء کی تمام نصائح کی باتوں پر یقین نہ کیا بلکہ صاف انکار کر دیا۔

تند ہوا کا عذاب

اس کا نتیجہ یہ ہوا فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡہِمۡ رِیۡحًا صَرۡصَرًا پس ہم نے اُن پر تند ہوا بھیج دی۔ اللہ نے قوم عاد کا غرور توڑنے کے لیے اپنی ایک کمزور سی مخلوق ہوا کو اُن پر مسلط کر دیا جو متواتر سات رات اور آٹھ دن تک چلتی رہی اور پوری قوم کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ یہ اس قدر تیز ہوا تھی کہ نہ کوئی انسان زندہ بچا، نہ جانور، درخت، مکان اور دیگر تنصیبات بھی تباہ و برباد ہو گئیں۔ سورۃ الحاقہ میں اللہ کا فرمان ہے کہ اس قوم کے کڑیل جوانوں کی لاشیں اس طرح پڑی تھیں کَاَنَّہُمۡ اَعۡجَازُ نَخۡلٍ خَاوِیَۃٍ (آیت۔۷) گویا کہ وہ کھجور کے تنے ہوں۔ فَہَلۡ تَرٰی لَہُمۡ مِّنۡۢ بَاقِیَۃٍ (آیت۔۸) پس کیا تم نے دیکھا کہ اُن میں کوئی بھی باقی بچا۔ نہیں بلکہ سارے کے سارے ہلاک ہو گئے

فرمایا یہ تند ہوا چلی فِیۡۤ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ نحوست کے دنوں میں۔ دن بذاتِ خود تو کوئی بھی نحوست والا نہیں ہوتا، سب اللہ کے پیدا کردہ ہیں۔ مگر یہاں نحوست سے مراد یہ ہے کہ اُن لوگوں کے لیے یہ دن منحوس ثابت ہوئے جن پر اچانک

عذاب آگیا اور وہ ملیامیٹ ہو گئے۔ ہمارے ہاں بعض دنوں کو جو منحوس خیال کیا جاتا ہے یہ مشرکانہ بات ہے۔ فرمایا ہم نے یہ تند ہوا اُن پر اس لیے چلائی لِنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا تاکہ ہم اُن کو دنیا کی زندگی میں رسوا کُن عذاب کا مزہ چکھائیں۔ چنانچہ اسی ہوا سے وہ تباہ ہوئے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اللہ نے قومِ ہود کو مغرب سے چلنے والی گرم لُو کے ذریعے تباہ کیا۔ فرمایا یہ سزا تو اُن کو اس دُنیا میں ملی وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰی اور آخرت میں ملنے والا عذاب تو مزید رسوا کن ہے۔ اخزٰی اسم تفضیل کا صیغہ ہے یعنی بہت زیادہ رسوا کرنے والا۔ وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ اور پھر اُن کی کسی جانب سے کوئی مدد نہیں کی جائیگی۔ جس سے اُن کی مصیبت ٹل سکے۔

قومِ ثمود کی ہلاکت

پھر اللہ نے دوسری قوم کا حال ذکر کیا وَاَمَّا ثَمُوْدُ اور بہرحال قومِ ثمود فَهَدَيْنٰهُمْ ہم نے اُن کو بھی ہدایت کا راستہ بتلایا فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى مگر انہوں نے ہدایت کی بجائے اندھا پن یعنی گمراہی کو پسند کیا انہوں نے نجات کے راستے سے آنکھیں بند کر لیں اور ہلاکت کے راستے کو اختیار کر لیا۔ وہ ہدایت کے راستے کو چھوڑ کر گمراہی کے راستے پر چل پڑے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ پس اُن کو ذلت ناک عذاب کی کڑک نے پکڑ لیا۔ اس قوم پر دو قسم کی سزائیں آئیں۔ ایک تو اُوپر سے سخت قسم کی کڑک یا چیخ آئی اور نیچے سے اللہ نے زلزلہ بھی بھیج دیا۔ اللہ نے فرمایا فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (ہود۔ ۹۴) وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل گرے پڑے تھے۔ ظاہر ہے کہ جب زلزلہ کی صورت میں زمین حرکت کرتی ہے تو آدمی کھڑا نہیں رہ سکتا بلکہ گر پڑتا ہے۔ قومِ ثمود کا بھی یہی حال ہوا اور وہ دونوں قسم کی سزاؤں سے ہلاک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے پوری نافرمان قوم میں سے کسی فردِ واحد کو بھی زندہ نہیں چھوڑا۔ فرمایا یہ اس وجہ سے بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ کہ جو کچھ وہ کماتے تھے۔ انہوں نے جس قسم کے اعمالِ بد کا ارتکاب کیا اُس کی

پاداش میں ہلاک ہو گئے۔

اللہ نے فرمایا وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا اور ہم نے نجات دی ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔ جو لوگ صالح علیہ السلام پر ایمان لے آئے وہ بچ گئے وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ اور وہ کفر، شرک اور معاصی سے بچتے تھے۔ اللہ نے ان کو اس دنیا کے عذاب سے بھی بچا لیا اور آخرت میں بھی بچ جائیں گے۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾
حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ
وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾
وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْٓا
اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِىْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَىْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ
اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ
اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا
جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ
كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ
الَّذِىْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ
مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى
لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ
الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا
لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ
الْقَوْلُ فِىْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ
الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع

۳/۱۷

ترجمہ:- جس دن اکٹھے کیے جائیں گے اللہ کے دشمن دوزخ
کی طرف، پس وہ روکے جائیں گے (۱۹) یہاں تک کہ جب
وہ اُس کے قریب پہنچیں گے تو گواہی دیں گے اُن پر
اُن کے کان، اُن کی آنکھیں اور اُن کی کھالیں اس چیز کی
جو کچھ وہ کرتے تھے (۲۰) اور وہ کہیں گے اپنی کھالوں
سے کہ تم کیوں گواہی دیتی ہو ہمارے خلاف۔ وہ کہیں گی
کہ ہم کو بلوایا ہے اُس اللہ نے جس نے ہر چیز کو بلوایا
ہے۔ اور اُسی نے تمھیں پیدا کیا پہلی مرتبہ، اور اس کی طرف
تم لوٹائے جاؤ گے (۲۱) اور نہیں تھے تم پردہ کرتے
اس بات سے کہ گواہی دیں گے تم پر تمھارے کان
اور نہ تمھاری آنکھیں اور نہ تمھاری کھالیں، لیکن تم نے
گمان کیا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں جانتا بہت سی وہ
باتیں جو تم کرتے ہو (۲۲) اور یہ وہی ہے تمہارا گمان
جو تم نے اپنے پروردگار کے بارے میں کیا۔ اسی نے
تمھیں ہلاک کیا۔ پس ہو گئے تم نقصان اٹھانے والوں
میں (۲۳) پس اگر وہ صبر کریں تو دوزخ ہی اُن کا
ٹھکانا ہے۔ اور اگر وہ منانا چاہیں گے، پس نہیں ہوں
گے وہ کہ انہیں منانے کا موقع دیا جائے (۲۴) اور لگا
دیے ہم نے ان کے ساتھ ساتھی، پس انہوں نے مزین
کیا اُن کے لیے جو کچھ اُن کے سامنے اور جو کچھ اُن
کے پیچھے ہے۔ اور ثابت ہو گئی ہے اُن پر بات
اُن امتوں میں جو پہلے گزر چکی ہیں ان سے جنوں اور انسانوں
میں سے، بیشک یہ لوگ نقصان اٹھانے والے تھے (۲۵)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں نبوت و رسالت کا ذکر ہوا۔ اللہ نے قومِ عاد اور ثمود کی سرکشی اور انکارِ نبوت اور پھر ان کے ساتھ دنیا میں ہونے والے سلوک کا ذکر کیا۔ وہ کہتے تھے کہ اگر اللہ نے کسی کو نبی بنانا تھا تو کسی فرشتے کو اپنا پیغام دے کر بھیج دیتا تو ہم ایمان لے آتے۔ ہم کسی انسان کو نبی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اللہ کے رسولوں نے اپنی اپنی قوم کو ہر ممکنہ طریقے سے اللہ کا پیغام پہنچایا اور لوگوں کو سمجھایا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ مگر اُن قوموں نے توحید و رسالت دونوں کا انکار کیا۔ اس کے نتیجے میں اللہ نے اُن پر تند ہوا بھیج دی جو سات راتیں اور آٹھ دن تک چلتی رہی اور جس سے وہ ہلاک ہو گئے حتیٰ کہ اُن نافرمان اقوام کا فردِ واحد بھی زندہ نہ بچا البتہ اللہ نے اُن لوگوں کو بچا لیا جو اللہ کے نبیوں پر ایمان لا کر توحید کو اختیار کر چکے تھے۔

دشمنانِ خدا کا اجتماع

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے جزائے عمل کا سلسلہ ذکر فرمایا ہے وقوعِ قیامت اور جزائے عمل اسلام کے دیگر عقائد توحید، رسالت اور قرآن کی حقانیت کی طرح ایک اہم عقیدہ ہے۔ اللہ نے قیامت والے دن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ جس دن اللہ کے دشمن یعنی کافر، مشرک، منکرینِ توحید، منکرینِ رسالت، اور منکرینِ معاد دوزخ پر اکٹھے کیے جائیں گے۔ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ تو وہ وہاں پر روک دیے جائیں گے۔ وزع کا معنی تقسیم کرنا، روکنا یا ہانکا ہوتا ہے۔ یہاں پر "روکنا" زیادہ موزوں ہے اِن مجرموں کو تھوڑی دیر کے لیے روک لیا جائیگا تاکہ سب اگلے پچھلے جمع ہو جائیں اور تاکہ ہر ایک کے جرم کی نوعیت کے اعتبار سے سب کی الگ الگ قطار بندی کر دی جائے۔ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا یہاں تک کہ جب وہ دوزخ کے قریب پہنچ جائیں گے تو پھر محاسبہ اعمال کی منزل آجائے گی اور اُن کے بُرے عقائد و اعمال کا کچا چٹھا اُن کے سامنے کھول دیا جائے گا۔

اعضائے انسانی کی گواہی

پھر جب وہ اپنے گناہوں کا انکار کریں گے شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ

وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ تو اُن کے خلاف اُن کے کان، آنکھیں اور کھالیں گواہی دیں گی۔ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ان اعمال کے متعلق جو کچھ وہ کرتے رہے۔ نافرمان لوگ حیرت زدہ ہو جائیں گے کہ خود انہی کے اعضاء وجوارح اُن کے خلاف گواہی دے رہے ہیں۔ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ تو وہ اپنی کھالوں کو مخاطب کر کے کہیں گے کہ ہم نے تمہی کو سزا سے بچانے کے لیے بداعمالیوں کا انکار کیا تھا لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا پھر تم نے ہی ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؛ وہ جواب دیں گی قَالُوْا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ کہ گواہی کے لیے ہمیں اُسی ذاتِ خداوندی نے بلوایا ہے جس نے ہر چیز کو قوتِ گویائی عطا کی ہے۔ ہم اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے بول کر گواہی دے رہے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکرائے اور پھر خود ہی صحابہؓ سے فرمایا کہ تم دریافت کیوں نہیں کرتے کہ میں کس بات پر مسکرا رہا ہوں۔ صحابہؓ نے عرض کیا حضور! آپ ہی ارشاد فرمائیں۔ اس پر آپ نے واضح کیا کہ قیامت والے دن آدم کا بیٹا اپنے اعمالِ بد کا انکار کرے گا اور انسانوں فرشتوں شجر وحجر اور زمین وآسمان کی گواہی اپنے خلاف تسلیم نہیں کرے گا، اور عرض کرے گا۔ پروردگار! یہ تو میرے دشمن ہیں، کیا تو نے ظلم سے پناہ نہیں دی اور تیرا وعدہ ہے کہ میں کسی پر ظلم نہیں کروں گا، آج میں تو اپنی ذات کے سوا کسی کو گواہ نہیں مانتا، لہٰذا میرا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کیا جائے اور مجھ پر زیادتی نہیں ہونی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، بیشک میرا وعدہ برحق ہے اور میں کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اگر تو اپنی ذات کے سوا کوئی گواہ تسلیم نہیں کرتا۔ تو پھر میں تیرے اعمال وعقائد کے متعلق خود تیرے اعضاء وجوارح کو گواہی کے لیے پیش کرتا ہوں۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ اُن کی زبان بند کر دے گا اور انسان کے ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھیں اور کھال وغیرہ بولنے لگیں گے جیسا کہ سورۃ یٰسٓ میں اللہ کا فرمان اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (آیت ۔ ۶۵)

اُس دن ہم مجرموں کے مونہوں پہ مہر لگادیں گے، اور اُن کے ہاتھ اور پاؤں بول کر ہمیں اُن کے کرتوتوں سے آگاہ کر دیں گے۔ اب انسانوں کے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہے گا اور اِن مجرموں کو جہنم رسید کر دیا جائے گا۔

بڑھیا راہبہ کی حق گوئی

امام ابن کثیرؒ نے حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حبشہ کی طرف ہجرت کر کے جانے والے اصحابِ رسول جب وہاں سے واپس آئے تو حضور علیہ السلام نے اُن سے دریافت کیا کہ کیا تم نے ہجرتِ حبشہ کے دوران کوئی عجیب وغریب واقعہ بھی دیکھا ہے؟ اس پہ چند نوجوانوں نے عرض کیا کہ ایک دفعہ ہم کسی مقام پہ بیٹھے تھے کہ ہم نے دیکھا کہ ایک بڑھیا راہبہ اپنے سر پہ پانی کا مٹکا اٹھائے جارہی ہے۔ اتنے میں ایک بدقماش قسم کا نوجوان آیا جس نے بڑھیا کی گردن پہ ہاتھ رکھ کر اُس کو اس زور سے دھکا دیا کہ وہ بیچاری گھٹنوں کے بل گر پڑی اور اس کا مٹکا بھی ٹوٹ گیا۔ اس بڑھیا راہبہ نے کہا، اے غدار! عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب اللہ تعالیٰ اپنی عدالت کی کرسی پہ رونق افروز ہوگا۔ اس وقت، تمام مجرموں کو حاضر کیا جائیگا۔ اُن کی زبان بند ہوگی اور اُن کے اعضأ وجوارح اُن کے خلاف گواہی دے رہے ہوں گے۔ اے غدار! تمھیں اس وقت پتہ چلے گا کہ میرے اور تمھارے درمیان کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ آج تو میں اپنی کمزوری کی وجہ سے تجھ سے اس زیادتی کا بدلہ نہیں لے سکتی مگر وہ منزل عنقریب آنے والی ہے جب ہر حقدار کو اُس کا حق دلایا جائے گا۔

حضور علیہ السلام نے اُس نوجوان سے یہ بات سُن کر فرمایا صَدَقَتْ اس بڑھیا نے سچ کہا۔ آپ نے یہ الفاظ بار بار دہرائے۔ چونکہ اُس راہبہ کو پہلی کتابوں کا علم تھا اس لیے اُس نے انہی کی تعلیم کے مطابق نوجوان کو اُس کے بُرے انجام سے خبردار کیا۔ پھر حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کَیْفَ یُقَدِّسُ اللّٰہُ قَوْمًا لَا یُؤْخَذُ لِضَعِیْفِھِمْ اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو پاک نہیں کرتا جو اپنے کمزوروں کو اُن کا حق نہ دلا سکے۔ ایسی قوم ظلم و زیادتی اور گندگی میں مبتلا رہتی ہے حتیٰ کہ جب محاسبے کی منزل

آئے گی تو اللہ تعالیٰ خود اُن مسرفین سے انتقام لے لیگا۔

اعضاء و جوارح کا جواب

بہر حال اعضائے جوارح کی گواہی پیش ہونے پہ مجرم لوگ اس پر حیرت کا اظہار کریں گے تو انسان کے ہاتھ، پاؤں اور دیگر اعضاء خود انسان کے خلاف گواہی دیں گے اور کہیں گے کہ ہم کو اُس رب العزت نے قوتِ گویائی بخشی ہے۔ جس نے تمام چیزوں کو یہ چیز عطا کی ہے وَهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اور وہ وہی ذات ہے جس نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا، وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ اور اپنی طبعی عمر پوری کرنے کے بعد پھر اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ انسان کے اعضاء یہ بھی کہیں گے وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ تم اس بات سے پردہ نہیں کرتے تھے یعنی یہ چیز تمہارے تصور میں بھی نہیں تھی اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ کہ تمہارے خلاف تمہارے کان، نہ تمہاری آنکھیں اور نہ تمہاری کھالیں گواہی دیں گی۔ تم تو گناہ کے کاموں سے چھپنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ اگر تمہیں علم ہوتا کہ خود تمہارے اعضائے جوارح تمہارے خلاف بطور گواہ کھڑے ہو جائیں گے تو پھر کفر، شرک اور معاصی کا ارتکاب نہ کرتے۔

اللہ کے متعلق بدگمانی

فرمایا حقیقت یہ ہے وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ کہ تم نے گمان کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے بہت سے کاموں کا علم نہیں ہے۔ تم گناہ کے کام لوگوں کی نظروں سے تو پوشیدہ طور پر کرتے تھے مگر خدا تعالیٰ سے ذرا شرم نہیں کھاتے تھے حالانکہ اُس سے تو کوئی چیز مخفی نہیں مگر تم سمجھ رہے تھے کہ یہ بُرائیاں خدا تعالیٰ سے بھی پوشیدہ رکھ رہے ہو اور ان کو کوئی نہیں دیکھتا اور نہ کوئی جانتا ہے۔ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ یہی وہ تمہارا گمان ہے جو تم نے رب تعالیٰ کے متعلق کر رکھا تھا۔ اَرْدٰىكُمْ اسی گمان نے تمہیں تباہی میں ڈالا اور پھر نتیجہ یہ ہوا فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ کہ تم نقصان اٹھانے والوں میں ہو گئے اللہ تعالیٰ کے متعلق تمہاری اس بدگمانی نے تمہیں ہمیشہ کے لیے ناکام بنا دیا حضور علیہ السلام

کا ارشاد مبارک بھی ہے کہ لوگو! تم میں سے کوئی آدمی نہ مرے مگر ایسی حالت میں کہ اللہ تعالےٰ کے متعلق حسن ظن یعنی اچھا گمان رکھنے والا ہو۔ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (البقرہ ۲۹) وہ ذرے ذرے کا علم رکھنے والا اور اُس سے کوئی چیز مخفی نہیں اِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ (حٰمٓ السجدۃ ۔ ۵۴) وہ ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔

فرمایا فَإِن يَصْبِرُوا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ اگر یہ صبر کریں گے یعنی اپنے رب کے متعلق بدگمانی پر قائم رہیں گے اور یہی سمجھتے رہیں گے کہ ان کے حالات سے کوئی واقف نہیں ہے تو پھر اُن کا ٹھکانا جہنم ہی ہو سکتا ہے۔

سورۃ الطور میں ہے فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (آیت ۔ ۱۶) اب صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لیے برابر ہے اور تمہیں اپنے جرائم کی پاداش میں لازماً جہنم میں جانا ہوگا۔

دنیا میں واپسی کی خواہش

فرمایا وَإِن يَسْتَعْتِبُوا اگر یہ مجرم لوگ عتبہ یعنی ناراضگی دور کرنے کا موقع طلب کریں گے کہ کسی طرح اللہ کو ناراضی کرلیں یا دوسرے الفاظ میں اپنے سابقہ جرائم سے توبہ کرلیں گے

فَمَا هُم مِّنَ الْمُعْتَبِينَ تو انہیں ایسا کرنے کا موقع بھی نہیں دیا جائے گا۔ اُن کے لیے توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہوگا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کو راضی نہیں کر سکیں گے۔ انہوں نے عمل کی زندگی کو دنیا میں ہی ضائع کر دیا جب کہ وہ توبہ کرنے کی پوزیشن میں تھے مگر اب دنیا کی زندگی ختم ہو کر جزائے عمل کی منزل آچکی ہے، لہٰذا اب سابقہ اعمال کی تلافی ممکن نہیں ہوگی۔

فرمایا، اُن کا دنیا میں تو یہ حال تھا۔ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ کہ ہم نے اُن کے ساتھ ایسے ساتھی لگا دیے تھے فَزَيَّنُوا لَهُم مَّا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ پس انہوں نے اُن کے اگلے اور پچھلے اعمال مزین کر کے دکھائے۔ اس کی وضاحت سورۃ الانعام میں موجود ہے وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (آیت ۔ ۴۳) شیطان ان کے بُرے

کاموں کو مزین اور خوشنما کر کے دکھاتا ہے اور پھر اس کا فلسفہ بھی سمجھاتا ہے کہ یہ کام کرنے سے بڑا فائدہ ہوگا، عزت ملے گی اور تم آخرت میں کامیاب ہو جاؤ گے، شرکیہ، کفریہ، بدعتیہ اور لہو لعب کے تمام امور شیطان خوشنما کر کے دکھاتا ہے اور انسان عمر بھر انجام دیتا رہتا ہے مگر جب آخرت کی منزل آئے گی تو ایسے اعمال وبالِ جان بن جائیں گے۔ اُس وقت پتہ چلے گا کہ جن کاموں کو ہم نیکی کا کام سمجھتے رہے وہ تو شرک اور بدعت کے کام تھے۔ اور شیطان نے ہمیں خواہ مخواہ مروا دیا۔ تو یہاں بھی فرمایا کہ ہم نے دنیا میں اُن کے ایسے ساتھی بنا دیے تھے جو اُن کو اُن کے بُرے اعمال مزین کر کے دکھاتے تھے اور وہ ساری زندگی انہی کو انجام دیتے رہے اور اس طرح نفع کی بجائے نقصان میں پڑ گئے۔ اور شیاطین میں انسان اور جن دونوں قسم کی مخلوق ہوتی ہے بعض انسانوں میں سے شیاطین کے ایجنٹ ہوتے ہیں جو لوگوں کو اُن کے بُرے اعمال خوشنما کر کے دکھاتے ہیں اور اس طرح انہیں غلط راستے پر چلائے رکھتے ہیں۔

فرمایا اس کا نتیجہ یہ نکلا وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ پس ثابت ہو گئی ان پر بات اُن امتوں میں جو اِن سے پہلی گزری ہیں جنوں میں سے اور انسانوں میں سے۔ جنوں اور انسانوں کی سابقہ اقوام نے بھی نیکی اور توحید کے خلاف راستہ اختیار کیا اور اسی کو اپنی معراج سمجھا۔ تو جس طرح سابقہ اقوام پر یہ بات ثابت ہوئی اسی طرح نزولِ قرآن کے زمانے کے لوگوں پر بھی ثابت ہو گئی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ کہ یہ لوگ نقصان اٹھانے والے بن گئے انہیں تباہی اور بربادی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ انہوں نے توحید، رسالت اور وقوعِ قیامت کا انکار کیا، پیغمبروں کی بات کو نہ مانا، کتابِ الٰہی کو وحی الٰہی تسلیم نہ کیا اور پھر ہمیشہ کے لیے خسارے میں پڑ گئے، یعنی جہنم رسید ہو گئے۔

درس پنجم ۵ — آیت ۲۶ تا ۳۲

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا
فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ
لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا
يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا
الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ
اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ
الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ
الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ
اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ
غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾ ع ۷ ۱۸

ترجمہ:- اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار
کیا کہ نہ سنو اس قرآن کو، اور شور وشر کرو اس میں

تاکہ تم غالب ہو جاؤ (۲۶) پس ہم ضرور چکھائیں گے اُن
لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا سخت عذاب ۔ اور ہم بدلہ
دیں گے اُن کو اُس بُرے کام کا جو وہ کرتے تھے (۲۷)
یہ ہے سزا اللہ کے دشمنوں کی دوزخ کی آگ ۔ اُن کے
لیے اُس میں ہمیشہ رہنے کا گھر ہو گا ۔ اور یہ بدلہ ہو گا
اُس کا جو ہماری آیتوں کے ساتھ وہ انکار کرتے تھے (۲۸)
اور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ اے ہمارے
پروردگار ! دکھا ہمیں وہ لوگ جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا
جنوں اور انسانوں میں سے تاکہ ہم اُن کو پامال کریں اپنے
پاؤں کے نیچے، تاکہ وہ ہو جائیں پست لوگوں میں (۲۹)
بیشک وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے
پھر وہ اُس پر مستقیم رہے، اترتے ہیں اُن پر فرشتے
(اور کہتے ہیں) کہ مت خوف کھاؤ اور نہ غمگین ہو، اور
خوشخبری سنو اُس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا
تھا (۳۰) ہم تمہارے ساتھی ہیں دنیا کی زندگی میں اور
آخرت میں بھی ۔ اور تمہارے لیے اُس میں ہو گا ، جو
تمہارے جی چاہیں گے ۔ اور تمہارے لیے وہ بھی ہو گا
جو تم طلب کرو گے (۳۱) یہ مہمانی ہو گی پروردگار کی
طرف سے جو بہت بخشش کرنے والا اور نہایت
مہربان ہے (۳۲)

ربطِ آیات گذشتہ آیات میں اللہ نے جزائے عمل کے سلسلے میں فرمایا کہ اللہ کے دشمنوں کافروں اور مشرکوں کا دوزخ کے قریب اجتماع ہو گا ۔ پھر اُن کو ان کے جرائم کے اعتبار سے مختلف گروہوں میں تقسیم کیا جائے گا ۔ جب محاسبۂ اعمال کی منزل آئیگی تو خود انہی کے

اعضاء وجوارح کو اُن پر بطور گواہ پیش کیا جائے گا۔ وہ حیرت زدہ ہو کر پوچھیں گے کہ تم ہمارے خلاف کیوں گواہی دے رہے ہو تو وہ جواب دیں گے کہ ہمیں اُس مالک الملک نے قوتِ گویائی عطا کی ہے جس نے ہر چیز کو بلوایا ہے۔ اب آج کی آیات میں بھی انہی لوگوں کا حال بیان ہو رہا ہے۔ اس درس میں قرآن کریم کی تلاوت پر کفار کے ردِعمل کا ذکر ہے اور ساتھ ساتھ جزائے عمل کا مسئلہ بھی بیان ہو رہا ہے۔

تلاوت قرآن پر شور وغل

ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ کافر لوگ کہنے لگے کہ اس قرآن پر کان نہ دھرو یعنی اس کو سُننے کی کوشش نہ کرو بلکہ وَالْغَوْا فِيْهِ اس کی تلاوت کے دوران شور وغل برپا کرو لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ تاکہ تم غالب آجاؤ۔ گذشتہ دروس میں بیان ہو چکا ہے کہ کافر لوگ قرآن پاک کو وحی الٰہی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے اور نہ وہ نبی آخر الزمان علیہ السلام کو اللہ کا فرستادہ نبی مانتے تھے۔ اُن کا خیال تھا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً (حٰمٓ السجدۃ - ۱۴) اگر اللہ چاہتا تو کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیج دیتا تو ہم اس کی بات مان بھی لیتے، دگرنہ ہم اپنی ہی برادری کے ایک شخص کو کیسے رسول مان لیں جس میں ہم سے برتری والی کوئی خصوصیت بھی نہیں ہے۔ اسی بناء پر وہ کہتے تھے کہ جس چیز کو یہ قرآن بنا کر پیش کر رہا ہے یہ اس کا من گھڑت ہے۔ لہٰذا نہ تو خود اس کو سنو اور اگر کوئی دوسرا آدمی سُننا چاہے تو درمیان میں شور وغل برپا کر دو تاکہ نہ کسی کے پلے کچھ پڑے اور نہ وہ اس سے متاثر ہو کہنے لگے یہی ایک صورت ہے کہ تم اسلام کے راستے میں بند باندھ سکو گے ورنہ یہ ہم سب کو بہا کر لے جائے گا۔ دوسری جگہ موجود ہے کہ قرآن سُننے والوں پر یہ لوگ حملہ آور بھی ہو جاتے تھے تاکہ وہ اس قرآن کو نہ سُن سکیں۔ یہ تھی کفار کی تدبیر جس کے ذریعے وہ قرآن کے مشن کو ناکام بنانا چاہتے تھے۔ حالانکہ یہ نہایت ہی حماقت کی بات تھی کیونکہ کلام الٰہی کو اس بیہودہ طریقے سے روکنا ممکن نہ تھا قرآن کا مقابلہ تو دلیل کے ساتھ ہی کیا جا سکتا تھا جو اُن کے پاس نہیں تھی۔ قرآن کے مشن کا مقابلہ اس سے بہتر پروگرام اور بہتر تعلیم پیش کر کے کیا جا سکتا تھا، مگر کافروں کے پاس

نہ کوئی ایسا نظام تھا اور نہ تعلیم۔ لہٰذا انہوں نے وہی کام کیا جو اکثر جہلا کرتے ہیں کہ زبردستی پر اتر آئے اور قرآن کو سننے والوں پر حملہ آور ہونے لگے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کے کافروں نے بھی یہی حربہ استعمال کیا تھا۔ جب وہ آپ کی کسی دلیل کا جواب دلیل کے ساتھ نہ دے سکے تو کہنے لگے حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ (الانبیاء ۶۸) اس شخص کو زندہ جلا دو کہ تم اپنے معبودوں کی اسی طریقے سے مدد کر سکتے ہو وگرنہ دلائل کے اعتبار سے یہ شخص تمہیں ناکام بنائے بغیر نہیں چھوڑے گا۔

قرآن کی خاموشی سے سماعت

آدابِ قرآن کے سلسلے میں خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (الاعراف۔۲۰۴) جب قرآنِ پاک کی تلاوت ہو رہی ہو تو اس کو سنو اور خاموش رہو تاکہ اللہ تعالیٰ تم پر رحمت نازل فرمائے۔ خاموشی کے ساتھ قرآن کی سماعت کے بجائے شور و غل پیدا کرنا سخت بیہودہ بات ہے۔ ہمارے جدید معاشرہ میں یہ قباحت پیدا ہو گئی ہے کہ ریڈیو یا ٹیلیویژن پر قرآن کی تلاوت ہو رہی ہوتی ہے یا اس کا ترجمہ اور تشریح بیان کی جا رہی ہوتی ہے۔ تو لوگ اِدھر اُدھر کی باتوں میں مصروف ہوتے ہیں اور قرآن پاک کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے۔ یہ چیز نہ صرف آدابِ قرآن کے خلاف ہے، بلکہ وَالْغَوْا فِيْهِ کی زد میں بھی آتی ہے، مگر ہم لوگ اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے جب قرآن بیان ہو رہا ہو تو اس وقت یا تو اس کو غور سے سننا چاہیئے ورنہ ریڈیو یا ٹیلیویژن کو بند کر دینا چاہیئے تاکہ قرآن کریم کی بے حرمتی تو نہ ہو۔ مکے کے کافر بھی یہی شور و غل کرتے تھے کہ قرآن کی آواز کسی کے کانوں میں نہ پڑ جائے۔

شور کرنیوالوں کی سزا

فرمایا جو لوگ قرآنی پروگرام میں شور و غل کے ذریعے دخل اندازی کی کوشش کریں گے فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ہم ایسے کافروں کو سخت سزا کا مزہ چکھائیں گے۔ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اور ہم اُن کو اُن کے بُرے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے، اُن کو چاہیئے تو یہ تھا کہ قرآن کو غور سے سنتے، اس کی نصیحت پر عمل کر کے ایمان اور توحید کو اختیار

کرتے مگر انہوں نے نہ تو خود اس کو سُنا اور نہ دوسروں کو سننے دیا۔ لہٰذا اُن کی بداعمالی کا بدلہ بھی بُرا ہی ہو سکتا ہے۔ فرمایا ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ اللہ کے دشمنوں کے لیے دوزخ کی آگ ہی بدلہ ہے۔ جو ان کو مل کر رہے گا لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ اُن کے لیے جہنم میں ہمیشہ کا گھر ہو گا۔ یعنی وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسی میں جلتے رہیں گے اور یہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہو گی جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ یہ بدلہ ہے اس جرم کا کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ وہ خدا تعالیٰ کی توحید، نبی کی نبوت، اس کے معجزات اور اور خدا کی قدرت کے دلائل، جنت، دوزخ، حشر نشر اور وقوع قیامت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے لہٰذا اللہ تعالیٰ اُن کو دائمی عذاب میں مبتلا کر دیگا۔

متبوعین کے خلاف درخواست

پھر جب یہ کافر لوگ عذابِ الٰہی کے مستوجب بن جائیں گے تو رب العزت کی بارگاہ میں درخواست پیش کریں گے وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا یعنی توحید، رسالت، معاد اور قرآن پاک کی حقانیت وصداقت کا انکار کیا۔ رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اے ہمارے پروردگار! ہمیں وہ لوگ دکھا دے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا اور جو جنوں اور انسانوں دونوں انواع میں سے ہیں۔ دُنیا میں یہ متبوعین ہمیں سبز باغ دکھاتے رہے اور ہمیں سفارش کے ذریعے آخرت کی کامیابی کی نوید سناتے رہے، آج یہ ہمیں نظر نہیں آ رہے ہیں، ذرا ان کو ہمیں دکھا تو دے کہ ہم ان سے کچھ سوال و جواب ہی کر لیں، اے اللہ! اگر آج یہ لوگ ہمارے سامنے آ جائیں۔ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا تو ہم انہیں اپنے پاؤں کے نیچے روند ڈالیں گے لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ تاکہ یہ پست اور ذلیل لوگوں میں سے ہو جائیں۔ اُس وقت تابعین اپنے متبوعین سے سخت بیزار ہوں گے، اور چاہیں گے کہ انہیں اُن کی غلط کارکردگی کی فوری سزا ملے۔ سورۃ ص میں بھی گزر چکا ہے اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ (آیت ۶۴)

یہ بالکل سچی بات ہے کہ اہل دوزخ ضرور آپس میں جھگڑا کریں گے، اور ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرائیں گے مگر اللہ فرمائے گا کہ تم تابع اور متبوع دونوں جہنم میں جاؤ کیونکہ تم خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ لہٰذا تم کو دگنی سزا دی جائے گی۔ بہر حال فرمایا کہ متبوعین کے خلاف خود ان کے تابعین استغاثہ پیش کریں گے۔

صاحب استقامت لوگ

فرمایا کفار و مشرکین کے برخلاف اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ بیشک وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے ثُمَّ اسْتَقَامُوْا پھر اس پر مستقیم رہے یعنی پختہ رہے۔ استقامت کی تشریح میں امام زمخشریؒ اور دوسرے مفسرین اس طرح بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قول کہ استقامت قول اور فعل دونوں سے ہوتی ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ کی توحید پر مستقیم الحال رہے اور کسی دوسرے الٰہ کی طرف توجہ بھی نہ کرے۔ اللہ کی توحید میں شک و شبہ یا شرک کا شائبہ تک نہ ہو۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ آدمی سیدھے راستے یعنی ایمان و توحید اور سنت کے راستے پر قائم رہے اور لومڑی کی طرح ادھر ادھر پھسلنے کی کوشش نہ کرے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننا اور عمل میں اخلاص پیدا کرنا کہ اس میں شرک یا ریاکاری کی ملاوٹ نہ ہو اور محض اللہ کی خوشنودی مدنظر ہو۔ یہی استقامت ہے۔ اسی طرح حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اللہ کی توحید کو ماننا، ایمان کو صحیح طریقے سے اختیار کرنا اور فرائض کو ادا کرنا استقامت میں داخل ہے۔ حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفیؓ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ مجھے کوئی جامع مانع نصیحت فرمائیں آپ نے فرمایا۔ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ اقرار کرو کہ میں اللہ کی وحدانیت کو مانتا ہوں، اور پھر اس پر مستقیم رہو یعنی ڈٹ جاؤ اور تمام فرائض حسبِ استطاعت ادا کرو۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ انسان کو حاصل ہونے والے کمالات دو قسم کے

ہوتے ہیں، پہلی قسم یہ ہے کہ انسان کو یقینی علم حاصل ہو، اور یہ صرف وحی الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔ باقی تمام علوم یا تو تجرباتی ہوں گے یا ظنی۔ علمی لحاظ سے کامل انسان وہی ہو گا جس کو یقینی علم حاصل ہو گا۔ انسانی کمالات کا دوسرا ذریعہ عمل صالح ہے۔ جو شخص اچھے اعمال انجام دے گا وہ کامل آدمی سمجھا جائے گا۔ الغرض اکمل آدمی وہ ہے جو علم یقینی کے ساتھ ساتھ عمل صالح بھی انجام دیتا ہو۔

علوم و معارف میں سب سے اعلیٰ درجے کا علم معرفت الٰہی ہے انبیاء علیہم السلام لوگوں کو دلائل کے ذریعے اللہ کی پہچان کراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات، اُس کی صفات اور نیکی کو پہچاننا اور پھر اُس پر عمل کرنا ہی معرفتِ الٰہی ہے۔ جس شخص کو اللہ کی پہچان نصیب ہو گئی، وہ بلاشبہ مستقیم ہے، اسی لیے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں اُطْلُبُوا الْاِسْتِقَامَۃَ یعنی استقامت کو تلاش کرو۔ کسی کو پرکھنا ہو تو اُس کی کرامتیں نہ ڈھونڈتے پھرو بلکہ یہ دیکھو کہ اُس کے ایمان اور نیکی کا کیا مرتبہ ہے کیا یہ شخص مستقیم کے درجے میں ہے یا ڈانواں ڈول پھر رہا ہے۔ یاد رکھو استقامت کرامت سے بلند تر چیز ہے۔

فرشتوں کی طرف سے بشارت

فرمایا، جنہوں نے اقرار کیا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر وہ اُس پر مستقیم رہے تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اُن پر فرشتے اُترتے ہیں جو اُن کو کہتے ہیں۔ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا کہ خوف نہ کھاؤ اور غمگین نہ ہو وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ اور اس جنت کی بشارت حاصل کرو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

اللہ کے مستقیم بندوں پر فرشتوں کے نزول سے متعلق مفسرین کی مختلف آراء ہیں۔ امام بغویؒ اور بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جب کسی مستقیم آدمی کی موت کا وقت قریب آجاتا ہے تو اللہ کی رحمت کے فرشتے اُترتے ہیں ایسے شخص سے پردہ غیب اُٹھ جاتا ہے اور فرشتے اُس کو جنت کی بشارت دیتے ہیں بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس بشارت کا تعلق قبر سے ہے یعنی ایسے شخص

کو اللہ کے فرشتے قبر میں تسلی دیتے ہیں اور اُسے اچھے انجام کی بشارت سناتے ہیں۔ اور پھر جب مستقیم آدمی حشر کے دن قبروں سے باہر نکلیں گے تو اس وقت بھی فرشتے اُن کو خوشخبری دیں گے اور کہیں گے کہ گھبراؤ نہیں تمھیں اُس جنت کی بشارت ہو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ حدیث کی کتاب مجمع الزوائد کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ جان کنی کے لیے ملک الموت کے ساتھ مزید اٹھارہ فرشتے ہوتے ہیں جو مستقیم آدمی کو جنت کی بشارت سناتے ہیں جب کہ غیب کا پردہ اٹھ جاتا ہے۔

مفسرین کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ نیکی، ایمان، توحید، تقویٰ اور طہارت والے لوگوں کو دنیا میں بھی فرشتے القائے خیر کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ فرشتے ایسے لوگوں کی طبیعتوں میں نیکی ڈالتے رہتے ہیں اور یہ بھی ایک قسم کی بشارت ہی ہوتی ہے۔ اسی لیے آپ نے فرمایا کہ جب تمھارے دل میں نیکی کا خیال آئے تو الحمد للہ کہو یعنی اللہ کی تعریف بیان کرو اور سمجھ لو کہ اللہ کے فرشتوں نے تمھیں نیکی کی تلقین کی ہے۔ اور اگر دل میں کوئی بُرا خیال پیدا ہو تو سمجھ لو کہ یہ شیطان کا اثر ہے، چنانچہ ایسے موقع پر لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ یا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھنا چاہیئے تاکہ اللہ تعالیٰ شیطان کے شر سے اپنی پناہ میں رکھے۔

اللہ کی طرف سے مہربانی

فرمایا، اللہ کے فرشتے مستقیم لوگوں کو جنت کی بشارت سناتے ہیں، اور ساتھ یہ بھی کہتے ہیں نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ہم دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی تمھارے ساتھی ہیں۔ دنیا میں موت کے وقت جنت کی خوشخبری دیتے اور آخرت میں قبروں سے اٹھتے وقت بھی تسلی دیتے ہیں اور پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ فکر نہ کرو وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ جس جنت کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے اُس میں ہر وہ شے ہوگی جو تمھارے جی چاہیں گے۔ یعنی تمھاری ہر اچھی خواہش پوری کی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ جنت میں بُری خواہش تو پیدا ہی نہیں ہوگی، لہٰذا ہر خواہش اچھی خواہش ہوگی جس کو پورا کیا جائے گا۔ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ اور تمھیں وہاں ہر وہ چیز میسّر ہوگی جس کو تم

طلب کرو گے۔ اللہ کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں، وہ تمھارا ہر مطالبہ پورا کرے گا اور تمھیں من مانی مراد ملیگی۔ فرمایا یہ تمام نعمتیں نُزُلاً مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ بہت بخشش کرنے والے اور نہایت مہربان اللہ کی طرف سے مہمان نوازی ہوگی اللہ کی میزبانی بہت بڑی عزت کا مقام ہے جسے نصیب ہو جائے۔ انسان ذرا سا غور کرے تو جان لے گا کہ اللہ کا کتنا بڑا احسان ہوگا کہ ایک کمزور انسان عظیم پروردگار کا مہمان بنے گا۔ دُنیا میں بھی مہمان کی عزت و تکریم کی جاتی ہے۔ جیسے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اَکْرِمُوا الضَّیْفَ کہ اپنے مہمان کی عزت کرو۔ تو جو آدمی اللہ کے مہمان ہوں گے اللہ اُن کی کتنی عزت کریگا اور یہ کس قدر شرف کی بات ہوگی۔

درس ششم ۶ — آیت ۳۳ تا ۳۶

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ
صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا تَسْتَوِى
الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ
فَاِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِىٌّ
حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَ
مَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ
مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾

ترجمہ :- اور اُس سے بہتر بات کس کی ہو گی جو بلاتا ہے اللہ کی طرف اور نیک عمل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بیشک میں فرمانبرداروں میں سے ہوں ﴿۳۳﴾
اور نہیں [illegible] نیکی اور برائی ، آپ ہٹائیں اُس خصلت کے ساتھ جو [illegible] ہے ۔ پس آپ دیکھیں گے کہ آپ کے اور جن کے درمیان عداوت ہے ، وہ گویا کہ دوست اور قرابتدار بن جائے گا ﴿۳۴﴾
اور نہیں دی جاتی یہ خصلت مگر اُن لوگوں کو جنہوں نے صبر کیا اور نہیں دی جاتی یہ خصلت مگر اُس کو جو بڑا خوش قسمت ہو ﴿۳۵﴾
اور اگر چھیڑ چھاڑ ہو آپ کے لیے شیطان کی طرف

سے تو آپ پناہ مانگیں اللہ کے ساتھ وہی ہے
سُننے والا اور جاننے والا (۳۶)

ربط آیات
گذشتہ رکوع کے آغاز میں اللہ نے کفار کا شکوہ بیان کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کریم کو مت سنو بلکہ جب اس کی تلاوت ہو رہی ہو تو شور وغل مچاؤ تاکہ دوسرے بھی اس کو نہ سُن سکیں۔ قرآن پاک کے پروگرام کو اسی طرح ہی ناکام بنایا جا سکتا ہے کہ اس کے پیغام کو لوگوں تک پہنچنے سے روک دیا جائے۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ ہم ایسے لوگوں کو سخت سزا دیں گے۔ پھر اللہ نے دوزخ میں تابعین اور متبوعین کا ذکر کیا کہ تابعین اللہ کی بارگاہ میں عرض کریں گے کہ ہمیں ہمارے متبوعین دکھائے جائیں تاکہ ہم انہیں اپنے پاؤں کے نیچے روند ڈالیں کیونکہ انہوں نے ہی ہمیں دنیا میں گمراہ کیا۔ پھر اللہ نے استقامت والی بات بیان کی کہ جنہوں نے اللہ کو اپنا رب تسلیم کر لیا اور پھر اُس پر مستقیم رہے انہیں اللہ کے فرشتے جنت کی خوشخبری سناتے ہیں جہاں انہیں من مانی نعمتیں میسر ہوں گی۔

بہترین بات دعوت الی اللہ
اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے دعوت الی اللہ کی اہمیت بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ اور اس سے بہتر بات کس شخص کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے۔ وَعَمِلَ صَالِحًا اور خود نیک عمل کرتا ہے۔ وَقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اور زبان سے اقرار کرتا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ اس مقام پر اللہ نے اُس شخص کی بات کو بہترین بات قرار دیا ہے جس میں یہ تین خصلتیں پائی جائیں۔ یعنی وہ دعوت الی اللہ دیتا ہو، خود اچھے اعمال انجام دیتا ہو اور اللہ کا مطیع اور فرمانبردار ہونے کا اقرار کرتا ہو۔

دعوت الی اللہ کا سب سے بڑا ذریعہ قرآن کریم ہے۔ جو شخص قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے، اس کے پیغام کو دوسروں تک پہنچاتا ہے، وہ یقیناً اللہ کی طرف بلاتا ہے اور جو اس قرآن کو سننے کی بجائے شور وغل پیدا کرتا ہے تاکہ اس کی آواز دوسروں تک نہ پہنچ سکے اُس سے بدبخت انسان بھی کوئی نہیں، چاہیئے تو یہ تھا کہ قرآن حکیم سے بہتر

کوئی کلام پیش کیا جاتا اور اس سے بہتر پروگرام اور بہتر تعلیم پیش کی جاتی۔ مگر اس کی بجائے اس کی آواز کو ہی دبانے کی کوشش کی جائے تو یہ کس قدر غلط بات ہے

مفسر قرآن ابو سعودؒ فرماتے ہیں کہ دعوت الی اللہ سے مراد دعوت الی التوحید والطاعت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی اطاعت کی طرف بلایا جائے اللہ کا قرآن اور اس کا حامل پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم یہی دعوت پیش کرتے ہیں، لہٰذا ان سے اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے؟ مطلب یہ کہ جس طرح دعوت الی اللہ بہترین بات ہے، اسی طرح داعی الی اللہ یعنی خدا کی طرف بلانے والا بھی بہترین آدمی ہے

امام ابوبکر جصاصؒ اس مقام پر یہ نکتہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ اُس شخص سے کس کی بات بہتر ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلاتا ہے، نیک عمل کرتا ہے اور اپنے آپ کو فرمانبردار بتاتا ہے، اس بات کی دلیل ہے کہ دعوت الی اللہ فرض ہے۔ جب کسی علاقے میں اللہ کی توحید ایمان اور اطاعت کی طرف دعوت دینے والا کوئی نہ ہو تو وہاں پر یہ دعوت دینا فرضِ عین ہو جاتا ہے، اور جہاں دوسرے لوگ اس کام کے لیے موجود ہوں وہاں یہ دعوت فرض کفایہ کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ ایک عام کلیہ ہے کہ فرض نفل کی نسبت افضل ہوتا ہے۔ اگر دعوت الی اللہ کو فرض نہ سمجھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نفل فرض سے افضل ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت، نیکی اور اطاعت کی طرف دعوت دینا فرض ہے۔

مؤذن کا مرتبہ

حضرت سعدؓ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ اذان میں حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ کا کلمہ بہترین بات ہے اور یہی دعوت الی اللہ ہے۔ وہ لوگوں کو خدا کی عبادت، اطاعت اور وحدانیت کی طرف بلاتا ہے۔ اور پھر جب اذان کہہ کر نماز ادا کرتا ہے تو گویا عمل صالح انجام دیتا ہے حدیث میں آتا ہے۔ کہ قیامت والے دن مؤذن کا حصہ مجاہد کے حصے کی طرح ہوگا۔ گویا اذان کہنا اپنی جان و مال راہِ خدا میں پیش کرنے کے برابر ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد ہے کہ

مؤذن کا اذان کے بعد نماز کے لیے انتظار کرنا مجاہد کے خون میں لت پت ہوتے کے برابر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ اگر میں مؤذن ہوتا تو نفلی حج اور جہاد کی پرواہ نہ کرتا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ اگر میں مؤذن ہوتا تو قیام اللیل اور صوم النہار یعنی نفلی نماز روزے کی پرواہ نہ کرتا، کیونکہ اذان کہنا بہت بڑا عمل ہے۔ خود حضور علیہ السلام نے اذان دینے والوں کے لیے تین دفعہ یہ دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِیْنَ اے اللہ! اذان دینے والوں کو معاف فرما۔ آپ نے یہ دعا بھی کی اَللّٰھُمَّ اَرْشِدِ الْاَئِمَّۃَ اے اللہ! نماز کی امامت کرانے والوں کے لیے رشد و ہدایت مقدر فرما۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایک ایسا دور بھی آئے گا جب لوگ اذان کو کمزوروں پر چھوڑ دیں گے یعنی بڑے آدمی اذان دینا گوارا نہیں کریں گے۔ حالانکہ مؤذنین کے گوشت کو اللہ نے دوزخ کی آگ پر حرام قرار دیا ہے بشرطیکہ اذان کہنے میں خلوصِ نیت ہو، محض معاوضہ لینا مقصود نہ ہو۔ اس روایت کو امام ابن کثیرؒ نے مفسر ابن ابی حاتم کے توسط سے نقل کیا ہے۔

برائی کا دفاع نیکی سے

آگے اللہ نے تسلی بھی دی ہے۔ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ یاد رکھو! بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی لہٰذا اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ بری چیز کو اچھائی کے ساتھ دور کرو۔ برائی کا دفاع نیکی سے کرنا سلف سے بھی ثابت ہے کسی شخص نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو برا بھلا کہا تو آپ نے اس کے جواب میں کہا کہ اگر تو سچا ہے تو پھر میں گنہگار ہوں اور اللہ مجھے معاف فرمائے اور اگر تو اس معاملہ میں جھوٹا ہے اور تم نے غلط کام کیا ہے تو پھر اللہ تجھے معاف فرمائے۔

ایک بزرگ کے متعلق منقول ہے کہ جب کوئی شخص ان کو خبر دیتا کہ فلاں شخص آپ کی غیبت کرتا ہے یا آپ کو گالیاں دیتا ہے تو آپ اس کے حق میں دعائے خیر کرتے اور اس کی تعریف کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ آئندہ اس شخص سے برائی کی بجائے نیکی کی خبر آتی۔ یہی بات اللہ نے

فرمائی ہے کہ برائی کا دفاع نیکی کے ساتھ کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ کہ اگر تمہارے اور اس شخص کے درمیان کوئی عداوت ہو گی كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ تو وہ دوست اور قرابتدار جیسا بن جائیگا اور آئندہ برائی کا سلوک نہیں کرے گا۔ الغرض! برائی کا دفاع ہمیشہ نیکی، شائستگی اور اخلاق کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ تمہارے اسی سلوک کی وجہ سے تمہارے دشمن دوستوں میں بدل جائیں گے۔ اور اگر اینٹ کا جواب پتھر سے دو گے تو آئندہ کے لیے نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا۔ بلکہ اس سے برائی اور عداوت میں مزید اضافہ ہوگا۔

برائی کا جواب بھلائی سے دینا بہت بڑی خصلت ہے جو ہر شخص میں پیدا نہیں ہو سکتی اور اکثر اوقات انسان کو غصہ آجاتا ہے فرمایا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا یہ اچھی خصلت تو انہی لوگوں میں پیدا ہوتی ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں۔ کسی کی برائی کے جواب میں فوراً طیش میں نہیں آجاتے بلکہ تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کرتے ہیں وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ اور یہ خصلت نہیں دی جاتی مگر ایسے شخص کو جو بڑا ہی خوش قسمت ہو۔ برائی کا جواب نیکی کے ساتھ دینا بڑی اقبال مندی کی علامت ہے اور یہ عالی ظرف صابر وشاکر اور خوش بخت لوگوں ہی کے حصے میں آتی ہے۔

استعاذہ کی ضرورت

جب کسی شخص کے ساتھ کوئی برائی کی جائے تو فطری امر ہے کہ اُس کو غصہ آئیگا یا پھر شیطان کی طرف سے وسوسہ پیدا ہوگا۔ غصے کی حالت میں انسان برائی کا جواب برائی سے دیتا ہے اور شیطان کی وسوسہ اندازی سے برائی کی طرف راغب ہوتا ہے ان صورتوں کا علاج بھی اللہ نے تجویز فرمادیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ جب شیطان کی طرف سے چھیڑ چھاڑ ہو اور انسان برائی اور زیادتی کی طرف مائل ہونے لگے تو ایسی حالت میں فرمایا فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرو۔ صحیح مسلم اور مستدرک حاکم میں یہ روایت موجود ہے کہ دو شخص حضور علیہ السلام کی مجلس کے دوران آپس میں الجھ پڑے۔ ایک شخص کو شدید

غصہ آیا۔ آپ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ شخص اُس کلمے کو اپنی زبان سے ادا کر دے تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے اور وہ کلمہ ہے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ وہ شخص کہنے لگا۔ کیا تم لوگ مجھے مجنون خیال کرتے ہو ؟

بہر حال شیطان کی وجہ سے غصہ آئے تو اس کا علاج حضور علیہ السلام نے اور خود قرآن نے یہ بیان کیا ہے کہ ایسے وقت میں اللہ کی پناہ طلب کی جائے، کیونکہ شیطان کا وسوسہ اللہ کے ذکر سے ہی دُور ہو سکتا ہے اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ خَنَسَ الشَّیْطٰنُ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کا اثر انسان کے قلب پہ ہوتا ہے اور شیطان بھاگ جاتا ہے جب کفار و مشرکین قرآن کی آواز کو ٹھکرا رہے ہوں، توحید کی آواز کو دبانے کی کوشش میں ہوں تو ایک مومن کو غصہ آجانا ایک فطری امر ہے تو اس کا علاج یہی بتایا ہے کہ ایسے موقع پہ اللہ کی پناہ مانگو اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ بے شک وہ سب کچھ سُننے والا اور ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ وہی شیطان کی چھیڑ چھاڑ کا علاج کرے گا۔ جو شخص اپنے آپ کو کمزور سمجھ کر خدا تعالیٰ کی پناہ میں آجاتا ہے، اللہ تعالیٰ ضرور اس کو اپنی پناہ میں لے لیتا ہے اور وہ شیطان کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے ۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا
تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ
خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا
فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ
وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ السجدة ۱۱ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى
الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ
اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ
الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ؕ
اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ
اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴۰﴾

ترجمہ:۔ اور اُس کی قدرت کی نشانیوں میں سے رات
اور دن، سورج اور چاند ہیں نہ سجدہ کرو سورج
کے سامنے اور نہ چاند کے۔ بلکہ سجدہ
کرو اللہ کے سامنے جس نے ان کو پیدا کیا ہے، اگر تم
خالص اسی کی عبادت کرتے ہو ﴿۳۷﴾ پس اگر یہ لوگ
تکبر کریں تو وہ جو تیرے پروردگار کے پاس ہیں۔ وہ

تسبیح بیان کرتے ہیں اُس کی رات اور دن ، اور وہ تنگدل
نہیں ہوتے (۳۸) اور اُس کی قدرت کی نشانیوں میں یہ بھی
ہے کہ تم دیکھتے ہو زمین کو دبی ہوئی ، پس جب ہم اتارتے
ہیں اُس پر پانی تو وہ تازہ ہو جاتی ہے اور اُبھر آتی ہے۔
بیشک وہ ذات جس نے اس کو زندہ کیا ہے ۔ وہی البتہ
زندہ کرنے والا ہے مرُدوں کو ، بیشک وہ ہر چیز پر قدرت
رکھتا ہے (۳۹) بے شک وہ لوگ جو ٹیڑھا چلتے ہیں ہماری
آیتوں میں ، وہ ہم پر مخفی نہیں ۔ بھلا وہ شخص جس کو ڈالا جائیگا
دوزخ میں وہ بہتر ہے یا وہ جو آئیگا امن کے ساتھ قیامت
کے دن عمل کرو جو کچھ تم چاہتے ہو ، بیشک جو کام تم کرتے
ہو ، وہ اُس کو دیکھنے والا ہے (۴۰)

ربط آیات

گذشتہ درس میں دعوت الی اللہ کا ذکر تھا ۔ قرآن پاک کے انکار کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ اُس شخص سے بہتر کون ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہے ، خود نیک کام کرتا ہے اور زبان سے خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اطاعت کا اقرار بھی کرتا ہے ۔ پھر اللہ نے نیکی اور بدی کا تقابل ذکر کیا ۔ اور بُرائی کو نیکی کے ساتھ دور کرنے کا اصول بتلایا ۔ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ یہ خصلت عظیمہ صابرین اور خوش بخت انسانوں کو ہی حاصل ہو سکتی ہے ۔ پھر اللہ نے شیطان کی چھیڑ چھاڑ اور پھر اُس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے غصے یا وسوسے کا علاج یہ بتایا کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ پناہ پکڑو ، وہی تمہیں اِن شرور سے محفوظ رکھے گا ۔ اب آیات زیر درس میں اسلام کے بنیادی عقائد توحید ، رسالت ، قرآن کی حقانیت اور معاد میں سے توحید کے بعض دلائل بیان کیے جا رہے ہیں اور ساتھ وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کا بیان بھی ہے ۔ اس سے اگلی آیات میں پھر قرآن کی حقانیت اور اس کے وحی الٰہی ہونے کا ذکر آ رہا ہے ۔

نشاناتِ قدرت

اب اللہ نے اپنی قدرت تامہ اور حکمت بالغہ کے کچھ عقلی دلائل بیان فرمائے

ہیں جن پر غور کرنے سے اُس کی وحدانیت سمجھ میں آسکتی ہے۔ اس قسم کے دلائل اللہ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ بیان فرمائے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے ۔ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ اور اُس کی نشانیوں میں سے ہیں رات دِن وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ سورج اور چاند ہیں ۔ اللہ نے اِن چار چیزوں کو اپنی قدرت کی نشانیوں کے طور پر متعارف کرایا ہے ۔ سورج کا تعلق دِن کی مکمل روشنی اور چاند کا تعلق رات کی دھیمی نورانیت سے ہے ۔ دراصل سورج اور چاند ہی رات اور دِن کے تغیر و تبدل کا ذریعہ ہیں ۔

اللہ نے فرمایا ہے وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ (الزمر۔ ۵) اُس نے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا ہے یعنی انسانوں اور دیگر جانداروں کی خدمت پر مامور کر دیا ہے یہ دونوں سیارے اللہ کے حکم کے مطابق اپنی اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے ہیں اور پھر ان کے واسطے سے پیدا ہونے والی رات اور دِن ، گرمی اور سردی روشنی اور تاریکی سے ساری مخلوق بالخصوص انسان مستفید ہو رہی ہے ، اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال حکمت سے سورج اور چاند کو جانداروں کی مصلحت کے لیے کام پر لگا دیا ہے ۔ دِن کے وقت انسان اور دیگر جاندار اپنے کام کاج میں مصروف رہتے ہیں پھر جب وہ تھک ہار جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ رات کو لے آتا ہے جس میں سکون حاصل کر کے اگلے دِن کے مشاغل کے لیے پھر سے "تازہ دم" ہو جاتے ہیں ۔ بہر حال یہ چاند سورج دِن اور رات اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں ۔

غیر اللہ کو سجدہ کی ممانعت

اللہ نے تو اِن چیزوں کو اپنی قدرت کی نشانیوں کے طور پر پیدا فرمایا ہے مگر بعض بدنصیب دنیا میں ایسے بھی ہیں جو اِن چیزوں کے خالق خدا تعالیٰ کی بجائے انہی چیزوں کی پوجا کرنے لگتے ہیں ۔ اللہ نے اس بات سے سختی سے منع فرمایا لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بعض ستارہ پرست لوگ سورج اور چاند کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور اُس گروہ میں آگے دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں ۔ بعض لوگ تو وہ ہیں جو براہ راست اِن چیزوں میں اختیار مانتے ہیں ، اور سمجھتے ہیں کہ یہ ہماری مرادیں براہ راست پوری کر سکتے ہیں ۔ یہ

لوگ چاند اور سورج میں اسی طرح روح کو مانتے ہیں جس طرح انسانوں اور دیگر جانداروں میں پائی جاتی ہے۔ اور دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو ان سورج اور چاند کو براہِ راست تو متصرف نہیں مانتے بلکہ ان کو واسطہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کو سجدہ کرنا گویا اللہ کے سامنے سجدہ کرنا ہے۔ بہر حال دونوں اعتقادات شرکیہ اور باطل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان اعتقادات کی تردید یعنی سورج اور چاند کے سامنے سجدہ کی ممانعت کر کے فرمایا وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ بلکہ سجدہ اُس ذات کے سامنے کرو جس نے سورج اور چاند کو پیدا کیا ہے۔ سجدہ کے لائق خالق ہو سکتا ہے نہ کہ مخلوق سجدہ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کے لیے روا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانِ مبارک بھی ہے کہ اگر مخلوق کا سجدہ مخلوق کے لیے روا ہوتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ خاوند کے سامنے سجدہ کرے مگر یہ بھی جائز نہیں۔ فرمایا سجدہ صرف ذاتِ واحد کے سامنے کرو اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ اگر تم اُس کی توحید کو مان کر خالص اسی ایک اللہ کی عبادت کرنے والے ہو۔

سجدہ دو قسم سے ہے یعنی سجدہ عبادت اور سجدہ تعظیم۔ سجدہ عبادت ابتدائے تخلیق سے لے کر قیامت تک کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ کسی مخلوق کے سامنے ______ کسی بھی حالت یا کسی بھی زمان و مکان میں جائز نہیں۔ البتہ سجدہ تعظیم پہلی امتوں میں روا تھا۔ مگر ہماری امت میں یہ بھی حرام قرار دیا گیا ہے اس قسم کا سجدہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے کیا تھا اور یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کے سامنے کیا تھا۔ اس سجدہ میں سجدہ عبادت والی انتہائی تعظیم مراد نہیں ہوتی بلکہ محض ادب بجا لانا مقصود ہوتا ہے۔ بہر حال ہماری امت میں یہ بھی حرام ہے خواہ کسی بادشاہ کے سامنے کیا جائے۔ کسی نبی، ولی، پیر، مرشد، زندہ، مردہ صاحبِ قبر، سورج، چاند، ملائکہ کی تعظیم کے لیے ہو، سب حرام ہے۔ البتہ اس امر میں سب کا اتفاق ہے کہ ایسا سجدہ شرک کی حد میں نہیں آتا۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کسی قبر پر سجدہ کرتا ہے تو اُس سے دریافت کرنا پڑے گا کہ اس سے اس کی کیا مراد ہے

اگر وہ انتہائی تعظیم یعنی عبادت والا سجدہ کر رہا ہے۔ تو وہ شخص یقیناً کفر کا مرتکب ہوا ہے اور مشرک بن جائے گا۔ اور اگر اُسنے تعظیمی یا ملاقات کا سجدہ کیا ہے، تو وہ حرام کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ اُس پر کفر اور شرک کا فتویٰ نہیں لگے گا۔ بہر حال یہ اُس شخص کی نیت اور ارادے پر منحصر ہے کہ وہ کس قسم کا سجدہ کرتا ہے۔

الغرض! سجدہ تعظیم بعض صورتوں میں کفر اور بعض صورتوں میں حرام ہوتا ہے بعض ایسی صورتیں بھی سامنے ہیں کہ وہاں تعظیم مراد نہیں لی جاسکتی۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی بت کے سامنے سجدہ کرتا ہے جیسا کہ کافر اور مشرک کرتے ہیں تو ایسی صورت میں کسی کا یہ عذر قابلِ قبول نہیں ہوگا کہ اُس نے تعظیمی سجدہ کیا ہے، کیونکہ پتھر یا مٹی یا لکڑی کی کیا تعظیم ہوسکتی ہے ـــــ ایسے شخص پر کفر کا فتویٰ لگے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص قرآن کریم کی توہین کا مرتکب ہوتا ہے تو اُس پر کفر کا قطعی حکم لگے گا۔ جو شخص نبی کا قاتل ہے، اس کی بھی کوئی تاویل قابلِ قبول نہیں اور وہ بھی کافر ہوجاتا ہے۔ البتہ بعض مواقع پر تاویل ہوسکتی ہے، مثلاً کوئی شخص والدین، پیرومرشد یا بادشاہِ وقت کی تعظیم کرتا ہے جو کہ عبادت کے درجہ میں نہیں آتی۔ تو اس قسم کا تعظیمی سجدہ کفر تو نہیں ہوگا مگر فعلِ حرام ضرور تصور ہوگا۔ اور ایسا کرنے والا شخص سخت گنہگار ہوگا۔

جس طرح تعظیمی سجدہ کی ممانعت ہے، اسی طرح تعظیمی رکوع کرنا بھی منع ہے حضور علیہ السلام نے ملاقات کے وقت انحنا یعنی جھکنے سے بھی منع فرمایا ہے بلکہ فرمایا کہ سیدھے رہو کیونکہ کسی کے سامنے انحنا بھی مکروہ ہے۔

فرشتوں کی تسبیح

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا اگر یہ لوگ غرور و تکبر کا مظاہرہ کریں اور اپنے خالق و مالک حقیقی کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی بجائے دوسروں کے سامنے سجدہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور تسبیح و تحمید سے گریز کریں تو اس سے اللہ تعالیٰ کے جلال و عظمت میں سرمو فرق نہیں پڑتا کیونکہ فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وہ مخلوق جو تیرے رب کے پاس ہے وہ تو شب و روز

اُس کی تسبیح میں مصروف رہتی ہے ۔ اس سے مراد اللہ کی مقرب مخلوق ملائکہ ہیں جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس بیان کرتے رہتے ہیں وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ اور وہ ایسا کرنے سے تنگ دل نہیں ہوتے یعنی تھکتے بھی نہیں ۔ وہ ہر وقت عجز و انکساری کے ساتھ خدا تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں ۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر بعض انسان خدا کی عبادت نہ بھی کریں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے ؟ اس مقام پر سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے ۔ البتہ ائمہ کرام میں قدرے اختلاف یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ سجدہ گذشتہ آیت کے اختتام اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ پر لازم آتا ہے جب کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس آیت کے اختتام لَا يَسْئَمُوْنَ پر سجدہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے ۔

بعث بعد الموت کی مثال

آگے اللہ نے مرنے کے بعد جی اٹھنے کو ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے ارشاد ہوتا ہے وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً اور اُس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تم زمین کو پست ، خشک اور دبی ہوئی دیکھتے ہو ۔ پانی کی عدم موجودگی میں زمین میں خاک اڑ رہی ہوتی ہے اور اس میں ہریالی کا نام و نشان تک نہیں ہوتا فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ پھر جب ہم اُس پر بارش کی صورت میں پانی نازل کرتے ہیں اِهْتَزَّتْ وَرَبَتْ تو پھر یہی خشک زمین تر و تازہ ہو جاتی ہے اور اُبھرنے لگتی ہے ۔ اس میں ایک قسم کا جوش پیدا ہوتا ہے اور اس میں نشو و نما کی قوت ابھر آتی ہے ۔ اب یہ زمین اس قابل ہو جاتی ہے ۔ کہ اس میں کوئی بھی چیز کاشت کی جائے وہ اللہ کی قدرت سے بار آور ہو گی پھر اس کا فلسفہ سمجھایا اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى کہ جس ذات خداوندی نے اس مردہ زمین کو زندہ کر دیا ہے ۔ وہ قیامت والے دن مُردوں کو بھی زندہ کر دے گا ۔ فرمایا اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ بے شک وہ ذات ہر چیز پر قدرت رکھتی ہے جس مالک الملک نے انسان کو پہلی دفعہ پیدا فرما دیا وہ اسے دوبارہ زندہ کرنے پر کیوں قادر نہیں ؟ اللہ نے سورۃ الانبیاء میں اس مضمون کو اس

طرح بیان فرمایا ہے کَمَا بَدَأْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ جس طرح ہم نے مخلوق کو پہلی دفعہ پیدا کیا، اسی طرح اس کو دوبارہ بھی لوٹا دیں گے۔ اس میں نشانات قدرت و توحید اور وقوع قیامت کی دلیل بھی آگئی۔

الحاد از قسم کفر

آگے الحاد اور اُس کا انجام بیان کیا گیا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا بے شک وہ لوگ ہماری آیتوں میں ٹیڑھا پن اختیار کرتے ہیں۔ لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں یعنی ایسے بدبختوں کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں اور اُن کے ساتھ اُن کے عقیدہ اور عمل کے مطابق ہی سلوک کریں گے۔

لحد کا معنی ٹیڑھا پن ہوتا ہے۔ ساتھ کو لحد اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ قبر کے ایک کنارے پر ترچھی ہوتی ہے۔ الحاد کو اختیار کرنے والا ملحد اس لیے کہلاتا ہے۔ کہ وہ الفاظ کو اپنی جگہ قائم رکھتے ہوئے اس کے معانی و مطالب کو ٹیڑھا کر کے یکسر بدل دیتا ہے۔ اس فعلِ بد کی بہت سی مثالیں ہمارے اس زمانے میں بھی ملتی ہے۔ مثلاً لفظ اللہ خداوند تعالیٰ کا ذاتی نام ہے اور اس کے بہت سے صفاتی نام بھی ہیں۔ مثلاً رحمان، رحیم، قدوس، عزیز، جبار، قہار، وہاب، رزاق وغیرہ۔ اللہ نے سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی (آیت۔ ۱۱۰) تم اُسے اللہ کا ذاتی نام لے کر پکارو یا صفاتی نام رحمان وغیرہ کے ذریعے پکارو، اُس کے تمام نام بھلے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے اِنَّ لِلّٰہِ تِسْعَۃً وَّتِسْعِیْنَ اِسْمًا مِائَۃً اِلَّا وَاحِدًا مَنْ اَحْصَاھَا دَخَلَ الْجَنَّۃَ (بخاری، مسلم) اللہ تعالیٰ کے ننانوے یعنی ایک کم سو نام ہیں جس نے ان کو محفوظ کیا اور ان کی نگہداشت کی وہ جنت میں داخل ہوگا۔ مگر منکرِ قرآن پرویز لفظ اللہ کو خدا کا ذاتی نام تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں بلکہ کہتا ہے کہ اللہ سے مراد قانون ہے۔ گویا لفظ کو تو اپنی جگہ پر تسلیم کیا مگر اس کا معنی بدل دیا ہے اور یہی الحاد ہے۔ مرزائیوں نے بھی کئی معاملات میں الحاد کا ارتکاب کیا ہے مثلاً سورۃ الفتح میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (آیت۔ ۲۹) اس کا صاف معنی یہ

ے الانبیاء پ۱۷ آیت ۱۰۴

ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں مگر مرزا قادیانی اس کا معنی یہ بیان کرتا ہے کہ اللہ نے قرآن میں میرا نام محمد بھی رکھا ہے اور رسول بھی۔ سر سید کے نزدیک جنت کسی خاص مقام کا نام نہیں بلکہ اس کا معنی مسرت و شادمانی ہے۔ جو شخص اچھے اعمال انجام دیتا ہے۔ اس کو خوشی حاصل ہو گی۔ اسی طرح وہ دوزخ سے حسرت اور افسوس مراد لیتا ہے یعنی بُرے اعمال انجام دینے والے آدمی کو حسرت اور سخت افسوس ہو گا۔ اسی طرح علامہ مشرقی نے لکھا ہے کہ شیطان سے مراد کوئی خاص شخصیت نہیں بلکہ اس کا معنی غصہ ہے، اور جبرائیل کوئی فرشتہ نہیں بلکہ ایک پاکیزہ قوت کا نام ہے۔

فریضۂ حج ارکانِ اسلام میں سے ایک رُکن ہے مگر ملحد لوگ اسے مخصوص ایام میں مخصوص اعمال انجام دینے کی بجائے اس کا ترجمہ عالمی کانفرنس کرتے ہیں۔ یہ بھی پرویز ہی کا الحاد ہے کہ اَطِیعُوا اللّٰہَ سے مراد اللہ کی اطاعت نہیں بلکہ سنٹرل گورنمنٹ کی اطاعت مراد ہے۔ اس نے حورعین کا معنی پاکیزہ فکر کیا ہے حالانکہ اس سے مراد وہ خوبصورت عورتیں ہیں جو اہلِ جنت کو میسّر ہوں گی۔ اسی طرح اصلاحی صاحب نے رجم کا انکار کیا ہے کہ یہ کوئی سزا نہیں ہے۔ واقعہ معراج کو وہ خواب کا واقعہ بتاتا ہے کیونکہ انبیاء کے خواب سچے ہوتے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ جس ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام پر اپنی فوقیت کا دعویٰ کیا تھا۔ وہ تو ختم ہو چکا ہے اب شیطان کی زندگی کا مطلب یہ ہے کہ اس کی جنس باقی ہے۔ یہ الحاد کی چند مثالیں ہیں اور یہ بھی کفر کی ایک بدترین قسم ہے۔

دراصل قرآن و سنّت کی منجملہ اصطلاحات ایمان، کفر، شرک، نفاق، ارتداد وغیرہ کی طرح الحاد بھی ایک اصطلاح ہے جس کے تحت ایک مکمل مفہوم پایا جاتا ہے۔ مثلاً ایمان سے مراد اللہ کی ذات، صفات، انبیاء، کُتب، ملائکہ، تقدیر اور بعث بعد الموت کو صدقِ دل سے تسلیم کرنے کا نام ہے، اسی طرح کفر مذکورہ چیزوں کے انکار کو کہا جاتا ہے۔ شرک یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ذات کو تو تسلیم کرتا ہے۔ مگر اس کی

ذات، صفات، تصرف اور تدبیر میں دوسروں کو بھی شریک مانتا ہے۔ اسی طرح نفاق کا مرتکب منافق اُس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کے ظاہر اور باطن میں تضاد ہو۔ وہ بظاہر تو اسلام کا اقرار کرتا ہے اور کسی حد تک اُس کے ارکان پر عمل بھی کرتا ہے مگر دِل سے اللہ کی توحید اور اس کے نبی اور دین کو سچا نہیں سمجھتا۔ اسی طرح مرتد وہ شخص ہوتا ہے جو دینِ اسلام پر ایمان لاکر پھر اِس کو چھوڑ کر کسی دوسرے دین کو اختیار کر لے۔ یعنی یہودی، عیسائی، ہندو، سکھ، مجوسی یا دہریہ بن جائے۔ اسی طرح الحاد بھی قرآن وسنت کی ایک اصطلاح ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص قرآن وسنت کے الفاظ کو تو تسلیم کرتا ہے مگر اس کا مطلب اور مفہوم ایسا بیان کرتا ہے جو نہ اللہ تعالیٰ کی مراد ہے، نہ اس کے رسُول کی اور نہ سلف صالحین کی۔ ایسے ہی ملحدوں کے متعلق اللہ نے اس مقام پر فرمایا کہ جو لوگ ہماری آیتوں میں الحاد کے مرتکب ہوتے ہیں، وہ ہم سے مخفی نہیں ہیں۔ آگے اُن کے انجام کے متعلق فرمایا اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِى النَّارِ خَيْرٌ بھلا وہ شخص بہتر ہے جو دوزخ میں ڈالا جائے گا اَمْ مَّنْ يَّاْتِىْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ یا وہ بہتر ہے جو قیامت والے دِن امن کی حالت میں آئے گا۔ ظاہر ہے کہ مؤخر الذکر ہی بہتر ہے۔ اب یہ لوگوں کا کام ہے کہ وہ خود فیصلہ کریں کہ آیا ایمان قبول کر کے مامون حالت میں اللہ کی رحمت کے مقام جنت تک پہنچنا چاہتے ہیں یا الحاد کو اختیار کر کے ہمیشہ کی ذلت اور سزا کے مستحق بننا چاہتے ہیں۔ پھر اللہ نے دھمکی کے انداز میں فرمایا اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ تم جو تمہارا جی چاہے کرتے رہو اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے۔ اُس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ وہ تمہارے اخلاص، ایمان، کفر، شرک، الحاد ہر چیز سے واقف ہے۔ تم حسبِ منشا کام کرتے رہو وہ تمہارے راستے میں اس وقت رکاوٹ نہیں ڈالے گا، البتہ قیامت والے دِن تمہارے عقائد و اعمال کے مطابق ہی بدلہ دے گا۔

درس ہشتم ۸ — آیت ۴۱ تا ۴۶

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ ج وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ
عَزِيزٌ ﴿٤١﴾ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ
خَلْفِهِ ط تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿٤٢﴾ مَا يُقَالُ لَكَ
إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ط إِنَّ رَبَّكَ
لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ﴿٤٣﴾ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ
قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ ط ءَأَعْجَمِيٌّ
وَعَرَبِيٌّ ط قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ ط
وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ ۵
عَمًى ط أُولَٰئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ ﴿٤٤﴾ ع ۱۲ ۱۹
وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ ط
وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ
بَيْنَهُمْ ط وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرِيبٍ ﴿٤٥﴾
مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ج وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ط
وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ﴿٤٦﴾

ترجمہ:- تحقیق وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا نصیحت کے
ساتھ جب کہ اُن کے پاس آگئی، اور بیشک وہ

البتہ ایک کتاب ہے محفوظ (۴۱) نہیں آسکتا اس کے
پاس باطل نہ آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے ۔ یہ
اُتاری ہوئی ہے حکمتوں اور تعریفوں والے پروردگار کی طرف
سے (۴۲) نہیں کہا جاتا آپ کے لیے مگر وہی کچھ
جو کہا گیا رسولوں کے لیے آپ سے پہلے ۔ بیشک آپ
کا پروردگا البتہ بخشش کرنے والا ، اور دردناک عذاب دینے
والا ہے (۴۳) اور اگر ہم بناتے اس قرآن کو عجمی زبان میں
تو یہ لوگ کہتے کہ کیوں نہیں تفصیل سے بیان کی گئیں اس
کی آیتیں ، کیا عجمی زبان اور عربی لوگ ؟ آپ کہہ دیجئے ، یہ اُن
لوگوں کے لیے ، جو ایمان لائے ہیں ، ہدایت اور شفا ہے
اور وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے ، ان کے کانوں میں بوجھ ہیں
اور یہ قرآن اُن کے لیے اندھاپن ہے یہی لوگ ہیں کہ اُن
کو پکارا جاتا ہے دور جگہ سے (۴۴) اور البتہ تحقیق ہم
نے دی موسیٰ علیہ السلام کو کتاب ، پس اختلاف کیا گیا
اس میں ، اور اگر پہلے کی ایک طے شدہ بات نہ ہوتی
تیرے پروردگار کی طرف سے تو البتہ فیصلہ کر دیا جاتا
اُن کے درمیان ۔ اور بے شک وہ البتہ شک میں ہیں
اس کی طرف سے جو تردد میں ڈالنے والا ہے (۴۵) جس
نے عمل کیا اچھا پس اپنے نفس کے لیے ۔ اور جس
نے برائی کی پس اُسی کے نفس پہ پڑے گا اس کا وبال
اور نہیں ہے تیرا پروردگار ذرہ بھر بھی ظلم کرنے والا
بندوں پر (۴۶)

ربطِ آیات گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے بعض عقلی دلائل پیش کیے اور واضح

کیا کہ سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اُس پروردگارِ عالم کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے۔ فرمایا اگر مشرک لوگ اپنے غرور و تکبر کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے تو اُس کی مقرب مخلوق ملائکہ موجود ہیں جو صبح و شام اس کی تسبیح تحمید بیان کرتے ہیں۔ پھر اللہ نے بعث بعد الموت کا مسئلہ ایک مثال کے ذریعے سمجھایا کہ جس طرح خشک زمین پر اللہ تعالیٰ بارش برسا کر اس کو ہرا بھرا کر دیتا ہے۔ یعنی مردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے۔ اسی طرح قیامت والے دن وہ مُردوں کو بھی زندہ کر کے اپنے سامنے کھڑا کرے گا، پھر حساب کتاب اور جزائے عمل کی منزل آئے گی اور ہر ایک کو اپنے کیے کا پھل چکھنا ہوگا۔ پھر اللہ نے دین میں الحاد اختیار کرنے والوں کو تنبیہ فرمائی اور انہیں اُن کے بُرے انجام سے ڈرایا۔

کتابِ الٰہی کی حفاظت

اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت، معاد اور قرآن کی حقانیت میں سے آج کے درس میں کتابِ الٰہی اور رسالت کا ذکر ہو رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِالذِّکْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ بے شک وہ لوگ جنہوں نے نصیحت کا انکار کیا جب کہ وہ اُن کے پاس آگئی۔ کفر کا لغوی معنی کسی چیز کو چھپا دینا اور اصطلاحی معنی اللہ کی ذات، اُس کی صفات، اُس کی کُتب، اس کے رسولوں اور قیامت کا انکار ہے اسی طرح ذکر کا لغوی معنی نصیحت ہے۔ قرآنِ پاک بھی چونکہ ایک نصیحت ہی ہے لہٰذا یہاں پر ذکر سے مراد کتابِ الٰہی ہے۔ فرمایا جو لوگ کتابِ الٰہی کا انکار کرتے ہیں جبکہ وہ اُن کے پاس آگئی وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ حالانکہ یہ ایک محفوظ کتاب ہے عزیز کا لفظی معنی غلبے والا ہونا ہے جب کہ اس مقام پر محفوظ مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر-۹) اس ذکر یعنی قرآن کو ہم نے ہی نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ بہرحال اللہ نے فرمایا کہ یہ ایک محفوظ کتاب ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ کہ اس میں باطل دخل اندازی نہیں کر سکتا یعنی اس میں کوئی تغیر و تبدل یا کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ جب اس کتاب کو جبریل لے کر نازل ہوتے تھے۔ تو راستے میں

پہرے بٹھا دیے جاتے تھے تاکہ جنات اور شیاطین کوئی دخل اندازی نہ کر سکیں۔ ان میں سے جو بھی آگے بڑھنے کی کوشش کرتا اُس پر شہاب پھینکے جاتے۔ پھر یہ قرآن حکیم رب العالمین نے روح الامین کے ذریعے عَلٰی قَلْبِكَ (الشعراء۔۱۹۴) حضور علیہ السلام کے قلب مبارک پر نازل فرمایا، اور ذمہ لیا سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى (الاعلیٰ۔۶) کہ ہم آپ کو پڑھائیں گے اور آپ بھول نہیں سکیں گے۔ نیز فرمایا اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ (القیٰمۃ۔۱۷) اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمے ہے۔ ہاں اگر ہم خود کسی آیت کو منسوخ کر دیں یا بھلا دیں تو یہ الگ بات ہے نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا (البقرہ۔۱۰۶) ایسی صورت میں ہم اُس سے بہتر یا کم از کم اُس جیسی دوسری آیت لے آئیں گے، پھر نزول کے بعد اس کی تفہیم اور آگے تبلیغ کی ذمہ داری بھی اللہ نے اٹھا رکھی ہے۔ غرضیکہ یہ ایک مکمل طور پر محفوظ کتاب ہے جس میں باطل دخیل نہیں ہو سکتا مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ نہ اُس کے آگے کی طرف سے اور نہ پیچھے کی طرف سے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں آگے پیچھے سے عدم مداخلت کا مطلب یہ ہے کہ اس میں مطلقاً کسی قسم کی مداخلت نہیں ہو سکتی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہا جائے کہ رات اور دن میں فلاں کام ممکن نہیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ مذکورہ کام کسی بھی وقت نہیں کیا جا سکتا۔ یا مثلاً سورۃ الملک میں سات آسمانوں کی تخلیق کا ذکر کر کے فرمایا کہ آپ خدائے رحمان کی تخلیق میں کوئی تفاوت نہیں پائیں گے ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ (آیت۔۴) اگرچہ آپ اپنی نگاہ کو دو دفعہ اٹھا کر دیکھ لیں۔ تو یہاں بھی كَرَّتَيْنِ کا مطلب صرف دو دفعہ نہیں بلکہ بار بار مراد ہے۔ ہزار دفعہ بھی آسمان کی طرف دیکھیں گے تو اس میں کوئی نقص نہیں پائیں گے بہرحال آگے اور پیچھے سے حفاظت کا مطلب مکمل حفاظت ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ اِس کے آگے سے مراد یہ ہے کہ قرآن حکیم کے نزول سے پہلے جتنی کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے ہیں اُن کے حوالے سے اس کتاب میں

کوئی غلط بات ثابت نہیں کی جا سکتی بلکہ یہ تو خود سابقہ کتب کی تصدیق کرتی ہے اور اس کے پیچھے سے یہ مراد ہے کہ اب اس کے بعد نہ کوئی کتاب آئیگی ، نہ کوئی شریعت اور نہ احکام جو اس کتاب کے کسی حکم یا آیت کو منسوخ کر دے۔ یہ اللہ کا آخری پیغام ہے، اس کے بعد کوئی نیا حکم اور نئی کتاب نہیں آئے گی، اور نہ اس میں کسی قسم کی ترمیم و تنسیخ ہو سکے گی۔ اسی لیے تو اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر اس کتاب پر ایمان نہیں لاؤ گے۔ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ (المرسلٰت) تو پھر اس کے بعد کس چیز پر ایمان لاؤ گے، اس کے بعد تو کوئی کتاب نہیں آئیگی۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آگے سے عدم مداخلت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم میں سابقہ اقوام کے جو حالات بیان کیے گئے ہیں۔ کوئی شخص اُن کو باطل ثابت نہیں کر سکتا۔ اور پیچھے سے یہ مراد ہے کہ اس کتاب میں جو آئندہ کے لیے پیشین گوئیاں کی گئی ہیں اُن میں بھی کوئی باطل یا خلاف واقعہ بات ثابت نہیں ہو سکے گی۔

فرمایا تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ یہ کتاب حکمتوں والے اور تعریفوں والے پروردگار کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت اور اس کتاب کی حفاظت کا انتظام ہے کہ جب بھی کسی نے اس کتاب میں مداخلت کی کوشش کی، اللہ تعالیٰ نے اُس کے مقابلے میں دوسرے لوگوں کو کھڑا کر دیا۔ جنہوں نے متعلقہ خرابی کی نشاندہی کر کے اس ناپاک جسارت کو ناکام بنا دیا۔ چنانچہ اب نہ تو اس کے الفاظ کو بدلا جا سکتا ہے۔ اور نہ اُن معانی اور مطالب کو تبدیل کیا جا سکتا ہے جو حضور علیہ السلام، صحابہ کرامؓ اور اصحاب خیر القرون سے ثابت ہیں اس سلسلہ میں جس نے بھی کوئی مذموم کوشش کی اُس نے منہ کی کھائی۔ اللہ نے حفاظت کتاب کا یہ ذمہ قیامت تک کے لیے اٹھا رکھا ہے۔ وہ مالک الملک بلاشبہ تعریفوں اور ستائشوں کے لائق ہے جس نے اپنی کمال حکمت سے یہ سارا انتظام فرما دیا ہے۔

طعنہ زنی پر صبر کی تلقین

آگے تسلی کا مضمون آرہا ہے مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ نہیں کہا گیا آپ سے مگر وہی کچھ جو آپ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا۔ سابقہ اقوام نے بھی اپنے اپنے رسولوں کو شاعر، کاہن، کذاب اور مفتری وغیرہ کہا، اور آپ کی قوم بھی آپ سے یہی کچھ کہتی ہے۔ یہ منکرین کا پرانا طریقہ ہے لہٰذا آپ دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں جو خود ان سے نپٹ لے گا۔ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ بے شک آپ کا پروردگار بخشش کرنے والا ہے۔ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ اور دردناک سزا دینے والا بھی ہے۔ جو لوگ اس سے معاصی کی معافی طلب کر لیتے ہیں اور آئندہ کے لیے صحیح راستہ اختیار کر لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی سابقہ کوتاہیوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ اور جو لوگ ضد، عناد اور تعصب پر اڑے رہتے ہیں اُن کو سزا بھی دے گا۔ بہرحال جیسی پریشانیاں اور تکلیفیں پہلے انبیاء کو آئیں وہی آپ کو بھی آرہی ہیں، آپ ان پر صبر و تحمل کا مظاہرہ کریں اور نتیجہ اللہ کی طرف سونپ دیں۔

قرآن در عربی زبان

اس سورۃ کے آغاز میں بیان ہو چکا ہے کہ قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور یہ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (آیت - ۳) قرآن پاک سمجھدار لوگوں کے لیے عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ ہے وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ابراہیم - ۴) ہم نے ہر رسول اُس کی قوم کی زبان میں بھیجا ہے تاکہ وہ احکامِ الٰہی کو وضاحت کے ساتھ بیان کر سکے۔ اگر نبی کی زبان قوم کی زبان سے مختلف ہوتی تو تبلیغ دین میں دقت پیش آتی۔ اس طرح اللہ نے جو بھی کتاب بھیجی ہے وہ اُس زبان میں نازل کی ہے جو اس نبی اور قوم کی زبان ہے۔ اس اصول کے تحت اللہ نے اپنا آخری کلام اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی اور آپکی قوم کی زبان عربی زبان میں نازل فرمایا۔ نزولِ قرآن کے زمانہ میں عربی زبان دنیا بھر میں فصیح و بلیغ اور ترقی یافتہ زبان مانی جاتی تھی۔ الہٰذا قرآن بھی اسی زبان میں نازل فرمایا

اور پھر ساتھ اتمامِ حجت کے طور پر فرمایا وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا اور اگر اس قرآن کو ہم عجمی یعنی غیر عربی زبان میں نازل فرماتے لَقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ تو یہ لوگ اعتراض کرتے کہ اس کی آیات کی تفصیل کیوں نہیں بیان کی گئی مطلب یہ کہ اگر قرآن ہماری اپنی عربی زبان میں ہوتا تو ہم اس کی تفصیلات کو آسانی سے جان سکتے۔ ان کا یہ اعتراض بجا ہوتا ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ کہ قرآن تو عجمی زبان میں ہے جب کہ ہم عربی لوگ ہیں۔ تو فرمایا کہ ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کر کے مفروضہ اعتراض کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ اب ان پر حجت تمام ہو چکی ہے اور یہ لوگ اس کتاب کی عدم تفہیم کا اعتراض پیش نہیں کر سکتے۔

قرآن کی اثر انگیزی

ارشاد ہوتا ہے قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ اے پیغمبر آپ ان سے کہہ دیں کہ یہ قرآن حکیم اہل ایمان کے لیے سراسر ہدایت اور شفا ہے جو لوگ اس کلام کو سمجھتے ہیں اور اس کی حقانیت پر یقین رکھتے ہیں ان کے لیے یہ راہ ہدایت کو واضح کرتا ہے اور ان کی تمام روحانی اور اخلاقی بیماریوں کے لیے نسخہ شفا بن جاتا ہے قرآن پاک شرک، کفر، الحاد، نفاق، بداخلاقی، حسد، کینہ اور بغض جیسی اخلاقی اور روحانی بیماریوں کو دور کرتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اس کے برخلاف جو لوگ اس پر یقین نہیں رکھتے فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ ان کے کانوں میں یہی قرآن بوجھ بن جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کی باتیں ان کے کانوں میں داخل ہی نہیں ہوتیں۔ ظاہر ہے کہ جو شخص کسی حقیقت کو سنے گا نہیں، وہ سمجھے گا کیسے اور اس پر عمل کیسے کرے گا؟ ایسے لوگوں کے کانوں کو اللہ نے قرآنی تعلیمات کے لیے بند کر دیا ہے وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى اور یہی قرآن ایسے لوگوں کے لیے اندھا پن ہے۔ انہیں اس کی کوئی اچھی بات نظر نہیں آتی لہٰذا وہ اس کو تسلیم کرتے اور اس پر عملدرآمد سے قاصر رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی مثال اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ گویا کہ وہ کسی دور کے مقام سے پکارے جا رہے ہوں۔ ان کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی شخص انہیں آواز تو دے رہا ہے۔ مگر اس کی

بات سمجھ میں نہیں آرہی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس مضمون کو سورۃ البقرہ میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ کافروں کی مثال اُس شخص کی ہے کَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً (آیت-۱۷۱) جو کسی ایسی چیز کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ نہ سن سکے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص کسی جانور کو آواز دے رہا ہے وہ تو اس کی زبان ہی نہیں سمجھتا، اُسے کیا پتہ کہ کوئی کیا کہہ رہا ہے اسی طرح قرآن کو تسلیم نہ کرنے والوں کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے کہ کوئی انہیں دُور سے پکار رہا ہے مگر اُن کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔

کتاب الٰہی میں اختلاف کا فیصلہ

اللہ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ قرآن پاک کے ساتھ ضد، عناد اور تعصب کا مظاہرہ کرتے ہیں تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں کیونکہ اس قسم کے عنادی ہمیشہ سے ایسا ہی کرتے ہیں وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ قرآن سے پہلے ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات جیسی عظیم الشان کتاب عطا فرمائی فَاخْتُلِفَ فِیْهِ مگر اس میں اختلاف کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جن لوگوں نے اُس کتاب کو تسلیم نہ کیا، وہ تباہ و برباد ہوئے بالکل اسی طرح جو لوگ اللہ کی آخری کتاب قرآن پر ایمان نہیں لاتے، وہ بھی ناکام رہیں گے۔ فرمایا وَلَوْلَا کَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ اگر ایک بات تیرے پروردگار کی طرف سے پہلے سے طے شدہ نہ ہوتی تو اُن کا فوراً فیصلہ کر دیا جاتا۔ اور اللہ کے نزدیک طے شدہ بات یہ ہے اِنَّ رَبَّکَ هُوَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا کَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ (السجدۃ-۲۵) جن چیزوں میں یہ لوگ اختلاف کرتے ہیں اُن کا فیصلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کر دے گا۔ یعنی اس دنیا میں کسی معاملے کا فیصلہ قطعی نہیں ہوتا بلکہ یہ آخرت میں ہو گا۔ فرمایا وَاِنَّهُمْ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ اور بیشک یہ لوگ قرآن پاک کی طرف سے تردد میں ڈالنے والے شک میں مبتلا ہیں۔ یہ اس کو کلام الٰہی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں، لہٰذا اس پر عمل پیرا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ نے فرمایا کہ اگر میرا یہ طے شدہ اصول نہ ہوتا کہ سب کا حتمی فیصلہ

قیامت کے دن ہوگا، تو ان بدبختوں کا فیصلہ اسی دُنیا میں کر کے اِن کو سزا میں مبتلا کر دیا جاتا۔

فرمایا مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ جس نے کوئی اچھا عمل کیا تو اُس نے اپنی جان کے بھلے کیا یعنی اس کا فائدہ خود اُسی کو ہوگا۔ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا اور جس نے کسی برائی کا ارتکاب کیا تو اس کا وبال اُسی پر پڑے گا۔ مطلب یہ کہ نہ کسی ایک کی نیکی دوسرے کو فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ کسی کی برائی دوسرے کے سر پہ تھونپی جائے گی۔ ہر شخص کو اس کے اعتقاد و عمل کے مطابق ہی بدلہ دیا جائے گا۔ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ اور تیرا پروردگار ہرگز بندوں پہ ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ وہ ہر معاملے کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرے گا۔ اور کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔

اِلَيۡهِ يُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَةِ‌ؕ وَمَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ
مِّنۡ اَكۡمَامِهَا وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰى وَلَا تَضَعُ
اِلَّا بِعِلۡمِهٖ‌ؕ وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ اَيۡنَ شُرَكَآءِىۡ ۙ
قَالُوۡۤا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنۡ شَهِيۡدٍ ﴿۴۷﴾ وَضَلَّ عَنۡهُمۡ
مَّا كَانُوۡا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ وَظَنُّوۡا مَا لَهُمۡ مِّنۡ
مَّحِيۡصٍ ﴿۴۸﴾ لَا يَسۡـَٔمُ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ دُعَآءِ الۡخَيۡرِ
وَاِنۡ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَــٴُوۡسٌ قَنُوۡطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَئِنۡ اَذَقۡنٰهُ
رَحۡمَةً مِّنَّا مِنۡۢ بَعۡدِ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُ لَيَقُوۡلَنَّ هٰذَا لِىۡ ۙ
وَمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنۡ رُّجِعۡتُ
اِلٰى رَبِّىۡۤ اِنَّ لِىۡ عِنۡدَهٗ لَـلۡحُسۡنٰى‌ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيۡنَ
كَفَرُوۡا بِمَا عَمِلُوۡا وَلَـنُذِيۡقَنَّهُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ
غَلِيۡظٍ ﴿۵۰﴾ وَاِذَاۤ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ
بِجَانِبِهٖ‌ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوۡ دُعَآءٍ عَرِيۡضٍ ﴿۵۱﴾
قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرۡتُمۡ
بِهٖ مَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ هُوَ فِىۡ شِقَاقٍۢ بَعِيۡدٍ ﴿۵۲﴾
سَنُرِيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا فِى الۡاٰفَاقِ وَفِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ
اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ
مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ
مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾

ع ۶ / ۱

ترجمہ :- اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے قیامت کا علم ۔ اور
نہیں کوئی پھل نکلتا اپنے غلاف سے ، اور نہیں کوئی عورت
اٹھاتی اپنے پیٹ میں اور نہیں وہ جنتی مگر اس کے علم
سے ۔ اور جس دن وہ پکارے گا ان کو (اور کہے گا)
کہاں ہیں میرے شریک ، تو یہ لوگ کہیں گے کہ ہم نے
آپ کو بتلا دیا ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی اس کا اقرار
نہیں کرتا ﴿۴۷﴾ اور گم ہو جائیں گے ان سے وہ جن کو
وہ بلاتے تھے اس سے پہلے ، اور وہ یقین کریں گے
کہ نہیں ہے ان کے لیے خلاصی کی کوئی جگہ ﴿۴۸﴾ نہیں
تھکتا انسان بھلائی کی دعا مانگنے سے ۔ اور اگر پہنچے اس کو
کوئی برائی تو وہ مایوس اور نا امید ہو جاتا ہے ﴿۴۹﴾ اور اگر
ہم چکھائیں اس کو مہربانی اپنی طرف سے تکلیف کے بعد
جو اس کو پہنچی تھی ، تو کہتا ہے کہ یہ میرے لیے ہے ،
اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت برپا ہونے والی ہے ۔ اور
اگر میں لوٹا دیا گیا اپنے رب کے پاس تو بے شک میرے
لیے اس کے پاس بھلائی ہو گی ۔ پس ہم بتلا دیں گے ان
لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا ، جو کچھ وہ عمل کرتے تھے ، اور
ہم چکھائیں گے ان کو سخت عذاب ﴿۵۰﴾ اور جب ہم

انسان پر انعام کرتے ہیں تو وہ اعراض کرتا ہے اور
پہلو تہی کرتا ہے اور جب پہنچتی ہے اُس کو کوئی تکلیف
تو لمبی چوڑی دُعا کرنے والا ہوتا ہے (۵۱) آپ کہہ
دیجئے، بھلا بتلاؤ اگر یہ اللہ کی جانب سے ہو، پھر
تم نے کفر کیا اس کے ساتھ، کون گمراہ ہے اُس سے
زیادہ جو مخالفت میں دُور جا پڑا ہے (۵۲) عنقریب ہم
دکھائیں گے اِن کو اپنی نشانیاں اطراف میں اور اُن کی
جانوں میں بھی یہاں تک کہ واضح ہو جائے گی اِن کے لیے
بات کہ وہی حق ہے۔ کیا کافی نہیں ہے یہ بات کہ تیرا
رب ہر چیز پر گواہ ہے (۵۳) آگاہ رہو، بیشک یہ لوگ
شک میں ہیں اپنے رب کی ملاقات سے آگاہ رہو بیشک
وہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے (۵۴)

ربطِ آیات

پہلے شرک کا رد کیا، کتاب اللہ کی حقانیت اور صداقت بیان کی کہ یہ ایک محفوظ کتاب ہے جو کہ منزل من اللہ ہے۔ اس میں ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے اور ایمان نہ لانے والوں کے لیے اندھاپن۔ اِس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی دور سے کسی کو آواز دے اور وہ اُس کی بات کچھ نہ سمجھ سکے۔ فرمایا آپ سے پہلے ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی، مگر لوگوں نے اُس میں بھی اختلاف کیا۔ اسی طرح یہ لوگ قرآن کریم کے بارے میں بھی اختلاف کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بات طے نہ ہوتی، کہ ہر شخص کے عقیدے و عمل کا قطعی فیصلہ قیامت کے دن ہونا ہے تو پھر اِن نابکاروں کا ابھی فیصلہ کر دیا جاتا اور اِن کو اپنی غلط کمائی کا یہیں بدلہ مل جاتا۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا۔

علم محیط کا مالک

اکثر لوگ حضور علیہ السلام سے وقوعِ قیامت کے متعلق دریافت کرتے تھے جس کے جواب میں فرمایا اِلَیۡہِ یُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَۃِ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ

ہی کی طرف لوٹا یا جاتا ہے۔ اللہ نے وقوع قیامت کی تاریخ اور وقت کا علم کسی نبی ولی، فرشتے یا جن کو نہیں دیا۔ البتہ قیامت سے پہلے ظہور پذیر ہونے والی بہت سی نشانیوں کا ذکر اللہ نے اپنے انبیاء کے ساتھ ضرور کیا ہے۔

آگے دلائل توحید اور قدرت الٰہی بیان کرتے ہوئے فرمایا وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا اور کوئی پھل اپنے غلافوں یا ڈوڈیوں سے نہیں نکلتا، وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى اور نہ کوئی عورت پیٹ میں اٹھاتی ہے۔ وَلَا تَضَعُ اور نہ وہ جنتی ہے اِلَّا بِعِلْمِهٖ مگر اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ۔ مطلب یہ کہ درختوں میں پھلوں کا آنا اور عورت کا حمل اور وضع حمل سب اللہ کے علم میں ہوتا ہے وہ بیج بونے سے لے کر پھلوں کی برداشت تک اور حمل قرار پانے سے بچے کی پیدائش تک کے تمام مراحل کو صرف وہی جانتا ہے کیونکہ علم محیط کا مالک وہی ہے اگرچہ بچے کی پیدائش سے پہلے بعض سائنسی تجربات کی بناء پر بعض پیشین گوئیاں بھی کی جاسکتی ہیں مگر ٹھیک ٹھیک اور پورا پورا علم صرف اللہ کے پاس ہے مثلاً جدید سائنسی تحقیقات کے باوجود یہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ بچے کی پیدائش کا عین وقت کیا ہوگا، بچہ نیک ہوگا یا بد، خوش بخت ہوگا یا بدبخت، کتنی عمر پائے گا اور کیا اعمال انجام دے گا، وغیرہ وغیرہ یہ سب علوم اللہ کے پاس ہیں۔ علم محیط اس کے سوا کسی کے پاس نہیں۔

معبودانِ باطلہ کی گمشدگی

دنیا میں لوگ مختلف چیزوں کو معبود مان لیتے ہیں۔ کوئی شجر وحجر کو معبود مانتا ہے تو کوئی چاند سورج میں کرشمہ تسلیم کرتا ہے۔ کوئی زندوں سے حاجت برآری کرتا ہے تو کوئی مردوں کی قبروں کا طواف کرتا ہے۔ مگر اللہ نے فرمایا وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ قیامت والے دن وہ لوگوں کو پکار کر کہے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک جن کی تم دنیا میں پرستش کرتے تھے اور انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے۔ ان کو بلاؤ تاکہ آج وہ تمہاری مدد کریں، مگر لوگ مجبور ہو جائیں گے قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ کہیں گے پروردگار! ہم نے آپ کو بتلا دیا ہے کہ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ہم میں سے کوئی بھی اقرار نہیں کرتا کہ آج تیرے

سوا ہمیں کوئی بچا سکتا ہے یا ہماری مدد کر سکتا ہے۔ دُنیا میں تو ہر مشکل کا حل انہی معبودانِ باطلہ کے ساتھ وابستہ کرتے تھے مگر قیامت کو صاف کہہ دیں گے کہ آج بادشاہی صرف اللہ کی ہے، کسی دوسرے کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَدْعُونَ مِن قَبْلُ اور وہ سب معبودانِ باطلہ گم ہو جائیں گے جن کو یہ اپنی مشکلات میں پکارا کرتے تھے۔ اس وقت کوئی بھی اِن کی مدد کو نہیں پہنچے گا، اور یہ لوگ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے گرفتارِ بلا ہوں گے۔ وَظَنُّوا مَا لَهُم مِّن مَّحِيصٍ اور اِن کو یقین آجائے گا کہ آج عذابِ الٰہی سے خلاصی کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی۔

انسان کی بے صبری اور ناشکری

فرمایا دنیا میں انسان کا یہ حال ہے لَا يَسْأَمُ الْإِنسَانُ مِن دُعَاءِ الْخَيْرِ کہ وہ اپنے لیے بھلائی کی دُعا کرتے ہوئے تھکتا نہیں اور ہر وقت اپنے لیے بہتری مانگتا رہتا ہے۔ وَإِن مَّسَّهُ الشَّرُّ پھر اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے۔ فَيَئُوسٌ قَنُوطٌ تو مایوس ہو کر نا اُمید ہو جاتا ہے۔ کہتا ہے کہ اللہ نے میرے مقدر میں مصائب ہی لکھ رکھے ہیں اور وہ اپنے مالکِ حقیقی کا گلہ شکوہ کرنے لگتا ہے۔ فرمایا اس کے برخلاف وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِن بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ اگر ہم اُس کو اپنی مہربانی کا مزا چکھائیں اُس تکلیف کے بعد جو اُس کو پہنچی تھی لَيَقُولَنَّ هَٰذَا لِي تو کہتا ہے کہ میرے لیے یہی مناسب حال ہے یعنی مجھے یہ نعمت میرے علم، ہنر اور استعداد کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ اچھائی برائی ہے وہ اسی دنیا تک محدود ہے وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت برپا ہونے والی ہے۔ کوئی قیامت نہیں، نہ کوئی حساب کتاب ہے اور نہ جزائے عمل واقع ہوگی۔ اور اس طرح وہ گویا قیامت کا ہی انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر بفرضِ محال قیامت واقع بھی ہو گئی وَلَئِن رُّجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي اور میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹا دیا گیا إِنَّ لِي عِندَهُ لَلْحُسْنَىٰ ج تو وہاں بھی میرے لیے بہتری ہی ہوگی۔ جس طرح اس دنیا میں عیش و آرام کی زندگی

بسر کر رہا ہوں۔ اسی طرح آخرت میں بھی مجھے ہر طرح کی سہولت حاصل ہوگی۔ یہ انسان کی ناشکری اور بے صبری کا حال بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا عَمِلُوا پس ہم کافروں کو ان کے کردہ اعمال کے متعلق آگاہ کر دیں گے اور تبلادیں گے کہ وہ دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے۔ وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ اور ہم انہیں سخت عذاب کا مزا ضرور چکھائیں گے۔ حضرت حسنؒ سے منقول ہے کہ انسان عجیب قسم کی مخلوق ہے۔ جب یہ دنیا میں خوشحالی کی زندگی بسر کر رہا ہوتا ہے تو بڑی ڈینگیں مارتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے آخرت میں بھی اسی طرح کی آسودگی اور عیش و عشرت حاصل ہوگی۔ مگر صحیح صورتحال اس وقت سامنے آئے گی۔ جب قیامت برپا ہوگی اور منکر آدمی بصد افسوس کہے گا يٰلَيْتَنِي كُنْتُ تُرٰبًا (النباء۔ ۴۰) کاش کہ میں انسان کی بجائے مٹی ہوتا تاکہ محاسبۂ اعمال سے بچ جاتا۔

انسان کی دورخی

فرمایا انسان کی عمومی فطرت یہ ہے وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ کہ جب ہم اس پر انعام کرتے ہیں أَعْرَضَ وَنَا بِجَانِبِهِ تو اعراض اور پہلو تہی کرتا ہے یعنی نعمت ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی بجائے اس نعمت کی ناقدری کرتا ہے۔ اس کے برخلاف وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے فَذُو دُعَاءٍ عَرِيضٍ تو پھر لمبی لمبی دعائیں مانگنے لگتا ہے۔ انسانی فطرت کے یہ دو رخ اللہ نے بیان کیے ہیں کہ جب وہ خوشحال اور آسودہ حال ہوتا ہے تو اپنے مالک کی طرف سے منہ پھیر لیتا ہے اور اس کو بھولے سے بھی کبھی یاد نہیں کرتا اور جب کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے تو مشکل کشائی کے لیے لمبے ہاتھ کر کے دعائیں مانگتا ہے۔ اس بات کو اللہ نے سورۃ بنی اسرائیل میں اس طرح ذکر کیا ہے وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا (آیت۔ ۶۷) جب تمہیں سمندر میں کوئی مشکل پیش آتی ہے تو اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ گم ہو جاتے ہیں۔ اور جب وہ خشکی

کی طرف نجات دے دیتا ہے تو تم منہ پھیر لیتے ہو۔ بیشک انسان بڑا ہی ناشکرگزار ہے
اس آیت کریمہ میں تکلیف کے وقت لمبی دُعا کو مذمت کے انداز میں بیان کیا گیا ہے حالانکہ دُعا عبادت کا مغز ہے اور یہ انسان سے مطلوب ہے۔ انسان تکلیف کے وقت جتنی بھی عجز و انکساری کے ساتھ دعائیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔ مگر اس مقام پر دُعا کی اس لیے حوصلہ شکنی کی گئی ہے کہ اس کے ساتھ اعراض اور پہلوتہی کی آمیزش ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ خوشحالی آتی ہے تو انسان اپنے خالق و مالک کی طرف توجہ ہی نہیں دیتا اور جب تکلیف آتی ہے تو گڑگڑا کر دعائیں کرنے لگتا ہے اگر آسودگی کے وقت بھی انسان اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو قائم رکھے تو پھر وہ جب بھی دُعا کرے گا، اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔ دُعا بہرحال ایک اچھی چیز ہے۔
آگے پھر اللہ نے قرآن کی حقانیت کو دوسرے طریقے سے سمجھایا ہے۔
قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ اے پیغمبر! آپ ان کفار سے کہہ دیں کہ اگر یہ قرآن واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور تم اس کا انکار کردو مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِیْ شِقَاقٍۢ بَعِیْدٍ تو اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو مخالفت میں دور جا پڑا۔ مطلب یہ ہے کہ اے منکرین توحید و قرآن ذرا اس بات پر غور کرو کہ اگر اللہ کے ہاں جاکر یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ قرآن واقعی منجانب اللہ ہے تو پھر تمہاری گمراہی کا کیا بنے گا۔ اس موقع پر تمہاری اس گمراہی کا کوئی ازالہ نہیں ہو سکے گا۔ تو تم عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ لہٰذا اس بات میں اچھی طرح غور و فکر کر لو۔

آفاقی اور اندرونی نشانیاں

ارشاد ہوتا ہے سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے آفاق میں بھی یعنی بیرونی دنیا میں اور اندرونی طور پر ان کی اپنی جانوں میں بھی۔ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ جو کچھ اللہ نے نازل فرمایا ہے یہی برحق ہے۔ بیرونی دنیا میں اللہ کی قدرت کی بے شمار نشانیاں ہیں جنہیں لوگ ہر روز

مشاہدہ کرتے ہیں۔ سورج، چاند، ستارے، زمین، ہوائیں، پہاڑ، اشجار، نباتات حیوانات وغیرہ سب نشاناتِ قدرت ہیں۔ کبھی خوشحالی آجاتی ہے۔ کبھی قحط سالی، کبھی طوفان، زلزلہ یا سیلاب آجاتا ہے۔ یہ سب خدا تعالیٰ کی قدرتِ تامہ کے دلائل ہیں۔ اگر انسان ذرا بھی غور کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ آخر اس کارخانہ کائنات کو ایک مقررہ نظام کے تحت کون چلا رہا ہے۔ اسی سے اللہ کی وحدانیت سمجھ میں آ سکتی ہے، اور وقوعِ قیامت سے متعلق شبہ بھی دُور ہو سکتا ہے۔

جہاں تک انسان کی اندرونی نشانیوں کا تعلق ہے تو سب سے پہلے اسے اپنی تخلیق پر غور کرنا چاہیئے کہ کس طرح اللہ نے ایک حقیرہ قطرۂ آب سے اُس کو پیدا فرمایا، اُس میں روح اور نفس ناطقہ جیسی کمال چیزیں رکھیں، عقل، حواس ظاہرہ اور باطنہ سے انسانی جسم کو مزین کیا، اس کے جوڑ اور ہر ہر عضو کو نہایت عمدگی اور خوبصورتی کے ساتھ جسم کا حصہ بنایا۔ دنیا کی کوئی مصنوعی مشینری اتنی پائیدار نہیں ہو سکتی۔ جتنی پائیدار مشینری اللہ نے انسانی جسم کی بنائی ہے۔ دنیا کی ہر مشین کو تیل اور گریس دینا پڑتی ہے۔ بعض پرزہ جات کمزور ہو جاتے ہیں، گھس جاتے ہیں تو اُن کو بدلنا پڑتا ہے مگر اللہ کی تیار کردہ انسانی مشینری کو نہ تیل دینا پڑتا ہے اور نہ اس کے پرزہ جات تبدیل کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ماسوائے وقتی بیماری کے اللہ نے ہر انسانی مشین کی جتنی عمر مقرر کر دی ہے۔ وہ اتنا عرصہ کام کرتی رہتی ہے اور پھر جب مقررہ وقت پورا ہو جاتا ہے تو یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔

نشاناتِ قدرت میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ نزولِ قرآن کے زمانے میں اہلِ ایمان کی حالت بہت کمزور تھی۔ پھر تھوڑے ہی عرصہ میں اللہ نے ان کو غلبہ عطا فرمایا اور پورے عرب پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی، پھر خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں یعنی صرف پچاس سال کے قلیل عرصہ میں اللہ نے نصف دنیا کو مسلمانوں کے زیرِ نگیں کر دیا۔ یہاں تک کہ بیرونی دنیا میں کسی قوم کو مسلمانوں کے ساتھ ٹکر لینے کی ہمت باقی نہ رہی تھی۔ یہ سب اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جن کے متعلق فرمایا کہ یہ نشانیاں ہم عنقریب ان

دشمنانِ اسلام کو دکھا دیں گے جس سے ان پر حق واضح ہو جائے گا۔ فرمایا اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا پروردگار ہر چیز پر نگران ہے۔ یعنی وہ ہر شئے پر حاضر ناظر اور گواہ ہے، کوئی چیز اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں، لہٰذا مشرک اور کافر لوگ اُس کے عتاب سے کیسے بچ سکتے ہیں؟

جزائے عمل میں تردد

پھر ارشاد ہوا اَلَآ اِنَّہُمْ فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّہِمْ آگاہ رہو کہ یہ لوگ اپنے پروردگار کی ملاقات سے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں ان کو ابھی تک یہ شبہ ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی ملنی ہے یا نہیں اور پھر حساب کتاب اور جزائے عمل کی منزل بھی آنے والی ہے یا نہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ مولوی ہمیں بلاوجہ قیامت کی ہولناکیوں اور آخرت کے دائمی عذاب سے ڈرا رہے ہیں ورنہ حقیقت میں ایسی کوئی چیز پیش آنے والی نہیں ہے۔ جب انسان مرکر مٹی میں منتشر ہو جائے گا تو پھر اس کے ذرات کو کون جمع کرے گا اور پھر کون اس کو زندہ کرے گا، یہ سب قصے کہانیاں ہیں۔

ایک موقع پر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ منبر پر وعظ فرما رہے تھے۔ آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اَلَآ اِنَّہُمْ .... الایۃ اور فرمایا کہ اس آیت کے مصداق دو قسم کے لوگ ہیں۔ جو شخص سرے سے آیت پر یقین ہی نہیں رکھتا وہ تو نافرمان ہے اور جو اس پر ایمان رکھتے ہوئے قیامت کے لیے تیاری نہیں کرتا، وہ بیوقوف ہے۔ لہٰذا جان لینا چاہیئے کہ قیامت بلاشبہ ضرور آنے والی ہے اور پھر حساب کتاب اور جزائے عمل کی منزل بھی لازماً آئے گی اور مجرم اُس کی گرفت سے بچ کر نہیں جا سکیں گے، کیونکہ اَلَآ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے۔ ہر چیز اس کے علم اور قبضۂ قدرت میں ہے لہٰذا وہ جب چاہے گا نافرمانوں کو پکڑ لے گا۔

سُورَةُ الشُّورَىٰ

مَكِّيَّة

سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ ثَلٰثٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰیَۃً وَّخَمْسُ رُکُوْعَاتٍ

سورۃ الشوریٰ مکی ہے اور یہ تریپن آیات اور اس کے پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

حٰمٓ ۝١ عٓسٓقٓ ۝٢ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٣
لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ
الْعَظِيْمُ ۝٤ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ
فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ
وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ
الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝٥ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ
اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ڮ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ
بِوَكِيْلٍ ۝٦

ترجمہ :۔ حٰمٓ ① عٓسٓقٓ ② اسی طرح وحی کرتا ہے
آپ کی طرف ، اور (اس نے وحی نازل کی ہے) اُن
لوگوں کی طرف جو آپ سے پہلے گزرے ہیں ۔ وہ

اللہ جو غالب اور حکمت والا ہے ③ اسی کے لیے
ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں
اور وہ بلندی اور عظمت والا ہے ④ قریب ہے
کہ آسمان پھٹ پڑیں اُوپر سے۔ اور فرشتے تسبیح بیان
کرتے ہیں اپنے رب کی تعریف کے ساتھ، اور بخشش
طلب کرتے ہیں ان کیلئے جو زمین میں ہیں آگاہ رہو بیشک اللہ تعالیٰ بخشش
کرنے والا اور نہایت مہربان ہے ⑤ وہ لوگ جنہوں
نے بنائے ہیں اُس کے سوا کارساز، اللہ ہی نگہبان ہے
اُن پر، اور آپ نہیں ہیں اُن کے ذمہ دار ⑥

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الشوریٰ ہے۔ اس کی آیت ۳۸ میں اہلِ ایمان کی باہمی مشاورت کا ذکر ہے اور اسی سے اس سورۃ کا نام اخذ کیا گیا ہے۔ یہ سورۃ مکی زندگی میں ہجرت سے پہلے قریبی دور میں پچھلی سورۃ حٰمٓ السجدۃ کے بعد نازل ہوئی۔ اس سورۃ کی ترپن ۵۳ آیات ہیں اور یہ پانچ رکوع پر مشتمل ہے۔ اس میں ۸۸۲ الفاظ اور ۳۵۸۸ حروف ہیں۔

مضامین سورۃ

یہ سورۃ مبارکہ بھی حوامیم سبعہ میں شامل ہے۔ اِن سورتوں کو قرآنِ کریم کا لب لباب کہا گیا ہے کیونکہ ان میں عام طور پر اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت، قرآن کی صداقت اور معاد ہی کا ذکر ہے، تاہم بعض ضمنی مسائل بھی آگئے ہیں۔ اگرچہ حوامیم میں مذکورہ چاروں بنیادی اصولوں کا ذکر ہے تاہم مختلف سورتوں میں مختلف مضامین پر خصوصی روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً گذشتہ سورۃ حٰمٓ السجدۃ میں توحید کے عقلی دلائل پر زیادہ زور دیا گیا تھا۔ اور اس سورۃ مبارکہ میں قرآن کریم کی حقانیت و صداقت اور اس کے وحی الٰہی ہونے کا زیادہ ذکر ہے۔ اس کے علاوہ دعوت الی القرآن بھی اس سورۃ کا موضوع ہے۔ پھر توحید باری تعالیٰ، شرک کا ردّ، اللہ کی صفات پہ ایمان اور اس کی نعمتوں اور حکمتوں کا تذکرہ ہے۔ کفار و مشرکین اور اہل کتاب کی طرف سے اہل ایمان کو سخت مخالفت کا سامنا تھا، لہٰذا اس سورۃ میں حضور علیہ السلام

اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون بھی آگیا ہے۔ دین کے بنیادی اصولوں میں معاد اور جزائے عمل کا پہلو بھی نمایاں ہے۔

اسی سورۃ مبارکہ میں دنیوی زندگی کی ضروریات کی تکمیل کے لیے دنیا کے اسباب کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا مگر ساتھ تنبیہ کی گئی ہے کہ انسان دنیا کی رونق میں اس قدر منہمک نہ ہو جائے کہ آخرت کو فراموش ہی کر دے بلکہ آخرت کی فکر کی بھی دعوت دی گئی ہے۔ اللہ نے اہل ایمان اور ان کے نیک اعمال کا ذکر کیا ہے اور اچھی جزا کی خوشخبری سنائی ہے۔ اور دوسری طرف کفار و مشرکین کے قبیح اعمال اور ان کے بُرے انجام کا ذکر بھی کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس سورۃ میں اللہ نے اجتماعیت، شورائیت اور خلافت کے اصول بھی بیان کیے ہیں۔

حروف مقطعات

باقی حوامیم سورتوں کی طرح اس سورۃ کا آغاز بھی حروفِ مقطعات سے کیا گیا ہے اور اس کی پہلی دو آیات انہی حروف پر مشتمل ہیں۔ حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ ۝ ان حروف سے متعلق مفسرین کرام کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض اسے سورۃ کا نام بتاتے ہیں یعنی اس سورۃ کا نام الشوریٰ کے علاوہ حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ ۝ بھی ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ حروف کسی مفہوم پر دلالت کرتے ہیں یہاں پر ان حروف کا مفہوم یہ ہے کہ "یہ سورۃ حکمت اور معارف پر مشتمل ہے"۔ چنانچہ یہ مفسرین فرماتے ہیں حَ سے حکمت اور مٓ سے معارف مراد ہے۔ اس طرح سٓ سے سورۃ، قٓ سے قرآن اور عٓ سے علم مراد ہے۔ جو شخص حکمت اور معارف کی ان باتوں کو پیشِ نظر رکھے گا۔ اس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبولیت حاصل ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ تمام حروفِ مقطعات میں اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ مثلاً یہاں پر حٓ سے مراد حلم کہ بردباری اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ مٓ سے مراد مجد ہے اور مجید اللہ کی صفت ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی بزرگی پر دلالت کرتی ہے اسی طرح عٓ کا اشارہ علم کی طرف سٓ کا سنا یعنی خدا کی بلندی کی طرف اور قٓ سے قدرتِ خداوندی مراد ہے۔ آپ

فرماتے ہیں کہ دراصل اللہ تعالیٰ نے اپنے حلم، مجد، علم، بلندی اور قدرت کی قسم اٹھا کر اگلی بات کی ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ ح سے وحی الٰہی مراد ہے اور م سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا مقام محمود جس پر آپ قیامت کے دن فائز ہوں گے۔ بعض نے ح سے حوضِ کوثر اور م سے ملک مراد لیا ہے۔ اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ (الشعراء۔ ۱۹۳۔۱۹۴) اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کا علم حضور علیہ السلام کے قلبِ مبارک پر بذریعہ وحی نازل فرمایا تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت کو امام ثعلبیؒ نے حضرت علیؓ کے حوالے سے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ان حروف سے قربِ قیامت میں پیش آنے والے فتنوں کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ ح سے حرق یعنی جلانا، م سے مہلکہ یعنی ہلاکت ع سے عذاب، س سے مسخ اور ق سے قذف کے اشارات ملتے ہیں۔ گویا قربِ قیامت میں آتش زدگی، ہلاکت، عذاب کا نزول، زمین میں دھنس جانا جیسے اکثر واقعات پیش آئیں گے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ان حروف کے قطعی معانی تو کوئی نہیں بیان کر سکتا کیونکہ نہ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی وضاحت کی ہے اور نہ حضور علیہ السلام سے تشریح منقول ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے جو بات مجھے کشفی یا ذوقی طور پر سمجھائی ہے وہ یہ ہے کہ یہ حروف مفصل مضامین کے مخففات ہوتے ہیں۔ جس طرح کوئی شخص بی۔ اے، ایم۔ اے یا پی ایچ ڈی سے جان لیتا ہے کہ یہ حروف کسی شخص کے علم و فن کی طرف دلالت کرتے ہیں یا جس طرح کوئی شخص قاضی، مفتی یا سلطان وغیرہ الفاظ سے وسیع حقیقت اخذ کر لیتا ہے، اسی طرح حروف مقطعات کے نیچے بھی سورۃ کا مکمل موضوع پایا جاتا ہے جو ان حروف سے ظاہر ہوتا ہے۔ گویا یہ حروف سورۃ کے تفصیلی مضامین کا نچوڑ ہوتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ

عالم بالا سے بعض حقائق اس مقدس جہان میں لوگوں کے باطل عقائد و اعمال سے ٹکراتے ہیں۔ باطل پرست لوگوں سے بحث مباحثہ ہوتا ہے جس کے نتیجے میں باطل عقاید و اعمال کا رد ہوتا ہے، تو شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اِن حروف سے اسی بات کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

تاہم عام مفسرین اور خصوصاً امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ زیادہ سلامتی والی بات یہ ہے کہ اِن حروف سے متعلق یہی عقیدہ رکھا جائے اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ بِذٰلِكَ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان سے کیا مراد ہے۔ اور اِن حروف سے جو بھی اللہ کی مراد ہے ہمارا اُس پر ایمان ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کو ہر چیز کا علم حاصل ہونا تو ممکن نہیں لہٰذا بعض چیزوں پر ایمان بالغیب ہی لانا پڑتا ہے۔ تو اِن حروف سے متعلق بھی ایمان بالغیب ہی ہونا چاہیئے کہ اِن کا جو بھی اللہ کے نزدیک مطلب ہے ہم اُس پر ایمان لاتے ہیں۔

یہ پانچ حروفِ مقطعات دو آیتوں میں سمو دیے گئے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ قرآن کریم کے ہر ہر حرف کی تلاوت پر دس دس نیکیاں حاصل ہوتی ہیں، لہٰذا جو شخص اِن پانچ حروف کی تلاوت کرتا ہے، اگرچہ وہ ان کا مفہوم نہیں سمجھتا مگر حضور کے فرمان کے مطابق وہ کم از کم پچاس نیکیوں کا مستحق تو ضرور بن جاتا ہے۔ اِن حروف کا بہرحال یہ فائدہ تو ضرور ہے۔

وحی الٰہی کا نزول

اِس سورۃ کا آغاز بھی اللہ نے وحی الٰہی کے بیان سے کیا ہے اور پھر سورۃ کے آخری حصے میں بھی زیادہ تر یہی مضمون ہے۔ وحی کا لغوی معنیٰ وہ مخفی اشارہ ہے جو تیزی کے ساتھ واقع ہو۔ چونکہ اللہ کا فرشتہ وحی کا القا نہایت تیزی کے ساتھ مخفی طور پر نبی کے قلب پر کرتا ہے، اس لیے اس کو وحی کہا جاتا ہے۔ نزولِ وحی کی کیفیت کو صاحبِ وحی کے علاوہ کوئی دوسرا شخص نہیں جان سکتا۔ وحی الٰہی بڑی مشکل اور بھاری چیز ہوتی ہے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ نزولِ وحی کے وقت ایک قسم کا انسلاخ ہوتا ہے یعنی صاحبِ وحی کی ذات مادیت یا بشریت سے نکل کر ملکیت کی طرف

لہ جلالین ص۴

چلی جاتی ہے۔ اور اس کا ربط اُس طرف ہو جاتا ہے۔ پھر فرشتہ عالمِ بالا سے کلامِ الٰہی لا کر نبی کے قلب میں ڈال دیتا ہے اور اس طرح وحی کا نزول عمل میں آتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کَذٰلِکَ یُوْحِیْٓ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ اللہُ تعالیٰ اسی طرح آپ کی طرف وحی بھیجتا ہے جس طرح آپ سے پہلے لوگوں کی طرف بھی بھیجتا رہا ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک آنے والے تمام انبیاء کی طرف اللہ نے وحی نازل فرمائی، کسی پر کم اور کسی پر زیادہ۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام پر اللہ نے اُن کی پوری زندگی میں صرف چار دفعہ وحی نازل فرمائی، بعض پر پچاس مرتبہ اور بعض پر چار سو مرتبہ۔ اللہ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس ہزار دفعہ وحی نازل فرمائی۔

عظمت خداوندی

ارشاد ہوتا ہے کہ وحی کو نازل کرنے والی وہ ذاتِ خداوندی ہے اَللہُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ جو کمالِ قدرت کا مالک اور حکمتوں والا ہے۔ وہ زبردست ہے۔ کہ تمام قوتیں اُس کے سامنے ہیچ ہیں اور وہ سب پر غالب ہے۔ اور حکیم بایں معنی کہ اُس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ فرمایا لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اسی کے لیے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں۔ ہر چیز کا خالق بھی وہ ہے اور مالک بھی وہی ہے۔ تمام بندے بھی اُسی کے ہیں اور سب پہ حکم بھی اُسی کا چلتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وہ باعتبار ذات وراء الوراء یعنی بہت بلند ہے حتیٰ کہ اُس کی ذات تک کسی مخلوق کی رسائی نہیں اور اپنی صفات کے اعتبار سے وہ بڑا عظمتوں والا ہے۔

تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ قریب ہے کہ اللہ کے جلال و عظمت کی وجہ سے اُوپر سے آسمان پھٹ پڑیں قرآن پاک میں اِس قسم کے الفاظ اُس موقع پر استعمال کیے ہیں۔ جہاں اُس کی ناراضگی جوش میں ہوتی ہے۔ مثلاً سورۃ مریم میں فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ خدائے رحمان نے بیٹا بنا لیا ہے یہ تو نہایت بُری بات ہے تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْہُ

وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا (آیت ۹۰) قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں اس بات سے کہ وہ کہتے ہیں خدا نے بیٹا بنا لیا ہے۔ ایسی باتوں سے خدا تعالیٰ سخت ناراض ہوتا ہے۔ مگر چونکہ وہ غفور اور رحیم بھی ہے اس لیے مہلت دیتا رہتا ہے اور پھر ایسے لوگوں کا مقررہ وقت پر ہی محاسبہ کرے گا۔

فرشتوں کی دعائیں

فرمایا وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ اور اللہ کے فرشتے تسبیح بیان کرتے ہیں اپنے پروردگار کی اس کی تعریف کے ساتھ۔ فرشتوں کی تسبیح و تحمید کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ آسمان پر ایک بالشت بھر جگہ بھی ایسی نہیں جہاں اللہ کا کوئی فرشتہ رکوع و سجود اور اس کی تسبیح و تحمید میں مصروف نہ ہو۔ فرشتے ہمیشہ اللہ کی عبادت کرتے رہتے ہیں وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ اور اہلِ زمین کے لیے بخشش کی دعائیں کرتے ہیں پچھلی سورۃ المؤمن میں موجود ہے کہ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (آیت ۷) حاملینِ عرش اور اس کے اردگرد والے فرشتے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اس کی تعریف کے ساتھ، اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اہلِ ایمان کے لیے بخشش طلب کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی غلطیوں کو معاف کر دے۔ سورۃ المؤمن میں صرف اہلِ ایمان کے لیے بخشش کی دعاؤں کا ذکر ہے۔ جب کہ آیت زیرِ درس میں زمین پر بسنے والے ہر شخص کے لیے بخشش عامہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ فرشتوں کی ان دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجرموں کی جلد گرفت نہیں کرتا اور انہیں مہلت دیتا رہتا ہے شاید کہ باز آجائیں اور خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان تو یہ ہے کہ اگر وہ فوراً ہی گرفت کرتا تو زمین پر چلنے پھرنے والی کوئی چیز نظر نہ آتی۔ فرمایا اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ آگاہ رہو کہ بیشک اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور از حد مہربان ہے۔ وہ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے جو فرشتوں کی دعاؤں

کو قبول کر کے اپنے بندوں کی خطائیں معاف کرتا رہتا ہے اور کافروں اور نافرمانوں کو ایک مقررہ مدت تک مہلت دیتا رہتا ہے۔

غیر اللہ سے کارسازی کی امید

ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو کارساز بنالیا ہے اَللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ اللہ تعالیٰ ہی ان پر نگران ہے، وہی اُن کے رازوں کو جانتا ہے اور وہی اُن سے انتقام لینے والا ہے۔ فرمایا وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ اے پیغمبر! آپ اُن کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ آپ کا کام تو پیغامِ الٰہی کو پہنچا دینا ہے۔ بات سمجھا دینا اور اس کے ساتھ خیر خواہی کا سلوک کرنا ہے۔ اُن کے اعمال کی حفاظت کرنا اور پھر بُرے اعمال پر گرفت کرنا آپ کا کام نہیں ہے۔ اس دنیا میں اللہ اُن کے کاموں سے واقف ہے وہ قیامت والے دن بھی اُن کو سامنے لا کھڑا کرے گا، پھر حساب کتاب اور جزائے عمل کی منزل آئیگی اور ٹھیک ٹھیک فیصلے ہونگے۔ آپ اپنا کام کرتے جائیں اور اِن کا معاملہ اللہ کو سونپ دیں۔ وقت آنے پر وہ خود ہی ان سے باز پرس کرے گا۔ انہوں نے غیر اللہ کو کارساز بنا کر اللہ کی غیرت کو چیلنج کیا ہے اللہ تعالیٰ خود اِن سے نپٹ لے گا۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ
الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ
فِيْهِ ؕ فَرِيْقٌ فِى الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِى السَّعِيْرِ ﴿٧﴾ وَلَوْ
شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ
مَنْ يَّشَآءُ فِىْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ
وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٨﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۚ
فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِىُّ وَهُوَ يُحْىِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ
ع ٩ ٢ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٩﴾ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَىْءٍ
فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّىْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖۚ
وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿١٠﴾ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ
اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَىْءٌ ۚ
وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿١١﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ
اِنَّهٗ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٢﴾

ترجمہ:- اور اسی طریقے سے ہم نے وحی اُتاری آپ کی طرف قرآن عربی زبان میں تاکہ آپ ڈرسنائیں ام القریٰ اور اس کے اردگرد والوں کو، اور آپ ڈرا دیں جمع ہونے والے دن سے جس میں کوئی شک نہیں ایک فریق جنت میں اور دوسرا فریق بھڑکتی ہوئی آگ میں ہو گا (۷) اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو کر دیتا اُن کو ایک ہی امت، لیکن وہ داخل کرتا ہے جس کو چاہے اپنی رحمت میں، اور ظلم کرنے والوں کے لیے نہیں ہو گا کوئی ساتھی اور نہ کوئی مددگار (۸) کیا بنا لیے ہیں ان لوگوں نے اس کے سوا کارساز ؟ پس اللہ ہی کارساز ہے، اور وہی زندہ کرتا ہے مردوں کو، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے (۹) اور جس بات میں تم اختلاف کرو، پس اس کا حکم اللہ کی طرف ہے یہ ہے اللہ میرا پروردگار، اسی پر میں بھروسہ رکھتا ہوں، اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں (۱۰) بنانے والا ہے آسمانوں اور زمین کا، اس نے بنائے ہیں تمھارے لیے تمھاری جانوں میں سے جوڑے اور مویشیوں میں سے بھی جوڑے، پھیلاتا ہے تمھیں اس میں۔ نہیں ہے اُس کی مثل کوئی چیز، وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے (۱۱) اسی کے پاس ہیں چابیاں آسمانوں کی اور زمین کی۔ کشادہ کرتا ہے روزی جس کے لیے چاہے اور تنگ کر دیتا ہے۔ بیشک وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے (۱۲)

وحی الٰہی کی حقانیت

وحی الٰہی پر ایمان لانا دین کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔ سورۃ ہٰذا کی ابتدا بھی وحی الٰہی کی حقانیت سے ہوئی جیساکہ گذشتہ درس میں فرمایا

كَذٰلِكَ يُوْحِىٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ اسی طرح ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف جیساکہ وحی بھیجی آپ سے پہلے لوگوں کی طرف۔ اور اب اس درس کا آغاز بھی وحی الٰہی کی حقانیت سے ہو رہا ہے، البتہ سابقہ درس کی نسبت وحی الٰہی کا ذکر اس مقام پر قدرے تفصیل سے ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا اور اسی طرح ہم نے وحی نازل کی ہے آپ کی طرف ایک قرآن جو عربی زبان میں ہے۔ قرآن پاک میں وحی الٰہی اور دوسرے بنیادی عقائد کا تذکرہ بار بار آرہا ہے تاکہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہوجائے گذشتہ درس میں وحی الٰہی کا ذکر سابقہ انبیاء کے تسلسل میں کیا گیا تھا۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسٰی علیہ السلام تک تمام انبیاء پر کم و بیش وحی کا نزول ہوتا رہا ہے اور اب یہ بات واضح کی جارہی ہے کہ ہر وحی کا نزول نبی کی قومی زبان میں ہوتا ہے۔ چنانچہ سورۃ ابراہیم میں موجود ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (آیت۔ ۴) ہم نے ہر رسول کو اُس کی قومی زبان میں بھیجا تاکہ وہ اپنی قوم کو بات اچھی طرح واضح کر سکے۔ جب نبی اور قوم کی زبان ایک ہوگئی تو لامحالہ وحی الٰہی بھی اُسی زبان میں نازل ہوگی۔ اسی لئے فرمایا کہ ہم نے آپ کی طرف وحی کی قرآن پاک جو کہ آپ کی قومی زبان عربی میں ہے۔

جزائے عمل کیوں ضروری ہے؟

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ انسان کے لیے جزائے عمل کا واقع ہونا چار وجوہات کی بناء پر ضروری ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ انسان کی تخلیق، فطرت اور اس کے قوائے ظاہرہ و باطنہ چاہتے ہیں کہ اس کو عمل کا بدلہ ضرور ملنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں ملکیت اور بہیمیت دونوں قسم کی قوتیں ودیعت کی ہیں۔ اور انسان ذاتی طور پر چاہتا ہے کہ اس کی ملکیت اس کی بہیمیت پر غالب رہے تاکہ اسکے حالات فطرت کے مطابق درست رہیں۔ اس کے برخلاف اگر بہیمیت ملکیت پر غالب آگئی تو اس کا نتیجہ الٹ نکلے گا۔ اب ملکیت کو غالب رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان میں ایسے امور کی انجام دہی کے لیے طہارت یعنی پاکیزگی پائی جائے۔ اگر

نجاست والے کام کرے گا، خواہ وہ ظاہری نجاست ہو یا روحانی، تو اس سے اس کا مزاج بگڑ جائے گا۔ علاوہ ازیں ملکیت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ انسان اخبات یعنی عاجزی کو اختیار کرے، اگر غرور و تکبر میں پھنس گیا تو ناکام ہو جائے گا۔ انسان کے لیے تیسری خصلت سماحت بھی ہونی چاہیئے یعنی وہ فیاض اور نرم دل ہو، اور خود غرضی اور خساست سے پرہیز کرتا ہو، اور چوتھی صفت یہ ہے کہ انسان میں عدل پایا جائے یعنی وہ ظلم و جور کی خصلت سے پاک ہو۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انسان میں ملکیت کے غلبہ کے لیے اسمیں مذکورہ چار صفات یعنی طہارت، اخبات، سماحت اور عدل کا ہونا ضروری ہے ورنہ اس کا مزاج بگڑ کر بہیمیت کی طرف چلا جائے گا۔ شاہ صاحبؒ مثال کے طور پر سمجھاتے ہیں کہ گھاس خور جانور بھیڑ بکری، گائے، اونٹ وغیرہ جب تک گھاس اور چارہ کھاتے رہیں گے ان کا مزاج درست رہیگا۔ اور جب یہ گوشت کھانے لگیں گے تو ان کا مزاج بگڑ جائے گا۔ اسی طرح انسانی فطرت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ ایسے کام انجام دے جس سے اس میں ملکیت کا عنصر بہیمیت کے عنصر پر غالب رہے۔ غرضیکہ جزائے عمل کی پہلی وجہ تو خود فطرتِ انسانی کا تقاضا ہے کہ یہ ضرور واقع ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اس کے بعد انسان کے اچھے اور برے اعمال میں تمیز بے معنی ہو جاتی ہے۔

جزائے عمل کے واقع ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ کی مقرب مخلوق یعنی ملاء اعلیٰ کے فرشتے ہر انسان کے لیے دعا یا بددعا کرتے ہیں۔ جو انسان اچھے اعمال انجام دیتے ہیں تو فرشتے اُن کے حق میں بخشش کی دعائیں کرتے ہیں۔ سورۃ المؤمن کے پہلے رکوع میں خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ حاملین عرش اور اس کے اردگرد حلقہ باندھنے والے فرشتے اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید بیان کرتے ہیں، اس کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا اور اہل ایمان کیلئے بخشش کی دعائیں کرتے ہیں۔ جب اللہ کے بندے ایمان لانے کے بعد نیک اعمال انجام دیتے ہیں تو فرشتوں سے خوشی کی شعاعیں نکلتی ہیں۔ جو ایک طرف تو اس نیک آدمی پر پڑتی

ہیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی جاتی ہیں۔ اور اگر کوئی آدمی برے کام کرتا ہے تو فرشتوں سے غضب کی شعاعیں اٹھتی ہیں اور ان کے مونہوں سے بددعائیں نکلتی ہیں۔ تو اس دُعا یا بد دعا کا نتیجہ بھی جزائے عمل کی صورت میں نکلنا ضروری ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور انبیاء علیہم السلام پر شرائع نازل فرمائے ہیں اور انسانوں کو اُن کی پابندی کا حکم دیا ہے۔ اِن شرائع کا تقاضا بھی ہے کہ جزائے عمل ضرور واقع ہو تاکہ شرائع کی پابندی کرنے والوں کو اچھا صلہ اور ان کی مخالفت کرنے والوں کو سزا ملے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ اللہ کا فرمان ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء ۔ ۶۴) ہم نے ہر رسول کو اس لیے بھیجا تاکہ لوگ اس کی پیروی کریں اب اگر کوئی شخص اپنے نبی کی پیروی کرتا ہے اور کوئی نہیں کرتا، تو وہ برابر نہیں ہو سکتے لہٰذا بعثتِ انبیاء علیہم السلام کا تقاضا بھی ہے کہ اطاعت کنندہ کو جزا اور منکر کو سزا دی جائے اور یہی جزائے عمل ہے۔

تبلیغ قرآن کے ذرائع

جزائے عمل کے دِن سزا سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ احکامِ الٰہی پر عمل کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے احکام اور شرائع اپنے انبیاء کے واسطے سے لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ ہر نبی پورے طریقے سے حقِ تبلیغ ادا کرتا ہے اور پھر اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص ایمان کو قبول نہیں کرتا تو وہ سزا کا مستحق بن جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل ۱۵) ہم کسی قوم کو سزا نہیں دیتے جب تک کہ اُس کے پاس اپنا رسول نہ بھیج لیں۔ اور نبی اپنی قومی زبان میں کلام کرتا ہے۔ اگر نبی کی زبان قوم کی زبان سے مختلف ہو تو پھر اعتراض آئے گا۔ کہ ہم اللہ کے احکام کو اچھی طرح سمجھ نہیں پائے۔ یہ اعتراض گذشتہ سورۃ حٰمٓ السجدۃ میں بھی ذکر ہو چکا ہے کہ اگر ہم اِس قرآن کو غیر عربی زبان میں نازل کرتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیتیں ہماری زبان میں کیوں نہیں بیان کی گئیں۔ کیا خوب ہے ءَ اَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ (آیت ۔ ۴۴) کہ قرآن عجمی زبان میں ہے

جب کہ ہم عربی بولنے والے ہیں۔ الغرض! تبلیغ قرآن کا ایک ذریعہ تو عربی زبان ہے۔ جو اس کے اولین مخاطبین کی زبان ہے۔ انہوں نے پہلے خود اس کو سمجھا اور پھر آگے دوسروں تک پہنچایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے یہ قرآن عربی زبان میں نازل فرمایا ہے لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا تاکہ آپ ڈرا دیں بستیوں کی جڑ یعنی مکہ مکرمہ اور اس کے ارد گرد والوں کو۔ چونکہ آپ عربوں کی طرف اُنھی زبان میں مبعوث ہوئے، اس لحاظ سے آپ قومی نبی ہیں قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف۔ ۱۵۸) اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ اے دنیا جہان کے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ گویا اس لحاظ سے آپ بین الاقوامی نبی بھی ہیں مگر آپ کی یہ حیثیت آپ کی اپنی قوم یعنی عربوں کے واسطہ سے ہوگی سب سے پہلے آپ نے اپنی قوم کو دین کا علم سکھایا اور پھر انہوں نے آگے دنیا میں اس کو پہنچایا۔ اللہ نے فرمایا کہ اے لوگو! ہم نے تمھیں امت معتدل بنایا ہے لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرہ۔ ۱۴۳) تاکہ تم تمام دنیا کے معلم بن جاؤ اور اللہ کا رسول تمھارا معلم ہو جائے۔ بہر حال تبلیغ قرآن اور تبلیغ دین کا کام حضور علیہ السلام کی قوم کے واسطہ سے نسلاً بعد نسلٍ چلا آ رہا ہے جو تا قیامِ قیامت اسی طرح جاری رہے گا۔ چنانچہ اللہ نے حضور علیہ السلام کی زبان سے کہلوایا کہ یہ قرآن میری طرف اس لیے وحی کیا گیا ہے کہ میں تمھیں اس کے ذریعے ڈراؤں وَمَنْۢ بَلَغَ (الانعام۔ ۱۹) اور اس کو بھی جس تک یہ پہنچے۔

نزولِ قرآن کی غایت

بہر حال اللہ نے نزول قرآن کا ایک مقصد تو یہ بیان فرمایا ہے آپ مکہ والوں اور ارد گرد والوں کو ڈرا دیں۔ اس مقام پر شہر مکہ کے لیے ام القری کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا معنی بستیوں کی جڑ یا بنیاد ہے۔ ابتدا میں کرہ ارض مکمل طور پر پانی میں ڈوبا ہوا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے خانہ کعبہ والی جگہ پر خشکی کا ابھار پیدا کیا اور پھر اسی کو پھیلا کر ساری زمین بنا دی گئی۔ اسی لیے شہر مکہ کو زمین کی ناف بھی کہتے ہیں کہ

زمین کا پھیلاؤ اسی مقام سے شروع ہوا۔ مکہ مکرمہ کو ام القریٰ اس لحاظ سے بھی کہتے ہیں کہ اس کو دنیا بھر کی بستیوں میں فضیلت حاصل ہے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہجرت کے موقع پر مکہ مکرمہ کو چھوڑ رہے تھے تو آپ نے پلٹ کر اس بستی کی طرف نگاہ ڈالی اور فرمایا اے مکہ کی سرزمین! تم اللہ کے نزدیک تمام خطوں سے بہتر خطہ ہو۔ اگر میری قوم کے لوگ مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو میں تیرا پڑوس چھوڑ کر کبھی نہ جاتا۔

اللہ نے فرمایا کہ یہ قرآن ہم نے اس لیے اتارا ہے تاکہ آپ اہل مکہ اور اردگرد والوں کو ڈرا دیں وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيهِ اور جمع ہونے کے دن یعنی قیامت کے روز سے بھی ڈرائیں جس کے واقع ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اس دن جزائے عمل کی منزل آئے گی جس کے نتیجے میں فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ ایک گروہ جنت میں جائے گا اور ایک گروہ بھڑکتی ہوئی آگ کا شکار ہوگا۔ ایمان لا کر توحید کے راستے پر چلنے والا اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل ہوگا، اور کفر، شرک اور معاصی کا مرتکب جہنم رسید ہوگا۔ فرمایا آپ اس دن کی ہولناکیوں سے بھی لوگوں کو خبردار کر دیں۔ بہرحال یہ ذمہ داری سب سے پہلے عربوں پر عائد ہوتی ہے اور پھر ان کے واسطہ سے اگلی نسلیں ذمہ دار ہیں کہ وہ خدا کا دین آئندہ نسلوں تک پہنچائیں۔ آج ہم بھی ذمہ دار ہیں کہ دین حق کو صحیح طریقے سے آنے والی نسلوں تک پہنچائیں اور اسی طرح ہر دور کے لوگوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

اسلام میں جبر نہیں

دو فریقوں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی فرقہ بنا دیتا یعنی سب کو جبراً اطاعت پر مجبور کر دیتا، مگر یہ اس کی حکمت کے منافی ہے۔ اس کا عام اعلان ہے کہ یہ قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف۔ ۲۹) اب جس کا جی چاہے اس پر ایمان لائے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔ اگر کفر کرے گا تو آگے اس کے لیے جہنم بھی تیار ہے

اللہ نے خبردار کر دیا ہے مگر جبر نہیں کیا۔ اس کا قانون یہ ہے لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (البقرۃ۔۲۵۶) دین میں جبر نہیں ہے ہدایت گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔ اب یہ انسان کے اپنے اختیار میں ہے کہ وہ ہدایت کا راستہ اختیار کرتا ہے یا گمراہی کا۔

بعض لوگوں نے اس ضمن میں مسلمانوں کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے کہ بعض مسلمان حکمرانوں نے لوگوں کو زبردستی اسلام میں داخل کیا ہے۔ اس قسم کا پروپیگنڈا اورنگ زیب عالمگیرؒ کے خلاف خاص طور پر کیا جاتا ہے مگر یہ درست نہیں ہے۔ خلافت راشدہ اور اس کے بعد کسی مسلمان حکومت نے غیر مسلموں کو دین میں زبردستی داخل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ دیگر اقوام نے مسلمانوں کے ساتھ ایسا سلوک ضرور کیا ہے۔ سپین میں دو کروڑ مسلمان آباد تھے مگر عیسائیوں نے یا تو انہیں قتل کر دیا یا جبراً عیسائی بنا لیا۔ روسی لوگوں کو زبردستی اشتراکی بناتے ہیں اور اسی طرح ہندو، بدھ اور سکھ بھی اپنا اپنا مذہب قبول کرنے پر مجبور کرتے تھے۔

فرمایا اللہ کسی پر جبر نہیں کرتا وَلٰکِنْ یُّدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِہٖ بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَھُمْ مِّنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ اور جو لوگ ظالم ہیں یعنی کفر و شرک کو ترک کرنے کے لیے تیار نہیں، اُن کا نہ کوئی کارساز ہوگا اور نہ مددگار۔ ایسے لوگ قیامت والے دن پکڑے جائیں گے اور پھر سخت سزا کے مستحق ہوں گے۔

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس لیے ضروری ہے کہ وہ خالق اور مالک ہے اور نبی کی اطاعت اس لیے فرض ہے کہ وہ اللہ کا پیغام پہنچانے پر مامور ہوتا ہے۔ اس کے بعد مسلمان حاکم علمائے حق، مبلغ دین، قاضی اور مفتی کی اطاعت بھی ضروری ہے مگر اُس وقت تک جب تک وہ خود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت میں رہے۔ اگر ان میں سے کوئی شخص خلافِ قرآن و سنت بات کرے گا تو وہ قابلِ قبول نہیں ہوگی۔ سورۃ النسآء میں اللہ کا فرمان ہے اے ایمان والو! خدا اور

اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو، اور تم میں سے جو صاحب امر ہیں ان کی بھی ۔ اور اگر کسی معاملہ میں اختلاف پیدا ہو جائے ۔ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ (آیت - ۵۹) تو ایسے معاملہ کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، کسی حاکم، عالم قاضی، مفتی وغیرہ کی خلاف قرآن و سنت کوئی بات قابلِ قبول نہیں ہوگی ۔

فرمایا أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ کیا انہوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو کارساز بنا لیا ہے ۔ حالانکہ فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ کارساز تو فقط اللہ تعالیٰ کی ذات ہے وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ اور وہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اور وہی ہر چیز پہ قدرت رکھنے والا ہے ۔ اُسی کو کارساز سمجھنا چاہیئے اور اُس کی توحید پہ ایمان لانا چاہیئے ۔ اور تمام حاجات میں اُسی کو پکارنا چاہیئے ۔

اختلافی مسائل میں خدائی فیصلہ

ارشاد ہوتا ہے وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ تو اس کا حکم یعنی فیصلہ اللہ کی طرف سونپ دینا چاہیئے ۔ یہ ایک اہم اصول ہے مگر لوگ اسے ترک کر کے اکثر مصائب میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔ اگر تمام باہمی تنازعات اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق حل کر لیے جائیں تو دنیا امن و سکون کا گہوارہ بن جائے ۔ مگر افسوس کہ ہر فرد، جماعت گروہ یا حکومت من مانی کرتے ہیں اور پھر اس کے لیے جواز تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں ۔ حالانکہ چاہیئے تو یہ تھا کہ اپنے تمام معاملات اللہ کے دین اور شریعت کے سامنے پیش کر دیتے ۔

دیکھ لیجئے، ایران اور عراق کے درمیان ایک چھوٹے سے خطے شط العرب کا جھگڑا ہے جس پہ سات سال سے جنگ ہو رہی ہے دونوں مسلمان ملک ہیں مگر کسی فیصلے پہ پہنچنے سے قاصر ہیں ۔ اغیار نے مسلمانوں کی بڑی بڑی سلطنتیں ہتھیا رکھی ہیں وہ تو واپس نہیں لے سکتے مگر یہاں ایک تھوڑی سی جگہ کے لیے کشت و خون ہو رہا ہے جس میں اب تک سات لاکھ ایرانی اور پانچ لاکھ عراقی ہلاک ہو چکے ہیں

اور جو مالی نقصان ہو رہا ہے، اس کا اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا۔ سورۃ الحجرات میں اللہ کا فرمان ہے کہ اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا (آیت-۹) تو ان میں صلح کرا دو، مگر یہاں صلح پر کوئی بھی فریق آمادہ نہیں حالانکہ دنیا بھر کی مسلمان حکومتیں اس کے لیے کوششیں کر چکی ہیں۔ آخر یہ اللہ کے فیصلے سے روگردانی نہیں تو اور کیا ہے؟ (اب یہ جنگ ختم ہو چکی ہے)

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ اپنی مرضی سے بیوی کو طلاق دے دیتے ہیں۔ پھر جب ندامت ہوتی ہے تو اس کا ازالہ تلاش کرنے لگتے ہیں۔ علماء کے پاس اُس وقت آتے ہیں جب طلاق واقع ہو چکی ہوتی ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ میں نے غصے میں آ کر طلاق دے دی ہے، اب اس کا کوئی حل نکالو تاکہ بیوی سے علیحدگی کی نوبت نہ آئے۔ افسوس یہ ہے کہ لوگ طلاق دینے سے پہلے نہیں پوچھتے کہ طلاق دینے کا صحیح طریقہ کیا ہے تاکہ بعد میں مشکلات پیش نہ آئیں۔ بات وہی ہے کہ لوگ اپنے معاملات کو اللہ کی طرف لوٹانے کی بجائے من مرضی کرتے ہیں اور پھر مصیبت میں پھنس جاتے ہیں۔ اسی لیے اللہ نے اصول بتلا دیا ہے کہ جس بات میں اختلاف پیدا ہو جائے اُس میں اللہ کا فیصلہ حاصل کرو۔

توکل علی اللہ

فرمایا ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيۡ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ یہ ہے اللہ میرا پروردگار، میں تو اُسی پر بھروسہ کرتا ہوں۔ وَاِلَيۡهِ اُنِيۡبُ اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وہ بنانے والا ہے آسمانوں اور زمین کا جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا اُس نے بنائے ہیں تمہارے لیے تمہاری جانوں میں سے جوڑے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے تفریق جنس کر کے کسی کو مرد بنا دیا اور کسی کو عورت وَمِنَ الۡاَنۡعَامِ اَزۡوَاجًا اور جانوروں کے بھی جوڑے جوڑے یعنی نر اور مادہ بنائے ہیں تاکہ سلسلہ توالد و تناسل اسی طرح قائم رہے يَذۡرَؤُكُمۡ فِيۡهِ اللہ تعالیٰ پھیلاتا ہے تم کو اس میں۔ فیہ سے مراد تدبیر یا رحم مادر یا پھر زیادہ بہتر بات زمین ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو زمین میں بکھیر دیتا

ہے۔ یہاں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ لفظ زمین تو عربی میں مؤنث ہے جب کہ فیہ کی ضمیر مذکر ہے، تو اس لحاظ سے فیہ کا معنیٰ اس زمین میں نہیں بلکہ اس مقام پر ہوگا۔ سورۃ الملک میں بھی زمین میں پھیلانے کے لیے ذَرَاَ استعمال ہوا ہے قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ (آیت۔۲۴) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے۔ جس نے تمھیں زمین میں پھیلا دیا ہے اور پھر تم اُسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے۔

بے مثال ذاتِ الٰہی

آگے ارشاد ہوتا ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ اس کی مثل کوئی چیز نہیں اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل اور بے مثال ہے۔ عام طور پر لوگ دو بیماریوں کی وجہ سے تباہ ہوئے ہیں، ایک شرک اور دوسری تشبیہ۔ شرک یہ ہے کہ اللہ کی صفت انسان یا کسی دوسری مخلوق میں مانی جائے۔ مثلاً یہ کہ اللہ کے علاوہ فلاں انسان، جن یا فرشتہ بھی عالم الغیب، قادرِ مطلق یا مختارِ مطلق ہے۔ اور تشبیہ یہ ہے کہ انسان کی صفت خدا تعالیٰ میں مانی جائے۔ مثلاً بیوی بچے ہونا انسان یا دیگر مخلوق کی صفت ہے۔ مگر یہی صفت خدا تعالیٰ میں مانی جائے، کہ فلاں اُس کی بیوی یا اولاد ہے۔ جیسے عقیدہ ابنیت والے کہتے ہیں وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا (مریم۔۸۸) کہ خدائے رحمان نے بیٹا بنا لیا ہے، حالانکہ خدا تعالیٰ کا نہ کوئی حقیقی بیٹا ہے اور نہ مجازی۔ اور نہ ہی اُس نے مسیح علیہ السلام کو حاجت روائی کا اختیار دیدیا ہے۔

فرمایا وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ اللہ کی ذات سننے والی اور دیکھنے والی ہے لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کی چابیاں اسی کے پاس ہیں یعنی ہر چیز کا متصرف وہی ہے۔ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ کشادہ کرتا ہے روزی جس کی چاہے اور تنگ کر دیتا ہے جس کی چاہے۔ وہ اپنی حکمت کے مطابق رزق کی تقسیم کرتا ہے کیونکہ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ہر چیز کو جاننے والا وہی ہے وہ اپنے علم کے مطابق ہی تصرف کرتا ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا
وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ
وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا
فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ
يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ
يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ
الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ
مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَ
اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ
مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾

ترجمہ:- مقرر کیا (اللہ تعالیٰ نے) تمہارے لیے وہ دین
جس کی تاکید کی (اللہ نے) نوح علیہ السلام کو۔ اور وہی
جس کی وحی کی ہے ہم نے آپ کی طرف، اور جو تاکید
کی ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو (اور کہا)
کہ قائم رکھو دین کو اور نہ تفرقہ ڈالو اس میں۔ بھاری ہے
مشرکوں پر وہ چیز جس کی طرف آپ ان کو دعوت
دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی منتخب کرتا ہے اپنی طرف جس

کو چاہتا ہے، اور راہ دکھاتا ہے اپنی طرف اس کو جو
رجوع لاتا ہے (۱۳) اور نہیں تفرقہ ڈالا اِن لوگوں نے
مگر بعد اس کے کہ آچکا اِن کے پاس علم، سرکشی کرتے
ہوئے اپنے درمیان۔ اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو پہلے
طے ہو چکی ہے تیرے پروردگار کی طرف سے ایک
مقررہ مدت تک تو البتہ فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان
اور بیشک وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی ہے اُن کے بعد
البتہ وہ اس میں تردد انگیز شک میں ہیں (۱۴)

ربطِ آیات

پہلے وحی الٰہی کی حقانیت کا ذکر ہوا پھر اللہ نے عربی زبان میں نزولِ قرآن اور اُس کی غرض و غایت بیان فرمائی رسالت کا مسئلہ بیان کیا اور شرک کا رد کیا۔ فرمایا متنازعہ مسائل کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا کرو۔ پھر اللہ کی ذات پر بھروسہ کرنے کا حکم دیا اور اُس کی یہ صفت بیان کی کہ وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ اللہ نے انسانوں اور جانوروں کو جوڑوں کی شکل میں مذکر و مؤنث پیدا کیا ہے۔ وہ اُن سب کو اپنی قدرتِ تامہ سے زمین میں بکھیرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل اور بے مثال ہے۔ تمام چیزوں کی چابیاں اُسی کے ہاتھ میں ہیں اور اُسے ہر شے پر تصرف حاصل ہے۔ رزق میں وسعت اور تنگی بھی وہی فرماتا ہے۔ وحی الٰہی کوئی انوکھی چیز نہیں بلکہ یہ تو ہر نبی پر نازل ہوتی رہی ہے۔ اللہ نے تمام انبیاء کو یہی حکم دیا کہ وہ دین کو قائم رکھیں اور تمام لوگوں کو بھی دین اختیار کرنے کی تلقین کی۔ اس طرح اللہ نے منکرینِ دین کا رد بھی فرمایا۔

مشروع دین

اب اللہ نے دینِ حق کا انکار کرنے والوں کا شکوہ کیا ہے کہ دین تو ایک حقیقت ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ اللہ نے تمہارے لیے ایک دین مقرر کیا ہے۔ شریعت دراصل گھاٹ کو کہتے ہیں جس پر آ کر لوگ پانی حاصل کرتے ہیں۔ اسی مناسبت سے شریعت

کو بھی دین کہا جاتا ہے کہ لوگ اس کے ذریعے اپنی روحانی تشنگی کو دور کرتے ہیں۔ شریعت کے احکام معلوم کر کے ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اس طرح برائیوں سے بچ جاتے ہیں اور اپنی زندگی کو درست کر لیتے ہیں۔ تو فرمایا کہ اللہ نے تمھارے لیے وہی دین مقرر فرمایا ہے مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا جس کی تاکید اللہ نے نوح علیہ السلام کو کی تھی وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اور یہ وہی دین ہے جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف بھی کی ہے۔ نیز فرمایا کہ یہی وہ دین ہے وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى جس کی تاکید ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی کی۔ اس مقام پر اللہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سمیت پانچ اولو العزم انبیاء کا تذکرہ کر کے فرمایا کہ ان سب کو یہی تاکید کی اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ کہ وہ دین کو قائم کریں۔

دین ملت اور شریعت

قرآن وسنت میں دین، ملت اور شریعت اصطلاحات کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ دین کا معنیٰ جزا بھی ہوتا ہے جیسے سورۃ الفاتحہ میں ہے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اللہ تعالیٰ جزا یا انصاف کے دن کا مالک ہے۔ دین کا معنیٰ اطاعت بھی ہوتا ہے جیسے فرمایا فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ (الزمر-۲) آپ اللہ کی عبادت کریں، خالص اسی کی اطاعت کرتے ہوئے۔ غرضیکہ دین اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وہ ضابطہ حیات ہے جس پر چل کر انسان اللہ تعالیٰ کی مرضیات کو پا سکتے ہیں اور اس کی نامرضیات سے بچ سکتے ہیں۔ اس ضابطہ کے اصول مستقل ہوتے ہیں جن میں کوئی تغیر و تبدل واقع نہیں ہوتا۔ مثلاً توحید باری تعالیٰ، رسالت انبیاء، کتب سماویہ، وقوع قیامت، جزائے عمل وغیرہ ایسے اصول ہیں جن میں کسی بھی نبی کے زمانہ میں کوئی اختلاف نہیں رہا بلکہ یہ تمام ادوار میں مستقل طور پر نافذ العمل رہے ہیں اور ان پر ایمان لانا ہر نبی کی امت کے لیے ضروری رہا ہے۔ یہی دین ہے جو اللہ نے ہر امت کے لیے مقرر فرمایا ہے۔

ملت سے مراد کلیات یعنی موٹے موٹے اصول ہیں، اور یہ بھی تمام انبیاء کے

لیے یکساں رہے ہیں۔ امام جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ ملتِ ابراہیمی سے پہلے صابی دور میں اور پھر ملتِ حنیفیت میں یہ چار اصول یعنی توحید، طہارت، نماز اور صوم یکساں طور پر نافذ رہے ہیں۔ مگر صابیوں نے بعد میں ان اصولوں کو بگاڑ دیا اور ستارہ پرستی اختیار کر کے شرک میں مبتلا ہو گئے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ چار اصول طہارت اخبات (عاجزی) سماحت (خسیس چیزوں سے بچنا) اور عدل کسی نبی کی شریعت میں بھی منسوخ نہیں ہوئے اور آج ہماری شریعت میں بھی ان کو مستقل حیثیت حاصل ہے سورۃ الانبیاء میں اللہ نے بہت سے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کر کے فرمایا ہے۔ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً (آیت ۹۲) تمہاری یہ امت یعنی ملت ایک ہی ملت ہے جو سارے انبیاء میں قدر مشترک ہے۔ غرضیکہ دین اور ملت ہر دور میں ایک رہے ہیں۔ دین بنیادی عقائد ہیں اور ملت موٹے موٹے اصول۔

البتہ ان عقائد اور اصولوں کی جزئیات، تشریحات اور تفصیلات کو شریعت کہا جاتا ہے۔ سورۃ المائدہ میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (آیت ۔ ۴۸) تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے جدا جدا شریعت اور راستہ مقرر کر دیا ہے۔ دین اور ملت کے برخلاف ہر امت کی شریعت مختلف رہی ہے۔ مثلاً پہلی امتوں میں بہن بھائی کا نکاح جائز تھا لیکن بعد میں اس کو حرام قرار دے دیا گیا۔ بعض شریعتوں میں اونٹ کا دودھ اور گوشت جائز نہیں تھا، مگر آخری امت میں یہ بالکل جائز ہے۔ بہرحال مختلف امتوں کی شرائع یعنی فروعی اور جزوی مسائل مختلف رہے ہیں۔ اس بات کی وضاحت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس طرح فرمائی ہے نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَاءِ بَنُوْ عَلَّاتٍ دِيْنُنَا وَاحِدٌ ہم انبیاء کا گروہ علاتی بھائی ہیں ہمارا دین ایک ہے مگر شریعتیں جدا جدا ہیں۔ علاتی بھائی وہ ہوتے ہیں جن کا باپ ایک اور مائیں مختلف ہوں مطلب یہ کہ دین اور ملت تو تمام امتوں کی یکساں ہیں مگر ان کی شرائع الگ الگ ہیں۔

فرقہ بندی کی ممانعت

اللہ نے اپنے اولوالعزم انبیاء کو تاکیداً حکم دیا کہ دین کو قائم رکھو وَلَا تَتَفَرَّقُوْا

فِیْهِ اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ تفریق کا معنیٰ یہ ہے کہ دین کے کسی اصول کو مان لے اور کسی کو نہ مانے یا کسی نبی کی نبوت پر ایمان لائے اور کسی کا انکار کر دے۔ بلکہ سارے انبیاءؑ پر ایمان لانا ضروری ہے اگر کسی شخص نے دین کا انکار تو نہیں کیا مگر اس کے حکم کی تاویل غلط کر دی ہے۔ تو یہ بھی تفرقہ ہی سمجھا جائے گا۔ مطلب یہ کہ من پسند بات کو مان لیا اور ناپسند کو چھوڑ دیا۔ یہ دین پر عمل نہیں ہوگا بلکہ تفرقہ ہوگا۔ ایسے ہی تفرقوں سے گمراہ فرقے پیدا ہوتے ہیں جو جہنم کا ایندھن بنتے ہیں۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ دین میں تفریق نہ پیدا کرو بلکہ اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ (البقرۃ۔۲۰۸) دینِ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص بعض احکام کو مانتا ہے اور بعض کا انکار کرتا ہے وہ شیطان کے نقشِ قدم پر چل کر تفرقہ بازی کا مرتکب ہوتا ہے اور اسی چیز سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

اختلافِ محمود

البتہ ایک قسم کا اختلاف اچھا بھی ہے۔ ایسا اختلاف اصول اور ملت میں نہیں بلکہ فروعات میں ہوتا ہے۔ اس اختلاف کا تعلق سمجھ اور اجتہاد کے ساتھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کی تشریح خود نہیں کی بلکہ یہ کام اپنے نبی کے سپرد کیا ہے اور بعض معاملات کی تشریح مجتہدین کے سپرد کی گئی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ بھلا یہ لوگ قرآن پر غور کیوں نہیں کرتے۔ اگر یہ غیر اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پاتے اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو اسے مشہور کر دیتے ہیں۔ اور اگر یہ اس کو پیغمبر اور اپنے صاحبِ امر لوگوں کی طرف لوٹاتے لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (النساء۔۸۳) تو وہ صحیح حل نکال کر پیش کر دیتے۔ صاحبِ امر سے مراد مسلمان حکام بھی ہیں اور امت کے علماء اور فقہاء بھی۔ لہٰذا اگر کسی مسئلہ میں شرعی فتویٰ کی ضرورت ہو یا کسی حکم کی وضاحت مطلوب ہو تو ایسا مسئلہ علماء اور فقہاء کے سامنے پیش کرنا چاہیے تاکہ وہ اپنی علمی تحقیق و تجسس کی روشنی میں اس کا حل پیش کر سکیں۔ یہ قرآن کی تعلیم ہے۔ ظاہر

ہے کہ جب کوئی معاملہ انسانی عقل و فہم سے حل کیا جائے گا تو اس میں اختلاف کی گنجائش ہوگی، لہٰذا ایسا اختلاف مذموم نہیں بلکہ محمود ہوگا۔

ہدایت کا راستہ

آگے ارشاد ہوتا ہے کَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ وہ چیز مشرکوں پہ بھاری ہے جس کی طرف آپ اُن کو دعوت دیتے ہیں۔ آپ اُن کو ایمان اور توحید کی طرف بلاتے ہیں اور یہی بات اُن پر گراں گزرتی ہے وہ اپنے باطل معبودوں کی عبادت کرنے، اُن کے سامنے سجدہ ریز ہونے، اُن کو نذر و نیاز پیش کرنے سے باز آنے والے نہیں اور نہ ہی وہ شرکیہ رسوم سے تائب ہونا چاہتے ہیں اسی لیے اُن کو توحید کی بات ناگوار گزرتی ہے۔ فرمایا ہدایت اور گمراہی کا ایک ضابطہ یہ ہے اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ اللہ تعالیٰ چُن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہتا ہے وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ اور اپنی طرف راہنمائی کرتا ہے اُس شخص کی جو رجوع رکھتا ہے مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ ہدایت کا راستہ اُسی کے لیے واضح کرتا ہے جس میں ہدایت حاصل کرنے کا جذبہ موجود ہو۔ سورۃ العنکبوت میں بھی فرمانِ باری تعالیٰ ہے وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (آیت۔ ۶۹) جو لوگ کوشش کر کے ہماری طرف آنا چاہتے ہیں، ہم اُن کے لیے اپنا راستہ واضح کر دیتے ہیں اور وہ اُس راستے پہ گامزن ہو جاتے ہیں۔ جو شخص برائی کو ترک کر کے حق کا طالب بن جائے اُس کی توبہ بھی قبول ہو جاتی ہے اور صحیح راستہ بھی مل جاتا ہے۔

فرقہ بندی کی وجہ

فرمایا وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ان گمراہ فرقوں نے نہیں تفرقہ کیا مگر بعد اس کے کہ اُن کے پاس علم آگیا، اپنے درمیان سرکشی کرتے ہوئے۔ اہلِ کتاب کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ اُن کے پاس اللہ کی کتابیں آئیں، انبیاء علیہم السلام نے ہدایت کو واضح کیا مگر انہوں نے خود غرضی، ضد، عناد اور آپس کی سرکشی کی بناء پر دین کے اصولوں میں اختلاف کیا۔ کسی نے کسی چیز کا بالکل انکار کر دیا اور کسی نے غلط معنیٰ اپنا دیا۔ اور اس طرح

وہ مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ اگر تیرے پروردگار کی طرف سے پہلے سے ایک طے شدہ بات نہ ہوتی تو ایک مقررہ وقت تک اُن کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا اور طے شدہ بات یہ ہے کہ ہر چیز کا قطعی اور آخری فیصلہ قیامت والے دن ہوگا کیونکہ ہر چیز کا قطعی فیصلہ دنیا میں نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے اللہ نے قیامت کا وقت مقرر کر رکھا ہے۔ اگر ایسی بات نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافروں، مشرکوں اور سرکشی کرنے والوں کو اسی دنیا میں فوراً سزا دے دیتا۔ مگر اس کا قانون یہ ہے وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ (القلم - ۴۵) وہ مہلت دیتا رہتا ہے اور اس کی تدبیر بڑی کامیاب ہے جب کوئی شخص سرکشی اختیار کرتا ہے تو وہ ایک مقررہ مدت تک مہلت دیتا ہے اور پھر اس کو گرفتار کر لیتا ہے۔ فرمایا اگر اللہ کا یہ قانون نہ ہوتا تو ان لوگوں کو فوراً سزا میں مبتلا کر دیا جاتا۔

اہل کتاب کا تردد

فرمایا یہ بات بھی سن لیں وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَابَ مِن بَعْدِهِمْ اور بے شک وہ لوگ جن کو ان کے بعد کتاب کا وارث بنایا گیا لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ وہ البتہ تردد انگیز شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس کا مصداق اہل کتاب ہیں جو پورے طریقے پر ایمان نہیں لائے اور بعض چیزوں میں شک کرتے ہیں۔

اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جب اہل کتاب کے پاس اللہ کی آخری کتاب قرآن حکیم آیا تو انہوں نے اس کی تصدیق کرنے کی بجائے اس کے خلاف پراپیگنڈا شروع کر دیا۔ اس کی تعلیمات کو غلط بتانے لگے اور اس کو وحی الٰہی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی دروغ گوئی سے کام لیا جس کا ذکر قرآن میں جگہ جگہ موجود ہے۔ بہر حال فرمایا کہ جن لوگوں کو بعد میں کتاب دی گئی وہ بھی شک و تردد میں پڑ گئے اور اس پہ صحیح طریقے سے ایمان نہ لائے۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ
اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ
وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۖ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۖ لَنَآ
اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۖ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۖ
اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾

ترجمہ :- پس اسی لیے آپ دعوت دیں ، اور مستقیم رہیں جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے - اور نہ پیروی کریں ان لوگوں کی خواہشات کی - اور آپ کہہ دیں کہ میں ایمان لایا ہوں اُس چیز پر جو اللہ نے نازل کی ہے کتاب سے - اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں عدل کروں تمہارے درمیان، اللہ ہی ہے ہمارا پروردگار اور تمہارا بھی - ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے - کوئی جھگڑا نہیں ہے ہمارے اور تمہارے درمیان - اللہ تعالیٰ اکٹھا کرے گا ہم سب کو اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿۱۵﴾

ربط آیات گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر بیان کیا کہ نوح علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کا دین یکساں رہا ہے - جو دین اللہ نے نوح علیہ السلام کو دے کر بھیجا تھا، وہی دین حضرات ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو بھی عطا فرمایا اور تمام انبیاء کو حکم دیا کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو - ایسا نہ ہونے پائے کہ کوئی شخص دین کو مان لے اور کوئی نہ مانے - یا دین کے بعض حصے کو مان لیا جائے

اور بعض اعراض کیا جائے۔ فرمایا جو دعوت آپ لے کر آئے ہیں یہ مشرکوں پر گراں گزرتی ہے۔ پھر اللہ نے تفرقہ پیدا کرنے والوں کی مذمت میں فرمایا کہ انہوں نے ہدایت کے آجانے کے بعد محض سرکشی، خود غرضی اور عناد کی بناء پر تفرقہ ڈالا، وگرنہ حق وصداقت کے واضح دلائل آجانے کے بعد اختلاف کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ فرمایا، اگر اللہ کے ہاں یہ امر طے شدہ نہ ہوتا کہ وہ سرکشوں کو دنیا میں مہلت دیتا رہتا ہے اور قیامت والے دن ہی قطعی فیصلہ کرے گا، تو وہ اِن سرکشوں کی فوری گرفت کر کے دنیا میں ہی ان کو سزا دے دیتا۔

دس اصول

(۱) دعوت الی الدین

اب آج کی اِس مختصر آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دین کے دس زریں اصول بیان کر دیے ہیں۔ اسی طرح آیت الکرسی بھی نہایت جامع آیت ہے جس میں گیارہ دلائل ذکر کیے گئے ہیں۔ چونکہ اہلِ کتاب نے ضد اور عناد کی وجہ سے دین میں تفرقہ پیدا کر رکھا تھا۔ اسی لیے فرمایا فَلِذٰلِكَ فَادْعُ اسی وجہ سے آپ دعوت دیں ذٰلِكَ کا اشارہ اہلِ کتاب کے ضد اور عناد کی طرف بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو دین اور توحید کی دعوت بوجھل معلوم ہوتی ہے، لہٰذا آپ اِن کو پوری استقامت کے ساتھ دعوت الی الدین دیں تاکہ انہیں کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ اس ذٰلِكَ کا اشارہ خود دین اور توحید کی طرف بھی ہو سکتا ہے کہ آپ بھی اسی دین کی طرف دعوت دیں جس کی طرف پہلے انبیاء کرام دعوت دیتے آئے ہیں، اور جس دین کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ہے چنانچہ اس آیت میں بیان کردہ پہلا اصول دعوت الی الدین ہے۔

(۲) استقامت علی الدین

پہلی بات تو یہ تھی کہ آپ دین کی طرف دعوت دیں، اور دوسری یہ کہ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ اور مستقیم رہیں جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ استقامت سے مراد یہ ہے کہ انسان صحیح دین، عقیدہ توحید اور ایمان پر قائم رہے اور کسی خود غرضی، لالچ یا بدعقیدگی کی وجہ سے اس کے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے پائے استقامت علی الدین بہت بڑی حقیقت مگر مشکل کام ہے۔ گذشتہ سورۃ حٰمٓ السجدۃ میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ

اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (آیت۔ ۳۰) بیشک وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر مستقیم رہے ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور جنت کی خوشخبری سناتے ہیں۔ استقامت علی الدین کا حکم اللہ نے سورۃ ہود میں بھی اپنے پیغمبر اور آپ کے ساتھیوں کو دیا ہے فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا (آیت۔ ۱۱۲) آپ اور جنہوں نے آپ کے ساتھ توبہ کی، دین پر مستقیم رہیں جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے، اور حد سے تجاوز نہ کریں۔ اسی واسطے تو حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ مجھے سورۃ ہود نے بوڑھا کر دیا ہے۔ وجہ یہی ہے کہ اس میں استقامت پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا اور یہ بڑا دشوار کام ہے۔ استقامت کا مطلب یہی ہے کہ ایمان اور توحید کے عقیدے پر سختی سے کاربند رہیں۔ اور اس میں کسی قسم کی مداہنت یا کمزوری نہ آنے دیں لوگوں کی طعن و تشنیع کو برداشت کریں، لوگوں کی مخالفت اور تکالیف پر صبر کریں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ بھی فرمان ہے کہ قرب قیامت میں ایک ایسا دور بھی آئے گا کہ دین پر ثابت قدم رہنا اس قدر مشکل ہو جائے گا جیسے جلتے ہوئے کوئلوں کو ہاتھ میں پکڑ لینا۔ لوگ کفر، شرک، بدعات اور معاصی میں مبتلا ہو چکے ہوں گے۔ اس قسم کے ماحول میں ایمان اور توحید پر قائم رہنا بڑا مشکل کام ہو گا۔

(۳) خواہشات کے اتباع سے اجتناب

اللہ تعالیٰ نے دین کا تیسرا اصول یہ بتایا ہے وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ آپ ان (مخالفین) کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ ظاہر ہے کہ مخالفین ہر قسم کی تدابیر اختیار کر کے آپ کو آپ کے دین سے برگشتہ کرنے اور اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کریں گے۔ مگر اللہ نے خبردار کر دیا کہ آپ اپنے دین اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے رہیں اور ان کی خواہش کی پیروی سے پرہیز کریں۔ خواہش کی پیروی کرنا دراصل شیطان کے نقش قدم پر چلنا ہوتا ہے۔ سورۃ بقرہ میں جہاں اہل کتاب کا تحویل قبلہ کے متعلق ذکر ہے۔ وہاں اللہ نے اپنے نبی کو مخاطب کر کے فرمایا ہے۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ (آیت۔ ۱۴۵) اگر آپ نے اُن کی خواہشات کی پیروی کی بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے، تو آپ ناانصافوں میں سے ہو جائیں گے۔ چنانچہ مشرکین مکہ نے حضور علیہ السلام کو استقامت علی الدین سے باز رکھنے کے لیے طرح طرح کے لالچ بھی دیئے تاکہ آپ ان کے عقائد کے خلاف کوئی بات نہ کریں۔ ولید بڑا امیر کبیر آدمی تھا، دس بیٹے تھے جن میں سے صرف چار کو اللہ نے اسلام قبول کرنے کی توفیق بخشی۔ بےشمار بھیڑ بکریاں اور اونٹ تھے، بہت سے غلام تھے کم از کم ایک لاکھ دینار تجارت میں گردش کر رہے تھے، وہ کہنے لگا کہ اگر آپ میری بات مان جائیں تو میں اپنی آدھی جائیداد آپ کو دینے کے لیے تیار ہوں۔ شیبہ نے پیش کش کی کہ میں اپنی حسین و جمیل بیٹی سے نکاح کیے دیتا ہوں، آپ ہمارے عقیدے کے خلاف اتنی سختی کا مظاہرہ نہ کریں غرضیکہ مشرکین مکہ نے لالچ اور رعب ہر طرح کے حربے آزمائے تاکہ کسی طرح آپ اُن کی بات مان لیں مگر اللہ نے فرمایا کہ آپ اِن کی خواہشات کا اتباع نہ کریں۔

(۴) کتب سماویہ پہ ایمان

ارشاد ہوا وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ میں ایمان لایا ہوں اُس چیز پہ جو اللہ نے کتاب کی صورت میں نازل فرمائی ہے تمام کُتب سماویہ پہ ایمان لانا بھی ایمان کا لازمی جزو ہے۔ اللہ نے حضور علیہ السلام کو حکم دیدیا کہ آپ اعلان کر دیں کہ میں وحی الٰہی پہ ایمان رکھتا ہوں اور اس کے خلاف تمہاری باتوں کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے چار مستقل کتابیں زبور، تورات، انجیل اور قرآن نازل فرمائیں اور ان کے علاوہ مختلف انبیاء پہ ایک سو چھوٹے چھوٹے صحائف بھی نازل فرمائے۔ اِن میں سے ۲۹ صحائف موجودہ بائیبل میں بھی پائے جاتے ہیں، تاہم قرآن کے علاوہ تمام کتب و صحائف میں تحریف ہو چکی ہے۔ اللہ کی آخری کتاب قرآن حکیم ہے جو کہ تمام کُتب سماویہ کا جامع اور تحریف سے پاک ہے۔ اللہ نے اہل کتاب کو اپنی کُتب کا نگران بنایا مگر وہ تو اُن کی حفاظت

نہ کر سکے۔ اس کے بعد اللہ نے اپنی آخری کتاب قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود اٹھایا۔
إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر۔ ۹) اس ذکر یعنی قرآن کریم
کو ہم نے نازل فرمایا اور ہم ہی اس کی تاقیامت حفاظت کریں گے۔ بہرحال چوتھا اصول
دین تمام کتب سماویہ پہ ایمان لانا ہے۔

(۵) قیام عدل

اللہ نے فرمایا کہ اے نبی (علیہ السلام)! آپ یہ بھی کہہ دیں وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ
بَيْنَكُمُ مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے درمیان انصاف کروں۔ عدل و انصاف
بہت بڑی حقیقت ہے اور قرآن پاک میں جابجا اس کو قائم کرنے کی تلقین کی گئی
ہے۔ مثلاً سورۃ المائدہ میں ہے اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (آیت۔ ۸)
انصاف کرو کیونکہ یہ تقویٰ اور پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے۔ سورۃ الانعام
میں ارشاد ہوا ہے وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ (آیت ۱۵۲)
جب بات کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ اگرچہ کوئی فریق تمہارا قرابت دار
ہی کیوں نہ ہو۔ سورۃ النساء میں اللہ کا فرمان ہے وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ
النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (آیت۔ ۵۸) جب تم لوگوں کے درمیان
بطور حاکم جج یا قاضی فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ سورۃ النحل
میں ہے إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ (آیت۔ ۹۰) اللہ تعالیٰ
تمھیں عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے، اس کا دامن کسی وقت نہ چھوڑو۔ سورۃ الحجرات
میں جہاں اللہ نے دو مومن گروہوں کے درمیان تنازعہ پیدا ہو جانے کا ذکر کیا ہے
وہاں فرمایا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ
الْمُقْسِطِينَ (آیت۔ ۹) ان دو گروہوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو۔
اور انصاف کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ عدل اُن چار بنیادی اصولوں میں سے
ایک ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام کی شرائع میں قائم رہے ہیں اور یہ اصول کسی
امت سے بھی ساقط نہیں ہوئے۔ یہ ہیں (۱) طہارت (۲) اخبات یعنی عاجزی

(۳) سماحت یعنی بری چیزوں سے پرہیز اور (۴) عدل۔ جب کسی انسان میں عدل کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے تو پھر نظام حکومت کو چلانا آسان ہو جاتا ہے۔ عدل سے امن اور ظلم سے بدامنی پیدا ہوتی ہے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جب مومن کے دل میں عدل کی صفت پختہ ہو جاتی ہے تو پھر اُس کے اور ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں کے درمیان مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ غرضیکہ ظلم کو مٹانا اور عدل کو قائم کرنا بنیادی مقاصد میں سے ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے وَاٰتِ کُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّہٗ ہر حقدار کو اُس کا حق ادا کرو کہ انصاف کا یہی تقاضا ہے مگر آج دنیا میں سب سے ناپید چیز انصاف ہی ہے جو کہیں نہیں ملتا۔ چھوٹی عدالتوں سے لے کر ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ تک کی عدالتیں موجود ہیں مگر عدل نہیں ملتا۔ پولیس اور سیکورٹی کا وسیع انتظام موجود ہے مگر امن قائم نہیں ہوتا، بڑے بڑے افسران ہیں۔ وسیع عملہ ہے مگر ان کو اپنی تنخواہ اور مراعات سے غرض ہے، فرائض کی بجا آوری کا احساس ختم ہو چکا ہے۔ ان گنت تعداد میں جیلیں موجود ہیں مگر مجرموں کی تعداد میں کمی کی بجائے اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ اصل بات یہی ہے کہ عدل کا فقدان ہے اور جب تک عدل قائم نہیں ہوتا دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔

حدیث میں آتا ہے کہ انسان کے لیے تین چیزیں نجات دہندہ اور تین چیزیں ہلاکت خیز ہیں۔ نجات دہندہ تین چیزیں یہ ہیں (۱) العدل فی الرضا والغضب خوشی اور غصے کی حالت میں عدل کا دامن تھامے رکھنا۔

(۲) القصد فی الغنیٰ والفقر آسودگی اور تنگ دستی میں میانہ روی اختیار کرنا

(۳) خشیۃ اللہ فی السر والعلانیۃ ظاہر و باطن میں خوف خدا کو پیش نظر رکھنا۔

ہلاکت خیز چیزیں یہ ہیں۔

(۱) شحٌ مطاعٌ بخل کی اطاعت کرنا یعنی مال کی موجودگی میں اپنی ذات بال بچوں

اور محتاجوں پر خرچ نہ کرنا۔
(۲) هَوًى مُّتَّبَعًا شریعت کی بجائے خواہش کے پیچھے چلنا جس پہ شیطان راضی ہوتا ہے
(۳) اِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ آدمی کا اپنی رائے کو ہی اعلیٰ سمجھنا چاہے وہ حق کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے کہلوایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل و انصاف کو قائم کروں۔

(۶) اللہ تعالیٰ کی ربوبیت

فرمایا دین کا چھٹا اصول یہ ہے اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ اے پیغمبر! آپ اعلان فرما دیں کہ ہمارا اور تمہارا پروردگار اللہ ہی ہے۔ تمام تصرفات اُسی کے قبضہ میں ہیں۔ خالق بھی وہ ہے، مالک بھی وہی ہے۔ وہی ہر چیز کا موجد ہے، لہذا عبادت بھی اُسی کی ہونی چاہیئے۔ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (البقرة - ۱۶۳) تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے، وہی مشکل کشا اور حاجت روا ہے، اس کے سوا کوئی کسی کی بگڑی نہیں بنا سکتا۔ غرضیکہ ہمارا اور تمہارا پروردگار تو وہی ہے، پھر تم کفر اور شرک والی باتیں کیوں کرتے ہو؟ جب اس کو رب تسلیم کر لیا ہے تو پھر اُسی پہ بھروسہ رکھو! اور اپنے تمام معاملات اور حاجات اُسی کے سامنے پیش کرو۔

(۷) اعمال اپنے اپنے

فرمایا ساتویں بات ہے لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں۔ ہر شخص جو بھی نیک و بد اعمال انجام دیگا، ان کا ذمہ دار وہ خود ہے اور اُسے اُن اعمال کی جزا ملے گی یا ان کی سزا بھگتنا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (المدثر - ۳۸) ہر نفس اپنی کمائی کا گروی شدہ ہے۔ اُس نے اس دنیا میں جو کچھ بھی اچھا یا بُرا کمایا اس کا بدلہ اس کو مل کر رہے گا۔ کوئی شخص ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور نہ ہی ایک کے اعمال دوسرے کے کام آئیں گے۔ کسی کی نیکی دوسرے کے کام نہیں آئے گی اور نہ ہی ایک کی برائی دوسرے کے سر پہ ڈالی جائے گی۔ اس لیے فرمایا کہ یاد رکھو! ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے

اعمال تمھارے لیے۔

(۸) عدم تنازعت

فرمایا آٹھویں بات یہ ہے لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ہمارے اور تمھارے درمیان کوئی متنازعہ بات نہیں ہے۔ ہم اللہ کو وحدہٗ لاشریک تسلیم کرتے ہیں۔ رب ہمارا بھی وہی ہے جو تمھارا ہے، ہر ایک کے لیے اس کے اپنے اعمال ہی کام آئیں گے، تو پھر تمھارے اور ہمارے درمیان جھگڑے والی کون سی بات رہ جاتی ہے؟ ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔

(۹) قیامت کو اجتماع عام

فرمایا اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ہم سب کو اکٹھا کریگا۔ اس دن کسی کے ساتھ رو رعایت نہیں ہوگی، اَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا (البقرۃ - ۱۴۸) تم جہاں کہیں بھی ہوگے اللہ تعالیٰ تم سب کو لے آئیگا۔ لوگ خواہ قبروں میں ہوں گے یا درندوں اور مچھلیوں کے پیٹ میں ان کے ذرات ہوا میں منتشر ہو چکے ہوں گے یا پانی میں بہا دیے گئے ہوں گے اللہ تعالیٰ سب کو جمع کر کے اپنے سامنے زندہ کھڑا کر لے گا۔ پھر محاسبہ کی منزل آئیگی اور جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے۔

(۱۰) رجوع الی اللہ

دسواں اصول یہ ہے وَاِلَيْهِ الْمَصِيرُ سب کو اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے کوئی شخص کتنی بھی لمبی زندگی پالے مگر بالآخر اُسے موت کا پیالہ پینا ہے اور پھر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنا ہے۔ اس میں فرمانبردار اور نافرمان یا موحد اور مشرک و کافر کی کوئی تخصیص نہیں۔ سب کو اُسی کی طرف جانا ہے۔ اللہ نے یہ اٹل اصول بتلا دیے ہیں، جن کا انکار کوئی ہٹ دھرم شخص ہی کر سکتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ
لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ
وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۶﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ
وَالْمِيْزَانَ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿۱۷﴾
يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَآ
اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۸﴾
اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ
الْعَزِيْزُ ﴿۱۹﴾ ع ۲ ۱۰

ترجمہ :- اور وہ لوگ جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ کے بارے میں بعد اس کے کہ اُس کی بات کو قبول کیا گیا۔ اُن کی دلیل کمزور ہے اُن کے رب کے نزدیک اور اُن پر غضب ہے، اور ان کے لیے شدید عذاب ہے ﴿۱۶﴾ اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے اتاری ہے کتاب حق کے ساتھ، اور ترازو بھی۔ اور آپ کو کیا خبر شاید کہ قیامت قریب ہو ﴿۱۷﴾ جلدی کرتے ہیں اُس کے بارے میں وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے اُس پر۔ اور وہ جو ایمان لاتے ہیں ڈرنے والے ہیں۔ اُس سے، اور جانتے ہیں کہ بیشک وہ برحق ہے۔ آگاہ رہو!

بیشک جو لوگ جھگڑا کرتے ہیں قیامت کے بارے میں ، البتہ وہ گمراہی میں دور جا پڑے ہیں (۱۸) اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا ہے اپنے بندوں کے ساتھ ، وہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے ، اور وہ قوت والا اور غالب ہے (۱۹)

رلطِ آیات

گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت اور جزائے عمل اور خاص طور پر کتاب کا ذکر فرمایا اور اپنے پیغمبر کی زبان سے کہلوایا کہ میں اس پر ایمان لایا۔ در اصل گذشتہ آیت میں اللہ نے دین کے دس اصول بیان فرمائے ہیں یعنی دعوت الی الدین ، استقامت علی الدین ، خواہشات کا عدم اتباع ، کتبِ سماویہ پر ایمان ، قیام عدل ، اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ، اعمال کا بدلہ ، قیامت کا اجتماع اور رجوع الی اللہ عدم تنازعت۔ اب ان آیات میں بھی کتاب الٰہی اور قیامت کا ذکر ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کی بعض صفات بیان کی گئی ہیں۔

دین کے خلاف کمزور دلیل

ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِيْنَ يُحَاجُّوْنَ فِى اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ اور وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کے دین ، توحید یا کتاب کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں : بعد اس کے کہ اللہ کی بات کو قبول کر لیا گیا ہے یعنی بعض سمجھدار لوگوں پر دلائل واضح ہو چکے ہیں اور وہ اللہ کی توحید اور اس کی کتاب پر ایمان لا چکے ہیں ، اس کے باوجود بعض لوگ مسلسل انکار کر رہے ہیں اور حجت بازی سے کام لے رہے ہیں۔ اللہ نے فرمایا حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ ان کی دلیل ان کے پروردگار کے نزدیک کمزور ہے۔ داحضۃ کا لغوی معنی پھسلنا ہوتا ہے جیسے کوئی شخص گارے یا دلدل میں پھسل جاتا ہے مطلب یہ کہ ان کا یہ جھگڑا اور دلیل پھسلنے والی یعنی بالکل کمزور ہے ۔ ان کے پاس کوئی بھی دلیل نہیں ہے جو ان کے باطل اعتقاد کے حق میں پیش کی جا سکے ۔ فرمایا چونکہ یہ لوگ جھوٹے ثابت ہو چکے ہیں وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ اور ان پر اللہ کا غضب اور ناراضگی ہے کیونکہ یہ حق کو ٹھکرا رہے ہیں ، اور محض حجت بازی کی بنا پر حق کو تسلیم نہیں کرتے ۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ اور ان کیلئے

سخت عذاب ہے۔ اس عذاب کے مستحقین میں مشرک اور اہلِ کتاب دونوں شامل ہیں کیونکہ دونوں اپنی کٹ حجتی سے دینِ حق کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

نزولِ کتاب اور میزان

اللہ نے کتاب کے متعلق فرمایا اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ اللہ کی ذات وہ ہے جس نے کتاب کو حق کے ساتھ نازل فرمایا۔ اس کتاب کا سارا پروگرام حق و صداقت پر مبنی ہے اور اس میں کسی قسم کے باطل کی کوئی گنجائش نہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ (حٰمٓ السجدۃ - ۴۲) نہ اس کے گذشتہ ادوار کے واقعات کے بیان میں کوئی غلط بات ہے اور نہ آئندہ پیش آنے والے حالات و واقعات غلط ثابت ہو سکتے ہیں۔ اللہ نے اس کتاب کو مکمل حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ اور اس کے ساتھ دوسری چیز وَالْمِيْزَانَ یعنی میزان کو بھی نازل کیا ہے۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ میزان سے مراد عام ترازو بھی ہو سکتا ہے کہ جس کے ذریعہ ماپ تول میں انصاف قائم کیا جاتا ہے تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ سورۃ الرحمٰن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝۷ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝۸ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝۹ اللہ نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو قائم کیا۔ یہ کہ ترازو میں حد سے تجاوز نہ کرو۔ اور وزن کو انصاف کے ساتھ درست کرلو اور تول میں کمی نہ کرو۔ اسی طرح سورۃ المطففین میں ماپ اور تول میں کمی کی مذمت بیان کی گئی ہے وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ تو گویا ایک میزان تو یہ ہے جس کے ذریعے تولا یا ماپا جاتا ہے اور جس کے متعلق فرمایا کہ ماپ اور تول میں کمی نہ کرو۔

ایک موقع پر حضور علیہ السلام بازار تشریف لے گئے۔ آپ نے تاجروں کو خطاب فرمایا، اے تجار کے گروہ! قَدْ وُلِّيْتُمْ اَمْرَيْنِ هَلَكَتْ فِيْهِ الْاُمَمُ السَّالِفَةُ قَبْلَكُمْ (ترمذی شریف) تمہیں دو چیزوں کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔ جن کی وجہ سے تم سے پہلے کئی امتیں تباہ ہوئیں، فرمایا وہ دو چیزیں اَلْمِكْيَالُ

وَالْمِيْزَانَ ایک ماپ ہے اور دوسری تول جب اُن قوموں نے ماپ اور تول میں کمی کی تو اللہ نے اُن کو ہلاک کر دیا۔ اگر تم بھی انہیں کے نقشِ قدم پر چلو گے، تو تمہارا حشر بھی سابقہ اقوام سے مختلف نہیں ہو گا۔ بہرحال ترازو سے یہ مادی اشیاء گز، میٹر، کلوگرام، من، سیر، لیٹر وغیرہ بھی مراد ہو سکتی ہیں اور اس سے عقلِ سلیم بھی مراد ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے لوگ اچھی اور بُری چیزیں میں امتیاز کر سکتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ میزان سے مراد اخلاق ہے کہ اچھا اخلاق بھی ترازو کی مانند ہوتا ہے۔ جو ہر چیز کو پرکھ سکتا ہے۔ اسی طرح بعض اصحاب میزان سے مراد عدل لیتے ہیں۔ اللہ نے انصاف کو بھی ایک میزان قرار دیا ہے اور اسے گذشتہ آیت میں مذکورہ دین کے دس اصولوں میں شمار کیا ہے وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ (آیت۔ ۱۵) اور مجھے حکم دیا گیا کہ میں تمہارے درمیان عدل کو قائم کروں۔ غرضیکہ بعثتِ انبیاء، نزولِ کتب، ظاہری اور باطنی حواس کی درستگی، عقلِ سلیم اور عدل و انصاف سب انسانی راہنمائی کے لیے وسائل ہیں۔ یہ تمام ذرائع مہیا ہونے کے باوجود اگر لوگ توحید، کتاب اور رسالت کا انکار کرتے ہیں تو تعجب انگیز بات ہے

وقوعِ قیامت کا علم

منکرین قیامت تمسخر کے طور پر قیامت کے بارہ میں پوچھتے تھے مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (الملک۔ ۲۵) اگر تمہیں یقین ہے کہ قیامت ضرور برپا ہو گی تو بتلاؤ کہ وہ کب واقع ہو گی۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ تمہیں کیا خبر، شاید کہ قیامت قریب ہی ہو۔ جو چیز آنے والی ہے وہ بہرحال قریب ہے کیونکہ اُس نے بالآخر آنا ہے اور جو چیز گزر جاتی ہے وہ بعید ہو جاتی ہے کیونکہ اس کے واپس آنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ امام ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ قیامت کی دو قسمیں ہیں یعنی قیامتِ صغریٰ اور قیامت کبریٰ۔ بڑی قیامت تو اپنے وقت پر اجتماعی طور پر سب کے لیے آئیگی اور اس کے وقوع کے وقت کا علم اللہ نے کسی کو نہیں دیا۔ البتہ قیامتِ صغریٰ انسان کے ہر وقت

قریب ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُہٗ جو مر گیا اس کی تو قیامت واقع ہو گئی کیونکہ قبر عقبیٰ کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے جس میں انسان موت کے فوراً بعد پہنچ جاتا ہے۔ چونکہ انسان کو اپنی موت کے وقت کا علم نہیں، اس لیے یہ قیامت صغریٰ تو بہر حال بہت ہی قریب ہے۔

فرمایا یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا قیامت کے لیے وہی لوگ جلدی کرتے ہیں جو اس پر ایمان ہی نہیں رکھتے۔ ایسے لوگ قیامت کی ہولناکیوں سے یکسر بے فکر ہیں، کھیل تماشے اور معاصی میں انہماک رکھتے ہیں، اس لیے ازراہ تمسخر کہتے ہیں کہ قیامت اگر آنی ہے تو پھر آ کیوں نہیں جاتی۔ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو ابھی قیامت کو لے آؤ اور ہمیں تباہ کر کے رکھ دو۔ اسی لیے فرمایا کہ جو لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے وہی اس کی جلد آمد کو طلب کرتے ہیں

اس کے برخلاف وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا جو لوگ قیامت پر یقین رکھتے ہیں وہ اس سے ڈرتے بھی ہیں۔ انہیں ہر وقت فکر رہتی ہے کہ پتہ نہیں آگے کیا صورتِ حال پیش آئے گی۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کو قیامت کے وقوع کا خوف ہو گا، وہ اس کے لیے تیاری بھی کرے گا۔ اور آگے کے لیے نیکی کا کچھ سامان بھی پیدا کرے گا، نیز کفر، شرک اور معاصی سے پرہیز کرے گا۔ کیونکہ اسے محاسبہ اعمال کی منزل نظر آتی ہو گی۔ ایسے ہی ایمان داروں کے متعلق فرمایا وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ وہ جانتے ہیں کہ قیامت برحق ہے، اس میں کوئی شک و شبہ نہیں اور یہ ضرور واقع ہو کر رہے گی اہلِ ایمان کو قیامت کا اتنا ہی یقین ہوتا ہے جتنا خود اپنے وجود کا۔ جس طرح کوئی شخص اپنی پیدائش اور اپنی ذات کا انکار نہیں کر سکتا، اسی طرح وہ قیامت کی صداقت کا بھی انکار نہیں کر سکتا۔

اللہ کا فرمان ہے اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ (المرسلت۔ ۷) جس قیامت کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور واقع ہونے والی ہے۔ اس دن ہر انسان کو

اپنے اعمال کا بھگتان کرنا ہوگا۔ فرمایا اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِى السَّاعَةِ لَفِىْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ آگاہ رہو کہ جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں یعنی اس کے وقوع میں شک و شبہ کا اظہار کرتے ہیں وہ حق سے دور گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اب ان کے راہ راست پر آنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔

صفات باری تعالیٰ

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت تامہ اور تصرف کا تذکرہ فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ نرمی کرنے والا ہے۔ یہ اس کی نرمی کا نتیجہ ہے کہ وہ ہر گنہگار کو فوراً نہیں پکڑتا بلکہ مہلت دیتا رہتا ہے۔ ابن ماجہ اور ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَّا سَقٰى كَافِرًا مِّنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی عطا نہ کرتا۔ یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ وہ انکار کرنے والوں پر بھی نرمی کرتا ہے اور انہیں اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے۔

لطیف کا معنیٰ نرمی کرنے والا بھی آتا ہے اور باریک بین بھی یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ذرہ ذرہ حالات سے واقف ہے۔ وہ خالق اور مالک ہے اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (الملک ۔ ۱۴) کیا وہ نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا؟ وہ تو بڑا ہی باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے

فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے اور جس قدر چاہے بعض اوقات نافرمانوں کو بہت زیادہ عطا کرتا ہے۔ جب کہ ایمان اور نیکی والوں کو تنگی میں رکھتا ہے بعض اوقات نیکوکاروں کو بھی رزق سے وافر حصہ عطا کرتا ہے۔ رزق کی تقسیم اس کی حکمت اور مصلحت کے مطابق ہوتی ہے جس کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ فرمایا وَهُوَ الْقَوِىُّ الْعَزِيْزُ وہ قوت کا سرچشمہ یعنی بہت زیادہ طاقت والا اور غالب اور زبردست بھی ہے اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں

سکتا، نہ کوئی اس کی کسی سکیم کو ناکام بنا سکتا ہے۔ اس کی تدبیر تمام تدابیر پر غالب ہے۔ صاحب معارف القرآن مولانا مفتی محمد شفیع ؒ نے حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جو شخص اس آیت کا اخلاص کے ساتھ روزانہ ستر بار ورد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے روزی کا سامان بہم پہنچاتا رہے گا۔

درس ششم ۶ آیت ۲۰ تا ۲۳

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ
وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا
وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾ اَمْ لَهُمْ
شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ
بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ
وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ تَرَى
الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ
بِهِمْ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ
رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ عِنْدَ
رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ الَّذِيْ
يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ
قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي
الْقُرْبٰى ۭ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا
حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾

ترجمہ :۔ جو شخص چاہتا ہے آخرت کی کھیتی ہم زیادہ کریں گے اس کے لیے اُس کی کھیتی میں ۔ اور جو شخص دنیا کی کھیتی

چاہتا ہے، ہم دیں گے اُس کو اُس میں سے، اور نہیں ہو
گا اُس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ (۲۰) کیا اِن کے لیے
کوئی شریک ہیں جنہوں نے مقرر کی ہے ان کے لیے
دین میں وہ چیز جس کی اجازت اللہ نے نہیں دی - اور
اگر نہ ہوتی فیصلے کی ایک بات تو البتہ اِن کے درمیان فیصلہ
کر دیا جاتا، اور بیشک ظلم کرنے والے لوگوں کے لیے
دردناک عذاب ہے (۲۱) دیکھو گے تم ظالموں کو ڈرتے
والے ہوں گے اُس سے جو کمایا انہوں نے، اور وہ اُن
پر واقع ہونے والا ہو گا - اور وہ لوگ جو ایمان لائے
اور جنہوں نے اچھے کام کیے، وہ جنت کے باغوں میں
ہوں گے - اُن کے لیے جو چاہیں گے ہو گا ان کے
رب کے پاس - یہ ہے فضیلت بڑی (۲۲) یہ ہے
وہ چیز جس کی خوشخبری دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو
جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے - آپ
کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) (اے لوگو!) میں نہیں مانگتا تم سے اس
پر کچھ بدلہ مگر دوستی قرابت میں - اور جو شخص کمائے گا
بھلائی ہم زیادہ کریں گے اُس کے اندر اُس کی خوبی -
بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور قدردان
ہے (۲۳)

ربطِ آیات

پہلے قرآن پاک پر ایمان لانے کا ذکر ہوا اور اس کتاب کی عظمتوں کا بیان ہوا
پھر گذشتہ درس میں قیامت اور محاسبے کا ذکر تھا اللہ نے منکرین قیامت کا رد
فرمایا۔ نیز فرمایا کہ تمام تصرفات اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔ اس کی تدبیر بہت باریک
ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے روزی پہنچاتا ہے۔ وہ تمام قوتوں کا سرچشمہ اور غالب ہے۔

آخرت اور دنیا کی کھیتی

آج کی پہلی آیت میں وقوع قیامت اور جزائے عمل ہی کا بیان ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ تو اس کے لیے ہم اُس کی کھیتی میں اضافہ کر دیں گے۔ کھیتی سے مراد کاشتکاری ہے اور یہ ایک ایسا کام ہے جس میں انسان سخت محنت کرتا ہے تو پھر کچھ عرصے کے بعد جا کر اس کو اُس کی محنت کا پھل اناج، سبزی یا پھلوں کی صورت میں ملتا ہے۔ دنیا کی اِس عارضی زندگی کو بھی کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جو شخص اس دنیا میں ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرنے کے بعد عبادت وریاضت کے ذریعے محنت کرتا ہے، وہ گویا ایسی کھیتی پر کام کر رہا ہے جس کا پھل اُسے مرنے کے بعد آخرت میں جا کر ملے گا۔ جو بھی اس دنیا میں آتا ہے وہ اپنا وقت تو بہر حال پورا کرتا ہے اور دورانِ زندگی محنت بھی کرتا ہے مگر آگے ان میں دو گروہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جو آخرت کے لیے محنت کرتا ہے کہ اس محنت کا بدلہ اُسے دوسری دنیا میں جا کر ملے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا کہ جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے، ہم اُس کے لیے اس کی کھیتی میں یعنی اُس کھیتی کے پھل میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ عام قانون ہے کہ نیکی کرنے والے شخص کو ہر نیکی کا بدلہ کم از کم دس گنا ملتا ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (الانعام۔ ۱۶۱) مگر زیادہ سے زیادہ اجر کی کوئی تحدید نہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو لاکھوں کروڑوں گنا بدلہ عطا فرما دے۔

آگے دوسرے گروہ کے متعلق فرمایا وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا جو شخص دنیا کی کھیتی کا طلبگار ہے اور آخرت کے لیے اُس کے دل میں تڑپ ہی نہیں ہے۔ فرمایا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ہم اُس کو اس دنیا میں ہی دے دیتے ہیں وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ مگر آخرت میں اُس کے لیے کچھ حصہ نہیں ہوگا۔ اللہ نے سورۃ النجم میں ایسے لوگوں کی ذہنیت کا تجزیہ اس

طرح کیا ہے ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ (آیت ۔ ۳۰) اُن کے علم کی انتہا دنیا کے مفاد تک ہی ہے۔ وہ اسی دنیا میں سے زیادہ سے زیادہ سازوسامان اور آرام وراحت کے طلبگار ہیں اور آخرت کی فکر ہی نہیں ہے۔ لہٰذا انہیں اسی دُنیا میں حصہ مِل جائے گا۔

اس مقام پر یہ امر وضاحت طلب ہے کہ اللہ نے آخرت کے خواہشمند کے لیے فرمایا ہے کہ ہم اُس کی محنت کی کمائی میں مزید اضافہ کر دیں گے اور اُسے بڑھا چڑھا کر پیش کریں گے مگر دنیا کے طالب کے متعلق فرمایا ہے کہ ہم اس میں سے کچھ دے دیں گے یعنی ضروری نہیں کہ اُس کی خواہش مکمل طور پر پوری ہو بلکہ ہم اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق کچھ نہ کچھ حصہ ادا کر دیں گے مگر ساتھ یہ بھی فرما دیا ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ (بنی اسرآئیل ۔ ۱۸) پھر ہم نے اُس کے لیے جہنم بھی تیار کر رکھی ہے۔ کیونکہ اُس نے نیت اور ارادے سے آخرت کی طلب ہی نہیں کی اور ہمیشہ اسی دُنیا کو پیش نظر رکھا اور اسی کے لیے تگ و دو کرتا رہا۔

شرکاء کا علیحدہ دین

آیت ۔ ۱۳ میں اللہ کا یہ فرمان گزر چکا ہے شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ کہ تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا گیا ہے جو سابقہ انبیاء کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ نیز اللہ نے حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے یہ بھی کہلوایا ہے اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ (آیت ۔ ۱۵) میں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب پر ایمان لا چکا ہوں۔ اس حقیقت کے پیش نظر کہ اللہ نے تمام امتوں کے لیے ایک ہی دین مقرر کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دین کے منکرین سے متعلق یہ سوال اٹھایا ہے اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ کیا اِن لوگوں کے کوئی شریک ہیں جنہوں نے کوئی ایسا دین مقرر کر رکھا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی، گویا انہوں نے اپنا کوئی علیحدہ ہی دین بنا رکھا ہے۔ اور اگر کوئی ہے تو وہ کونسا ہے؟ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (النمل ۔ ۶۴) اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو کوئی

دلیل پیش کرو۔ نیز بتاؤ کہ انہوں نے حلال وحرام کا کون سا ضابطہ مقرر کیا ہے اور کونسی عبادات ضروری قرار دی گئی ہیں اور معاشرتی، معاشی، سیاسی اور اخلاقی حدود وقیود کیا مقرر کی ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ شرکا نے نہ تو کوئی علیحدہ دین بنایا ہے اور نہ اس کے لیے کوئی ضابطہ مقرر کیا ہے۔ البتہ مشرکین کی خود ساختہ شرکیہ رسوم دین حق اور شریعت کے سراسر خلاف ہیں۔ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا (اعراف - ۳۳) جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی۔

حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ اس جملہ میں جہاں شرک کا ابطال ہے وہاں بدعات کا رد بھی پایا جاتا ہے۔ تمام بدعات لوگوں کی خود ساختہ ہیں اور انہیں اللہ نے ہرگز مقرر نہیں فرمایا۔ بدعات کا ثبوت نہ تو قرآن میں ہے نہ سنتِ رسول میں، نہ عمل صحابہ کبارؓ میں اور نہ مجتہدین و فقہاءؒ کے قیاس میں موت کی تمام رسومات از قسم قل، چالیسواں، سالانہ عرس، قبروں کی پختگی، ان پر چراغاں اور چادر پوشی سب خود ساختہ بدعات ہیں اور یہ بھی شرک کی طرح دین کے خلاف ایک بغاوت کا درجہ رکھتی ہیں۔

ان کے لیے سزا

مشرکین کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ اگر پہلے سے ایک فیصلہ شدہ بات نہ ہوتی تو اِن کے درمیان فوری طور پر فیصلہ کر دیا جاتا یعنی اللہ کے باغیوں کو اسی دنیا میں مبتلائے عذاب کر دیا جاتا۔ اور وہ طے شدہ امر یہ ہے کہ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (السجدۃ - ۲۵) کہ جن امور میں یہ اختلاف کرتے ہیں اُن کے درمیان اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فیصلہ کرے گا۔ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا قانون امہال و تدریج کارفرما ہے وہ سرکشوں کو مہلت دیتا ہے۔ شاید کہ وہ توبہ قبول کر لیں اور پھر اُس نے قطعی فیصلہ کے لیے قیامت کا دن مقرر کر رکھا ہے، اُسی دن سارے حتمی فیصلے ہوں گے اس لیے فرمایا کہ اگر ایک طے شدہ بات نہ ہوتی تو ان لوگوں کا فوراً فیصلہ کر دیا

جاتا وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ اور بیشک ظلم یعنی کفر، شرک کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

فرمایا تَرَی الظّٰلِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا کَسَبُوْا اور آپ اِن ظالموں کو دیکھیں گے کہ وہ اپنی کمائی سے ڈرنے والے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ جب یہ لوگ میدانِ حشر میں پہنچیں گے تو دنیا میں کردہ اعمال اِن کے سامنے ہوں گے۔ اِن کا کفر، شرک، سرکشی، معاصی وغیرہ سب نظر آئیں گے اور پھر وہ جان لیں گے کہ آج اپنے بُرے عقائد و اعمال کی بدولت پھنس گئے۔ اس وقت وہ بڑے خوفزدہ ہوں گے۔ اور حقیقت یہ ہے وَهُوَ وَاقِعٌ بِهِمْ کہ اُن کی کارکردگی کا وبال اُن پر پڑنے والا ہوگا، وہ اُس دن بچ نہیں سکیں گے۔

اہلِ ایمان کے لیے انعامات

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور وہ لوگ جو ایمان لائے نیک اعمال انجام دیے۔ ایمان سے مراد اللہ کی ذات، اس کی صفات، اس کے رسولوں، اس کی کتابوں، ملائکہ، بعث بعد الموت اور تقدیر پر ایمان لانا ہے اور ہر قسم کے کفر اور شرک سے بیزاری کا اظہار بھی ہے۔ ایمان کی مثال میں نے ابھی عرض کی ہے کہ اللہ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا قُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ کِتٰبٍ آپ کہہ دیں کہ میں اللہ کی نازل کردہ کتاب پر ایمان لایا کہ یہ برحق ہے اسی طرح باقی تمام چیزوں پر یقین رکھنا بھی جزوِ ایمان ہے۔ اسی طرح کفر و شرک سے بیزاری کی مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیش کی وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ (الزخرف - ۲۶) ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں اُن تمام چیزوں سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں جن کی تم پوجا کرتے ہو۔

تو فرمایا جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ بنیادی طور پر عباداتِ اربعہ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج نیک اعمال ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشادِ مبارک ہے کہ جو شخص اِن عبادات

کر انجام دے گا بشرطیکہ وہ ٹھیک طور پر ایماندار ہو تو وہ کامیاب ہو جائے گا۔ خواہ وہ سفر کرے یا گھر میں بیٹھا ہے۔ بہرحال بنیادی طور پر نیک اعمال میں عباداتِ اربعہ ہیں اور اس کے بعد صدقہ خیرات، صلہ رحمی، حسنِ معاشرت، تعلیم و تعلم، غریب پروری وغیرہ بھی نیک اعمال میں شامل ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا فِي رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ وہ بہشتوں کے باغوں میں ہوں گے لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ اُن کے لیے اُن کے پروردگار کے ہاں ہر وہ چیز ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے۔ اُس پاک مقام پر پاک خواہش ہی پیدا ہوگی، کسی جنتی کے دل میں کوئی ردی خواہش پیدا ہی نہیں ہوگی، لہٰذا اللہ تعالیٰ ان کی ہر خواہش کو پورا فرمائے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک جنتی آدمی عرض کرے گا کہ پروردگار! مجھے کھیتی باڑی کا بڑا شوق ہے۔ اللہ فرمائے گا، اے آدم کے بیٹے! کیا جنت کی نعمتوں سے تیرا پیٹ نہیں بھرا، کیا تو ان چیزوں سے راضی نہیں ہوا؟ عرض کریگا۔ مولا کریم! میں تیری عطا کردہ نعمتوں سے بڑا خوش ہوں، مگر کاشتکاری میری دلی خواہش ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا، کھیت تیار کیا جائے گا۔ پھر اس میں بیج ڈالا جائے گا اور دیکھتے ہی دیکھتے فصل اُگ آئے گی اور پھر پک جائیگی فصل کٹ کر اناج کے ڈھیر لگ جائیں گے اور اس طرح اللہ اُس شخص کی خواہش فوراً پوری فرمادیں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانِ مبارک ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمھیں جنت تک پہنچا دے اور یہ ہر مومن کی دلی تمنا ہے۔ تو فرمایا وہاں پر سرخ یاقوت کے گھوڑے پر سوار ہو کر جہاں چاہو گے اڑتے پھرو گے، گھوڑا تمھیں بلا خوف و خطر منزلِ مقصود تک پہنچائے گا۔ الغرض! جنت میں ہر جنتی کی ہر خواہش پوری ہوگی فرمایا ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ یہ بہت بڑے درجے کی فضیلت ہے جسے اللہ تعالیٰ نصیب فرمادے۔ دوسری جگہ فرمایا فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ (آل عمران ۔ ۱۸۵) جو دوزخ سے

بچاکر جنت میں داخل کر دیا گیا، وہ کامیاب ہو گیا۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یہ وہی چیز ہے جس کی خوشخبری اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان اور نیک اعمال انجام دینے والوں کو دیتا ہے کہ جنت میں انہیں ہر قسم کا آرام و راحت نصیب ہو گا۔ اور ان کی ہر خواہش پوری ہو گی۔

بے لوث تبلیغ

آگے اللہ تعالیٰ نے رسالت کا ذکر فرمایا ہے اور اپنے پیغمبر کی زبان سے بے لوث تبلیغِ دین کا اعلان کروایا ہے۔ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ میں تبلیغِ حق کے سلسلے میں تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا بلکہ میرا یہ فرضِ منصبی اور بے لوث خدمت ہے۔ سورۃ الشعراء میں اللہ نے مختلف نبیوں کی زبان سے یہی کہلوایا ہے وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (آیت۔۱۶۴) میں تم سے اس کام پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتا بلکہ میرا بدلہ تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ ہاں میرا مطالبہ صرف اس قدر ہے اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی میں قرابت داری میں دوستی چاہتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ میں تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، ہاں اتنی بات ہے کہ تم قرابت داری کا تو کچھ لحاظ رکھو۔ تم میرے خاندان کے لوگ ہو اور خاندانی لوگ ایک دوسرے کا بڑا لحاظ کرتے ہیں۔ تم اگر میرے پروگرام کو قبول نہیں کرتے تو قرابتداری کا لحاظ کر کے سہی، مجھے ایذا تو نہ پہنچاؤ۔ ہمیں اپنا کام کرنے دو، تم مانو یا نہ مانو، یہ تمہاری مرضی ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ میں تم سے کوئی معاوضہ تو طلب نہیں کرتا، مگر تم صلہ رحمی کرتے ہوئے آپس میں قرابتداری اور رشتہ داری کا لحاظ تو رکھو۔ مطلب یہ کہ صرف میری بات نہیں بلکہ میرے ماننے والے دوسرے لوگ بھی تمہاری برادری اور خاندان کے لوگ ہیں ان سب کا لحاظ رکھو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سواری پر کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک شخص نے راستے میں آپکی سواری روک لی اور عرض کیا حضور! مجھے کوئی ایسی بات بتلائیں جو مجھے جنت سے قریب اور دوزخ سے دُور کر دے، آپ نے فرمایا کہ اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لاؤ، اسی کی عبادت کرو۔ فرائض بجا لاؤ اور صلہ رحمی کرو۔ ظاہر ہے کہ صلہ رحمی میں سب سے پہلے قرابت دار آتے ہیں، والدین، اقرباء، رشتہ دار، پھر برادری کے لوگ، پھر ساری مسلمان قوم، پھر ساری بنی نوع انسان کے ساتھ درجہ بدرجہ صلہ رحمی ضروری ہے۔ غرضیکہ صلہ رحمی بہت بڑی چیز ہے۔ اور اس میں بڑوں، چھوٹوں، اپنوں، بیگانوں، اہل محلہ، اہل شہر اور اہل ملک اور پھر اہل ایمان سب کے حقوق آتے ہیں۔ اور اللہ کا فرمان ہے وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ (بنی اسرائیل-۲۶) قرابت داروں کو اُن کا حق ادا کرو اور مسکینوں کا اور مسافروں کا بھی۔ اور سب سے پہلا حق اللہ نے والدین کا رکھا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہی ارشاد ہے۔ تیرے پروردگار کا فیصلہ ہے کہ عبادت صرف اسی کی کرو وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (آیت-۲۳) اور ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرو، اُن کی خدمت کرو، اور جب وہ بوڑھے ہو جائیں تو اُن کے سامنے اُف تک بھی نہ کرو۔ یہ سب کچھ قرابتداری میں آتا ہے جس کے متعلق اس مقام پر فرمایا کہ میں تم سے کوئی معاوضہ تو طلب نہیں کرتا سوائے اس کے کہ قرابتداری کا لحاظ تو رکھو جو کہ ہر جگہ ایک مسلمہ اصول ہے۔ امام حسن بصریؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ قربیٰ سے مراد اللہ تعالیٰ کا قرب ہے یعنی میں اپنی ذات کے لیے تم سے کوئی معاوضہ نہیں طلب کرتا بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ تم نیک اعمال انجام دے کر اللہ کا قرب حاصل کر لو۔

اہل بیت سے محبت

حضرت سعید ابن جبیرؒ اور امام زین العابدینؒ نے اس آیت سے حضور علیہ السلام کے قرابتدار مراد لیے ہیں یعنی میں تم سے کچھ نہیں چاہتا سوائے اس کے کہ میرے قرابتداروں کے ساتھ حسنِ سلوک رکھو۔ حضور علیہ السلام کے اہل بیت اور قرابتداروں کے ساتھ

محبت رکھنا اور ان کا ادب واحترام اپنی جگہ مسلم ہے۔ اگرچہ اس آیت کا یہ مصداق نہ ہو۔ اور پھر اہل سنت کا یہ بھی مسلک ہے کہ جس طرح حضور علیہ السلام کے قرابتداروں کے ساتھ محبت ضروری ہے۔ اسی طرح آپ کے صحابہ کرامؓ اور ازواج مطہراتؓ کی محبت اور ادب واحترام بھی ضروری ہے۔ صرف حضرت علیؓ، امام حسنؓ، امام حسینؓ اور حضرت فاطمہؓ کو مومن سمجھ کر صحابہؓ کے ساتھ بغض رکھا جائے اور ازواج مطہرات سے نفرت کی جائے، یہ ہرگز روا نہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرو کیونکہ وہ خالق اور مالک ہے، اور تمہاری تمام ضروریات پوری کرتا ہے۔ پھر فرمایا کہ مجھ سے بھی محبت رکھو کیونکہ میں تمہیں خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچاتا ہوں اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیتؓ اور میرے صحابہؓ کے ساتھ بھی محبت رکھو۔ فرمایا مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ جو میرے صحابہؓ کے ساتھ محبت رکھتا ہے وہ میری محبت کی وجہ سے رکھتا ہے اور جو ان کے ساتھ بغض رکھتا ہے وہ گویا مجھ سے بغض رکھتا ہے آپ کا ارشاد ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ محبت ایمان کی نشانی ہے اور ان کے ساتھ بغض منافقت کی علامت ہے اسی طرح حضرت علیؓ کے ساتھ محبت ایمان کا جزو ہے اور ان کے ساتھ نفرت منافقین کا کام ہے۔ آپ نے انصار سے محبت کو بھی ایمان کی علامت بتایا۔

اس آیت کریمہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر راجح ہے کہ لوگو! میں تم سے کوئی ذاتی معاوضہ نہیں مانگتا، بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ کم از کم قرابت داری کا لحاظ کرتے ہوئے تکلیف تو نہ پہنچاؤ۔ قرابت داری کا خیال تو غیر مذہب والے بھی رکھتے ہیں۔ تم میری بات مانو یا نہ مانو، تمہاری مرضی، مگر صلہ رحمی کا دامن تو نہ چھوڑو۔ رقا آخر

فرمایا وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا اور جو شخص بھلائی کمائے گا

ہم اُس کی خوبی زیادہ کر دیں گے یعنی اُس کا بدلہ بڑھا کر دیں گے ۔ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ شَکُوْرٌ
بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور نہایت ہی قدر دان ہے ۔ وہ معمولی عمل
پر بھی بہت زیادہ اَجر عطا کر دیتا ہے ۔ اور بندوں کی لغزشوں اور کوتاہیوں سے درگزر
فرماتا ہے ۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۖ فَإِن يَشَإِ اللَّهُ
يَخْتِمْ عَلَىٰ قَلْبِكَ ۗ وَيَمْحُ اللَّهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ
الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٢٤﴾
وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو
عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿٢٥﴾ وَيَسْتَجِيبُ
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُم
مِّن فَضْلِهِ ۚ وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿٢٦﴾
وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ
وَلَٰكِن يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ
خَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿٢٧﴾ وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ
مِن بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنشُرُ رَحْمَتَهُ ۚ وَهُوَ الْوَلِيُّ
الْحَمِيدُ ﴿٢٨﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَمَا بَثَّ فِيهِمَا مِن دَابَّةٍ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ
ع ۳/۴ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ ﴿٢٩﴾

ترجمہ:- کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اللہ پر
جھوٹ باندھ لیا ہے؟ پس اگر چاہے اللہ تعالیٰ تو مہر کر

دے آپ کے دل پر۔ اور اللہ تعالیٰ مٹاتا ہے باطل کو،
اور ثابت کرتا ہے حق کو اپنے کلمات کے ساتھ۔ بیشک
وہ جاننے والا ہے سینوں کے رازوں کو (۲۴) اور وہ وہی
ہے جو قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے، اور معاف
کرتا ہے برائیاں۔ اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو (۲۵) اور
وہ سنتا ہے دعا اُن لوگوں کی جو ایمان لائے اور جنہوں نے
نیک اعمال انجام دیے، اور زیادہ دیتا ہے اُن کو اپنے
فضل سے۔ اور کفر کرنے والے لوگ، اُن کے لیے عذاب
شدید ہے (۲۶) اور اگر اللہ تعالیٰ پھیلا دے روزی اپنے
بندوں کے لیے، تو البتہ سرکشی کریں وہ زمین میں، لیکن
اتارتا ہے وہ ایک اندازے کے ساتھ جو چاہے، بیشک
وہ اپنے بندوں کے ساتھ خبر رکھنے والا، اور (اُن کے حالات
کو) دیکھنے والا ہے (۲۷) اور وہ وہی ہے جو اتارتا ہے
بارش کو بعد اس کے کہ لوگ مایوس ہو جاتے ہیں، اور
پھیلاتا ہے اپنی رحمت، اور وہ کارساز اور تعریفوں والا
ہے (۲۸) اور اس کی نشانیوں میں سے ہے پیدا کرنا آسمانوں
اور زمین کا اور جو پھیلایا ہے اُن دونوں کے درمیان جانوروں
میں سے۔ اور وہ اُن کے اکٹھا کرنے پر بھی، جب چاہے،
قدرت رکھتا ہے (۲۹)

ربط آیات

پہلے توحید، معاد اور جزائے عمل کا ذکر ہوا، اور نیک و بد
آدمیوں کا انجام بیان کیا گیا۔ پھر گذشتہ آیت میں رسالت کا ذکر تھا۔ اللہ نے
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے کہلوایا لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا
میں اس تبلیغ حق پر تم سے کوئی معاوضہ تو طلب نہیں کرتا، میں تو صرف قرابتداری کا

لحاظ چاہتا ہوں کہ کم از کم مجھے ایذا تو نہ پہنچاؤ۔ اب آج کی پہلی آیت بھی رسالت ہی کے تسلسل میں ہے۔ پھر آگے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں اور جزائے عمل کا تذکرہ ہے۔

افتراء علی اللہ کی نفی

ارشاد ہوتا ہے اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا کیا یہ منکرین اور مکذبین کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی نے خدا تعالیٰ پر افترا باندھا ہے؟ یعنی قرآن پاک اللہ کا کلام نہیں۔ بلکہ یہ نبوت کا دعویدار خود ساختہ کلام کو اللہ کی طرف منسوب کر رہا ہے۔ اللہ نے ایسے لوگوں کا رد فرمایا ہے اور وحی الٰہی کی حقانیت کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ تم کہتے ہو کہ یہ خدا کا کلام نہیں، یاد رکھو! فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰہُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِکَ اے پیغمبر! اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو آپ کے دل پر مہر کر دے، آپ کا دل ماؤف ہو جائے اور پھر اس میں وحی الٰہی یا کوئی دوسری صحیح بات داخل ہی نہ ہو سکے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسا کرنے پر مکمل قدرت رکھتا ہے مگر وہ ایسا نہیں کرتا۔ لہٰذا اللہ کا پیغمبر ہمیشہ سچی بات کرتا ہے جس کی بنیاد وحی الٰہی ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ ایسے پیغمبر پر افترا کا الزام لگانا اور اس کی طرف غلط باتیں منسوب کرنا درست نہیں، وہ حق کے بغیر کچھ نہیں کہتا مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آیت زیر درس کو سورۃ بنی اسرائیل کی اس آیت کے تناظر میں سمجھنا چاہیئے وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ (بنی اسرائیل۔ ۸۶) اگر ہم چاہیں تو آپ کی طرف نازل کی گئی وحی کو آپ سے ہٹا دیں۔ اس مقام پر بھی ایسی ہی بات کی گئی ہے کہ ہم نے کمال مہربانی سے آپ پر اپنی کتاب بصورت وحی نازل کی ہے اور جس طرح یہ آپ کے قلب مبارک پر نازل کی ہے، اسی طرح ہم آپ کے دل کو سر بمہر بھی کر سکتے ہیں کہ اس میں کوئی چیز داخل ہی نہ ہونے پائے، بھلا یہ لوگ آپ پر افترا کا الزام کیسے لگاتے ہیں؟

فرمایا حقیقت یہ ہے وَیَمْحُ اللّٰہُ الْبَاطِلَ اللہ تعالیٰ اس وحی

کے ذریعے باطل کو مٹاتا ہے وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ اور اپنے کلمات کے ذریعے صحیح بات کو ثابت کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر اور وحی کے خلاف غلط پراپیگنڈا اور شیطانی وساوس کو مٹاتا ہے اور اپنے کلمات کو بذریعہ وحی اپنے انبیاء پر نازل فرما کر حقیقت کو واضح کر دیتا ہے اور اس طرح گویا دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ فرمایا اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ وہ سینوں کے رازوں کو بھی جانتا ہے، وہ ہر شخص کے فعل، نیت اور ارادے سے بھی واقف ہے اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔

شاہ عبدالقادرؒ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے اوپر کیوں جھوٹ بولنے دے گا، وہ چاہے تو دل کو بند کر دے کہ مضمون ہی نہ آئے جس کو باندھ سکے، اور چاہے تو کفر کو مٹا دے، پھر پیغام بھیجے۔ خدا تعالیٰ کسی غلط بات کو بغیر نبی کے واسطے کے بھی مٹانے پر قادر ہے، مگر وہ اپنی باتوں سے دین کی باتوں کو ثابت کرتا ہے۔ اس واسطے نبی پر اپنا کلام بھیجتا ہے۔ چاہے تو اللہ ہر کام کر سکتا ہے، دل کو بند کر دے، اس پر کوئی چیز نازل نہ ہو، لیکن اللہ تعالیٰ حق کو ثابت کرتا ہے، باطل کو مٹاتا ہے اور اس طرح اپنے کلمات یعنی نبی پر کلام نازل فرما کر حق کو ثابت کرتا ہے اور باطل کو ملیامیٹ کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کے مخفی رازوں، نیت، ارادے اور باریک ترین باتوں کو جانتا ہے جن کو کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔ یہ رسالت کا بیان ہو گیا۔

توبہ اور اسکی قبولیت

ارشاد ہوتا ہے۔ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو اپنے بندوں سے توبہ قبول کرتا ہے۔ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ اور برائیوں کو معاف کرتا ہے وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ اور جو کچھ تم کرتے ہو۔ اس کو جانتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کہ جب اس کے بندے اس کی طرف رجوع کریں تو وہ ان کی لغزشوں سے درگزر کر کے ان کی توبہ کو قبول فرما لے۔ حدیث شریف میں آتا ہے التوبة الندم

یعنی پشیمانی کا نام ہی توبہ ہے۔ جو شخص گناہ کرنے کے بعد نادم ہو گیا اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو یہی توبہ ہے جس کی قبولیت کا اللہ نے وعدہ فرمایا ہے

تفسیر کشاف، تفسیری مظہری اور امام بیضاوی نے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانے میں ایک دیہاتی آدمی مسجد نبوی میں آیا اور جلدی جلدی استغفر اللہ استغفر اللہ کہنے لگا۔ حضرت علیؓ نے اُس شخص کو بلا کر کہا کہ استغفار کا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے بلکہ یہ تو منافقوں کا طریقہ ہے۔ اُس شخص نے عرض کیا کہ حضرت مجھے توبہ کا صحیح طریقہ بتلا دیجئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ سچی توبہ کے لیے چھ شرائط کا پورا کرنا ضروری ہے جو یہ ہیں۔

(۱) سابقہ گناہوں پر نادم ہو۔
(۲) دورانِ گناہ جو فرائض ترک کیے ہیں اُن کو لوٹایا جائے۔
(۳) کسی دوسرے کے ساتھ ظلم و زیادتی کی ہے تو اُس کی تلافی کرے۔
(۴) جس طرح گناہ کے زمانے میں اپنے نفس کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے، اب توبہ کے بعد نفس کو اسی طریقے سے اللہ کی اطاعت کے لیے ہموار کرے۔
(۵) جس طرح گناہ کے ارتکاب سے گناہ کی لذت اٹھاتا تھا، اب اطاعت کر کے اس کی لذت بھی حاصل کرے۔
(۶) گناہ کے زمانے میں ہنستا تھا اب اسی قدر رونے کی کوشش کرے۔

غرضیکہ زبان سے توبہ توبہ کرنا اور گناہ پر اصرار کرنا کچھ مفید نہیں ہوگا بلکہ توبہ کی قبولیت کے لیے اس کے لوازمات کی تکمیل بھی ضروری ہے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرتا، گناہوں سے درگذر کرتا ہے وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اور اُن لوگوں کی دعائیں سنتا ہے اور انہیں قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیے۔ دُعا بہترین عبادت ہے۔ اللہ کا فرمان ہے۔ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (البقرہ۔ ۱۸۶) جب کوئی دُعا کرنے والا دعا کرتا ہے تو میں اُس کی دُعا کو قبول

کرتا ہوں بشرطیکہ دُعا کرنے والا ایماندار ہو۔ اللہ کے نبی نے دُعا کی قبولیت کی تین صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ جب کوئی بندہ اللہ سے کوئی سوال کرتا ہے تو یا تو اس کا سوال پورا کر دیا جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اُس کی دُعا کی وجہ سے دُعا کرنے والے کی کوئی مصیبت ٹال دی جاتی ہے اور یا پھر اُس دُعا کو آخرت کے لیے ذخیرہ بنا کر رکھ لیا جاتا ہے۔ لہٰذا ہر انسان کو ہر وقت دُعا کرتے رہنا چاہیئے۔

فرمایا وہ سنتا ہے دُعا اُن لوگوں کی جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیے وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ اور انہیں اپنے فضل سے زیادہ بھی عطا کرتا ہے۔ وہ اپنے بندے میں جس قدر خلوص پاتا ہے اُسی قدر اپنی رحمت میں اضافہ کر دیتا ہے۔ وہ اپنی مصلحت اور حکمت کے مطابق جتنا چاہے عطا کر دیتا ہے، اس کی کوئی تحدید نہیں ہے وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ اس کے برخلاف کافروں کے لیے اللہ کے ہاں سخت عذاب بھی تیار ہے۔ جو شخص اس کی توحید کو قبول نہیں کرتا، اس کے بنائے ہوئے پروگرام پر عمل نہیں کرتا، وہ اُس کے شدید عذاب کا مستحق بن جاتا ہے۔

رزق کی کشادگی اور تنگی

تاریخ عالم شاہد ہے کہ انبیاء کی نبوت کو تسلیم کرنے کے راستے میں ایک رکاوٹ اُن کی کمزور مالی حیثیت بھی رہی ہے۔ دنیا کے اکثر و بیشتر متمول اور آسودہ حال لوگوں نے ہی رسالت کا انکار کیا۔ ان کا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ نبی کو ایک امیر کبیر آدمی ہونا چاہیئے جس کے پاس محلات ہوں، باغات ہوں، نوکر چاکر اور آرام و راحت کے تمام اسباب مہیا ہوں، بھلا ایک نادار آدمی کو کیسے نبی تسلیم کر لیا جائے۔ خود حضور علیہ السلام کی رسالت پر بھی یہی اعتراض تھا لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ (الزخرف - ۳۱) یہ قرآن مکے اور طائف کی دو بڑی بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اتارا گیا، کیا اس کے لیے ابو طالب کا یتیم بھتیجا ہی رہ گیا تھا؟ اگلی آیت میں اللہ نے اسی اعتراض کا جواب دیا ہے کہ منصب نبوت کے لیے امارت و غربت معیار نہیں ہے۔ دنیا میں

رزق کی کشادگی یا تنگی تو اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت سے تعلق رکھتی ہے، وہ جس کو چاہتا ہے زیادہ دے دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے۔ اور پھر آسودہ حال ہونا اللہ کے ہاں پسندیدگی کا کوئی معیار تو نہیں۔ وہ بعض اوقات نافرمانوں کو بے حساب نعمتیں عطا کرتا ہے، دولت کی فراوانی ہوتی ہے، دنیا کی زندگی کے لیے اسباب راحت موجود ہوتے ہیں مگر بالآخر وہ جہنم کے کندۂ ناتراش ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بعض صالحین کو دنیا کی زندگی میں تنگی میں ڈال دیتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اللہ کے ہاں مبغوض ہوتے ہیں۔ اللہ کا قانون یہ ہے وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ (النحل - ۷۱) کہ اس نے روزی کے معاملہ میں بعض کو بعض پر برتری عطا فرمائی ہے۔ تو یہاں پر ارشاد ہوتا ہے وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے روزی کشادہ کر دے تو وہ زمین میں سرکشی کرنے لگیں نہ خدا تعالیٰ کو پہچانیں اور نہ اس کی اطاعت کریں۔

عالمِ ارواح والی حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب آدم علیہ السلام کے سامنے ان کی اولاد کی تمام روحیں پیش کی گئیں تو انہوں نے ان کے درمیان اونچ نیچ دیکھ کر بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا رَبِّ لَوْلَا سَوَّيْتَ بَيْنَ عِبَادِكَ پروردگار! تو نے اپنے بندوں کے درمیان مساوات کیوں نہیں قائم کی، تو اللہ نے فرمایا کہ اگر میں سب کو برابر کر دوں تو مجھے کوئی نہیں پہچانے گا۔ اللہ نے بندوں کے درمیان اپنی حکمت کے مطابق رزق میں کمی بیشی کی ہے۔ وہ اس دنیا میں کسی کو زیادہ دیتا ہے اور کسی کو کم۔ اگر سب کو یکساں کر دے تو لوگ سرکشی کرنے لگ جائیں۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کس کو کس حال میں رکھنا ہے، کس کے ساتھ کون سی چیز زیادہ مناسب ہے، اور کس صورت میں اس کا امتحان لینا ہے۔

معاشی یکسانیت غیر فطری ہے

اس زمانے میں اشتراکیت کے دعویدار معاشی مساوات کا بڑا پراپیگنڈا کرتے ہیں حالانکہ یہ ایک غیر فطری چیز ہے۔ اشتراکیت کی قانون سازی کسریٰ سے پہلے

مزدک نے کی تھی۔ وہ لوگوں کے درمیان ہر چیز کی مساوات کا قائل تھا حتیٰ کہ اس کے نظریہ کے مطابق عورت بھی ایک مشترک چیز ہونی چاہیئے۔ جو کسی ایک کی ملکیت نہ ہو۔ روس کے موجودہ اشتراکیوں نے تو بعض چیزوں مثلاً بیوی، مکان، سواری وغیرہ کو ذاتی ملکیت میں شمار کیا ہے تاہم معیشت کے تمام وسائل کے مشترک ہونے کے یہ بھی قائل ہیں کہ تمام وسائل پر حکومت کا کنٹرول ہونا چاہیئے۔ چنانچہ یہ لوگ اس اشتراکی نظام کے گذشتہ ساٹھ ستر سال سے تجربات کر رہے ہیں مگر اونٹ کسی کروٹ بیٹھتا نظر نہیں آتا۔ یہاں پر تشدد کے سوا کچھ نہیں۔ لوگوں کو اشتراکی نظریات پر مجبور کیا جاتا ہے اور جب کوئی اس کی مخالفت کرتا ہے تو اُسے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ ہمارے بزرگوں نے تو اشتراکی نظریہ کی ابتدا میں ہی کہہ دیا تھا کہ اس نظام کا تجربہ کر کے بھی دیکھ لو۔ تمھیں پتہ چل جائے گا کہ یہ خلاف فطرت ہے اور ناکام ہے (آج ستر سال کے بعد اشتراکی نظام ناکام ہو چکا ہے حتیٰ کہ اس کا پرورش کرنے والا ملک روس خود ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ختم ہو گیا ہے۔ اس طرح ہمارے بزرگوں کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہو گئی ہے)

اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے ذہنی اور جسمانی قویٰ بھی یکساں نہیں رکھے ایک نہایت زیرک اور عقلمند آدمی ہے تو دوسرا سرسری ذہن کا مالک ہے کوئی جسمانی لحاظ سے بڑا مضبوط ہے جب کہ دوسرا کمزور جسم والا ہے۔ پھر انہی ظاہری اور باطنی قویٰ کی نسبت سے ان کے اشغال کا مختلف ہونا بھی لازمی امر ہے۔ کوئی ایک کام کو بخوبی انجام دے سکتا ہے تو دوسرا دوسرے کام کا زیادہ اہل ہے، لہٰذا ہر اہل اور نااہل، کمزور اور صحت مند، ہنرمند اور غیر ہنرمند، جاہل اور عالم میں مساوات کیسے قائم ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے عدمِ مساوات خود قائم کی ہے اور اس کی دلیل یہ دی ہے کہ اگر وہ سب کے لیے روزی کے دروازے یکساں کشادہ کر دیتا تو لوگ دنیا میں سرکشی کرنے لگتے اور سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا۔

سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت

اشتراکی نظامِ معیشت کے برخلاف مغربی ممالک، امریکہ، برطانیہ، فرانس اور

جرمنی وغیرہ میں سرمایہ دارانہ نظام رائج ہے۔ اس نظام میں دولت کے کمانے اور خرچ کرنے پر کوئی پابندی نہیں۔ ہر شخص ہر جائز یا ناجائز ذرائع سے جتنی چاہے دولت اکھٹی کر سکتا ہے۔ یہ ملوکیت اور شہنشاہیت کا نظام ہے اور قرآن کی رو سے یہ بھی باطل ہے۔ اس نظام کا ماحصل یہ ہے کہ دولت کا ارتکاز چند ہاتھوں میں ہو کر باقی لوگ بنیادی حقوق سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ امیر آدمی امیر تر اور غریب بیچارہ غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ بعض لوگ بڑی بڑی کوٹھیوں میں رہتے ہیں جہاں انہیں آرام و آسائش کی ہر سہولت میسر آتی ہے جب کہ بعض لوگوں کو سر چھپانے کے لیے جھونپڑا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ یہی اس نظام کی سب سے بڑی خرابی ہے۔

اسلامی نظامِ معیشت

برخلاف اس کے اسلام نے ایک صاف ستھرا نظام معیشت دیا ہے۔ جو مذکورہ دونوں نظاموں سے مختلف ہے۔ اسلام ہر جائز اور ناجائز ذرائع سے اکتساب زر کی اجازت نہیں دیتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا (البقرۃ۔ ۱۶۸) لوگو! زمین کی حلال اور طیب چیزیں کھاؤ یعنی حرام کے قریب نہ جاؤ۔ مگر آج دنیا میں اس پابندی کو کون قبول کرتا ہے؟ دولت حاصل ہونی چاہیئے خواہ شراب فروشی، سمگلنگ، چور بازاری، جوا یا فلم انڈسٹری کے ذریعے حاصل ہو۔ اسی طرح سرمایہ دارانہ نظام میں دولت کے مصرف پر بھی کوئی پابندی نہیں، کوئی بیس لاکھ کی کوٹھی بنالے اور چالیس لاکھ کا سامانِ تعیش جمع کرلے کھیل تماشے اور عیاشی اور فحاشی پر دولت خرچ کرے، کوئی نہیں پوچھتا مگر اسلام اس افراط و تفریط کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کے نظام معیشت کی رو سے ہر نیک و بد انسان کو اس کے کم از کم بنیادی حقوق تو ضرور ملنے چاہئیں۔ اُسے کھانا، پینا، لباس، رہائش اور تعلیم کی بنیادی سہولتیں بہر حال حاصل ہونی چاہئیں، خواہ کم تر درجہ کی ہی ہوں مگر ہر معاملے میں سب برابر ہوں، یہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف ایک غیر فطری امر ہے۔ کوئی دال کھائے، گوشت کھائے یا سبزی کھائے، بہر حال اُسے کھانا میسر آنا چاہیئے۔ اسی طرح خواہ معمولی چھپر ہو، رہائش کی سہولت ملنی چاہیئے۔ بیماری کی

حالت میں علاج معالجہ کی سہولت ہو تاکہ انسان کام کاج اور اللہ کی عبادت کر سکے اسی طرح ہر شخص کے بچوں کو تعلیم حاصل کرنے کے مواقع ملنے چاہئیں۔ اسلام یہ حقوق دیتا ہے مگر برابری کو تسلیم نہیں کرتا۔

فرمایا اگر اللہ تعالیٰ سب کے لیے رزق کو کشادہ کر دیتا ہے تو لوگ زمین میں سرکشی کرنے لگتے۔ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاۤءُ بلکہ وہ ایک خاص اندازے کے مطابق رزق کو نازل کرتا ہے، اور جس شخص کے لیے جتنا مناسب سمجھتا ہے عطا کرتا ہے۔ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ بے شک وہ اپنے بندوں کے حالات سے اچھی طرح واقف ہے اور ہر چیز اُس کی نگاہ میں ہے۔ وہ اپنے علم اور حکمت کی بنا پر رزق کو تقسیم کرتا ہے اور یہ تقسیم خود بندوں کے لیے بھی ان کے بہترین مفاد میں ہوتی ہے۔

دلائل قیامت اور قدرت

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت اور جزائے عمل کا مسئلہ سمجھایا ہے، اور ساتھ ساتھ وحی الٰہی کا فلسفہ بھی آگیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا اللہ کی ذات وہ ہے جو بارش کو نازل کرتا ہے جب کہ لوگ مایوس ہو جاتے ہیں۔ وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ اور اپنی رحمت کو پھیلا دیتا ہے۔ بارش ہوتی ہے تو مردہ زمین میں نئی زندگی پیدا ہوتی ہے، اسمیں نشوونما کی قوت پیدا ہوتی ہے اور پھر اس میں پھل، پھول اور اناج پیدا ہوتا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کو بکھیر دیتا ہے اور انسان، جانور، پرندے حتیٰ کہ کیڑے مکوڑے بھی اللہ کی اس رحمت سے مستفید ہوتے ہیں اور خوراک اور پانی جیسی نعمتیں حاصل کرتے ہیں جن کے ذریعے وہ زندگی کو برقرار رکھ سکتے ہیں۔

فرمایا وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ اللہ تعالیٰ ہی ہر ایک کا کارساز اور تعریفوں والا ہے۔ کوئی اُس کی تعریف کرے یا نہ کرے، وہ بہرحال تعریفوں کے لائق ہے ہر شخص کا کام بنانے والا بھی وہی ہے۔ انسان لاکھ ٹکریں مارے اُس کی منشا کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ گویا وحی الٰہی کی دلیل ہو گئی۔

فرمایا وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کا یہ عظیم نظام قائم کر رکھا ہے۔ جس کے سامنے ہر مخلوق عاجز ہے۔ وَمَا بَثَّ فِیْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ اور آسمانوں اور زمین کے درمیان جانداروں کو بکھیر دینا بھی اُس کی قدرت کی نشانی ہے بھلا اُس کے بغیر کون ہے جو اُس کی مخلوق کی اقسام کا ہی احاطہ کر سکے۔ آسمانوں پر دیگر جاندار تو نہیں ہیں، البتہ اللہ کی لطیف مخلوق ملائکہ ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری مخلوق بھی ہو سکتی ہے۔ جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ زمین کی مخلوق سے تو ہم کسی قدر واقف ہیں جن میں بلند ترین ہستی خود انسان ہیں، باقی چرند، پرند، درندے، کیڑے مکوڑے اور اس سے کئی گنا زیادہ آبی مخلوق ہے۔ غرضیکہ بری، بحری اور فضائی دس لاکھ سے بھی زیادہ قسم کی مخلوق اللہ نے پیدا کر رکھی ہے۔ یہ سب اُس کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ اگر انسان صرف اسی چیز میں غور کرے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچان سکتا ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا ہے اور پھر پھیلا دیا ہے۔ وَهُوَ عَلٰی جَمْعِهِمْ اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ اسی طرح وہ جب چاہے گا۔ ان سب کو اکٹھا کرنے پر بھی قادر ہے۔ اُس کا فیصلہ ہے کہ قیامت برپا ہوگی، ہر چیز فنا ہو جائیگی اور پھر وہ محاسبہ اعمال اور جزا و سزا کے لیے سب کو دوبارہ زندہ کر کے اپنے سامنے لا کھڑا کرے گا۔ سورۃ البقرہ میں بھی ارشادِ خداوندی ہے اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا (آیت - ۱۴۸) تم جہاں کہیں بھی ہو گے، وہ تمہیں جمع کرے گا۔ کوئی شخص قبر میں دفن ہو یا اس کے جسم کے ذرات ہوا اور پانی میں منتشر ہو چکے ہوں۔ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ سب کو جمع کر کے پھر اس کو اصلی شکل میں پیدا کر دے۔ اُس نے اس کام کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جب وہ وقت آ جائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ سب کو اکٹھا کرے گا۔ یہ وقوع قیامت اور جزائے عمل کی دلیل بھی ہوگی۔

وَمَآ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ
وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ ؕ﴿۳۰﴾ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ فِى
الۡاَرۡضِ ۖۚ وَمَا لَـكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا
نَصِيۡرٍ ﴿۳۱﴾ وَمِنۡ اٰيٰتِهِ الۡجَوَارِ فِى الۡبَحۡرِ
كَالۡاَعۡلَامِ ﴿۳۲﴾ اِنۡ يَّشَاۡ يُسۡكِنِ الرِّيۡحَ فَيَظۡلَلۡنَ رَوَاكِدَ
عَلٰى ظَهۡرِهٖ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّـكُلِّ صَبَّارٍ
شَكُوۡرٍ ﴿۳۳﴾ اَوۡ يُوۡبِقۡهُنَّ بِمَا كَسَبُوۡا وَيَعۡفُ
عَنۡ كَثِيۡرٍ ﴿۳۴﴾ وَّيَعۡلَمَ الَّذِيۡنَ يُجَادِلُوۡنَ فِىۡۤ
اٰيٰتِنَا ؕ مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِيۡصٍ ﴿۳۵﴾ فَمَاۤ اُوۡتِيۡتُمۡ
مِّنۡ شَىۡءٍ فَمَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ
خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَلٰى رَبِّهِمۡ
يَتَوَكَّلُوۡنَ ﴿۳۶﴾

ترجمہ:۔ اور جو پہنچتی ہے تم کو کوئی مصیبت پس
اس وجہ سے جو کمایا ہے تمہارے ہاتھوں نے اور
درگزر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ بہت سی خطاؤں سے ﴿۳۰﴾
اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے زمین میں ۔ اور نہیں
ہے تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی کارساز اور نہ کوئی

مددگار (۳۱) اور اُس کی نشانیوں میں سے ہیں چلنے والی
کشتیاں سمندر میں مثل پہاڑوں کے (۳۲) اگر وہ چاہے تو
روک دے ہوا کو، پس ہو جائیں وہ ٹھہرے ہوئے اُس کی
پشت پر۔ پس اس میں البتہ نشانیاں ہیں ہر اُس شخص کے
لیے جو صبر کرنے والا اور شکر کرنے والا ہے (۳۳) یا
ہلاک کر دے اُن کو اُس وجہ سے جو انہوں نے کمایا،
اور وہ بہتوں سے درگزر فرماتا ہے (۳۴) اور تاکہ جان لیں
وہ لوگ جو جھگڑا کرتے ہیں ہماری آیتوں میں کہ نہیں ہے
اُن کے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ (۳۵) پس تمہیں جو کوئی
چیز دی گئی ہے، پس یہ سامان ہے دنیا کی زندگی کا،
اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے اور باقی رہنے والی
چیز اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور اپنے پروردگار
پر وہ بھروسہ رکھتے ہیں (۳۶)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں نبوت و رسالت کا ذکر تھا۔ اس کے ساتھ دلائل توحید اور اللہ کی قدرت کی نشانیوں کا تذکرہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو تخلیق کیا اور پھر زمین پر تمام جانداروں کو پھیلا دیا۔ جس طرح بنی نوع انسان کو زمین کے مختلف خطوں میں بکھیر دیا۔ اسی طرح وہ قیامت والے دن سب کو اکٹھا بھی کرے گا، پھر محاسبہ کی منزل آئیگی اور جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے۔ اللہ نے یاد دلا دیا کہ تمام اختیارات اور تصرفات اسی کے قبضہ میں ہیں اور وہ ہر کام کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔

مصائب
نتیجۂ اعمال

دنیا میں انسانوں پر ہر قسم کے دور آتے ہیں۔ کبھی راحت کبھی تکلیف، کبھی خوشحالی کبھی تنگدستی، کبھی صحت، کبھی بیماری۔ پھر جب انسان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو پھر وہ شکوہ بھی کرنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی سلسلہ میں فرمایا وَمَآ

أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ تمھیں جو بھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے وہ تمھارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کسی پر زیادتی نہیں کرتا کہ وہ بلا وجہ کسی کو مصیبت میں مبتلا کر دے بلکہ ہر آمدہ تکلیف انسان کے کسی اپنے ہی کردہ اعمال کے بدلے کے طور پر نازل ہوتی ہے سورۃ روم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا (آیت-۴۱) خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے تاکہ اللہ تعالیٰ اُن کو اُن کے بعض اعمال کا مزا چکھائے۔ بہرحال اللہ کا فرمان ہے کہ کوئی شخص نیک ہو یا بد اُس کو پہنچنے والی تکلیف بلا وجہ نہیں آتی بلکہ اُس کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ہاں اللہ کا یہ اصول بھی اپنی جگہ قائم ہے کہ وہ ہر بُرے عمل پر گرفت نہیں کر لیتا بلکہ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ اُن میں سے بہت سی کوتاہیوں سے درگزر فرماتا ہے اور اُن کے لیے انسان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچاتا، تاہم تکلیف پہنچانے کا حق اُس کے پاس محفوظ ہوتا ہے۔ بہرحال یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ بیشتر مصائب و پریشانیاں لوگوں کے اعمالِ بد کی وجہ سے آتی ہیں۔

حضرت شاہ عبد القادرؒ اور بعض دیگر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مذکورہ اصول عاقل اور بالغ لوگوں کے لیے ہے خواہ وہ نیک ہوں یا بد۔ البتہ انبیاء کرام اس قانون سے مستثنیٰ ہیں کیوں کہ وہ معصوم ہوتے ہیں۔ اور اُن سے اعمالِ بد سرزد نہیں ہوتے۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ پریشانیاں اور مصائب انبیائے کرامؑ کو بھی بہت زیادہ لاحق ہوئیں اسی طرح نابالغ بچے ہیں جو ابھی مکلف نہیں، لیکن تکلیفیں اُن کو بھی آتی ہیں۔ تو شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انبیاء اور غیر مکلفین کے مصائب کی وجہ اُن کے اعمال نہیں ہوتے بلکہ ان کی حقیقت اور حکمت کچھ اور ہی ہوتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اُن کو پیش

آنے والی تکالیف اُن کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بن جاتی ہوں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ کسی اہلِ ایمان کو پہنچنے والی چھوٹی سے چھوٹی تکلیف بھی اُس کے گناہوں اور لغزشوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی شخص کو کانٹا چبھ گیا ہے۔ ٹھوکر لگ گئی ہے یا کوئی خراش آگئی ہے کسی ذہنی پریشانی میں مبتلا ہو گیا ہے تو یہ اُس کے اعمالِ سوء کا کفارہ ہوتا ہے، تاہم عام قانون یہی ہے کہ آدمی اچھا ہو یا بُرا اُس کے مصائب میں اس کے اعمال کا دخل ہوتا ہے۔ البتہ بیشتر اوقات اللہ تعالیٰ گرفت نہیں کرتا بلکہ معاف کر دیتا ہے۔ جس طرح وہ دنیا میں درگزر فرماتا ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ برزخ اور آخرت میں بھی معاف فرما دے یا وہاں پر گرفت کرے، یہ اس کی منشا پر موقوف ہے۔ بہرحال اُس کے درگزر کا قانون دنیا، برزخ اور آخرت سب پر حاوی ہے۔

راہِ فرار ممکن نہیں

فرمایا وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے اللہ تعالیٰ کو زمین میں۔ اگر کوئی شخص چاہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے، کوئی غلطی کوتاہی اور گناہ کر کے اللہ تعالیٰ کے تسلط سے بھاگ جائے یعنی اُس کی گرفت سے باہر ہو جائے تو ایسا ممکن نہیں۔ کوئی شخص کسی قلعے میں پناہ لے لے جنگلوں اور صحراؤں میں چھپ جائے کسی پہاڑ کی غار میں پناہ گزین ہو جائے، وہ اللہ تعالیٰ کی سلطنت سے راہِ فرار اختیار نہیں کر سکتا اور نہ اُس کی گرفت سے بچ سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے کا یہی مطلب ہے۔ فرمایا تم اُس سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ تمہارے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار مصیبت کے وقت کوئی بھی کام نہیں آئے گا۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ کی وحدانیت، قدرتِ کاملہ، اور جزائے عمل کا ذکر ہو گیا۔

دلائلِ قدرت اور وحدانیت

اللہ نے اپنی قدرت اور وحدانیت کے دلائل کے سلسلے میں فرمایا وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِى الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ اس کی قدرت کے دلائل

میں سے پہاڑوں کی مانند سمندر میں چلنے والی کشتیاں بھی ہیں۔ جوار، جاریہ کی جمع ہے جس کا معنیٰ پانی میں چلنے والی ـــــ کشتی ہوتا ہے۔ جیسے طوفان کے موقع پر فرمایا اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِى الْجَارِيَةِ (الحآقہ - ۱۱) جب نوح علیہ السلام کے زمانے میں عظیم سیلاب آیا تو ہم نے تمھیں پانی میں چلنے والی کشتی پر سوار کر دیا۔ اس زمانے میں تو جاریہ سے مراد بادبانی کشتی ہی لیا جاتا تھا مگر بعد میں بحری ذرائع نقل وحمل نے بڑی ترقی کی ہے۔ پہلے سٹیمر چلے، پھر کوئلے یا تیل سے چلنے والے لاکھوں ٹن وزنی جہاز اور ٹینکر معرض وجود میں آگئے۔ یہ اتنے بڑے بڑے جہاز ہیں جنہیں پہاڑوں سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ حاجیوں کے لیے مخصوص سفینہ حجاج گیارہ منزلہ تھا۔ اس کی چار منزلیں پانی میں اور سات اوپر تھیں اور دیکھنے میں پہاڑ نظر آتا تھا، اب ختم ہو چکا ہے۔

فرمایا اللہ نے ان کو اپنی قدرت کاملہ سے پانی کی سطح پر رواں دواں کیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ ایک سوئی جیسی چھوٹی چیز تو پانی میں ڈوب جاتی ہے، مگر ہزاروں اور لاکھوں ٹن وزنی جہاز لاکھوں ٹن سامان لیے ہزاروں میل کا سفر کرتے ہیں فرمایا اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ہوا کو روک دے فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ پس وہ پانی کی پشت پر ٹھہرے ہوئے ہو جائیں پرانے زمانے میں بادبانی کشتیوں کے ذریعے سفر کا انحصار ہوا پر ہوتا تھا۔ اگر ہوا سفر کے موافق چلتی تھی تو کشتی بھی چل پڑتی تھی۔ اللہ نے فرمایا کہ اگر وہ چاہے تو ہوا کو ہی روک دے تو ایسی صورت میں کشتی بھی پانی کی سطح پر رک جائے گی۔ یہ تو اس زمانے کی بات تھی، آج بھی جب اللہ تعالیٰ کی منشاء ہوتی ہے تو بڑے بڑے جہاز سطح آب پر رک جاتے ہیں۔ انجن میں کوئی نقص پڑ جائے یا سخت طوفان برپا ہو جائے تو جہاز کو روکنا پڑتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات کسی حادثے کی صورت میں بڑے سے بڑا جہاز بھی تباہ ہو سکتا ہے۔ بعض اوقات جہاز کسی سمندری چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتا ہے کبھی خشکی پر چڑھ جاتا ہے، آگ لگ جاتی ہے اور اس طرح بڑا

جانی اور مالی نقصان ہو جاتا ہے۔ سمندر کی وسعت اور اس سے اٹھنے والی پہاڑوں جتنی اونچی اونچی لہروں میں بڑے سے بڑے جہاز کی حیثیت بھی ایک تنکے سے زیادہ نہیں ہوتی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی کشتیوں سے لے کر دیوہیکل جہازوں کو پانی کی سطح پر چلا رہا ہے۔

فرمایا اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوۡرٍ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر صابر و شاکر آدمی کے لیے۔ ان نشاناتِ قدرت سے وہی لوگ مستفید ہو سکتے ہیں جو ہر تکلیف اور مصیبت پر صبر کے دامن کو تھامے رکھتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت میسر آتی ہے، صحت اور آسودگی حاصل ہوتی ہے تو اس کی قدر دانی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

اگلی آیت میں اللہ نے اسی پہلی بات کا اعادہ کیا ہے اَوۡ یُوۡبِقۡہُنَّ بِمَا کَسَبُوۡا اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو لوگوں کو ان کی کارکردگی کی بناء پر ہلاک کر دے۔ جونہی کوئی شخص کسی ظلم، زیادتی یا گناہ کا مرتکب ہو، اللہ تعالیٰ فوراً گرفت کر کے اُسے ہلاک کر دے، کیونکہ وہ اس پر بھی قادر ہے۔ مگر وَیَعۡفُ عَنۡ کَثِیۡرٍ وہ اکثر گنہگاروں سے درگزر ہی فرماتا ہے، ان کی فوری گرفت نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے۔ دنیا میں درگزر کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ چاہے تو برزخ یا آخرت میں سزا دے دے یا اگر چاہے تو اپنی مہربانی سے وہاں بھی معاف فرما دے اور یہ اس کی شانِ کریمی کا اظہار ہو گا۔

فرمایا سزا دینے کا ایک مقصد یہ بھی ہے وَیَعۡلَمَ الَّذِیۡنَ یُجَادِلُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا تاکہ جان لیں وہ لوگ جو ہماری آیتوں میں جھگڑا کرتے ہیں مَا لَہُمۡ مِّنۡ مَّحِیۡصٍ کہ ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ جھگڑا کرنے سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت، رسالت، وحی الٰہی، قیامت اور شرائع اور قوانینِ الٰہیہ کا انکار کیا جائے اور اس سلسلے میں اہلِ حق کے ساتھ جھگڑا کیا جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو فوراً پکڑ لے تو انہیں کوئی چھڑانے والا نہیں ہو گا، ان کی تمام تدابیر ناکام

ہو جائیں گی۔ کیونکہ تمام تدابیر تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کی توحید اور جزائے عمل کی دلیل ہو گی۔

متاعِ دنیا اور آخرت

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے دُنیا کے ساز و سامان کا مقابلہ آخرت کی ابدی زندگی اور اُس کے انعامات کے ساتھ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا تمہیں یہاں پر جو چیز بھی دی جاتی ہے یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے کہ انسان اسے اپنی چند روزہ حیات میں استعمال کرے حقیقت یہ ہے کہ اِس دُنیا کی ہر چیز عارضی ہے حتیٰ کہ انسان کا اپنا وجود، عمر، صحت اور تمام لوازماتِ زندگی ناپائیدار ہیں۔ اس سے خدا تعالیٰ کا مقصد انسان کو یہ سمجھانا ہے کہ وہ اس عارضی دنیا اور اس کے عارضی ساز و سامان کو ہی سب کچھ سمجھ کر اسی پر ہی مفتون نہ ہو جائے، بلکہ اس کی نگاہ اس کی ابدی زندگی اور اس کے ساز و سامان پر ہونی چاہیئے۔ کیونکہ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ اس دنیا کے ساز و سامان سے بہتر بھی ہے، اور دیرپا بھی۔ اللہ کے ہاں ملنے والے انعام و اکرام کی کیفیت اور مقدار کی نسبت اس دنیا کی زندگی اور ساز و سامان کے ساتھ کچھ بھی نہیں اس دنیا کی ہر چیز فانی ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے اُس میں کبھی کمی نہیں آئے گی۔ مگر یہ اُن لوگوں کے لیے ہے لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جنہیں ایمان لانے کی توفیق نصیب ہوئی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کے رسولوں، کتبِ سماویہ، وقوعِ قیامت اور جزائے عمل پر یقین کیا۔ اس مقصد کے لیے ادنیٰ درجہ تو یہ ہے کہ انسان مذکورہ چیزوں پر صدقِ دل سے ایمان لے آئے اور کمال درجہ یہ ہے کہ انسان ایمان لا کر اس پر عائد شدہ فرائض بھی ادا کرے۔ ایسے لوگوں کی کیفیت اللہ نے گذشتہ سورۃ میں بیان کر دی ہے کہ جنت کی خوشخبری اُن لوگوں کو حاصل ہوتی ہے اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا جنہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور پھر اُس پر مستقیم رہتے ہوئے نہ صرف

فرائض و واجبات کو ادا کیا بلکہ سنن اور مستحبات کی پابندی بھی کی۔ فرمایا آخرت اُن کے لیے ہے جو ایمان لائے وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ اور جو اپنے پروردگار پر مکمل بھروسہ بھی رکھتے ہیں۔ اللہ نے کامیاب لوگوں کی علامات بھی بیان کر دی ہیں۔ اب یہ انسانوں کا فرض ہے کہ وہ دنیا کی عارضی رونق پر مفتون ہونے کی بجائے آخرت کی دائمی زندگی اور اس کے دائمی انعامات کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس مقصد کے لیے اللہ نے یہ نسخہ بھی بتلا دیا کہ انسان کے پاس ایمان کی دولت ہونی چاہیئے۔ ایمان جس قدر مضبوط ہوگا۔ اور اس کا درجہ جس قدر اعلیٰ ہوگا اسی قدر انسان کے انعامات میں بھی اضافہ ہوگا۔ اور پھر ایمان کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل اعتماد اور بھروسہ بھی ضروری ہے۔

درس نہم ٩ — آیت ٣٧ تا ٤٣

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا
مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا
لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۪ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى
بَيْنَهُمْ ۪ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِيْنَ
اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿٣٩﴾ وَ
جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا
وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٠﴾ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ
فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿٤١﴾ اِنَّمَا
السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَ
يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٤٢﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ
ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿٤٣﴾ ع ٤ ١٤ ٥

ترجمہ:- اور وہ لوگ جو بچتے ہیں بڑے گناہوں اور بیحیائی
کی باتوں سے ، اور جب وہ غصے میں آتے ہیں تو معاف
کر دیتے ہیں ﴿٣٧﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے حکم مانا اپنے

پروردگار کا اور قائم کی نماز، اور ان کا معاملہ آپس میں مشورے سے طے ہوتا ہے، اور جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں (۳۸) اور وہ لوگ کہ جب ان پر سرکشی کی جاتی ہے تو وہ بدلہ لیتے ہیں (۳۹) اور بدلہ برائی کا ہے برائی اس جیسی، اور جس نے معاف کر دیا اور صلح کر لی، پس اس کا اجر اللہ پر ہے بیشک وہ نہیں پسند کرتا ظلم کرنے والوں کو (۴۰) اور البتہ جس نے بدلہ لیا اس پر ظلم کیے جانے کے بعد، پس یہ لوگ ہیں کہ نہیں ان پر کوئی الزام (۴۱) بیشک الزام ان لوگوں پر ہے جو ظلم کرتے ہیں لوگوں پر، اور سرکشی کرتے ہیں زمین میں ناحق۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے (۴۲) اور البتہ جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا، بیشک یہ البتہ ہمت کے کاموں میں سے ہے (۴۳)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں جزائے عمل کا ذکر تھا اور ساتھ دنیا اور اس کے سازوسامان کی ناپائیداری کا بیان تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ جو چیز اس کے پاس ہے وہ بہتر اور دیرپا ہے۔ مگر اس چیز کو حاصل کرنے کے لیے اولین شرط ایمان لانا اور پھر اس کے بتلائے ہوئے فرائض و واجبات کو پورا کرنا ہے۔ نیز عقیدے کی درستگی اور اللہ تعالےٰ کی ذات پر مکمل بھروسہ بھی ضروری ہے۔

کبائر اور فواحش سے اجتناب

اب آج کے درس میں اللہ کے ہاں کامیابی حاصل کرنے والے لوگوں کی بعض مزید صفات بیان کی گئی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کامیابی حاصل کرنے والے وہ لوگ ہیں وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ، جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرتے ہیں۔ کبائر اور صغائر

گناہ قرآن و سنت کی اصطلاح ہے کبائر کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ (النسآء - ۳۱) -
اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ چھوٹے چھوٹے گناہ نیکی کے کام انجام دینے کی وجہ سے خود بخود ہی معاف کر تا رہے گا۔ معمولی لغزشیں اور صغائر تو انسان سے اکثر سرزد ہوتے رہتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نیکی کے کاموں کی وجہ سے بلا توبہ ہی معاف کر دیتا ہے۔ مگر کبیرہ گناہوں کی معافی توبہ کے بغیر ممکن نہیں ہوتی اور جو شخص کبائر سے نہیں بچتا۔ تو کبائر اور صغائر سب پر مؤاخذہ ہو گا۔ کبائر میں بہت زیادہ فساد ہوتا ہے جسکی وجہ سے انسان کا دین، اخلاق اور سوسائٹی سب خراب ہو جاتے ہیں۔ کبیرہ گناہوں میں پہلے درجے پر کفر، شرک ہے، پھر قتلِ ناحق زنا، چوری، سحر، پاکدامنوں پر تہمت بازی، سود خوری، یتیم کا مال کھانا، جھوٹی گواہی دینا اور ظلم و زیادتی وغیرہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے جہنم کی وعید سنائی ہے، جن پر لعنت بھیجی ہے یا اپنی ناراضگی کا اعلان کیا ہے۔

جہاں تک فواحش کا تعلق ہے یہ بھی کبائر میں داخل ہیں لیکن فواحش میں عریانی کا عنصر زیادہ ہوتا ہے۔ فواحش میں زنا اور اس کے لوازمات عریانی، برہنگی اور نیم برہنہ تصاویر، ناچ گانا اور خاص طور پر قوتِ شہوانیہ سے متعلقہ باتوں میں بے باک ہونا شامل ہے۔ مردوں اور عورتوں کا اختلاط، ستر کی عدم پابندی اور ذہنی کنجوسی بھی بے حیائی کے کاموں میں داخل ہے۔ ان تمام فواحش سے اللہ نے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے۔

درگزر اور اقامت صلوٰۃ

آخرت کی دائمی بہتری کے مستحقین کی اللہ نے ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی ہے وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ. کہ جب وہ غصے کی حالت میں ہوتے ہیں تو درگزر کرتے ہیں، غصے کو پی جاتے ہیں اور معاف کر دیتے ہیں۔ بدلے کی طاقت رکھنے کے باوجود غصے پر قابو پا لینا اور درگزر کر لینا بہت بڑی بات ہے اور انسان کی فوز و فلاح کی ضامن۔

پھر فرمایا اللہ کے دیرپا انعامات کے مستحق وہ لوگ بھی ہیں وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ جنہوں نے اپنے پروردگار کے حکم پر لبیک کہا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ اور نماز کو قائم کیا۔ اللہ کے ہر حکم اور اُس کے نبی کے ہر فرمان کی بجا آوری بالعموم اور نماز کی ادائیگی بالخصوص ہر شخص سے مطلوب ہے، اور جو اِن صفات پر پورا اُترتے ہیں، وہ یقیناً اللہ کے مقبول بندے ہوتے ہیں۔

باہمی مشاورت

اللہ نے اگلی صفت یہ بیان فرمائی ہے۔ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ اُن کے معاملات باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں۔ جن امور میں اللہ تعالیٰ کا صریح حکم یا اللہ کے نبی کی سنت اور شریعت میں کوئی واضح صراحت موجود نہیں ہے اُن اُمور کو باہمی مشاورت کے ذریعے انجام دینے کا حکم ہے اس قسم کے معاملات غیر منصوصہ کہلاتے ہیں۔ البتہ منصوصہ امور مثلاً نماز، روزہ، ارکانِ اسلام یا منہیات دین میں مشاورت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ شریعت کا صریح حکم موجود ہوتا ہے اور اس پر عمل کرنا ہی لازم ہوتا ہے۔

مشاورت کی اہمیت اگرچہ ہر معاملہ میں مستحسن ہے مگر اجتماعی امور میں اس کی اہمیت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ امورِ سلطنت کی بطریق احسن انجام دہی کے لیے بہت سے انتظامی قوانین نافذ کرنا پڑتے ہیں۔ مثلاً امن وامان کے قیام کے لیے پولیس کی ضرورت ہوتی ہے، ملکی سرحدوں کی حفاظت کے لیے فوج ضروری ہے ٹریفک کی باقاعدگی کے بعض ضمنی قوانین (BY LAWS) تشکیل دینے پڑتے ہیں۔ بعض تجارتی ضوابط کی ضرورت ہوتی ہے، چور بازاری، ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ اور سمگلنگ کی روک تھام کے لیے ضروری اقدامات کرنا ہوتے ہیں۔ بین الاقوامی سطح پر مختلف ممالک کے درمیان سفارتی تعلقات، تجارت اور صلح وجنگ کے قوانین کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہ تمام امور ایسے ہیں جن کے متعلق قرآن وسنت میں واضح ہدایات نہیں ملتیں بلکہ محض اجمالی ہدایات (GUIDELINES) ملتی ہیں جب کہ مفصل قوانین باہمی مشاورت

سے ہی طے کیے جا سکتے ہیں۔ اور ایسے ہی معاملات میں اللہ تعالیٰ نے مشورے کا حکم دیا ہے۔

مسلمانوں میں باہمی مشاورت کا حکم سورۃ آل عمران اور بعض دیگر سورتوں میں بھی موجود ہے۔ مثلاً خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے حکم دیا وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (آل عمران - ۱۵۹) آپ اپنے رفقاء سے مشورہ کر لیا کریں، اور پھر جب کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے اُسے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیں۔ اس موقع پر مفسرین کرام بحث کرتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام پر مشورہ کرنا واجب تھا یا مستحب۔ امام ابوبکر جصاص رحؒ اپنی تفسیر "احکام القرآن" میں لکھتے ہیں کہ یہ واجب تھا یعنی جس معاملہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کی وحی موجود نہیں تھی اُس معاملہ میں آپ کا اپنے صحابہؓ سے مشورہ کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ غزوہ احد کے موقع پر حضور علیہ السلام کی ذاتی رائے یہ تھی کہ شہر کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ مگر صحابہؓ کی اکثریت شہر سے باہر کھلے میدان میں جنگ کرنے کے حق میں تھی۔ چنانچہ یہ جنگ مدینہ سے باہر کوہِ احد کے دامن میں لڑی گئی۔ مقصد یہ کہ جب خود پیغمبر علیہ السلام کے لیے بھی مشورہ کرنا ضروری تھا تو باقی لوگوں کے لیے تو بطریقِ اولیٰ ضروری ہو گا۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ مشورے کے اس زریں اصول کو مسلمان حکمرانوں نے ضائع کر دیا ہے جس کی وجہ سے نظامِ خلافت تباہ ہو گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مشاورت سے مستثنیٰ نہیں تو باقی لوگ اس اصول سے کیسے اعراض کر سکتے ہیں مگر خود غرضی کی وجہ سے ہر طرف من مانی ہو رہی ہے جس کا نتیجہ مسلمان بحیثیت مجموعی بھگت رہے ہیں۔ طبرانی شریف میں حضور علیہ السلام کا فرمان موجود ہے کہ جب کوئی پیچیدہ مسئلہ پیدا ہو جائے تو اپنے لوگوں سے مشورہ کر لیا کرو۔ پھر مشورہ کرنے کا بھی کوئی اصول ہے کہ اس معاملہ میں اُن لوگوں سے رابطہ قائم کیا جائے جو دین اور دنیا دونوں کے معاملات کو سمجھتے ہوں، نیکوکار اور

عبادت گزار ہوں، نہ کہ فاسق، فاجر اور ناہنجار لوگوں سے مشورہ کیا جائے۔ غرضیکہ سمجھدار یعنی اصحاب حل وعقد کے ساتھ مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

جب اچھے اذہان اور صلاحیت والے لوگ آپس میں مشورہ کرتے ہیں تو بہتر بات کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ چنانچہ جس کام میں مشورہ کر لیا گیا ہو۔ اس میں نقصان کا خطرہ نہیں ہوتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ مبارک ہے کہ جس معاملہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی رائے متفق ہو جائے، میں اس کی مخالفت نہیں کروں گا۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے کہ سوائے مجبوری کے سفر نہ کرو، اور اگر سفر پہ جانا ہی پڑے تو اکیلے نہ جاؤ بلکہ جماعت بنا کر جاؤ اور پھر جماعت میں اپنا ایک امیر منتخب کر لو جس کی ہدایات کے متعلق سفر اختیار کرو۔ اس طرح دورانِ سفر ضبط و نظم پیدا ہوگا کیونکہ اللہ کو بدنظمی ہرگز پسند نہیں۔ ویسے بھی یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ جماعت پہ اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے یعنی اس کی مہربانی اور تائید شاملِ حال ہوتی ہے۔ روایت میں یہ بھی آتا ہے مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ جو جماعت سے الگ ہوگیا وہ جہنم کی آگ میں پھینک دیا گیا۔ جب تک کوئی گمراہ شخص بھی جماعت کے ساتھ رہے گا۔ اس پر شیطان اپنا ہاتھ نہیں ڈال سکے گا۔ البتہ جب وہ جماعت سے علیحدہ ہو جائے گا یا اپنا عقیدہ الگ کرے گا تو پھر اس پہ شیطان سوار ہو جائے گا۔ تمام فتنے یہیں سے اٹھتے ہیں۔ الغرض دین کا کام ہو یا دنیا کا ہو۔ مشورہ کر لینا بہت ضروری ہے۔ حضور علیہ السلام ہر اس مہم میں صحابہؓ سے مشورہ کر لیا کرتے تھے جس کے متعلق وحی نازل نہیں ہوتی تھی۔ اسی طرح خلفائے راشدینؓ تمام اجتماعی معاملات مشورے سے طے کرتے تھے لہٰذا ان کے کاموں میں خیر و برکت کا نزول ہوتا تھا۔ مشورہ کے لیے دیندار اور اہل لوگوں کا ہونا ضروری ہے، ورنہ بے دین اور بد دیانت لوگ تو ہمیشہ غلط مشورہ ہی دیں گے۔

انفاق فی سبیل اللہ

آگے اللہ نے کامیاب لوگوں کی ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ وہ ہماری عطا کردہ روزی میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں۔

اخراجات میں سب سے پہلے فرائض آتے ہیں۔ کہ ان کا پورا کرنا ضروری ہے ــــــــ فرائض کے تارک کے لیے مستحبات پر خرچ کچھ مفید نہیں ہوگا۔ جس طرح جائز مدات میں خرچ کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح ناجائز امور میں خرچ کرنے کی ممانعت بھی آئی ہے۔ فضول خرچی، اسراف و تبذیر، رسومات فاسدہ، امور تعیش وغیرہ پر خرچ کرنا بلاشبہ حرام اور ناجائز ہے اور ایسا کرنے والے لوگ عند اللہ ماخوذ ہوں گے۔

بدلہ لینے کی اجازت

ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ اور وہ لوگ کہ جب ان پر ظلم و زیادتی یا سرکشی ہو تو وہ بدلہ لے لیتے ہیں امام ابراہیم نخعی رہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دوسرے پر زیادتی کرتا ہے اور مظلوم میں استطاعت ہے۔ تو ظالم سے بدلہ لینا چاہیئے کیونکہ اگر ایسے شخص سے نرمی اختیار کی گئی تو اس کا ظلم بڑھتا جائے گا اور پوری سوسائٹی کو خراب کر دے گا، ایسے حالات میں بدلہ لینا ضروری ہو جاتا ہے۔ ہاں! یہ ضروری ہے فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (البقرۃ۔۱۹۴) کہ زیادتی کرنے والے پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے کی ہے۔ اگر زیادہ تکلیف پہنچاؤ گے تو ظلم میں شمار ہوگا۔ اللہ نے یہاں یہ قانون مقرر کر دیا ہے وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا برائی کا بدلہ برائی کے مثل ہی ہے یعنی اس سے زائد نہیں۔ یہ محض عدل و انصاف کے تقاضا کی تکمیل ہے ورنہ اصولی طور پر برائی کا بدلہ برائی سے نہیں بلکہ بھلائی سے دینا چاہیئے۔ البتہ فرمایا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ جس نے معاف کر دیا اور صلح کر لی فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے اللہ تعالیٰ اس کی صلح جوئی کا اس کو بہتر بدلہ عطا فرمائیگا۔ یہی زیادہ بہتر ہے۔ لیکن جہاں فساد کے پھیلنے کا خطرہ ہو اور بدلہ لینے کی طاقت بھی ہو تو پھر بدلہ لینا زیادہ بہتر بلکہ ضروری ہو جاتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ بات اچھی طرح یاد رکھو اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ کہ وہ ظلم و زیادتی کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ جتنا کسی کا قصور

ہے اُس کے مطابق ہی سزا دو۔ قصاص کا مسئلہ سورۃ المائدۃ میں بیان ہو چکا ہے۔ اَنَّ النَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ وَالۡعَیۡنَ بِالۡعَیۡنِ ..... الخ یعنی جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں میں بھی قصاص ہے۔ البتہ جو کوئی معاف کر دے تو وہ اُس کے لیے کفارہ بن جائے گا۔

فرمایا وَلَمَنِ انۡتَصَرَ بَعۡدَ ظُلۡمِہٖ جس شخص نے بدلہ لیا اُس پر ظلم کیے جانے کے بعد فَاُولٰٓئِکَ مَا عَلَیۡھِمۡ مِّنۡ سَبِیۡلٍ تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں ہے، وہ قصاص لے سکتا یا حاکم کے ذریعے سزا دلوا سکتا ہے۔ یہ بالکل درست ہے۔ اِنَّمَا السَّبِیۡلُ عَلَی الَّذِیۡنَ یَظۡلِمُوۡنَ النَّاسَ الزام تو اُن لوگوں پر ہے جو ابتداءً ظلم کرتے ہیں یا انتقام لیتے وقت حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی کا ایک کان کٹا ہے تو وہ بدلے میں دونوں کان کاٹ دے یا اگر کسی نے ایک انگلی کاٹی ہے۔ تو وہ قصاص میں دو انگلیاں کاٹ دے، یہ زیادتی ہے اور ایسا کرنے والا موردِ الزام ہوگا۔

فرمایا الزام ان لوگوں پر بھی ہے وَیَبۡغُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ جو زمین میں ناحق بغاوت کرتے ہیں کسی کے مال وجان کو نقصان پہنچاتے ہیں یا کسی کی عزت و آبرو میں خلل ڈالتے ہیں، کسی کی حق تلفی کرتے ہیں۔ شرائع کو توڑتے ہیں یا معاشرے میں بدنظمی پیدا کرتے ہیں، تو فرمایا اُولٰٓئِکَ لَھُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ایسے لوگ دردناک عذاب کے مستحق ہوتے ہیں۔ اُن کے لیے کوئی رعایت نہیں ہے۔

صبر اور معافی

فرمایا وَلَمَنۡ صَبَرَ وَغَفَرَ اور اگر مظلوم نے صبر کا دامن تھام لیا، تکلیف کو برداشت کر کے ظالم کو معاف کر دیا تو بسا اوقات اس کے اچھے نتائج نکل آتے ہیں اور ظالم لوگ تائب ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ بدلہ

لینا بالکل جائز ہے۔ مگر معاف کر دینا افضل ہے۔ گویا صبر کرنا، درگزر کرنا اور معاف کر دینا بہتر ہے اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ بلاشبہ یہ بڑے عزم و ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے جو اللہ کے لیے تواضع کریگا اللہ اس کو بلند کرے گا، گویا جس نے انتقام نہ لیا، اللہ تعالیٰ اس کو بہتر اجر عطا فرمائے گا۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى
الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى
مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا
خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ط
وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط اَلَآ اِنَّ
الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ
مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط وَمَنْ
يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾ اِسْتَجِيْبُوْا
لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ
اللّٰهِ ط مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ
نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ
حَفِيْظًا ط اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ط وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا
الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ج وَاِنْ تُصِبْهُمْ
سَيِّئَةٌ ۢبِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ
كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط يَخْلُقُ

مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ
يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿٤٩﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَ
يَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿٥٠﴾

ترجمہ :- اور جس کو اللہ تعالیٰ بہکا دے ، پس نہیں ہے
اُس کے لیے کوئی کام بنانے والا اُس کے سوا ۔ اور دیکھے
گا تو ظلم کرنے والوں کو جب وہ عذاب کو دیکھیں گے
اپنے سامنے اور کہیں گے ، کیا ہے کوئی پھر جانے
کی طرف راستہ ؟ ﴿٤٤﴾ اور دیکھے گا تو ان کو کہ پیش کیے
جائیں گے اُس (آگ) پر ، اور جھکی ہوئی ہوں گی اُن کی نگاہیں
ذلّت سے ، اور دیکھیں گے وہ ذلیل نگاہوں سے ، اور
کہیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے ، بیشک نقصان اٹھانے
والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے نقصان میں ڈالا اپنی جانوں
کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن ، سنو ! بیشک
ظلم کرنے والے دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے ﴿٤٥﴾ اور
نہیں ہوگا اُن کے لیے کوئی کارساز کہ اُن کی مدد کرے
اللہ کے سوا ۔ اور جس کو اللہ بہکا دے پس نہیں ہے
اُس کے لیے کوئی راستہ ﴿٤٦﴾ قبول کرو اپنے پروردگار کی
بات کو قبل اس کے کہ آجائے وہ دن کہ جس کے
لیے پھرنا نہیں ہے اللہ کی جانب سے ۔ نہیں ہوگی
تمہارے لیے کوئی جائے پناہ اُس دن ۔ اور نہیں ہوگا
تمہارے لیے انکار کرنے کا کوئی موقع ﴿٤٧﴾ پس اگر
اعراض کیا ان لوگوں نے تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو

ان پر نگہبان بنا کر۔ نہیں ہے آپ کے ذمے مگر پہنچا دینا۔ اور بیشک جب ہم چکھاتے ہیں انسان کو اپنی طرف سے مہربانی تو اترانے لگتا ہے اس کے ساتھ۔ اور اگر پہنچتی ہے ان کو کوئی برائی ان کے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے تو بیشک انسان ناشکرگزار ہوتا ہے (۴۸) اللہ کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی۔ پیدا کرتا ہے جو چاہے، بخشتا ہے جس کو چاہے بیٹیاں اور بخشتا ہے جس کو چاہے بیٹے (۴۹) یا جوڑا جوڑا دیتا ہے ان کو بیٹے اور بیٹیاں، اور بناتا ہے جس کو چاہے بانجھ۔ بیشک وہ سب کچھ جاننے والا اور قدرت رکھنے والا ہے (۵۰)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے دین کے بہت سے اہم اصول بیان فرمائے تھے جن پر انسانیت کی فوز و فلاح کا دار و مدار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان اور بھروسہ، کبائر اور بے حیائی سے اجتناب، غصے کی حالت میں درگزر، حکمِ الٰہی کی تعمیل نماز کا قیام، انفرادی اور اجتماعی معاملات میں باہمی مشاورت، خدا کی عطا کردہ روزی میں سے مستحقین پر انفاق، سرکشی کرنے والے سے انتقام مگر درگزر کی پسندیدگی وغیرہ موٹے موٹے اصول ہیں جو اللہ نے گذشتہ درس میں بیان کیے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی کی بات سمجھائی ہے۔ پھر رسالت اور توحید کا مسئلہ بھی بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ انسانی کی دو اصناف کو اپنی قدرتِ تامہ اور حکمتِ بالغہ کے شاہکار کے طور پر بیان فرمایا ہے۔

ہدایت اور گمراہی

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی ہدایت اور گمراہی کے ضمن میں ارشاد فرمایا ہے۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کے لیے اس کے سوا کوئی کارساز نہیں۔ اللہ تعالیٰ رحیم، کریم،

عادل اور ہادی ہے وہ کسی کو یونہی گمراہ نہیں کرتا بلکہ اسی شخص کو گمراہ کرتا ہے جو اس کا مستحق ہوتا ہے اور جس شخص کے دل میں ہدایت کے حصول کا شوق اور تڑپ ہو، ضد، عناد اور ہٹ دھرمی سے خالی ہو، اللہ تعالیٰ اس کے لیے یقیناً ہدایت کے راستے واضح کر دیتا ہے مطلب یہ کہ ضدی، عنادی اور بے انصاف آدمی ہی ہدایت سے محروم رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو حواسِ ظاہرہ اور باطنہ سے نوازا ہے، عقل، فہم اور علم دیا ہے۔ اس کی راہنمائی کے لیے پیغمبر بھیجے ہیں، کتابیں نازل فرمائی ہیں اور پھر انسان کو اختیار دے دیا ہے کہ وہ ہدایت اور گمراہی میں سے جونسا راستہ چاہے اختیار کر لے۔ اللہ کسی کو زبردستی صراطِ مستقیم سے نہیں بھٹکاتا۔ البتہ اگر کوئی آدمی اپنے اختیار اور ارادہ سے غلط راستے پر چل نکلتا ہے تو پھر وہ اس کو زبردستی روکتا بھی نہیں۔ بلکہ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ (النساء۔ ۱۱۵) وہ جدھر جانا چاہتا ہے ہم اُدھر ہی کی توفیق دے دیتے ہیں اور بالآخر وہ جہنم رسید ہو جاتا ہے۔

یہود و نصاریٰ کی گمراہی کی وجہ اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ (البقرۃ۔ ۱۰۹) کہ حق کے واضح ہو جانے کے باوجود انہوں نے اس بات سے حسد کیا کہ اللہ کا آخری نبی بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسماعیل میں سے آگیا ہے۔ اُن کا خیال تھا کہ جو شرف بنی اسرائیل کو اپنے وقت میں حاصل رہا ہے وہ کسی دوسری قوم کو نہیں ملنا چاہیئے، حالانکہ وہ نادان جانتے تھے کہ بنو اسحاق اور بنو اسماعیل ایک ہی باپ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں، لہٰذا اگر اللہ نے بنو اسحاق کے بعد بنو اسماعیل کو عظمت عطا فرمائی ہے تو اس میں حسد کی کیا بات ہے، سب کا جدِ امجد تو وہی اللہ کا خلیل ہے۔

اس واضح ضد اور عناد کے باوجود اہلِ کتاب میں سے بھی بعض انصاف پسند لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں کہ جب انہوں نے تعصب کی عینک اُتار کر دیکھا تو حقیقت ان کی سمجھ میں آگئی اور انہوں نے اسلام کو قبول کر لیا۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ مبارکہ میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے اسلام قبول کیا جو یہودیوں کے

بہت بڑے عالم تھے۔ اللہ نے اُن پر ہدایت کے دروازے کھول دیے اور وہ ہمیشہ کے لیے کامیاب ہو گئے۔ ابھی دو سال قبل ہندوستان کا ایک بہت بڑا ہندو اچاریہ مسلمان ہو گیا تھا۔ اُس نے دو مضامین میں ڈاکٹریٹ P.H.D. کیا ہوا تھا، بارہ زبانیں جانتا تھا۔ مختلف مذاہب کا مطالعہ کرنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اسلام ہی سب سے سچا مذہب ہے کسی نے کہا کہ اسلام میں تو حلال و حرام کی بہت سی پابندیاں ہیں، پھر تم نے اسے کیسے قبول کر لیا؟ تو کہنے لگا کہ انسان انہی پابندیوں کو قبول کر کے ہمیشہ کے لیے آزاد ہو جاتا ہے اور اس کو کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ اُس کو خواب میں حضور علیہ السلام کی زیارت بھی نصیب ہوئی اور اپنی بیوی اور بچی سمیت دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا، آجکل وہ بھوپال میں رہتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے فرانس کے ایک سائنس دان نے بھی انصاف سے کام لیا تو اللہ نے اُس کو بھی ہدایت دے دی اور وہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ نیک نیت اور انصاف پسند آدمی تو کبھی نہ کبھی ہدایت کو پا لیتا ہے اور جو ابلیس والے فکر میں مبتلا ہو جاتا ہے، وہ ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ بہکا دے اس کا خدا کے سوا کوئی کارساز نہیں جو اُس کو راہ راست کی طرف لا سکے۔

ظالموں کا انجام

آگے اللہ نے ظالموں کی حالت زار بیان فرمائی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ سب سے بڑا ظلم تو کفر اور شرک ہے اس کے بعد درجہ بدرجہ قتل ناحق، حق تلفی، آبروریزی وغیرہ ظلم کی فہرست میں آتے ہیں۔ اللہ نے انہی کاموں کے مرتکبین کے متعلق فرمایا وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ اور تو ایسے ظالموں کو دیکھے گا کہ جب وہ اس عذاب پر نگاہ ڈالیں گے جس میں وہ مبتلا ہونے والے ہوں گے يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ تو اس وقت کہیں گے کہ کیا دُنیا میں واپس لوٹ جانے کی کوئی صورت ہے؟ اس مقام پر مجرمین کی واپس جانے کی خواہش کا ذکر آخرت کے حوالے سے کیا گیا ہے، تاہم جب کسی شخص کی انفرادی موت کا وقت قریب آجاتا ہے، پردہ غیب اٹھ جاتا ہے اور موت کے فرشتے نظر آنے لگتے ہیں۔

تو اُس وقت بھی انسان اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ (المنٰفقون ۱۰) پروردگار! اگر تو مجھے تھوڑی سی مہلت دے دیتا تو میں صدقہ و خیرات کر کے تیرے نیک بندوں میں شامل ہو جاتا مگر اللہ نے فرمایا ہے کہ جب کسی کی موت کا مقررہ وقت آ پہنچتا ہے تو پھر ہرگز مہلت نہیں دی جاتی۔ سورۃ ابراہیم میں یہ مضمون اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ظالم لوگ عذاب والے دن کہیں گے۔ رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ (آیت ۴۴) پروردگار! ہمیں تھوڑی سی مہلت عطا کر تاکہ ہم تیری دعوتِ توحید کو قبول کر لیں اور تیرے پیغمبروں کا اتباع کر لیں۔ اللہ فرمائے گا، کیا تم اس سے پہلے قسمیں کھا کر نہیں کہا کرتے تھے کہ تم پر کوئی زوال نہیں آئے گا؟ اب جب کہ دوسرا جہان آنے والا ہے تمھیں اتباعِ رسل کی خواہش پیدا ہوئی ہے، یہ قبول نہیں کی جائے گی۔

غرضیکہ ظالم لوگ عذاب کو دیکھ کر واپسی کی خواہش کریں گے۔ اللہ نے فرمایا وَتَرٰىهُمْ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا خٰشِعِیْنَ مِنَ الذُّلِّ آپ اُن کو دیکھیں گے کہ وہ ذلت کی وجہ سے جھکی ہوئی آنکھوں سے دوزخ کے عذاب پر پیش کیے جائیں گے۔ یَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِیٍّ اور وہ ذلیل نگاہوں سے دیکھیں گے۔ خفی کا معنیٰ پوشیدہ بھی ہوتا ہے اور ذلیل بھی۔ مطلب یہ ہے کہ اُس دن ندامت کی وجہ سے نظریں اُوپر نہیں اٹھا سکیں گے اس لیے ذلت آمیز مخفی نگاہوں سے دیکھیں گے۔ وَقَالَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اُس دن اہلِ ایمان لوگ کہیں گے کہ بیشک نقصان اٹھانے والے لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت والے دن خسارے میں ڈال دیا۔ ان لوگوں نے اپنے اجسام، عمریں اور قویٰ گویا کہ زندگی کے قیمتی سرمایہ کو ضائع کر دیا۔ انہوں

نے اس سرمایہ سے ایمان اور نیکی خریدنے کی بجائے کفر، شرک، معاصی اور بدعات کو خریدا۔ یہ خود تو گمراہی میں ڈوبے ہوئے تھے اپنے اہل وعیال کو بھی لے ڈوبے کیونکہ عام طور پر بیوی بچے بھی اپنے بڑوں کے ہی تابع ہوتے ہیں اور بلا سوچے سمجھے انہی کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ قیامت والے دن واضح ہو جائیگا کہ انہوں نے دنیا میں رہ کر خسارے کا سودا کیا۔ اور پھر آواز آئے گی اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ فِیْ عَذَابٍ مُّقِیْمٍ آگاہ رہو کہ ظالم لوگ ایسے دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ جس سے کبھی باہر نہیں نکل سکیں گے۔

فرمایا وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ان کے لیے کوئی کارساز نہیں ہوگا۔ جو اللہ کے سوا اُن کی مدد کر سکے۔ ظالم لوگ اس دن بے یار و مددگار رہ جائیں گے۔ اور یہ بھی یاد رکھو وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ جس کو اللہ تعالیٰ اس کی ضد، عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے گمراہ کر دے اس کو ہدایت کا راستہ نہیں مل سکے گا۔ دنیا میں ہدایت سے محروم رہے گا اور آخرت میں عذاب مقیم کا شکار ہوگا، جس سے باہر نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

اس ہلاکت سے بچنے کے لیے اللہ نے فرمایا اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ اپنے پروردگار کے حکم کو تسلیم کر کے اس پر عمل پیرا ہو جاؤ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ٹل نہیں سکتا، وہ یقیناً آکر رہے گا۔ لہٰذا اُس دن سے پہلے پہلے ایمان لے آؤ۔ اور یاد رکھو! مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ اس دن تمہارے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی اور نہ تمہارے لیے انکار کی کوئی گنجائش ہوگی۔ دُنیا میں تو تم کفر، شرک اور معاصی کا ارتکاب کر کے پھر انکار بھی کر دیتے تھے یا دنیا کی نظروں میں چھپ بھی جاتے تھے مگر قیامت والے دن نہ تو کہیں بھاگ کر جان بچا سکو گے اور نہ اپنے کردہ اعمال سے انکار کر سکو گے۔ اس دن ہر چیز کھل کر سامنے آجائے گی اور پھر تمہیں اپنے عقاید و اعمال کا حساب چکانا ہی پڑے گا۔

حضور علیہ السلام کیلئے تسلی کا مضمون

آگے رسالت کا مسئلہ بھی آگیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اے اللہ کے نبی! تمہاری

تمام تر خیر خواہی اور تبلیغ کے باوجود فَاِنْ اَعْرَضُوا اگر یہ لوگ اعراض کریں۔ آپ کی بات پر توجہ نہ دیں فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا تو ہم نے آپ کو ان پر کوئی نگہبان بنا کر تو نہیں بھیجا کہ آپ ان کو حق کی بات منوا کر ہی چھوڑیں۔ فرمایا ایسی بات نہیں ہے آپ ان کے مسلسل انکار کی وجہ سے دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ اپنا کام کرتے جائیں اور ان کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دیں۔ سورۃ الغاشیہ میں ہے لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (آیت-۲۲) آپ ان پر کوئی داروغہ تو نہیں ہیں کہ انہیں پکڑ کر زبردستی حق کی طرف لے آئیں گے۔ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ آپ کے ذمے تو خدا کا پیغام پہنچا دینا ہے سورۃ الرعد میں اللہ نے مزید وضاحت فرمادی ہے فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (آیت-۴۰) بے شک آپ کے ذمے پیغام پہنچا دینا ہے اور پھر ان سے حساب لینا ہمارا ذمہ ہے۔ دوسری جگہ فرمایا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (یونس-۹۹) کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ ضرور ہی ایماندار بن جائیں؟ نہیں، بلکہ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرۃ-۲۵۶) ہدایت اور گمراہی واضح ہو چکے ہیں۔ اب جو شخص اپنے اختیار اور ارادے سے گمراہی کے راستے پر چلے گا تو پھر وہ اس کا خمیازہ بھگتنے کے لیے بھی تیار رہے۔

انسان کی دورخی

اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں کی ناشکری کا حال اس طرح بیان فرمایا ہے۔ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا بے شک جب ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ خوش ہو جاتا ہے۔ یعنی جب اسے دنیا میں آرام راحت نصیب ہوتا ہے، مال و دولت، عزت و جاہ حاصل ہوتا ہے۔ تو پھر پھولے نہیں سماتا اور کہتا ہے کہ یہ میرے علم و ہنر کا ثمرہ ہے۔ میں اس قابل تھا کہ مجھے یہ چیزیں حاصل ہوتیں، دوسرے لفظوں میں وہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کو خاطر میں نہیں لاتا اور نہ اس کا شکریہ ادا کرتا ہے وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اور اگر ان کو ان کے اپنے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے تکلیف پہنچتی ہے، اپنی غلط کرتوتوں کی وجہ سے کسی مصیبت میں گرفتار

ہو جاتے ہیں فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ تو بیشک انسان ناشکرگزار بن جاتا ہے تکلیف کے وقت وہ خدا تعالیٰ کا شکوہ کرنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا یہ ذلت و رسوائی میرے ہی حصے میں آنے والی تھی؟ غرضیکہ اللہ نے عام انسان کی یہ حالت بیان فرمائی ہے کہ آسودگی میں غرور و تکبر کرتا ہے اور مصیبت میں ناشکرگزار بن جاتا ہے۔ اس کے برخلاف ایک مومن آدمی ہر حالت میں راضی برضا رہتا ہے۔ راحت آتی ہے تو شکر ادا کرتا ہے اور تکلیف آتی ہے تو منجانب اللہ سمجھ کر اُسے برداشت کرتا ہے

اولاد مطابق منشائے خداوندی

اگلی آیت میں اللہ نے اپنی قدرتِ تامہ اور حکمتِ بالغہ کا اظہار اس طرح فرمایا ہے لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں کی بلندیوں اور زمین کی پستیوں میں اللہ ہی کی بادشاہی ہے۔ وہی ہر چیز کا مالک اور متصرف ہے۔ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وہ پیدا کرتا ہے جو کچھ چاہے۔ ہر تخلیق اُس کی منشا اور حکمت پر منحصر ہوتی ہے۔ خاص طور پر انسان کی تخلیق کے متعلق فرمایا يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ وہ جس کو چاہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جس کو چاہے بیٹے دیتا ہے۔ یعنی تفریقِ جنس کا معاملہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے، وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق لڑکے اور لڑکیوں کی تقسیم کرتا ہے۔ سورۃ القیامۃ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اُس نے قطرۂ آب سے اور پھر خون کے جمے ہوئے لوتھڑے سے انسان کی تخلیق فرمائی فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى (آیت ۳۹) پھر ان میں نر اور مادہ کے جوڑے جوڑے بنا دیے۔

فرمایا جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا یا اُن کو بیٹے اور بیٹیاں جوڑوں کی شکل میں دیتا ہے ہر شخص کے حالات کے مطابق بعض کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں صنفیں عطا کر دیتا ہے وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اور جس کو چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے یعنی نہ لڑکی دیتا ہے اور نہ لڑکا بلکہ بعض لوگ عمر بھر اولاد سے محروم رہتے ہیں، یہ اُس کی قدرت کاملہ کا کام ہے۔ اولاد کے سلسلے میں انسان چار قسم کے گروہوں میں تقسیم ہو سکتے ہیں جن

کی اولاد میں (۱) صرف لڑکیاں ہوں، یا (۲) صرف لڑکے ہوں، یا (۳) لڑکے اور لڑکیاں دونوں صنفیں ہوں، اور یا (۴) کچھ بھی نہ ہو۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نسلِ انسانی انہی چار گروہوں میں منقسم ہے۔ مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صرف بیٹے تھے اور لوط علیہ السلام کی صرف بیٹیاں تھیں، اور حضور علیہ السلام کو اللہ نے بیٹیاں بھی دیں اور بیٹے بھی جب کہ یحییٰ علیہ السلام اولاد سے بالکل محروم رہے۔ تخلیق انسانی میں اللہ تعالےٰ کی عجیب حکمت کارفرما ہے۔ وہ چاہے تو آدم علیہ السلام کو بغیر والدین کے پیدا کر دے اور حضرت حواؑ کو ماں کے بغیر صرف باپ سے پیدا کر دے۔ ادھر عیسٰی علیہ السلام ہیں کہ باپ نہیں ہے صرف ماں سے پیدا ہوئے اور عام انسانوں کو اللہ نے مرد و زن دونوں کے اختلاط سے پیدا فرمایا ہے۔ یہ سب اُس کی کمالِ قدرت کی نشانیاں ہیں۔

اس آیت کریمہ میں آمدہ لفظ یُزَوِّجُھُمْ کا بعض مفسرین یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں کہ چاہے تو ایک ہی حمل میں لڑکا اور لڑکی دونوں پیدا فرما دے۔ ہمارے ایک قریبی ساتھی نے بتایا کہ اُن کے بیٹے کے ہاں تین جڑواں بچے تولد ہوئے جن میں دو بچیاں اور ایک بچہ تھا۔ ۵۰ئہ میں ایک کسان کے گھر میں بیک وقت آٹھ بچوں کی پیدائش کی خبر آئی تھی، اور اس قسم کے واقعات اکثر پیش آتے رہتے ہیں کہ ایک ہی حمل میں دو یا زیادہ بچے پیدا ہوئے۔ اور دوسری طرف یہ بھی ہے کہ میاں بیوی بالکل تندرست ہیں علاج کرواتے ہیں، تعویذ گنڈے وغیرہ بھی آزماتے ہیں مگر عمر بھر ٹکریں مارنے کے باوجود کچھ نہیں ہوتا۔ بات واضح ہے کہ تخلیق اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اِنَّہٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ بیشک وہ سب کچھ جانتا بھی ہے اور ہر چیز پر قدرت بھی رکھتا ہے، نہ کوئی اس کی ذات میں شریک ہے نہ صفات میں، نہ تدبیر میں اور نہ تصرف میں۔ وہ جو چاہے کرے، اس کی حکمت و مصلحت میں کوئی دخل اندازی نہیں کر سکتا۔

آیت ۵۱ تا ۵۳ — درس یازدہم ۱۱

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ
مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ
مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ
اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا
الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ
بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ
الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾ ع ۵ ۱۰ ۶

ترجمہ :- اور نہیں ہے کسی انسان کے لائق کہ اللہ تعالیٰ اُس سے کلام کرے مگر وحی کی صورت میں یا پردے کے پیچھے سے یا وہ کسی پیغام لانے والے کو بھیجے ، پس وحی پہنچائے وہ اُس کے حکم سے جو چاہے ۔ بیشک وہ بلند اور حکمتوں والا ہے (۵۱) اور اسی طرح ہم نے وحی کی ہے آپ کی طرف روح اپنے حکم سے ۔ آپ نہیں جانتے تھے کہ کیا ہے کتاب اور نہ ایمان ، لیکن ہم نے کیا اُس کو نور ، ہدایت دیتے ہیں ہم اس کے ساتھ جس کو چاہیں اپنے بندوں میں سے ۔ اور بیشک البتہ آپ راہنمائی

کرتے ہیں سیدھے راستے کی طرف (۵۲) راستہ اُس اللہ کا
جس کے لیے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے
زمین میں۔ آگاہ رہو! اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں تمام کام (۵۳)

ربط آیات

گذشتہ درس میں معاد کا ذکر تھا کہ قیامت والے دن جب ظالم لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو دنیا میں واپسی کا کوئی راستہ تلاش کریں گے مگر ایسا ممکن نہیں ہوگا بلکہ وہ ذلیل وخوار ہو کر عذاب مقیم کا شکار بن جائیں گے۔ پھر رسالت کے ضمن میں اللہ نے فرمایا کہ اے نبی علیہ السلام آپ مشرکین کی ایذا رسانیوں سے دل برداشتہ نہ ہوں۔ آپ حقِ تبلیغ ادا کرتے رہیں۔ اِن کو راہِ راست پہ لے آنا آپکی ذمہ داری نہیں ہے۔ آپ صرف اپنا کام کرتے جائیں۔ پھر اللہ نے انسان کی ناشکر گذاری کا ذکر فرمایا کہ جب انہیں آسودگی حاصل ہوتی ہے تو خوش ہو جاتے ہیں اور جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو انسان ناشکر گذاری کا اظہار کرتا ہے۔ پھر اللہ نے اپنی صفتِ تخلیق کا ذکر کیا کہ لڑکے یا لڑکیاں دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ وہ اپنی حکمتِ بالغہ کے مطابق کسی کو بیٹے عطا کرتا ہے، کسی کو بیٹیاں، کسی کو دونوں اصناف اور کسی کو بالکل بانجھ بنا دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہر کام اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق انجام دیتا ہے جسے کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔

خدا تعالیٰ سے ہم کلامی

بعض مشرکین اعتراض کرتے تھے کہ یہ شخص کہتا ہے کہ مجھ پہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے۔ اگر یہی بات ہے تو پھر یہ وحی ہم پہ کیوں نہیں نازل ہوتی اور اللہ ہم سے کیوں نہیں کلام کرتا۔ اگر خدا تعالیٰ ہم سے ہمکلام ہو جائے تو ہم جان سکیں گے کہ یہ اپنے نبی سے بھی کلام کرتا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ کسی انسان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس سے کلام کرے۔ انسانی جسم کی ساخت اور اُس کے قویٰ میں کلامِ الٰہی کو برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ انسان کی صلاحیتیں تو اس قدر کمزور ہیں کہ وہ کسی فرشتے کو بھی اپنی اصلی شکل میں دیکھنے کی

تاب نہیں لاسکتے چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ سے براہِ راست ہم کلام ہوں، یہ ممکن نہیں ہے۔ مشرکین کا یہی اعتراض سورۃ الانعام میں بھی مذکور ہے وَقَالُوا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وہ کہتے تھے کہ آپ پر فرشتہ اپنی اصلی شکل وصورت میں کیوں نہیں نازل ہوتا تاکہ ہم بھی اُسے دیکھیں اور پھر ایمان لے آئیں مگر اللہ نے فرمایا وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ (آیت ۔ ۸) اگر ہم فرشتے کو اُس کی اصل شکل میں بھیج دیں تو معاملہ کا فیصلہ ہو جائے یعنی یہ لوگ اُس کو دیکھنے کی تاب نہ لاکر ہلاک ہو جائیں جب ایک عام انسان فرشتے کو نہیں دیکھ سکتا تو وہ اللہ تعالیٰ کے جلوے کو کیسے برداشت کر سکتا ہے؟ البتہ اللہ کے نبیوں کی تربیت خاص طریقے پر ہوتی ہے، اُن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے مگر وہ بھی براہِ راست نہیں بلکہ اُن تین صورتوں میں جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔

اس مادی اور عنصری جہان میں تو رؤیت ملائکہ یا خدا سے ہم کلامی ممکن نہیں البتہ عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت میں ممکن ہے کیونکہ وہ جہان اس جہان سے بہت لطیف ہے۔ اور جب انسان اِس جہان سے منتقل ہو کر اُس لطیف جہان میں پہنچیں گے تو اُن کے قوائے سامعہ اور باصرہ وغیرہ میں بہت زیادہ وسعت پیدا ہو جائے گی۔ سورۃ قٓ میں ارشاد ہے فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ؕ (آیت ۔ ۲۲) اُس دن پردہ اٹھ جائے گا اور پھر انسانی بصارت میں بہت تیزی آجائیگی اور بہت دور کی چیزیں بھی نظر آنے لگیں گی حتیٰ کہ عالم بالا میں عرش، فرشتے، جنات وغیرہ تک انسانی نگاہ پہنچ سکے گی۔ اور انسان کے قویٰ بھی اتنے مضبوط ہو جائیں گے جو اِن کی رؤیت کو برداشت کر سکیں گے۔

عالمِ برزخ میں خدا تعالیٰ سے ہم کلامی کی مثال ایک حدیث سے ملتی ہے حضرت جابرؓ کے والد حضرت عبداللہؓ غزوہ اُحد میں شہید ہو گئے تھے اور اپنے پیچھے واحد بیٹا حضرت جابرؓ اور نو بیٹیاں چھوڑ گئے تھے۔ حضرت جابرؓ ان ذمہ داریوں کو نبھانے کے سلسلے میں اکثر پریشان رہتے تھے حضور علیہ السلام نے اُن

کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ تم کیوں پریشان رہتے ہو۔ تیرے باپ کو وہ مرتبہ حاصل ہوا ہے کہ عالم برزخ میں اللہ تعالیٰ نے اُن سے براہِ راست کلام فرمایا ہے۔ جو کسی دوسرے شخص سے نہیں کیا۔ بہرحال اس مادی جہاں میں انسانی قویٰ اس قابل نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن سے ہم کلام ہو۔ اسلئے اُن تین صورتوں کے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے۔

(۱) کلام بذریعہ وحی

فرمایا ہر انسان کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس سے کلام کرے اِلَّا وَحْيًا مگر بذریعہ وحی۔ وحی کے بہت سے معانی آتے ہیں مثلاً لغت کے امام محمد ابن ابی بکر ابن عبد القادر رازیؒ اپنی کتاب "مختار الصحاح" میں لکھتے ہیں الوحی الکتاب۔ گویا وحی کا لفظ کتاب پر بھی بولا جاتا ہے۔ وحی کا معنیٰ لکھنا بھی آتا ہے اور وحی کا لفظ اشارے پر بھی بولا جاتا ہے مثلاً "فَاَوْحٰى لَهَا الْقَرَارَ فَاسْتَقَرَّ" اللہ نے زمین کی طرف اشارہ کیا تو وہ ٹک گئی، استقرار پکڑ لیا۔ اسی طرح وحی کا معنیٰ مخفی کلام بھی ہوتا ہے۔ جس میں تیزی کا مفہوم پایا جاتا ہے یعنی جو چیز کسی کو سرعت کے ساتھ القا کی جائے وہ وحی کہلاتی ہے۔ جیسے سورۃ الانعام میں فرمایا۔ ہم نے انسانوں اور جنوں میں سے شیاطین کو ہر پیغمبر کا دشمن بنایا ہے يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا (آیت ۔ ۱۱۲) جو ایک دوسرے کے دِل میں ملمع کی باتیں ڈالتے رہتے تھے۔ اسی طرح وحی کا اطلاق پیغام پر بھی ہوتا ہے وحی قرآن پاک کی اصطلاح ہے۔ جس کے مذکورہ مختلف معانی وارد ہوئے ہیں۔

وحی کی قسمیں

وحی کی ایک قسم خاص ہے جو وحی رسالت یا وحی نبوت کہلاتی ہے اور یہ صرف اللہ کے رسولوں یا نبیوں کی طرف ہوتی ہے۔ اللہ کے رسول اور نبی اس وحی کے امین ہوتے ہیں اور اُسے آگے دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ وحی کی ایک قسم وہ ہے جو غیر انبیاء پر بھی ہوتی ہے۔ اس وحی کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی بات کسی کو مخفی طریقے سے سمجھا دی جاتی ہے۔ یا اُس کی طبیعت اور مزاج میں اُس کو ڈال دیا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ (النحل ۔ ۶۸) تیرے پروردگار نے شہد

کی مکھیوں کی طرف وحی کی کہ وہ پاکیزہ پھلوں اور پھولوں کا رس چوسیں اسے اپنے پیٹ میں جمع کریں اور پھر شہد کی صورت میں باہر نکالیں۔ اللہ نے یہ پیغام کسی فرشتے کے ذریعے نہیں پہنچایا بلکہ شہد کی مکھیوں کو بالطبع یہ بات سمجھا دی گئی ہے کہ وہ ایسا کریں۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف وحی کرنے کا بھی ذکر آیا ہے۔ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى (طٰہٰ۔ ۳۸) اے موسیٰ ہم نے تمھاری والدہ کی طرف وحی کی، کہ موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں بند کرکے دریا میں بہا دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اس طریقے سے اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی دست برد سے محفوظ رکھا، ہوسکتا ہے کہ اللہ نے یہ وحی فرشتہ بھیج کر کی ہو یا پھر طبیعت میں براہ براست القا کر دیا ہو کہ یہ بھی وحی ہی کی ایک قسم ہے۔ اس قسم کا اشارہ بیداری میں بھی ہوسکتا ہے اور خواب کی حالت میں بھی۔ عام لوگوں کے لیے اس قسم کی وحی قطعی نہیں ہوتی۔ البتہ انبیاء علیہم السلام کے لیے ایسا القا قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ اس کی مثال سورۃ الفتح میں ملتی ہے لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ (آیت ۲۷) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دکھایا کہ تم مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا تو اپنے سر منڈوا کر اور بال کترواکر امن وامان کے ساتھ داخل ہوگے چنانچہ حضور علیہ السلام کا یہ خواب حرف بحرف پورا ہوا۔ گویا بعض اوقات اللہ اپنے نبیوں کو خواب کے ذریعے احکام پہنچا دیتا ہے، اور کبھی غیب سے آواز آتی ہے جسے ہاتف کہتے ہیں اور نبی اس بات کو سمجھ لیتے ہیں۔ البتہ غیر نبی پر جو وحی آتی ہے وہ صرف الہام کی ایک شکل ہوتی ہے جو کہ شریعت نہیں ہوتی، وحی نبی اور غیر نبی میں یہی فرق ہے۔ سورۃ مریم میں حضرت زکریا علیہ السلام کی طرف وحی کا ذکر بھی آیا ہے۔ آپ کی زبان کو کلام کرنے سے روک دیا گیا تھا۔ آپ حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا (آیت۔ ۱۱) اور انہیں اشارے سے فرمایا کہ وہ صبح وشام اپنے پروردگار کی تسبیح بیان کرتے رہیں۔ یہاں پہ وحی کا معنیٰ اشارہ ہے۔ بہرحال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

کسی انسان سے براہِ راست کلام نہیں کرتا سوائے تین صورتوں میں جن میں سے پہلی صورت وحی ہے۔ جب ایسی وحی نبی پر ہوگی تو یہ شریعت ہوگی اور جب غیر نبی پر ہوگی تو اسے الہام سمجھا جائے گا۔

(۲) پس پردہ کلام

اللہ نے کلام کرنے کی دوسری صورت یہ بیان فرمائی ہے اَوْ مِنْ وَّرَآیِٔ حِجَابٍ کہ یا یہ کلام پردے کے پیچھے سے ہوگا۔ اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جہان میں کسی سے براہِ راست کلام نہیں کرتا۔ اس دنیا میں اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا جیسے فرمایا وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا (النساء۔۱۶۴) جب کوہِ طور پر آپ نے آگ دیکھی تو اس طرف چل دیئے۔ وہاں پہنچے تو آگ ایک درخت سے پھوٹتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اس وقت آواز آئی اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ (طٰہٰ۔۱۲) اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ (طٰہٰ۔۱۴) اے موسیٰ میں تیرا پروردگار ہوں، میں تیرا اللہ ہوں۔ یہ حجاب نوری تھا یا حجاب ناری تھا جس کے پیچھے سے اللہ نے کلام کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کو دیکھا نہیں۔ اور جب آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو اللہ نے فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ اور پھر جب اللہ نے اپنی تجلی کوہِ طور پر ڈالی تو موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ غرضیکہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ براہِ راست کلام نہیں کرتا بلکہ یا تو وحی بھیجتا ہے یا پھر پس پردہ کلام کرتا ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ ایک موقع پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک دفعہ میں اللہ تعالیٰ کے بہت ہی قریب ہوگیا۔ فرمایا، کتنا قریب؟ عرض کیا، میرے اور پروردگار کے درمیان صرف ستر ہزار پردے حائل رہ گئے۔ مطلب یہ کہ اللہ کی مقرب مخلوق فرشتے بھی اس کو حجاب نوری میں دیکھتے، سنتے اور اس سے کلام کرتے ہیں۔ تو انسان کے ساتھ بھی پردے کے پیچھے سے کلام ہو سکتا ہے، براہِ راست نہیں ہو سکتا۔

(۳) کلام بوساطت رسول

اس جہان میں کلام کرنے کی اللہ نے تیسری صورت یہ بیان فرمائی ہے۔

اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ یا اللہ تعالےٰ کوئی پیغام لانے والا بھیج دے جو اس کے حکم سے جو چاہے وحی پہنچائے بے شک وہ بلند اور حکمتوں والا ہے۔ پیغام لانے والے سے مراد اللہ کا فرشتہ ہے جو کبھی اپنی اصل شکل میں آتا ہے اور کبھی انسانی شکل میں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے کہ میں نے جبرائیل امین کو صرف دو دفعہ اُس کی اصل شکل میں دیکھا ہے۔ پہلی دفعہ ابتدائے وحی کے زمانہ میں اور دوسری دفعہ معراج کے موقعہ پر، ورنہ عام طور پر آپ حضرت دحیہ ابن خلیفہ کلبیؓ کی شکل میں پیغام لے کر آتے تھے اور بعض اوقات کسی اجنبی آدمی کی شکل میں بھی آجاتے تھے۔ احادیث میں اس کا تذکرہ بھی موجود ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا گیا کہ آپ پر وحی کیسے نازل ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا مِثْلَ سِلْسِلَةِ الْجَرَسِ گھنٹی کی سی آواز آتی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ کا بشریت سے ملکیت کی طرف انسلاخ کر رہے ہیں۔ پھر فرشتے کا رابطہ قلب کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے اور وہ دل میں القاء کر دیتا ہے جیسے فرمایا نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (الشعرآء ۱۹۳، ۱۹۴) اس کو آپ کے دل پر امانت دار فرشتے نے نازل کیا ہے تاکہ آپ نصیحت کرنے والوں میں ہو جائیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ وحی کی حالت سخت شدید ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ سخت سردی کے موسم میں بھی آپ کی پیشانی مبارک پر پسینہ آجاتا تھا۔

وحی کی دو قسمیں ہیں بعض اوقات الفاظ اور مفہوم دونوں چیزیں القا ہوتی ہیں اس کو وحی متلو کہتے ہیں۔ اور بعض اوقات الفاظ القا نہیں ہوتے بلکہ صرف مفہوم ہوتا ہے۔ اس کو وحی غیر متلو کہتے ہیں۔ ایسی صورت میں حضور علیہ السلام اپنے الفاظ میں مفہوم کو بیان کر دیا کرتے تھے (جیسا کہ بعض احادیث کیونکہ قرآن تمام کا تمام وحی متلو کی شکل میں نازل ہوا ہے) بہر حال اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کے اعتراض کا جواب دیا اور وحی الٰہی کی مختلف صورتیں بیان فرما دیں۔

آگے ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح ہم نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسےٰ علیہ السلام تک تمام انبیا اور رسل پر وحی بھیجی وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا اسی طریقے سے ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی اپنے حکم سے ایک روح۔ اس مقام پہ روح کے دو معانی ممکن ہیں۔ روح کا معنی قرآن پاک بھی ہو سکتا ہے اور وحی لانے والا فرشتہ بھی۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفت ہے اس کو روح اس لیے کہا گیا ہے کہ جس طرح روح انسانی جسم میں داخل ہو کر اس کو زندگی بخشتی ہے اسی طرح قرآن پاک جہالت کی وجہ سے مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے اور روح سے مراد روح الامین یعنی جبرائیل علیہ السلام بھی ہے جیسا کہ قرآن میں موجود ہے نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ (الشعرآء۔ ۱۹۳) یعنی جبرائیل علیہ السلام اس قرآن کو لے کر نازل ہوئے۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس مقام پر روح سے مراد قرآن پاک ہے جو انسان کی حیاتِ جاودانی کا ذریعہ بنتا ہے قرآن پاک کے متعلق سورۃ ابراہیم کے آغاز میں فرمایا کہ یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ تاکہ آپ لوگوں کو جہالت اور معاصی کی تاریکیوں سے ایمان کی روشنی کی طرف لے آئیں۔ یہ قرآن یقیناً لوگوں کو کفر اور شرک کے اندھیروں سے نکال کر توحید اور ایمان کی روشنی میں لے آتا ہے، لہٰذا اس کو روح کہا گیا ہے۔

ایمان اور کتاب

آگے اللہ تعالیٰ کا پیغمبر علیہ السلام کو خطاب ہے مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ تو درست ہے کہ نزولِ کتاب سے پہلے آپ اس کتاب سے متعلق تفصیلات نہیں جانتے تھے مگر ایمان کی نفی تو محال معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہر نبی نزولِ وحی سے پہلے بھی مومن ہی ہوتا ہے۔ کسی بھی نبی سے ایمان کے برخلاف کفر یا شرک کا ارتکاب آنکھ جھپکنے کے برابر بھی محال ہے کیونکہ اللہ ہر نبی کی عصمت کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ اور کسی نبی سے

کوئی گناہ بھی سرزد نہیں ہونے دیتا چہ جائیکہ وہ ایمان کے خلاف کوئی فعل کرے۔ تو مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس مقام پر ایمان سے مراد نماز ہے یعنی نزولِ وحی سے پہلے آپ نہ قرآن سے واقف تھے اور نہ نماز کی تفصیلات سے کیونکہ نماز کا طریقہ بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی سکھایا تھا۔ ایمان بمعنی نماز کی مثال سورۃ بقرہ میں بھی ملتی ہے۔ جب نبی علیہ السلام کو بیت المقدس سے بیت اللہ شریف کے قبلہ مقرر کیے جانے کا حکم ہوا تو بعض لوگوں کو خیال پیدا ہوا کہ ہماری اُن نمازوں کا کیا ہوگا۔ جو ہم سولہ سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھتے رہے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ (آیت ۱۴۳) ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان یعنی نمازوں کو ضائع کر دے۔ تمہاری وہ نمازیں بھی اللہ کے ہاں درجہ قبولیت کو پہنچتی ہیں۔

بعض فرماتے ہیں کہ یہاں پر ایمان سے مراد شرع کے تفصیلی احکام ہیں، یعنی ایمان تو تھا مگر تفصیلی احکام کا علم نزولِ وحی کے ساتھ ہی ہوا۔ البتہ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ نزولِ وحی سے پہلے اللہ کے نبی قطبِ باطنی کے درجے میں ہوتے ہیں۔ نبی آخر الزمان بھی ایمان، توحید، کفر اور شرک سے تو واقف تھے مگر اُن کی تفصیلات معلوم نہیں تھیں جو اللہ نے بذریعہ وحی نازل فرمائیں، اسی لیے فرمایا کہ آپ کتاب اور ایمان کو نہیں جانتے تھے۔

قرآن ذریعہ ہدایت

وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا

بلکہ ہم نے قرآن پاک کو ایسا نور بنا کر بھیجا ہے کہ جس کے ذریعے ہم ہدایت دیتے ہیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں۔ اور جس طرح یہ قرآن پاک ذریعہ ہدایت ہے اسی طرح وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ آپ بھی لوگوں کی صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی فرماتے ہیں صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اور وہ راستہ اُس وحدہٗ لاشریک کا ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا مالک ہے۔ یہ ایسا سیدھا راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی رحمت کے مقام تک پہنچاتا ہے مطلب

یہ کہ قرآن اور نبی کی ذات دونوں صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ اس سے توحید کا مسئلہ بھی سمجھ میں آگیا کہ ہر چیز کا خالق، مالک، مدبر اور متصرف اللہ تعالیٰ ہے، وہ ہمہ دان اور ہمہ بین ہے، قدرتِ کاملہ کا مالک ہے۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔

معاد کا تذکرہ

سورۃ کے آخر میں معاد کا ذکر بھی فرما دیا اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝ خبردار! تمام کاموں کا انجام خدا تعالیٰ کی طرف ہی پہنچنے والا ہے۔ سورۃ النّٰزعٰت میں فرمایا اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا (آیت ۔ ۴۴) جس طرح ہر چیز کا آغاز خدا کی طرف سے ہے اسی طرح ہر چیز کا انجام بھی اُسی کی طرف ہونے والا ہے۔ انسانوں کے تمام اعمال، نیکی اور بدی سب خدا کے سامنے پیش ہونے والے ہیں۔ کفار و مشرکین کی نافرمانی اور نیکوں کی اطاعت و فرمانبرداری سب خدا کی بارگاہ میں پہنچنے والی ہیں۔ جہاں ہر شخص کو اپنے عقیدہ و اعمال کا فرداً فرداً جواب دینا پڑے گا۔

سورة

الزخرف

مكيّة

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ
سورۃ زخرف مکی ہے۔ اس کی نواسی آیتیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ① وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② اِنَّا جَعَلْنٰهُ
قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ③ وَاِنَّهٗ
فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ④
اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا
مُّسْرِفِيْنَ ⑤ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي
الْاَوَّلِيْنَ ⑥ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا
بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑦ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ
بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ⑧

ترجمہ:۔ حٰمٓ ① قسم ہے کھول کر بیان کرنے
والی کتاب کی ② بیشک ہم نے رکھا ہے اس (قرآن)
کو عربی زبان میں تاکہ تم سمجھ سکو ③ اور یہ (کتاب)
لوحِ محفوظ میں ہمارے پاس ہے بہت بلند اور مضبوط ④
کیا ہم پہلوتہی کر دیں گے تمہیں نصیحت کرنے سے اسلئے

کہ تم اسراف کرنے والے ہو ⑤ اور ہم نے پہلے لوگوں
میں بھی بہت سے نبی بھیجے ⑥ اور نہیں آیا اُن کے
پاس کوئی نبی مگر وہ اُس کے ساتھ ٹھٹا کرتے تھے ⑦
پس ہم نے ہلاک کیا اِن سے زیادہ گرفت والے لوگوں کو۔
اور گذر چکی ہیں مثالیں پہلے لوگوں کی ⑧

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الزخرف ہے جو کہ اس کی آیت - ۳۵ میں آمدہ لفظ زخرف سے ماخوذ ہے۔ زخرف دراصل سونے کی ملمع سازی (GILD) کو کہتے ہیں۔ اگر پیتل یا کسی دوسری دھات پر سونے کا پانی چڑھا دیا گیا ہو تو وہ چیز زخرف یا سنہری کہلائے گی۔ یہ لفظ قرآنِ پاک میں بات چیت میں ملمع سازی کے ضمن میں بھی استعمال ہوا ہے۔ سورۃ الانعام میں ہے کہ ہم نے ہر نبی کے لیے انسانوں اور جنوں میں سے دشمن بنائے يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا (آیت - ۱۱۲) جو اپنے حواریوں کو ملمع شدہ یا دھوکے والی بات القا کرتے ہیں۔

یہ سورۃ باقی حوامیم سبعہ کی طرح مکی سورۃ ہے اور گذشتہ سورۃ الشوریٰ کے بعد نازل ہوئی۔ اس کی نواسی آیات اور سات رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۸۳۳ کلمات اور ۳۴۰۰ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

جیسا کہ گذشتہ سورتوں کے تعارف میں بیان کیا جا چکا ہے حوامیم سبعہ میں عام طور پر بنیادی اعتقادات یعنی توحید، رسالت، معاد اور قرآن پاک کی صداقت و حقانیت کا ذکر ہے، تاہم ہر سورۃ میں بعض ضمنی مسائل بھی آ گئے ہیں۔ چنانچہ اس سورۃ میں بھی توحید کے عقلی اور نقلی دلائل پیش کیے گئے ہیں اور مختلف عنوانات اور مثالوں کے ذریعے شرک کا رد کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال بھی بیان کی ہے کہ انہوں نے کس طرح قوم کے سامنے شرک سے بیزاری کا اظہار کیا اور تبلیغ کے لیے بہترین طریقہ کار کو بھی واضح کر دیا۔ اس سلسلہ میں موسیٰ علیہ السلام

کا ذکر ہے۔ آپ کو بڑی سرکش قوم سے مقابلہ کرنا پڑا۔ شرک کی مختلف قسموں میں ایک قسم انسان پرستی کی بھی ہے۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کی صفت اور عبادت میں شریک کیا، اُس کا ردّ آئے گا۔ تمام رسولوں کی اطاعت ضروری ہے کیونکہ شریعت کا مدار کسی تجربہ یا عقل پر نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ رسولوں کے واسطہ سے آتی ہے۔ تمام کتب سماویہ اور خاص طور پر قرآن پاک پر ایمان لانا بھی جزو ایمان ہے کہ اس کے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا جزائے عمل کے ضمن میں ترغیب و ترہیب کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے غرضیکہ اس سورۃ میں بھی تمام بنیادی اصولوں کا ذکر آگیا ہے۔ اگر انسان کا عقیدہ درست ہوگا تو دین پر عمل درآمد ہو سکے گا۔ اور اگر عقیدے میں خرابی ہوگی۔ تو فرقہ بندی شروع ہو جائیگی اس لیے دین کی اساس اور بنیاد کو اچھی طرح واضح کر دیا گیا ہے۔

حروف مقطعات

یہ سورۃ بھی چونکہ حوامیم سبعہ میں سے ہے لہٰذا اس کی ابتدا بھی حٰمٓ کے حروف سے ہوئی ہے۔ حٰمٓ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے یا قرآنِ پاک کا نام ہے۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ ان حروف کا اشارہ اس سورۃ میں بیان کردہ مضامین کی طرف ہے۔ اِن کا اشارہ خدا تعالیٰ کی بعض صفات کی طرف بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے ح سے حنان اور م سے منان۔ انتہائی درجے کی شفقت و مہربانی کرنا خدا تعالیٰ کی صفت ہے، لہٰذا حٰمٓ سے یہ مراد بھی لی جا سکتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان حروف کے ذریعے خدائے رحمان و رحیم کی قسم اٹھا کر آگے بات کی گئی ہے تاہم امام جلال الدین سیوطیؒ اور بعض دیگر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات میں زیادہ الجھنا نہیں چاہیئے بلکہ ان کی تلاوت کے وقت یہی کہنا چاہیئے اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ بِذٰلِکَ یعنی ان حروف کی مراد کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ان حروف سے اللہ کی جو بھی مراد ہے ہمارا اُس پر ایمان ہے اور ہم اُس کی تصدیق کرتے ہیں۔ باقی مفسرین نے تقریب فہم کے لیے جو باتیں کی ہیں وہ حتمی نہیں ہیں، لہٰذا ان حروف کے متعلق زیادہ کرید نہیں کرنی چاہیئے، بلکہ ان پر ایمان لانا ہی کافی ہے۔

کتاب مبین

حروفِ مقطعات کے بعد سورۃ کا آغاز قسم سے ہوتا ہے وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ

۱؎ جلالین ص

قسم ہے کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی۔ کتاب سے مراد قرآن حکیم ہے جس میں کسی مسئلہ کو مجمل نہیں چھوڑا گیا بلکہ واضح کر دیا گیا ہے اگر کسی ایک مقام پر اجمال ہے تو دوسری جگہ پر اُس کی تفصیل بھی موجود ہے۔ اور پھر بعض چیزوں کی وضاحت اللہ کے نبی کے سپرد کی گئی ہے جیسے سورۃ النحل میں فرمایا ہے وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (آیت ۔۴۴) ہم نے یہ ذکر یعنی کتاب اس لیے نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کو وہ چیز کھول کر بیان کر دیں جو اُن کی طرف اتاری گئی ہے۔ گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آیات الٰہی کی تشریح بھی کرتے ہیں اور یہ تشریح و توضیح بھی منجانب اللہ ہوتی ہے جسے وحی غیر متلو کہا جاتا ہے۔ بہر حال اللہ نے اکثر بنیادی عقائد اور اصولوں کو بڑے واضح طریقے پر بیان کر دیا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو ہر چیز انسان کی سمجھ میں آجاتی ہے اور کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ الغرض! اللہ نے اس کو کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی قسم اٹھا کر اگلی بات کی ہے۔

قرآن کی عربی زبان

کتاب مبین کی قسم کے جواب کے متعلق مفسرین کرام کی دو رائیں ہیں بعض فرماتے ہیں کہ اس مقام پر بھی جواب قسم وہی ہے جو سورۃ یٰسٓ کے آغاز میں وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ میں ہے یعنی اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اللہ کے رسولوں میں سے ہیں۔ بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس مقام پر کتاب مبین کی قسم کا جواب قسم وہی ہے جو اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا بے شک ہم نے اس قرآن پاک کو عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ اور اس کی حکمت یہ ہے لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ تاکہ آپ لوگ اسکو بخوبی سمجھ سکیں۔

قرآن کا عربی زبان میں نزول ایک بہت بڑی حقیقت ہے۔ جس کو پچھلی سورۃ میں بھی بیان کیا جا چکا ہے وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (الشوریٰ) اسی طرح ہم نے یہ قرآن آپ کی طرف عربی زبان میں بھیجا تاکہ آپ اہل مکہ اور گرد و پیش والوں کو ڈرا دیں۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اُس نے تورات عبرانی

زبان میں اور انجیل سریانی زبان میں نازل کی، وہ اس قرآن کو کسی دوسری غیر عربی زبان میں بھی نازل کرنے پر قادر تھا مگر اُس کا یہ اصولی فیصلہ ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ابراھیم-۴) ہم نے ہر رسول کو اُس کی قومی زبان میں بھیجا تاکہ وہ اُن کو اللہ کا پیغام کھول کر بیان کر سکیں۔ اللہ نے اپنے آخری نبی اور رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی قوم قریش کی طرف مبعوث فرمایا، جو عربی زبان بولتے تھے، لہٰذا قرآن کو بھی عربی زبان میں نازل فرمایا تاکہ اس کے اولین مخاطبین اس کو اچھی طرح سمجھ لیں اور پھر اِس کا پیغام دنیا کے کونے کونے تک پہنچا دیں۔

نزولِ قرآن کے زمانہ میں عربی زبان انتہائی عروج پر تھی۔ اس کی ترقی کا دور حضور علیہ السلام کی بعثت سے دو ہزار سال پہلے شروع ہوا۔ اور آپ کے زمانے تک شعر و ادب کی دنیا میں یہ زبان تمام زبانوں پر فوقیت حاصل کر چکی تھی۔ یہ زبان آج بھی اختصار، مفہوم کی ادائیگی اور اس کی گرامر کے سائنٹفک ہونے کے اعتبار سے اول نمبر پر ہے۔ اس کی شیرینی میں بھی کوئی دوسری زبان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ انگریزی زبان اگرچہ دنیا بھر میں بولی جاتی ہے۔ مگر اس میں بھی بہت سے زوائد موجود ہیں جب کہ عربی ہی ایک واحد زبان ہے جو زائد حروف سے بالکل پاک ہے اور کم از کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مفہوم بیان کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ عربی زبان میں کوئی حرف ایسا نہیں ہے جس کا کوئی مفہوم یا معنیٰ نہ نکلتا ہو۔ بہر حال اس فصیح و بلیغ زبان میں اللہ نے قرآن پاک کو نازل فرمایا۔ طبرانی اور بعض دیگر کُتبِ احادیث میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان موجود ہے کہ عربوں سے محبت کیا کرو۔ کیونکہ میں بھی عربی ہوں، اللہ نے قرآن کو بھی عربی زبان میں نازل فرمایا ہے۔ اور پھر اہلِ جنت کی زبان بھی عربی ہو گی۔ یہ قریش اور عربوں کی سعادت تھی کہ اللہ کا آخری نبی اُن میں پیدا ہوا، قرآن عربی زبان میں نازل ہوا جس کی ایک حکمت اللہ نے یہ بھی بیان فرمائی لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (البقرۃ-۱۴۳) کہ اللہ کا رسُول تمہارا معلم ہے اور تم دیگر لوگوں کے معلم بنو گے۔ مطلب یہ کہ تم قرآن پاک

کو اپنی مادری زبان میں ہونے کی وجہ سے اچھی طرح سمجھ لو اور پھر آگے غیر عربیوں تک پہنچا دو۔ فرمایا، یہ بلند مرتبت کتاب ہے۔ وَاِنَّهٗ فِیْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِیٌّ حَكِيْمٌ اور بے شک یہ ہمارے پاس لوحِ محفوظ میں بہت برتر اور مستحکم ہے۔ حکیم کے دونوں معنیٰ آتے ہیں یعنی مضبوط و مستحکم بھی اور حکمت والی بھی ہے۔ بہر حال قرآن کریم میں یہ ساری صفات پائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر۔۹) بے شک ہم نے اس کو نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو اس دنیا میں کروڑوں حفاظ کے سینوں میں بھی محفوظ کر دیا ہے اور اُدھر لوحِ محفوظ میں بھی اس کو محفوظ و مستحکم بنا رکھا ہے۔

منکرین قرآن کے لیے تنبیہ

جو لوگ نبی آخر الزمان کی رسالت اور قرآن حکیم کی حقانیت میں شک کرتے ہیں اللہ نے اُن کو سخت تنبیہ فرمائی ہے اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا کیا ہم تمہیں نصیحت کرنے سے پہلو تہی کریں گے۔ محض اس وجہ سے کہ اِنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ تم ایک اسراف کرنے والی یعنی حد سے گزرنے والی قوم ہو؟ اگر تم اس نبی یا قرآن کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم اپنے احکام کے ذریعے تمہیں نصیحت کرنا ترک کر دیں؟ ایسا نہیں ہوگا بلکہ تمہیں ہر حالت میں نصیحت کی جاتی رہے گی، ہمارا پیغام پہنچتا رہے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کا یہی تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام تر مخالفت کے باوجود نزول قرآن کو موقوف نہیں کیا، لہٰذا قرآن پاک بدستور نازل ہو رہا ہے۔ اللہ کی منشا یہ ہے کہ وہ اپنے رسول اور قرآن کے ذریعے اتمام حجت کر دے تاکہ کل کو کوئی عذر نہ کر سکے اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا نہیں آیا۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اپنے آخری رسول کو مبعوث فرمایا اور اس عذر کو رفع کر دیا ہے فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ (المآئدہ۔۱۹) پس تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا آگیا ہے۔ لہٰذا اب تمہارا

کوئی عذر مسموع نہیں ہے۔ اگر اب بھی حقیقت کو پہچان کر اس پر ایمان نہیں لاتے تو پھر آگے اللہ تعالیٰ کی گرفت بھی بڑی سخت ہے، وہ تمہیں سزا میں مبتلا کرنے پر بھی قادر ہے۔

سابقہ اقوام کا انجام

اسی ضمن میں اللہ نے سابقہ اقوام کی نافرمانی اور پھر اُن کے انجام کا حال بھی ذکر کیا ہے وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ہم نے تم سے پہلے لوگوں میں بہت سے رسول بھیجے وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ مگر اُن کے پاس جو بھی نبی آیا اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ان بدبختوں نے اُن انبیاء کے ساتھ ٹھٹھا ہی کیا۔ اللہ کے نبی اور رسول انہیں خدا کا پیغام پہنچاتے رہے، انہیں نیک انجام کی خوشخبری دیتے رہے اور بُرے انجام سے ڈراتے رہے مگر انہوں نے ایک نہ سُنی اور الٹا نبیوں سے مذاق ہی کرتے رہے۔ سورۃ الرعد میں بھی ہے وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ (آیت-۳۲) آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق ہی اڑایا گیا۔ پس ہم نے انکار کرنے والوں کو مہلت دی اور پھر اُن کو پکڑ لیا۔ جب نوح علیہ السلام اللہ کے حکم سے کشتی تیار کر رہے تھے وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ (ھود-۳۸) تو اُن کی قوم کا جو بھی سرکردہ آدمی اُدھر سے گزرتا اُن کے ساتھ مذاق کرتا۔ غرضیکہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ کے ہر نبی اور رسول کے ساتھ تمسخر کیا گیا۔ اگر آج یہ لوگ آپ کو دیوانہ، شاعر یا کاہن کہتے ہیں تو آپ ان کی باتوں کو خاطر میں نہ لائیں، یہ تمسخر تو پہلے نبیوں کے ساتھ بھی ہوتا رہا ہے۔ آپ اپنا کام جاری رکھیں اور اُن کی بری حرکات کی پرواہ نہ کریں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے بعد آپ کے متبعین کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ وہ لوگوں کے ٹھٹھے مذاق سے دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتے رہیں۔ البتہ اللہ نے یہاں یہ تنبیہ کر دی ہے کہ نافرمانوں کا انجام بھی عبرتناک ہی ہوتا رہا ہے۔ سورۃ سبا میں اللہ نے فرمایا کہ مکے کے کافر کس بات پر اتراتے ہیں اور اللہ کے رسول کو جھٹلاتے ہیں وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ

(آیت - ۴۵) ان سے پہلے لوگوں نے بھی اپنے اپنے رسولوں کی تکذیب کی مگر اُن کا انجام کتنا عبرتناک ہُوا۔ اِن مکے والوں کو تو اُن کا عشرِ عشیر بھی نہیں دیا گیا، بھلا اِن کی کیا حیثیت ہے اور یہ ہمارے عذاب سے کس طرح بچ سکتے ہیں۔؟

فرمایا ہر قوم نے اپنے نبی کے ساتھ ٹھٹا کیا فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا پھر ہم نے اِن سے زیادہ گرفت والوں کو ہلاک کر ڈالا۔ مطلب یہ کہ مکے والے بھی اپنے انجام کو پہنچ کر رہیں گے۔ فرمایا وَمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ پہلے لوگوں کی اس قسم کی مثالیں گزر چکی ہیں کہ وہ لوگ عبرت ناک سزا میں مبتلا ہوئے۔ قرآن پاک نے ایسے لوگوں کے جستہ جستہ واقعات بیان کر دیے ہیں۔ جن کو اللہ نے اس دنیا میں ہلاک کیا۔ کسی قوم پر زلزلہ آیا، کسی کو پانی میں غرق کیا، کسی پر تیز ہوا مسلط کر دی گئی اور کسی پر سخت چیخ آئی۔ اللہ نے بعض کی شکلیں ہی مسخ کر دیں۔ غرضیکہ اللہ نے تنبیہ کے انداز میں فرمایا کہ مکے والوں کو سابقہ اقوام کا انجام پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔ اگر وہ انکار کر کے عذابِ الٰہی سے نہیں بچ سکے تو اِن کا انجام بھی اُن سے مختلف نہیں ہو گا۔

درس دوم ۲ آیت ۹ تا ۱۴

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿٩﴾ الَّذِيْ
جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا
سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٠﴾ وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ
السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ
كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿١١﴾ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ
كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ
مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿١٢﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ
تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ
عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا
وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿١٣﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا
لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿١٤﴾

ترجمہ:- اور اگر آپ اِن سے سوال کریں کہ کس نے
پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو تو البتہ ضرور کہیں گے
کہ پیدا کیا ہے اِن کو زبردست اور علم والے پروردگار
نے ﴿٩﴾ وہ جس نے بنایا ہے تمہارے لیے زمین کو
گہوارہ ، اور بنائے ہیں تمہارے لیے اس میں راستے تاکہ

تم راہ پاؤ ⑩ اور جس نے اتارا ہے آسمان کی طرف
سے پانی خاص اندازے کے ساتھ۔ پس زندہ کیا ہم
نے اُس کے ساتھ مردہ شہر کو، اسی طرح تم نکالے جاؤ
گے ⑪ اور وہ ذات جس نے پیدا کیے ہیں جوڑے
سب کے سب۔ اور بنائے ہیں تمہارے لیے کشتیوں سے
اور مویشیوں سے جن پہ تم سواری کرتے ہو ⑫ تاکہ
برابر ہو کر بیٹھو اس کی پشت پر۔ پھر تم یاد کرو
اپنے پروردگار کی نعمت کو جب تم بیٹھ جاتے ہو اُس پر
اور کہو پاک ہے وہ ذات جس نے مسخر کر دیا ہے
ہمارے لیے اس کو، اور نہیں تھے ہم اِس کو قابو
میں رکھنے والے ⑬ اور بیشک ہم اپنے پروردگار
کی طرف البتہ لوٹ کر جانے والے ہیں ⑭

ربطِ آیات

گذشتہ درس میں سورۃ الزخرف کا آغاز تھا۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حقانیت و صداقت کے متعلق فرمایا کہ یہ کتابِ مبین ہے۔ یہ کتاب اللہ نے عربی زبان میں نازل فرمائی ہے اور یہ اُس کے نزدیک لوحِ محفوظ میں محفوظ ہے اللہ نے فرمایا کہ اس کتاب کے منکرین کی قبیح حرکات کی وجہ سے ہم اس کے نزول کو موقوف نہیں کرنے دیں گے بلکہ اس نصیحت کی تکمیل ضرور کریں گے تاکہ کسی شخص کو بعد میں یہ عذر پیش کرنے کا موقع نہ ملے کہ اُسے سمجھایا نہیں گیا۔ بعض لوگ سلیم الفطرت بھی ہوتے ہیں جو حق بات کو فوراً قبول کر لیتے ہیں، لہٰذا اللہ نے فرمایا کہ نصیحت کو روکا نہیں جائے گا۔ اور اس سے مستفید ہونے کا پورا پورا موقع فراہم کیا جائے گا۔ پھر اللہ نے حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی کہ وہ کفار و مشرکین کی زیادتیوں سے گھبرائیں نہیں بلکہ اپنا کام کرتے چلے جائیں۔ اللہ نے سابقہ اقوام کی نافرمانی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب اُن کے پاس اللہ کے رسول

آئے تو انہوں نے اُن کے ساتھ تمسخر ہی کیا۔ پھر جب اُن کی نافرمانی حد سے بڑھ گئی تو اللہ نے اُن کو گرفت میں لے لیا۔ وہ لوگ تو مشرکینِ مکہ سے زیادہ قوت، زیادہ مال و دولت اور زیادہ جتھے والے تھے۔ جب وہ بھی عذابِ الٰہی سے بچ نہ سکے تو یہ لوگ انہی کے نقشِ قدم پر چل کر کیسے بچ سکتے ہیں؟ اُن ہلاک شدہ قوموں کی کہانیاں تاریخ میں بھی محفوظ ہیں اور ان کے جستہ جستہ واقعات قرآن نے بھی بیان کر دیے ہیں۔ اس طرح یہ تسلی کا مضمون بھی آگیا ہے۔

اللہ کی صفت خلق

آج کے درس میں پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے بعض دلائل ذکر کیے ہیں، اور پھر شرک کی مختلف قسموں کا رد کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اگر آپ اِن کافروں اور مشرکوں سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے۔ تمہارے پاؤں کے نیچے زمین ہے جس پر تم رہائش پذیر ہو اور جس پر تمام امورِ زندگی انجام دیتے ہو، تمہاری ضروریات اسی زمین سے پوری ہوتی ہیں۔ پھر تمہارے سامنے نظر آنے والا نیلگوں آسمان ہے، اس میں سورج، چاند، ستارے اور سیارے نظر آتے ہیں، ذرا بتلاؤ تو سہی کہ اِن سب چیزوں کا خالق کون ہے؟ اس کے جواب میں ایک موٹی عقل رکھنے والا آدمی بھی یہی کہے گا کہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا اللہ ہے لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ ہر عاقل، عالم، جاہل، چھوٹے بڑے کا ایک ہی جواب ہے اور وہ لازماً یہی کہے گا۔ کہ اِن اشیاء کو اُس ذاتِ خداوندی نے پیدا فرمایا ہے جو زبردست، غالب اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

توحید کے چار درجات

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ توحید کے چار درجے ہیں۔ جن میں سے دو درجوں میں تو سب برابر ہیں اور دو درجوں میں لوگ اختلاف کرتے ہیں۔ توحید کا پہلا درجہ خلق ہے۔ دہریوں کی ایک قلیل تعداد کو چھوڑ کر آپ کسی خطے اور کسی مذہب کے پیروکار سے پوچھ لیں خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی ہو، ہندو ہو یا سکھ، چینی ہو یا جاپانی، مجوسی ہو یا صابی سب یہی کہیں گے کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے۔ قرآن نے

بھی اس حقیقت کو بار بار واضح کیا ہے اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ (الزمر-۶۲) اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔

توحید کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے یعنی اُس کا وجود خود بخود ہے نہ کہ کسی دوسری ہستی کا عطا کردہ۔ لفظ اللہ اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور لفظ خدا کا مفہوم بھی یہی ہے کہ وہ خود بخود ہے اور اُس کی ذات میں کسی دوسری ذات کا کوئی حصہ نہیں۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی ایسی ہستی ہے جو خود بخود ہے، اس کے علاوہ کوئی ہستی خود بخود نہیں۔ بلکہ ہر چیز اللہ کی پیدا کردہ ہے۔ ہر شئے کا وجود اللہ کا عطا کردہ ہے۔

اِن دو درجات کے علاوہ دو مزید درجات تدبیر اور عبادت ایسے ہیں، جہاں اکثر لوگ شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کی تدبیر بھی اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ کسی چیز کو پیدا کرنے کے بعد اُسے بتدریج درجہ کمال تک پہنچانا اللہ ہی کی صفت ہے مگر مشرک لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ بعض دوسری ہستیاں بھی اُن کے کام بناتی ہیں۔ بعض فرشتے، جن، انسان (زندہ اور مردہ) شجر و حجر، شمس و قمر، ستارے اور سیارے بھی اُن کی مشکل کشائی اور حاجت روائی کرتے ہیں۔ یہی شرک ہے جس میں لوگ آکر پھنس جاتے ہیں۔

توحید کا چوتھا درجہ عبادت ہے۔ جب ہر چیز کا خالق، مالک، مدبر اور متصرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہے تو پھر عبادت بھی خالصتاً اُسی کی ہونی چاہیئے مگر بعض عبادت میں بھی دوسروں کو شریک بنا لیتے ہیں۔ بعض بتوں کے سامنے اور بعض قبروں، شجر و حجر، سورج اور چاند، اور جنوں اور انسانوں کے سامنے سر نیاز خم کر دیتے ہیں، اُن کی ایسی تعظیم کرتے ہیں جیسی اللہ کی ہونی چاہیئے، اُن کے سامنے نذر و نیاز پیش کرتے ہیں اور انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ یہ شرک فی العبادت کا ارتکاب ہے جس میں اکثر لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ اِن کفار و مشرکین سے پوچھیں کہ ارض و سما کا خالق کون ہے تو ضرور یہی جواب

دیں گے کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے ان کو پیدا فرمایا ہے۔

زمین بطور گہوارہ

توحید کے اس تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان پر کیے جانے والے بعض احسانات کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَھْدًا اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو گہوارہ بنا دیا ہے۔ زمین کی تخلیق کے ذکر کے بعد اس سے حاصل ہونے والے مفادات کا ذکر ہو رہا ہے جس طرح بچے کو گہوارہ میں سلا کر اس کو حرکت دی جاتی ہے تو بچہ راحت محسوس کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر پھیلا کر زمین کو جھولے کی طرح متحرک کر دیا ہے جو اس کے لیے بہت سے مفادات کا سبب بنتی ہے۔ قدیم یونانی ماہرین فلکیات کہتے ہیں۔ کہ زمین ساکن ہے جب کہ جدید سائنسی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ زمین متحرک ہے، اور یہ بیک وقت دو حرکتوں کے ساتھ اپنے سفر پر رواں دواں ہے۔ اس کی ایک حرکت اپنے محور کے گرد ہے جو چوبیس گھنٹوں میں پوری ہوتی ہے۔ اور جس کی وجہ سے دن رات آگے پیچھے آتے ہیں۔ زمین کی دوسری حرکت سورج کے گرد ہے جو سال بھر میں مکمل ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے موسمی تغیرات واقع ہوتے ہیں چنانچہ سال بھر کے موسم گرما، سرما، بہار اور خزاں زمین کی سورج کے گرد گردش کا نتیجہ ہیں۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو جھولے کی طرح متحرک بنا کر اس پر رہنے والوں کے لیے بہت سے مفادات وابستہ کر دیے ہیں۔ دن کے وقت کام، رات کو آرام، مختلف موسموں میں مختلف قسم کے پھل، پھول اور اناج کی پیداوار سب کچھ اللہ نے انسان اور دیگر جانداروں کی مصلحت کی خاطر قائم کیا ہے۔ بہرحال زمین ایک گہوارے کی مثل جھول رہی ہے۔ دیگر کروں کی طرح یہ بھی ایک کرہ ہے جو فضا میں معلق ہے جو لوگ زمین سے نکل کر فضا میں جاتے ہیں یا جو چاند پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہیں اُن کو زمین بھی چاند جیسا ایک کرہ ہی نظر آتی ہے۔

ابتدا میں زمین سورج ہی کا ایک حصہ تھی۔ پھر اللہ نے اس کو سورج سے الگ کر کے تو کروڑ تئیس لاکھ میل دور پھینک دیا۔ چونکہ زمین سورج جیسے آگ کے

بگولے سے الگ ہوئی ہے، اس کا بیرونی حصہ تو ٹھنڈا ہو چکا ہے مگر اس کا اندرونی حصہ ابھی تک گرم ہے، اور لاکھوں سال گزرنے کے بعد اب بھی بعض اوقات اس سے لاوا ابلنے لگتا ہے۔ زمین کے اردگرد چودہ کروڑ مربع میل رقبے میں پانی ہی پانی ہے اور صرف آٹھواں حصہ خشکی ہے۔ زمین کے اردگرد پانی کی مثال ایسی ہے جیسے سخت گرمی میں پسینہ آجاتا ہے۔ اللہ نے اس زمین کے گرد چار پانچ سو میل تک ہوا کا خول چڑھا دیا ہے۔ زمین کے اندر کی حقیقت کو سائنسدان پورے طریقے سے معلوم نہیں کر پائے۔ وہ صرف چھ تا آٹھ میل تک نیچے کی خبر لا سکے ہیں اور مزید نیچے جانے کی کوشش کر رہے ہیں جس کے نتیجے میں مزید انکشافات کی توقع کی جا سکتی ہے۔ بہرحال اللہ نے فرمایا کہ اس کی ذات وہ ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے گہوارہ بنا دیا ہے وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا اور اس میں تمہارے لیے جگہ جگہ راستے بنا دیے ہیں۔ جن کے ذریعے تم ایک خطے سے دوسرے خطے کی طرف جا سکتے ہو۔ اس زمین پر کہیں پہاڑ ہیں، کہیں میدان ہیں، کہیں جنگلات ہیں تو کہیں بڑے بڑے صحرا ہیں۔ اسی زمین پر اللہ نے ندی نالے اور دریا بہا دیے ہیں۔ جن کے ذریعے تم زندگی کے مفادات حاصل کرتے ہو اور ان میں سفر بھی کرتے ہو لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ تاکہ تم راہ پاؤ۔

بعث بعد الموت کی مثال

اگلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعے بعث بعد الموت کا مسئلہ سمجھایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے آسمان کی طرف سے ایک خاص اندازے کے ساتھ پانی نازل فرمایا۔ سماء کے مختلف معانی آتے ہیں۔ بادلوں اور فضا کو بھی آسمان کہا جاتا ہے۔ عربی میں چھت پر بھی سماء کا لفظ بولا جاتا ہے اور اوپر کی طرف ہمیں جو نیلگوں پردہ نظر آتا ہے اس کو بھی آسمان کہا جاتا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ اوپر فضا سے بادلوں کی وساطت سے بارش کی صورت میں پانی نازل فرماتا ہے۔ اور پھر اس عمل کے لیے عالم بالا کا حکم بھی شامل ہوتا ہے۔ تو نزولِ رحمت ہوتا ہے۔ فرمایا ہم نے آسمان کی طرف سے

پانی نازل فرمایا فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا پھر اس کے ذریعے ہم نے مردہ شہر یعنی مردہ زمین کو زندہ کیا۔ بارش کی عدم موجودگی میں زمین خشک ہوجاتی ہے۔ اُس کی روئیدگی ختم ہوجاتی ہے، پھر جب اللہ تعالیٰ بارش نازل فرماتا ہے تو زمین پھر سے زندہ ہوجاتی ہے اس میں روئیدگی کی طاقت آجاتی ہے اور پھر اس میں پھل، پھول، پودے، سبزیاں اور چارہ اور اناج پیدا ہوتے ہیں جنکے ذریعے انسان اور دیگر جاندار اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں۔ مردہ زمین کی زندگی سے یہی مراد ہے۔ کہ وہ سرسبز ہوجاتی ہے اور پیداوار دینے لگتی ہے۔

فرمایا جس طرح ہم پانی نازل فرماکر مردہ زمین کو حیات نو بخشتے ہیں كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ اسی طرح تم نکالے جاؤ گے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم مرکر قبروں میں دفن ہوچکے ہوگے تو اللہ تعالیٰ قیامت والے دن تمہیں دوبارہ زندہ کرکے قبروں سے نکال لے گا۔ جو ذاتِ خداوندی خشک زمین میں پانی برسا کر سبزی پیدا کرسکتی ہے وہ مٹی میں مدفون مُردوں کو بھی دوبارہ زندگی بخشنے اور وہاں سے نکالنے پر قادر ہے۔ یہ بات ایک طرف قدرت کی دلیل ہے تو دوسری طرف بعث بعد الموت، اور جزائے عمل کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ اس سے غافل نہ ہوجانا۔

پھر فرمایا وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا اللہ کی ذات وہ ہے جس نے سب کے سب جوڑے پیدا کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کمالِ قدرت کی نشانی ہے کہ اس نے تمام جانداروں کو جوڑے جوڑے یعنی نر اور مادہ کی صورت میں پیدا کرکے اُن کے اختلاط سے اُن کی نسلوں کو آگے پھیلایا ہے۔ جانداروں کے علاوہ پودے اور درخت بھی جوڑا جوڑا ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ نر کھجور کا بور جب مادہ کھجور کے درخت پر ڈالا جاتا ہے تو درخت پھل دینے لگتا ہے۔ جوڑا کے یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ نے ہر چیز کی ضد پیدا کی ہے جیسے سیاہی اور سفیدی، نور اور ظلمت، دنیا اور عقبیٰ، نیکی اور بدی وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال اللہ نے تفریق جنس یا تفریق نوع کو بھی اپنی قدرت کی نشانی بتلایا ہے۔

ذرائع نقل وحمل

انسان کی افادیت کے لیے ذرائع نقل وحمل بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی

اور اس کے انعامات میں سے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کشتیاں اور جانور پیدا فرمائے ہیں۔ نزول قرآن کے زمانہ میں ذرائع نقل وحمل صرف دو قسم کے تھے یعنی بحری اور بری اس آیت میں اللہ نے اپنی دو ذرائع کا ذکر فرمایا ہے کہ بحری راستے سے سفر کے لیے تمہارے لیے کشتیاں بنائیں۔ اُس زمانے میں بادبانی کشتیاں چلتی تھیں جن کا ذکر اللہ نے قرآن کے مختلف مقامات پر کیا ہے۔ دریاؤں اور سمندروں کی لہروں کو چیرتے ہوئے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جانا بہت بڑی چیز تھا۔ کشتیوں کے بعد پھر سٹیمر آئے جو بھاپ سے چلتے تھے اور پھر تیل سے چلنے والے لاکھوں ٹن وزنی جہاز ایجاد ہو چکے ہیں اور شب و روز سطح آب پر رواں دواں ہیں۔ اللہ نے اپنا یہ احسان جتلایا ہے کہ اس نے تمہارے لیے سمندری سفر کا بندوبست کر دیا۔ اگرچہ یہ کشتیاں اور جہاز انسانی ہاتھوں کے بنائے ہوئے ہیں مگر اس کے لیے مادی وسائل از قسم لکڑی، لوہا وغیرہ اللہ تعالیٰ کا ہی پیدا کردہ ہے۔ اور انسان کے ذہن میں عقل و فہم اور شعور بھی اللہ نے ہی ڈالا تو وہ ان کو تیار کر سکے۔

اللہ نے فرمایا کہ زمینی سفر کے لیے ہم نے تمہارے لیے جانور پیدا فرما دیے۔ ظاہر ہے کہ نزول قرآن کے زمانہ میں نجی یا تجارتی نقل وحمل جانوروں کے ذریعے ہی ہوتا تھا۔ جن میں اونٹ، گھوڑے، گدھے اور خچر خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اونٹ کو تو صحرا کا جہاز کہا جاتا ہے۔ جہاں وہ کئی کئی دن کچھ کھائے پیئے بغیر سفر کر سکتا ہے۔ اگرچہ آج کے مشینی دور میں نقل وحمل کے لیے جانوروں کی افادیت قریباً قریباً ختم ہو چکی ہے، تاہم بعض علاقے آج بھی ایسے موجود ہیں۔ جہاں سواری اور باربرداری کے لیے جانوروں سے ہی کام لیا جاتا ہے۔ بہرحال اللہ نے جانوروں کو پیدا کر کے انسان کی خدمت پر مامور کر دیا ہے جو کہ نہ صرف اُن کی خدمت بجالاتے ہیں۔ بلکہ بعض انسان کی خوراک بھی بنتے ہیں۔

سواری کی دعا

فرمایا ایک تو یہ جانور باربرداری کا کام دیتے ہیں اور ان کا دوسرا فائدہ یہ ہے

مَا تَرْکَبُوْنَ کہ تم ان پر سواری کرتے ہو۔ لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ تاکہ تم برابر ہو کر بیٹھو ان کی پشت پر۔ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ پھر اپنے پروردگار کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اُس نے تمہارے لیے ان وحشی جانوروں کو مسخر کر دیا۔ فرمایا اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ جب تم ان جانوروں پر آرام سے سوار ہو جاؤ۔ تو پھر اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرو وَتَقُوْلُوْا اور یوں کہو سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لیے اس سواری کو مسخر کر دیا، وگرنہ ہم تو اسے قابو کرنے والے نہیں تھے یعنی اس سواری پر تسلط حاصل کرنا ہمارے بس میں نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اُس نے اسے ہمارے لیے مسخر کر دیا ہے اُس وقت تو جانوروں کی سواری کے متعلق اللہ نے یہ دُعا سکھائی۔ اور حقیقت بھی ہے کہ اونٹ گھوڑے وغیرہ جیسے طاقتور اور خودسر جانوروں کو قابو کرنا انسانی استطاعت سے باہر ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کے ساتھ ان جانوروں کی طبیعت میں یہ چیز ڈال دی ہے کہ وہ انسان کی خدمت پر مامور ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سو اونٹ کی ایک لمبی قطار کو دس سال کا بچہ جدھر چاہے ہانک کر لے جاتا ہے۔ مگر وہ اُف تک نہیں کرتے۔ یہ اللہ کی مہربانی کی وجہ سے ہی ممکن ہے۔

آج کے دور میں زمینی نقل وحمل گاڑیوں، ٹرکوں، ٹرالوں، ویگنوں اور کاروں، کے ذریعے ہوتی ہے۔ بحری سفر کے لیے بڑے بڑے جہاز اور ہوائی نقل وحمل کے لیے تیز رفتار ہوائی جہاز استعمال ہو رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مذکورہ دُعا اگرچہ جانوروں کی سواری کے متعلق ہے تاہم یہی دُعا ہر قسم کی بری اور ہوائی سواریوں کے لیے بھی مفید ہے۔ البتہ بحری سفر کے لیے قرآن میں یہ دُعا مذکور ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (ہود۔ ۴۱) اللہ تعالیٰ کے اسمِ پاک کی برکت سے ہی اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے۔ بیشک میرا پروردگار البتہ بڑا بخشش کرنے والا اور نہایت مہربان ہے۔ بہرحال تمام سواریاں اللہ تعالیٰ

کی توفیق سے رواں دواں ہیں۔ دنیا میں کتنے واقعات پیش آتے ہیں کہ راہ چلتے حوادثات پیش آجاتے ہیں اور اچھی بھلی سواریاں قابو سے باہر ہو کر جانی اور مالی نقصان کا باعث بن جاتی ہیں۔ موٹر کاروں، ٹرکوں، ٹرالیوں، ریل گاڑیوں میں ٹکمہ ہو جاتی ہے۔ ہوائی جہاز تباہ ہو جاتے ہیں۔ بڑے بڑے بحری جہاز ڈوب جاتے ہیں، جب تک اللہ تعالیٰ کی مہربانی شاملِ حال نہ ہو، انسان بالکل بے بس ہے۔

فرمایا وَإِنَّآ إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنقَلِبُونَ بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف ہی پھر کر جانے والے ہیں۔ جس طرح اس دنیا میں لوگ ایک ایک مقام سے دوسرے مقام تک ان سواریوں پر سفر کرتے ہیں، اسی طرح ایک دن آنے والا ہے جب یہی انسان انسانی کندھوں پر سوار ہو کر قبرستان کی طرف جا رہا ہو گا۔ اور درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہ مقررہ وقت پر سب کو اکٹھا کرے گا اور پھر حساب کتاب اور جزائے عمل کی منزل آئے گی۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ اس مادی سفر میں ساتھ ساتھ سفرِ آخرت کو بھی یاد رکھے اور اس کے لیے تیاری کرے۔

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ
لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ ع ۱۵
وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ
بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا
وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِى الْحِلْيَةِ وَهُوَ
فِى الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ
الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ
سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا
لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ
مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ
كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾
بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا
عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا
مِنْ قَبْلِكَ فِىْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ
مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا
عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ

بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ قَالُوْٓا اِنَّا
بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾ النصف ع ۲ ع ۱۰ ۸

ترجمہ:- اور ٹھہرایا ہے انہوں نے اُس (اللہ) کے لیے اُس کے بندوں میں سے حصہ۔ بے شک انسان البتہ کھلا ناشکر گزار ہے ﴿۱۵﴾ کیا بنا لی ہیں اُس نے اپنی تخلیق کردہ چیزوں میں سے بیٹیاں، اور چنا ہے تم کو بیٹوں کے ساتھ ﴿۱۶﴾ اور جب خوشخبری دی جاتی ہے ان میں سے کسی ایک کو اُس چیز کی جو بیان کرتا ہے رحمان کے لیے مثال، تو ہو جاتا ہے اُس کا چہرہ سیاہ اور وہ (غم کی وجہ سے) گھٹ رہا ہوتا ہے ﴿۱۷﴾ بھلا وہ جس کو نشو و نما دی جاتی ہے زیور میں اور وہ جھگڑا کرنے میں بھی صاف بات نہیں کر سکتی ﴿۱۸﴾ اور ٹھہرایا ہے انہوں نے فرشتوں کو جو رحمان کے بندے ہیں، عورتیں۔ کیا یہ حاضر ہوئے تھے اُن کی پیدائش کے وقت۔ لکھی جائیگی ان کی شہادت اور ان سے پوچھا جائے گا ﴿۱۹﴾ اور کہا انہوں نے کہ اگر چاہے رحمان تو ہم نہ عبادت کریں اُن کی۔ نہیں ہے انہیں اس کا کچھ علم۔ نہیں ہیں یہ مگر اٹکل دوڑاتے ﴿۲۰﴾ کیا ہم نے دی ہے اِن کو کوئی کتاب اس سے پہلے، پس وہ اُس کو مضبوطی سے پکڑنے والے ہیں ﴿۲۱﴾ بلکہ کہا انہوں نے کہ پایا ہم نے اپنے آباؤاجداد کو ایک راستے

پر، اور ہم اُن کے نقشِ قدم پر راہ پانے والے ہیں (۲۲)
اور اسی طریقے سے نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے
کسی بستی میں کوئی ڈر سنانے والا مگر کہا وہاں کے آسودہ حال
لوگوں نے کہ بیشک ہم نے پایا ہے اپنے آباؤ اجداد کو
ایک راستے پر، اور بیشک ہم اُن کے نقشِ قدم پر
اُن کی اقتدا کرنے والے ہیں (۲۳) کہا اُس (پیغمبر) نے اگرچہ
لاؤں میں تمہارے پاس زیادہ ہدایت والی چیز اُس سے جس
پر پایا تم نے اپنے آباؤ اجداد کو۔ کہا انہوں نے بیشک ہم
اس چیز کے ساتھ جو تم کو دی گئی ہے، کفر کرنے والے
ہیں (۲۴) پس ہم نے انتقام لیا اُن سے، پھر دیکھو کیسا
ہوا انجام جھٹلانے والوں کا (۲۵)

ربط آیات

سورۃ کے آغاز میں قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر ہوا اور اُس کے وحی الٰہی ہونے کا بیان ہوا۔ پھر اللہ نے رسالت کے ضمن میں فرمایا کہ ہر رسول کے ساتھ ٹھٹا کیا گیا لہٰذا اس بات سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ اللہ نے اپنی قدرتِ تامہ کے دلائل بیان فرمائے جن سے اُس کی توحید بھی بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔ پھر اللہ نے مخلوق پر کیے جانے والے انعامات کا تذکرہ کیا اور خاص طور پر انسانوں کے لیے سواریوں کا ذکر فرمایا اور اُن پر سوار ہوتے وقت کی خصوصی دُعا سکھلائی۔ اب آج کی آیات میں توحید کا اثبات اور شرک کا رد ہے اور اس سلسلے عقیدۂ اولاد کا ذکر کیا گیا ہے کہ مشرک لوگ خدا کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں اور خاص طور پر فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ پھر اللہ نے مشرکین کی اندھی تقلید کو بیان کر کے اُن کے انجام کی طرف اشارہ کیا ہے۔

خدا کے لیے اولاد کا عقیدہ

مشرکین کے شرک کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اولاد مانتے تھے۔ اللہ نے فرمایا وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا انہوں نے اللہ

کے بندوں میں سے اُس کے لیے ایک حصہ ٹھہرا لیا ہے۔ مرد اور عورتیں سب اللہ کے بندے ہیں مگر مشرکوں نے ان بندوں میں سے ایک حصہ یعنی عورتوں کو خدا تعالیٰ کی اولاد تسلیم کر لیا ہے اور اس طرح وہ کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اُدھر بعض دوسرے گروہوں نے مردوں کو خدا کا جزو تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ (التوبۃ - ۳۰) یہودی کہتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ اسی طرح بعض دیگر مشرکین بھی مخلوق میں سے کسی نہ کسی کو خدا کی اولاد تسلیم کرتے ہیں۔ فرمایا یہ بڑی بے ادبی اور گستاخی کی بات ہے کہ خدا کی مخلوق میں سے اُس کے لیے ایک حصہ تجویز کیا جائے۔ صاحب اولاد ہونا تو مخلوق کی صفت ہے۔ جو چیز اجزا سے مرکب ہوتی ہے۔ وہ حادث ہوتی ہے جب کہ خدا تعالیٰ کی ذات قدیم ہے۔ وہ بسیط ہے، نہ کہ مرکب، مرکب اور حادث ہونا تو عیب اور نقص کی نشانی ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے۔ وہ حادث نہیں بلکہ قدیم ہے، لہٰذا اُس کے لیے اولاد کا عقیدہ رکھنا کسی طرح بھی اُس کی شانِ رفیع کے لائق نہیں۔ وہ ازلی اور ابدی اور جنسیت سے پاک ہے۔ اللہ اور اُس کے بندوں کے درمیان صرف خالق اور مخلوق ہونے کا تعلق ہے۔ والدیت اور مولودیت کا کوئی تعلق نہیں۔

عقیدۂ اولاد کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ الصّٰفّٰت اور یہاں اگلی آیت میں بھی مشرکین کے اس عقیدے کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں مانتے تھے، حالانکہ فطرتاً بیٹیاں بیٹوں سے کمزور ہوتی ہیں، اور ان بدبختوں نے کمزور مخلوق کو اللہ کی طرف منسوب کیا ہے اور اعلیٰ مخلوق یعنی بیٹوں کو اپنے لیے پسند کیا ہے۔ فرمایا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ انسان کس قدر کھلا ناشکر گزار ہے۔

لڑکے اور لڑکیوں کی تقسیم

اسی جنسی تقسیم کے متعلق اللہ نے یہاں ارشاد فرمایا ہے اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا

يَخْلُقُ بَنٰتٍ کیا اُس نے اپنی مخلوق میں سے اپنے لیے بیٹیاں ٹھہرا لی ہیں وَاَصْفٰكُمْ بِالْبَنِيْنَ اور تم کو بیٹوں کے ساتھ چُن لیا ہے؟ اللہ نے استفہامیہ انداز میں فرمایا ہے کہ تمہارے زعم کے مطابق کیا اللہ نے اپنے لیے کمزور مخلوق کو منتخب فرمایا ہے اور تمھیں تمھاری پسند کے مطابق بیٹوں کے لیے چن لیا ہے۔ یہ کس قدر بیوقوفی کی بات ہے۔ فرمایا اِن کی پسند اور ناپسند کی حالت تو یہ ہے وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا اور جب اِن مشرکوں میں سے کسی کو اُس چیز کی خوشخبری دی جاتی ہے جس کی انہوں نے خدائے رحمان کے ساتھ مثال بیان کی ہے، مطلب یہ ہے کہ مشرک خود اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور اسی بیٹی کی پیدائش کی خبر جب اُن میں سے کسی شخص کو دی جاتی ہے، تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ اسے اس قدر تکلیف پہنچتی ہے کہ وہ اپنے لیے کسی بھی صورت میں بیٹی کو پسند کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ چنانچہ وَهُوَ كَظِيْمٌ اور وہ غم و اندوہ کی وجہ سے پیچ و تاب کھانے لگتا ہے اور اُس کا جی گھُٹ رہا ہوتا ہے۔

بعض مشرکین کی اس حالت کو اللہ نے سورۃ النحل میں بھی بیان فرمایا ہے وہاں بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اِن میں سے جب کسی شخص کو بیٹی کی پیدائش کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا اور اس کا جی غم کی وجہ سے گھٹنے لگتا ہے۔ پھر وہ اس خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور دل میں سوچتا ہے۔ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ (النحل - ۵۹) کہ آیا وہ ذلت برداشت کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا اُسے زمین میں زندہ گاڑھ دے۔ یہ انسان کی کس قدر کم ظرفی اور حماقت ہے کہ جس چیز کو اپنے لیے عار سمجھتا ہے، وہ خدا کے لیے تجویز کرنے سے نہیں شرماتا بعض مشرکین کے بارے میں آتا ہے کہ وہ بیٹی کی پیدائش کی خبر سُن کر گھر سے ہی بھاگ جاتے تھے چنانچہ اس قسم کا ایک واقعہ امام جاحظ نے اپنی کتاب البیان والتبیین میں بھی نقل کیا ہے۔ جب کسی عورت کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی اور اُس کا خاوند

گھر چھوڑ کر بھاگ گیا، تو وہ کہنے لگی ؎

مَالِاَبِیْ حَمْزَۃَ لَا یَاْتِیْنَا	ابی حمزہ کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ گھر نہیں آتا بلکہ اپنے پڑوسی کے ہاں راتیں بسر کرتا ہے۔
یَبِیْتُ فِیْ بَیْتِ الَّتِیْ تَلِیْنَا	
غَضْبَانَ اَنْ لَّا نَلِدَ الْبَنِیْنَا	وہ اس بات سے ناراض ہے کہ ہم بیٹے نہیں جنتیں۔ اللہ کی قسم یہ تو ہمارے اختیار میں نہیں ہے ہماری مثال تو ایک کھیتی کی ہے کہ اس میں جیسا بیج ڈالا جاتا ہے ویسی اس کی پیداوار ہو جاتی ہے۔
تَاللّٰہِ مَا ذَاکَ بِاَیْدِیْنَا	
نَحْنُ کَزَرْعٍ لِمَا قَدْ زَرَعُوْا فِیْنَا	

اللہ نے فرمایا اَوَمَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَۃِ بھلا وہ مخلوق (یعنی بیٹی) جس کو زیور میں نشوونما دی جاتی ہے۔ وَھُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ اور وہ جھگڑے (یعنی بات چیت) میں بھی غیر واضح ہوتی ہے۔ اللہ نے عورت کے متعلق فرمایا ہے کہ عام طور پر لڑکیوں کی پرورش زیورات میں ہوتی ہے یعنی اُن کو سونے چاندی کے زیورات پہنائے جاتے ہیں۔ جو اُن کے لیے حلال اور لڑکوں کے لیے حرام ہیں۔ اور لڑکیاں بات چیت کرنے میں بھی عام طور پر لڑکوں کی نسبت کمزور واقع ہوئی ہیں۔ اگرچہ استثنائی طور پر بعض لڑکیاں بھی گفت و شنید میں تیز طرار ہوتی ہیں مگر عام طور پر ان کی حالت یہی ہے کہ وہ نہ تو مشقت کے کام انجام دے سکتی ہیں اور نہ بات چیت میں زیادہ چالاک ہوتی ہیں بلکہ وہ بعض اوقات اعصابی دباؤ کا شکار ہو کر بات چیت میں صریح نہیں رہتیں کیونکہ ان کا نروس سسٹم کمزور ہوتا ہے۔

نئے نئے کپڑے، زیورات اور بناؤ سنگار عورتیں فطری طور پر پسند کرتی ہیں حضرت اسامہ بن زیدؓ کو زخم آ گیا۔ حضور علیہ السلام نے خود زخم صاف کیا اور فرمایا کہ اگر یہ بیٹی ہوتی تو ہم اُس کو زیور پہناتے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ عورتوں کے لیے زیور پہننا جائز ہے۔ تاہم عورتوں کا فیشن اور بناؤ سنگار میں زیادہ انہماک تباہ کن ہے۔ صدر ایوب مرحوم کے زمانہ میں اسمبلی کی ایک خاتون ممبر کے متعلق اخبارات میں آیا تھا کہ وہ تیس ۳۰ دن کے اسمبلی

بیٹھن میں ہر روز نیا لباس پہن کر شامل ہوتی رہی۔ گویا اس کو کوئی دوسرا کام ہی نہیں تھا۔ بہرحال عورتوں کی اس کمزوری کا ذکر اللہ نے کیا ہے کہ ایک تو وہ زیورات کی دلدادہ ہوتی ہیں اور دوسرے مرد کی نسبت صریح گفتگو بھی نہیں کر سکتیں۔ مگر مشرکوں کا حال یہ ہے کہ وہ ایسی کمزور مخلوق کی نسبت تو اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں اور خود اپنے لیے لڑکے پسند کرتے ہیں۔

فرشتوں کے متعلق غلط عقیدہ

اللہ نے فرمایا کہ مشرکوں نے فرشتوں کے متعلق بھی کتنا غلط عقیدہ بنا رکھا ہے وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ان بدبختوں نے اللہ کے بندوں فرشتوں کو عورتیں بنا رکھا ہے۔ کہتے ہیں۔ اَلْمَلٰٓئِكَةُ بَنَاتُ اللّٰهِ یعنی فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، حالانکہ وہ تو اللہ کے مقرب بندے ہیں۔ فرشتوں میں تذکیر و تانیث والی کوئی بات نہیں تاہم انہیں احتراماً مذکر تصور کیا جاتا ہے۔ اُن کو عورت کہنے میں تو بڑی گستاخی ہے۔ فرمایا یہ فرشتوں کو عورتیں سمجھتے ہیں اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ کیا یہ لوگ فرشتوں کی تخلیق کے وقت موجود تھے جو یہ تذکیر و تانیث کا علم رکھتے ہیں۔ فرمایا سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ ان کی یہ گواہی لکھ لی جائے گی اور پھر ان سے بازپرس بھی ہو گی کہ انہوں نے ایسا غلط دعویٰ کیوں کیا اور خدا تعالیٰ کے لیے اولاد کیوں تجویز کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نہ تو کوئی حقیقی اولاد ہے اور نہ ہی مجازی کہ جس کو اُس نے اختیار دے دیا ہو۔ کہ لوگوں کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کرتے پھریں۔ عیسائیوں کا ابن اللہ والا عقیدہ بھی باطل ہے اور مشرکوں کا خدا کے لیے بیٹیاں تجویز کرنا بھی سخت گستاخی ہے۔

عبادِ لغیر اللہ کی غلط تاویل

اگلی آیت کریمہ میں اللہ نے مشرکوں کی ایک بیہودہ دلیل کا رد فرمایا ہے۔ وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ انہوں نے کہا کہ اگر خدائے رحمان چاہتا تو ہم ان معبودانِ باطلہ کی عبادت نہ کرتے، گویا وہ خدا کے کہنے پر ایسا کر رہے ہیں۔ دراصل ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر غیر اللہ کی نذر و نیاز، اُن کی حد درجہ تعظیم یا ان کے سامنے

سجدہ ریزی اتنی ہی معیوب ہے تو پھر اللہ تعالیٰ انہیں اس کام سے زبردستی روک کیوں نہیں دیتا۔ اگر وہ روکتا نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اچھا کام ہے۔ فرمایا اُن کے اس زعمِ باطل کے متعلق مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ انہیں کچھ بھی علم نہیں۔ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ اُن کی یہ ساری دلیل بازی محض اٹکل پچو باتیں ہیں ان میں کوئی صداقت نہیں بلکہ یہ خود اللہ تعالیٰ پہ اتہام کے مترادف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو برائی سے زبردستی نہیں روکتا کیونکہ زبردستی روکنا اُس کے بنیادی اصول کے خلاف ہے۔ اُس نے دنیا میں انسانوں کو بھیج کہ اُن کے سامنے نیکی اور برائی کے راستے انبیاء اور کتابوں کے ذریعے واضح کر دیے اور پھر انسانوں کو اختیار دے دیا۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف - ۲۹) اب جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا بھی چاہے کفر کا راستہ اختیار کر لے۔ انسان اپنے لیے جو بھی راستہ پسند کرے گا۔ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ (النساء - ۱۱۵) پھر اگر وہ برائی کے راستے پر چل نکلے گا تو ہم اُسی طرف کی توفیق دے دیں گے اور آگے اس کے لیے جہنم بھی تیار ہے جو کہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

پھر اللہ نے فرمایا کہ مشرکین نے غیر اللہ کی عبادت کا وطیرہ بنا رکھا ہے اور پھر یہ باطل تاویل بھی پیش کرتے ہیں کہ اللہ کی رضا اسی میں ہے ورنہ وہ ہمیں ایسا کرنے سے روک دیتا۔ فرمایا اُن کی اس باطل تاویل کے لیے اُن کے پاس کیا دلیل ہے؟ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ کیا اس سے پہلے ہم نے انہیں کوئی کتاب عطا کی تھی جس میں غیر اللہ کی عبادت کو جائز قرار دیا گیا ہے فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ اور وہ اُسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے ہوئے ہیں۔ مقصد یہ کہ ہم نے تو اُن کے پاس ایسی کوئی کتاب یا حکم نہیں بھیجا جس میں غیروں کی عبادت کو جائز قرار دیا گیا ہو۔ یہ اُن کا اپنا ہی زعمِ باطل ہے۔

آباؤ اجداد کی اندھی تقلید

فرمایا اِن کے مشرکانہ عقائد و اعمال کی کوئی معقول دلیل تو نہیں ہے سوائے اس کے بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ

کہ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ایک طریقے پر پایا اور ہم انہی کے نقشِ قدم پر راہ پانے والے ہیں۔ جس قسم کے عقائد وہ رکھتے تھے اور جونسی رسوم وہ ادا کرتے تھے۔ ہم بھی اسی طرح کر رہے ہیں۔ یہی اندھی تقلید ہے کہ بغیر سوچے سمجھے باپ دادا کے دین کو اختیار کیا جائے۔ جس کی قرآن نے بار بار تردید کی ہے۔ حتیٰ کہ فرمایا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (البقرة۔ ۱۷۰) اگرچہ اُن کے آباؤ اجداد عقل سے بے بہرہ اور غیر ہدایت یافتہ ہوں تو پھر بھی یہ انہی کے نقشِ قدم پر چلیں گے؟ یہ تو سخت حماقت کی بات ہے۔ ہاں اگر آباؤ اجداد راہِ راست پر ہوں تو پھر اُن کی تقلید قابلِ فخر بات ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ اِنِّىْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِىْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ (یوسف۔ ۳۷-۳۸) میں نے اس قوم کے طریقے کو ترک کر دیا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لانے کی بجائے انکار کرتے ہیں اور میں نے اپنے آباؤ و اجداد حضرت ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کی ملّت، دین یا طریقے کا اتباع کیا ہے۔

فرمایا وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِىْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈر سنانے والا نہیں بھیجا اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ مگر یہ کہ اُس بستی کے آسودہ حال لوگوں نے یہی کہا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ایک طریقے پر پایا وَاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ اور ہم تو انہی کے نقشِ قدم پر اقتدا کرنے والے ہیں ہم تو انہی قدیم رسم و رواج پر ہی کاربند رہیں گے، ہم کسی نئے دین کو اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں۔

مشرکین کی اس ہٹ دھرمی کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے کہلوایا قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ

کیا اگر میں اُس سے زیادہ ہدایت والی چیز تمہارے پاس لے آؤں جس پر تم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے، تو کیا پھر بھی تم لکیر کے فقیر ہی رہو گے اور اپنے گمراہ باپ دادا کے دین پر ہی چلتے رہو گے؟ اس کے جواب میں قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ مشرک کہنے لگے کہ ہم تو تمہاری لائی ہوئی چیز یعنی دین کو ماننے کے لیے تیار نہیں بلکہ اس کا صریح انکار کرتے ہیں۔ ہم تو اپنے آباؤ اجداد کے نقشِ قدم پر ہی چلتے رہیں گے

انجام کار

اللہ نے فرمایا کہ جب کفار و مشرکین کی سرکشی حد سے بڑھ گئی فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ پھر ہم نے اُن سے بدلہ لیا۔ انتقام کی مختلف صورتیں رہی ہیں۔ کبھی اللہ نے انبیاء کو جہاد کا حکم دے کر کفار و مشرکین کی بیخ کنی کی اور کبھی کوئی آسمانی آفت از قسم سیلاب، طوفان، مسخ، چیخ یا خسف کے ذریعے ایسی نافرمان قوموں کو ہلاک کیا اللہ تعالیٰ کسی سرکش کو انتقام لیے بغیر نہیں چھوڑتا۔ انہیں دنیا میں بھی سزا دیتا ہے اور پھر برزخ اور آخرت کا عذاب تو بہرحال ان کے مقدر میں ہے۔ فرمایا پھر ہم نے اُن سے انتقام لیا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ پھر دیکھو ان جھٹلانے والوں کا کیا عبرتناک انجام ہوا۔ ایسے ناہنجار لوگ ذلّت ناک سزاؤں میں مبتلا ہو کر صفحۂ ہستی سے ناپید ہو گئے۔ اللہ نے جستہ جستہ ایسی قوموں کا حال قرآن میں بھی بیان کر دیا ہے اور بہت سے واقعات تاریخ کے اوراق میں بھی محفوظ ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ
مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿٢٦﴾ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿٢٧﴾
وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ
يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ
حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿٢٩﴾ وَلَمَّا
جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ
كٰفِرُوْنَ ﴿٣٠﴾

ترجمہ:- اور جب کہا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور
اپنی قوم سے کہ بے شک میں بیزار ہوں اُن چیزوں سے
جن کی تم عبادت کرتے ہو ﴿۲۶﴾ سوائے اس ذات کے جس
نے مجھے پیدا کیا ہے، بیشک وہی میری راہنمائی کرتا ہے ﴿۲۷﴾
اور کر دیا اس کو ایک کلمہ باقی رہنے والا اپنی اولاد میں
تاکہ وہ رجوع کرتے رہیں ﴿۲۸﴾ بلکہ میں نے فائدہ پہنچایا
ہے اِن لوگوں کو اور ان کے آباؤاجداد کو یہاں تک کہ آگیا
اُن کے پاس حق اور کھول کر بیان کرنے والا رسول ﴿۲۹﴾
اور جب آگیا اِن کے پاس حق تو کہنے لگے کہ یہ تو سحر
ہے، اور بے شک ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں ﴿۳۰﴾

ربطِ آیات — گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُن مشرکین کی مذمت بیان فرمائی جو اپنے

آباؤ اجداد کے طریقے پر چلتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو اپنے باپ دادا کے نقشِ قدم پر ہی چلیں گے اگرچہ خدا کا نبی حق بات لے کر آیا ہو۔ اپنے آباؤ اجداد کے رسم و رواج کو بغیر دلیل اور بغیر سوچے سمجھے اپنانا اندھی تقلید کہلاتا ہے، جو نزولِ قرآن کے زمانے کے مشرک اختیار کیے ہوئے تھے۔

ابراہیم علیہ السلام کا اظہارِ بیزاری

اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی توجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوہ کی طرف دلائی ہے ——— اور یاد دلایا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام بنی اسحاق اور بنی اسماعیل یعنی یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب سب کے ——— جدِ امجد ہیں، اگر تم نے اپنے آباؤ اجداد ہی کی پیروی کرنی ہے تو پھر اُن کا طریقہ اختیار کرو جو کہ بالکل درست ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعات اللہ نے بہت سی سورتوں میں بیان فرمائے ہیں جن میں آپ کے نام کی صراحت کی گئی ہے اور سورۃ الانعام میں تو آپ کے باپ کا نام آزر بھی ظاہر کیا گیا ہے وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ۔ (آیت ۷۵) جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کہا، کیا تم نے ان بتوں کو معبود بنا رکھا ہے؟ میں تجھے اور تیری قوم کو سخت گمراہی میں پاتا ہوں۔ البتہ تورات میں آپ کا نام تارخ ذکر کیا گیا ہے۔ یہ کوئی تعارض کی بات نہیں بلکہ آزر اور تارخ ایک شخصیت کے دو نام ہیں۔ آزر نام ہے اور تارخ لقب، یا تارخ نام ہے اور آزر لقب، بہرحال آپ آشوریوں اور کلدانیوں کے دار الخلافہ ستر مربع میل پر پھیلے ہوئے شہر بابل کے ایک مقام اُور میں پیدا ہوئے اور وہیں آپ نے نشوونما پائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسالت و نبوت کے لیے منتخب کیا، اور فرمایا وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ (الانبیاء۔۵۱) اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو سمجھ عطا فرمائی۔ نیز اللہ نے آپ پر یہ احسان بھی فرمایا وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الانعام۔۷۶) یعنی آپ کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا مشاہدہ کرایا آپ کی ساری قوم ستارہ پرستی کی لعنت میں مبتلا تھی۔ یہ صابی دور تھا۔ پھر اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو مبعوث فرما کر دورِ حنیفیت کا آغاز کیا۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام

نے اپنے حنیف ہونے یعنی ہر طرف سے کٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا اعلان فرمایا۔

آپ نے اپنی حنیفیت کا آغاز باپ اور قوم کے سامنے اس طرح کیا، وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اور جب کہ کہا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے اِنَّنِيْ بَرَاۗءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ میں ان چیزوں سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں جن کی تم پوجا کرتے ہو۔ یعنی میں تمہارے ان لکڑی، پتھر اور مٹی کے بنائے ہوئے بتوں کو ہرگز معبود تسلیم نہیں کرتا۔ میرا معبود برحق تو وہ ہے اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ جس نے مجھے پیدا کیا ہے، جو میرا خالق، مالک، مدبر اور متصرف ہے۔ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ اور وہی میری راہنمائی کرتا ہے۔ براءٌ کا اطلاق مفرد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے مطلب یہ کہ میں تمہارے ہر مزعومہ باطل معبود سے برأت کا اعلان کرتا ہوں اور ان میں سے کسی کو بھی الوہیت کا درجہ دینے کے لیے تیار نہیں۔ آپ کی طرف سے اس بیزاری کی تفصیل اللہ نے سورۃ الممتحنہ میں اس طرح بیان فرمائی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں نے اپنی قوم سے یوں کہا کہ ہم تم سے اور تمہارے معبودوں سے، ماسوائے اللہ تعالیٰ کے مکمل بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔ ہم تمہارا انکار کرتے ہیں وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاۗءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ (آیت ۴) ہمارے اور تمہارے درمیان عداوت اور بغض کی ایک دیوار کھڑی ہو چکی ہے جب تک تم اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان نہ لے آؤ یہ دیوار ہٹ نہیں سکتی۔ مطلب یہ کہ ابراہیم علیہ السلام عقیدۂ توحید پر ڈٹ گئے اور باپ اور قوم کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔ یہ تھا آپ کا معبودانِ باطلہ سے اظہار بیزاری۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس اعلان سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کہ کسی شخص کا اللہ تعالیٰ، اس کی صفات، تقدیر، ملائکہ، انبیاء اور کتب سماویہ پر ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا۔ جب تک وہ اپنے سابقہ باطل دین سے

تمام ادیان سے مکمل برأت

مکمل بیزاری کا اظہار نہیں کرتا، بلکہ تمام ادیانِ باطلہ سے بیزاری کا اعلان ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص ایمان لانے کے باوجود باطل دین سے اظہارِ برأت نہیں کرتا تو وہ مومن نہیں کہلا سکتا، بلکہ حسبِ سابق کافر اور مشرک ہی رہے گا۔ ابو طالب کہتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرا بھتیجا ہے، اس کا دین سچا ہے مگر اس نے اپنے دین سے اظہارِ بیزاری نہ کیا لہذا مشرک کا مشرک ہی رہا۔

ہمارے دور میں بھی بعض لوگ ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے دین اسلام کی حقانیت کا اقرار تو کیا مگر دوسرے ادیان سے بیزاری کا اعلان نہ کیا بلکہ اُن کو بھی سچا مانتے رہے اور اس طرح وہ دینِ حق سے بے بہرہ ہی رہے ہے۔ برطانیہ کا برنارڈشا بہت بڑا مصنف فلسفی اور ڈرامہ نگار حال ہی میں گزرا ہے وہ اسلام کو سچا مذہب تسلیم کرتا تھا مگر ساتھ ساتھ عیسائیت کا بھی قائل تھا اور اس نے بیزاری کا اعلان نہیں کرتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسا آدمی مومن نہیں ہو سکتا۔ برصغیر کے ہندوؤں میں گاندھی مشہور و معروف آدمی ہوا ہے۔ وہ یہودیت، عیسائیت، اسلام اور ہندومت سب کو سچے دین مانتا تھا اور عبادت کے وقت سب سے پہلے سورۃ فاتحہ کی تلاوت کراتا، پھر تورات اور انجیل پڑھواتا اور ساتھ ساتھ گیتا کے شلوک بھی پڑھواتا تھا۔ ایسا شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اسلام کی حقانیت کے ساتھ اس نے دیگر ادیان کی نفی نہیں کی۔ چنانچہ کلمہ میں تَبَرَّاْتُ مِنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ یعنی کفر اور شرک سے بیزاری کا اعلان ضروری ہے۔ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

الغرض! ابراہیم علیہ السلام نے اسی چیز کا اقرار کیا کہ اے میرے باپ اور اے میری قوم! جن کی تم عبادت کرتے ہو، میں اُن سے بیزار ہوں، میں تو صرف اس ذات کی عبادت کرتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اسی اعلانِ حق کی پاداش میں سات سال تک قید خانہ کی صعوبتیں برداشت کیں مگر اپنے مسلک سے ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹے اس کے بعد آپ کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا گیا حتیٰ کہ آپ کو جلتی ہوئی آگ میں

زندہ پھینک دیا گیا مگر آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی اور اللہ نے وہاں بھی آپ کی حفاظت فرمائی۔ پھر آپ کو ہجرت کا حکم ہوا تو آپ نے بسر و چشم حکم کی تعمیل کی سفر کی صعوبتیں برداشت کیں اور کئی آزمائشوں سے گزرے، اللہ نے ہر آزمائش میں آپ کو ثابت قدم پایا، اور بالآخر اعلان فرما دیا اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (البقرۃ-۱۲۴) میں نے تمہیں لوگوں کا پیشوا بنا دیا ہے۔ آنے والی تمام نسلیں تمھیں اپنا مقتدا تسلیم کریں گی۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ یہودی ہوں یا عیسائی یا مسلمان سارے کے سارے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا پیشوا تصور کرتے ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اہلِ کتاب نے آپ کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ آسمانی کتابوں میں تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں مگر وہ ابراہیم علیہ السلام کی امامت کے بدستور قائل ہیں۔

اولاد کے لیے دعا

شرک اور کفر سے بیزاری کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام نے جس ایمان اور توحید کی دعوت دی تھی اس کے متعلق فرمایا وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ اور کر دیا اس کو ایک کلمہ باقی رہنے والا اپنی اولاد میں۔ مطلب یہ کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس کلمہ توحید کو صرف اپنی ذات تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اسے اپنی اولاد میں بھی جاری کر دیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ۔ (البقرۃ-۱۳۲) کہ ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے پوتے یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہی تاکید کی تھی کہ اللہ نے تمھیں دینِ اسلام کے لیے چن لیا ہے لہٰذا تمھیں صرف اسلام کی حالت میں ہی موت آنی چاہیئے۔ زندگی بھر کسی دوسرے دین کی پیروی نہ کرنا۔ پھر جب حضرت یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو جمع کر کے پوچھا مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ (البقرۃ-۱۳۳) کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے تو سب نے بیک زبان کہا قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا (البقرۃ-۱۳۳) کہ ہم آپ کے اور

آپ کے آباؤ اجداد ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام کے اکیلے خدا کی عبادت کریں گے۔ اس طرح گویا انہوں نے کلمہ توحید اپنی اولاد میں راسخ کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب العزت کی بارگاہ میں یہ دعا بھی کی تھی کہ پروردگار! اس شہر مکہ کو پُرامن بنا دے وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراہیم - ۳۵) اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچانا۔ نیز وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ○ (الشعرآء - ۸۴) اور میرے لیے پچھلوں میں سچی زبان رکھ دے، یعنی میرے بعد آنے والے میرا تذکرہ اچھے الفاظ میں کریں اور میرے اسوہ کو پیش نظر رکھیں۔

یہاں عَقِبِہٖ کا لفظ اس امر کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ ہر مومن کو اپنی اولاد کی فکر بھی کرنی چاہیئے کہ وہ بھی دین حق پر قائم رہے اور کہیں کفر و شرک میں مبتلا نہ ہو جائے، شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ والدین کے لیے نہایت ضروری ہے کہ وہ اولاد کے لیے دعا کا التزام کریں کہ اللہ تعالیٰ اُن کو دین توحید پر استقامت بخشے۔ سورۃ التحریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا (آیت - ۶) اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے بیوی بچوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ یعنی ان کو ایمان پر مضبوط رہنے کی تلقین کرتے رہو۔ شاہ عبدالقادر دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کو دین حق کی تلقین کرتا رہے خواہ اس لیے لالچ دینا پڑے پیار کرنا پڑے یا سزا دینی پڑے۔ اگر بیوی بچے حتی الامکان کوشش کے باوجود راہ راست پر نہیں آتے تو یہ اُن کی بدنصیبی ہوگی اور متعلقہ شخص بری الذمہ ہوگا۔

بہرحال فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے کلمہ توحید کو اپنی اولاد میں باقی چھوڑا لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ کر کے کفار و مشرکین کو یہ بات سمجھائی ہے کہ اگر تم نے آباؤ و اجداد کے نقش قدم پر ہی چلنا ہے تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ اختیار کرو جو تم سب کے جد امجد ہیں، اور ان کے طریقے کے خلاف ان بتوں کی پوجا نہ کرو۔

دینِ حق سے انکار

اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن کے زمانے کے اُن لوگوں کا شکوہ بیان کیا ہے جنہوں نے دینِ حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان جتلایا ہے بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ بلکہ میں نے فائدہ پہنچایا ان کو اور ان کے آباؤ و اجداد کو، ان پر بڑے انعامات کئے، ہر قسم کی سہولت دی حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ یہاں تک کہ اُن کے پاس دینِ حق اور کھول کر بیان کرنے والا رسول آ گیا۔ اس رسول سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو اللہ کا سچا دین لے کر ان کے پاس آئے مگر اِن بدبختوں نے آپ کی اور اللہ کے سچے دین کی قدر نہ کی اور کفر و شرک پر ہی اڑے رہے۔

ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو عربوں کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ کے بعد آپ کی اولاد تقریباً ڈیڑھ ہزار سال تک سچے دین پر قائم رہی، پھر عربوں کی بدقسمتی کہ قصی ابن کلاب کے زمانہ میں یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے چار پانچ سو سال پہلے عربوں میں شرک کی ابتداء ہوئی اور پھر نزولِ قرآن کے زمانہ تک ہر گھر کفر و شرک کا گڑھ بن چکا تھا۔ ہزاروں میں کوئی اکا دکا آدمی ہو گا۔ جو صحیح دین پر قائم رہا ہو۔ وگرنہ سب کے سب دینِ ابراہیمی سے دور جا چکے تھے۔ تو فرمایا وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ جب اللہ کا آخری نبی اُن کے پاس حق بات لے کر آ گیا۔ اُس نے خالص توحید پیش کی اور بتوں کی پوجا سے منع کیا تو انہوں نے آپ کو تسلیم کرنے کی بجائے آپ کو ساحر، کاہن، شاعر، مفتری اور کذاب جیسے القابات دیے۔ قرآنِ پاک کی تاثیر سے انکار تو نہیں کر سکتے تھے۔ جب اُس کی حلاوت و شیرینی ان پر اثر انداز ہوتی تو اس کی حقانیت کو تسلیم کرنے کی بجائے قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ کہنے لگے یہ تو جادو ہے جو ہم پر اثر انداز ہو رہا ہے۔ سورۃ القمر میں ہے کہ جب وہ واضح نشانیاں اور معجزات دیکھتے تو ان سے اعراض کرتے وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (آیت۔۲) اور کہتے کہ یہ تو چلتا ہوا جادو ہے، جو پہلے بھی چلتا تھا اور آج بھی چل رہا ہے۔ غرضیکہ انہوں نے دینِ حق

کو جادو قرار دیتے ہوئے واضح طور پہ کہہ دیا وَاِنَّا بِہٖ کٰفِرُوْنَ کہ بیشک ہم تو اس کا صریح انکار کرتے ہیں یعنی تمھارے پیش کردہ دین کو قبول کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں بلکہ اپنے آباؤ اجداد کے کفریہ اور شرکیہ عقائد و اعمال پر ہی قائم رہیں گے۔ اس کے باوجود جن لوگوں کی قسمت میں تھا۔ انہوں نے دینِ حق کو قبول کیا، سابقہ عقائد و اعمال سے تائب ہو گئے اور اس طرح دنیا اور آخرت دونوں مقامات پہ کامیاب ہوئے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ
الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ
رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ
بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۭ
وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ :- اور کہا اُن لوگوں نے کہ کیوں نہیں اتارا گیا یہ قرآن کسی بڑے آدمی پر دو لبتیوں میں سے ﴿۳۱﴾ کیا یہ تقسیم کرتے ہیں تیرے پروردگار کی رحمت کو۔ (دیکھو) ہم نے تقسیم کی ہے اِن کے درمیان اِن کی معیشت دنیا کی زندگی میں ، اور بلند کیا ہے ، ہم نے بعض کو بعض پر درجے میں تاکہ بنائیں بعض ان میں سے بعض کو خدمت گار ۔ اور تیرے رب کی رحمت بہتر ہے اُن چیزوں سے جو یہ اکٹھی کرتے ہیں ﴿۳۲﴾

ربطِ آیات — اسلام کے بنیادی عقائد توحید ، رسالت ، معاد اور قرآن کی حقانیت کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کفریہ اور شرکیہ رسوم کا رد فرمایا جو کافر اور مشرک

اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید میں انجام دیتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ آباؤ اجداد کی تقلید ہی کرنی ہے تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ اختیار کرو جو تم سب کے جدِ امجد ہیں۔ انہوں نے تو اپنے باپ اور قوم سے صاف کہہ دیا تھا کہ میں اُن چیزوں سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں۔ جن کی تم پوجا کرتے ہو، سوائے اُس ذاتِ خداوندی کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری راہنمائی کرتا ہے اس کے علاوہ میں کسی ہستی کو معبود تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ پھر اس کلمہ توحید اور برأت کو انہوں نے اپنی اولاد میں بھی چھوڑا، تاکہ وہ رجوع کرتے رہیں۔ مگر ان لوگوں کی بدبختی کہ آہستہ آہستہ ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کو بھول کر کفر اور شرک میں مبتلا ہو گئے، حتیٰ کہ جب اللہ کے آخری نبی اور رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ان کا انکار کر دیا۔ چونکہ آپ کا لایا ہوا کلام اُن پر اثر کرتا تھا لہٰذا انہوں نے اُس کو تسلیم کرنے کی بجائے اُسے جادو کہہ کر ٹھکرا دیا۔

نبوت و رسالت کا معیار

کفار و مشرکین نے نبوت و رسالت کا ایک خود ساختہ معیار یہ قائم کر رکھا تھا کہ یہ منصب کسی ایسے شخص کو ملنا چاہیئے جو دنیاوی لحاظ سے آسودہ حال ہو، اُس کے پاس مال و دولت، کوٹھی، باغات، نوکر چاکر اور مال مویشی کی بہتات ہونی چاہیئے، وہ بہت بڑا آدمی ہو جسے معاشرے میں عزت کا مقام حاصل ہو۔ مگر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے دنیاوی لحاظ سے کمزور آدمی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ مجھ پر یہ قرآن پاک نازل ہوتا ہے تو وہ لوگ کہنے لگے وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ یہ قرآن مکے اور طائف کی دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہوا۔ بڑے آدمی سے اُن کی مراد وہی دنیا کا جاہ و حشمت، مال و دولت، باغات و تجارت، مویشی اور غلام تھے۔ اس معیار کے لوگ مکہ میں ولید ابن مغیرہ، عتبہ اور شیبہ وغیرہ تھے، اور طائف میں ابن عبد یالیل، عروۃ ابن مسعود اور حبیب وغیرہ تھے جو بڑی حیثیت کے مالک سمجھے جاتے تھے۔ کہنے لگے اگر قرآن نازل ہونا

تھا تو ان میں سے کسی سردار پر کیوں نہ نازل ہوا، کیا اس کام کے لیے ابوطالب کا یتیم بھتیجا ہی رہ گیا تھا؟ دنیا کے مترف یعنی آسودہ حال لوگوں کا ذہن اسی طرح کام کرتا رہا ہے اور انہوں نے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کو حقیر سمجھ کر ہی اُن کی نبوت کا انکار کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ نبوت و رسالت کسی کو اس کی خواہش اور اختیار سے نہیں ملتی، اور نہ ہی یہ عبادت و ریاضت سے حاصل ہوتی ہے بلکہ یہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور اس کی منشاء سے عطا ہوتی ہے۔ اور پھر جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی نظر انتخاب پڑتی ہے وَإِنَّهُمْ عِندَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ (ص۳۸-۴۷) اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں برگزیدہ اور منتخب لوگ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ انتخاب مال و دولت یا جاہ و حشمت کی بنا پر نہیں ہوتا، بلکہ ذہن فکر، قویٰ، اعمال اور اخلاق کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی الٰہی کا قطعی اور یقینی علم ہوتا ہے کہ اس کے علاوہ تمام علوم محض تخمینی اور ظنی ہوتے ہیں۔ دنیا کے کسی بھی علم کی بنیاد عقل یا تجربہ پر تو ہو سکتی ہے مگر اُسے یقینی نہیں کہہ سکتے کیونکہ یقینی علم صرف وحی الٰہی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نبی معصوم عن الخطا ہوتے ہیں اور اُن کی اطاعت بحیثیت رسول فرض عین ہوتی ہے اسی لیے اللہ کے ہر نبی اور رسول نے قوم سے کہا اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ (الشعراء۲۶-۱۲۵، ۱۲۶) اے لوگو! میں تمہارے لیے امانت دار رسول بن کر آیا ہوں، لہٰذا اللہ سے ڈر جاؤ اور میری اطاعت کرو۔

انبیاء علیہم السلام کی تربیت عام لوگوں سے مختلف ہوتی ہے کیونکہ وہ امت کے لیے نمونہ ہوتے ہیں۔ اگر اُن سے کوئی لغزش سرزد ہو جائے تو اللہ تعالےٰ فوراً اس کی اصلاح کر دیتا ہے۔ اُن کو خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے کیونکہ نبوت سے بڑھ کر کوئی منصب نہیں ہے۔ مگر کافر، مشرک اور دنیا دار لوگ انہیں دنیا کے معیار پر پرکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں بمعزز وہ شخص ہوتا ہے جس کے پاس دنیا کا مال و زر زیادہ ہو حالانکہ اللہ کے ہاں عزت کا معیار اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

اَتۡقٰكُمۡ (الحجرات - ۱۳) اُن کا تقویٰ ہے۔ کفار و مشرکین نے اپنے اس غلط معیار کی بنیاد پر ہی اللہ کے نبیوں کو حقیر سمجھا، جیسا کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو مہین یعنی حقیر کہا۔ اللہ نے فرمایا۔ یہ لوگ ہمارے برگزیدہ نبی اور رسُول کی رسالت پر شک کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ منصب کسی بڑے آدمی کے حصے میں کیوں نہ آیا اَهُمۡ يَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَتَ رَبِّكَ کیا تیرے رب کی رحمت یعنی نبوت و رسالت یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں کہ یہ منصب اُس شخص کے حصے میں آئے جو ان کے مزعومہ معیار پر پورا اترتا ہو؟ فرمایا ہرگز نہیں۔ نبوت کا تاج اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق جس کو اہل سمجھتے ہیں اُس کے سر پر رکھ دیتے ہیں۔ اس میں کسی مخلوق کا کوئی دخل نہیں ہوتا، لہٰذا کفار و مشرکین کا یہ اعتراض باطل ہے کہ قرآن حکیم کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل ہوا۔

تقسیم معیشت

اگلے حصہ آیت میں اللہ نے معیشت کی تقسیم کو نبوت و رسالت کی تقسیم کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ فرمایا یہ لوگ تقسیم نبوت اپنی مرضی کے مطابق کرنا چاہتے ہیں حالانکہ نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّعِيۡشَتَهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا اِن کے درمیان ہم نے دنیا کی معیشت بھی خود تقسیم کی ہے۔ ہم نے ہر شخص کو اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق رزق تقسیم کیا ہے اور سب کو یکساں نہیں رکھا بلکہ وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے۔ نبوت کی تقسیم تو دُور کی بات ہے اگر دُنیا کی معیشت ہی ہم ان کے قبضہ میں دے دیتے تو یہ سب کچھ اپنے حواریوں اور اقرباء میں تقسیم کر دیتے اور کسی دوسرے آدمی کو پانی کا ایک گھونٹ تک نہ دیتے۔

اگرچہ آیت کا یہ ٹکڑا نبوت و رسالت کی دلیل کے طور پر نازل ہوا ہے تاہم اس سے دُنیا کے اقتصادی یا معاشی نظام کے خدوخال بھی واضح ہو جاتے ہیں۔ اس وقت دنیا میں دو معاشی نظام چل رہے ہیں۔ ایک سرمایہ دارانہ نظام

ہے جو امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی اور پاک و ہند وغیرہ میں رائج ہے، اور دوسرا اشتراکی نظام ہے جو روس اور اُس کے حواری ممالک میں چل رہا ہے، اسلام کے نزدیک یہ دونوں نظامہائے معیشت باطل ہیں اور صحیح اور منصفانہ نظام وہی ہے جو اسلام پیش کرتا ہے اور جس پر عہدِ رسالت اور خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں عمل ہوتا رہا ہے۔

وسائلِ معیشت تین قسم کے ہیں یعنی (۱) زمین (۲) سرمایہ، اور (۳) محنت سرمایہ داروں کا نظریہ یہ ہے کہ اصل چیز سرمایہ ہے، یہ ہوگا تو کارخانے لگیں گے مزدور کام کریں گے۔ تو روزی کا سامان مہیا ہوگا۔ اس کے برخلاف اشتراکی نظریات کے حاملین کہتے ہیں کہ اصل چیز محنت ہے۔ محنت کے ذریعے ہی سرمایہ حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا مزدور کو فوقیت حاصل ہونی چاہیئے۔ سرمایہ دارانہ نظام حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے چلا آرہا ہے اور "زر را زرمی کشد" کے مقولے کے مطابق سرمایہ دار خوب سرمایہ کما رہے ہیں، وہ امیر سے امیر تر ہوتے جارہے ہیں جب کہ غریب بیچارے پستے چلے جارہے ہیں۔ اس نظام میں سرمایہ کے کسب اور اس کے تصرف پر کوئی پابندی نہیں، ہر شخص اپنے وسائل کو بروئے کار لاکر ہر حلال و حرام ذرائع سے مال اکٹھا کرسکتا ہے اور پھر اُسے اپنی خواہش کے مطابق ہر جائز اور ناجائز کام میں صرف کرسکتا ہے، گویا کسب اور انفاق میں اُس پر کوئی پابندی نہیں۔

دوسری طرف اشتراکی نظامِ معیشت ہے جس کا آغاز پہلی جنگ عظیم کے موقع پر ہوا۔ اُس وقت روس میں زار روس جیسے ظالم عیسائی حکمران تھے جو عوام کا خون چوس رہے تھے۔ اُس زمانے میں اشتراکی تحریک چلی جس کو لینن اور سٹالن نے آگے بڑھایا۔ اس تحریک کی بنیاد دراصل جرمن کے یہودی کارل مارکس[1] نے رکھی جو آخر میں انگلستان میں پناہ گزین رہا، اُس نے "سرمایہ داری" (CAPITALISM) نامی کتاب لکھ کر اس مسئلے کو چھیڑا۔ سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیاں گنوائیں اور

---

[1] المتوفی ۱۸۸۳ء بحوالہ تاریخ یورپ ص ۵۱۹ از فرڈیننڈ شیول سابق پروفیسر شکاگو یونیورسٹی

لوگوں کو اشتراکیت کی طرف مائل کیا۔ یہ نظریہ آگے چل کر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ اس نظریہ کے مطابق ملک کی ہر چیز عوام کی مشترک ملکیت تصور کی جانی چاہیے اس ضمن میں ایران کا مزدک نامی دہریہ اس حد تک آگے چلا گیا کہ عورت بھی سب کی مشترکہ ملکیت ہونی چاہیے۔ یہ نظریہ فطرت کے صریحاً خلاف تھا۔ لہذا ایران کے شہنشاہ نے اس شخص کو اور اس کے حامیوں کو کلیتاً ختم کروا دیا۔ اشتراکیت کا دوسرا نظریہ یہ ہے کہ وسائل روزگار کسی فرد واحد کی ملکیت میں نہیں ہونے چاہئیں بلکہ یہ سب حکومت کی ملکیت ہوں جو اسے مساویانہ طریقے سے عوام میں تقسیم کرے۔ آج کل یہ طریقہ اشتراکی ممالک میں رائج ہے۔ مگر اس میں قباحت یہ پیدا ہو گئی ہے کہ حکومت پر چند ڈکٹیٹر قسم کے لوگ قابض ہو کر من مرضی کرنے لگتے ہیں، کنبہ پروری کرتے ہیں، دوست نوازی ہوتی ہے اور عام لوگوں کی حیثیت جانوروں سے زیادہ نہیں ہوتی جو کام کرتے ہیں، اور روٹی کھا لیتے ہیں۔ ان پر یہ نظام اس قدر شدت سے مسلط کر دیا جاتا ہے کہ وہ اس کے خلاف آواز تک نہیں اٹھا سکتے اور جو ایسی کوشش کرتا ہے اسے ہمیشہ کے لیے نابود کر دیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ نہایت ہی ظالمانہ نظام ہے۔

اسلامی نظام معیشت

مذکورہ دونوں نظام ہائے معیشت اسلامی نظریات کے خلاف ہیں۔ اسلامی نظام کے خدوخال سابقہ انبیاء حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کی تعلیمات میں بھی ملتے ہیں۔ اسلامی نظام میں نہ تو سرمائے کو کلی حیثیت حاصل ہے اور نہ محنت کو۔ سرمایہ بھی خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور محنت بھی اسی کی پیدا کردہ ہے۔ ہر چیز کا مالک حقیقی خدا تعالیٰ ہے، زمین اور اس کی تمام اشیاء اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ البتہ اس نے اپنے اختیار اور مرضی سے بعض چیزیں لوگوں کی عارضی ملکیت میں دے دی ہیں۔ اور پھر ان مجازی مالکوں کو حقیقی مالک ہونے کی حیثیت سے ان پر قانون کی پابندی بھی لازمی قرار دی ہے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا سرمایہ دارانہ نظام کسب و تصرف میں کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کرتا۔ جب کہ اسلام کسب و تصرف دونوں پر پابندیاں عائد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی حرام راستے سے اکتساب زر کی اجازت نہیں دیتا۔

اس کا حکم ہے لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (النساء - ۲۹)
آپس کا مال باطل اور ناجائز طریقے سے مت کھاؤ یعنی اسلام ناجائز ذرائع مثلاً
چوری، ڈاکہ، جوا، سٹہ، فراڈ، سمگلنگ، چور بازاری، سود، بے حیائی وغیرہ کے ذریعے
مال کمانے کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ کہتا ہے كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ
حَلٰلًا طَيِّبًا (البقرۃ - ۱۶۸) زمین میں سے صرف وہی چیزیں کھاؤ جو حلال اور
پاک ہیں۔ حرام اور ناپاک چیزوں کو استعمال نہ کرو۔

جس طرح اسلام لوگوں کو جائز ذرائع سے آمدن حاصل کرنے کا پابند بناتا ہے اسی طرح وہ صرف جائز مقامات پر خرچ کرنے کی پابندی بھی عائد کرتا ہے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ خرچ کرنے کے معاملے میں تین طریقے رائج ہیں۔ ایک کا نام رفاہیتِ بالغہ ہے کہ انسان لہو ولعب اور تعیش کے تمام ذرائع اختیار کر لے۔ اپنی ضرورت سے زیادہ وسیع مکان بنوائے جس کی زیب و زینت پر غیر معمولی طریقے سے رقم صرف کرے اور پھر اس میں عیش و عشرت کے لوازمات جمع کرنے پر لاکھوں روپے صرف کر دے۔ اسلام اپنی جائز ضرورت کے مطابق مکان بنانے کی اجازت دیتا ہے۔ مگر اس میں اسراف کو قطعاً ناپسند کرتا ہے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ زندگی بسر کرنے کا دوسرا طریقہ تقشّف کہلاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان سادھوؤں اور جوگیوں کی طرح دنیا سے مکمل کنارہ کشی اختیار کر کے پہاڑوں اور جنگلوں میں چلا جائے، نہ شادی کرے نہ بال بچے ہوں، نہ کوئی ذمہ داری عائد ہو اور نہ اُسے نبھانا پڑے۔ اس کو رہبانیت کہا جاتا ہے وَلَا رَهْبَانِيَّةَ فِى الْاِسْلَامِ جو کہ اسلام میں قطعاً روا نہیں، البتہ اسلام جو نظریہ پیش کرتا ہے۔ وہ ان دونوں حالتوں سے مختلف ہے اسلام نہ تو بلا جواز عیش و عشرت کی اجازت دیتا ہے اور نہ ترکِ دُنیا کو پسند کرتا ہے، بلکہ اس کا نظریہ یہ ہے کہ دنیا میں رہ کر جائز ذرائع سے مال کماؤ، خود بھی کھاؤ اور اس میں سے دوسروں کے حقوق بھی ادا کرو۔

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ابنِ آدم کے بعض بنیادی حقوق ہیں جن سے

کوئی شخص محروم نہیں رہنا چاہیئے۔ ان میں پانی، خوراک، لباس، رہائش، صحت، تعلیم چھ چیزیں شامل ہیں۔ ہوا کے بعد پانی انسانی زندگی کے لیے سب سے ضروری چیز ہے لہذا یہ ہر شخص کو مفت مہیا ہونا چاہیئے اور حکومت کو کم از کم پانی کی ترسیل پر کوئی ٹیکس عائد نہیں کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد خوراک ہے جو زندگی کا سلسلہ قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے، اگرچہ سوکھی روٹی ہو۔ تن ڈھانپنے کے لیے لباس بھی ہر شخص کو ملنا چاہیئے خواہ کم قیمت اور سادہ ہو۔ اسی طرح کچا یا پکا مکان ہونا چاہیئے جس میں آدمی بال بچوں سمیت رہائش پذیر ہو سکے۔ اس کے بعد صحت کا حق ہے۔ ہر حکومت کا فرض ہے کہ وہ رعایا کو علاج معالجے کی سہولتیں فراہم کرے۔ اور پھر ہر شخص مرد و زن کے لیے کم از کم اتنی تعلیم کا ضرور انتظام ہونا چاہیئے جس سے وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پہچان سکے۔ آج کل ان بنیادی حقوق کا سہرا اقوام متحدہ (UNO) والے اپنے سر باندھ رہے ہیں حالانکہ یہ تو اللہ کے قرآن اور حضور علیہ السلام کے فرمان میں چودہ صدیاں پہلے مقرر کر دیئے گئے تھے۔

ان تمام تر بنیادی حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اسلام معیشت میں مساوات کو عدم مساوات تسلیم نہیں کرتا کیونکہ یہ ایک غیر فطری امر ہے۔ تمام انسان محنت کریں، کمائیں، کھائیں، دوسروں کو کھلائیں مگر ان کے درجات میں فرق ضرور ہوگا۔ اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ لوگوں کے درمیان معیشت کو ہم نے تقسیم کیا ہے لیکن درجات میں تفاوت رکھا ہے۔ تمام انسان علم، عقل، قوت، ذہن میں برابر نہیں ہیں۔ ایک شخص جسمانی لحاظ سے طاقتور ہے تو دوسرا ذہنی طور پر بہت آگے ہے۔ جو پروفیسر، ڈاکٹر، یا انجینیر اپنے دماغ سے ایک گھنٹہ میں کام لیتا ہے اور روزی کا سامان پیدا کر لیتا ہے اتنا معاوضہ ایک مزدور بارہ گھنٹے کام کر کے بھی نہیں حاصل کر سکتا۔ جس شخص کا ذہن کسی علم یا ہنر کی طرف نہیں چلتا۔ وہ مزدوری کے علاوہ کیا کرے گا؟ لہذا ہر عالم اور جاہل، ہنر مند اور غیر ہنر مند برابر نہیں ہو سکتے۔ جب ان کی جسمانی اور ذہنی صلاحیت برابر نہیں تو ان کی باقی امور میں کیسے مساوات ہو سکتی ہے۔ یہ تو بے عقلی

کی بات ہے حقیقت یہ ہے کہ بنیادی حقوق سب کے لیے برابر ہیں۔ ہر شخص کو تعلیم حاصل کرنے اور ہنر سیکھنے کا پورا موقع ملنا چاہیئے۔ پھر جو شخص کامیاب ہو جاتا ہے اُسے ناکام ہونے والے پر فوقیت حاصل ہوگی اور اسی لحاظ سے اسے درجہ بھی حاصل ہوگا۔ ایسے میں ہر ایک کے لیے مساوات کا مطالبہ کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ معیشت کو ہم تقسیم کرتے ہیں، اس میں کسی دوسرے کی مرضی نہیں چل سکتی۔

فرمایا ہم نے معیشت میں بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا تاکہ ان میں سے بعض بعض کو خدمت گار بنالیں اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کا نظام اس طرح قائم کر دیا ہے کہ کوئی شخص زندگی کے تمام امور از خود انجام نہیں دے سکتا۔ بلکہ کسی نہ کسی صورت میں دوسرے کی مدد لینا پڑے گی۔ آجر اور مزدور دونوں کی مصلحت ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر کارخانہ دار کارخانہ قائم نہیں کریگا تو مزدور کو کام کہاں سے ملے گا۔ اور اگر مزدور نہیں ہوگا تو کارخانہ نہیں چل سکے گا۔ اسی طرح کھیتی باڑی، تجارت، نقل و حمل تمام امور میں ہر شخص کو دوسرے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لہٰذا وہ حسبِ ضرورت دوسرے سے خدمت لے سکتا۔ امام جلال الدین سیوطیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت کی رُو سے آزاد آدمی سے بھی خدمت لینا روا ہے۔ البتہ ہر آجر کو اپنے مزدور کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اُس سے نہ تو جانوروں کی طرح بے تحاشا کام لے اور نہ اس کی حق تلفی کرے۔ بلکہ اُس کے حقوق پورے پورے ادا کرے۔

حقوق العباد

کاروباری حقوق کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ثروت پر بعض دوسرے حقوق بھی قائم کیے ہیں اور اُن کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص صاحبِ نصاب ہے تو وہ اپنے مال سے مقرر زکوٰۃ ادا کرے۔ اس کے علاوہ صدقہ فطر ادا کرے، قربانی کرے۔ اللہ کا فرمان ہے وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (الذّٰریٰت۔ ۱۹) مال داروں کے مالوں میں سائل اور محروم کا بھی حق ہے، وہ بھی ادا

کرے۔ اگر کوئی رشتہ دار غریب ہے، تو امام ابُوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک صاحب مال پر فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ اس غریب کے لیے روزگار کا بندوبست کرے قرابتداروں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا خصوصی حکم ہے۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ (بنی اسرائیل - ۲۶) قرابتداروں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کرو۔ پڑوسیوں کی خبر گیری کرو، اگر کوئی بیمار ہے تو اس کا علاج کرو، کسی کو تعلیم کی ضرورت ہے تو وہ پوری کرو، خوراک، لباس اور پانی کا بندوبست کرو۔ یہ تمام حقوق ادا کرنے کے بعد پھر دیکھو کہ عیش و عشرت کے لیے کچھ بچتا بھی ہے یا نہیں انہی حقوق کو غصب کر کے لوگ عیش کرتے ہیں اور رسومات باطلہ کو انجام دیتے ہیں۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ایک شخص بیماری میں ماں کو دوائی تو لا کر نہیں دے سکا۔ مگر اس کی فوتیدگی پہ ہزاروں خرچ کر ڈالتا ہے جو بلا شبہ اسراف اور بدعت ہیں فرمایا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ تیرے رب کی رحمت ان چیزوں سے بہتر ہے جو یہ جمع کر رہے ہیں۔ اس سے نبوت و رسالت کی رحمت مراد ہے جس کا کفار و مشرکین انکار کرتے ہیں اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام - ۱۲۵) اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ رسالت کا کون مستحق ہے۔ کفار و مشرکین خواہ مخواہ اپنا معیار قائم کیے ہوئے ہیں جو ان کی بدبختی کی علامت ہے

وَلَوۡلَاۤ اَنۡ یَّکُوۡنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلۡنَا
لِمَنۡ یَّکۡفُرُ بِالرَّحۡمٰنِ لِبُیُوۡتِهِمۡ سُقُفًا مِّنۡ
فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَیۡهَا یَظۡهَرُوۡنَ ﴿٣٣﴾ وَلِبُیُوۡتِهِمۡ
اَبۡوَابًا وَّسُرُرًا عَلَیۡهَا یَتَّکِـُٔوۡنَ ﴿٣٤﴾ وَزُخۡرُفًا ؕ
وَاِنۡ کُلُّ ذٰلِکَ لَمَّا مَتَاعُ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ؕ
ع ١٠ ٩ وَالۡاٰخِرَةُ عِنۡدَ رَبِّکَ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿٣٥﴾

ترجمہ:۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی دین (یعنی کفر) پر ہو جائیں گے ۔تو البتہ ہم بنا دیتے اُن لوگوں کے ، جو کفر کرتے ہیں رحمان کے ساتھ، گھروں کی چھتیں چاندی کی ، اور سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں ﴿٣٣﴾ اور اُن کے گھروں کے دروازے اور تخت جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں ﴿٣٤﴾ اور سونے کے ۔ اور نہیں ہے یہ سب کچھ مگر سامان دنیا کی زندگی کا ، اور آخرت تیرے رب کے پاس ہے متقیوں کے لیے ﴿٣٥﴾

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں دین کے بنیادی اصولوں میں سے رسالت کا ذکر تھا کافر اور مشرک لوگوں کا نظریہ یہ تھا کہ ہم ایسے نبی کو نبی اور رسول ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں جس کی مالی پوزیشن اچھی نہ ہو ۔ رسول تو نمایاں حیثیت کا آدمی ہونا چاہیے

جس کے پاس دنیاوی زندگی کے آرام و آسائش کی تمام سہولتیں موجود ہوں۔ اگر خدا نے کوئی رسول بنانا تھا تو مکے اور طائف کی بستیوں میں سے کسی صاحب حیثیت آدمی کو بنایا ہوتا، اور اس پر یہ قرآن بذریعہ وحی نازل کیا جاتا۔

نبی کی امتیازی حیثیت

کفار و مشرکین نبی کی امتیازی حیثیت کو تسلیم کرتے تھے مگر دنیاوی اعتبار سے یعنی اس کے پاس مال و دولت، کوٹھی اور باغات، لونڈی غلام، مویشی اور جانور ہونے چاہئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا نبی باقی لوگوں سے واقعی ممتاز ہوتا ہے مگر دنیاوی لحاظ سے نہیں بلکہ ایمان، عمل، اخلاق، سیرت، نیت عزائم، اخلاص اور باطنی خواص کی رو سے، انبیاء کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا میں بہت کم انبیاء ایسے ہیں جن کی ظاہری حالت نمایاں تھی، وگرنہ بیشتر انبیاء دنیاوی لحاظ سے کمزور ہی تھے۔ بایں ہمہ اللہ کی تائید و نصرت ان کے ساتھ ہوتی ہے جس سے عام لوگ محروم ہوتے ہیں۔

تقسیم رزق اور اخلاق کی

گزشتہ درس میں تقسیم رزق کا فلسفہ بھی بیان ہو چکا ہے۔ اللہ نے دنیا میں مالی لحاظ سے بعض کو بعض دوسروں پر فوقیت دی ہے دنیا میں مال و دولت کے لحاظ سے لوگوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ اللہ نے سب کو ایک جیسا نہیں بنایا اس کی حکمت یہ ہے کہ باہمی تفاوت کی بناء پر ہی دنیا کا کاروبار چلتا ہے۔ اگر سب لوگ ایک جیسے ہوتے تو کوئی کسی کے کام نہ آتا اور کاروبار زندگی میں تعطل پیدا ہو جاتا۔ اس دنیا میں امیر اور غریب دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ مال و زر کے بغیر کوئی کاروبار نہیں شروع کیا جا سکتا۔ اور مزدور کے بغیر کوئی کام نہیں چل سکتا، لہٰذا اللہ نے امیر اور غریب، مالک اور مزدور، زمیندار اور کسان، افسر اور ماتحت میں امتیاز پیدا کر کے زندگی کے کاروبار کو رواں دواں کر دیا ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے قَسَّمَ اَخْلَاقَکُمْ بَیْنَکُمْ کَمَا قَسَّمَ اَرْزَاقَکُمْ (مسند احمد) اللہ نے تمہارے درمیان اخلاق کو بھی اسی طرح تقسیم کر دیا ہے جس طرح اس نے تمہارے رزق تقسیم کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق دنیا کا سامان تو نیک و بد سب کو عطا کرتا

ہے مگر دین اُسی کو دیتا ہے جو اُس کے نزدیک پسندیدہ ہوتا ہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں فَلَا یُعْطِی الدِّیْنَ اِلَّا مَنْ اَحَبَّ۔

نبی بطور تقسیم کنندہ

صحیحین کی حدیث میں حضور علیہ السلام کا ارشاد آتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یُعْطِی وَاَنَا قَاسِمٌ بیشک اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں بعض بدعت پسند لوگ اس حدیث کو غلط معانی پہناتے ہیں اور اس عطا اور تقسیم کو ہر چیز پر محمول کرتے ہیں گویا حضور علیہ السلام رزق، صحت، عہدے، بارش وغیرہ سب کچھ خود تقسیم کرتے ہیں یہ نظریہ گذشتہ درس والی آیت نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ مَّعِیْشَتَهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ دنیا میں لوگوں کے درمیان رزق تو وہ خود تقسیم کرتے ہیں جو کہ ایک معمولی سی چیز ہے۔ پھر نبوت و رسالت جیسی اعلیٰ چیز کی تقسیم کا اختیار دوسروں کو کیسے دیا جا سکتا ہے جو چاہتے ہیں کہ منصب کسی صاحب حیثیت آدمی کو ملنا چاہئے۔ محدثین کرام فرماتے ہیں کہ مذکورہ حدیث میں ہر چیز کی تقسیم مراد نہیں بلکہ مالِ غنیمت اور علم کی تقسیم مراد ہے۔ جو اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اور حضور علیہ السلام اُسے تقسیم فرماتے ہیں۔ مالِ غنیمت کی تقسیم کا اصول اللہ نے سورۃ الانفال میں بیان کر دیا ہے اور پھر اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ وہ اس طریق کار کے مطابق اُسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیں۔ اسی طرح قطعی اور یقینی علم بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی آتا ہے اور حضور علیہ السلام کو حکم ہے بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ (المائدۃ۔ ۶۷) آپ کے پروردگار کی طرف سے جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے، آپ اُسے آگے پہنچا دیں۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مالِ غنیمت اور علم کی تقسیم کا فرض تفویض کیا ہے ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز کا۔

کفار کے لیے سونے چاندی کی افراط

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے متاعِ دنیا اور متاعِ آخرت کا تقابل فرما کر آخرت کے سامان کو فوقیت دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَوْلَآ اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً اگر اس چیز کا خطرہ نہ ہوتا کہ تمام لوگ ایک ہی دین پر ہو جائیں گے لَجَعَلْنَا لِمَنْ یَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ

سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ تو ہم رحمان کے ساتھ کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتوں اور سیڑھیوں کو چاندی کا بنا دیتے جن کے ذریعے وُہ اُوپر چڑھتے ہیں۔ دنیا کے مال میں سونے چاندی کو اولیت حاصل ہے اور ہر دنیادار کی خواہش ہوتی ہے کہ یہ چیزیں اُس کے پاس زیادہ سے زیادہ مقدار میں جمع ہوں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس مقام پہ ان اشیاء کا ذکر بطور تحقیر کیا ہے کہ دنیا کا محبوب ترین مال بھی اُس کے نزدیک حقیر ترین چیز ہے۔ فرمایا اگر ہم کافروں کو اس قدر مال عطا کر دیں کہ اُن کے گھروں کے چھت اور سیڑھیاں چاندی کی بنا دیں بلکہ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ بلکہ اُن کے گھروں کے دروازے اور تخت یا پلنگ بھی چاندی کے بنا دیں جن پر وہ آرام کرتے ہیں۔ فرمایا صرف چاندی کے نہیں وَزُخْرُفًا بلکہ سونے کے۔ اللہ نے مثال کے طور پر کافروں کے گھروں اور اُن کے لوازمات کا ذکر کیا ہے کہ اگر یہ خطرہ نہ ہو کہ سب لوگ ایک ہی دین پر جمع ہو جائیں گے تو ہم اُن کی تمام چیزیں سونے اور چاندی کی بنا دیں۔

یہاں پہ اُمَّةً سے مراد دین ہے اور دین سے مراد کفر کا دین ہے مطلب یہ ہے کہ اگر کافروں کو اس قدر سونا چاندی دے دیا جائے تو خطرہ ہے کہ سب لوگ کفر کی طرف ہی مائل ہو جائیں گے۔ وہ دیکھیں گے کہ کفر والوں پہ بڑے انعامات ہو رہے ہیں، وہ اس دین کو سچا سمجھ کر اسی کو اختیار کر لیں گے۔ سورۃ البقرہ میں بھی اُمَّةً وَّاحِدَةً کا ذکر آیا ہے كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ (آیت۔ ۲۱۳) سب لوگ ایک ہی دین پر تھے۔ اس سے مراد سچا دین ہے۔ پھر اُن میں اختلافات پیدا ہوئے تو اللہ نے اُن کی راہنمائی کے لیے خوشخبری سنانے والے اور ڈر سنانے والے یعنی اپنے انبیاء بھیجے۔

دنیا کی تحقیر

فرمایا ہم کافروں کو فراوانی کے ساتھ سونا چاندی عطا کر دیتے مگر ہمارے نزدیک دنیا کے اس مال کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کیونکہ یہ تو صرف دنیا کی زندگی کا سامان ہے جو ناپائیدار اور فانی ہے دنیا کے مال و متاع کی تحقیر مسند احمد، ترمذی اور ابن ماجہ کی حدیث میں بھی آتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَّا سَقٰى كَافِرًا مِّنْهَا شُرْبَةَ مَاءٍ اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر و منکر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا کیونکہ کفر اور شرک کا مرتکب اللہ کا باغی ہوتا ہے۔

اس حصہ آیت کی ترکیب مفسرین کرام دو طرح سے کرتے ہیں۔ آیت میں آمدہ لفظ اِنْ کو اگر اِن مخففہ تسلیم کیا جائے تو معنی ہو گا اِنَّهٗ یعنی بیشک شان یہ ہے کہ بیشک یہ سب چیزیں البتہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے"۔ یعنی یہ بے وقعت اور ناپائیدار اشیاء ہیں کیونکہ پائیداری ان چیزوں سے نہیں بلکہ ایمان، اعمال صالحہ اور خوش اخلاقی سے پیدا ہوتی ہے۔ اس صورت میں لَمَّا کو لَمَا پڑھا جائے گا۔ اور یہ اِنْ نافیہ بھی ہو سکتا ہے اور اس حالت میں لَمَّا کو لَمَّا ہی پڑھا جائے گا۔ جیسے سورۃ الطارق میں ہے اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ (آیت۔۴) یعنی کوئی نفس نہیں ہے۔ مگر اس پر خدا تعالیٰ کی طرف سے محافظ مقرر ہے جو اس کے وجود اور اس کے اعمال کی نگرانی کرتا ہے۔ اس لحاظ سے ٹکڑۂ آیت کا معنی یہ ہو گا کہ "نہیں ہے یہ سب کچھ مگر سامان دنیا کی زندگی کا"۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے سونے چاندی جیسی قیمتی متاع کو بھی ایک حقیر چیز شمار کیا ہے کیونکہ اس کا تعلق دنیا کی زندگی تک محدود ہے اور اس کے بعد ختم ہو جانے والی ہے۔

متقین کے لیے آخرت

آگے اللہ نے تصویر کا دوسرا رخ بھی بیان فرمایا ہے وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ اور تیرے پروردگار کے نزدیک آخرت تو متقیوں کے لیے ہے، جو کفر و شرک، کبائر اور معاصی سے بچتے ہیں۔ آخرت میں حصہ خالص ایمان والوں کے لیے ہے جو بدعقیدگی، بداعمالی اور بداخلاقی سے پاک ہوں گے۔

ایک موقع پر حضور علیہ السلام ننگی چارپائی پر فروکش تھے اور آپ کے جسم اطہر

پر چارپائی کے نشانات پڑ گئے تھے۔ حضرت عمرؓ دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور عرض کیا کہ حضور! دنیا کے قیصر و کسریٰ، ملوک اور جابر تو عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں جبکہ آپ بغیر چادر کے چارپائی پر تکلیف برداشت کر رہے ہیں حالانکہ آپ اللہ کے محبوب ترین بندے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا، اے ابن خطابؓ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ دنیا کے بادشاہوں کو ملنے والے انعامات اسی دنیا تک محدود ہیں جب کہ ہمارے لیے اللہ نے انہیں آخرت کا ذخیرہ بنا دیا ہے، یہ عیش و آرام ہمیں آگے چل کر میسّر ہوگا۔ سورۃ الانعام میں بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۚ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ (آیت ۳۲) دنیا کی زندگی تو محض کھیل تماشہ ہے جو کافروں کو میسّر ہے جب کہ آخرت کا گھر بہتر ہے جو متقیوں کے حصہ میں آنے والا ہے۔ بہر حال حضور علیہ السلام نے حضرت عمرؓ سے فرمایا، کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ یہ چیزیں دنیا میں کافروں کو میسر ہوں اور ہمارے لیے آخرت میں حصہ ہو؟ یعنی تمہیں اس بات میں تردد نہیں ہونا چاہیئے۔ دنیا کے متاع کی تحقیر کی وجہ سے ہی حضور علیہ السلام نے نَهٰى عَنِ الْاَكْلِ وَالشُّرْبِ فِیْ اٰنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے سے منع فرما دیا کیونکہ یہ چیزیں دنیا میں کافروں کے لیے ہیں اور ہمیں یہ آخرت میں میسّر ہوں گی اہل جنت کو سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پیش کیا جائیگا، اور جو شخص اس دنیا میں ایسے برتن استعمال کرے گا، وہ آخرت میں ان سے محروم رہے گا۔ بہر حال ہر مومن کے پیش نظر آخرت ہونی چاہیئے۔ کہ وہاں کامیابی حاصل ہو جائے۔ یہاں کا ساز و سامان تو محض عارضی ہے۔

ایک اشکال

یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو سونے چاندی کی زیادہ فراوانی اس لیے نہیں دی کہ کہیں سب کے سب لوگ مال و دولت کو دیکھ کر کفر کا راستہ ہی نہ اختیار کر لیں، مگر خدا تعالیٰ نے ایسا کیوں نہیں کیا کہ یہ مال و دولت مومنوں کو عطا کر دیتا تاکہ اس کی وجہ سے سب لوگ ایمان لے آتے۔ اس اشکال کے جواب میں

امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ مال و دولت کی فراوانی میں بہت سے خطرات بھی ہیں کہ لوگ دنیا کی آرام و راحت میں مبتلا ہو کر کہیں آخرت کو ہی نہ بھول جائیں اور معاصی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ کیونکہ اللہ کا فرمان ہے کَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰٓی اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی (العلق۔ ٦، ٧) جب کوئی انسان اپنے آپ کو غنی پاتا ہے تو سرکش ہو جاتا ہے۔ نیز فرمایا اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ ۝ (التکاثر۔ ١) انسان کی کثرتِ طلب نے اُسے غافل کر دیا ہے۔ اس واسطے اللہ نے اہلِ ایمان کو دنیا میں مال و دولت کی فراوانی نہیں عطا کی۔

امام زمخشریؒ اس اشکال کی یہ توجیہہ بیان کرتے ہیں کہ اگر اس دنیا میں مومنوں کے لیے سونے چاندی کی فراوانی کر دی جاتی تو اس میں کافروں کے لیے ایمان لانے کی کشش تو ضرور ہوتی مگر اس قسم کا ایمان محض لالچ کی بنا پر ہوتا نہ کہ دل کی تصدیق کے ساتھ۔ اس قسم کا ایمان منافقوں کا ایمان ہوتا ہے جو کہ اللہ کے ہاں مقبول نہیں۔ آج بھی لوگ دنیا کے مال کی خاطر دوسرا مذہب اختیار کر لیتے ہیں۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو نوکری، مکان، بیوی اور دیگر آسائشوں کی وجہ سے عیسائیت کی گود میں چلے گئے، اور کتنے لوگ ہیں جنہوں نے محض لالچ میں آکر مرزائیت کو قبول کر لیا۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا لالچ والا ایمان اللہ کو پسند نہیں لہٰذا اُس نے دنیا میں اہل ایمان کے لیے مال و متاع کو پرکشش نہیں بنایا۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا
فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ
السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾
حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ
بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنْ
يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ
مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي
الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾ فَاِمَّا
نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَوْ
نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ
مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ
اِلَيْكَ ج اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّهٗ
لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ج وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ﴿۴۴﴾
وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ
اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ ع ۴ ۱۰

ترجمہ:۔ اور جو شخص اعراض کرتا ہے رحمان کے ذکر سے ہم
مقرر کر دیتے ہیں اُس کے لیے شیطان، پس بے شک وہ
اس کا ساتھی بن جاتا ہے (۳۶) اور بے شک وہ (شیاطین)
البتہ روکتے ہیں اُن کو سیدھے راستے سے۔ اور وہ
گمان کرتے ہیں کہ وہ راہِ راست پر ہیں (۳۷) یہاں تک
کہ جب وہ آئے گا ہمارے پاس تو کہے گا (وہ اپنے
شیطان سے) کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب
کا فرق ہوتا۔ پس بہت ہی بُرا ساتھی ہے (۳۸) اور ہرگز
نہیں فائدہ پہنچائے گا تمھیں آج کے دِن جب کہ تم نے
ظلم کیا ہے۔ بیشک تم عذاب میں مشترک ہو (۳۹) (اے پیغمبر!)
کیا آپ سنائیں گے بہروں کو یا راہ دکھائیں گے اندھوں
کو، اور اُس کو جو صریح گمراہی میں بھٹک رہا ہے (۴۰)
پس یا تو ہم آپ کو لے جائیں گے، اور بیشک ہم
ان لوگوں سے انتقام لینے والے ہیں (۴۱) اور یا ہم دکھا
دیں گے آپ کو وہ چیز جس کا وعدہ ہم نے ان سے کیا
ہے۔ بیشک ہم اِن پر قدرت رکھنے والے ہیں (۴۲)
پس آپ مضبوطی سے پکڑیں اس چیز کو جو آپ کی طرف
اتاری گئی ہے۔ بیشک آپ سیدھے راستے پر ہیں (۴۳)
اور بے بیشک یہ (قرآن) البتہ ذکر ہے آپ کے
لیے اور آپ کی قوم کے لیے، اور عنقریب تم سے
سوال کیا جائے گا (۴۴) اور آپ پوچھ لیں اُن سے
جن کو ہم نے بھیجا تجھ سے پہلے اپنے رسولوں میں
سے۔ کیا مقرر کیے ہیں ہم نے رحمان کے سوا دوسرے معبود

جن کی عبادت کی جائے (۲۵)

ربط آیات

پہلے توحید اور جزائے عمل کا ذکر ہوا۔ پھر اللہ نے رسالت کا ذکر فرمایا وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ ..... الخ (آیت - ۲۳) اسی طرح آپ سے پہلے ہم نے جس بستی میں بھی رسول یا نبی بھیجا تو وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے اس کا انکار کیا اور اپنے آباؤ اجداد کی فرسودہ رسوم پہ کاربند رہنے پر اصرار کیا۔ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ (آیت - ۲۴) کہنے لگے کہ جس چیز کو تم لے کر آئے ہو، ہم تو اس کا انکار کرتے ہیں۔ عرب کے مشرکوں کا بھی یہی حال ہوا کہ جب بھی ان کے پاس حق بات آئی قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ (آیت - ۳۰) کہنے لگے یہ تو جادو ہے اور ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں۔ اگر یہ واقعی خدا کا کلام ہے تو اسے مکہ اور طائف میں سے کسی بڑے آدمی پر نازل ہونا چاہیئے تھا۔ تاکہ ہم بھی مان لیتے۔ ہم کسی نادار آدمی کو اللہ کا نبی ماننے کے لیے تیار نہیں۔

قرآن سے اعراض کا نتیجہ

فرمایا اگر یہ لوگ نبی آخر الزمان کی نبوت کو تسلیم نہیں کرتے، اور آپ کے لائے ہوئے قرآن سے بھی اعراض کرتے ہیں تو ان کو معلوم ہونا چاہیئے وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ جو شخص خدائے رحمان کے ذکر سے اعراض کرتا ہے نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا تو ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ پس وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ لفظ ذکر کے دو معانی آتے ہیں۔ ذکر سے عام فہم مراد یاد الٰہی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یاد الٰہی سے اعراض کرنا ہرگز پسندیدہ امر نہیں۔ تاہم یہاں پر سیاق و سباق کے پیش نظر ذکر سے مراد خود قرآن حکیم ہے۔ ویسے بھی ذکر قرآن کریم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ جو شخص قرآنی تعلیمات سے اعراض کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پہ ایک شیطان مقرر کر دیتا ہے جو اسے ہمیشہ بہکا کر گمراہ کرتا رہتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ اگر کسی بستی میں تین مسلمان رہتے ہوں۔ اور وہ باجماعت نماز ادا نہ کریں تو اُن پر شیطان غالب آجاتا ہے اسی طرح جو ذکرِ الٰہی یا نصیحت سے اعراض کرتا ہے۔ اس پر بھی شیطان مسلط ہو جاتا ہے اور اُس کو ہر وقت گمراہ کرتا رہتا ہے۔ اللہ نے انسان کی آزمائش کے لیے اُس کے ساتھ فرشتوں کو بھی مقرر کر رکھا ہے اور شیاطین کو بھی۔ فرشتے اور شیطان ہر وقت آدمی سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے ہیں۔ اگر طبیعت میں نیکی کا جذبہ بیدار ہو تو سمجھ لو کہ یہ فرشتے کی کارروائی کا نتیجہ ہے۔ اور اگر دل میں برائی کا وسوسہ پیدا ہو تو یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، لہٰذا اُس وقت شیطان کے شر سے خدا کی پناہ طلب کرنی چاہیئے۔ اِن شیاطین کا کام یہ ہوتا ہے وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ کہ وہ لوگوں کو سیدھے راستے سے روکتے ہیں۔ ہر نیکی کے کام میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ اور انہیں برائی کی طرف مائل کرتے ہیں۔

معرضین کی غلط فہمی

فرمایا اگرچہ معرضینِ قرآن پر شیطان مسلط ہوتا ہے وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُّهْتَدُونَ مگر وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ یہ اُن کی فہم و فکر کی خرابی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ برائی کو نیکی تصور کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ مشرک، کافر اور بدعتی لوگوں کا یہی حال ہے کہ وہ کام تو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کرتے ہیں مگر سمجھتے یہ ہیں کہ وہ بہت بڑے نیکی کے کام انجام دے رہے ہیں۔ مثلاً جب کافر اور مشرک لوگ بتوں کی پرستش کرتے ہیں یا غیر اللہ سے فریاد رسی کرتے ہیں۔ تو سمجھتے ہیں کہ ہم ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں۔ بدعات کے پجاری بھی عرس منا کر، قبروں پر چادریں چڑھا کر، چراغاں کر کے، اُن پر گنبد بنا کر، تیسرا، ساتا اور چالیسواں کر کے بڑے خوش ہوتے ہیں کہ وہ کارِ ثواب انجام دے رہے ہیں۔ شیطان اُن کے دلوں میں یہ بات ڈال دیتا ہے کہ یہ بڑی نیکی کا کام ہے، اسی پر اپنی اور مُردوں کی نجات کا دارومدار ہے اور انہی امور سے دنیا میں عزت اور شہرت حاصل ہو گی۔ وہ انہیں خوشنما کر کے دکھاتا رہتا ہے اور بے نصیب آدمی عمر بھر ایسے ہی بے معنی امور کی انجام دہی کرتے کرتے ختم ہو جاتے ہیں۔ اس مضمون کو سورۃ کہف میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ

اے پیغمبر! اِن لوگوں سے کہہ دیں کیا ہم تمھیں اعمال کے لحاظ سے سخت نقصان زدہ لوگوں کے متعلق بتلائیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی سعی دنیا کی زندگی میں ہی برباد ہوگئی وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا (آیت۔ ۱۰۴) مگر وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔ فرمایا یہ لوگ زندگی بھر اِسی زعم میں مبتلا رہتے ہیں حَتَّىٰ إِذَا جَاءَنَا یہاں تک کہ جب وہ موت سے ہمکنار ہو کر ہمارے پاس آتے ہیں تو اُس وقت آنکھیں کھلتی ہیں۔ عام محاورے میں بھی کہا جاتا ہے اَلنَّاسُ نِيَامٌ إِذَا مَاتُوا اِنْتَبَهُوا اِس وقت لوگ دنیا میں غفلت کی نیند سوئے ہوئے ہیں، جب انہیں موت آجائے گی تو حقیقت میں اُس وقت بیدار ہوں گے۔ جب تمام حقائق کھل کر سامنے آجائیں گے۔

شیطان کی دوستی پر حسرت

فرمایا جب کوئی قرآن سے اعراض کرنے والا مرکر ہمارے پاس پہنچ جاتا ہے قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ تو اُس وقت شیطان سے کہتا ہے کاش میرے اور تمہارے درمیان دنیا میں مشرق ومغرب کی دوری ہوتی تو میں تیرے دام میں نہ پھنستا اور نہ آج یہ روزِ بد دیکھنا نصیب ہوتا۔ فَبِئْسَ الْقَرِينُ تو تو بہت ہی بُرا ساتھی ثابت ہُوا۔

یہاں پر مشرقین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا معنی ہے دو مشرق حالانکہ مشرق تو ایک ہی ہے جب کہ اس کی ضد مغرب ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مشرقین سے مراد دراصل مشرق اور مغرب ہیں کیونکہ بعض اوقات تغلیباً مشرق اور مغرب کو مشرقین کہا جاتا ہے۔ عربی ادب میں ایسی اور مثالیں بھی ملتی ہیں جیسے ؎

أَخَذْنَا بِأَطْرَافِ السَّمَاءِ عَلَيْكُمْ
لَنَا قَمَرَاهَا وَالنُّجُومُ الطَّوَالِعُ

ہم نے آسمان کے اطراف کو تمہارے اُوپر بند کر دیا ہے کیونکہ دونوں چاند (یعنی چاند اور سورج) ہمارے لیے ہیں۔ اسی طرح ستارے بھی اب ہمارے ہی ہیں۔

وَبَصْرَةُ الْأَرْضِ مِنَّا وَالْعِرَاقُ لَنَا
وَالْمَوْصِلَانِ وَمِنَّا الْمِصْرُ وَالْحَرَمُ

بصرہ اور عراق بھی ہمارا ہے، اور دونوں موصل، مصر اور حرم بھی ہمارے ہیں یہاں بھی جزیرہ اور موصل کو ملا کر موصلان کہا گیا ہے۔

سورۃ الرحمٰن میں دو مشرقوں اور دو مغربوں کا ذکر بھی آتا ہے رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ (آیت - ۱۷) اللہ تعالیٰ دونوں مشرقوں کا بھی رب ہے اور دونوں مغربوں کا بھی۔ بعض فرماتے ہیں کہ مشرق اور مغرب کو دو دو اس لیے کہا گیا ہے کہ موسم سرما اور گرما کے مشرق اور مغرب مختلف ہوتے ہیں۔ دونوں موسموں میں سورج اور چاند کے طلوع و غروب کے مقامات میں بڑا فاصلہ ہوتا ہے، اس لیے مشرق کو دو مشرق اور مغرب کو دو مغرب کہا گیا ہے۔

فرمایا کہ معرض آدمی مرنے کے بعد حسرت و افسوس کا اظہار کرتا ہے کہ اس نے دنیا میں شیطان کو اپنا ساتھی بنایا مگر فرمایا وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ تمہارا افسوس کرنا آج کے دن کچھ کام نہیں آئے گا کیونکہ تم نے دنیا میں رہ کر ظلم کا ارتکاب کیا اور شیطان کی بات مان کر کفر، شرک، بدعات اور معاصی میں مبتلا ہوئے آج تم تابع اور متبوع برابر ہو اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ اور عذاب میں اشتراک رکھتے ہو یعنی تم دونوں عذاب میں مشترکہ طور پر مبتلا ہو گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفار و مشرکین کے اقوال و افعال سے سخت کوفت ہوتی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ کیا آپ بہروں کو سنا سکیں گے اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ یا اندھوں کو راہ دکھائیں گے وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ یا اس شخص کو راہِ راست پر لے آئیں گے جو صریح گمراہی میں پڑا ہوا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ کافر و مشرک اندھوں، بہروں اور گمراہوں کی مانند ہیں، آپ ان کو کیسے راہِ راست پہ لا سکیں گے، یہ تو آپ کے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ لہٰذا اگر یہ ایمان نہیں لاتے، آپ کی رسالت پہ یقین نہیں کرتے اور قرآن کو وحی نہیں مانتے تو آپ دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ ہم خود ان سے نپٹ لیں گے۔ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ

حضور علیہ السلام کے لیے تسلی

پھیر یا تو ہم آپ کو لے جائیں گے یعنی اپنے پاس بلا لیں گے اور اس صورت میں فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ہم خود ان بدبختوں سے انتقام لینے والے ہیں۔ ہم ان کو چھوڑیں گے نہیں بلکہ ان کو ان کی کارکردگی کا پورا پورا بدلہ دیں گے۔

فرمایا دوسری صورت یہ ہے اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ یا ہم آپ کو دکھا دیں گے جو وعدہ ہم نے ان لوگوں کے ساتھ کیا ہے۔ ان کے ساتھ تو یہی وعدہ ہے کہ جو شخص ایمان، توحید، رسالت اور قرآن کا انکار کرے گا، ہم اس کو ضرور سزا میں مبتلا کریں گے۔ چنانچہ ہم آپ کی زندگی میں ان کو سزا میں مبتلا ہوتے ہوئے دکھا دیں گے تاکہ آپ کی تسلی ہو جائے کہ ان ناہنجاروں کو ان کے کیے کا بدلہ مل گیا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بہت سے کافر مشرک اور منافق حضور علیہ السلام کی زندگی میں ہی ہلاک کر دیے گئے، بعض ملک بدر ہوئے اور بعض مغلوب ہو گئے اللہ نے اپنا یہ وعدہ پورا کر دیا فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ کیونکہ ہم ان پر قدرت رکھتے ہیں۔ ہماری گرفت سے یہ لوگ بچ نہیں سکتے اور ضرور اپنے انجام بد کو پہنچنے والے ہیں۔

تمسک بالقرآن

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اے پیغمبر! فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ آپ مضبوطی سے پکڑے رکھیں اس چیز کو جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے آپ قرآن پاک، دین اور شریعت پر سختی سے عمل پیرا رہیں اور دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ و تلقین کریں۔ آپ شیطان کے بہکائے ہوئے لوگوں کو خاطر میں نہ لائیں۔ یہی حکم عام اہل ایمان کے لیے ہے کہ وہ قرآنی تعلیمات کو مضبوطی سے تھام لیں اور انہیں زندگی کا لائحہ عمل بنا لیں کہ اسی میں سب کی کامیابی ہے اگر اس میں شک پیدا ہوا اور اس آفاقی قانون کے ساتھ ساتھ دیگر قوانین سے بھی اخذ کیا تو کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ صرف اسی کو مضبوطی سے تھامنے میں کامیابی کا راز پنہاں ہے۔

فرمایا اے پیغمبر اسلام! اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ بے شک آپ راہ راست پر ہیں اور اسی پر چلتے ہیں۔ ایمان، توحید اور نیکی کا یہی راستہ ہے،

جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مقام تک پہنچاتا ہے۔ نیز فرمایا وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ
بیشک یہ قرآن پاک نصیحت ہے آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے بھی۔ عام طور
پر ذکر کا معنیٰ نصیحت کیا جاتا ہے۔ تاہم مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس مقام پر ذکر سے
مراد عزت اور شرف ہے۔ یہی معنیٰ سورۃ صٓ میں بھی استعمال ہوا ہے۔ وَالْقُرْاٰنِ
ذِي الذِّكْرِ (آیت۔ ۱) قسم ہے شرف والے قرآن کی، تو فرمایا کہ یہ قرآن پاک آپ
کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے باعثِ شرف ہے۔ اس سے بڑی عزت افزائی
کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری پیغام قرآن قریش کی عربی زبان میں نازل فرمایا
یہ ایسا کلام ہے جس سے مادی اور روحانی دونوں قسم کی ترقی یقینی ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت سے آپ قومی نبی ہیں اور قریش
کی سعادت آپ کے ساتھ وابستہ ہے اور دوسری حیثیت آپ کی بین الاقوامی
نبی کی ہے، جیسے فرمایا قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ
جَمِيْعًا (الاعراف۔ ۱۵۸) اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ میں تم سب لوگوں کیطرف
رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ بہرحال قرآن کا پروگرام پہلے حضور علیہ السلام کی قوم قریش کو
دیا گیا اور پھر اُن کی وساطت سے یہ پیغام ساری دنیا کو عطا کیا گیا۔ چنانچہ یہ قرآن قریش
کے لیے خاص طور پر باعثِ عزت و شرف ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ قریش کے
شرف کا یہ مطلب بھی ہے کہ خلافت بھی انہی میں رہیگی۔ چنانچہ پہلی ساڑھے چھ صدیوں
تک مسلمانوں کی خلافت قریش کے پاس ہی رہی۔ اس کے بعد جب اُن میں صلاحیت
باقی نہ رہی، امت میں فتنہ و فساد کے دروازے کھل گئے تو خلافت سلجوقیوں اور
ترکوں کی طرف منتقل ہو گئی۔

قرآن و توحید کے متعلق سوال

فرمایا یہ قرآن آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے عزت کا باعث ہے
وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ اور عنقریب قرآن کے بارے میں تم سے سوال کیا جائیگا۔

بازپرس ہوگی کہ ہم نے تمھیں اس قرآنِ پاک کے ذریعے شرف بخشا تھا، تم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ ہم آج دیکھ رہے ہیں کہ عام طور پر قرآن کا تمسک ختم ہو چکا ہے، لوگوں نے اسے پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی بجائے اس کو غلافوں میں بند کر کے الماریوں کی زینت بنا دیا ہے۔ قیامت والے دن حضور علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں شکایت پیش کریں گے وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (الفرقان-۳۰) پروردگار میری اس قوم نے قرآن پاک کو پس پشت ڈال دیا تھا، انہوں نے اس کو نافذ نہ کیا اور اس طرح اس کی تعلیمات سے مستفید نہ ہوئے بلکہ الٹا اس کی مخالفت کرتے رہے۔ بہرحال قرآنِ کریم بھی اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوگا اور لوگوں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

آگے اللہ نے توحید کا مسئلہ بھی بیان فرمایا ہے وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا ذرا ان سے پوچھ لیں جن کو ہم نے آپ سے پہلے رسول بنا کر بھیجا۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس سوال کے مصداق سابقہ کتب سماویہ زبور، تورات اور انجیل کے قاری ہیں۔ کہ ان سے پوچھ لیں اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ کیا ہم نے رحمان کے سوا دوسرے معبود مقرر کیے ہیں کہ جن کی عبادت کی جائے؟ مطلب یہ ہے کہ ہم نے تو اپنے سوا کسی کو معبود بنانے کا حکم نہیں دیا، پھر یہ لوگ کس طرح شرک میں مبتلا ہو گئے۔ پہلے انبیاء نے بھی خالص توحید ہی کا درس دیا اور آپ کی تعلیمات اور قرآن کا محور بھی توحید ہی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ معراج کی رات جب تمام انبیاء علیہم السلام کا اجتماع ہوا اور حضور علیہ السلام نے سب کو نماز پڑھائی تو اس وقت آپ نے انبیاء سے دریافت کیا کہ تمھیں کس مقصد کے لیے دنیا میں بھیجا گیا، تو سب نے یہی جواب دیا (بعثنا بالتوحید (طبقات ابن سعدؒ) لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اِنَّمَا يُعْبَدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ بَاطِلٌ) کہ ہماری سب کی مشترکہ دعوت کلمہ توحید تھی اور یہ بھی کہ اللہ کے سوا جس کی بھی عبادت کی جائے وہ باطل ہے۔ اُس

وقت یہ بھی کہا اَنْتَ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ وَسَیِّدُ الْمُرْسَلِیْنَ آپ اللہ کے آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا اور آپ تمام انبیاء اور رسل کے سردار ہیں۔ آپ کے بعد قربِ قیامت میں صرف عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول ہوگا۔ مگر وہ آپ کے اتباع پر ہوں گے، اپنی شریعت جاری نہیں کریں گے بلکہ دجال کا فتنہ ختم کر دیں گے۔ بہر حال یہ مسئلہ تخلیق کائنات کے وقت سے لے کر متفق علیہ رہا ہے کہ اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کی عبادت روا نہیں۔ اللہ نے اپنے سوا کسی کو معبود نامزد نہیں کیا، اس کی گواہی سابقہ انبیاء بھی دیں گے۔ یہ مسئلہ توحید بھی آگیا۔ آگے مزید تسلی کا مضمون آرہا ہے۔ نیز شرک کی تردید اور طریقہ تبلیغ بھی بیان ہوگا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ
فَقَالَ اِنِّىْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ
بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا
نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِىَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ز
وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾
وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ
عِنْدَكَ ج اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ
الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَنَادٰى فِرْعَوْنُ
فِىْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِىْ مُلْكُ مِصْرَ
وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِىْ ج اَفَلَا
تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِىْ
هُوَ مَهِيْنٌ ۵ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْلَآ اُلْقِىَ
عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ
مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ط
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا
انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ

ع ۵ ۱۱ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ ع

ترجمہ:۔ اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام
کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اُس کے سربرآوردہ
لوگوں کی طرف۔ پس کہا (موسیٰ علیہ السلام نے) میں رسول
ہوں رب العالمین کی طرف سے ﴿۴۶﴾ پس جب وہ آئے
اُن کے پاس ہماری نشانیاں لے کر تو اچانک وہ
اِن (نشانیوں) کے ساتھ ہنستے تھے ﴿۴۷﴾ اور ہم نہیں
دکھلاتے اُن کو کوئی نشانی مگر وہ بڑھی ہوئی ہوتی تھی دوسری
سے۔ اور پکڑا ہم نے اُن کو عذاب میں تاکہ وہ لوگ
باز آجائیں ﴿۴۸﴾ اور کہا انہوں نے اے جادوگر انسان! دعا
کر ہمارے لیے اپنے پروردگار کے پاس جو کچھ اُس
نے عہد کیا ہے تمہارے ساتھ۔ بیشک ہم راہ پر آجائیں
گے ﴿۴۹﴾ پس جب ہم نے کھول دیا اُن سے عذاب تو
اچانک وہ توڑتے تھے (عہد کو) ﴿۵۰﴾ اور پکارا فرعون
نے اپنی قوم کے درمیان اور کہا اے میری قوم کے لوگو!
کیا یہ ملک مصر میرے قبضہ میں نہیں ہے؟ اور یہ
جو نہریں چلتی ہیں میرے محل کے سامنے، کیا تم دیکھتے
نہیں؟ ﴿۵۱﴾ بھلا میں بہتر ہوں اس شخص سے جو حقیر ہے
اور قریب نہیں کہ وہ صاف بات کر سکے ﴿۵۲﴾ پس کیوں
نہیں ڈالے گئے اُس پہ کنگن سونے کے، اور کیوں نہیں
آتے اُس کے پاس فرشتے لگاتار ﴿۵۳﴾ پس خفیف بنایا اس
نے اپنی قوم کو تو انہوں نے اُس کی اطاعت کی بیشک
تھے وہ لوگ نافرمان ﴿۵۴﴾ پس جب انہوں نے ہمیں غصہ

دلایا تو ہم نے اُن سے انتقام لیا اور ہم نے اُن سب کو پانی میں غرق کر دیا ⑤⑤ پس کر دیا ہم نے اُن کو گئے گزرے لوگ ، اور ایک مثال پچھلوں کے لیے ⑤⑥

ربط آیات

گذشتہ آیات میں قرآن پاک کی حقانیت و صداقت بیان ہوئی ، نیز فرمایا کہ جو لوگ قرآنِ پاک سے اعراض کرتے ہیں اُن کے ساتھ سزا کے طور پر شیاطین مقرر کر دیے جاتے ہیں ۔ جو انہیں ہمیشہ گمراہ کرتے رہتے ہیں اور دوزخ تک ان کا ساتھ نہیں چھوڑتے ۔ وہاں پہنچ کر ایسے لوگ افسوس کا اظہار کرینگے مگر اُس وقت کا تاسف کچھ مفید نہیں ہو گا ۔ اور پھر تابع اور متبوع سب عذاب میں مشترکہ طور پر شریک ہوں گے ۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام کو تسلی دی گئی کہ آپ وحی الٰہی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رکھیں کیونکہ آپ صراطِ مستقیم پر ہیں ۔ اور نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ اپنے مقررہ وقت پر ضرور عذاب میں مبتلا کرے گا ۔ فرمایا یہ قرآن پاک آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے باعثِ عزت و شرف ہے ۔ قیامت والے دن اس کے بارے میں بازپرس ہو گی کہ دنیا میں تم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ۔ تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام آسمانی کتب اس بات پر متفق ہیں کہ معبودِ برحق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ۔ اب آج کی آیات میں اللہ کے جلیل القدر نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے اور ساتھ جزائے عمل کا مسئلہ بھی بیان کیا گیا ہے ۔

موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا تمسخر

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضور علیہ السلام کی قوموں کے حالات آپس میں ملتے جلتے ہیں ۔ فرعون کے سرداران بھی بڑے مغرور اور سرکش تھے ۔ جب کہ سردارانِ قریش بھی ایسے ہی تھے ۔ دونوں اقوام نے اپنے اپنے نبی کو سخت ایذائیں پہنچائیں مگر بالآخر اپنے بُرے انجام کو پہنچے ۔ چنانچہ یہاں پر اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ فرما کر حضور علیہ السلام کو تسلی دی ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجا موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اسکے سرآوردہ لوگوں کی طرف فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تو موسیٰ علیہ السلام نے اُن سے کہا کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار

کا فرستادہ ہوں۔ میں خود نہیں آیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر تمہاری طرف بھیجا ہے میں تمہیں توحید کی دعوت دیتا ہوں اور تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ کفر اور شرک سے باز آجاؤ اور صرف ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے خاص طور پر فرمایا

هَلْ لَّكَ إِلَىٰٓ أَن تَزَكَّىٰ ﴿١٨﴾ وَأَهْدِيَكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ ﴿١٩﴾

(سورۃ النّٰزعٰت) کیا تو چاہتا ہے کہ پاک ہو جائے، اور میں تجھے تیرے پروردگار کا راستہ بتاؤں تاکہ تجھ میں خوف پیدا ہو۔

یہاں پر نشانیوں سے مراد وہ نو معجزات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے۔ ان میں دو بڑی نشانیاں عصا اور ید بیضا تھیں۔ سورۃ الاعراف میں آتا ہے فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ آيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ (آیت۔۱۳۳) ہم نے فرعونیوں پر طوفان، ٹڈی دل، جوئیں، مینڈک اور خون جیسی واضح نشانیاں بھیجیں، مگر وہ تکبر کرتے رہے، اور وہ مجرم لوگ ہی تھے۔ تو مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں جن نشانیوں کا ذکر ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا، اس سے یہی نو معجزات مراد ہیں۔

فرمایا جب موسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف سے نشانیاں لے کر فرعون اور اُس کی قوم کے پاس آئے فَلَمَّا جَاءَهُم بِآيَاتِنَا إِذَا هُم مِّنْهَا يَضْحَكُونَ تو وہ لوگ ان نشانیوں کا مذاق اڑانے لگے۔ انہوں نے خود موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بیہودہ باتیں کیں۔ اگلی آیت میں آرہا ہے کہ آپ کو جادوگر کہا اور معجزات کو کرتبوں سے تعبیر کیا۔ حالانکہ معجزہ تو اللہ کے نبی کی صداقت کی نشانی ہوتا ہے اور ایسی چیز ہر شخص پیش نہیں کر سکتا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے۔ الغرض فرعون اور اُس کی قوم نے معجزات کی ہنسی اڑائی۔

بلا وجہ ہنسی ویسے بھی کوئی اچھی چیز نہیں چہ جائیکہ اللہ کے نبی اور اُس کے لائے ہوئے معجزات کی ہنسی اڑائی جائے۔ ہنسنا اگرچہ ایک طبعی امر ہے مگر حضور علیہ السلام کبھی قہقہہ لگا کر نہیں ہنسے۔ آپ زیادہ سے زیادہ مسکرا دیتے تھے۔ بعض اوقات

ہنستے بھی تھے مگر قہقہہ نہیں لگاتے تھے کہ یہ غفلت کی علامت ہے۔ اسی لیے دوسری جگہ ہے کہ آگے آنے والی مشکل منزل کے پیشِ نظر انسان کو ہنسنا کم اور رونا زیادہ چاہیے۔
بہرحال اللہ نے فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نشانیاں دے کر بھیجا وَمَا نُرِيهِم مِّنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا ہم اُن لوگوں کو جو بھی نشانی دکھلاتے تھے وہ پہلی نشانی سے بڑھی ہوئی ہوتی تھی۔ تمام معجزات ایک سے ایک بڑھ کر تھے۔ مگر فرعونیوں نے اُن کو تسلیم نہ کیا بلکہ ہنسی مذاق میں اڑا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا وَأَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ کہ ہم نے اُن کو عذاب میں پکڑ لیا تاکہ وہ باز آجائیں۔ اُن کی یہ گرفت معمولی نوعیت کی تھی اور محض تنبیہ کے لیے تاکہ وہ اللہ کے نبی کے ساتھ ایسا سلوک کرنے سے باز آجائیں۔

اللہ کا فرمان ہے کہ ہم نے بنی نوع انسان کے لیے دنیا میں دستور قائم کر رکھا ہے کہ ہم انہیں کبھی راحت دے کر آزماتے ہیں اور کبھی تکلیف میں مبتلا کر کے پھر جب لوگ آسودگی کی حالت میں ہمارا شکر ادا نہیں کرتے تو ہم ان پر بعض مصائب ڈال دیتے ہیں۔ جس کا مقصد انہیں تنبیہ کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ بُرائی سے ہٹ کر نیکی کی طرف آجائیں۔ چنانچہ فرعونیوں کو بھی اللہ نے بطور تنبیہ معمولی قسم کی سزا میں مبتلا کر دیا۔

دعا کی درخواست

جب فرعون اور اس کے حواریوں کو تکلیف پہنچی وَقَالُوا يَا أَيُّهَ السَّاحِرُ تو کہنے لگے، اے جادوگر! موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہہ کر خطاب کیا کیونکہ اُس زمانے میں جادو کا بڑا چرچا تھا۔ ویسے ساحر عالم کو بھی کہا جاتا تھا۔ فرعون نے بڑے بڑے ماہر ساحر اپنے دربار میں جمع کر رکھے تھے جن سے وہ امورِ سلطنت میں مشورے لیا کرتا تھا۔ تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے بھی کہا کہ اے جادوگر! ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِندَكَ اپنے پروردگار سے ہمارے لیے دُعا کرو اُس عہد کے ساتھ جو اُس نے آپ کے ساتھ کر رکھا ہے یا جو اُس نے آپ کو سکھا رکھا ہے۔ کہنے لگے تمہاری دُعا کی وجہ سے ہی ہماری تکلیف دُور ہو سکتی ہے۔ اور اگر ہماری یہ مشکل حل ہو گئی۔

اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ تو ہم تیری بات مان کر راہ راست پر آجائیں گے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے نتیجے میں اُن کی تکلیف کو دور کر دیا تو ارشاد ہوا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ جب ہم نے اُن سے سزا کو دور کر دیا اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ تو انہوں نے اُس عہد کو توڑ دیا اور موسیٰ علیہ السلام کی بات کو تسلیم نہ کیا بلکہ حسبِ سابق آپ کا اور آپ کے لائے ہوئے معجزات کا تمسخر اڑانے لگے۔ گویا انہوں نے راہِ راست پر آجانے کا عہد توڑ دیا۔

فرعون کا تکبر

آگے اللہ نے فرعون کے غرور و تکبر کا ذکر کیا ہے وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ اور فرعون نے اپنی قوم کو پکارا قَالَ يٰقَوْمِ کہنے لگا، اے میری قوم کے لوگو! اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ کیا مصر کی بادشاہی میرے ہاتھ میں نہیں ہے؟ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ اور کیا یہ نہریں میری نہیں ہیں جو میرے محلات کے سامنے بہہ رہی ہیں۔ اُس زمانے میں مصر کی سلطنت اردگرد کی سلطنتوں سے مال و دولت تجارت اور زراعت کے لحاظ سے بڑھی ہوئی تھی۔ بڑا خوشحال ملک تھا۔ دریائے نیل پر جگہ جگہ ڈیم بنے ہوئے تھے۔ نہریں جاری تھیں، جن سے آبپاشی خوب ہوتی تھی۔ فرعون نے اس چیز پر غرور کیا کہ دیکھو اتنے خوشحال ملک کی باگ ڈور تو میرے ہاتھ میں ہے۔ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں کس قدر صاحبِ اقتدار و اختیار ہوں؟ پھر اگلا سوال کیا اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ کیا بھلا میں اس حقیر شخص سے بہتر نہیں ہوں؟ موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہ مال و دولت ہے، نہ فوج، نہ سلطنت، یہ تو ایک بے وقعت سا آدمی ہے بھلا اس کا اور میرا مقابلہ کیا ہے۔ میں تو لازماً اس سے بہتر ہوں۔

پھر کہنے لگا فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ کہ مدعی نبوت موسیٰ علیہ السلام کو سونے کے کنگن کیوں نہیں پہنائے جاتے۔ اُس زمانے میں سونے کے کنگن پہننا بہت بڑی امارت اور عزت کی علامت سمجھی جاتی تھی۔

فرعون خود بھی سونے کے کنگن اور مرصع ریشمی لباس پہنتا تھا۔ وہ بہترین گھوڑے پر سواری کرتا تھا یا بچھر رتھ پر سوار ہوتا تھا۔ تو کہنے لگا کہ دنیا میں بڑائی کی یہی نشانیاں ہیں مگر موسیٰ علیہ السلام اس معیار پر پورے نہیں اُترتے، لہٰذا ہم اُس کو اللہ کا نبی کیسے تسلیم کر لیں۔ پھر کہنے لگا، کہ موسیٰ علیہ السلام میں جسمانی طور پر بھی ایک نقص ہے وَلَا يَكَادُ يُبِينُ کہ وہ تو بات بھی اچھے طریقے سے نہیں کہہ سکتا۔ آپ کی زبان میں قدرے لکنت تھی۔

جس کی وجہ سے آپ اپنا مافی الضمیر احسن طریقے سے بیان نہیں کر سکتے تھے۔ اسی لیے آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا کی تھی کہ پروردگار! میرے سینے کو کھول دے میرے کام کو آسان بنا دے وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ○ يَفْقَهُوا قَوْلِي (طٰہٰ ۲۷-۲۸) اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ یہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ سکیں۔ پھر اس دُعا کے نتیجے میں آپ بات کرنے کے قابل ہو گئے تھے تاہم لکنت کا کچھ اثر باقی رہ گیا تھا جس کی بنا پر فرعون نے کہا کہ یہ تو بات بھی ٹھیک طرح سے نہیں کر سکتا، تو بھلا یہ شخص مجھ سے کیسے بہتر ہو سکتا ہے؟

مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی بات تو سمجھ میں آجاتی تھی مگر آپ کے کلام میں زیادہ فصاحت نہیں تھی، اسی لیے آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا (القصص - ۳۴) میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی میرے ساتھ بھیج دے کیونکہ وہ زبان کے لحاظ سے مجھ سے زیادہ فصیح ہے۔ اگر میری بات کو سمجھنے میں لوگوں کو دقت پیش آئی تو ہارون علیہ السلام اُس کی وضاحت کر دیں گے۔

بہرحال فرعون کہنے لگا کہ نبوت کی دلیل کے طور پر موسیٰ علیہ السلام کو سونے کے کنگن کیوں نہیں پہنائے جاتے أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلَائِكَةُ مُقْتَرِنِينَ ○ یا کم از کم اُس کے ساتھ لگاتار فرشتے آتے جو اُس کی نبوت کی تصدیق کرتے تو ہم پھر بھی مان لیتے۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فرشتوں کی صورت میں کوئی باڈی گارڈ بھی نہیں ہے، لہٰذا ہم اُس کے دعویٰ نبوت کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔

قوم کی بے وقوفی

اللہ نے فرمایا فَاسْتَخَفَّ قَوْمَہٗ اس طریقے سے فرعون نے اپنی قوم کو بیوقوف بنایا۔ چکنی چپڑی باتیں کر کے اور موسیٰ علیہ السلام کو حقیر ثابت کر کے قوم کو ورغلایا۔ چنانچہ قوم اُس کے بہکاوے میں آگئی فَاَطَاعُوْہُ اور انہوں نے اس کی اطاعت کر لی یعنی فرعون کی ہاں میں ہاں ملادی کہ تو موسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ کہتا ہے وہ درست ہے، فرعون کی قوم واقعی بے وقوف تھی۔ وہ عقل معاش سے تو بخوبی واقف تھے اور دنیا طلبی کو خوب جانتے تھے۔ مگر عقلِ معاد سے محروم تھے اور نہیں جانتے تھے کہ حساب کتاب کا ایک دن آنے والا ہے جب اللہ کی بارگاہ میں ذرے ذرے کا حساب دینا پڑے گا اور اُس وقت اُن کی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دشمنی بہت مہنگی پڑے گی۔ فرعون کی اس قسم کی تقریر سورۃ مومن میں بھی گزر چکی ہے جب اُس نے اپنے حواریوں سے کہا کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے دو اور یہ اپنے رب کو بلالے اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَکُمْ (آیت۔۲۶) مجھے ڈر ہے کہ یہ تمہارا دین ہی نہ بدل ڈالے یا زمین میں فساد نہ برپا کر دے۔ بہرحال فرعون نے اپنی چرب زبانی سے قوم کو بے وقوف بنایا اور موسیٰ علیہ السلام کا دشمن بنادیا۔ فرمایا۔ اِنَّھُمْ کَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ بے شک وہ سب کے سب نافرمان لوگ تھے۔ پوری کی پوری قوم کے ناہنجار ہونے کی بعض دیگر مثالیں بھی موجود ہیں۔ مثلاً قومِ نوح کے متعلق فرمایا اِنَّھُمْ کَانُوْا قَوْمًا عَمِیْنَ (الاعراف۔۶۴) وہ ساری قوم دل کی اندھی تھی ماسوائے اُن نفوس کے جو نوح علیہ السلام پر ایمان لائے اور آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے۔ اسی طرح قوم فرعون کے متعلق سورۃ مومن میں موجود ہے کہ پوری قوم میں صرف ایک شخص مومن تھا جس کے نام پر سورۃ کا نام موسوم ہے اور یا پھر فرعون کی بیوی مومنہ تھی، باقی سب نافرمان ہی تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سارے ملک پر شیطان کا غلبہ ہو چکا ہے۔ ہمارا ملک بھی اسی زد میں آیا ہوا معلوم ہوتا ہے جہاں نیکی والے آدمی بالکل قلیل تعداد میں ہیں اور اکثریت ان لوگوں کی ہے جو کافر، مشرک یا بدعتی ہیں یا پھر کھیل تماشے

کے دلدادہ ہیں، انہیں نیکی کا کوئی کام آتا ہی نہیں۔ یہ لوگ اسی حالت میں پڑے رہتے ہیں حتیٰ کہ یا تو موت آجاتی ہے اور یا پھر ان پر کوئی آفت ڈال دی جاتی ہے کبھی غلامی میں جکڑے جاتے ہیں، کبھی ملک کا کوئی حصہ چھن جاتا ہے، طوفان آتے ہیں، زلزلے آتے ہیں۔ وجہ یہی ہے کہ قوم کی اکثریت نافرمان ہوتی ہے۔

قوم فرعون سے انتقام

فرمایا فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا جب قوم فرعون نے ہمیں غصہ دلایا۔ بار بار تبلیغ حق کے باوجود انہوں نے خدا تعالیٰ کو ناراض کر دیا اِنْتَقَمْنَا مِنْهُمْ تو ہم نے ان سے انتقام لیا۔ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ پس ان سب کو پانی میں غرق کر دیا۔ صرف چھ لاکھ ستر ہزار آدمی جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ وہی بحر قلزم سے پار گئے تھے باقی سب فرعونی بحیرہ قلزم کی لہروں کا شکار بنے۔ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا پس ہم نے ان کو گئے گزرے لوگ بنا دیا۔ کتب سماویہ اور تاریخ میں ان کے قصے کہانیاں ہی باقی رہ گئیں اور وہ سب نابود ہو گئے۔ وَمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ اور پچھلوں کے لیے انہیں ایک مثال بنا دیا تاکہ بعد میں آنے والے لوگ دیکھ لیں کہ اس قسم کے سرکشوں کا کیا انجام ہوتا ہے یہ تو بڑے سرکش اور والیان ملک کا حال ہوا، بھلا عام لوگوں کے غرور و تکبر کی کیا حیثیت ہے۔ جو لوگ اللہ کے دین میں روڑے اٹکائیں گے، خدا کی شریعت کو ٹھکرائیں گے۔ ان کا انجام بھی سابقہ نافرمان قوموں سے مختلف نہیں ہو گا۔

درس نہم ۹ آیت ۵۷ تا ۶۲

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ
يَصِدُّونَ ﴿٥٧﴾ وَقَالُوا أَآلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ مَا
ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿٥٨﴾
إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا
لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿٥٩﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنكُم
مَّلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ﴿٦٠﴾ وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ
لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ هَٰذَا
صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطَانُ
إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٦٢﴾

ترجمہ :- اور جب بیان کی گئی مثال عیسٰی ابن مریم علیہ السلام کی تو اچانک آپ کی قوم کے لوگ اس سے چلّانے لگے ﴿٥٧﴾ اور انہوں نے کہا، کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ، انہوں نے یہ مثال نہیں بیان کی آپ کے سامنے مگر جھگڑا کرنے کے لیے، بلکہ یہ لوگ جھگڑالو ہیں ﴿٥٨﴾ نہیں ہے وہ (عیسٰی ابن مریمؑ) مگر ایک بندہ جس پر ہم نے انعام کیا، اور بنایا ہم نے اس کو نمونہ بنی اسرائیل کے لیے ﴿٥٩﴾ اور اگر ہم چاہیں تو بنا دیں تمہاری جگہ فرشتے زمین میں جو آگے پیچھے آتے رہیں ﴿٦٠﴾ اور بیشک وہ (عیسٰی ابن مریم) البتہ نشانی ہے

قیامت کی، پس نہ تم شک کرو اُس (قیامت) کے بارے میں۔ اور میری بات مانو۔ یہی ہے سیدھا راستہ (۶۱) اور نہ روکے تمھیں شیطان۔ بیشک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے (۶۲)

ربط آیات

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کے سلسلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا، اور اس کے ساتھ فرعون اور اس کے حواریوں کا بھی جنھوں نے غرور و تکبر کی بناء پر موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کو تسلیم نہ کیا، اور اُن کی شان میں نازیبا کلمات بھی کہے۔ اللہ نے دنیا میں ہی اُن کی گرفت کی اور فرعون بمع اپنے لاکھوں لشکریوں کے بحیرۂ قلزم کی موجوں کی نذر ہو گیا۔ دنیا میں اُن کو یہ سزا ملی جب کہ آخرت کا دائمی عذاب آگے آنے والا ہے۔ اللہ نے اُن کو آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے باعثِ عبرت بنا دیا۔

قریش مکہ کا واویلا

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی قوم قریش مکہ کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا جب حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی مثال بیان کی گئی۔ اس مثال سے مراد وہ حقیقت ہے جو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانبیاء میں بیان فرمائی ہے اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (آیت ۔ ۹۸) تم اور وہ معبود جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ نیز فرمایا لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا (آیت ۔ ۹۹) اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے۔ مطلب یہ کہ جن کی تم پوجا کرتے ہو یہ تو عبادت کے لائق ہی نہیں۔ اگر یہ معبود ہوتے تو پھر تو دوزخ سے بچ جاتے مگر موجودہ صورت میں تم اور تمھارے یہ معبودانِ باطلہ سب جہنم رسید ہوں گے۔

جب یہ مثال بیان کی گئی تو اللہ نے فرمایا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ تو اے نبی علیہ السلام آپ کی قوم چیخنے چلانے لگی۔ کہنے لگے دیکھو آپ ہمارے معبودوں کی مذمت بیان کر رہے ہیں کہ ہمارے ساتھ وہ بھی جہنم کا ایندھن بنیں گے

انہوں نے دلیل کے طور پر کہا کہ ہمارے معبودوں میں تو فرشتے، عیسٰی علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام بھی شامل ہیں جو اللہ کے مقرب ہیں تو کیا ملائکہ اور انبیاء بھی ہمارے ساتھ جہنم میں جائیں گے؟ اس سوال کا جواب اللہ نے سورۃ الانبیاء میں ہی دیا اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰىٓ ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (آیت۔ ۱۰۱) جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے پہلے ہی بھلائی مقرر ہو چکی ہے، وہ اس (جہنم) سے دور رکھے جائیں گے، اس سے مراد ملائکہ، حضرت عیسٰی علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دے دیا ہے۔ کہ اگرچہ لوگوں نے ان کو معبود بنا لیا مگر ان کے لیے اللہ نے بھلائی لکھ دی ہے لہٰذا وہ اپنے عابدوں کے ساتھ جہنم میں نہیں جائیں گے۔ انہوں نے کبھی الوہیت کا دعویٰ نہیں کیا تھا بلکہ مشرکوں نے از خود ان کو الوہیت کے درجے پہ پہنچا دیا۔ لہٰذا یہ ان کے ساتھ سزا میں شریک نہیں ہوں گے۔

مشرکین نے اللہ کے آخری نبی اور رسول پہ دوسرا اعتراض یہ کیا کہ آپ بھی عیسٰی علیہ السلام کی طرح اپنی پرستش کرانا چاہتے ہیں اس لیے تو مسیح علیہ السلام کا نام بڑے ادب و احترام سے لیتے ہیں اور ان کی خوبیاں گنواتے ہیں۔ ان کے اس اعتراض کی بنیاد سورۃ آل عمران کی آیت ۔ ۵۹ پہ تھی اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ بے شک اللہ کے نزدیک عیسٰی علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام کی ہے جن کو اللہ نے مٹی سے تخلیق فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے واسطے کے پیدا کیا، اور حوا کو بغیر ماں کے واسطے سے تخلیق کیا، اسی طرح عیسٰی علیہ السلام کو بغیر باپ کے واسطہ کے پیدا فرما دیا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا شاہکار ہے، وہ جس طرح چاہے کسی کو پیدا فرما دے۔ مگر نہ اس کا عام قانون تو یہی ہے کہ وہ انسان کو ماں اور باپ دونوں کے واسطہ سے پیدا فرماتا ہے جیسے اس کا ارشاد ہے۔ اے لوگو! جس

اللہ سے ڈر جاؤ جس نے تمھیں ایک جان سے تخلیق کیا وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا
پھر اسی ایک جان یعنی آدم علیہ السلام سے اُس کا جوڑا یعنی حضرت حوا ؑ کو پیدا
کیا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَاءً (النسآء - ۱) اور پھر اُن دونوں
سے کثیر تعداد میں مرد و زن پیدا کر کے زمین میں پھیلا دیے۔ بہر حال مشرک لوگوں کا اعتراض
یہ تھا کہ اللہ کا قرآن حضرت عیسٰی علیہ السلام کو عام قانونِ تخلیق سے مستثنیٰ قرار دے کر
اُن کی عزت و احترام کرتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ بھی عیسٰی علیہ السلام
کی طرح اپنی عبادت کرانا چاہتے ہیں۔ جس طرح نصاریٰ عیسٰی علیہ السلام کی پوجا کرتے
ہیں، اُسی طرح آپ بھی اُن کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ وَ
قَالُوٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ وہ یہ سوال بھی کرتے تھے کہ بھلا بتلاؤ کہ ہمارے
معبود بہتر ہیں یا عیسٰی علیہ السلام؟

اللہ نے اس قسم کی بیہودہ باتوں کے جواب میں فرمایا مَا ضَرَبُوهُ لَكَ
اِلَّا جَدَلًا انہوں نے یہ مثال آپ کے سامنے محض جھگڑا کرنے کے لیے بیان
کی ہے۔ یہ لوگ عیسٰی علیہ السلام کی الوہیت کی مثال آپ پر فٹ کرنا چاہتے ہیں۔
جو کہ نہایت ہی غلط بات ہے۔ حقیقت یہ ہے بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ
یہ جھگڑالو لوگ ہیں جو آپ کو اس قسم کی بیہودہ باتوں میں الجھانا چاہتے ہیں۔ یہ جانتے
ہیں کہ فرشتوں نے یا حضرت عیسٰی علیہ السلام یا حضرت عزیر علیہ السلام نے کبھی اپنی
عبادت کا حکم لوگوں کو نہیں دیا، وہ تو ہمیشہ اپنی پرستش سے بیزاری کا اظہار کرتے
رہے اور دنیا میں اللہ کی وحدانیت کا درس دیتے رہے اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ
فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (آلِ عمران - ۵۱) عیسٰی علیہ السلام نے
واضح کر دیا کہ میرا اور تمھارا پروردگار اللہ ہے، اُسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا
راستہ ہے۔ انہوں نے تنبیہ کر دیا اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ
اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ط بے شک جس نے اللہ کے ساتھ
شرک کیا، اللہ نے اُس پر جنت حرام قرار دے دی اور اُس کا ٹھکانا جہنم میں ہوگا۔

انہوں نے تو یہ تعلیم دی مگر خود اُن کے نام نہاد پیروکاروں نے توحید کے اس عقیدے کو بگاڑ کر انہی کو الوہیت کا درجہ دے دیا۔ کسی نے خدا کا بیٹا کہا، کسی نے تینوں میں سے تیسرا تسلیم کیا اور کسی نے خود خدا کہہ دیا۔

عیسیٰ علیہ السلام پر انعاماتِ الٰہیہ

اللہ نے فرمایا عیسیٰ علیہ السلام نہ خدا تھے اور نہ خدا کے بیٹے اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ نہیں تھے وہ مگر ایک بندے جس پر ہم نے انعام کیا۔ آپ پر پہلا انعام تو تخلیق کے سلسلے میں ہوا کہ اللہ نے بغیر باپ کے اپنی قدرتِ کاملہ سے اُن کو پیدا فرمایا، اُن کی پرورش بھی عجیب و غریب طریقے سے ہوئی۔ اللہ نے انہیں انجیل جیسی عظیم کتاب عطا فرمائی۔ اور آپ کے ہاتھ پہ حیرت انگیز معجزات کا اظہار فرمایا۔ اور پھر سب سے بڑا انعام نبوت و رسالت ہے کہ جس سے بڑھ کر کوئی منصب نہیں۔ تو فرمایا وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ہم نے آپکو بنی اسرائیل کے لیے نمونہ بنا دیا۔ اس کی وضاحت سورۃ آلِ عمران میں موجود ہے۔ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (آیت۔ ۴۹) اللہ نے آپ کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ آپ کی نبوت بین الاقوامی نہیں بلکہ قومی تھی۔ بہرحال یہ اللہ کی طرف سے بہت بڑا انعام تھا۔ فرمایا وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِى الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ اور اگر ہم چاہیں تو تمہاری جگہ زمین میں فرشتے بنا دیں تو آگے پیچھے آتے رہیں۔ یہ اُس کی قدرت میں ہے کہ زمین پر فرشتوں کو نازل فرما دے۔ مگر اُس نے اپنی حکمتِ بالغہ سے عیسیٰ علیہ السلام جیسی جلیل القدر ہستی کو پیدا کیا تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟

نزولِ مسیح بطور آثارِ قیامت

بہرحال اللہ تعالیٰ نے یہاں پر عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق دو باتوں کا ذکر کیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا، اور دوسری بات یہ کہ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ بے شک آپ قیامت کی نشانی ہیں۔ عَلَم تو نشانی کو کہتے ہیں۔ اور عِلم بایں معنی کہ ایک ایسی چیز جس کے ذریعہ قیامت کا قریب الوقوع ہونا معلوم ہوگا۔ یعنی مسیح علیہ السلام کا نزول قربِ قیامت

کی علامت ہوگا۔ اور یہی چیز آپ کی حیات کی دلیل ہے کہ آپ آسمان پر زندہ موجود ہیں اور قربِ قیامت میں نازل ہوں گے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اِنَّہٗ کی ضمیر قرآن کی طرف لوٹتی ہے اور معنی یہ بنتا ہے کہ بیشک قرآن ایک علم ہے جس کے ذریعے وقوعِ قیامت کا پتہ چلتا ہے۔ اللہ نے قرآن پاک میں قیامت کا ذکر بکثرت کیا ہے بلکہ قرآنِ کریم کا ایک تہائی حصہ قیامت کے موضوع پر ہی مشتمل ہے۔ تاہم اکثر مفسرین کا خیال یہ ہے کہ اِنَّہٗ کی ضمیر حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے یعنی بیشک عیسٰی علیہ السلام قیامت کی نشانی ہیں جو کہ آپ کے دوبارہ نزول کی طرف ایک اشارہ ہے۔ امام ابن کثیرؒ اور بعض دیگر مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کے نزول کی روایات متواتر ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اتنے کثیر راویان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہے۔ اس سے یہی اخذ ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام قربِ قیامت میں ضرور نازل ہوں گے اور یہ حقیقت ہر مسلمان کے عقیدہ کا جزو ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کَیْفَ اِذَا نَزَلَ فِیْکُمْ اِبْنُ مَرْیَمَ اُس وقت کیا حالت ہوگی جب عیسٰی علیہ السلام تمہارے درمیان آسمان کی طرف سے نازل ہوں گے آپ صاحبِ انصاف حاکم ہوں گے۔ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ اُس وقت جزیہ موقوف ہو جائے گا کیونکہ اُس وقت اسلام کے سوا دنیا پر کوئی دوسرا دین نہیں ہوگا۔ اگر کوئی عیسائی اسلام قبول کرنے سے انکار کرے گا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ عیسٰی علیہ السلام حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تابع ہوں گے اور اسی کے مطابق فیصلے کریں گے۔ مسلم شریف میں امام ابن ابی ذئب کی روایت میں آتا ہے۔ کہ عیسٰی علیہ السلام دنیا میں حضور علیہ السلام کے نائب کی حیثیت سے آئیں گے اور قرآن وسنت کے مطابق فیصلے کریں گے۔ واقعہ معراج میں بھی موجود ہے کہ جب عالم بالا میں انبیاء علیہم السلام کا اجتماع ہوا اور قیامت کا ذکر ہوا تو تمام انبیاء نے یہی کہا کہ ہمیں وقوعِ

قیامت کے وقت کا علم نہیں ہے۔ اس سلسلے میں مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے قیامت کی گھڑی کے متعلق تو علم نہیں، البتہ اس قدر جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ قیامت سے پہلے مجھے زمین پر اتاریں گے اور میں دجال کو قتل کروں گا۔ قربِ قیامت کی نشانیوں میں خروجِ دجال کے علاوہ خروجِ یاجوج ماجوج کا ذکر بھی قرآن میں موجود ہے۔ حَتّٰۤی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ (الانبیاء۔۹۶) اسی طرح سورج کا مغرب کی جانب سے طلوع ہونا، مشرق، مغرب اور جزیرۃ العرب میں خسف الارض یعنی زمین کا دھنس جانا، آگ کا عدن کے کنارے سے نکلنا اور لوگوں کو ہانک کر شام کی طرف لے جانا، وغیرہ علاماتِ قیامت میں شمار ہوتی ہیں۔ اور نزولِ مسیح بھی انہی نشانیوں میں شامل ہے۔

فرمایا فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا پس تم قیامت کے بارے میں شک میں نہ پڑو وَاتَّبِعُوْنِ اور میری بات کو مانو۔ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ یہی سیدھا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین، قیامت پر ایمان اور نزولِ مسیح کو قیامت کی علامت کے طور پر ماننا ہر اہلِ ایمان کے عقیدے میں داخل ہے۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ جس شخص نے اس عقیدے کے خلاف کیا، وہ راہِ راست سے بھٹک گیا۔

قادیانیوں کا باطل عقیدہ

حیاتِ مسیح علیہ السلام کے سلسلے میں قادیانیوں نے بہت دجل کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ فوت ہو چکے ہیں۔ اور جن احادیث میں نزولِ مسیح کا ذکر صراحتاً موجود ہے ان کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ ان احادیث میں مذکورہ مسیح سے مراد مثیلِ مسیح ہے، جو مرزا غلام احمد کی صورت میں آچکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام بروح مع الجسد دوسرے آسمان پر زندہ موجود ہیں اور قربِ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین پر نزول فرمائیں گے اور یہاں پر عدل و انصاف قائم کریں گے، جن احادیث میں نزولِ مسیح کا ذکر آیا ہے وہ تواتر کا درجہ رکھتی ہیں، لہٰذا ان میں کسی قسم کا شک یا تاویل کی کوئی گنجائش نہیں۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے اس موضوع پر کتاب لکھی ہے۔ "عقیدۃ الاسلام فی حیاتِ عیسٰی علیہ السلام" عربی زبان میں ایک ضخیم کتاب ہے جس

میں تمام متعلقہ احادیث کو جمع کر دیا گیا ہے۔ جس سے مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے بہر حال یہاں پر علم سے مراد وہ چیز ہے جس کے ذریعے قربِ قیامت کا پتہ چلتا ہے۔ اور مراد اس سے علامت اور نشانی ہے۔

شیطانی حملہ سے بچاؤ

فرمایا سیدھا راستہ تو وہی ہے جو ایمان، توحید اور نیکی کا راستہ ہے۔ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ اور شیطان تمہیں اس راستہ سے کہیں روک نہ دے تمہیں عقیدۂ قیامت سے متزلزل نہ کر دے۔ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ ہمیشہ انسان کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے، لوگوں کا عقیدہ خراب کرتا ہے، شک ڈالتا ہے، لہٰذا اس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ عِيسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُم
بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُم بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ
فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿٦٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ
وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦٤﴾ فَاخْتَلَفَ
الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ
عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿٦٥﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ
اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٦﴾
اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا
ع ۱۱ ۱۲ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٧﴾

ترجمہ :- اور جب آئے عیسیٰ علیہ السلام واضح نشانیوں کے ساتھ تو کہا انہوں نے تحقیق لایا ہوں میں تمہارے پاس حکمت، اور تاکہ میں بتلاؤں تم کو بعض وہ چیزیں جن میں تم اختلاف کرتے ہو ۔ پس ڈر جاؤ اللہ تعالیٰ سے اور میری اطاعت کرو ﴿٦٣﴾ بیشک اللہ تعالیٰ ہی وہ میرا پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے ، پس اسی کی عبادت کرو ، یہ ہے سیدھا راستہ ﴿٦٤﴾ پس اختلاف کیا مختلف فرقوں نے اپنے درمیان ، پس ہلاکت ہے اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے ظلم کیا

دردناک دن کے عذاب سے (٦٥) نہیں انتظار کرتے یہ لوگ مگر قیامت کا کہ آجائے اُن کے پاس اچانک اور اُن کو خبر بھی نہ ہو (٦٦) دوست اُس دن بعض بعض کے لیے دشمن ہوں گے ، مگر متقی لوگ (٦٧)

ربطِ آیات

توحید، رسالت اور معاد کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا مشرکین کا اعتراض یہ تھا کہ اگر عابد اور معبودانِ باطلہ سب جہنم میں جائیں گے تو پھر مسیح علیہ السلام کا کیا بنے گا کیونکہ اُن کی بھی تو لوگ پرستش کرتے ہیں ۔ اسی طرح ملائکہ کے پجاری بھی ہیں اور مذکورہ اصول کے تحت اُن کو بھی سزا ملنی چاہیئے ۔ اللہ نے جواباً فرمایا کہ یہ جھگڑالو لوگ ہیں ۔ نہ تو یہ حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی انصاف سے کام لیتے ہیں ۔ ملائکہ اور عیسیٰ علیہ السلام نے تو کبھی لوگوں کو اپنی پرستش کا حکم نہیں دیا ۔ لہٰذا اُن کے صرف عابد جہنم میں جائیں گے ۔ انہوں نے تو ہمیشہ لوگوں کو کفر اور شرک سے بچنے کی تلقین کی ۔ یہ لوگ محض جھگڑا کرنے کی خاطر ایسی باتیں کرتے ہیں ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی ہے کہ جب لوگ حقیقت کو چھوڑ دیتے ہیں ۔ تو پھر جھگڑے میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔

اللہ تعالیٰ نے گذشتہ درس کی آیات میں مسیح علیہ السلام کی پوزیشن واضح کی کہ وہ تو ہمارا بندہ ہے جس پر ہم نے انعام کیا ۔ آپ کو نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا اور آپ کو بلند حیثیت عطا فرمائی اور آپ کو بنی اسرائیل کے لیے نمونہ بنایا ۔ آپ قربِ قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں جب دوبارہ زمین پر نازل ہوں گے تو لوگ سمجھ جائیں گے کہ اب قیامت آنے والی ہے ۔ فرمایا قیامت کے بارے میں شک نہ کرنا ، میرا اتباع کرو کہ یہی سیدھا راستہ ہے ، کہیں شیطان تمہیں اس صراطِ مستقیم سے بہکا نہ دے ۔

مسیح علیہ السلام کی بعثت

گذشتہ درس میں عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق دو باتوں کا ذکر ہو چکا ہے ۔ ایک یہ کہ آپ کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور آپ قیامت کی نشانی

ہیں۔ اب تیسری بات یہ بیان ہو رہی ہے وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ جب عیسٰی علیہ السلام واضح نشانیاں لے کر دنیا میں آئے قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ تو فرمایا کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں۔ اس بات کا تعلق آپ کی بعثت کے مقصد سے ہے۔ آپ امت کے لیے واضح نشانیاں لائے بینات کا اطلاق معجزات پر بھی ہوتا ہے اور دلائل اور احکام پر بھی۔ اللہ تعالٰی نے انجیل کے ذریعے آپ پر احکام بھی نازل فرمائے اور دلائل بھی سمجھائے۔ اور ساتھ ساتھ بے مثال معجزات بھی عطا کیے۔ پھر خاص طور پر حکمت کا ذکر کیا کہ میں تمہارے لیے حکمت بھی لایا ہوں۔ حکمت کا عام معنیٰ دانائی کی باتیں ہیں یعنی ایسی پکی باتیں جن میں کسی قسم کا نقص نہ پایا جاتا ہو۔ حکمت ایک ایسی عظیم چیز ہے۔ جس کے متعلق خود خدا تعالٰی کا ارشاد ہے يُؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرۃ - ۲۶۹) اللہ تعالٰی جس کو چاہے حکمت عطا کرے۔ اور جس کو حکمت دے دی گئی، اُس کو بہت بڑی عطا ہو گئی۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد دین کو سمجھنا اور اس کا اتباع کرنا ہے یعنی معرفة الدين والفقه فيه دین کی معرفت رکھنے والا آدمی ہی صحیح معنوں میں دانا یا دانش ور ہے نہ کہ جھوٹی کہانیاں اور ڈرامے لکھنے والا۔

سورۃ احزاب میں اللہ نے ازواج مطہرات کو خطاب کر کے فرمایا ہے وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ (آیت ۳۴) اور یاد کرو جو تمہارے گھروں میں اللہ کی آیتیں اور حکمت پڑھی جاتی ہے۔ حکمت سے مراد حضور علیہ السلام کی سنت مطہرہ ہے۔ جس پر آپ اپنی زندگی بھر عمل پیرا رہے بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حکیم سے مراد وہ عقلمند اور دانا آدمی ہے جو حقائق کو سمجھتا حق و باطل میں امتیاز کر سکتا ہو اور دین کے اصولوں اور اس کی مصلحتوں پر عبور رکھتا ہو۔ بعض حکمت کا مفہوم یہ بتلاتے ہیں کہ افضل الاشیاء کو افضل العلوم کے ذریعے جاننا حکمت ہے۔ افضل چیز اللہ تعالٰی کی ذات، اس کی صفات، اُس کے اسمائے

مبارکہ اور اس کی توحید ہیں۔ اور افضل العلم وہ علمِ حضوری ہے جو اللہ تعالیٰ کی تجلیات کی روشنی میں حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح شیطان کی مکاریوں کی پہچان کو بھی حکمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بہر حال عیسیٰؑ نے کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں۔

اختلافی امور کی وضاحت

پھر آپ نے چوتھی بات یہ فرمائی وَلِاُبَیِّنَ لَکُمْ بَعْضَ الَّذِیْ تَخْتَلِفُوْنَ فِیْہِ اور تاکہ میں تمہیں بعض وہ باتیں بتلا دوں جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔ مختلف شرائع میں بعض احکام تبدیل ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی بعض چیزوں میں ترمیم کر دی گئی اور بعض کو منسوخ کر دیا گیا اور ان کی جگہ نئے احکام نازل ہوئے اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں شریعتِ موسوی کی بعض حرام چیزوں کو حلال قرار دے دیا گیا۔ سورۃ آل عمران میں جہاں عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے فرائض منصبی کا ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی فرمایا کہ میری بعثت کا ایک مقصد یہ بھی ہے وَلِاُحِلَّ لَکُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْکُمْ (آیت ۵۰) تاکہ میں اللہ کے حکم سے تم پر بعض وہ چیزیں حلال کر دوں جو پہلے تم پر حرام تھیں۔ بہر حال یہاں پر بعض اختلافی امور کا ذکر ہے کیونکہ مختلف شرائع میں تمام احکام یکسر نہیں بدل دیے جاتے بلکہ اُن میں سے بعض احکام کو تبدیل کیا جاتا ہے جن کی خاص مصلحت ہوتی ہے

اس حصہ آیت سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ انسان کے دین، اخلاق اور عمل سے متعلق امور کی وضاحت ہر نبی کے فرائض منصبی میں شامل رہی ہے۔ البتہ تمام دنیوی امور کے متعلق وضاحت کرنا نبی کے لیے ضروری نہیں کیونکہ یہ کام لوگ اپنی عقل اور تجربہ کے ذریعے سمجھتے ہیں اور اُن کو انجام دیتے ہیں۔ نبی علیہ السلام کا فرمان بھی ہے اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ یعنی دنیا کے معاملات تم بہتر سمجھتے ہو، لہٰذا مجھے بتلانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ بہر حال عیسیٰ علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ میرے لیے ضروری ہے کہ میں تمہارے درمیان اختلافی امور کو کھول کر بیان کر دوں۔ تمہارے عمل، اخلاق، اصول اور عبادات میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں اُن کو بیان کر دوں۔

عیسیٰؑ کی تعلیمات

آپ نے قوم کو یہ تعلیم بھی دی فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا یہ مطلب ہے کہ انسان کفر، شرک، کبائر صغائر اور خدا کی نافرمانی سے بچ جائے۔ اور نبی کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (النساء۔ ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے حقیقت میں اللہ ہی کی اطاعت کی۔ لہٰذا نبی کی اطاعت فرض ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو فرمایا تھا۔ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ بے شک میرا اور تمہارا پروردگار اللہ ہے۔ ربوبیت کا معنیٰ کسی چیز کو بتدریج حدِ کمال تک پہنچانا ہوتا ہے۔ اور اس کا سب سے بڑا مظہر خود انسان ہے جس کی تخلیق کے مختلف مراحل، اُس کے بچپن، جوانی اور پھر بڑھاپے کا ذکر اللہ نے قرآن کے مختلف مقامات پر کیا ہے۔ انسان خود اپنے وجود پر ہی نظر ڈال لے تو اُسے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سمجھ میں آسکتی ہے۔ اس کے علاوہ ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز سے لے کر بڑے بڑے حیوانات، نباتات، جمادات اور معدنیات ہر چیز کو حدِ کمال تک پہنچانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور اس صفت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ جب ہر چیز کا رب وہی ہے فَاعْبُدُوْہُ تو پھر عبادت بھی اسی کی کرو، اس میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرو ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ یہی سیدھا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شرک سے پاک ہے۔ نہ اُس کی ربوبیت میں کوئی شریک ہے، نہ خالقیت میں اور نہ الوہیت میں سورۃ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا ہے اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ (آیت۔ ۷۲) جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اُس پر اللہ نے جنت کو حرام کر دیا، اور اُس کا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا۔ غرضیکہ عیسیٰ علیہ السلام جب اس دنیا میں رہے لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف ہی دعوت دیتے رہے۔

دین میں فرقہ بندی

اِس دعوت کے جواب میں فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ۔

مختلف گروہوں نے آپس میں اختلاف کر لیا۔ مسیح علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کے کئی فرقے بن گئے۔ یہودیوں نے تو سرے سے مسیح علیہ السلام کی نبوت و رسالت کا ہی انکار کر دیا۔ اُن کو دجال کہا اور اُن کی جان کے درپے ہو گئے حتیٰ کہ اُن کو سولی پر لٹکانے کی کوشش کی۔ اُن کی بدبختی کا یہ حال تھا کہ جب آپ سولی کندھے پر اٹھائے سولی کے مقام کی طرف جا رہے تھے تو ان ظالموں نے آپ کے منہ پر تھوکا اور اس طرح آپ کی تذلیل میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اُدھر نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی نبوت کا اقرار تو کیا مگر جلدی ہی اُن کی تعداد میں کمی آنے لگی اور غلط کار لوگ دنیا میں پھیلنے لگے۔ پولس نے اللہ کے صاحب کتاب و شریعت نبی کے متعلق غلط عقائد وضع کیے۔ آپ کی محبت میں اس قدر غلو کیا کہ آپ کو خدا کا بیٹا قرار دے دیا۔ کسی فرقے نے تینوں میں تیسرا خدا مانا اور کسی نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام ہی خدا ہیں۔ اللہ نے ان سب عقائد کی نفی کی اور فرمایا لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ (المائدہ۔۱۷) بے شک ان لوگوں نے کفر کا ارتکاب کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ (الزخرف۔۵۹) وہ تو ایک بندہ ہے جس پر ہم نے انعام کیا۔ اللہ نے آپ کو ایک عورت کے پیٹ سے بغیر باپ کے توسل کے پیدا کیا۔ آپ توحید کے علمبردار تھے اور شرکیہ امور سے بیزاری کا اعلان کرتے تھے۔ اُن کے متعلق غلط عقائد پیدا کرنے والے کفر کے مرتکب ہوئے اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔

نزولِ قرآن کو چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے مگر یہود و نصاریٰ کو ابھی تک حقیقت سمجھ میں نہیں آئی اور وہ بدستور کفر و شرک پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ رومن کیتھولک والے مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ پروٹسٹنٹ فرقہ قدرے جدت پسند ہے مگر اُن کے بھی بنیادی عقائد وہی ہیں جن کی قرآن نفی کرتا ہے آج دنیا میں سب سے زیادہ آبادی (تقریباً اڑھائی ارب) عیسائیوں کی ہے مگر عقائد مشرکانہ ہیں۔ اور شرک سب سے بڑا ظلم ہے إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمان۔۱۳)

جس میں یہ لوگ مبتلا ہیں۔ اللہ نے یہاں پر فرمایا فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ أَلِيمٍ پس ہلاکت اور بربادی ہے اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے ظلم کیا دردناک دن کے عذاب سے۔ اس سے مراد قیامت والا دن ہے۔ جب مجرم لوگ دردناک عذاب کا شکار ہوں گے ظلم کی ابتداء بدعقیدگی یعنی کفر اور شرک سے ہوتی ہے اور پھر اس میں ظلم و جور، حق تلفی معاصی اور دیگر مظالم شامل ہو جاتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا، ایسے لوگوں کو قیامت والے دن ہلاکت و بربادی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

قیامت کا انتظار

فرمایا حقیقت واضح ہو جانے کے باوجود اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو پھر کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں؟ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ نہیں انتظار کرتے یہ لوگ مگر قیامت کا أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً کہ آجائے ان کے پاس اچانک وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ اور ان کو پتہ بھی نہ چلے۔ فرمایا اب تمام دلائل، معجزات، احکام اور ہدایت کے تمام ذرائع آچکے ہیں اور صرف قیامت کا آنا باقی ہے جس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اور ان کے لیے ایمان لانے کا کوئی موقع باقی نہیں رہے گا۔ اس قیامت سے مراد قیامت صغریٰ اور کبریٰ دونوں مراد ہیں قیامت صغریٰ تو ہر شخص کی موت پر واقع ہو جاتی ہے۔ جیسے فرمایا مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ جس کی موت واقع ہو گئی اس کی تو قیامت برپا ہو گئی۔ یہ قیامت صغریٰ ہے جو ہر نفس پر واقع ہوتی ہے۔ اس کے وقوع کا بھی کسی کو علم نہیں اور عام طور پہ یہ بھی اچانک ہی آتی ہے اور انسان کا کام تمام ہو جاتا ہے۔ پھر برزخ کی زندگی شروع ہو جاتی ہے اور قبر میں ابتدائی سوال و جواب کی منزل آجاتی ہے قیامت کبریٰ جو کہ پوری کائنات کے لیے اجتماعی قیامت ہے۔ وہ بھی اچانک ہی آئے گی اور کسی کو سنبھلنے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔ تو فرمایا کیا یہ لوگ قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ برپا ہو اور حساب کتاب اور جزائے عمل کی منزل آئے۔ جب وہ موقع آجائے گا تو پھر کفار و مشرکین کا کوئی عذر قابل سموع نہیں ہو گا۔ انسان

دار العمل سے نکل کر دار الجزا میں پہنچ چکے ہوں گے۔ اُس وقت لوگ دنیا میں واپس آنے، ایمان لانے اور نیک اعمال انجام دینے کی خواہش کریں گے۔ مگر کچھ شنوائی نہیں ہوگی اور ہر ایک کو اس کے اعتقاد و اعمال کا بھگتان کرنا ہوگا۔

فرمایا قیامت والے دن کیا ہوگا؟ اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اُس دن دنیا میں ایک دوسرے کے دوست دشمن بن جائیں گے۔ مشکل کے وقت کوئی ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکے گا بلکہ دوستی دشمنی میں بدل جائیگی اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ سوائے متقی اور پرہیزگار لوگوں کے کہ جن کی دوستی قیامت والے دن بھی قائم رہے گی۔

محبت کی چار قسمیں

شیخ ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ محبت کی چار قسمیں ہیں یعنی روحانی، قلبی، عقلی اور نفسانی۔ فرماتے ہیں کہ قیامت والے دن روحانی اور قلبی محبت تو قائم رہے گی جب کہ عقلی اور نفسانی محبت ختم ہو کر دشمنی میں تبدیل ہو جائے گی، فرماتے ہیں کہ جو روحیں عالمِ ارواح میں ایک دوسری کے ساتھ متعارف تھیں، وہ دنیا میں آکر بھی آپس میں محبت اور الفت کا سلوک ہی کریں گے، اور اُن کی یہ روحانی محبت برزخ اور آخرت تک قائم رہیگی۔ حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَۃٌ روحیں ایک لشکر ہیں، جو عالمِ ارواح میں متعارف تھیں، ان کے حاملین دنیا میں بھی آپس میں محبت کریں گے اور اُن کی دوستی عالمِ برزخ اور قیامت کے دن بھی قائم رہے گی، اِن میں انبیاء، اولیاء، صلحاء، اصفیاء اور شہداء کی روحیں شامل ہیں۔

فرمایا قلبی محبت اچھے اخلاق، اچھی سیرت، صحیح اعتقاد اور عمل صالح پر مبنی ہوتی ہے۔ جو ایماندار، نیک اور صالح آدمی محض اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ اُن کے پیشِ نظر کوئی دنیوی لالچ نہیں ہوتا اُن کی محبت میں بھی قیامت والے دن کوئی فرق نہیں آئے گا اور وہ اپنی جگہ قائم و دائم رہیگی۔

فرمایا تیسری محبت عقلی محبت ہے جس کا دارومدار امورِ معاش پر ہوتا ہے۔ اس محبت کا دارومدار کاروبار کی شراکت پر ہوتا ہے۔ لوگ ایک جگہ کام کرتے ہیں۔

کارخانے میں مزدور ہیں یا کسی دفتر میں فرائض انجام دیتے ہیں۔ باہم کھیتی باڑی کرتے ہیں یا مشترکہ تجارت کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ آپس میں محبت کرنے لگتے ہیں۔ فرمایا یہ عارضی محبت ہے اور قیامت والے دن دشمنی میں تبدیل ہو جائے گی۔

شیخ ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ چوتھی محبت نفسانی ہے۔ اس کی بنیاد خواہشات نفسانیہ پر ہوتی ہے۔ لوگ محض اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے دنیا میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں ایک دوسرے سے مفاد حاصل کرتے ہیں۔ اس میں میاں بیوی کی محبت آجاتی ہے، فساق و فجور کی باہمی محبت بھی محبت نفسانیہ ہوتی ہے۔ غرضیکہ ایسی محبت کی بنیاد نیکی پر نہیں، بلکہ ذاتی مفاد پر ہوتی ہے، لہٰذا ایسی محبت بھی قیامت والے دن دشمنی میں بدل جائے گی

شیخ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ تیسری اور چوتھی قسم کی محبت والے لوگ اکثریت میں ہیں۔ اور انہی کی دوستی قیامت کو دشمنی میں تبدیل ہو جائے گی۔ البتہ پہلی اور دوسری قسم کی محبت جو متقیوں میں پائی جاتی ہے، وہ وہاں بھی قائم رہے گی۔

مسند احمد شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے۔ اَیْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِیْ اُظِلُّھُمْ فِیْ ظِلِّیْ میری بزرگی کی وجہ سے محبت کرنے والے لوگ کہاں ہیں، وہ آئیں تاکہ میں انہیں اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دوں، جس دن میرے سایے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ یہ وہی ابرار اور صلحاء، انبیاء اور شہداء ہوں گے جنہوں نے مجموعی طور پر محض اللہ کی رضا کی خاطر ساری امت سے خیر خواہی کی یا ان کے لیے دعا کی۔

بیہقی شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ آپس میں اللہ کی عظمت اور نیکی کی خاطر محبت کرنے والے اگر مشرق و مغرب میں بھی ہوں گے تو قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اس محبت کی وجہ سے ان کو اکٹھا کر دے گا۔ الغرض! معاش اور نفسانی خواہشات پر مبنی محبت درست نہیں ہے، یہ قیامت والے دن دشمنی میں تبدیل ہو جائے گی۔ اور روحانی اور قلبی محبت رکھنے والے متقین قیامت والے دن کامیاب ہوں گے اور ان کی محبت وہاں بھی قائم رہے گی۔

درس یازدہم ۱۱ آیت ۶۸ تا ۷۶

یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾
اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ﴿۶۹﴾ اُدْخُلُوا
الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾ یُطَافُ
عَلَیْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَکْوَابٍ ۚ وَفِیْهَا
مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ ۚ وَاَنْتُمْ
فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَتِلْکَ الْجَنَّةُ الَّتِیْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا
بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾ لَکُمْ فِیْهَا فَاکِهَةٌ
کَثِیْرَةٌ مِّنْهَا تَاْکُلُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ
فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ
وَهُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ
وَلٰکِنْ کَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۷۶﴾

ترجمہ:- اے میرے بندو! نہیں خوف تم پر آج کے
دن اور نہ تم غمگین ہو گے ﴿۶۸﴾ وہ جو ایمان لائے ہماری
آیتوں پر، اور تھے وہ فرمانبردار ﴿۶۹﴾ (اللہ فرمائے گا)
داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں، تمہاری عزت
کی جائے گی ﴿۷۰﴾ پھیرے جائیں گے اُن پر پیالے سونے
کے اور گلاس۔ اور اُن (بہشتوں) میں وہ چیز ہو گی جس کو

چاہیں گے نفس۔ اور لطف اٹھائیں گی جن سے آنکھیں۔ اور تم اُن میں ہمیشہ رہنے والے ہو گے (۷۱) اور یہی ہے وہ جنت جس کا تمہیں وارث بنایا گیا ہے تمہارے کردہ اعمال کے عوض (۷۲) تمہارے لیے اِس (جنت) میں پھل ہوں گے بہت جن میں سے تم کھاؤ گے (۷۳) بیشک گنہگار لوگ جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے (۷۴) نہ ہلکا کیا جائے گا اُن سے اور وہ اُس میں مایوس ہوں گے (۷۵) اور نہیں ظلم کیا ہم نے اُن پر، مگر تھے وہ خود ہی ظلم کرنے والے (۷۶)

ربط آیات

پہلے اللہ تعالیٰ نے توحید کا ذکر اور ساتھ مشرکین کا ردّ فرمایا۔ پھر نبوت و رسالت کے سلسلہ میں پہلے موسیٰ علیہ السلام اور پھر عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر اور اُن کی بعثت کا مقصد واضح کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ مان کر جو لوگ شرک میں مبتلا ہوئے اُن کا انجام بیان فرمایا۔ پھر ایسے لوگوں کی ضد اور ہٹ دھرمی کے بارے میں فرمایا کہ کیا اب یہ قیامت کے منتظر ہیں جو اچانک آجائے گی اور اُن کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ اسوقت لوگ ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے اور ایک دوسرے کی صورت دیکھنا بھی پسند نہیں کریں گے۔ البتہ جو لوگ کفر، شرک، معاصی اور بدعقیدگی سے بچتے رہے، اُن کی دوستی قیامت والے دن بھی قائم رہیگی۔ وجہ یہ ہے کہ دنیا میں اُن کی دوستی معاش یا خواہشات نفسانیہ کی بنیاد پر نہیں تھی بلکہ محض رضائے الٰہی اور روحانی مناسبت کی وجہ سے تھی۔

جنت کی خوف و ... زندگی

اب آج کے درس میں پہلے اہلِ جنت کی زندگی اور اُن کو ملنے والے انعامات کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر گنہگاروں کی جہنم رسیدگی کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اے میرے بندو! آج کے دن تم پر خوف یا ڈر نہیں ہے۔ تم اپنے امتحان میں کامیاب ہو کر اللہ کی رحمت کے مقام

میں پہنچ چکے ہو۔ اب تمہیں مستقبل میں کسی جسمانی یا روحانی تکلیف کا کوئی خطرہ نہیں بلکہ تم ہمیشہ کے لیے امن و سکون، آرام و آسائش اور سرور و فرحت کی زندگی بسر کرو گے۔
دنیا کی زندگی میں انسان کتنا بھی خوشحال ہو مگر وہ مستقبل کے کسی نہ کسی خطرے میں ضرور پریشان ہوتا ہے۔ کسی نعمت کے چھن جانے کا خطرہ ہوتا ہے، کبھی صحت کی طرف سے پریشانی کہیں کسی مالی و جانی نقصان کا اندیشہ، جوانی اور پھر عمر ہی بیت جانے کی فکر وغیرہ بہت سی چیزیں ہوتی ہیں۔ جن کی وجہ سے انسان کسی نہ کسی وقت پریشان ہو جاتا ہے، مگر جو شخص جنت میں پہنچ گیا، وہ ہمیشہ کے لیے مامون ہو گیا۔ اُسے مستقبل کے کسی نقصان کا کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ فرمایا وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ اور نہ ہی تم غمگین ہو گے۔
خوف اور غم میں یہ فرق ہے کہ خوف کسی آنے والی مشکل کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے جب کہ غم کسی سابقہ کارکردگی کی بناء پر ہوتا ہے۔ فرمایا تمہاری سابقہ زندگی بھی چونکہ کفر، شرک اور معاصی سے پاک گزری ہوگی لہٰذا تمہیں اُس زندگی کے اعمال پر کوئی غم بھی نہیں ہوگا کہ فلاں غلط کام کیوں کیا۔ بہ خلاف اس کے جو لوگ دنیا کی زندگی میں کفر اور شرک میں مبتلا رہے، نفاق اور الحاد کی ظلمتوں میں بھٹکتے رہے، انہیں اُس زندگی پر غم اور افسوس ہوگا کہ انہوں نے اُس زندگی کو ضائع کر دیا۔ اور آخرت کے لیے کوئی توشہ تیار نہ کر سکے۔ الغرض! فرمایا کہ قیامت والے دن جن متقیوں کی دوستیاں قائم رہیں گی انہیں نہ تو مستقبل کا کوئی خوف ہوگا۔ اور نہ وہ سابقہ زندگی پر پشیمان ہوں گے۔
فرمایا یہ بشارت اُن لوگوں کے لیے ہے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے۔ آیات میں احکام، مسائل، دلائل، معجزات غرضیکہ تمام ایمانیات شامل ہیں۔ تو فرمایا خوف و غم سے مستثنیٰ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی ذات، اُس کی صفات، اس کے انبیاء، ملائکہ، کتب سماویہ، قیامت کے دن اور تقدیر پر ایمان لائے یعنی دل سے ان چیزوں پر یقین کیا اور زبان سے ان کا اقرار کیا۔ قلبی یقین کے ساتھ ساتھ زبانی اقرار بھی ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی۔ فرمایا ایک تو وہ ایمان لائے اور دوسری بات یہ کہ وَكَانُوْا

مُسْلِمِیْنَ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بھی تھے۔ اللہ کے ہر حکم کی اعضاء وجوارح سے تعمیل کرتے رہے، نیکی کو انجام دیتے رہے اور منہیات سے بچتے رہے۔ گویا یہ بشارت ایسے ہی لوگوں کے لیے ہے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ (حٰمٓ السجدۃ۔ ۳۰) جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اُس بات پر مستقیم رہے اُن پر رحمت کے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور خوشخبری دیتے ہیں کہ خوف نہ کھاؤ۔ اور غمگین نہ ہو، اور اُس جنت کی بشارت سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

پھر اُن سے کہا جائے گا۔ اُدْخُلُوا الْجَنَّۃَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ تم اور تمہاری بیویاں جنت میں داخل ہو جاؤ۔ جب کسی نیک آدمی کو جنت کی خوشخبری دی جائیگی تو اس کے ساتھ اس کی بیوی کو بھی ساتھ ہی جنت میں بھیج دیا جائے گا۔ اگرچہ اُس کے اعمال قدرے کم ہی کیوں نہ ہوں۔ مگر یہ اہلِ ایمان کی قدر دانی ہوگی کہ اُن کی بیویوں کو بھی اُن کے ساتھ مِلا دیا جائے گا۔ اس قسم کی خوشخبری سورۃ المومن میں بھی بیان ہوئی ہے۔ وہاں پر حاملینِ عرش فرشتوں کی دُعا مذکور ہے کہ وہ اہلِ ایمان کے لیے اس طرح دُعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! انہیں رہنے کے باغوں میں داخل فرما جن کا تو نے اُن سے وعدہ کر رکھا ہے۔ اور نہ صرف اُن کو بلکہ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِہِمْ وَاَزْوَاجِہِمْ وَذُرِّیّٰتِہِمْ (آیت۔ ۸) اُن کے آباؤ واجداد، بیویوں اور اولاد کو بھی جنہوں نے اچھے اعمال انجام دیے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم اور تمہاری بیویاں جنت میں داخل ہو جاؤ تُحْبَرُوْنَ تم سب کی عزت افزائی کی جائے گی۔ تمہارا احترام ہوگا، کسی قسم کی ذہنی یا جسمانی کوفت نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی کسی تذلیل و توہین کا خطرہ ہوگا۔

سونے چاندی کے برتن

آگے اللہ تعالیٰ نے جنت کی بعض نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جو اہلِ جنت کو حاصل ہوں گی۔ فرمایا یُطَافُ عَلَیْہِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَھَبٍ وَّاَکْوَابٍ پھیرے جائیں گے اُن پر سونے کے پیالے اور آبخورے۔ صحاف کے معنے رکابیاں، پیالے یا پلیٹیں ہیں اور اکواب مشروبات کے لیے استعمال ہونے

والے گلاس یا آبخورے کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اہلِ جنت کو سونے کے برتنوں میں خورد و نوش کی اشیاء پیش کی جائیں گی۔ تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر اعلیٰ درجے کے جنتی کے لیے سات لاکھ تک خدام ہوں گے جو اُس کی خدمت اور اشیاء کی فراہمی کے لیے ہمہ وقت مستعد ہوں گے اور پھر یہ بھی ہے کہ ہر برتن میں کھانا پینا مختلف رنگوں اور مختلف ذائقوں پر مشتمل ہوگا جس سے جنتی لوگ مستفید ہوں گے۔ روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ ہر برتن میں جنتی کی خواہش کے مطابق چیز موجود ہوگی۔ یہاں بھی فرمایا ہے۔ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ سونے کے برتنوں میں ہر وہ چیز ہوگی جس کو نفس چاہیں گے۔ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ اور جس سے آنکھیں لطف اندوز ہوں گی۔ یعنی وہ مناظر بھی جنت میں موجود ہوں گے جن سے انسان کی آنکھیں سرور حاصل کرتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ نہایت ہی حسین منظر ہونگے کیونکہ بُرے منظر سے تو آنکھیں خوش نہیں ہوتیں۔ غرضیکہ جنت میں اہلِ جنت کے لیے ہر وہ نعمت میسر ہوگی جس کے ذریعے انسان کے طبعی تقاضے پورے ہوتے ہوں یا جو قلب کی خوشی و مسرت کا باعث بن سکتے ہوں فرمایا وَأَنتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ اے ایمان والو! تم رحمت کے اس مقام میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہو گے اور وہاں سے کبھی نکالے نہیں جاؤ گے۔

مسلم شریف میں حضرت حذیفہؓ کا واقعہ آتا ہے کہ آپ نے ایران کے سفر کے دوران کسی مجوسی سے پانی طلب کیا تو اُس نے چاندی کے آبخورے میں پانی پیش کیا۔ آپ نے پینے سے انکار کر دیا اور دوبارہ پانی طلب کیا۔ وہ پھر چاندی کے برتن میں پانی لایا کیونکہ اُن کا طریقہ تھا کہ وہ بڑے آدمیوں کو سونے چاندی کے برتنوں میں اشیائے خورد و نوش پیش کرتے تھے حضرت حذیفہؓ نے پانی کا وہ برتن پھینک دیا کہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے لا تشربوا فی آنیة الذهب والفضة ولا تاکلوا فی صحافها فان لهم فی الدنیا ولکم فی الآخرة اے ایمان والو! سونے چاندی کے

برتنوں میں مت کھاؤ پیو، کیونکہ یہ دنیا میں کافروں کے لیے ہیں اور آخرت میں ہمارے لیے ہیں۔ آخرت میں کافر ان سے محروم رہیں گے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان یہ بھی ہے کہ جو آدمی سونے چاندی کے برتن میں پانی پیتا ہے فانما یجرجر فی بطنہ نار جہنم وہ ایسا شخص اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ ڈالتا ہے۔

سونے چاندی کے زیورات کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ سونا مرد کے لیے تو قطعاً حرام ہے البتہ وہ ایک مثقال (ساڑھے تین ماشے) تک چاندی کی انگوٹھی پہن سکتا ہے۔ تاہم عورت کے لیے سونے چاندی کے زیورات پہننا جائز ہے۔

جہاں تک سونے چاندی کے برتن استعمال کرنے کا سوال ہے تو فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ مرد اور عورت دونوں کے لیے ممنوع ہیں۔ بعض اوقات لکڑی یا کسی دیگر دھات کا بنا ہوا برتن ٹوٹ جائے تو اس کو جوڑنے کے لیے سونے یا چاندی کا ٹانکہ لگا دیا جاتا ہے یا سونے چاندی کی تار سے باندھ دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں امام مالکؒ ایسے برتن کے استعمال کو بھی ناپسند کرتے ہیں، البتہ دوسرے فقہائے کرام ایسے برتن کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت انسؓ کے پاس ایک لکڑی کا پیالہ تھا جو ٹوٹ گیا تو اس کو سونے یا چاندی کا پترا لگا کر جوڑ دیا گیا تھا۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس پیالے میں حضور علیہ السلام کو ہر قسم کے مشروب پلائے ہیں۔ اس سے یہ جواز بھی نکلتا ہے کہ اگر کسی شخص کا دانت ٹوٹ جائے تو اس کو سونے یا چاندی کے تار کے ساتھ جوڑا جا سکتا ہے۔ ایک صحابی کی ناک کسی جنگ میں کٹ گئی تھی۔ پہلے اس کو چاندی کے ساتھ جوڑا گیا تو بدبو دیتی تھی۔ پھر سونے کی ناک لگائی گئی تو کام دے گئی۔ بہرحال سونے چاندی کا اس قسم کا استعمال تو روا ہے مگر سونے چاندی کے برتن استعمال کرنے کی قطعی ممانعت ہے۔

اس سے یہ مسئلہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ جب سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال روا نہیں تو ان کو اپنے پاس رکھنا بھی درست نہیں۔ ایسے برتن کو یا تو خیرات کر دینا

چاہیئے یا کسی دوسری جنس میں تبدیل کر لینا چاہیئے۔ یہی حکم تصویر، مجسمہ یا صنم کے لیے بھی ہے۔ ریشم کے متعلق حکم یہ ہے کہ اصلی ریشم جو کیڑے کی ڈوڈی سے نکالا جاتا ہے وہ مردوں کے لیے ناجائز اور عورتوں کے لیے جائز ہے۔ البتہ جنت میں ریشم کا لباس مرد و زن سب کے لیے ہوگا۔ کیونکہ اللہ کا فرمان ہے وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ (فاطر-۳۳) جنت میں جنتیوں کو خالص ریشم کا لباس پہنایا جائے گا۔

من پسند اشیاء

فرمایا کہ جنت میں ہر من پسند چیز میسر ہوگی۔ ہر جنتی کی ہر جائز خواہش پوری کی جائیگی۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ جنت میں کوئی بری خواہش پیدا ہی نہیں ہوگی، لہذا انسان کی ہر خواہش پوری ہوگی۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک دیہاتی نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ میں اونٹوں کو بہت پسند کرتا ہوں، کیا مجھے یہ جانور جنت میں بھی میسر ہوں گے؟ آپ نے فرمایا، ہاں! تمہاری یہ خواہش پوری کی جائیگی۔ اسی طرح ایک شخص نے عرض کیا، حضور! مجھے کھیتی باڑی کا بڑا شوق ہے، کیا میں یہ شوق جنت میں بھی پورا کر سکوں گا؟ فرمایا جو بھی کوئی شخص کاشتکاری کی خواہش کا اظہار کرے گا۔ تو اس کے سامنے فوراً زمین تیار کی جائیگی، اس میں تخم ریزی ہوگی، فصل اُگ کر بڑی ہوگی اور پک کر تیار ہو جائیگی، پھر دیکھتے ہی دیکھتے فصل کو کاٹ کر اناج کے ڈھیر لگا دیے جائیں گے اور اس طرح تمہاری یہ خواہش بھی پوری ہو جائے گی۔ وہاں کسی موسم یا بارش کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ بلکہ سارا عمل آناً فاناً مکمل ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے ابن آدم! تمہاری یہ خواہش بھی پوری کر دی گئی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک صحابی سے فرمایا کہ اصل چیز جنت کا داخلہ ہے اگر وہ تمہیں میسر آگیا تو پھر تمہاری ہر خواہش پوری ہوگی۔ اگر چاہو گے تو یاقوت کے گھوڑے پر سوار ہو کر جہاں چاہو گے جا سکو گے۔ وہ تمہیں نہایت تیز رفتاری کے ساتھ اڑا لے جائے گا حتیٰ کہ لاکھوں میل کا فاصلہ طے کر لو گے مگر نہ کوئی تھکاوٹ اور نہ کسی حادثے کا خطرہ ہوگا۔

جنت کی وراثت

ارشاد ہوتا ہے وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ اُوْرِثْتُمُوْهَا یہی ہے وہ جنت جو تم کو وراثت میں دی گئی ہے بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اُن اعمال کے بدلے میں جو تم انجام دیتے تھے اگرچہ جنت میں داخلہ ایمان کی بنیاد پر ہوگا لیکن ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کا ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ درجہ اور مرتبہ تو اعمال کی وجہ سے ہی حاصل ہوگا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی کامیابی کا ذکر کیا ہے۔ وہاں اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (البینۃ - ۷) کی شرط لگائی ہے۔ اور جنت کی وراثت کا مطلب یہ ہے کہ یہ بنی نوع انسان کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کی میراث ہے جنہیں اولاً جنت میں رکھا گیا اور پھر زمین پر اُتار دیا گیا۔ آپ کو آدم علیہ السلام کی یہ میراث ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے ملے گی۔

فرمایا اُس جنت میں لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ تمہارے لیے بہت سے پھل ہوں گے مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ جن میں سے تم کھاؤ گے۔ یہ پھل سدا بہار رہوں گے اور کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ جونہی کسی درخت سے کوئی پھل توڑا جائے گا، اُس کی جگہ فوراً دوسرا پھل آجائے گا اور اس طرح یہ لامتناہی سلسلہ جاری رہے گا۔ جب کوئی جنتی کسی پھل کی خواہش کرے گا، درخت جھک کر اُس کے قریب آجائے گا اور وہ اسے آسانی کے ساتھ توڑ کر کھالے گا۔

گنہگاروں کا انجام

ترغیب کے بعد اب اگلی آیت میں ترہیب کو بھی بیان کیا ہے اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ بے شک مجرم اور گنہگار لوگ جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں کفر، شرک، نفاق اور الحاد کا شیوہ اختیار کیا اور کبائر و صغائر کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اُن کے لیے سخت عذاب ہوگا لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ جو ان سے ہلکا بھی نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ متواتر تیزی میں رہے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ کہ وہ اس عذاب میں آس توڑ بیٹھیں گے یعنی مایوس ہو جائیں گے کہ اب یہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ سورۃ الشوریٰ میں گزر چکا ہے کہ جب ظالم لوگ

عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّن سَبِيلٍ ۔ (آیت ۔۴۴) تو کہیں گے کیا یہاں سے نکلنے کی کوئی صورت ہے؟ مگر وہ جہنم سے خروج کا کوئی راستہ نہیں پائیں گے۔

فرمایا وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ ہم نے اہلِ دوزخ پہ کوئی زیادتی نہیں کی۔ ہم نے تو دنیا میں اُن کو راہبت کے تمام سامان مہیا کیے۔ اس کے ساتھ عقل و شعور دیا، انبیاء اور کتب بھیجیں، مبلغ اور منذر آئے اور اس طرح ہدایت کے تمام ذرائع مہیا کیے مگر انہوں نے کفر و شرک کا راستہ پکڑا، لہٰذا ہم نے اِن کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی۔ وَلَٰكِن كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ بلکہ یہ خود ہی ظالم اور بے انصاف تھے۔ انہوں نے اپنے اختیار اور ارادے سے غلط راستہ اختیار کیا۔ اور اس طرح جہنم میں پہنچ گئے ہم نے تو ان پہ بالکل ظلم نہیں کیا۔

درس دوازدہم ۱۲ آیت ۷۷ تا ۸۲

وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ
مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ
لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾
اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ
بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾ قُلْ اِنْ
كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ سُبْحٰنَ
رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا
يَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى
يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ :- اور پکاریں گے (دوزخ والے، اور کہیں گے) اے مالک ! چاہیئے کہ فیصلہ کر دے ہم پر تمھارا پروردگار۔ وہ کہے گا بیشک تم رہنے والے ہو (اسی مقام میں) ﴿۷۷﴾ البتہ تحقیق لائے ہیں ہم تمھارے پاس حق، لیکن اکثر تم میں سے حق کو ناپسند کرنے والے ہیں ﴿۷۸﴾ کیا انہوں نے پختہ بات ٹھہرائی ہے ؟ پس بے شک ہم بھی ٹھہرانے والے ہیں پختہ بات ﴿۷۹﴾ کیا یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نہیں سنتے ان کی پوشیدہ بات اور سرگوشی کو ؟ کیوں نہیں، اور ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اُن کے پاس لکھتے ہیں (اُن کی

باتوں کو) آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) اگر ہو رحمان کے
لیے اولاد، پس میں سب سے پہلے عبادت کرنے والا
ہوں (۸۱) پاک ہے پروردگار آسمانوں اور زمین کا جو رب
ہے عرش کا، اُن چیزوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے
ہیں (۸۲) پس چھوڑ دیں اِن کو، گھستے رہیں (غلط باتوں میں)
اور کھیلتے رہیں حتیٰ کہ جا ملیں اپنے اس دِن سے جس کا
اِن سے وعدہ کیا جاتا ہے (۸۳)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو ملنے والی بعض نعمتوں کا ذکر فرمایا۔ پھر مجرموں کے متعلق فرمایا کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور اُن سے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی۔ گنہگار مایوس ہوجائیں گے کہ اب اس عذاب سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی بلکہ انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا تو اس انجام کو پہنچے۔ ہم نے تو اُن کے لیے ہدایت کے تمام سامان مہیا کر دیے تھے مگر خود انہوں نے توحید کا انکار اور معاد پر یقین نہ لا کر اپنی عاقبت کو خراب کر لیا۔ اس طرح اللہ نے اُن لوگوں کی تھوڑی سی کیفیت بیان کر دی۔

داروغہ جہنم سے درخواست

اب آج کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ دوزخ کی بے قراری کا کچھ حال بیان کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ دوزخی لوگ جہنم کے داروغہ مالک کو پکاریں گے، اے مالک لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ اپنے پروردگار سے درخواست کرو کہ وہ ہمارا فیصلہ ہی کر دے۔ فیصلہ سے مراد موت ہے۔ کہیں گے کہ ہم سخت تکلیف میں ہیں، اگر اللہ تعالیٰ ہمارے اس عذاب میں تخفیف نہیں کرتا تو پھر ہمیں موت ہی دے دے تاکہ ہم اس عذاب سے تو چھوٹ جائیں۔ دنیا میں بھی بعض اوقات انسان بیماری یا کسی دوسری مصیبت سے تنگ آ کر خودکشی کر لیتا ہے کہ اسے مصیبت سے نجات مل جائے۔ تو دوزخ والے بھی عذاب سے

تنگ آکر موت کی تمنا کریں گے۔ مگر وہاں موت بھی نہیں آئے گی۔ اللہ نے سورۃ طٰہٰ میں مجرم کی جہنم میں حالت یہ بیان فرمائی ہے لَا یَمُوْتُ فِیْھَا وَلَا یَحْیٰی (آیت ۷۴) نہ وہاں موت آئیگی اور نہ ہی زندگی کی کوئی سہولت ہوگی، بلکہ وہاں تو تکلیف ہی تکلیف ہوگی جس سے تنگ آکر دوزخ والے موت کی تمنا کریں گے، مگر وہ بھی نہیں آئیگی۔ اہل دوزخ کی اس قسم کی پکار کا ذکر سورۃ الاعراف میں بھی بیان ہوا ہے۔ اہل دوزخ اہل جنت سے درخواست کریں گے اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ ؕ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَھُمَا عَلَی الْکٰفِرِیْنَ (آیت ۵۰) ہمیں ایک گھونٹ پانی یا جو کچھ اللہ نے تمہیں روزی دی ہے اس میں سے ہمیں بھی کچھ دے دو، مگر آگے سے جواب آئے گا کہ اللہ نے یہ اشیاء کافروں پر حرام کردی ہیں، لہٰذا تمہیں ان نعمتوں میں سے کچھ نہیں مل سکتا۔

اس آیت کریمہ میں دوزخ کے فرشتے کا نام مالک ذکر کیا گیا ہے سورۃ المدثر میں ہے عَلَیْھَا تِسْعَۃَ عَشَرَ (آیت ۳۰) دوزخ پر انیس فرشتے مقرر ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مالک نامی فرشتہ ان سب کا نگران ہوگا۔ جس سے دوزخ والے درخواست کریں گے کہ اپنے پروردگار سے کہو کہ وہ ہمارا فیصلہ ہی کردے یعنی ہمیں موت ہی دے دے مگر قَالَ اِنَّکُمْ مّٰکِثُوْنَ وہ کہے گا۔ بیشک تم اسی مقام میں رہنے والے ہو یعنی تمہاری درخواست قبول نہیں کی جائیگی۔ تم نہ تو یہاں سے نکل سکو گے اور نہ ہی تمہیں موت آئے گی بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہیں رہنا ہوگا۔ اللہ نے اسی قسم کی ایک حالت کا ذکر سورۃ فاطر میں بھی کیا ہے۔ فرمایا کافروں کے لیے جہنم کی آگ ہوگی۔ وَھُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْھَا رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ کُنَّا نَعْمَلُ (آیت ۳۷) وہ اس میں چیخیں چلائیں گے کہ پروردگار ہمیں یہاں سے نکال لے۔ اب ہم اچھے اعمال انجام دیں گے، مگر جواب آئے گا آج ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں تمہیں یہیں رہنا ہوگا۔ اہل دوزخ کی اس قسم کی ایک درخواست کے جواب میں

اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ قَالَ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ (المومنون - ۱۰۸) ذلیل ہو کہ دوزخ میں پڑے رہو اور میرے ساتھ کلام بھی نہ کرو، میں تمہارا کوئی عذر سننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

امام ترمذیؒ نے بعض تابعین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ کافر لوگ دوزخ میں ایک ہزار برس تک چیختے چلاتے رہیں گے کہ ہمیں کچھ راحت مل جائے۔ عذاب میں تخفیف ہو جائے یا پھر موت ہی آجائے مگر کچھ جواب نہیں آئے گا۔ پھر ایک ہزار سال کے بعد یہ جواب آئے گا کہ ذلیل ہو کر یہیں دوزخ میں پڑے رہو اور میرے ساتھ کلام بھی نہ کرو۔ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ بے شک ہم تمہارے پاس سچا دین لائے ہیں جو صحیح اصولوں پر قائم و دائم ہے اور جس میں انسانیت کی فلاح کا پروگرام موجود ہے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ مگر تم میں سے اکثر لوگ حق کو ناپسند کرنے والے ہیں۔ فرمایا لوگوں نے دنیا میں خود ساختہ دین بنا رکھا تھا، قوم، برادری اور ملکی رسم و رواج پر چلتے رہے، حق کا تمسخر اڑاتے رہے اور آج جب گرفت میں آگئے ہیں تو یہاں سے نکلنا چاہتے ہیں۔ یا موت کے متلاشی ہیں۔ آج ان کی بات نہیں سنی جائیگی بلکہ انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہاں دوزخ میں رہنا ہوگا۔

مشرکین سے مقابلہ

آگے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا رد فرمایا ہے۔ دنیا میں کافر و مشرک ہمیشہ دین حق کی مخالفت کرتے ہیں۔ مکے اور عرب کے کافروں اور مشرکوں نے بھی دین حق کو مغلوب کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ اللہ نے اسی بات کا ذکر فرمایا ہے اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا کیا انہوں نے کوئی پختہ چیز مقرر کی ہے، کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیا ہے، تو پھر سن لیں فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ہم نے بھی پختہ ارادہ کر لیا ہے اور ان کی ہر تدبیر کو ناکام بنانے پر تل گئے ہیں۔ کفار و مشرکین حضور علیہ السلام اور دین اسلام کے خلاف طرح طرح کے منصوبے بناتے تھے، سازشیں کرتے تھے۔ مگر اللہ نے فرمایا۔ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ (الانفال ۳۰)

یہ لوگ بھی پوشیدہ تدبیریں کرتے ہیں اور ہم بھی کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ہی بہترین تدبیر کنندہ ہے، اسی کی تدبیر غالب آئیگی۔ چنانچہ اللہ نے کافروں کے سارے منصوبے ناکام بنادیے اور وہ اسلام کا راستہ نہ روک سکے۔

اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ سے مکے کے کافر اور مشرک سخت نالاں تھے بالآخر انہوں نے بیٹھ کر یہ فیصلہ کیا کہ دین اسلام کو پھیلنے سے روکنے کے لیے دونوں طریقے استعمال کرو۔ پہلی بات یہ ہے کہ جو شخص اس طرف رجوع کرنے کی کوشش کرے اس پر تشدد کرو۔ تاکہ وہ اسلام کا خیال چھوڑ دے۔ اور اگر اس طریقے سے کام بنتا نظر نہ آئے تو لالچ دے کر بھی دین سے روکنے کی کوشش کرو۔ چنانچہ شاہ عبدالقادرؒ کے الفاظ میں کافروں نے مل کر مشورہ کیا کہ تمہارے غافل ہونے کی وجہ سے اس نبی کی بات بڑھی ہے، آئندہ جو شخص اس دین میں آئے اس کے رشتہ دار والے کو مار مار کر اس شخص کو اپنے پرانے دین میں واپس آنے پر مجبور کر دیں، جو اجنبی شخص شہر میں آئے اُسے بتا دو کہ وہ اس نبی کے پاس نہ بیٹھے۔ اس فیصلے کے مطابق جب پتہ چلتا کہ کسی کا رشتہ دار اسلام کی طرف راغب ہے تو اُس کو سخت تکالیف پہنچائی جاتیں۔ حضرت عثمانؓ کو اُن کے چچا نے بڑی تکلیف پہنچائی، کسی کے بھائی کو مارا، کسی کے ماموں کو تکلیف دی۔ چنانچہ مکے کے رہنے والے برادری کے اعتبار سے تشدد کرتے تھے۔ اور اگر کوئی شخص باہر سے آتا تو اُس کو نبی علیہ السلام کے خلاف اکساتے اور پراپیگنڈا کرتے کہ یہ شخص دیوانہ ہے، اُلٹی سیدھی باتیں کہتا ہے لہذا اس کے قریب نہ جانا۔

اعشیٰ عرب کا مشہور شاعر تھا جو صناجۃ العرب یعنی عرب کا باجا کہلاتا تھا۔ بڑے اثر و رسوخ کا مالک تھا، جونہی کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف کوئی شعر کہہ دیا فوراً مشہور ہو جاتا اور لوگ اُس کی بات پر یقین کر لیتے۔ بعض کتابوں میں ہے کہ یہ شخص مکہ آیا اور اُس نے حضور علیہ السلام سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس سے ابوجہل اور اس کی پارٹی کو سخت تشویش پیدا ہوئی کہ اگر یہ شخص محمد سے متاثر ہو گیا

تو پھر سارا عرب پیچھے لگ جائے گا اور اسلام کا راستہ روکنا مشکل ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے اعشیٰ شاعر کو اناج سے لدے ہوئے سو اونٹ محض اس لیے دیئے کہ وہ حضور علیہ السلام سے ملاقات نہ کر سکے۔ کہتے ہیں کہ یہ شخص اناج لے کر واپس جا رہا تھا کہ راستے میں اونٹ سے گرا، گردن ٹوٹ گئی اور وہیں مر گیا۔ بہر حال مشرکین مکہ نے لالچ دے کر اعشیٰ کو حضور علیہ السلام سے دور رکھا۔

حضرت ضمادؓ پہلی زندگی میں کاہن اور مشہور معالج تھے۔ انہوں نے بھی نبی علیہ السلام سے ملنا چاہا۔ لوگوں نے روکنا چاہا، مگر اس نے کہا کہ اگر بقول تمہارے یہ شخص دیوانہ ہے تو میں اس کا شافی علاج کر دوں گا۔ چنانچہ مسلم شریف کی روایت کے مطابق جب حضرت ضمادؓ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اُن کے سامنے وہی خطبہ ارشاد فرمایا جو آپ عام طور پر جمعہ میں سنتے رہتے ہیں اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِینُہٗ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَمَّا بَعْدُ جونہی آپ نے یہ خطبہ سنا، بس گرویدہ ہو گیا۔ علاج کرنے کے لیے آیا تھا مگر اپنا علاج کروا بیٹھا۔ کہنے لگا لوگ غلط کہتے ہیں کہ یہ شخص مجنون ہے۔ اس کی زبان سے تو اللہ نے وہ کلام جاری کیا ہے جس کا اثر سمندر کی گہرائیوں تک پہنچتا ہے۔ بہر حال حضرت ضمادؓ اسی مجلس میں مسلمان ہو گئے۔

دین حق سے روکنے کی کوشش گذشتہ ادوار میں بھی ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے متعلق بھی سورۃ الاعراف میں موجود ہے کہ وہ لوگ راستوں پر بیٹھ کر ڈاکے ڈالتے تھے وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (آیت - ۸۶) اور دوسرا کام یہ کرتے تھے کہ اللہ کے راستے سے روکتے تھے۔ اُن کا طریقہ بھی یہی تھا۔ کہ کبھی تشدد کے ذریعے روکتے اور کبھی لالچ کے ذریعے۔

دورِ حاضر کے متشددین

اہلِ حق پر تشدد کرنے والے ہر زمانے میں رہے ہیں اور آج بھی دنیا میں موجود

ہیں، روسی، چینی، ویٹ نامی اشتراکی تشدد کے ذریعے اسلام کا راستہ روک رہے ہیں۔ روسی اور چینی مسلمانوں پر اقتصادی اصلاحات کے نام پر بڑا تشدد کیا گیا۔ انہیں نماز ادا کرنے سے اور قرآن کی تلاوت سے زبردستی روکا گیا حتیٰ کہ مسلمانوں نے اپنی مذہبی کتب تہ خانوں میں چھپالیں اور اپنے مذہبی شعائر چھپ چھپا کر ادا کرنے لگے اب تو کچھ نرمی ہوگئی ہے۔ وگرنہ سٹالن وغیرہ نے تو مذہب اختیار کرنے والوں کو جان سے مار دینے کا حکم دے رکھا تھا، دوسری جنگ عظیم کے دوران سٹالن نے چار چار ہزار آدمیوں کو قتل کرنے کے بعد ناشتہ کیا۔ مسجدوں اور دیگر عبادت خانوں کو مسمار کر دیا گیا۔ بھارت میں ہندو بھی اسی ڈگر پر چل رہے ہیں۔ اب تک بابری مسجد کے تنازعہ میں سینکڑوں آدمی ہلاک ہو چکے ہیں۔ یہی کام عیسائی مشنریاں انجام دے رہی ہیں۔ وہ کتابیں شائع کر کے مسلمانوں کو عیسائی بناتے ہیں۔ سکولوں، کالجوں اور ہسپتالوں کے ذریعے ایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ لوگ لالچ میں آکر عیسائیت اختیار کر لیتے ہیں۔ عیسائیوں کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ اسلام کے خلاف اس قدر پراپیگنڈا کرو کہ اگر وہ عیسائی نہ بھی بن سکیں تو کم از کم مسلمان بھی نہ رہیں۔

فلسطین کے مسلمان جس بربریت کا شکار ہو رہے ہیں۔ وہ ساری دنیا پر عیاں ہے۔ بچوں اور عورتوں پر تشدد کیا جاتا ہے۔ بیچارے گھر بار چھوڑ کر کیمپوں کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ فلپائن کے مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں انہیں مورو یعنی قزاق مسلمان کہا جاتا ہے۔ وہ بیچارے اکثریتی صوبوں میں اپنا حق مانگتے ہیں مگر ان پر جبر کیا جاتا ہے۔ قبرص میں ترک مسلمانوں پر سخت تشدد کیا جا رہا ہے ۱۹۶۱ء میں چالیس ہزار ترک قبرصیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اب وہ ملک کے ایک کونے میں پناہ گزین ہو چکے ہیں اور بنیادی ضروریات زندگی سے بھی محروم ہیں۔ کافر طاقتیں دنیا بھر میں مسلمانوں کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتیں بلکہ انہیں تشدد کے ذریعے مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مگر اللہ کا پختہ وعدہ ہے سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ (القمر۔ ۴۵) عنقریب یہ طاغوتی

طاقتیں شکست کھا جائیں گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ بعد اللہ کا وعدہ پورا ہوا۔ اسلام کو سینکڑوں سال تک غلبہ رہا۔ ترک مسلمانوں نے چارسو سال تک اسلام کا دفاع کیا۔ پھر جب یہ سازشوں کا شکار ہونے لگے تو ان میں کمزوری آگئی، انگریزوں کو غلبہ حاصل ہوگیا تو انہوں نے مسلمان سلطنتوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ اُن کو علم سے محروم کر دیا اور مذہب سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی۔

فرمایا اگر انہوں نے کوئی مخفی تدبیر کی ہے اور اسلام کے خلاف سازشوں کا جال پھیلایا ہے تو ہم تدبیر کرنے والے ہیں۔ اَمْ يَحْسَبُونَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ کیا یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم اِن کی پوشیدہ باتوں اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے۔ فرمایا بَلٰى کیوں نہیں؟ ہم اُن کے متعلق سب کچھ سنتے اور سب کچھ جانتے ہیں وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اُن کی تمام پوشیدہ تدبیروں کو لکھتے رہتے ہیں۔ ہمارے کراماً کاتبین اِن کی ہر چیز نوٹ کر رہے ہیں اور یہ ساری مثل قیامت والے دن ہمارے سامنے پیش ہوگی اور پھر اُن کے متعلق آخری فیصلے ہوں گے۔

خدا تعالیٰ کے لیے اولاد کی تجویز

اللہ نے ارشاد فرمایا قُلْ اے پیغمبر! ابنیت کا عقیدہ رکھنے والے اُن کافروں اور اہلِ کتاب سے کہہ دیں۔ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ اگر خدائے رحمان کی کوئی اولاد ہوتی فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ تو میں سب سے پہلے عبادت گزار ہوتا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ میں تو سب سے پہلے اللہ کی وحدانیت کو ماننے والا ہوں، لہٰذا میں تمہاری اس بات کو نہیں مانتا کہ خدا تعالیٰ کی کوئی اولاد ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہاں پہ اِنْ نافیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں، نہ حقیقی اور نہ مجازی، لہٰذا میں خدا تعالیٰ کا اولین عبادت گزار ہوں۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت قتادہؒ نے یہی مطلب بیان کیا ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ عبد کا ایک معنیٰ انکار کرنا بھی ہوتا ہے اس لحاظ

سے ترجمہ یہ ہوگا کہ اگر خدائے رحمان کی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں اس کا انکار کرتا۔ وجہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی اولاد تسلیم کر لی جائے تو پھر اس کو قدیم کی بجائے حادث ماننا پڑے گا، اور یہی چیز اس کی صفاتِ عالیہ کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ ازلی اور ابدی ہے اولاد ہونا مخلوق کی صفت ہے جو کہ کمزوری پر دلالت کرتی ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے نقص، عیب اور کمزوری سے پاک ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ بات بطور فرض کرنے کے کہی گئی ہے۔ کہ اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے فرما دیں کہ فرض کر لو اگر خدائے رحمان کی کوئی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اس کی تعظیم و تکریم کرنے کے لیے تیار ہوتا، مگر یہ چیز محال ہے۔ نہ خدا تعالیٰ کی کوئی اولاد ہے اور نہ میں اس کی تعظیم کے لیے تیار ہوں، غرضیکہ فرمایا سُبۡحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ پاک ہے آسمانوں اور زمین کا رب رَبِّ الۡعَرۡشِ جو عرشِ عظیم کا بھی رب ہے۔ وہ پاک اور منزہ ہے عَمَّا یَصِفُوۡنَ اُن چیزوں سے جن کو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ یہ عزیر علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کے فرزند بناتے ہیں، فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں، یہ غلط کہتے ہیں۔ فَتَعٰلَی اللّٰہُ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ (الاعراف - ۱۹۰) اللہ تعالیٰ کی ذات ان کے شرک سے بالکل پاک ہے۔

فرمایا فَذَرۡهُمۡ یَخُوۡضُوۡا ان کو چھوڑ دیں اور باطل چیزوں میں گھسنے دیں یہ لوگ شرکیہ اور کفریہ عقائد میں ہی پھنسے رہیں وَیَلۡعَبُوۡا اور کھیل کود میں لگے رہیں حَتّٰی یُلٰقُوۡا یَوۡمَهُمُ الَّذِیۡ یُوۡعَدُوۡنَ یہاں تک یہ اُس دن سے جا ملیں جس کا اُن سے وعدہ کیا گیا ہے اور وہ دِن قیامت کا دن ہے جب ان کو اللہ کی بارگاہ میں پیش ہو کر اپنے عقیدہ و عمل کی جواب دہی کرنا ہو گی۔ سورۃ الانبیاء میں فرمایا وَعۡدًا عَلَیۡنَا ؕ اِنَّا کُنَّا فٰعِلِیۡنَ (آیت - ۱۰۴) ہمارا یہ وعدہ ہے جسے ہم ضرور پورا کر کے رہیں گے اور انہیں اپنے اعمال کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

درس سیزدہم ۱۳ — آیت ۸۴ تا ۸۹

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ۚ وَهُوَ
الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿٨٤﴾ وَتَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهُ عِلْمُ
السَّاعَةِ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٥﴾ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ
يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ
بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٨٦﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ
مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٨٧﴾
وَقِيلِهِ يَا رَبِّ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾ ع
فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٨٩﴾ ع ۲۲/۱۳/۷

ترجمہ:- اور وہ وہی ذات ہے آسمان میں معبود اور زمین میں
معبود ۔ اور وہ حکمت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ﴿٨٤﴾
اور بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس کے لیے ہے بادشاہی
آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے ۔ اور
اُسی کے پاس ہے قیامت کا علم ۔ اور اُسی کی طرف تم
لوٹائے جاؤ گے ﴿٨٥﴾ اور نہیں مالک وہ لوگ جن کو یہ
پکارتے ہیں اللہ کے سوا ، سفارش کے ، ماسوائے اُس کے
کہ جس نے گواہی دی حق کی ، اور وہ جانتے ہیں ﴿٨٦﴾ اور

اگر آپ اِن سے سوال کریں کہ کس نے اُن کو پیدا کیا ہے تو یقیناً کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔ پس یہ کدھر پھیرے جاتے ہیں ﴿۸۷﴾ اور قسم ہے رسول کی اُس بات کی کہ اے پروردگار! بیشک یہ لوگ ایسے ہیں جو ایمان نہیں لاتے ﴿۸۸﴾ پس آپ درگزر کریں ان سے اور کہیں سلام، پس عنقریب یہ جان لیں گے ﴿۸۹﴾

ربط آیات

اس سورۃ مبارکہ میں جس قدر مضامین بیان ہوئے ہیں اُن کا اعادہ سورۃ کے آخر میں کیا جا رہا ہے۔ مکی سورۃ ہونے کے ناطے اِس میں توحید، اُس کے عقلی اور نقلی دلائل، شرک کا ابطال، مشرکین کا رد، رسالت و نبوت، معاد اور جزائے عمل جیسے مضمون آئے ہیں۔ اس کے علاوہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون بھی آیا ہے۔ اب انہی مضامین کا خلاصہ سورۃ کے آخر میں بیان کیا جا رہا ہے۔

مسئلہ توحید

آج کے درس میں پہلے توحید کا مسئلہ بیان ہوا ہے وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ اور وہ وہی ذات ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے یعنی اُس کے سوا ارض و سما میں کوئی معبود نہیں۔ الوہیت کا مالک صرف وہی ہے۔ آسمانی مخلوق میں فرشتے ہیں۔ اُن کو بھی الوہیت کا درجہ حاصل نہیں ہے۔ یا پھر آسمانی کُرّے سورج، چاند اور دیگر سیارے اور ستارے ہیں، مگر ان میں سے کوئی بھی معبود نہیں ہے، زمین میں انسان، جن، چرند، پرند، شجر و حجر ہیں مگر کوئی بھی مستحق عبادت نہیں۔ یہ سب مخلوق ہیں جب کہ لائق عبادت خالق ہی ہو سکتا ہے۔ مشرک لوگ فرشتوں، ستاروں اور سیاروں کو الٰہ مانتے ہیں۔ خود انسان فرشتوں اور جنات کی پوجا کرتے ہیں، کبھی سیاروں ستاروں اور حجر و شجر میں کرشمہ مانتے ہیں۔ کبھی زندوں اور کبھی قبر والوں کے سامنے نذر و نیاز پیش کرتے اور کبھی اُن کے سامنے سربسجدہ ہوتے ہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ آسمان کی

بلندیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک اللہ جل شانہٗ کے علاوہ کوئی بھی معبود نہیں ہے۔ عبادت انتہائی درجے کی عاجزی اور نیازمندی کو کہتے ہیں جو کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کے ساتھ ہی وابستہ ہے جو مافوق الاسباب تمام چیزوں پر تصرف رکھتا ہے۔ لہٰذا اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ کہ وہ حکیم بھی ہے اور علیم بھی۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اور وہی ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اُس کے علاوہ کوئی بھی علیم کل نہیں، لہٰذا عبادت کے لائق بھی وہی ہے۔

آگے فرمایا وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور بڑی ہی بابرکت وہ ذات ہے جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے وَمَا بَيْنَهُمَا اور جو کچھ ان دونوں یعنی آسمان اور زمین کے درمیان ہے، وہاں بھی اللہ مالک الملک ہی کی بادشاہی ہے جس میں اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ عرش سے لے کر فرش تک اُسی کا تصرف ہے اور اس میں کسی مخلوق کا کوئی دخل نہیں۔ یہ مسئلہ توحید بیان ہو گیا اور ساتھ مشرکین کا رد بھی۔

وقوع قیامت کا علم

آگے وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کے بارے میں فرمایا وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ اور اُسی کے پاس ہے قیامت کا علم کہ وہ کب آئیگی۔ اُس کے سوا وقوعِ قیامت کے وقت کو کوئی نہیں جانتا۔ سورۃ الاعراف میں تصریح موجود ہے اللہ کا فرمان ہے کہ اے پیغمبر! لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ وہ کب آئے گی۔ آپ اُن سے کہہ دیں کہ قیامت کا علم میرے پروردگار کے پاس ہی ہے لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ (الایت - ۱۸۷) وہ اُسے اُس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔ ہاں وقوعِ قیامت سے پہلے بعض نشانیوں کا علم اللہ نے اپنے انبیاء کو بتایا ہے جن کا ذکر احادیث میں موجود ہے مثلاً یہ کہ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہو جائے گا، امام مہدی کا ظہور ہو گا، مسیح علیہ السلام کا آسمان سے نزول ہو گا، دجال کا ظہور ہو گا جسے مسیح علیہ السلام قتل کریں گے، یاجوج ماجوج کی یورش، سورج کا مغرب سے طلوع

مشرق، مغرب اور جزیرۃ العرب میں خسوف وغیرہ۔ بہرحال اللہ نے قیامت کے علمِ وقوع کا علم کسی کو نہیں دیا۔ تو فرمایا کہ اسی کے پاس ہے قیامت کی خبر وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ سب کو اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے عقائد و اعمال کا بھگتان کرنا ہے۔

مسئلہ شفاعت

آگے شفاعت کا مسئلہ بھی اللہ نے بیان فرمایا ہے اور اس کا تعلق بھی معاد سے ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اور جن کو یہ مشرک لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ شفاعت کا کوئی اختیار نہیں رکھتے جن کو مشرک لوگ اپنی حاجتوں میں پکارتے ہیں، یا اُن کی عبادت کرتے ہیں وہ یا تو مٹی اور پتھر کے بُت ہیں جو بے جان چیزیں ہیں جو روح اور عقل و شعور سے خالی ہیں۔ اور یا پھر اگر جاندار ہیں، فرشتے، انبیاء اولیاء ہیں تو وہ ویسے بے اختیار ہیں اور سفارش کے مالک نہیں ہیں۔ اللہ کا واضح ارشاد موجود ہے قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا (الزمر۔ ۴۴) آپ کہہ دیجئے کہ شفاعت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔

سفارش کے بارے میں اللہ نے قانون یہ بیان فرمایا ہے اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ کہ سفارش کا کسی کو اختیار نہیں سوائے اُس کے کہ جس نے حق کی گواہی دی یعنی جس نے کلمہ توحید کو قبول کیا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ اور وہ جانتے بھی ہیں کہ کن لوگوں کے حق میں سفارش کی جاسکتی ہے۔ جس شخص نے خود کلمہ توحید قبول نہیں کیا، وہ سفارش کرنے کا اہل نہیں ہو سکتا۔ اس کے اہل تو اللہ کے انبیاء، شہداء اور صالحین لوگ ہی ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ایسے لوگوں کی سفارش کریں گے جن کا خاتمہ کلمہ توحید پہ ہوگا۔ مگر اعمال میں کچھ کوتاہی رہ گئی تھی۔ اللہ کا کوئی مقرب ترین بندہ بھی کسی کافر، مشرک یا منافق کے حق میں سفارش نہیں کر سکے گا۔

اور جن کے حق میں گواہی دی جا سکے گی یعنی سفارش کی جا سکے گی، وہ بھی وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے کلمہ حق کو قبول کیا۔ کسی ایسے شخص کی سفارش نہیں ہوگی جس نے ایمان قبول نہ کیا ہو۔ سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ قیامت والے دن کسی کے حق میں سفارش

مفید نہیں ہوگی اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا (آیت - ۱۰۹) سوائے اس کے کہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ اجازت دیں گے اور جس کی بات اللہ تعالیٰ کو پسند ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ ایمان کے کلمہ کو ہی پسند کرتا ہے وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ (الزمر - ۷) اور اللہ اپنے بندوں سے کفر کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اُس کا قانون یہی ہے کہ وہ اپنے انبیاء اور کُتب کے ذریعے حق کو واضح کر دیتا ہے اور پھر اختیار بندے کو دے دیتا ہے فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف ۲۹) کہ جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کا راستہ اختیار کرلے۔ تو سفارش اُسی کے حق میں قبول ہوگی جو ایمان لائے گا۔

البتہ مشرک لوگ جس قسم کی سفارش کا عقیدہ رکھتے ہیں، اُس کی کوئی حیثیت نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ راضی ہو یا ناراض اُن کے معبود ہر حالت میں اُن کی سفارش کریں گے اور اللہ تعالیٰ اُن کی سفارش کو ضرور ہی قبول بھی کرے گا۔ اس طرح کی جبری اور قہری سفارش کی نفی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجبور نہیں ہے کہ وہ کسی کی سفارش ضرور ہی قبول کرے بلکہ اس کا فرمان تو یہ ہے لَا يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (البقرۃ - ۲۵۵) اُس کی اجازت کے بغیر کسی کو سفارش کرنے کی جرأت بھی نہیں ہوگی چہ جائیکہ وہ کسی کی سفارش قبول کرنے پر مجبور ہو۔ اللہ نے یہ اختیار اور اقتدار کا مسئلہ بھی بیان فرمادیا ہے۔

اللہ کی صفت خالقیت

آگے اللہ نے اپنی توحید کے سلسلے میں صفتِ خالقیت کا ذکر فرمایا ہے وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں پیدا کس نے کیا ہے لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ تو ضرور کہیں گے کہ اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے سوا کوئی خالق نہیں۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ توحید کے چار درجات میں سے دو درجات میں تو اہلِ ایمان، کافر، مشرک، اہلِ کتاب ہنود وغیرہ سب متفق ہیں اور دو درجات میں مختلف ہو جاتے ہیں۔ توحید کے پہلے دو درجات میں سے پہلا درجہ صفتِ خالقیت کا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی

خالق نہیں اور دوسرا درجہ واجب الوجود ہونے کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وجود خود بخود ازلی اور ابدی ہے اور یہ کسی کا عطا کردہ نہیں۔ اس درجہ میں بھی دہریوں کی ایک قلیل تعداد کے سوا ہر مذہب و ملت والے متفق ہیں کہ واجب الوجود بھی صرف اللہ ہے، باقی تمام مخلوق کا وجود اللہ کا عطا کردہ ہے اور ہر چیز کا خالق بھی وہی ہے۔ البتہ باقی دو درجات یعنی تدبیر اور عبادت میں اہلِ ایمان ایک طرف اور باقی لوگ دوسری طرف ہو جاتے ہیں۔ اہل ایمان کا عقیدہ یہ ہے یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ (السجدۃ - ۵) آسمان کی بلندیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک ہر چیز کی تدبیر کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی ہر چیز کو حدِ کمال تک پہنچاتا ہے، اور اس معاملہ میں بھی اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کے برخلاف بعض لوگ، فرشتوں، جنوں، اولیاء اللہ، انبیاء اور اہلِ قبور کو بھی مدبر مانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ بھی اُنکی حاجت روائی اور مشکل کشائی کرتے ہیں۔ یہ بھی غلط عقیدہ ہے۔ جہاں تک عبادت کا تعلق ہے تو ایک مومن عبادت بھی اللہ کے سوا کسی کی نہیں کرتا۔ جب کہ کافر، مشرک اور بدعتی دوسروں کی بھی حد درجہ تنظیم کرتے ہیں۔ اُن کو نذر و نیاز پیش کرتے ہیں اور اُن کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ یہ بھی شرک کا ارتکاب ہے جب کہ ایک مومن آدمی میں توحید کے چاروں درجات پائے جاتے ہیں۔ بہر حال یہاں پر صفتِ خالقیت کا ذکر ہو رہا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ آپ اِن سے سوال کر کے دیکھ لیں۔ یہ لوگ لازماً یہی کہیں گے کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہی ہے۔ فرمایا اگر یہ بات ہے فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ تو یہ لوگ کدھر پھیرے جاتے ہیں۔ یہ کس اندھیرے میں ٹکریں مار رہے ہیں۔ جب خالق اللہ ہے تو پھر مدبر بھی وہی ہے اور عبادت کے لائق بھی صرف وہی ہے یہ مشرکوں اور کافروں کا رد بھی ہو گیا کہ اتنے دلائل و شواہد کے باوجود لوگ شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اگر وہ ان دلائل پر ذرا بھی غور کریں تو انہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سمجھ میں آ سکتی ہے۔ جو لوگ انبیاء کی بعثت کتابوں کے نزول، مبلغین کی تبلیغ کے باوجود کفر اور شرک کا راستہ اختیار کرتے

ہیں وہ بے نصیب ہی ہو سکتے ہیں۔

اللہ کے حضور شکایت

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اُس شکایت کا ذکر کیا ہے جو اُس نے اللہ کی بارگاہ میں پیش کی۔ اللہ کے ہر نبی اور خصوصاً حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی دعوت دینے میں اپنی انتہائی کوشش کی، عمر بھر تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہے اور اس راہ میں تمام مشکلات کو عبور کیا، ماریں کھائیں، طعنے سُنے اور ہر طرح کی جسمانی اور ذہنی اذیت برداشت کی مگر لوگوں کی اکثریت پھر بھی ایمان نہ لائی۔ چنانچہ اللہ کا نبی جب دن رات محنت کر کے تھک جاتا ہے تو پریشان ہو کر اللہ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے۔ وَقِيْلِهٖ اور قسم ہے نبی کی اُس بات کی يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ اے میرے پروردگار! یہ لوگ ایمان نہیں لاتے، میں نے پوری پوری کوشش کی ہے مختلف طریقوں اور مثالوں سے بات کو سمجھانے کی کوشش کی ہے مگر ان پر ذرہ بھر بھی اثر نہیں ہوا اور یہ ایمان نہیں لاتے۔ گویا اللہ نے اپنے نبی کے اس درد بھرے قول کی قسم اٹھائی ہے جس سے کافروں اور مشرکوں کی بدبختی کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی طرح کی ایک شکایت کا ذکر سورۃ الفرقان میں بھی موجود ہے۔ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (آیت۔ ۳۰) اللہ کا رسول قیامت والے دن بارگاہ رب العزت میں شکایت پیش کرے گا۔ کہ اے میرے پروردگار! میری اس قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ ان کو تیرے قرآن کا پروگرام پسند نہ آیا، لہٰذا یہ زندگی میں عمل درآمد کے لیے ادھر اُدھر سے قانون حاصل کرتے رہے، اب تو ہی ان کے درمیان فیصلہ فرما۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر نبی اپنی امت کے لیے نہایت ہی ہمدرد، غم خوار اور خیر خواہ ہوتا ہے۔ ہود علیہ السلام نے بڑی دردمندی سے قوم کو سمجھایا کہ اے میری قوم کے لوگو! میں کوئی دیوانہ نہیں ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، میں تمہیں اللہ کا پیغام پہنچاتا ہوں وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ (الاعراف۔ ۶۸) میں

تمہارا خیر خواہ ہوں اور امانت دار بھی کہ اللہ کا پیغام ٹھیک ٹھیک پہنچا رہا ہوں، لہٰذا میری بات سنو اور اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آؤ۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی قوم سے درد بھرے لہجے میں فرمایا، اے میری قوم کے لوگو! لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ (الاعراف ۹۳) تحقیق میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچا دیے ہیں اور تمہارے ساتھ خیر خواہی کر رہا ہوں، لہٰذا میری بات کو تسلیم کر لو۔ اور پھر امت کے حق میں سب سے بڑھ کر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جنہوں نے قوم کو سمجھانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا اور کہا لوگو! قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا کہہ دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کلمہ ایمان اور کلمہ توحید کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے کامیاب ہو جاؤ گے۔ تو اللہ نے اپنے نبی کے اس درد بھرے قول کی قسم اٹھائی ہے کہ پروردگار! یہ لوگ ایمان نہیں لاتے مطلب یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر پھر بھی مخلوق کی عبادت پر اصرار کر رہے ہیں اور اللہ کا نبی بڑے دکھ بھرے انداز میں کہہ رہا ہے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

تسلی کا مضمون

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی درد بھری بات کے جواب میں آپ کو تسلی دی ہے کہ آپ ان کفار و مشرکین کی باتوں کو خاطر میں نہ لائیں بلکہ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ ان سے درگزر کریں۔ آپ ان کی حرکات سے دل برداشتہ نہ ہوں فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (الرعد - ۴۰) کیونکہ آپ کے ذمہ میرا پیغام پہنچا دینا ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی نہیں مانتا تو پھر حساب لینا ہمارے ذمے ہے۔ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ (البقرۃ - ۱۱۹) اور دوزخ میں جانے والوں کے متعلق آپ سے نہیں پوچھا جائے گا کہ یہ لوگ کیوں یہاں آئے بلکہ خود ان سے سوال ہوگا مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ (المدثر - ۴۲) کہ تم جہنم میں کیسے پہنچے؟ نبیوں کا کام یہ ہے کہ وہ حق تبلیغ ٹھیک طریقے سے ادا کر دیں اور یہ امانت امت تک پہنچا دیں۔ اب

منزل مقصود تک پہنچانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون شخص ایمان حاصل کرنے کے قابل ہے اور کون نہیں۔

فرمایا آپ درگزر کریں، ان سے تعرض نہ کریں وَقُلْ سَلٰمٌ انہیں سلام کہہ کر الگ ہو جائیں۔ اسے سلام متارکت کہتے ہیں۔ جب تم کسی طرح نہیں مانتے تو پھر ہم تمہارے ساتھ لڑائی جھگڑا تو نہیں کریں گے بلکہ علیحدگی اختیار کر لیں گے، تم اپنا کام کرتے رہو ہم اپنا کام جاری رکھیں گے۔ مگر ایک بات یاد رکھو فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ تمہیں عنقریب ہی معلوم ہو جائے گا کہ حقیقت کیا ہے اور اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ بعض نتائج دنیا میں سامنے آجائیں گے۔ اور پھر آخرت میں تو حتمی فیصلے ہوں گے۔ سب کو پتہ چل جائے گا کہ انہوں نے دنیا میں کون سا طرز عمل اختیار کیا۔ اللہ کے نبی ان کو کس بات پر آمادہ کرتے رہے اور یہ لوگ کیا جواب دیتے رہے، یہ سب باتیں سامنے آجائیں گی اور پھر حق و انصاف کے ساتھ فیصلے ہوں گے۔ اس طرح اللہ نے سورۃ کے آخر میں اپنے نبی کے لیے تسلی کا سامان بھی مہیا کر دیا۔

سُورة

الدّخان

مكّيّة

درس اوّل ا — آیت ۱ تا ۸

سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ دخان مکی ہے۔ اس کی انسٹھ آیات اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

حٰمٓ ① وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ
لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ③ فِيْهَا
يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ④ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا
اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ⑤ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّهٗ
هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑥ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ⑦ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ
الْاَوَّلِيْنَ ⑧

ترجمہ:۔ حٰمٓ ① قسم ہے کھول کر بیان کرنے والی
کتاب کی ② تحقیق ہم نے نازل کیا اس کو ایک برکت
والی رات میں، بیشک ہم ڈرانے والے ہیں ③ اس
(رات) میں جدا کیا جاتا ہے ہر معاملہ حکمت والا ④
حکم ہوتا ہے ہماری جانب سے، بیشک ہم بھیجنے
والے ہیں ⑤ مہربانی ہے تیرے پروردگار کی طرف سے

بے شک وہی سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ⑥
وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ اُن کے درمیان
ہے، اگر تم یقین رکھنے والے ہو ⑦ نہیں کوئی عبادت
کے لائق اُس کے سوا، وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت
طاری کرتا ہے، تمہارا پروردگار اور تمہارے پہلے آباؤ اجداد کا
پروردگار ⑧

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الدخان ہے۔ یہ نام اس کی آیت ۱۰ میں آمدہ لفظ دخان سے ماخوذ ہے۔ عربی زبان میں دخان دھوئیں کو کہتے ہیں اور یہ دو قسم سے مذکور ہے ایک دھواں تو قحط سالی کا ہوتا ہے اور دوسرا دھواں وہ ہے جو قیامت کی نشانی کے طور پر قرب قیامت میں ظاہر ہوگا۔

یہ سورۃ حوامیم سبعہ کی پانچویں سورۃ ہے۔ جو مکی زندگی کے آخری حصہ میں گذشتہ سورۃ زخرف کے بعد نازل ہوئی۔ اس کی انسٹھ آیات اور تین رکوع ہیں۔ یہ سورۃ مبارکہ ۳۴۶ الفاظ اور ۱۴۳۱ حروف پر مشتمل ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن اس سورۃ کی تلاوت کا بڑا اجر ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص رات کے وقت اس سورۃ کی تلاوت کرتا ہے۔ اُس کے لیے ستر ہزار فرشتے دن کے وقت دعائیں مانگتے ہیں۔

مضامین سورۃ

دیگر مکی سورتوں اور خاص طور پر حوامیم سبعہ کی طرح اس سورۃ میں بھی زیادہ تر بنیادی عقائد توحید، رسالت، معاد اور قرآن پاک کی صداقت وحقانیت کا ہی تذکرہ ہے۔ اور احکام بہت کم ہیں۔ گذشتہ سورۃ میں دلائلِ توحید پر زیادہ زور تھا۔ جب کہ اس سورۃ میں انذار کا پہلو غالب ہے۔ منکرین کو خبردار کیا گیا ہے کہ اگر دینِ حق کی مخالفت سے باز نہ آئے تو وہ نہ صرف دنیا میں سزا کے مستحق ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ آخرت میں بھی انتقام لے گا، چنانچہ اس سورۃ میں البطشۃ الکبریٰ کا ذکر بھی آرہا ہے جیسا کہ بدر کے مقام پر خدا کی سخت گرفت آئی تھی اگر معارضہ کرو گے، اللہ کے نبی کا مقابلہ کرو گے تو پھر

اللہ تعالیٰ سخت انتقام لے گا۔

حروف مقطعات

ان ساتوں سورتوں کی ابتداء حروف مقطعات حٰمٓ سے ہو رہی ہے اور معاً بعد قرآن حکیم کی حقانیت و صداقت کا بیان ہے۔ ان حروف مقطعات کے متعلق سابقہ سورتوں میں عرض کیا تھا کہ ان حروف کے قطعی معنی اللہ کے نبی نے بیان نہیں فرمائے تاہم بعض مفسرین نے بعض امکانی معنے بیان کیے ہیں۔ مثلاً حٰمٓ میں حٰ کا اشارہ حکم کی طرف اور مٓ کا اشارہ ملک کی طرف ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ حکم بھی خدا تعالیٰ کا ہے اور بادشاہی بھی اسی کی ہے اور یہ چیز اگلی آیتوں میں بیان ہو رہی ہے۔ بعض مفسرین نے حٰ سے حکمت اور مٓ سے متین یعنی مستحکم مراد لیا ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن کی ہر سورۃ مضبوط حکمتوں پر مشتمل ہے۔ لہٰذا یہ معنیٰ بھی درست ہے۔ قرآن کی ہر بات ایسی مستحکم ہے جس کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا کہ یہ خلافِ واقع ہے۔ تاہم شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ حٰمٓ سے مراد ایک اجمالی نور ہے جو عالمِ قدس سے آ کر اس عالمِ تخلیط میں متعین ہوتا ہے اور پھر یہاں کے شرور و فتنوں سے ٹکراتا رہتا ہے۔ اس سے انبیاء علیہم السلام کے مقامات کی طرف اشارہ بھی ملتا ہے۔ کیونکہ وہ شر و فساد کو مٹانے کے لیے ہمیشہ کوشش کرتے رہتے ہیں جس سے حق واضح ہو جاتا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حٰمٓ سورۃ کا نام ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ کی بعض صفات کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح حروف مقطعات کا ہر حرف خدا تعالیٰ کے کسی اسم کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے، جیسے حٰ سے حنان اور مٓ سے مالک تاہم زیادہ سلامتی والی بات وہی ہے۔ جو امام جلال الدین سیوطیؒ اور بعض دوسرے مفسرین نے بیان فرمائی ہے کہ ان حروف میں زیادہ کرید نہیں کرنی چاہیئے، بلکہ اس بات پر ایمان رکھنا چاہیئے کہ اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ بِذٰلِکَ اللہ تعالیٰ ان حروف کی مراد کو بہتر جانتا ہے۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں

کتاب مبین

سورۃ کے آغاز میں قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کو قسم کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ قسم ہے کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی

ـــــــــــ

لے جلالین ص ۴۰۴

قرآن کو کتاب مبین کہا گیا ہے اور اس کی وضاحت دوسرے مقامات پر موجود ہے جیسے وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل - ٨٩) ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل فرمائی ہے جو ہر چیز کی وضاحت کرتی ہے - حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کُل شئی سے ہر وہ چیز مراد ہے جسکی انسان کو دین کے معاملہ میں ضرورت پڑ سکتی ہے - ہر وضاحت طلب چیز کو قرآن پاک بالواسطہ یا بلاواسطہ ضرور واضح کر دیتا ہے اور کوئی اشتباہ نہیں رہنے دیتا - بلاواسطہ تفصیل تو یہ ہے کہ قرآن پاک اپنی وضاحت خود بیان کرتا ہے - مثلاً اگر کسی چیز یا کسی معاملہ کا ذکر کسی جگہ اجمال کے ساتھ کیا گیا ہے تو دوسری جگہ اُس کی تفصیل موجود ہے - اور بالواسطہ وضاحت کئی صورتوں میں ہو سکتی ہے - مثلاً کسی مسئلہ کی وضاحت پیغمبر علیہ السلام کے سپرد کر دی جائے، جیسے فرمایا وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل - ٤٤) ہم نے یہ ذکر یعنی قرآن حکیم اس لیے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اُس چیز کو بیان کر دیں جو اُن کی طرف نازل کی گئی ہے - اور یہ وضاحت بھی نبی اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق کرتا ہے - اللہ تعالیٰ باطنی وحی کے ذریعے نبی کے قلب پر مطلوبہ وضاحت القاء کر دیتا ہے اور نبی آگے لوگوں کو بتا دیتا ہے - یاد رہے کہ قرآن کے بعینہٖ الفاظ وحی جلی کہلاتے ہیں اور پیغمبر کا بیان وحی خفی ہوتا ہے -

قرآن پاک کی وضاحت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ قرآن میں کسی چیز کا اصول بیان کر دیا جاتا ہے اور پھر اُس کی وضاحت اہلِ علم پر چھوڑ دی جاتی ہے جو مذکورہ اصول کی روشنی میں مسئلہ کی جزئیات کی وضاحت کر دیتے ہیں - بعض اوقات کوئی چیز ائمہ مجتہدین کو سونپ دی جاتی ہے تاکہ وہ کسی حل طلب مسئلہ کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کر دیں - یہ سب چیزیں قرآن پاک کی وضاحت کے ضمن میں ہی آتی ہیں - بہر حال قرآن ایک ایسی چیز ہے جس کی کسی بات کو مجمل نہیں چھوڑا گیا بلکہ ہر چیز کی کسی نہ کسی طریقے سے وضاحت کر دی گئی ہے -

امام شافعیؒ، امام ابن تیمیہؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ احادیث نبوی بھی قرآن کی شرح ہیں اور اُن کی روشنی میں بھی قرآن کی ہر مشکل بات کو سمجھا جا سکتا ہے۔ بہر حال کتاب مبین کی قسم اٹھا کر اگلی بات کی گئی ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے کہ جس کا ایک نام فرقان بھی ہے تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ (الفرقان۔۱) بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان کو نازل فرمایا یعنی ایک ایسی کتاب جو حق و باطل کے درمیان امتیاز کر دیتی ہے، اور اس لحاظ سے بھی یہ کتاب مبین ہے۔

لیلۃ القدر میں نزول

بہر حال اللہ نے اسی کتاب کی قسم اٹھا کر فرمایا ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ بے شک ہم نے اس کو نازل فرمایا ایک بابرکت رات میں۔ اس رات سے کونسی رات مراد ہے، اس میں مفسرین کرام کی دو رائیں ہیں۔ بعض اس کو پندرھویں شعبان کی رات بتاتے ہیں کیونکہ اگلی آیت میں یہ وضاحت آرہی ہے فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ کہ اس مبارک رات میں ہر حکمت والے معاملہ کو الگ کر دیا جاتا ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شب برات یعنی پندرھویں شعبان کی رات کو بعض معاملات الگ کر کے فرشتوں کے سپرد کر دیے جاتے ہیں اور وہ سال بھر کے کام مقررہ اوقات میں انجام دیتے رہتے ہیں۔ اِن امور میں پیدائش، اموات، ترقی تنزل، خوشحالی، قحط، طوفان، زلزلہ، حادثہ وغیرہ شامل ہیں۔ جن کو لوح محفوظ سے منتقل کر کے قضاء و قدر کے فرشتوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور وہ فرشتے سال بھر حکم خداوندی کی تعمیل کرتے رہتے ہیں۔ اس رات کی فضیلت میں آتا ہے کہ جو شخص اس رات کثرت سے عبادت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتا ہے، اُس کو مغفرت کا پروانہ لکھ دیا جاتا ہے۔ البتہ بعض آدمیوں کو اس موقع پر بھی معاف نہیں کیا جاتا۔ اِن میں مشرک، کینہ پرور، والدین کے نافرمان، مسلسل شراب نوش وغیرہ آتے ہیں۔ بہر حال بعض احادیث میں آتا ہے کہ پندرھویں شعبان کی رات ایک بابرکت رات ہے جس میں بندے کی عبادت مقبول ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مغفرت جتنی اس رات میں ہوتی ہے اتنی کسی دوسری رات میں نہیں ہوتی۔

پندرھویں شعبان کی اس تمام تر فضیلت کے باوجود جمہور مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہاں پر لیلۃ المبارکہ سے لیلۃ القدر ہی مراد ہے جس کا ذکر سورۃ القدر میں ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (آیت - ۱) یعنی ہم نے اس قرآن پاک کو لیلۃ القدر میں نازل فرمایا، وہ ایک رات جو عبادت و ریاضت کے لحاظ سے ایک ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے۔ مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ لیلۃ القدر اور لیلۃ المبارکہ ایک ہی رات کے دو مختلف نام ہیں اور اسی رات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو لوحِ محفوظ سے بیت العزت (جو کہ آسمانِ دنیا پر ہے) یا بیت المعمور میں اتارا جو کہ ساتویں آسمان پر ہے، اور پھر وہاں سے تیئس ۲۳ برس میں تھوڑا تھوڑا کر کے حضور علیہ السلام پر نازل کیا گیا۔ قرآن پاک میں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ قرآن پاک رمضان المبارک کے مہینہ میں نازل کیا گیا شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرۃ - ۱۸۵) رمضان المبارک وہ ماہِ مبارک ہے۔ جس میں قرآن پاک کو نازل کیا گیا۔ اور احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کی اکیسویں، تیئسویں، پچیسویں، ستائیسویں یا انتیسویں کو آتی ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں نام ایک ہی رات کے ہیں اور یہاں پر مذکورہ لیلۃ المبارکہ سے لیلۃ القدر ہی مراد ہے جو ماہ رمضان میں آتی ہے بلکہ تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام کتب سماویہ رمضان المبارک کی پہلی، تیرہ یا سترہ تاریخ کو نازل ہوئیں۔ جب کہ اللہ کی یہ آخری کتاب اس مہینے کے آخری عشرہ میں نازل کی گئی۔

فرمایا ہم نے اس قرآن حکیم کو ایک بابرکت رات میں نازل فرمایا اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ بے شک ہم ڈرسانے والے ہیں۔ ہم نے اپنے دستور کے مطابق پہلے انبیاء پر بھی کتب اور صحائف نازل فرمائے اور لوگوں کو ان کے برے انجام سے آگاہ کیا کہ اگر وہ کفر، شرک اور معاصی سے باز نہیں آئیں گے، انبیاء کی بات کو نہیں مانیں گے تو قیامت والے دن خدا کی گرفت میں آئیں گے۔ ہر نبی بشیر اور منذر ہوتا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ (النساء - ۱۶۵) ہم نے تمام رسولوں کو مبشر اور منذر بنا کر بھیجا تاکہ بعد میں کسی کو اعتراض کا موقع نہ رہے۔

غرضیکہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اس کتابِ مبین کو مبارک رات میں نازل فرمایا اور تحقیق ہم ڈر سنانے والے ہیں۔ یہ اس کتاب کی غایت بھی ہو گئی۔

فرمایا اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا یہ حکم ہماری جانب سے ہوتا ہے اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ تحقیق ہم ہی بھیجنے والے ہیں۔ انبیاء رسل کو ہدایتِ خلق کے لیے اور فرشتوں کو مختلف امور کی انجام دہی کے لیے اللہ تعالیٰ اس نے مختلف ملائکہ کو مختلف ڈیوٹیوں پر متعین کر رکھا ہے۔ جیسے جبرائیل علیہ السلام وحی الٰہی لانے پر مامور ہیں، کوئی روزی پہنچانے پر مامور ہے کوئی بادلوں کا فرشتہ ہے اور کوئی ملک الموت ہے مطلب یہ ہے کہ تمام کائناتی معاملات سے متعلق فرشتوں کو مامور کر دیا جاتا ہے اور وہ تعمیلِ حکم کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ انبیاء اور فرشتوں کا بھیجنا اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بھی ہے، لہٰذا جو اس صفت کا انکار کرے گا۔ وہ بھی کافر تصور ہو گا۔

رحمتِ ربانی

ارشاد ہوتا ہے رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ یہ مہربانی ہے یہ تیرے پروردگار کی طرف سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مبارک رات میں قرآن کریم کا نزول فرمایا جس میں انسان کی پوری زندگی کا پروگرام موجود ہے اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ بیشک وہ ہر بات کو سننے والا اور ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اور وہ وہی ذات ہے جو کہ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا جو کہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے۔ وہ ہر چیز کا رب ہے اور کوئی چیز اس کی ربوبیت سے باہر نہیں وہی ہر چیز کی بتدریج پرورش کر کے اسے حدِ کمال تک پہنچاتا ہے۔ ساری مخلوق کا وہی پروردگار ہے اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ اگر تم یقین لانے والے ہو تو اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لو کہ ہر جاندار اور غیر جاندار اسی کی رحمت کا محتاج ہے۔ اور وہ ایسی ذات ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی ہر چیز کا خالق، مالک، مدبر اور متصرف ہے لہٰذا عبادت کے لائق بھی صرف وہی ہے۔ وہ علیم کل، قادرِ مطلق اور سمیع و بصیر ہے۔ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وہی زندہ کرتا اور وہی موت دیتا ہے گویا موت و حیات

بھی اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے جس کو وہ زندہ رکھنا چاہے اُسے کوئی چیز گزند نہیں پہنچا سکتی اور جسے وہ ختم کرنا چاہے اُسے کوئی بچا نہیں سکتا ۔ وہ زندگی کا سرچشمہ ہے ۔ حی اور قیوم ہے، ہمیشہ سے زندہ ہے اور زندگی بخشنے والا ہے، کوئی انسان، فرشتہ جن، پرند، چرند گھر سے زندگی لے کر نہیں آیا بلکہ سب کی زندگی اللہ وحدہٗ کی عطا کردہ ہے ۔ وہ جب چاہے یہ زندگی چھین بھی لیتا ہے اور اُس کے راستے میں کوئی چیز مزاحمت نہیں کر سکتی ۔ فرمایا وہ ذاتِ باری تعالیٰ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے پہلے آباؤ اجداد کا رب بھی ہے سب کا ایک ہی پروردگار ہے جو کہ وحدہٗ لاشریک ہے ۔

قرآنِ حکیم کی حقانیت بیان کرنے کے بعد اللہ نے اپنی بعض صفات کا تذکرہ کیا اور ارض وسما کی ربوبیت کو خاص طور پر بیان فرمایا ۔ آگے انذار کا پہلو آرہا ہے کہ اگر اُس کی توحید کو تسلیم نہیں کرو گے تو پھر اللہ تعالیٰ انتقام لینے پر بھی قادر ہے ۔

درس دوم ۲ — آیت ۹ تا ۱۶

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ﴿٩﴾ فَارْتَقِبْ يَوْمَ
تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٠﴾ يَّغْشَى النَّاسَ ۭ
هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١١﴾ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا
الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢﴾ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى
وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ
وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿١٤﴾ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ
قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿١٥﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ
الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿١٦﴾

ترجمہ :- بلکہ یہ لوگ شک میں کھیل رہے ہیں ﴿۹﴾ پس آپ انتظار کریں جس دن لائے گا آسمان ایک کھلا دھواں ﴿۱۰﴾ جو ڈھانپ لے گا لوگوں کو ۔ یہ دردناک عذاب ہے ﴿۱۱﴾ (پھر کہیں گے یہ لوگ) اے ہمارے پروردگار ! کھول دے ہم سے عذاب کو ، بیشک ہم ایمان لانے والے ہیں ﴿۱۲﴾ کہاں ہو گا اُن کے لیے نصیحت پکڑنا ، اور البتہ تحقیق آیا ہے اُن کے پاس رسول کھول کر بیان کرنے والا ﴿۱۳﴾ پھر انہوں نے روگردانی کی اُس سے اور کہا کہ یہ سکھلایا ہوا دیوانہ ہے ﴿۱۴﴾ بیشک ہم کھولنے والے ہیں عذاب کو تھوڑی مدت تک ، بیشک تم پلٹ کر وہی کام کرنے

والے ہو ⑮ جس دن ہم گرفت کریں گے بڑی گرفت بیشک ہم انتقام لینے والے ہیں ⑯

ربط آیات

سورۃ کے آغاز میں قرآن پاک کے لیلۃ القدر میں نزول کا بیان تھا۔ اللہ نے نزولِ قرآن کی غرض وغایت بھی بیان فرمائی اور یہ بھی کہ اس ایک رات میں مستحکم فیصلے کیے جاتے ہیں۔ پھر اللہ نے انذار کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنے رسولوں کے ذریعے لوگوں کو اُن کے بُرے انجام سے ڈراتا ہے۔ فرمایا نزولِ قرآن اُس کی خاص مہربانی کا نتیجہ ہے۔ پھر اللہ نے اپنی توحید کا تذکرہ فرمایا کہ وہی سُننے والا اور جاننے والا ہے، آسمانوں، زمین اور اُن کے درمیان کی تمام چیزوں کا وہی پروردگار ہے، اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، زندگی اور موت اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہ موجودہ لوگوں کا بھی پروردگار ہے اور ان کے پہلے آباؤ اجداد کا بھی، لہٰذا اس کی توحید پر کاربند رہنا چاہیئے۔ اور اُس کی ذات، صفات یا عبادت میں کسی کو شریک نہیں بنانا چاہیئے۔

مشرکین کا تردد

اللہ نے فرمایا کہ ہم نے لوگوں کے سامنے بیشمار کھلے دلائل اور توحید کی واضح نشانیاں پیش کی ہیں۔ اگر اِن میں ذرا بھی سمجھ ہوتی تو یہ لوگ توحید باری تعالیٰ کو تسلیم کر لیتے۔ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ بلکہ یہ تو شک میں کھیل رہے ہیں۔ اِن کے کفریہ اور شرکیہ عقائد میں ذرا فرق نہیں آیا۔ بلکہ یہ اپنے غلط عقائد پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ انہیں نہ تو خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین آتا ہے اور نہ یہ لوگ وقوعِ قیامت کو سچ ماننے کے لیے تیار ہیں۔ انہیں رسولوں اور خاص طور پر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر بھی یقین نہیں اور نہ ہی وہ قرآن کو اللہ کا کلام اور اُس کی وحی تسلیم کرتے ہیں بلکہ ہر طرف سے شک وتردد میں مبتلا ہیں اور انبیاء کی بتائی ہوئی باتوں کو ہنسی مذاق میں اڑا دیتے ہیں۔

عذابِ دخان

فرمایا ان تمام دلائل، براہین، امثلہ، شواہد اور مختلف طریقوں سے حقیقت کو سمجھانے کے باوجود اگر یہ لوگ لہو ولعب کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتے بلکہ کفر وشرک اور باطل عقائد پر ہی جمے ہوئے ہیں فَارْتَقِبْ تو آپ انتظار کریں اُس دن کا يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ جس دن آسمان ایک کھلا

دھواں لائے گا۔ یعنی آسمان پر دھواں چھا جائے گا۔ یَغْشَى النَّاسَ جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا۔ فرمایا هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ یہ دردناک عذاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کو تسلی دی ہے کہ اگر یہ کافر اور مشرک آپ کی بات نہیں مانتے، بلکہ الٹا ٹھٹا اور استہزا کرتے ہیں تو آپ درگزر کریں، عنقریب ایک وقت آنے والا ہے جب پورے آسمان پر دھواں چھا جائے گا اور یہ دھواں کفار و مشرکین کے لیے سزا کا موجب ہوگا۔

قیامت کا دھواں

مذکورہ دھوئیں کے متعلق مفسرین کرام کے دو اقوال ملتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس سے وہ دھواں مراد ہے جو قربِ قیامت میں ظاہر ہوگا۔ اور جسے علامات قیامت میں شمار کیا گیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قربِ قیامت کی جن نشانیوں کا تذکرہ فرمایا ہے ان میں سورج کا مغرب سے طلوع، یاجوج ماجوج دابۃ الارض اور دجال کا خروج، مشرق، مغرب اور جزیرۃ العرب میں خسوف یعنی زمین کا دھنس جانا، عدن کے کنارے سے آگ کا ظہور جو لوگوں کو ہانک کر شام کی طرف لے جائیگی اور دھواں (جو ساری زمین پر پھیل جائے گا) کا ذکر آتا ہے۔ اس دھوئیں کا اثر مومن اور کافر پر مختلف ہوگا۔ مومن لوگ اس سے زکام جیسا معمولی اثر محسوس کریں گے جب کہ کافروں کے لیے یہ جلی ہوئی کسی چیز کا دھواں محسوس ہوگا۔ یہ دھواں اُن کے لیے سخت ناگوار ہوگا اور ایسا محسوس ہوگا جیسے اُن کے ناک، منہ یا مبرز سے نکل رہا ہے۔

قحط کا دھواں

تاہم دوسرے مفسرین کرام اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔ آپ کوفہ میں قیام پذیر تھے کہ ایک شخص نے آپ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا کہ فلاں جگہ پر ایک واعظ نے سورۃ الدخان کی یہی آیت تلاوت کی اور بیان کیا کہ اس دھوئیں سے قیامت کا دھواں مراد ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ سُنا تو اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ بھائی! جس شخص کو کوئی چیز معلوم ہو اُسے بلا کم و کاست بتلا دینی چاہیئے اور جس کا علم نہ ہو اُس کو اللہ کے سپرد کر دینا چاہیئے اور تکلف میں نہیں پڑنا چاہیئے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اس چیز کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ بغیر علم کے

خواہ مخواہ مفتی بن کر فتویٰ نہیں دینا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے خود حضور علیہ السلام کی زبان سے کہلوایا قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ (ص ۸۶) اے لوگو! میں تم سے تبلیغ دین کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ اور نہ ہی میں تکلف کرنے والے لوگوں میں سے ہوں۔ بہرحال حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اس دھوئیں سے مراد قیامت کا دھواں نہیں بلکہ قحط کا دھواں مراد ہے جو مشرکین عرب پر وارد ہوا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب قریشِ مکہ حد سے بڑھ گئے، کفر و شرک پر اصرار اور اللہ کے نبی کی مخالفت اُن کا وطیرہ بن گیا، اُن کی طرف سے ایذا رسانی نے مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کر دیا۔ تو حضور علیہ السلام نے کفار و مشرکین کے حق میں بد دعا فرمائی اَللّٰهُمَّ سَبْعًا كَسَبْعِ يُوْسُفَ اے اللہ! ان پر یوسف علیہ السلام کے زمانے جیسا قحط ڈال۔ آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور مکے میں قحط سالی پیدا ہو گئی۔ اُدھر یمن میں واقع یمامہ غلہ کی منڈی تھی۔ وہاں کا سردار مسلمان ہو گیا تو مشرکین نے اُس کی توہین کی اور اُس نے ردِ عمل کے طور پر یمامہ سے مکہ کے لیے گندم کی برآمد روک دی جس کی وجہ سے اہل مکہ دانے دانے کو ترستے لگے، حتیٰ کہ انہوں نے مردار اور خشک چمڑا ابال کر کھانا شروع کر دیا۔ اُوپر آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھتے تو ہر طرف دھواں ہی دھواں نظر آتا۔ روایات میں آتا ہے کہ بعض مشرکین حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کے لیے مدینہ طیبہ پہنچے اور عرض کیا کہ آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس قحط سالی کو دور کرے۔ آپ نے دعا فرمائی تو وہ دھواں بھی دُور ہو گیا اور قحط سالی سے بھی نجات مل گئی۔ بہرحال اس دخان سے مراد قحط سالی کا دھواں ہے جو حضور علیہ السلام کی دعا سے دُور ہوا۔ مسلم کی روایت[1] میں آتا ہے کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کے پاس آیا اور عرض کیا کہ حضور آپ مضر کے لیے استغفار کریں کہ وہ ہلاک ہو رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ مضر کے لیے؟ تم تو بڑے جری ہو جو ایسی بات کرتے ہو (قریش مضر میں سے ہی تھے) پھر آپ نے دعا کی تکلیف دُور ہوئی اور پھر آسودہ حال ہوئے تو پھر نافرمانی کی تو اللہ تعالےٰ

[1] مسلم ص ۳۷۳ ج ۲

بتے بدر میں بڑی گرفت میں اُن کو مبتلا کرکے ہلاک کیا۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ پانچ نشانیاں پہلے ہی گزر چکی ہیں۔ جن میں سے ایک نشانی یہی قحط سالی کا دخان ہے دوسری نشانی شق القمر کا واقعہ ہے، تیسری رومیوں کا مغلوب ہو کر چند سال میں پھر غالب آجانا ہے۔ جس کا ذکر سورۃ الروم میں ہے۔ چوتھی نشانی بطشہ یعنی سخت پکڑ ہے اور پانچویں لِزام ہے جس کا ذکر سورۃ الفرقان کے آخر میں آتا ہے۔ اِن دونوں سے مراد بدر کی لڑائی ہے۔ جس میں کافروں کو سخت شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اور عذاب اُن کے ساتھ لازم ہو کر رہ گیا۔ بدر میں قتل ہونا اور قیدی بننا یہی بطشہ کبریٰ ہے۔

عذاب سے رہائی کی درخواست

بہرحال اللہ نے فرمایا کہ اُس کھلے دھوئیں کا انتظار کریں جب وہ لوگوں پر چھا جائے گا اور یہ دردناک عذاب ہوگا۔ اس وقت لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کریں گے رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اے ہمارے پروردگار! ہم سے اس عذاب کو دُور کر دے اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ہم یقیناً ایمان لانے والے ہیں۔ کافروں اور مشرکوں کا ہمیشہ سے یہ وطیرہ رہا ہے کہ جونہی عذاب کو دیکھا تو ایمان کا دعویٰ کر دیا اور جب مصیبت ٹل گئی تو پھر مشرک کے مشرک۔ سورۃ الاعراف میں فرعونیوں کا حال بھی ہم پڑھتے ہیں کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی، طوفان آجاتا یا قحط پیدا ہو جاتا تو موسیٰ علیہ السلام سے کہتے کہ اپنے رب سے دُعا کریں کہ ہماری یہ تکلیف دور کر دے، ہم ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ بھیج دیں گے۔ اللہ نے فرمایا کہ جب ہم ایک مدت کے لیے اُن سے عذاب کو کھول دیتے ہیں اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ (آیت - ۱۳۵) تو وہ اپنے عہد کو فراموش کر کے اُسی کفر اور شرک کی طرف آجاتے ہیں۔ یہاں بھی فرمایا کہ وہ لوگ عذاب دُور ہو جانے کے بعد ایمان لانے کا وعدہ کرتے ہیں مگر اللہ نے فرمایا اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى کہاں ہوگا ان کے لیے نصیحت پکڑنا۔ جب ہم اُن کی تکلیف رفع کر دیں گے تو یہ پھر اپنے عہد سے مکر جائیں گے اور کفر و شرک میں ہی مبتلا رہیں گے۔ فرمایا اِن کی زبان پر کیسے اعتبار کیا جا سکتا ہے

وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ اِن کے پاس ہر چیز کو کھول کر بیان کرنے والا رسول آچکا ہے مگر انہوں نے اُس کو تسلیم نہ کیا ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ پھر اُس سے روگردانی کی، اُس کی کسی بات پہ یقین ہی نہ کیا بلکہ کہنے لگا وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ یہ تو سکھلایا ہوا جادوگر ہے، ہم اُس کو اللہ کا نبی کیسے تسلیم کر لیں۔ اسی قسم کا مضمون سورۃ الفجر میں بھی آتا ہے۔ قیامت والے دن جب جہنم مجرموں کے سامنے آجائے گی تو پھر اُن کی آنکھیں کھلیں گی، اُس دن انسان نصیحت پکڑنا چاہے گا، مگر اللہ نے فرمایا وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى (آیت ۲۳) مگر اس دن ان کیلئے نصیحت پکڑنا کہاں ہوگا یعنی کچھ مفید نہ ہوگا اس دن انسان کفِ افسوس ملیگا يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ (آیت ۲۴) اور کہے گا ہائے افسوس اپنے اپنی دائمی زندگی کیلئے کچھ آگے بھیجا ہوتا مگر وہ وقت گزر چکا ہوگا۔ اِدھر عام انسان کی بھی یہ حالت ہے کہ جب موت کا وقت قریب آتا ہے تو وہ تمنا کرتا ہے فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (المنٰفقون - ۱۰) اور کہتا ہے کہ پروردگار! اگر تو مجھے تھوڑی سی مہلت دے دے تو میں صدقہ خیرات کر لوں اور نیکی کما لوں۔ مگر اس وقت تک مہلت ختم ہو چکی ہوتی ہے اور اس کی خواہش پوری نہیں ہو پاتی۔ یہاں بھی اللہ نے یہی بات فرمائی ہے کہ مجرم لوگ عذاب کا دھواں دیکھ کر ایمان لانے کی خواہش ظاہر کریں گے مگر اللہ فرمائے گا۔ کہ میں نے تمہارے پاس اپنے رسول بھیجے مگر تم نے کچھ نصیحت حاصل نہ کی، بلکہ روگردانی کی اور سکھایا ہوا مجنون کہنے لگے۔ اب تمہارا ایمان قابلِ قبول نہیں اور نہ ہی عذاب کو دور کیا جائے گا۔

حضور علیہ السلام پر اتہام

معلم مجنون کی تشریح میں مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ مشرک لوگ کہتے تھے، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم طائف میں رہنے والے رومی غلام عداس سے بعض چیزیں سیکھتے ہیں، اور پھر انہیں بطور قرآن پیش کر دیتے ہیں۔ بعض اس کو دیگر عجمی غلاموں کی طرف منسوب کرتے تھے، حالانکہ وہ بیچارے تو خود سیکھنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، آپ نے اُن سے کیا سیکھنا تھا۔ کافر و مشرک لوگ اس لیے بھی حضور علیہ السلام کو دیوانہ کہتے تھے کہ آپ نعوذ باللہ الٹی سیدھی باتیں کرتے ہیں کہ مرنے

کے بعد انسان کی بوسیدہ ہڈیاں پھر زندہ ہوں گی۔ سب لوگ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے، حساب کتاب کی منزل آئے گی اور پھر جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے۔ وہ لوگ آپ کو اس بات پر بھی دیوانہ کہتے تھے کہ معبودِ برحق صرف ایک ہی ہے اور باقی سارے معبود باطل ہیں۔ اللہ نے اُن کا بیان سورۃ ص میں نقل کیا ہے۔

أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ (آیت-۵)

کیا تمام معبودوں کو چھوڑ کر ایک ہی معبود بنالیا ہے، یہ تو بڑی عجیب بات ہے حالانکہ ہمارے آباؤ اجداد تو سب کی تعظیم کرتے آئے ہیں، اُن کو نذر و نیاز پیش کرتے رہے ہیں مگر یہ شخص کہتا ہے کہ سب کی بجائے ایک ہی معبود کافی ہے۔

جدید دور کے بعض ملحدوں نے بھی اس قسم کی باتیں کی ہیں۔ مثلاً جرمنی کا نولڈک بڑا بے ایمان مستشرق تھا، اُس نے کہا کہ حضور علیہ السلام پر نعوذ باللہ مرگی کے دورے پڑتے تھے جس کے دوران وہ کچھ بڑبڑاتے تھے اور اسی کو قرآن کے طور پر پیش کر دیتے تھے۔ اسی قسم کی باتیں مکے کے کافر اور مشرک بھی کہتے تھے کہ یہ تو بعض غلاموں سے سیکھ کر آتا ہے اور ہمارے سامنے قرآن بنا کر پیش کر دیتا ہے، ورنہ اس کی حقیقت کچھ نہیں۔

اللہ نے جواباً فرمایا إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيلًا ہم کھولنے والے ہیں عذاب کو تھوڑی مدت کے بعد۔ کچھ عرصہ کے بعد اس دھوئیں کے عذاب کو دور کر دیں گے، قحط سالی ختم ہو کر خوشحالی کا دور لے آئیں گے مگر إِنَّكُمْ عَائِدُونَ تم پلٹ کر اُسی کفر و شرک کا ارتکاب ہی کرو گے اور ایمان نہیں لاؤ گے اس قسم کی مثال اللہ نے مشرکوں کے بحری سفر کی بھی بیان فرمائی ہے۔ کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوتے اور کوئی مصیبت آپہنچتی ہے تو خالص اللہ کو پکارتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ انہیں اس مصیبت سے نجات دے دیتا ہے إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ (العنکبوت-۶۵) تو پھر اسی طرح شرک کرنے لگتے ہیں۔ پھر وہی غیروں کی نذر و نیاز وہی قبر پرستی اور وہی رسوماتِ باطلہ انجام دینے لگتے ہیں تو یہاں بھی اللہ نے فرمایا کہ ہم

اللہ تعالیٰ
رفع
عذاب

اِن کی درخواست پر عذاب کو دُور تو کر دینگے مگر یہ پھر اُسی ڈگر پر چل نکلیں گے۔

البطشۃ الکبریٰ

فرمایا یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى جس دن ہم گرفت کریں گے بڑی گرفت یعنی جس دن ہم انہیں سخت گرفت میں لیں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کے مطابق اس البطشۃ الکبریٰ سے مراد جنگ بدر ہے۔ یہ اللہ کی بڑی گرفت تھی جس میں مسلمانوں کے ہاتھوں کافروں کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کے ستر جلیل القدر سردار مارے گئے اور اتنے ہی قیدی بنے، باقی بھاگ گئے۔ کافروں کو اتنی بڑی شکست ہوئی جو تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ وہ لوگ بڑی دھوم دھام اور باجے گاجے کے ساتھ لڑنے کے لیے آئے تھے مگر اللہ نے ایسی سخت گرفت کی جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی اور مکے والے ذلیل و خوار ہو کر واپس گئے۔

فرمایا اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا آخری نبی بھیجا، کتاب نازل فرمائی۔ اللہ کے نبی نے کفار و مشرکین کو سمجھانے کی پوری پوری کوشش کی اور اس راہ میں بڑی صعوبتیں بھی برداشت کیں مگر وہ نہ مانے۔ اللہ کی غیرت جوش میں آئی تو انہیں بدر کے مقام پر تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ اور اس طرح اپنی اور اپنے نبی کی نافرمانی کا انتقام اُن سے لے لیا۔ یہ تو دنیاوی لحاظ سے گرفت تھی جو عارضی تھی اور پھر آگے دائمی گرفت آنے والی ہے۔ انتقام کا ذکر آگے بھی بکثرت آرہا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو مہلت دیتا رہتا ہے پھر جب وہ حد سے بڑھ جاتے ہیں تو پھر وہ انتقام بھی لے لیتا ہے۔ اِسی طرح قریش مکہ سے انتقام لیا اور وہ ہمیشہ کے لیے نابود ہو گئے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ
كَرِيْمٌ ﴿١٧﴾ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ
اَمِيْنٌ ﴿١٨﴾ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ
بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٩﴾ وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ
اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿٢٠﴾ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿٢١﴾
فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿٢٢﴾ فَاَسْرِ
بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ
رَهْوًا ۭ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿٢٤﴾ كَمْ تَرَكُوْا
مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٢٥﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿٢٦﴾
وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿٢٧﴾ كَذٰلِكَ ۣ وَاَوْرَثْنٰهَا
قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿٢٨﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاۗءُ
وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿٢٩﴾ ع ۲۹ ۱۴

ترجمہ:۔ اور البتہ تحقیق ہم نے آزمایا ان سے پہلے فرعون
کی قوم کو اور آیا ان کے پاس ایک عزت والا رسول ﴿١٧﴾
(اس نے کہا) کہ حوالے کردو میری طرف اللہ کے بندوں
کو، بیشک میں تمہارے لیے رسول ہوں امانتدار ﴿١٨﴾ اور

یہ کہ تم نہ تکبر کرو اللہ کے سامنے، تحقیق میں لایا ہوں
تمہارے پاس کھلی سند ⑲ اور بیشک میں پناہ پکڑتا ہوں
اپنے پروردگار کے ساتھ اور تمہارے پروردگار کے ساتھ
(اس بات سے) کہ تم مجھے سنگسار کر دو ⑳ اور اگر
تم ایمان نہیں لاتے مجھ پر، پس تم مجھ سے الگ ہو
جاؤ ㉑ پس دعا کی اُس نے اپنے پروردگار سے کہ بیشک
یہ لوگ گنہگار ہیں ㉒ پس (فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ) لے
کر نکل جا میرے بندوں کو رات کے وقت، بیشک تمہارا
پیچھا کیا جائے گا ㉓ اور چھوڑ دے سمندر کو تھما ہوا، بیشک
یہ ایک لشکر ہے جس کو غرق کیا جائے گا ㉔ بہت
کچھ چھوڑا انہوں نے پیچھے باغات اور چشمے ㉕ اور
کھیتیاں اور عزت کے مقامات ㉖ اور وہ نعمت جس
میں وہ آسودہ حال تھے ㉗ اسی طرح ہوا، اور وارث
بنایا ہم نے ان (چیزوں) کا دوسری قوم کو ㉘ نہیں رویا
اُن پر آسمان اور نہ زمین، اور نہیں تھے وہ مہلت یافتہ
لوگوں میں سے ㉙

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن کے زمانے کے مشرکین بالخصوص مشرکینِ مکہ کو انذار کیا، اُن کی نافرمانی کا حال بیان کیا اور پھر اُن پر آنے والی گرفت کا ذکر کیا۔ اللہ نے اُن پر دھوئیں کی شکل میں قحط مسلط کیا۔ انہوں نے عہد کیا کہ اگر یہ مصیبت دُور ہو جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے۔ مگر جب انہیں قحط سے نجات مل گئی تو وہ پہلے سے بھی زیادہ کفر و شرک میں منہمک ہو گئے۔ اللہ نے بھی فرما دیا کہ ہم تھوڑی مدت کے لیے اِن سے تکلیف کو ہٹائیں گے لیکن نافرمانی کی صورت میں بڑی گرفت میں لے لیں گے۔ چنانچہ اللہ نے بدر کے مقام پر بہت سے سرکردہ مشرکین کو ہلاک

کیا، بعض قیدی بنے اور بعض شکست کھا کر بھاگ گئے۔

قوم فرعون کی آزمائش

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام میں سے قوم فرعون کی گرفت کا ذکر کیا ہے۔ اس واقعہ میں ایک طرف مشرکین عرب کے لیے انذار کا پہلو ہے کہ اگر وہ نبی آخر الزمان علیہ السلام پر ایمان نہیں لائیں گے بلکہ آپکو ایذائیں پہنچائیں گے اور وقوع قیامت اور جزائے عمل کا انکار کریں گے تو ان کا حشر بھی قوم فرعون سے مختلف نہیں ہو گا۔ اور دوسری طرف حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون ہے کہ اگر آج یہ لوگ آپ پر ایمان نہیں لاتے تو قوم فرعون کی طرح یہ بھی اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئیں گے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ اور البتہ تحقیق ان سے پہلے ہم نے قوم فرعون کو آزمایا۔ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ اور آیا ان کے پاس عزت والا رسول۔ رسول کی بعثت اور کتاب و شریعت کا نزول ہی قوم فرعون کے لیے آزمائش کا باعث تھا۔ اللہ تعالیٰ ہر عقل مند مرد و زن کو مکلف یعنی قانون کا پابند بناتا ہے اور اس پابندی میں ہی ان کی ترقی کا راز مضمر ہے۔ اسی کی بدولت دنیا و آخرت میں بلند مراتب پر فائز ہو کر ترقی کی منازل طے کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر اللہ کے بندے اُس کے قانون کی پابندی نہیں کریں گے تو دنیا میں ذلیل ہوں گے اور برزخ اور آخرت میں بھی ذلت ناک عذاب کا شکار بن جائیں گے۔ غرضیکہ اس تکلیف میں ہی انسانوں کی آزمائش ہے اللہ کا فرمان ہے وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً (الانبیاء۔ ۳۵) ہم برائی اور بھلائی دونوں طریقوں سے تمہیں آزماتے ہیں۔ کبھی مصائب و تکالیف کے ذریعے اور کبھی آسودہ حالی اور خوشحالی دے کر۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ انبیاء کو بھیجکر انسانوں کو آزماتا ہے کہ کون مانتا ہے اور کون انکار کرتا ہے؟ کون کفر و شرک میں مبتلا ہوتا ہے اور کون توحید اور ایمان کو قبول کرتا ہے؟

یہاں پر باعزت رسول سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جن کو اللہ نے قوم فرعون کی طرف مبعوث فرمایا۔ آپ بڑی عظمت والے رسول تھے۔ اللہ نے آپ

کی خاص طریقے سے تربیت فرمائی تھی اور آپ کو مراتب عالیہ پر فائز کیا تھا مگر فرعون نے آپ کو تسلیم نہ کیا بلکہ اپنے غرور و تکبر کی بنا پر آپ کو مہین کہا۔ اپنے حواریوں سے کہنے لگا۔ بھلا بتلاؤ اَمۡ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡ هٰذَا الَّذِیۡ هُوَ مَهِیۡنٌ (الزخرف۔ ۵۲) کیا میں اس حقیر آدمی سے بہتر نہیں ہوں؟ تاریخ عالم گواہ ہے کہ کافر، مشرک، مستبد اور ڈکٹیٹر قسم کے لوگوں نے اللہ کے نبیوں کو ہمیشہ حقیر جانا اور اسی بنا پر اُن کی نبوت و رسالت کا انکار کیا، مگر حقیقت یہ ہے نبوت و رسالت سے بڑھ کر کوئی عزت والا مقام نہیں جس کو یہ مقام نصیب ہوتا ہے۔ اس پر اللہ کی خاص مہربانی ہوتی ہے۔

بنی اسرائیل کی سپردگی کا مطالبہ

فرمایا کہ قومِ فرعون کے پاس اللہ تعالیٰ کے باعزت رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے اور انہوں نے فرعون سے مطالبہ کیا اَنۡ اَدُّوۡۤا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ کہ اللہ کے بندوں یعنی بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے آزاد کر کے میرے حوالے کر دو۔ تاکہ میں ان کو ان کے اصلی وطن شام و فلسطین کی طرف لے جاؤں۔ تم نے انہیں بلاوجہ غلام بنا رکھا ہے، انہیں طرح طرح کی تکالیف پہنچاتے ہو، ان سے بیگار لیتے ہو حالانکہ آزادی ہر انسان کا فطری حق ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنا تعارف کراتے ہوئے فرمایا اِنِّیۡ لَکُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں یعنی اُس کے حکم سے یہ مطالبہ کر رہا ہوں نیز میں امانتدار بھی ہوں۔ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے جو حکم ہوتا ہے وہ بلا کم و کاست تمہیں پہنچا رہا ہوں اور اس میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرتا۔ میں تم سے یہ بھی مطالبہ کرتا ہوں وَاَنۡ لَّا تَعۡلُوۡا عَلَی اللّٰهِ کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے غرور و تکبر نہ کرو۔ اُس کے سامنے عجز و انکساری کا اظہار کرو اور اُس کے حکم کی تعمیل کرو۔ اور یاد رکھو میرا دعویٰ نبوت محض زبانی کلامی نہیں بلکہ اِنِّیۡۤ اٰتِیۡکُمۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ میں تمہارے پاس اللہ کی جانب سے کھلی سند لے کر آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے خاص معجزات عطا فرمائے ہیں جو میری صداقت کی دلیل ہیں۔ ان میں غور و فکر کرو، میری بات کو مانو، خدا کی وحدانیت پر ایمان لاؤ اور بنی اسرائیل کو غلامی سے

آزاد کر دو۔

اللہ تعالےٰ کی پناہ میں

فرعون کہتا تھا اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (النّٰزِعٰت۔۲۴) میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں لہذا میرے سوا کسی دوسری ہستی کو معبود نہ مانو۔ اور اگر تم نے ایسا کیا لَاَجْعَلَنَّکَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ (الشعرآء۔۲۹) تو تمھیں قید میں ڈال دوں گا۔

اس قسم کی دھمکیوں کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے کہا وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ اور بیشک میں پناہ پکڑتا ہوں اپنے پروردگار کی اور تمھارے پروردگار کی، اس بات سے اَنْ تَرْجُمُوْنِ کہ تم مجھے سنگسار کرو۔ دو مطلب یہ ہے کہ میں تو خدا تعالیٰ کی پناہ پکڑنے والا ہوں مجھے تمھاری دھمکیوں کی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ سنگساری ایک قدیم اور سخت ترین سزا ہے۔ اسلام میں بھی محصن زانی کے لیے یہی سزا مقرر کی گئی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے حکم سے فرعون کے پاس گئے تھے اور اس کو تبلیغ کی تھی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات پہ پورا پورا بھروسہ تھا کہ وہ فرعون کے شر سے ضرور آپ کو محفوظ رکھے گا۔ سورۃ طٰہٰ میں یہ تفصیل موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام دونوں کو فرعون کے پاس جاکر تبلیغِ حق کرنے کا حکم دیا مگر انہوں نے خدشہ ظاہر کیا کہ کہیں وہ ہم پر زیادتی نہ کرے کیونکہ وہ صاحبِ اقتدار ہے۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا تھا لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ (آیت۔۴۶) تم دونوں ڈرو نہیں کیونکہ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں اور تمھیں کوئی گزند نہیں پہنچنے دوں گا۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام نے ایک دفعہ پھر اپنے پروردگار کی پناہ پکڑنے کا اعادہ کیا۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی قوم کے سامنے دوسری بات یہ کی وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ اور میری صداقت کے تمام دلائل دیکھنے کے باوجود اگر تم ایمان نہیں لاتے تو پھر مجھے چھوڑ دو، مجھ سے الگ ہو جاؤ۔ مطلب یہ کہ کم از کم مجھے تکلیف تو نہ پہنچاؤ۔ مجھے اپنا کام کرنے دو۔ جو کوئی حقیقت کو

سمجھتا چاہے گا۔ میں اُسے سمجھا دوں گا تم تعرض نہ کرو۔ اللہ کے تمام نبیوں نے اپنی اپنی قوم کو یہی بات کہی کہ ایمان قبول کر کے اپنی فلاح کا سامان پیدا کرو، اور اگر تم ایسا نہیں کرتے تو پھر مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ مگر کافر و مشرک اللہ کے نبی کو کھلی چھٹی دینے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے کیونکہ وہ انہیں اپنے لیے ایک مستقل خطرہ تصور کرتے تھے اور انبیاء کو تبلیغِ حق سے باز رکھنے کے لیے انہیں اذیتیں پہنچاتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا گیا۔ وہ آپ کو تبلیغ کا حق تو کیا دیتے آپ کی جان کے درپے ہو گئے۔

قوم کے خلاف شکایت

بالآخر موسیٰ علیہ السلام نے تنگ آ کر فَدَعَا رَبَّهٗٓ اپنے پروردگار کے حضور دُعا کی اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ پروردگار! یہ قوم تو سخت گنہگار ہے جو اپنی شرارتوں سے باز آنے والے نہیں۔ میں نے انہیں چالیس سال تک ہر طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی ہے اان کی طرف سے تکالیف پر صبر کیا ہے۔ مگر یہ کسی طرح مانتے ہی نہیں۔ سورۃ یونس میں موسیٰ علیہ السلام کی بددعا کا ذکر بھی ہے جو انہوں نے قوم کے حق میں کی۔ عرض کیا، پروردگار! تو نے فرعون اور اس کے حواریوں کو اس دنیا کی زندگی میں وافر مال و دولت اس لیے عطا کی ہے کہ یہ لوگوں کو تیرے راستے سے گمراہ کریں۔ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ (آیت - ۸۸) پروردگار ان کے مالوں کو مٹا دے یعنی ان کو عطا کردہ مال چھین لے اور ان کے سونے چاندی کے ڈھیروں کو مٹی میں تبدیل کر دے کیونکہ یہ لوگ تیرے عذاب دیکھے بغیر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ ان کو ضرور سزا ملنی چاہیئے۔

مصر سے نکل جانے کا حکم

جب کسی قوم کے ظلم و ستم انتہا کو پہنچ جاتے ہیں اور وہ اللہ کے نبیوں کی ہلاکت کے منصوبے بنانے لگتے ہیں تو پھر اللہ کا غضب بھی جوش میں آجاتا ہے۔ قومِ فرعون پر بھی یہی وقت آچکا تھا، جس طرح آیت - ١٦ میں گزر چکا ہے اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں،

قومِ فرعون سے انتقام لینے کا وقت آچکا تھا۔ اس مقصد کے لیے

اسباب کا آغاز پہلے ہی ہو چکا تھا۔ سارے بنی اسرائیل اپنے قومی میلے کے لیے شہر سے باہر کھلے میدان میں جمع تھے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلاً اے موسیٰ (علیہ السلام)! میرے بندوں کو لے کر راتوں رات یہاں سے نکل جاؤ۔ مگر گھبرانا نہیں کیونکہ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ یعنی فرعونی لشکر تمہارے تعاقب میں تمہارے پیچھے آئے گا۔ ہم تمہیں تو اپنی حفاظت میں لے لیں گے مگر انہیں ہمیشہ کے لیے نابود کر دیں گے۔ چنانچہ اللہ کے اس حکم کی تعمیل میں موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر چل پڑے حتیٰ کہ بحر قلزم کے کنارے پہنچ گئے۔ آگے سمندر تھا اور پیچھے لشکر فرعونی، لوگ سخت گھبرا گئے قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ (الشعراء - ٦١) موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کہنے لگے کہ ہم تو فرعون کے ہاتھوں پکڑے گئے۔ مگر آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ (آیت - ٦٢) میرا پروردگار میرے ساتھ ہے۔ وہ ضرور کوئی بچاؤ کی صورت پیدا فرمائے گا۔

فرعونیوں کی غرقابی

پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام نے سمندر میں لاٹھی ماری تو وہ پھٹ گیا اور اُس میں خشک راستے بن گئے موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو ان راستوں پہ ڈال دیا اور اس طرح وہ بحفاظت بحیرہ قلزم کو عبور کر گئے۔ خشک راستے ابھی تک موجود تھے اور فرعونی لشکر پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ اس موقع پہ اللہ نے فرمایا اے موسیٰؑ! وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا سمندر کو اسی طرح رکا ہوا چھوڑ دو تاکہ فرعونی لشکر بھی انہی راستوں پہ سمندر میں داخل ہو جائے۔ فرمایا اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ فرعون کے اس لشکر کو ہم غرق کرنے والے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب فرعون کا لشکر سمندر کے کنارے پہ پہنچا تو انہوں نے دیکھا کہ پانی میں خشک راستے بنے ہوئے ہیں جن پہ چل کر بنی اسرائیل سمندر کو عبور کر چکے ہیں۔ چنانچہ سارا فرعونی لشکر بمع فرعون انہی راستوں پہ چل نکلا۔ تفسیری روایات میں آتا ہے کہ اس لشکر کی تعداد تیرہ لاکھ تھی۔ چنانچہ جب وہ سمندر کے درمیان میں پہنچے تو اللہ کے حکم سے پانی جاری ہو گیا اور پورے کا پورا لشکر بحیرہ قلزم کی موجوں کی نذر ہو گیا۔

فرعونیوں کی وراثت

آگے اللہ نے عبرت اور انذار کے انداز میں فرمایا کَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ اس غرق ہونے والی قوم نے اپنے پیچھے کتنے باغات اور چشمے چھوڑے مصر بڑا ذرخیز ملک تھا۔ ڈیم بنے ہوئے تھے، نہریں جاری تھیں، پانی وافر تھا جس سے زمین سیراب ہوتی تھی اور بے شمار باغات اور چشمے تھے وَّزُرُوْعٍ اور کھیتیاں تھیں جن میں غلہ پیدا ہوتا تھا وَّمَقَامٍ كَرِیْمٍ اور عزت کے مقامات تھے یعنی ان کے محلات، عالیشان کوٹھیاں اور مکان تھے۔ جہاں وہ باعزت رہتے تھے اور جہاں ہر طرح کی سہولتیں میسر تھیں۔ بڑی بڑی مصری عمارات نمونے تو آج بھی اہرام مصر اور دیگر گنبدوں اور میناروں کی صورت میں موجود ہیں یہ سب چیزیں فرعونی اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔ فرمایا، اس کے علاوہ وَّنَعْمَةٍ دیگر بہت سی نعمتیں بھی میسر تھیں جن کے ذریعے وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے كَانُوْا فِیْهَا فٰكِهِیْنَ اور جن میں یہ لوگ خوشیاں منایا کرتے تھے وہ سب کچھ یہیں چھوڑ گئے۔

فرمایا كَذٰلِكَ یہ واقعہ اسی طرح پیش آیا۔ سورۃ طٰہٰ میں ہے۔ فَغَشِیَهُمْ مِّنَ الْیَمِّ مَا غَشِیَهُمْ (آیت - ۷۸) وہ دریا کی موجوں کا شکار ہو گئے اور ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا سوائے فرعون کی لاش کے کہ جس کو عبرت کے لیے پانی سے باہر پھینک دیا گیا جو آج بھی عجائب گھر میں لوگوں کو درس عبرت دے رہی ہے۔ فرمایا یہ فرعونی جو کچھ بھی اپنے پیچھے چھوڑ گئے وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ہم نے اس کا وارث دوسرے لوگوں کو بنا دیا۔ یہ باغات، چشمے، محلات اور تمام نعمتوں پہ دوسرے لوگوں کا قبضہ ہوا اور وہ ان سے مستفید ہونے لگے۔

یہ کون لوگ تھے جو فرعونیوں کی متروکہ جائیداد کے وارث بنے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ نے بنی اسرائیل کو ان چیزوں کا وارث بنایا۔ مگر یہ بات تاریخ کے خلاف ہے کیونکہ بنی اسرائیل سمندر کو عبور کر کے صحرائے سینا

کی طرف چلے گئے اور فرعونیوں کی غرقابی کے باوجود واپس مصر نہیں گئے۔ البتہ بہت آگے چل کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کو مصر پر دوبارہ تسلط حاصل ہوا۔ ہوسکتا ہے کہ اس وراثت سے یہی وراثت مراد ہو جو بعد میں بنی اسرائیل کو حاصل ہوئی۔ تاہم بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ اس وراثت سے مراد بعینہ اُن چیزوں کی وراثت نہ ہو جو فرعونی غرقابی کے وقت چھوڑ گئے تھے بلکہ اس سے اُن جیسی دوسری چیزوں کی وراثت مراد ہو جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو شام و فلسطین کی سرزمین میں عطا فرمائی۔ وہاں بھی اللہ نے ان کو باغات، چشمے، کھیتیاں اور محلات کا وارث بنایا۔ لہٰذا ہوسکتا ہے کہ اس وراثت سے مراد فرعونیوں کے ترکہ کی مثل مراد ہو، اور اللہ نے اس طرح اپنا وعدہ پورا کر دیا ہو

بلا افسوس ہلاکت

قومِ فرعون کی ہلاکت کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ اُن کی ہلاکت پر نہ آسمان رویا اور نہ زمین۔ احادیث سے اس کا مطلب یہ اخذ ہوتا ہے کہ ارض و سما کو فرعونیوں کی ہلاکت پر قطعاً افسوس نہ ہوا۔ احادیث میں آتا ہے کہ نیک آدمی کی موت پر آسمان اور زمین افسوس کرتے ہیں۔ برخلاف اس کے جب کسی نافرمان آدمی کی موت واقع ہوتی ہے تو زمین، آسمان، شجر و حجر غرضیکہ ہر چیز اللہ کا شکر ادا کرتی ہے کہ مخلوق اس شریر آدمی کی شرارت سے محفوظ ہوگئی۔

حدیث میں آتا ہے کہ ہر مومن آدمی کے لیے آسمان میں دو دروازے کھلے ہوتے ہیں۔ ایک دروازے سے اُس کے نیک اعمال اُوپر جاتے ہیں جب کہ دوسرے دروازے سے اُس کے لیے روزی کا حکم نازل ہوتا ہے۔ جب وہ شخص اس دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے تو مذکورہ دونوں دروازے بند ہوجاتے ہیں۔ اس پر یہ دروازے افسوس کا اظہار کرتے ہیں اور روتے ہیں کہ اُس مردِ مومن کے نیک اعمال کی آمد بند ہوگئی اور اُس کے رزق کا حکم بھی ختم ہوگیا۔ اسی طرح زمین کے وہ مقامات جہاں وہ نیک آدمی عبادت کرتا تھا یا نیکی کے دوسرے کام انجام دیتا تھا، وہ بھی روتے ہیں کہ آج وہ نیک اعمال اور عبادات ختم ہوگئیں۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ارض و سما کا مذکورہ رونا مجازی طور پر ہے یعنی ارض و سما نیک آدمی کی موت پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں جس کو رونے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس سے بعینہٖ رونا بھی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو نباتات اور جمادات میں بھی رونے کی کیفیت پیدا کر سکتا ہے چنانچہ احادیث میں حنانہ نامی خشک تنے کا ذکر آتا ہے جو مسجد نبوی میں گاڑا ہوا تھا اور جس کے ساتھ ٹیک لگا کر حضور علیہ السلام صحابہؓ کو خطاب کیا کرتے تھے پھر جب آپ کے لیے منبر تیار ہو گیا تو آپ اُس پر تشریف رکھنے لگے۔ اس جدائی پر وہ کھجور کا خشک تنا بچوں کی طرح بلک بلک کر رویا تھا۔ پھر آپ نے اُس پر دستِ شفقت رکھا تو وہ آہستہ آہستہ خاموش ہو گیا۔ مطلب یہ کہ ہو سکتا ہے اسی طرح ارض و سما بھی روتے ہوں جنہیں ہم محسوس نہیں کر سکتے۔ الغرض فرمایا کہ فرعونیوں کی موت پر نہ تو ارض و سما روئے وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ اور نہ ہی اُن کو مہلت دی گئی کہ وہ اپنی اصلاح کر سکتے بلکہ انہیں ہمیشہ کے لیے ذلیل و خوار کر کے نیست و نابود کر دیا گیا۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ مِنَ ٱلْعَذَابِ ٱلْمُهِينِ ﴿٣٠﴾
مِن فِرْعَوْنَ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ عَالِيًا مِّنَ ٱلْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾
وَلَقَدِ ٱخْتَرْنَٰهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٣٢﴾
وَءَاتَيْنَٰهُم مِّنَ ٱلْءَايَٰتِ مَا فِيهِ بَلَٰٓؤٌا۟ مُّبِينٌ ﴿٣٣﴾
إِنَّ هَٰٓؤُلَآءِ لَيَقُولُونَ ﴿٣٤﴾ إِنْ هِىَ إِلَّا مَوْتَتُنَا
ٱلْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُنشَرِينَ ﴿٣٥﴾ فَأْتُوا۟ بِـَٔابَآئِنَآ
إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿٣٦﴾ أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ
تُبَّعٍ وَٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ أَهْلَكْنَٰهُمْ ۖ إِنَّهُمْ
كَانُوا۟ مُجْرِمِينَ ﴿٣٧﴾ وَمَا خَلَقْنَا ٱلسَّمَٰوَٰتِ
وَٱلْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَٰعِبِينَ ﴿٣٨﴾ مَا خَلَقْنَٰهُمَآ
إِلَّا بِٱلْحَقِّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّ
يَوْمَ ٱلْفَصْلِ مِيقَٰتُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٠﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِى
مَوْلًى عَن مَّوْلًى شَيْـًٔا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤١﴾ إِلَّا
ع ۲/۱۳/۱۵ مَن رَّحِمَ ٱللَّهُ ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٤٢﴾

ترجمہ:- اور البتہ تحقیق ہم نے نجات دی بنی اسرائیل کو
ذلت ناک عذاب سے (۳۰) فرعون سے، بیشک تھا وہ مغرور

اور حد سے بڑھنے والا (۳۱) اور البتہ تحقیق ہم نے منتخب کیا
اُن (بنی اسرائیل) کو علم کے ساتھ جہان والوں پر (۳۲) اور دی
ہم نے اُن کو نشانیوں میں سے، جن میں صریح آزمائش
تھی (۳۳) بیشک یہ لوگ (اہل مکہ) کہتے ہیں (۳۴) نہیں ہے یہ
مگر ہماری پہلی ہی موت، اور نہیں ہم دوبارہ اٹھائے جائیں
گے (۳۵) پس لے آؤ ہمارے آباؤاجداد کو اگر تم سچے
ہو (۳۶) کیا یہ بہتر ہیں یا قومِ تبع اور وہ لوگ جو اُن سے
پہلے گزرے ہیں، ہم نے اُن کو ہلاک کیا، بے شک تھے
وہ مجرم (۳۷) اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں اور زمین
کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیلتے ہوئے (۳۸) اور نہیں پیدا کیا ہم نے
انکو مگر حق کے ساتھ لیکن اکثر ان میں سے نہیں جانتے (۳۹) بیشک
فیصلے کا دن ان کے وعدے کا دن ہے سب کا (۴۰)
جس دن نہ بچائے گا کوئی رفیق (ساتھی) دوسرے رفیق
سے کچھ بھی، اور نہ اس کی مدد کی جائے گی (۴۱) مگر وہ کہ
جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ بیشک وہ زبردست اور
نہایت رحم کرنے والا ہے (۴۲)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید، رسالت اور معاد کا مسئلہ سمجھانے کے لیے سابقہ اقوام اور خاص طور پر قومِ فرعون کا ذکر کیا۔ پھر اُس کے انجام کو بھی بیان کیا جو اُس کے غرور و تکبر کی وجہ سے ہُوا۔ وہ لوگ خود تو بحرِ قلزم میں غرق ہو گئے اور اپنے پیچھے سازوسامان، باغات، چشمے، محلات اور دیگر عیش و عشرت کی اشیاء چھوڑ گئے جن کا وارث اللہ نے دوسرے لوگوں کو بنایا۔ اللہ نے یہ بھی عبرت کے طور پر فرمایا کہ ان ناہنجاروں کی ہلاکت پر ارض و سما نہ روئے یعنی انہوں نے کوئی افسوس نہ کیا۔ جب ان لوگوں پر گرفت آئی تو پھر انہیں سنبھلنے کی مہلت بھی نہ ملی۔ اس سے حضور علیہ السلام اور آپ کے

پیرو کاروں کی تسلی بھی مطلوب تھی کہ اگر ان کے مخالفین بھی سابقہ اقوام کے نافرمانوں کے نقشِ قدم پر چلتے رہے تو اُن کا حشر بھی پہلی قوموں سے مختلف نہیں ہوگا۔

آزادی کی نعمت

فرعون اور اُس کے لشکر کی غرقابی کے بعد بنی اسرائیل آزاد ہو کر صحرائے سینا کی طرف چلے گئے۔ فرعون کی غلامی سے آزادی ایک بہت بڑی نعمت تھی جس کا تذکرہ اللہ نے اس مقام پر احسان کے طور پر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ اور البتہ تحقیق ہم نے نجات دی۔ بنی اسرائیل کو ذلت ناک عذاب سے۔ مِنْ فِرْعَوْنَ یعنی فرعون (اور اس کے حواریوں) سے۔ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ بے شک وہ سرکش متکبر اور حد سے بڑھنے والا تھا۔

بنی اسرائیل کی غلامی اور پھر آزادی کی تاریخ تقریباً چار صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر میں اقتدار حاصل تھا تو بنی اسرائیل کے بہتر [۷۲] یا اسی [۸۰] افراد مصر میں داخل ہوئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ اس سرزمین میں قبطی قوم آباد تھی اور یوسف علیہ السلام کے بعد اسی قوم کے بادشاہ حکمران رہے۔ اس قوم کے بادشاہ فرعون کہلاتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک بتیسواں [۳۲] فرعون مسندِ سلطنت پر متمکن تھا۔ اکثریت کی بنا پر قبطی قوم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا اور وہ ان سے طرح طرح کی بیگار لیتے، ان کو حقیر جانتے اور ان پر مظالم ڈھاتے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے فرعون کو دعوتِ توحید اور بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیا تو اُس نے موسیٰ علیہ السلام پر احسان جتلاتے ہوئے یاد دلایا کہ میں نے تمہاری بچپن میں پرورش کی۔ اور تم سال ہا سال تک ہمارے ہاں مقیم رہے، اور پھر جب تم نے ایک قبطی کو قتل کر دیا تو پھر بھی ہم نے تجھ سے بدلہ نہ لیا، اور اب تم ہمیں توحید کی دعوت دینے آئے ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے تو ایک شخص کو غلطی سے قتل کیا تھا۔ حالانکہ میرا ارادہ قطعاً قتل کا نہ تھا۔ اس کے برخلاف کیا تیرا مجھ پر یہی احسان ہے اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ (الشعراء-۲۲) کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے؟ بہر حال فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول نہ کیا اور بنی اسرائیل کو برابر غلامی کی بیڑیوں میں جکڑے رکھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ کے نتیجے میں فرعونیوں کے مظالم مزید بڑھ گئے۔ حتیٰ کہ

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں فرعون سے نجات کی درخواست کی تو اللہ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ۔ جب آپ قوم کے ہمراہ بحرِ قلزم پر پہنچے تو اللہ نے وہاں بھی مدد فرمائی اور سمندر کے بیچوں بیچ خشک راستے بنا دیئے جن پر چل کر بنی اسرائیل سمندر سے پار چلے گئے۔ فرعون اور اس کا لشکر تعاقب میں آ رہا تھا، جب انہوں نے دیکھا کہ بنی اسرائیل ان خشک راستوں سے سمندر عبور کر گئے ہیں تو انہوں نے بھی اپنے گھوڑے انہی راستوں پر ڈال دیے مگر جب سمندر کے درمیان میں پہنچے تو اللہ کے حکم سے سمندر کا پانی مل گیا اور تیرہ لاکھ کا فرعونی لشکر غرق ہو گیا۔ اس وقت بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تک پہنچ چکی تھی اور وہ سارے کے سارے مصر سے نکل کر صحرائے سینا میں چلے گئے۔ اسی واقعہ کا ذکر اللہ نے یہاں کیا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو نجات دی ذلّت ناک عذاب سے۔

غلامی کی لعنت

اِس مقام پر ذلّت ناک عذاب سے مراد یہی غلامی کی مصیبت ہے جس میں بنی اسرائیل صدیوں سے پھنسے ہوئے تھے۔ غلامی بجائے خود ایک لعنت ہے۔ سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ نے آزاد اور غلام کا تقابل فرمایا کہ یہ کیسے برابر ہو سکتے ہیں جب کہ آزاد آدمی اپنی ہر چیز کا مالک اور متصرف ہوتا ہے اور عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ (آیت ۔ ۷۵) غلام آدمی کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔ غلامی خواہ شخصی ہو یا اجتماعی غیر فطری چیز ہے۔ اس سے انسان کی فطرت خراب ہو جاتی ہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ غلام کی اپنی کوئی رائے نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ ہمیشہ اپنے آقا کا تابع ہوتا ہے، اسی وجہ سے اُس کی کوئی ضمیر بھی نہیں ہوتی۔

شخصی غلامی کا رواج قدیم زمانے سے چلا آ رہا تھا اور نزولِ قرآن کے زمانے میں یہ دنیا کے ہر خطے میں پایا جاتا تھا۔ یہ رواج تو اب پوری دنیا سے ختم ہو چکا ہے۔ مگر اجتماعی غلامی، یعنی سیاسی، ذہنی، اقتصادی اور تہذیبی غلامی آج بھی دُنیا میں موجود ہے۔ تمام ترقی پذیر ممالک ترقی یافتہ ممالک کے کسی نہ کسی صورت میں غلام ہیں۔ سیاسی غلامی یہ ہے کہ پس ماندہ ممالک کوئی فیصلہ اپنی مرضی سے نہیں کر سکتے بلکہ انہیں کسی سپر طاقت کی طرف دیکھنا پڑتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک نے پس ماندہ ممالک کو اقتصادی غلامی میں بُری طرح جکڑ

رکھا ہے جس سے وہ چاہنے کے باوجود نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پاتے۔ سرمایہ دار ممالک ایڈ کے نام پر قرضے دیتے ہیں اور پھر غریب ممالک کو اس جال میں بُری طرح جکڑ لیتے ہیں۔ اس نام نہاد امداد کی بنیادی شرط یہ ہوتی ہے کہ امدادی رقم سے امداد دہندہ ملک سے مال خریدنا پڑتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے مشیر بھی امداد وصول کنندہ ملک میں بھیج دیتا ہے اس طرح یہ ممالک کچھ فائدہ تو اس تجارتی لین دین میں اٹھا لیتے ہیں اور کچھ رقم مشیروں کی تنخواہوں اور مراعات کی شکل میں واپس لے لیتے ہیں۔ اور غریب ملک بیچارہ قرضے اور اس پر سود کی ادائیگی کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ قرضے پر ادا کیے جانے والے سود کی ادائیگی کے لیے مزید قرضہ لینا پڑتا ہے، اور اس طرح غریب ممالک اقتصادی طور پر غلام بن کر رہ جاتے ہیں۔

جب قرض دہندہ ملک سے مشیر آتے ہیں تو وہ اپنی تہذیب اور ثقافت بھی ساتھ لاتے ہیں۔ اسی طرح جن غریب ممالک سے لوگ اعلیٰ تعلیمی وظائف پر دیگر ممالک میں جاتے ہیں، وہ بھی انہی کی تہذیب میں رنگے جاتے ہیں اور انہی کا ذہن لے کر واپس آتے ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی پھر مقامی لوگ بھی وہی تہذیب اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اسی میں عزت جانتے ہیں۔ اس طرح غریب ممالک اقتصادی غلامی کے ساتھ ساتھ ذہنی اور تہذیبی غلامی کا بھی شکار ہو جاتے ہیں وہ اپنی تہذیب و ثقافت حتیٰ کہ اپنی زبان کو بھی حقیر سمجھنے لگتے ہیں اور ہر کام میں ترقی یافتہ ممالک کی نقالی میں ہی عزت خیال کرتے ہیں۔ ہمارا ملک بھی ایسی ہی سیاسی، اقتصادی، ذہنی اور تہذیبی غلامی کا شکار ہے۔ اس کی ہر سکیم باہر سے بن کر آتی ہے، اس پر عمل درآمد کے لیے مشیر آتے ہیں۔ سود پر قرضہ حاصل کیا جاتا ہے اور آج حالت یہ ہے کہ پاکستان اربوں ڈالر کا مقروض ہے۔ ان قرضوں پر صرف سود کی ادائیگی کے لیے مزید قرضے لینے پڑتے ہیں اور اس طرح ہم ایسے گورکھ دھندے میں پھنس چکے ہیں جس سے نکلنا محال نظر آتا ہے۔

انگریز ویسے بھی مسلمانوں کا ازلی دشمن ہے۔ اس نے برصغیر میں مسلمانوں کو مغلوب کر کے حکومت حاصل کی، لہٰذا وہ ان سے ہمیشہ خائف رہتا تھا اور انہیں ہر صورت میں

دبائے رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریز کو مسلمانوں کو کچلنے کا ایک اور بہانہ ہاتھ آگیا، چنانچہ اس نے تمام سرکردہ علماء اور سیاستدانوں کو قتل کروا دیا۔ بعض کو جزائر انڈیمان میں قید کر دیا۔ بعض کی جائیدادیں چھین لیں اور ان کو طرح طرح کے مظالم کا شکار بنایا۔ انگریز جانتے تھے کہ اگر برصغیر کے لوگ آزادی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو افریقی ممالک بھی ان کا تسلط زیادہ دیر تک برداشت نہیں کریں گے چنانچہ ایسا ہوا، جنگ عظیم دوئم کے نتیجے میں جب انگریزوں کو یہاں سے جانا پڑا تو افریقی ممالک کو بھی ہوش آیا اسطرح بہت سے افریقی ممالک نے بھی آزادی حاصل کر لی اور بعض اب تک اسی چکر میں پھنسے ہوئے ہیں غرضیکہ پسماندہ ممالک کسی نہ کسی طرح امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی، روس یا چین کے غلام ہیں اور بقول علامہ اقبال " غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر" ترقی پذیر ممالک بے ضمیر ہو چکے ہیں اور ترقی یافتہ ممالک کے رحم وکرم پر ہیں ۔

غلامی کی ایک صورت فرقہ واریت بھی ہوتی ہے ۔ زبردست قوم زیردست قوم میں فرقہ پرستی اور گروہ بندی کو ہوا دیتی اور پھر ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ساتھ لڑا دیتی ہے ،، دو متحارب فریق اپنے آقا کے محتاج بن جاتے ہیں اور اس طرح " لڑاؤ اور حکومت کرو" کا فارمولا کامیابی کے ساتھ آزماتے رہتے ہیں۔ ہم مسلمان آٹھ سو سال سے ان مصائب میں مبتلا چلے آ رہے ہیں تاتاریوں کے زمانے سے ہمارے قدم ڈگمگائے جو آج تک نہیں سنبھل سکے، ترکی نے چار سو سال تک خلافت کا دفاع کیا مگر بالآخر مغلوب ہو گئے حتیٰ کہ انگریزوں نے مسلمانوں کے شعار " خلافت " کا نام تک مٹا دیا ۔ اب دنیا میں مسلمانوں کی کم وبیش پچاس ریاستیں ہیں مگر وہ اس قدر بے بس ہیں کہ کوئی ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکتا، گویا کہ مسلمانوں کی اجتماعیت بالکل ہی ختم ہو چکی ہے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ جس قوم کا اپنا فلسفہ نہیں ہوتا وہ دوسرے کے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ جب تک مسلمانوں میں اپنا ذہن، اپنا فلسفہ اور اپنی سوچ پیدا نہیں ہو گی یہ دوسروں کی غلامی سے آزاد نہیں ہو سکتے ۔ بہرحال یہ تو ایک ضمناً بات ہو گئی ۔ فرعون نے بنی اسرائیل کو ذلت ناک عذاب میں ڈال رکھا تھا۔ جس سے اللہ نے انہیں نجات

دی اور جس کا ذکر اِن آیات میں کیا گیا ہے۔

آزادی کی فضیلت

دینِ اسلام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں غلامی کو روا رکھا گیا ہے۔ حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ نزولِ قرآن کے زمانہ میں پوری دنیا میں غلامی کا رواج تھا۔ غلام بنانے کی صورت خود قرآن نے سورۃ قتال میں بیان کی ہے کہ جب دو متحارب گروہوں کے درمیان جنگ ہوتی تو اس کے نتیجے میں متحارب گروہوں کے قیدی بھی ایک دوسرے کی تحویل میں چلے جاتے۔ اِن قیدیوں کو یا تو قتل کر دیا جاتا، یا آپس میں قیدیوں کا تبادلہ کر لیا جاتا، یا اُن سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جاتا، اور اِن میں سے کوئی صورت بھی ممکن نہ ہوتی، تو اُن کو غلام بنا لیا جاتا۔ جب اسلام آیا تو اُس نے غلامی کے رواج کو قطعاً پسند نہیں کیا۔ بلکہ بعض مصلحتوں کی وجہ سے اس کو روا رکھا، کیونکہ اُس وقت سارا کاروبار غلاموں کے ذریعے انجام پاتا تھا اور اگر غلامی کو یکسر ختم کر دیا جاتا تو سارا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جاتا اور دنیا اقتصادی جمود کا شکار ہو جاتی۔ البتہ اسلام نے غلامی کے اس رواج میں ہر چند اصلاح کی کوشش کی بلکہ اس کے خاتمہ کے لیے بہت سی ترغیبات بھی دیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ غلام تمھارے بھائی ہیں۔ ان کو انسانیت سے خارج نہ کرو۔ کسی وجہ سے تمھاری غلامی میں آ گئے ہیں تو ان کے ساتھ ہمدردی کا سلوک کرو، جو خود کھاتے ہو ان کو بھی کھلاؤ۔ اور جو خود پہنتے ہو ان کو بھی پہناؤ۔ اِن سے طاقت سے زیادہ کام نہ لو اور اگر کوئی مشقت طلب کام اُن کے سپرد کرو تو اُس میں خود بھی اُن کا ہاتھ بٹاؤ۔

جہاں تک آزادی کی ترغیبات کا تعلق ہے۔ اسلام نے غلام کی آزادی کو بڑی فضیلت بخشی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے مختلف جنایات کا کفارہ غلام کی آزادی کو قرار دیا ہے۔ قسم توڑنے، بلاوجہ روزہ توڑنے اور ظہار کا کفارہ بھی غلامی کی آزادی مقرر کیا گیا ہے۔ اگر غلام میں صلاحیت ہو تو اسے مکاتبت کے ذریعے بھی آزاد کیا جا سکتا ہے۔ سورۃ نور میں موجود ہے کہ اگر تمھارے غلام تم سے مکاتبت چاہیں یعنی مقررہ رقم ادا کر کے آزادی حاصل کرنا چاہیں تو ان کے راستے میں رکاوٹ نہ بنو۔ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا (آیت ۳۳) اگر اُن میں

بہتری پاؤ تو انہیں مکاتبت کے طور پر آزاد کر دو۔ پھر جب وہ مقررہ رقم ادا کر چکیں تو انہیں مکمل آزادی دے دو۔ اسی طرح اگر غلطی سے قتل ہو جائے تو اُس کا کفارہ بھی ایک غلام کی آزادی ہے۔ بہر حال اسلام نے اُس وقت غلامی میں اصلاح اور اس کی آزادی کا بیڑا اٹھایا جب ساری دنیا اس لعنت میں گرفتار تھی اور اب جب کہ دنیا بھر میں غلامی کا خاتمہ ہو چکا ہے تو اسلام کو اس میں کچھ اعتراض نہیں بلکہ یہ اسلام ہی کے ایک مقصد کی تکمیل ہے۔ غرضیکہ اغیار کے اس اعتراض کی کوئی حقیقت نہیں کہ اسلام نے غلامی کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

بنی اسرائیل کی فضیلت

بنی اسرائیل کی آزادی کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ اور البتہ تحقیق ہم نے علم کے ساتھ بنی اسرائیل کو جہان والوں پر منتخب فرمایا۔ یہ اُس دور کی بات ہے۔ اُس زمانے میں واقعی بنی اسرائیل کو اللہ نے باقی اقوامِ عالم پر فضیلت بخشی۔ پھر جب حضور علیہ السلام کا زمانہ مبارکہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آخری امت کو تمام امم پر فوقیت عطا فرمائی اور اس کو خَيْرَ اُمَّةٍ کہہ کر خطاب فرمایا کہ تم جہان بھر میں بہترین امت ہو۔ تاہم اپنے دور میں بنی اسرائیل کو ہی فضیلت حاصل تھی عَلٰى عِلْمٍ کا مطلب یہ ہے کہ ہم جانتے تھے کہ اس امت میں بہت سی کمزوریاں بھی تھیں لیکن اس کے باوجود اللہ نے اُن کو باقی لوگوں کے مقابلے میں منتخب فرمایا۔

نیز فرمایا وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ اور ہم نے اُن کو بہت سی نشانیاں بھی دیں جن میں اُن کی صریح آزمائش تھی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے بہت سے معجزات عطا فرمائے۔ بنی اسرائیل کے لیے بادلوں کا سایہ کیا، اُن پر من وسلویٰ نازل کیا، اس سے پہلے بحر قلزم میں راستے بنا کر اُن کو پار کرایا اور اس طرح انہیں فرعون کی غلامی سے نجات دلائی۔ یہ سب معجزات اور نشانیاں تھیں جن سے بنی اسرائیل مستفید ہوئے۔

معاد اور جزائے عمل

اللہ نے فرعون اور اُس کی قوم کا حال ذکر کر کے فرمایا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ

بیشک یہ مکے اور عرب کے مشرک لوگ کہتے ہیں۔ اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى یہ ہماری پہلی موت ہی ہے جو آنے والی ہے وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے گویا انہوں نے معاد کا انکار کر دیا کہنے لگے اگر تمہارے کہنے کے مطابق تمام مردوں کو دوبارہ جی اٹھنا ہے فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ تو پھر ہمارے آباؤ اجداد کو زندہ کر کے لے آؤ اگر تم اپنے دعوٰی میں سچے ہو۔ اِس کے بغیر ہم کیسے مان لیں کہ مرنے کے بعد ہر ایک کو دوبارہ زندہ ہو کر اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے، حساب کتاب کی منزل پیش آتی ہے اور پھر جزائے عمل کے فیصلے ہوتے ہیں۔

اللہ نے فرمایا، یہ کتنے مغرور لوگ ہیں جو ایسی باتیں کرتے ہیں، ذرا ان سے پوچھو اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ کیا یہ بہتر ہیں یا قوم تبع۔ اس قوم کا تعلق یمن کے قبیلہ حمیر سے تھا۔ یہ خاندان اڑھائی تین سو سال تک سبا میں حکمران رہا۔ وہاں پر کئی تبع گزرے ہیں یعنی بڑا اوسط اور چھوٹا۔ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اوسط تبع کا ذکر ہے جو خود تو مسلمان تھا مگر اس کی قوم کافر تھی۔ ساز و سامان کے لحاظ سے اللہ نے ان کو بہت کچھ دے رکھا تھا اور بڑے آسودہ حال لوگ تھے۔ حدیث میں آتا ہے کہ تبع کو بُرا نہ کہو کیونکہ وہ ایمان والا تھا۔ تو فرمایا تبع کے مقابلہ ان مشرکین مکہ کی کیا حیثیت ہے ذرا ان سے پوچھو کہ یہ بہتر ہیں یا قوم تبع وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ یا وہ لوگ بہتر تھے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ اُن کے پاس تو مال و دولت اور جاہ و اقتدار اور لاؤ لشکر تھا، مگر اِن کے پاس کیا رکھا ہے۔ اَهْلَكْنٰهُمْ ہم نے اُن کو بھی ہلاک کر دیا۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ کیونکہ وہ گنہگار لوگ تھے جب یہ بھی انہی کے نقش قدم پر چل کر توحید اور رسالت کا انکار کر رہے ہیں تو یہ ہلاکت سے کیسے بچ سکتے ہیں۔ فرمایا وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ہم نے آسمانوں، زمین اور اُن کے درمیان کی تمام چیزوں کو محض کھیل کے طور پر تو پیدا نہیں کر دیا۔ بلکہ اس کائنات کی تخلیق میں ہماری حکمت کار فرما ہے جس

چیز کا آغاز ہے اُس کا انجام بھی ضرور واقع ہوگا۔ قیامت برپا ہوگی اور حساب کتاب کی منزل آئے گی۔

فرمایا ہمارا قائم کردہ نظامِ کائنات باطل نہیں ہے بلکہ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ہم نے ارض و سما کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ مگر ان میں سے اکثر بے علم ہیں جو اس کی حقیقت کو نہیں جانتے۔ فرمایا اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ بے شک فیصلے کا دن ان سب کے وعدے کا دن ہے۔ وہ دن آنے والا ہے جب تمام امور کے ٹھیک ٹھیک فیصلے کیے جائیں گے اس دن ان کو پتہ چلے گا کہ بعث بعد الموت برحق ہے اور پھر انھیں ذرے ذرے کا حساب دینا پڑے گا۔ یہ ایسا دن ہوگا يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا جس دن کوئی رفیق، دوست اور ساتھی کسی دوسرے رفیق کے کام نہیں آسکے گا بلکہ ہر ایک کو اپنی اپنی فکر ہوگی۔ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ اور نہ ہی اُن کی کسی دوسرے طریقے سے مدد کی جائے گی۔ اس دن ایمان اور نیکی ہی کام آئے گی۔ جس کے پاس یہ چیزیں ہوں گی وہی مامون ہوگا اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ہاں! جس پہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے دروازے کھول دے گا، وہ کامیاب ہو جائے گا۔ اور اللہ کی مہربانی اُسی شخص پہ ہوگی جو دنیا میں خدا کی وحدانیت پہ ایمان لایا، اس کے نبیوں کا اتباع، اللہ کی کتابوں، ملائکہ اور بعث بعد الموت پہ یقین کیا۔ فرمایا اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ بے شک وہ کمال قدرت کا مالک اور زبردست ہے اور ساتھ ساتھ وہ نہایت رحم کرنے والا بھی ہے۔ جو اس کی طرف رجوع کرے گا۔ وہ ضرور اس کو اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا۔ اس کی رحمت سے نا اُمید نہیں ہونا چاہیئے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ایمان اور نیکی حاصل کرنے کا بندوبست بھی کرنا چاہیئے۔

إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ﴿٤٣﴾ طَعَامُ الْأَثِيمِ ﴿٤٤﴾ كَالْمُهْلِ ۚ
يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿٤٥﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيمِ ﴿٤٦﴾ خُذُوهُ
فَاعْتِلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ
رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ﴿٤٨﴾ ذُقْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ
الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ﴿٤٩﴾ إِنَّ هَٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ
تَمْتَرُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾
فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾ يَلْبَسُونَ مِنْ سُنْدُسٍ
وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿٥٣﴾ كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَاهُمْ
بِحُورٍ عِينٍ ﴿٥٤﴾ يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ
آمِنِينَ ﴿٥٥﴾ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ
الْأُولَىٰ ۖ وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٥٦﴾ فَضْلًا مِنْ
رَبِّكَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٥٧﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ
بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ فَارْتَقِبْ إِنَّهُمْ ع ٣ ١٧ ١٦
مُرْتَقِبُونَ ﴿٥٩﴾ ع

ترجمہ :- بے شک تھوہر کا درخت ﴿۴۳﴾ کھانا ہے گنہگار کا ﴿۴۴﴾
پگھلے ہوئے تانبے کی طرح، جو کھولتا ہے پیٹوں میں ﴿۴۵﴾

جیسے کھولتا ہوا پانی ⑯ (حکم ہوگا) پکڑ لو اس کو، پھر
کھینچ کر لے جاؤ جہنم کے درمیان ⑰ پھر ڈالو اس کے
سر پر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب ⑱ (کہا جائے گا) چکھ،
بیشک تو غالب اور عزت والا تھا ⑲ بیشک یہ وہی
چیز ہے جس کے بارے میں تم شک کرتے تھے ⑳
بیشک متقی (ڈرنے والے) لوگ امن کے مقام میں ہوں
گے ⑤١ باغوں اور چشموں میں ⑤٢ پہنیں گے وہ باریک ریشم
اور موٹا ریشم، آمنے سامنے ہوں گے ⑤٣ اسی طرح ہوگا۔ ہم
بیاہ دیں گے ان کو موٹی آنکھوں والی حوروں کے ساتھ ⑤٤
وہ منگوائیں گے اس میں ہر قسم کا پھل امن سے ⑤٥ نہ چکھیں
گے اس میں موت کو، لیکن وہی موت جو پہلے آچکی۔ اور بچایا
جائے گا ان کو جہنم کے عذاب سے ⑤٦ یہ فضل ہے تیرے
پروردگار کی طرف سے، اور یہ ہے کامیابی بڑی ⑤٧ اے پیغمبر!
بیشک ہم نے آسان کر دیا ہے اس (قرآن) کو آپ کی زبان
میں تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں ⑤٨ پس آپ انتظار کریں
بیشک یہ بھی انتظار کرنے والے ہیں ⑤٩

ربط آیات

پہلے قرآن کی حقانیت اور صداقت بیان کی، پھر توحید کا مسئلہ سمجھایا، مشرکین کی قباحت، شرک کا رد اور پھر اس کا انجام بھی بیان ہوا۔ حق کی مخالفت کرنے والوں میں فرعون اور اس کے حواریوں کا تذکرہ ہوا اور پھر ان کی غرقابی کا ذکر بھی ہوا۔ اللہ نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلائی اور ان کو اپنے زمانے میں جہاں بھر میں فضیلت عطا کی، پھر قریش مکہ اور مشرکین عرب کو تنبیہ کی گئی کہ تم سے پہلے قوم تبع جیسے بڑے بڑے ساز و سامان اور دولت والے لوگ گزر چکے ہیں، ان کے حالات سے عبرت پکڑو، تم کس بنا پر قیامت کا انکار کر رہے ہو۔ فرمایا ہم نے ارض و سما، اور

ان کے درمیان کی اشیاء کو محض لہو ولعب کے طور پر نہیں بنایا بلکہ ان کی تخلیق خاص حکمت اور مصلحت کی بناء پر عمل میں آئی ہے۔ آخری فیصلے کے لیے ایک دن مقرر ہے۔ اس دن سب اگلے پچھلے اکٹھے ہوں گے، حساب کتاب کی منزل آئے گی اور کوئی دوست کسی دوست کے کام نہیں آسکے گا اور نہ ہی کہیں سے مدد پہنچے گی۔ ہاں! جس پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہوگی۔ وہ اس کے غضب سے بچ جائے گا۔

مجرمین کا انجام

اب آج کے درس میں ترغیب و ترہیب کے سلسلے میں پہلے مجرموں کو ڈرایا گیا ہے اور ان کو پیش آنے والے حالات کا کچھ تذکرہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ بے شک تھوہر کا درخت طَعَامُ الْاَثِیْمِ گنہگار کا کھانا ہے، جہنم میں تھوہر کا درخت دوزخیوں کی خوراک بنے گا۔ جب ان کو بھوک ستائے گی تو کھانے کے لیے تھوہر کا درخت پیش کیا جائے گی۔ اس کی کیفیت یہ ہوگی کَالْمُهْلِ کہ یہ پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ جو کھانے کے بعد پیٹوں میں جا کر کھولے گا یعنی جوش مارے گا کَغَلْیِ الْحَمِیْمِ جس طرح کھولتا ہوا پانی جوش مارتا ہے۔ گنہگاروں کی اس قسم کی کیفیت سورۃ الغاشیہ میں بیان کی گئی ہے۔ فرمایا ان کے لیے خار دار جھاڑ کے سوا کوئی کھانا نہیں ہوگا لَا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ (آیت - ۷) جو نہ فربہی لائے گا اور نہ بھوک کو مٹائے گا۔ سورۃ الواقعہ میں بھی مجرموں کی حالت اس طرح بیان کی گئی ہے لَاٰکِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ (آیت ۵۲) کہ تم تھوہر کے درخت سے کھاؤ گے، اور پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پیو گے جیسے پیاسے اونٹ پانی پیتے ہیں۔ ترمذی شریف اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا لوگو! اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ اللہ سے ڈر جاؤ جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ یاد رکھو! اگر دوزخ کے تھوہر کے درخت کا ایک قطرہ دنیا میں پھینک دیا جائے تو دنیا کی ساری چیزیں اس قدر کڑوی اور تلخ ہو جائیں کہ کھانے پینے کے قابل نہ رہیں۔ اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جن لوگوں کی خوراک یہ درخت ہوگا ان کی کیا حالت ہوگی۔

تھوہر کا پودا ایشیا اور افریقہ دونوں براعظموں میں پایا جاتا ہے تاہم افریقی تھوہر نسبتاً زیادہ شدید ہوتا ہے۔ اس سے گوند بھی نکالا جاتا ہے جس کی تاثیر سخت گرم ہوتی ہے۔ بڑا کڑوا اور تلخ ہوتا ہے، تاہم سنکھیا کی طرح اس کو مدبر کر کے بعض ادویات بھی تیار کی جاتی ہیں۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اُن کے مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران دو ہندوستانی طالب علموں نے اشکال پیش کیا کہ قرآن نے تھوہر کو دوزخیوں کی خوراک بنایا ہے حالانکہ اس کا پھل یہاں مکہ میں کھایا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا جواب یہ دیا کہ اللہ نے تھوہر کے درخت کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ سخت کڑوا اور دوزخیوں کی خوراک ہے مگر ہو سکتا ہے کہ اس کے پھل سے کوئی فائدہ اٹھایا جا سکے۔ نیز جس تھوہر کا پھل اس دُنیا میں کھایا جاتا ہے وہ اسی دنیا کا تھوہر ہے۔ جب کہ جو تھوہر جہنمیوں کی خوراک بنے گا، وہ جہنم کا تھوہر ہو گا۔ جسے یہاں کے تھوہر پہ قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

فرمایا ایک تو دوزخیوں کی خوراک تھوہر کا درخت ہو گا، اور اس کے علاوہ ایسے پاپی شخص کے لیے اللہ کا حکم ہو گا خُذُوْہُ اس کو پکڑ لو، گرفتار کر لو، فَاعْتِلُوْہُ اِلٰی سَوَآءِ الْجَحِیْمِ اُسے گھسیٹ کر دوزخ کے درمیان پھینک دو۔ اور وہاں لے جا کر ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِہٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ پھر اس کے سر پہ کھولتے ہوئے پانی کا عذاب ڈالو۔ دوزخ میں ایک تو ویسے ہی چاروں طرف آگ ہو گی، اس کے علاوہ دوزخی کے سر پہ سخت گرم پانی ڈالا جائے گا جو دماغ سے داخل ہو کر آنتوں کو کاٹتا ہوا باہر نکل جائے گا۔ اس قسم کی سزا کا ذکر سورۃ قتال میں بھی آیا ہے وَسُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَھُمْ (آیت۔۱۵) دوزخیوں کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو اُن کی آنتوں کو کاٹ کر باہر پھینک دے گا۔ وہ آنتیں پھر اپنی جگہ پہ آجائیں گی، پھر پانی پلایا جائے گا اور پھر آنتیں کٹ جائیں گی۔ اسی طرح دوزخیوں کی ایک اور سزا کے متعلق فرمایا کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَیْرَھَا (النساء۔۵۶) کہ دوزخ کی آگ میں جب اُن کی

کھال جل جائے گی۔ تو فوراً دوسری کھال پہنا دی جائے گی۔ اس طرح یہ سزا مسلسل جاری رہے گی۔

بہر حال اس مقام پہ فرمایا کہ دوزخی کے سر پہ کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا، اور پھر اس سے کہا جائے گا ذُقْ اس کا مزا چکھ۔ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْکَرِیْمُ بیشک تو دنیا میں بڑا غالب اور عزت دار بنا پھرتا تھا۔ دنیا میں اس قسم کے بہت سے متکبر اور سرکش لوگ ہوئے ہیں جو اپنے آپ کو سب سے زیادہ طاقتور اور سب سے زیادہ عزت والا سمجھتے تھے۔ ابوجہل بھی انہی لوگوں میں سے تھا، جو کہا کرتا تھا کہ وادیٔ بطحا میں مجھ سے زیادہ کون عزت والا ہے؟ یہ مٹھی بھر مسلمان میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟ اس طرح وہ اپنی سرداری کا چرچا کیا کرتا تھا۔

مجرمین کی سزاؤں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا کہ دوزخ والوں سے اس طرح خطاب کیا جائے گا اِنَّ ھٰذَا مَا کُنْتُمْ بِہٖ تَمْتَرُوْنَ بیشک یہی وہ چیز ہے جس کے متعلق تم شک کیا کرتے تھے۔ جب اللہ کے نبی تمہیں تمہارے بُرے انجام سے ڈراتے تھے تو تم کہا کرتے تھے کہ جب مر کر مٹی میں مل جائیں گے ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو پھر ہم کیسے دوبارہ زندہ ہوں گے۔ یہ محض وہم ہے کہ مرنے کے بعد ہر شخص دوبارہ زندہ ہوگا۔ قیامت برپا ہوگی، حساب کتاب کی منزل آئے گی۔ اور پھر جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے۔ فرمایا ان چیزوں کو سچ نہیں مانتے تھے بلکہ ان میں شک و تردد کا اظہار کرتے تھے۔ لو آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لو اور سزا کا مزا چکھ لو۔

متقین کے لیے انعامات

مجرمین کی سزا کے تذکرہ کے بعد اب اللہ نے نیکوکاروں کے لیے انعامات کا ذکر بھی کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ مَقَامٍ اَمِیْنٍ ۝ بے شک اللہ سے ڈرنے والے متقی لوگ جنہوں نے کفر و شرک سے اجتناب کیا اور حدودِ شرع کی حفاظت کی، وہ امن و چین کے مقام میں ہوں گے، اور وہ مقام کیا ہیں؟ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ وہ باغات اور نہریں ہیں جہاں وہ رہیں گے۔ وہاں پر انہیں ہر طرح کی آسائش حاصل ہوگی۔ اور وہ کسی جسمانی، روحانی یا ذہنی

پریشانی میں مبتلا نہیں ہوں گے۔

انہی اہلِ جنت کے متعلق فرمایا یَلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ اس مقام میں وہ باریک اور موٹا ریشم پہنیں گے۔ یہ اپنے اپنے ذوق کی بات ہوتی ہے، کسی کو باریک کپڑا پسند ہوتا ہے اور کسی کو موٹا۔ اُن کا انتخاب اپنی مرضی کا ہوگا اور جس قسم کا لباس چاہیں گے مہیا کیا جائے گا۔ بعض اس کا یہ مطلب بھی لیتے ہیں کہ اہلِ جنت خود تو باریک ریشم کا لباس پسند کریں گے جب کہ اپنے خدام کے لیے موٹی قسم کا لباس بنوائیں گے، یہ وہی ریشم ہے جو اس دنیا میں مردوں کے لیے حرام ہے اور آخرت میں حلال ہوگا۔ فرمایا جنتی لوگ اپنا من پسند لباس پہنے مُّتَقٰبِلِيْنَ ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھیں گے۔ یعنی کوئی جنتی کسی دوسرے سے روگردانی نہیں کرے گا۔ اس دنیا میں تو بعض اوقات ایک دوسرے سے ناراضگی بھی پیدا ہو جاتی ہے اور پھر ایک دوسرے سے میل ملاقات بھی بند ہو جاتی ہے، کہیں سرِراہ ملاقات ہو جائے تو منہ پھیر لیا جاتا ہے، مگر جنت میں نہ کوئی کسی سے ناراض ہوگا اور نہ اُس سے منہ پھیرے گا، بلکہ سب ایک دوسرے کے آمنے سامنے خوش و خرم حالت میں بیٹھنے والے ہوں گے۔ ہر جنتی کے دل میں دوسرے کے لیے محبت و الفت کے جذبات ہوں گے۔

فرمایا کَذٰلِكَ یہ اسی طرح ہوگا، جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ اور اس کے علاوہ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ہم اُن کا حوروں کے ساتھ نکاح کر دیں گے، جو موٹی آنکھوں والی خوبصورت ہوں گی۔ جنت کی حوریں انسانی نوع سے نہیں بلکہ یہ ایک دوسری مخلوق ہے، التفاسیر میں آتا ہے کہ حوروں کا مادہ مٹی نہیں بلکہ یہ کوئی نہایت ہی پاکیزہ عنصر کی تخلیق ہے۔ بعض روایات میں زعفران اور کافور کا ذکر بھی آتا ہے، بعض نے عنبر اور مشک جیسے اعلیٰ مادہ کا ذکر کیا ہے۔ بہرحال یہ جنتی مخلوق اہلِ جنت کو حاصل ہوگی اور یہ دنیاوی عورتوں کے علاوہ ہوں گی جن کا مرتبہ اُن سے بہت بلند ہوگا۔

آگے اللہ نے جنتیوں کی ایک اور نعمت کا ذکر کیا ہے يَدْعُوْنَ فِيْهَا

بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ۔ جنتی لوگ جنت میں ہر قسم کا پھل امن اور دلجمعی کے ساتھ طلب کریں گے جو انہیں مہیا کیا جائے گا۔ روایات میں آتا ہے کہ جونہی کسی جنتی کے دل میں کوئی پھل کھانے کی خواہش پیدا ہوگی، اُس پھل کا درخت خود جنتی کے قریب آکر جھک جائے گا۔ وہ اُس پھل کو اُتار کر استعمال کرے گا اور اُس کی جگہ فوراً دوسرا پھل آجائے گا۔ اور امن سے مراد یہ ہے کہ پھل کے طلب اور حصول میں کسی قسم کی دقت نہیں ہوگی، نہ موسم کا انتظار کرنا پڑے گا۔ اور نہ کسی پھل کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہوگا۔ بلکہ جب اور جتنی مقدار میں کوئی جنتی کوئی سا پھل حاصل کرنا چاہے گا، فوراً حاضر کر دیا جائے گا۔ جہاں تک پھل کے ذائقہ کا تعلق ہے وہ نہایت ہی لذیذ ہوگا۔ اس دنیا میں تو بعض پھل کڑوے، کسیلے اور طبیعت پر ناگوار بھی ہوتے ہیں مگر جنت میں ایسا نہیں ہوگا، بلکہ ہر پھل ایسا خوش رنگ اور خوش ذائقہ ہوگا۔ جس کا اندازہ اس دُنیا میں نہیں کیا جاسکتا۔ پھلوں کے علاوہ پرندوں کے گوشت کا ذکر بھی قرآن میں آتا ہے۔ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ (الواقعۃ - ۲۱) اور اُن کی خواہش کے مطابق پرندوں کا گوشت بھی میسر ہوگا۔ جس قسم کا گوشت پسند کریں گے بغیر کسی کلفت کے حاصل ہوگا غرضیکہ راحت کے اس مقام میں ہر جنتی کو مکان، خوراک، لباس اور بیوی جیسے آسائش کے سامان میسر ہوں گے۔ دنیا میں تو انسان کو کسی وقت بھی مکمل چین نصیب نہیں ہوتا، اور بقول سعدی صاحبؒ انتہائی عیش و آرام کے لمحات میں بھی "لذعہ اجل موت کا ڈر درپیش ہے" گویا موت کا خیال آتے ہی سارا مزا کرکرا ہو جاتا ہے۔ پھر دنیا میں کسی نعمت مال و دولت، مکان، زمین، کاروبار، کارخانہ، اولاد وغیرہ کے چھن جانے کا خطرہ بھی ہوتا ہے، مگر جنت میں ایسی کوئی فکر لاحق نہیں ہوگی۔ جنت کی زندگی بھی دائمی ہوگی کہ اس میں موت کا خطرہ نہیں ہوگا اور وہاں کی نعمتیں بھی دائمی ہوں گی جن کے چھن جانے کا کوئی ڈر نہیں ہوگا۔

فرمایا لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى وہاں موت کا کوئی خوف نہیں ہوگا، سوائے اس کے کہ جو موت دنیا میں آچکی۔ اب دوبارہ موت

نہیں آئے گی۔ وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ اور اللہ تعالیٰ انہیں دوزخ کے عذاب سے بھی ہمیشہ کے لیے بچالے گا، اب اُن کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ فرمایا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ حاصل ہونے والی یہ تمام نعمتیں تیرے پروردگار کی طرف سے فضل اور مہربانی ہے۔ اُس کی مہربانی سے دنیا میں پاکیزگی نصیب ہوئی، صحیح عقیدہ اور نیک عمل نصیب ہوا۔ پاکیزہ اخلاق اور پاکیزہ کردار ملا اور پھر آخرت میں یہ عظیم اور دائمی نعمتیں حاصل ہوئیں، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ اور درحقیقت یہ بہت بڑی کامیابی ہے جسے حاصل ہوگئی، دوسری جگہ موجود ہے مَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ (آل عمران - ۱۸۵) جو دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہوگیا۔ وہ ایسی پُر امن زندگی میں داخل ہوگیا جہاں کبھی کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔ اس کے برخلاف اِس دنیا میں تو ہر وقت کسی نہ کسی خطرے کے بادل انسان کے سر پہ منڈلاتے رہتے ہیں بڑی سے بڑی سلطنت بھی ہو تو اُس کے چھن جانے کا خطرہ ہوتا ہے کہ آج ہے تو ہو سکتا ہے کہ کل نہ ہو سے

یہ عالم رواروی پہ ہے
ہر چند کہیں ہے نہیں ہے (غالب)

ابدی آرام و راحت جنت میں ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

قرآن بطور نصیحت

سورۃ کے آخر میں اللہ نے اس کے مضامین کو دہرایا ہے۔ قرآن کریم کی صداقت اور حقانیت کے متعلق فرمایا ہے فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ بیشک ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے، اور اِس کی غایت یہ ہے لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں۔ اللہ نے قرآن کریم کو اپنے پیغمبر اور اُس کی قوم کی مادری زبان میں نازل فرمایا۔ اس کا یہ عام قانون ہے کہ ہر نبی کو اس کی اپنی زبان میں ہی خدا کا پیغام پہنچایا جاتا ہے تاکہ وہ اسی زبان میں اسے آگے قوم تک پہنچا سکے، حضور علیہ السلام کی مادری زبان عربی تھی اور یہی زبان آپ کے

خاندانِ قریش کی تھی، لہٰذا اللہ نے قرآن بھی اسی زبان میں نازل فرمایا لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا تاکہ آپ کی قوم کے لوگ باقی لوگوں کے معلم بن جائیں اور حضور علیہ السلام ان کے معلم ہوں۔ اسی وجہ سے ابتدائی دور کے لوگوں کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے اللہ کے پروگرام کو نہیں سمجھا۔ قرآن عربی میں نازل کرنے کا مقصد ہی تھا کہ اس کے اولین مخاطبین اس کو سمجھ کر آگے پہنچا سکیں۔ اسی لیے مادری زبان کو ذریعہ تعلیم بننے میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ابتدائی تعلیم مادری زبان میں ہی ہونی چاہیئے، تاکہ بچے کا ذہن اسے قبول کرلے اور پھر اُس میں پختہ ہوجائے، یہاں تو لوگ ابتداہی انگریزی زبان سے کرتے ہیں حالانکہ یہ غیر فطری چیز ہے، بعد میں بیشک جونسی زبان چاہے سیکھے مگر آغاز اپنی زبان میں ہی ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا (بنی اسرائیل-۱۵) ہم کسی قوم کو اُس وقت تک عذاب میں مبتلا نہیں کرتے جب تک اُس کے پاس اپنا رسول نہیں بھیج دیتے۔ رسول چونکہ اپنی قوم کی زبان بولتا ہے لہٰذا وہ انہیں احکامِ الٰہی اچھی طرح سمجھا دیتا ہے اور دین کے سمجھنے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کیونکہ وہ تمام جزئیات کو واضح کردیتا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص ایمان اور توحید کو اختیار نہیں کرتا تو پھر اللہ تعالیٰ اُس کو سزا دینے میں حق بجانب ہوتا ہے۔

انتظار اپنا اپنا

ارشاد ہوتا ہے اے پیغمبر! فَتَرَبَّصْ پس آپ انتظار کریں، کیونکہ إِنَّهُم مُّتَرَبِّصُونَ آپ کے مخالفین بھی انتظار کر رہے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ کب آپ کا مشن ناکام ہوتا ہے اور آپ کے ساتھی شکست کھا جاتے ہیں، جب کہ آپ کا انتظار اس بات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق کیا فیصلہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض اوقات دنیا میں بھی نافرمانوں کو سزا دے دیتا ہے اور آخرت کی دائمی سزا تو آگے آنے والی ہے، آپ انتظار کریں اور دیکھیں کہ ان کا کیا انجام ہوتا ہے۔

سُورة

الجاثيه

مكيّة

سُورَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ جاثیہ مکی ہے۔ اس کی سینتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ۞ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ②
اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ③ وَ
فِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ④
وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ
رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ
الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ⑤

ترجمہ:۔ حٰمٓ ① اتارنا کتاب کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے
جو زبردست اور حکمتوں والا ہے ② بے شک آسمانوں
اور زمین میں البتہ بہت سی نشانیاں ہیں ایمان والوں کے
لیے ③ اور تمہارے پیدا کرنے میں اور جو پھیلاتا ہے وہ
جانور، نشان ہیں یقین رکھنے والے لوگوں کے لیے ④ اور رات
اور دن کے اختلاف میں، اور جو اتاری ہے اللہ نے آسمان
کی طرف سے روزی، پس زندہ کیا اس کے ساتھ زمین کو

اُس کے خشک ہونے کے بعد اور ہواؤں کو پھیرنے
میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں ⑤

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الجاثیہ ہے جو اس کی آیت ۔ ۲۸ میں آمدہ لفظ سے ماخوذ ہے ۔ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً اور تم ہر گروہ کو گھٹنے ٹیکے ہوئے پاؤ گے ۔ یہ قیامت والے دن حساب کتاب کی منزل کا ذکر ہے کہ اُس دن لوگ نہایت عاجزی کے ساتھ گھٹنے ٹیک کر اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے ۔ مفسرین کرام اس سورۃ کا دوسرا نام سُورۃ الشریعۃ بھی ذکر کرتے ہیں ۔ کیونکہ اسکی آیت ۔ ۱۸ میں شریعت کا ذکر بھی آتا ہے ۔ ایک سورۃ کے متعدد نام ہونا کچھ غیر معروف بات نہیں کیونکہ سورۃ الفاتحہ کے ہم پندرہ نام بھی پڑھ چکے ہیں ۔ بعض مفسرین اس کا نام حٰمٓ الجاثیۃ ۔ یا حٰمٓ الشریعۃ بھی ذکر کرتے ہیں ۔

یہ سورۃ حوامیم سبعہ کی چھٹی سورۃ ہے اور مکی زندگی کے آخری دور میں اسی ترتیب سے نازل ہوئی ۔ اس سورۃ کی سینتیس ۳۷ آیات اور چار رکوع ہیں اور یہ سورۃ ۴۴۶ کلمات اور ۲۶۰۰ حروف پر مشتمل ہے ۔

مضامین سورۃ

جیسا کہ گذشتہ حوامیم سورتوں میں بیان کیا جا چکا ہے ۔ یہ تمام سورتیں لباب القرآن یعنی قرآن کریم کا خلاصہ کہلاتی ہیں کہ ان میں اسلام کے چاروں بنیادی عقائد توحید ، رسالت معاد اور قرآن حکیم کی حقانیت و صداقت کو مختلف عنوانات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے گذشتہ سورۃ میں جزائے عمل کے سلسلہ میں انذار کا پہلو غالب تھا اور اس سے پہلی سورۃ میں توحید کے دلائل کی طرف زیادہ رُخ تھا ۔ اب اس سورۃ میں بھی توحید اور جزائے عمل ہی کا ذکر ہے ۔ گذشتہ سورۃ میں قومِ تبع اور فرعون کے غرور و تکبر اور اُس کی ہلاکت کا ذکر تھا ، تو اس سورۃ میں بعض لوگوں کی نافرمانی اور اُن کے انجام کا بیان آرہا ہے ۔

حروف مقطعات

دیگر حوامیم سورتوں کی طرح اس سورۃ کی ابتدا بھی حروف مقطعات حٰمٓ سے ہوتی ہے ۔ اگرچہ حضور علیہ السلام نے ان حروف کے معانی نہیں بتائے ۔ تاہم مفسرین کرام لوگوں کی تقریب فہم کے لیے ان حروف کے بعض معانی بیان کرتے

ہیں، اور اِن کا تذکرہ گذشتہ سورتوں کے آغاز میں بھی کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ بعض مفسرین کا قول ہے حٰمٓ خدا تعالیٰ کے اسمائے پاک میں سے ایک اسم ہے جیسا کہ ایک عربی شاعر کہتا ہے ؎

يُذَكِّرُنِي حٰمٓ وَالرُّمْحُ شَاجِرٌ
فَهَلَّا تَلَى حٰمٓ قَبْلَ التَّقَدُّمِ

کہ میرا مدمقابل مجھے حٰمٓ کا واسطہ دیکر لڑائی بند کرنا چاہتا ہے مگر اس نے یہ واسطہ لڑائی شروع ہونے سے قبل کیوں نہ پیش کیا تاکہ لڑائی کی نوبت ہی نہ آتی۔ گویا حٰمٓ اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے جس کے واسطہ سے ایک فریق لڑائی کو ختم کرنا چاہتا تھا۔

بعض فرماتے ہیں کہ ہر حرف مقطعہ کا اشارہ کسی خاص حقیقت کی طرف ہوتا ہے مثلاً یہاں پہ ح کا اشارہ حکم کی طرف اور م کا ملک، مالک یا مجید کی طرف ہو سکتا ہے اور مفہوم یہ بنتا ہے کہ حکمِ ازلی اور ملکِ ابدی اللہ وحدہٗ لاشریک کے لیے ہے۔ گویا قرآنِ کریم اور اس سورۃ کا نزول حکمِ ازلی اور ملکِ ابدی کے نظام کا ایک حصہ ہے۔ اس بات کی تائید قرآنِ کریم کی بعض دوسری آیات سے بھی ہوتی ہے جیسے فرمایا اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (الانعام۔۵۷) حکم اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے اَلَا لَهُ الْحُكْمُ (الانعام۔۶۲) خبردار! حکم اُسی کا ہے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن۔۱۶) آج بادشاہت کس کی ہے؟ اکیلے اور غالب خدا کی غرضیکہ عہدِ مقیم اور بقائے دوام صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاصل ہے۔ باقی ہر چیز فانی ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ح کا اشارہ حمد کی طرف ہو سکتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی حمد ہر بندے کے لیے ہر حالت میں ضروری ہے۔ فرشتے بھی ہر وقت اللہ کی تعریف میں مشغول رہتے ہیں، اور دیگر ہر چیز بھی اللہ کی حمد وثنا کرتی رہتی ہے جیسے قرآن کے مختلف مقامات پر اس کا ذکر موجود ہے يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

(الجمعۃ ۱:۱) ارض و سما کی ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ حٰمٓ کا اشارہ انسان کی قوتِ علمیہ کی طرف ہو سکتا ہے اور مطلب یہ کہ ہر بندے کا فرض ہے کہ وہ اپنی قوتِ علمیہ کو درجۂ کمال تک پہنچائے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ح کا اشارہ الحی کی طرف اور م کا اشارہ القیوم کی طرف ہے۔ مطلب یہ کہ خدا تعالیٰ خود زندہ ہے اور دوسروں کو زندگی بخشتا ہے۔ وہ خود قائم ہے اور ہر چیز کو وہی قائم رکھتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ ح کا اشارہ حقانیت کی طرف ہو سکتا ہے۔ کائنات کی تمام اشیاء عدم کا رنگ رکھتی ہیں، جب کہ حق اور ثابت صرف ذاتِ خداوندی ہے جو ہمیشہ سے قائم و دائم ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ بعض فرماتے ہیں کہ کائنات اور اس میں پائی جانے والی تمام چیزیں دراصل قدرتِ خداوندی کے مظاہر ہیں۔ انہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے جمال و کمال کا اظہار ہوتا ہے، انسان کو چاہیئے کہ وہ خدا تعالیٰ کی شیون اور آیات میں غور و فکر کرے تاکہ اُسے اللہ تعالیٰ کی حقانیت معلوم ہو سکے اور وہ توحیدِ الٰہی کو سمجھ سکے۔ جو شخص نشاناتِ قدرت میں غور و فکر نہیں کرتا وہ دراصل اندھا ہے اور اسی لیے وہ توحید کا انکار کرتا ہے۔ غرضیکہ جس طرح انسان آئینے میں اپنی شکل دیکھ سکتا ہے، اسی طرح وہ اِن مظاہرِ قدرت کے ذریعے خدا تعالیٰ کی صفات کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ حٰمٓ کا اشارہ حیات کی طرف اور م کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو سکتا ہے، اور اس طرح مفہوم یہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے اپنی حیات کی قسم اٹھا کر فرمایا کہ اُس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔ بعض فرماتے ہیں کہ ح کا اشارہ حمایت کی طرف بھی ہو سکتا ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے مخالفین پر واضح کر دیا ہے کہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دین کی حفاظت کا ذمہ خود اٹھا لیا ہے، وہ دنیا میں ضرور آپ کی مدد کرے گا اور دینِ اسلام کو پھیلائیگا یہی وجہ ہے کہ اس کے پیروکاروں کے اپنے حالات کی خرابی کے باوجود یہ دین قیامت تک قائم رہے گا۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی متعدد کتب الخیر الکثیر، الفوز الکبیر اور ھوامع وغیرہ میں لکھتے ہیں کہ حروف مقطعات کے معانی ذوقی یا کشفی طور پر ہی معلوم ہو سکتے ہیں چنانچہ اللہ نے اس ذریعہ سے مجھے ان حروف کے یہ معانی القا کیے ہیں اِجْمَالٌ نُوْرَانِیٌّ مُتَشَعْشِعٌ یعنی یہ ایک نورانی اجمال ہے جو اس مادی اور متدنس جہان میں لوگوں کے عقائد باطلہ اور اعمال فاسدہ کے ساتھ ٹکراتا ہے اور لوگوں کے شکوک و شبہات کے مقابلے میں حق کو ظاہر کرتا ہے۔ گویا یہ اجمالی نورانیت باطل عقائد و اعمال کی تردید اور حقیقت حال کو واضح کرتی ہے۔ چنانچہ قرآن کی یہ سورۃ یا کوئی دوسری سورۃ دیکھ لیں کہ ان حروف کے اجمال کے ذریعے سورۃ میں پیش آنے والے مضامین کی تفصیل بیان کر دی جاتی ہے۔

امام جلال الدین سیوطیؒ اور بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات کے معانی کے متعلق زیادہ کرید نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ قرآن پاک کا زیادہ حصہ تو محکم آیات پر مشتمل ہے جن کا مطلب اور مفہوم واضح ہے۔ دوسرا حصہ متشابہات کا ہے۔ ان آیات کے معانی تو معلوم ہیں مگر اُن کی حقیقت معلوم نہیں، اور تیسرا حصہ حروف مقطعات کا ہے جن کے نہ تو معانی ٹھیک ٹھیک معلوم ہیں اور نہ ہی مفہوم کو واضح کیا گیا ہے بلکہ ان کو اسرار کے طور پر ہی چھوڑ دیا گیا ہے۔ چنانچہ ان حروف کے بارے میں حضور علیہ السلام سے کوئی تفصیل منقول نہیں۔ ہاں! صحابہ کرامؓ کے زمانے میں جب قرآن کریم کی وسیع اشاعت ہوئی، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان حروف کے متعلق کچھ بیان فرمایا مگر وہ بھی یقینی نہیں ہے لہٰذا اس سلسلہ میں زیادہ صحیح اور سلامتی والا راستہ وہی ہے جو امام سیوطیؒ نے اختیار کیا ہے اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ بِذٰلِکَ یعنی ان حروف کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس کی ان حروف سے جو بھی مراد ہے اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا ہمارا اس پر ایمان ہے کہ وہ برحق ہے۔ بہت سی چیزیں ہماری عقل و فہم سے بالاتر ہیں، لہٰذا ہمیں اس معاملہ میں زیادہ کرید نہیں کرنا چاہیئے کہ اس طرح گمراہی میں پڑ جانے کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے،

نزول کتاب

دیگر حوامیم سورتوں کی طرح اس سورۃ کا آغاز بھی قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت سے ہو رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ کتاب کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جو کمال قدرت کا مالک، زبردست، اور حکمتوں والا ہے۔ مشرکین مکہ اکثر اعتراض کرتے تھے کہ یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں بلکہ یہ کسی شاعر یا کاہن کا کلام ہے۔ بعض کہتے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض عجمی غلام کوئی چیز سکھا دیتے ہیں جس کو وہ قرآن بنا کر پیش کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے مختلف مقامات پر اس اعتراض کی تردید فرمائی ہے اور واضح کیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفت ہے اور اسی کی طرف سے اپنے نبی آخر الزمان علیہ السلام پر نازل کیا گیا ہے۔ تو یہاں پر بھی اسی بات کا اعادہ کیا گیا ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے جو ہر چیز پر غالب اور حکمت والا ہے۔ قرآن کریم کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں ہے۔

ارض و سما بطور نشانات قدرت

اگلی آیت میں اللہ نے توحید اور معاد کے بعض مشترکہ دلائل کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ بیشک آسمانوں اور زمین میں اہلِ ایمان کے لیے بے شمار نشانیاں ہیں۔ آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھیں آپ کو سورج، چاند اور سینکڑوں سطح نظر آئے گی۔ رات کے وقت چمکنے والے کروڑوں کی تعداد میں سیارے اور ستارے دیکھے جا سکتے ہیں۔ اور پھر ہمارے پاؤں تلے آنے والی زمین کا اپنا وجود اور زمین کی سطح پہ پائی جانے والی کروڑوں اشیاء شجر و حجر وغیرہ۔ پھر زمین کے اندر کے حالات اور اس میں پائی جانے والی معدنیات، پانی، گیس اور تیل وغیرہ۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے سورج سے زمین کو الگ کیا ہے، سائنس دان، مورخ اور ماہرین ارضیات وغیرہ تحقیقات کر رہے ہیں مگر اس زمین سے متعلق پوری معلومات حاصل نہیں کر سکے۔ ابھی تک زمین میں نیچے کی طرف صرف آٹھ میل تک کھدائی کی جا سکی ہے اور اس حد تک پائی جانے والی اشیاء کے متعلق معلومات حاصل کی جا سکی ہیں۔

اس سے آگے سخت چٹانیں کھدائی میں مشکلات پیدا کر رہی ہیں، نامعلوم آگے چل کر کیسے کیسے انکشافات منظرِ عام پر آنے والے ہیں۔

زمین دیگر آسمانی کروں کی نسبت بہت چھوٹا سیارہ ہے۔ جدید تحقیق کے مطابق سورج زمین سے تیرا لاکھ گنا بڑا ہے اور اس سے بڑے بڑے سیارے بھی کائنات میں موجود ہیں۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ شعریٰ ستارہ جس کا ذکر قرآن میں بھی موجود ہے۔ وہ سورج سے بھی بیس ہزار گنا بڑا ہے، باریک باریک کروڑوں ستاروں سے بنی ہوئی رات کو نظر آنے والی کہکشاں کی حقیقت کو کون جان سکتا ہے کہ اس میں کون کون سے راز پوشیدہ ہیں۔ زمین کے ارد گرد پانچ چھ سو میل تک ہوا کا خول چڑھا ہوا ہے۔ اس ہوا میں بہت سی گیسیں ہیں۔ جن میں سے اہم ترین گیس آکسیجن ہے جس پر تمام جانداروں بلکہ نباتات کی زندگی کا بھی انحصار ہے یہ ایک لطیف گیس ہے جو ہر سانس کے ذریعے ہر جاندار کے جسم کے اندر جا کر خون کو صاف کرتی ہے اور بقائے حیات کا ذریعہ بنتی ہے۔ بہر حال فرمایا کہ زمین، اس کے اندر اور باہر پائی جانے والی چیزوں میں مومنوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ اگر انسان ان میں غور و فکر کرے تو اسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سمجھ میں آسکتی ہے۔

جانداروں کی تخلیق

ارض و سما کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا وَفِي خَلْقِكُمْ اور تمہاری اپنی پیدائش میں بھی بیشمار نشانیاں ہیں۔ سورۃ الذاریات میں ہے۔ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (آیت-۲۱) اور تمہارے نفسوں میں بھی اللہ نے اپنی قدرت اور وحدانیت کی نشانیاں رکھی ہیں۔ کیا تم ان کا مشاہدہ نہیں کرتے؟ اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم میں اتنے قوائے ظاہرہ اور باطنہ رکھے ہیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ انسان کی دماغی صلاحیت، اعصاب، خون، معدہ، جگر، نظام تناسل وغیرہ سب حیرت انگیز چیزیں ہیں۔ سائنسدان اور ڈاکٹر ابھی تک انسانی جسم کے صرف پنتالیس فیصد حصہ میں تحقیق مکمل کر چکے ہیں۔ جب کہ باقی پچپن فیصدی جسم کے متعلق تحقیقات ابھی باقی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اپنی تخلیق اور اپنے وجود میں ہی غور کرو کہ اللہ نے کس طرح انسان کی تخلیق مٹی سے کی اور پھر اسے کس قدر شرف بخشا کہ اسے اشرف المخلوقات بنا دیا اور اس کے ارد گرد پھیلی ہوئی تمام چیزیں اس کی خدمت

پہ مامور کر دیں۔ یہ سب نشاناتِ قدرت و توحید ہیں۔ فرمایا نہ صرف تمہاری اپنی تخلیق میں بلکہ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ جو جاندار اللہ نے پھیلا دیے ہیں، وہ بھی اس کی قدرت کے نشانات ہیں۔ اللہ نے زمین کے اوپر، اس کے اندر اور فضا میں لاکھوں اور کروڑوں قسم کی جاندار مخلوق پھیلا دی ہے جس کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ سمندروں کے اندر رہنے والی آبی مخلوق کا شمار تو ویسے ہی ناممکن ہے۔ انسان محض چند اقسام سے واقفیت حاصل کر سکا ہے وگرنہ نامعلوم اللہ تعالیٰ نے پانی کی تہہ میں کتنی مخلوق آباد کر رکھی ہے۔ فرمایا یہ سب کچھ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کے لیے اللہ کی قدرت کے نشانات ہیں۔ جو ان کے مشاہدہ کے بعد فوراً پکار اٹھتے ہیں رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (آل عمران - ۱۹۱) پروردگار! تو نے یہ سب کچھ بیکار محض پیدا نہیں کیا۔ بلکہ ان چیزوں میں تیری وحدانیت کے دلائل ہیں۔

شب و روز کا تغیر و تبدل

فرمایا وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ دن رات کے تغیر و تبدل میں بھی اللہ کی قدرت اور اس کی وحدانیت کی نشانیاں ہیں۔ اللہ نے دن رات کا ایسا سلسلہ قائم کیا ہے، جو تمام جانداروں کے لیے نہایت ہی ضروری ہے لوگ دن کے وقت کام کاج میں مصروف رہتے ہیں، محنت مشقت کرتے ہیں، کارخانے چلاتے ہیں، کھیتی باڑی کرتے ہیں اور پھر جب وہ دن بھر کے کام سے تھک جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ رات کو لے آتے ہیں جس کے دوران لوگ آرام کرتے ہیں، ان کی زائل شدہ قوتیں بحال ہو جاتی ہیں۔ اور وہ اگلے دن کے کام کے لیے پھر سے تازہ دم ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دن رات کا نظام ایسے منظم طریقے سے قائم کر رکھا ہے کہ یہ مقررہ وقت سے ایک سیکنڈ بھی آگے پیچھے نہیں ہوتا، اللہ نے ایسا انتظام فرما دیا کہ نہ تو سورج چاند کو پکڑ سکتا ہے وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ (یٰس ۳۶ - ۴۰) اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے، بلکہ سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔ اور اس طرح کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ اور

پھر اس کے نتیجے میں سال بھر کے موسم بھی آگے پیچھے آتے ہیں جو انسانی اور حیوانی زندگی بلکہ نباتات اور جمادات کے لیے بھی نہایت ضروری ہیں۔

نزولِ رزق

آگے اللہ تعالیٰ نے نزولِ رزق کو بھی اپنی قدرت کی نشانی بتلایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ اور اللہ نے آسمان کی طرف سے جو رزق نازل فرمایا ہے، یہ بھی اُس کی قدرت اور وحدانیت کی دلیل ہے۔ یہاں پر رزق سے مراد بارش ہے جو آسمان کی طرف سے نازل ہوتی ہے اور روزی مہیا کرنے کا سبب بنتی ہے۔ سورۃ بقرہ میں اللہ نے اس بات کی وضاحت فرما دی ہے کہ لوگو! اُس اللہ کی عبادت کرو جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ (آیت۔۲۲) اور آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا اور اس کے ذریعے پھل پیدا کیے جو تمہارے لیے روزی کا سامان ہے۔ پانی کے ذریعے اناج اور پھل پیدا کرنا اور پھر اُن کو بتدریج حدِ کمال تک پہنچانا جو جانداروں کے لیے سال بھر کی روزی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہی ممکن ہے وگرنہ جب وہ چاہتا ہے تو طوفان آجاتے ہیں، سیلاب آجاتے ہیں تو فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ اور انسان کی تمام تر محنت کے باوجود اس کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بعض اوقات خشک سالی کی وجہ سے اناج پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ اللہ نے جو آسمان کی طرف سے تمہارے لیے روزی کا بندوبست کیا ہے اس میں بھی تمہارے لیے بہت سی نشانیاں ہیں بشرطیکہ تم غور و فکر کرو۔ اُس نے آسمان کی طرف سے بارش نازل فرمائی فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا پھر اس کے ذریعے خشک زمین کو زندگی یعنی تر و تازگی بخشی، اس میں قوتِ روئیدگی پیدا ہوئی انسان نے بیج ڈالا۔ اُس کی حفاظت کی تو اللہ نے اناج اور پھل وغیرہ پیدا کر کے انسانوں اور جانوروں کو روزی بہم پہنچا دی۔

ہواؤں کی گردش

فرمایا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اور ہواؤں کی گردش میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ ہوائیں کبھی مشرق سے چلتی ہیں، کبھی مغرب سے، کوئی طوفان لاتی ہیں اور کوئی بارش

کوئی ہوا گرم ہوتی ہے اور کوئی یخ بستہ اور کوئی بادِ صبا کی طرح نرم و نازک ہر قسم کی ہوا میں اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی مصلحت رکھی ہے۔ فرمایا اِن سب اشیا میں اٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ نشاناتِ قدرت ہیں مگر ان لوگوں کے لیے جو عقل و فکر سے کام لیتے ہیں جو لوگ عقل و خرد سے عاری ہیں ان کے متعلق فرمایا اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰہِ الصُّمُّ الۡبُکۡمُ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡقِلُوۡنَ (انفال-۲۲) کہ ایسے لوگ تو جانوروں سے بھی بدتر ہیں اور گونگے اور بہرے ہیں۔ عقل اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بہت بڑی نعمت ہے جس کو بروئے کار لاکر انسان نشاناتِ قدرت میں غور و فکر کرکے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھ سکتے ہیں۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ
بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ⑥ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ
اَثِيْمٍ ⑦ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ
مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ
اَلِيْمٍ ⑧ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْـًٔا اتَّخَذَهَا هُزُوًا
اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑨ مِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ
جَهَنَّمُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْـًٔا وَّلَا
مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاۗءَ وَلَهُمْ عَذَابٌ
عَظِيْمٌ ⑩ هٰذَا هُدًى وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ
لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ⑪ ع ۱ / ۱۷

ترجمہ:- یہ آیتیں ہیں اللہ تعالیٰ کی جنہیں ہم سناتے ہیں
آپ کے سامنے حق کے ساتھ - پس کس بات پر اللہ تعالیٰ
اور اس کی آیتوں کو چھوڑ کر یہ لوگ ایمان لائیں گے ⑥
ہلاکت ہے ہر جھوٹ بولنے والے گنہگار کیلیے ⑦
جو سنتا ہے اللہ کی آیتوں کو جو پڑھی جاتی ہیں اس
کے سامنے - پھر اصرار کرتا ہے وہ تکبر کرتے ہوئے
گویا کہ اس نے ان کو سنا ہی نہیں - پس خوشخبری

سنادیں اس کو دردناک عذاب کی ⑧ اور جب وہ معلوم کر لیتا ہے ہماری آیتوں میں سے کسی چیز کو، تو بناتا ہے اس کو ٹھٹھا کیا ہوا۔ یہی لوگ ہیں جن کیلیے ذلّت ناک عذاب ہے ⑨ ان کے آگے دوزخ ہے اور نہیں کام آئے گا ان سے جو انہوں نے کمایا کچھ بھی۔ اور نہ وہ کہ جنکو بنایا ہے انہوں نے اللہ کے سوا کار ساز۔ اور اُن کے لیے عذاب عظیم ہے ⑩ یہ (قرآن سراسر) ہدایت ہے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کی آیتوں کے ساتھ، اُن کے لیے عذاب ہے شدید اور دردناک ⑪

آیاتِ الٰہی

سورۃ کی ابتداء میں قرآنِ کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے لے کر لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ تک اپنی توحید کے بعض دلائل اجمالاً ذکر کیے۔ اب انہی دلائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو ہم پڑھتے ہیں آپ پر حق کے ساتھ، یعنی اِن آیات کو صحیح صحیح، سچے انداز میں، حقیقت کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں تاکہ اِن میں کسی قسم کا اشتباہ باقی نہ رہے۔

آیات آیت کی جمع ہے اور قرآنِ پاک میں یہ لفظ نشانی (علامت) دلیل (حجت) معجزہ یا حکم کے معانی میں استعمال کیا گیا ہے۔ تاہم اِس مقام پر آیات سے مراد علامات اور دلائل لیے گئے ہیں۔ چنانچہ اس سورۃ کے آغاز میں آنے والے حروف مقطعات حٰمٓ کا اشارہ اس طرف بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حٰ سے مراد حاوی ہونا، مشتمل ہونا یا گھیر لینا ہے اور یہ سورۃ حاوی الحجج یعنی بہت سے دلائل پر مشتمل ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس سورۃ میں بہت سے دلائلِ توحید اور دلائلِ وقوعِ قیامت بیان کیے گئے ہیں۔ اسی طرح مفسرین فرماتے ہیں کہ مٓ سے مراد ماحی اللجج

یعنی جھگڑے اور فساد کو مٹانے والی۔ اس حرف کا یہ معنیٰ بھی صادق آتا ہے۔ کیونکہ یہ سورۃ اپنے دلائل کے ذریعے اختلافات کو مٹانے والی ہے۔ بہرحال یہاں پر آیات سے مراد علامات یا دلائل ہیں۔

دلائل کا ذکر گذشتہ درس میں ہو چکا ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ ذرا آسمانوں، زمین تخلیق انسانی اور تخلیق حیوانات میں غور و فکر کرو کہ اللہ تعالیٰ کس طرح آسمان کی طرف سے بارش نازل فرما کر خشک زمین کو زندہ کرتا ہے۔ ہواؤں کو گردش میں لاتا ہے اور تمام انسانوں، جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کے لیے روزی کا سامان مہیا کرتا ہے اگر انسان ان دلائل میں غور و فکر کرے تو وہ جان لے گا کہ یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کون انجام دے سکتا ہے جو حکیم علی الاطلاق اور قادرِ مطلق ہے۔ بغرضیکہ یہ ایسی علامات ہیں۔ جن کے ذریعے ہم اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات اور اس کی توحید کو پہچان سکتے ہیں۔

اللہ کی آخری کتاب

فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جو اللہ نے قرآن کی شکل میں اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہیں۔ اس کتاب کے ذریعے اللہ نے اس آخری امت کے لیے تمام شرائع، احکام اور زندگی بھر کا پروگرام نازل فرما دیا ہے اب یہ اس امت کے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اس کتاب پر صدقِ دل سے ایمان لائیں، اس کی آیات کو پڑھیں، سمجھیں اور پھر ان پر عمل پیرا ہو جائیں کہ ان کی دائمی فلاح کا مدار اسی کتاب پر ہے۔ فرمایا اگر لوگ اس کتاب الٰہی پر بھی یقین نہیں کریں گے فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ یُؤْمِنُوْنَ تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش کردہ علامات اور دلائل کے بعد کون سی چیز آئے گی۔ جس پر یہ لوگ ایمان لائیں گے؟ مطلب یہ ہے کہ اللہ کا آخری پروگرام تو آچکا ہے۔ اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا، نہ کتاب اور نہ کوئی پروگرام۔ اگر اس کو بھی نہیں مانیں گے تو آگے تو کچھ بھی نہیں، پھر یہ کس چیز کو مانیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ تو اللہ کی ہدایت سے یکسر محروم ہو جائیں گے۔ اور ہمیشہ کی ناکامی کا منہ دیکھیں گے۔

یہاں پہ قرآن پاک کے لیے حدیث کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ یہ بھی قرآن کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ سورۃ الزمر میں ہے اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِھًا مَّثَانِیَ (آیت ۲۳) اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے بہترین بات کے لیے کتاب اتاری ہے جو آپس میں ملتی جلتی اور دہرائی جانے والی ہے حدیث کا لغوی معنیٰ بات یا کلام ہی ہے۔ اسی طرح سورۃ المرسلٰت کی آخری آیت بھی یہی ہے۔ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ اس بات یعنی قرآن حکیم کے بعد تم کس بات پہ ایمان لاؤ گے؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو جھوٹ، کمزوری اور خلافِ واقعہ امور سے پاک ہے۔ اس پہ ایمان لاؤ اور اسی کو مضبوطی سے تھام لو کہ تمھارے مسائل کا حل اور تمھاری ابدی کامیابی کا راز اسی قرآن میں مضمر ہے۔ اگر اسی کو چھوڑ دیا تو پھر انسان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی۔ اور ہمیشہ اندھیرے میں ٹکریں مارتا رہے گا۔ اُسے صراطِ مستقیم نصیب نہیں ہوگا۔

جھوٹوں کی ہلاکت

آگے اللہ نے قرآنِ پاک سے اعراض کرنے والوں کو جھوٹا کہا ہے اور ان کے لیے سخت وعید سنائی ہے وَیْلٌ لِّکُلِّ اَفَّاکٍ ہر جھوٹ بولنے والے کے لیے ہلاکت اور تباہی ہے اور یہاں پہ جھوٹے سے مراد ہر وہ شخص ہے جو قرآن پاک کے پیش کردہ دلائل، شریعت اور دین کو چھوڑ کر جھوٹی باتیں کرتا ہے اور کہتا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں اور نہ ہی وحی کے ذریعے نازل ہوا ہے بلکہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا من گھڑت ہے، نعوذ باللہ۔ فرمایا ایسے شخص کے لیے تباہی و بربادی ہے جو نہ صرف جھوٹا ہے بلکہ اس جھوٹ کی وجہ سے اَثِیْمٍ یعنی گنہگار، مجرم اور پاپی بھی ہے۔

اور اس کی حالت یہ ہے یَسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰہِ تُتْلٰی عَلَیْہِ جو اللہ کی اُن آیات کو سنتا ہے جو اُس پہ پڑھی جاتی ہیں۔ مگر اُن میں غور و فکر نہیں کرتا اور نہ ہی اُن سے اثر قبول کرتا ہے۔ بلکہ ثُمَّ یُصِرُّ مُسْتَکْبِرًا پھر وہ ضد کرتا ہے اور اپنی اس ہٹ دھرمی پہ اصرار کر کے متکبر بن جاتا ہے۔ آیاتِ الٰہی کی کچھ پرواہ نہیں

کرتا کَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا گویا کہ اس نے ان آیات کو سنا ہی نہیں، حالانکہ ان کی آواز اس کے کانوں تک پہنچی۔ مگر اس بدبخت نے سنی ان سنی کر دی۔ ایسے شخص کے متعلق فرمایا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ کہ اس کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔ بشارت تو اچھی خبر کے لیے بولا جاتا ہے مگر یہاں پر اس شخص کے عذاب جیسی بری خبر کو تحکماً بشارت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مفسرین کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ بعض اوقات بشارت محض خبر کے معنی میں بھی آتا ہے اور اس مقام پر یہی معنیٰ ہے کہ ایسے لوگوں کو خبردار کر دو کہ ان کے لیے عذاب الیم تیار کیا گیا ہے۔

شعائر اللہ سے تمسخر

فرمایا قرآن سے اعراض کرنے والوں کی ایک بری خصلت یہ بھی ہے۔ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰیٰتِنَا شَیْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا جب ہماری آیات میں کوئی چیز معلوم کرتا ہے تو بناتا ہے اس کو ٹھٹا کیا ہوا۔ ہر نبی کی قوم کا یہی وطیرہ رہا ہے کہ جب بھی انہیں کوئی اچھی بات بتائی گئی، خدا کا پیغام پہنچایا گیا۔ تو انہوں نے اس کا تمسخر اڑایا۔ مشرکین مکہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ اور اس کے بعد بھی لوگ اللہ کے نیک بندوں کا مذاق ہی اڑاتے آئے ہیں۔ جب ابوجہل نے سورۃ الدخان کی یہ آیات سنیں اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِیْمِ بے شک تھوہر کا درخت گنہگاروں کی خوراک بنے گا، تو کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں زقوم سے ڈراتا ہے حالانکہ ہمارے ہاں تو زقوم کھجوروں کو کہا جاتا ہے جو ہم روزمرہ کھاتے ہیں جب حضور علیہ السلام نے واقعہ معراج بیان کیا تو ابوجہل نے تمسخر اڑایا کہ یہ کیسی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ مسلمان نماز پڑھتے تو مشرکین کہتے کہ یہ بیٹھک کھڑی کرتے ہیں۔ ابوطالب نے کہا کہ میں اس عمر میں پشت اونچی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح وہ لوگ معجزات کے ساتھ بھی ٹھٹا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ جادو ہے جو پہلے بھی ہوتا تھا اور آج بھی ہو رہا ہے

شعائر اللہ کے ساتھ ٹھٹا کرنا بدترین قسم کا کفر ہے۔ قرآن کی آیات، دلائل احکام، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج سب شعائر اللہ ہیں، جن کی توہین ایمان والوں کے لیے ہرگز گوارا نہیں ہے۔ سورۃ مائدہ میں موجود ہے وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی

الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا (آیت-۵۸) اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اذان دیتے ہو تو مشرک لوگ اُس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ مسلم شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اہلِ ایمان کو حکم دیا کہ جب تم دشمن کی سرزمین میں جاؤ تو اپنے ساتھ قرآن پاک نہ لے جاؤ لِکَیْ لَا یَنَالَهُ الْعَدُوُّ بِسُوْءٍ مبادا کہ دشمن اُس کی توہین کا مرتکب ہو۔ ہاں اگر لشکر بڑا ہو اور تمہیں دشمن پر قابو پا لینے کی اُمید ہو تو پھر قرآن کو ساتھ لے جا سکتے ہو۔ مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اِس زمانے میں خود مسلمان قرآن پاک کی توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ بعض پیر نما شیاطین قرآن پر بیٹھ کر چِلّا نکالتے ہیں، چند سال پہلے فیصل آباد میں ایسا واقعہ پیش آیا تھا۔ بعض مصور آیاتِ قرآنی کو کارٹون کی صورت میں پیش کرتے ہیں، یہ بھی بے ادبی ہے۔ قرآنی آیات والے اوراق کو ردی کے طور پر استعمال کر کے اِن میں سودا سلف دیا جاتا ہے یہ کس قدر بے ادبی کی بات ہے حالانکہ قرآن سے بڑھ کر کون سی باعزت چیز ہے؟ بعض نام نہاد اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ علمِ دین حاصل کرنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں کہ یہ لوگ بسم اللہ کے گنبد سے ہی باہر نہیں نکلتے۔ ایسے لوگ سائنس، ٹیکنالوجی فلسفہ اور انجینئرنگ کو ہی اعلیٰ تعلیم سمجھتے ہیں اور دین کے علم کو حقیر جانتے ہیں۔ یہ سب کفریہ باتیں ہیں جن کی قرآن پاک نے مذمت بیان کی ہے۔

منکرین کے لیے سزا

فرمایا کہ جب کسی مشرک کو ہماری آیات میں سے کسی چیز کا علم ہوتا ہے تو وہ اس کا مذاق اڑاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ کہ اُن کے لیے ذلّت ناک عذاب تیار کیا گیا ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہوگی مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ اُن کے آگے جہنم ہوگی، وراء کا لفظ اضداد میں سے ہے یہ آگے اور پیچھے دونوں معانی میں آتا ہے، تاہم یہاں یہ آگے مراد ہے کہ ایسے لوگوں کے آگے دوزخ ہے اور جب وہ وہاں پہنچیں گے وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْئًا تو اُن کی کمائی اُن کو جہنم سے بچا نہیں سکے گی۔ مطلب یہ کہ اُس وقت اُن کا علم، ہنر، سائنس، ٹیکنالوجی، فلسفہ اور حلال و حرام ذرائع سے حاصل کردہ

دولت کچھ کام نہیں آئے گی۔ وَلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ اور
نہ وہ کام آسکیں گے جن کو انہوں نے اللہ کے سوا کارساز بنا لیا۔ دنیا میں جن کو نذر و نیاز
پیش کرتے رہے، جن کی قبروں پر سجدے کرتے رہے غلاف چڑھاتے رہے،
اُن پر عرس مناتے رہے، اُن کی دہائی دیتے رہے۔ یا علی اور یا غوث کے نعرے لگاتے
رہے، جنوں، شیاطین اور فرشتوں کو مدد کے لیے پکارتے رہے، اور جن جن کو بھی
حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے رہے، وہ قیامت والے دن کچھ کام نہ آئیں گے۔
اُس دن اللہ کے نبی، مقرب فرشتے اور اولیاء اللہ بیزاری کا اظہار کریں گے کہ
ہم نے تو انہیں اپنی پرستش کا حکم نہیں دیا تھا۔ یہ تو خود شیطان کے نقش قدم پر چل
کر اس نتیجے پر پہنچے ہیں۔ فرمایا وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ جن لوگوں نے اللہ کے
سوا دوسروں کو کارساز بنا لیا اُن کے لیے عذاب عظیم ہوگا۔ یہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں
نے آیاتِ الٰہی کو سنی ان سنی کر دیا۔ اُن کا مذاق اڑایا اور بالآخر دائمی سزا کے مستحق ٹھہرے۔

قرآن سراپا ہدایت

آخر میں اللہ نے قرآنِ کریم کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا هٰذَا
هُدًى کہ یہ قرآن تو سراسر ہدایت ہے، یہ سورۃ، اس کے دلائل، احکام، مثالیں
اور معجزات ہدایت کا ذریعہ ہیں۔ انہی کے ذریعے انسانوں کو ذہنی اور فکری بلندی حاصل
ہوتی ہے وہ حدِ کمال تک پہنچتے ہیں اور خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ جنہوں نے اپنے رب کی آیات، دلائل، احکام
اور معجزات کا انکار کیا۔ توحید، رسالت اور بعث بعد الموت پر یقین نہ کیا، فرمایا
لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ اُن کے لیے شدید اور دردناک عذاب
ہے۔ مغرور، متکبر اور سرکش لوگ جہلِ مرکب کا شکار ہوتے ہیں۔ اُن کے لیے ذہنی،
روحانی اور جسمانی ہر قسم کا سخت ترین عذاب ہوگا، کیونکہ انہوں نے آیاتِ الٰہی کا
تمسخر اڑایا، اللہ کی آیات کو سنی ان سنی کر دیا، قرآن کے پروگرام کو مغلوب کرنے
کی کوشش کی اور جزائے عمل کی منزل سے بے خوف ہو گئے۔

درس سوم ۳ آیت ۱۲ تا ۱۷

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ
وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ
لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ط
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ
قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ
صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ
تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ
وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ج فَمَا
اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ط
اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا
فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ :۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے مسخر کیا ہے تمہارے لیے سمندر کو تاکہ چلیں اُس میں کشتیاں اُس کے حکم سے ، اور تاکہ تم تلاش کرو اُس کے فضل سے ، اور تاکہ تم شکر

ادا کرو ⑫ اور مسخر کر دیا ہے اس نے تمہارے لیے جو
کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں، سب اسی کی
طرف سے ہے بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے
لیے جو غور و فکر کرتے ہیں ⑬ آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!)
اُن لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں کہ وہ درگزر کریں اُن
لوگوں سے جو اُمید نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ کے دنوں کی، تاکہ
بدلہ دے اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو اُس چیز کا جو وہ کماتے
تھے ⑭ جس نے اچھا عمل کیا پس اپنے نفس کے لیے
اور جس نے بُرا کیا پس اُسی پر ہو گا اس کا وبال۔ پھر
تمہارے رب کی طرف ہی تمہارا لوٹایا جانا ہے ⑮ اور
البتہ تحقیق دی ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت
اور نبوت، اور روزی دی ہم نے اُن کو پاکیزہ چیزوں سے
اور فضیلت بخشی ہم نے اُن کو جہان والوں پر ⑯ اور
دیں ہم نے اُن کو کھلی نشانیاں دین کے معاملے میں: پس
نہیں اختلاف کیا انہوں نے مگر اس کے بعد کہ ان کے
پاس علم آگیا، سرکشی کرتے ہوئے اپنے درمیان، بیشک
تیرا پروردگار فیصلہ کرے گا اُن کے مابین قیامت کے
دن اُن چیزوں میں جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے ⑰

ربطِ آیات

سورۃ الجاثیہ کی ابتدائی آیات میں قرآنِ کریم کی حقانیت و صداقت بیان
ہوئی اور پھر اللہ نے توحید اور معاد کے مشترکہ دلائل ذکر کیے۔ پھر نافرمانوں کا گمراہی
پر اصرار کا ذکر ہوا، اور جزائے عمل کے طور پر انہیں جہنم کی وعید سنائی گئی۔ اللہ نے فرمایا
کہ یہ لوگ اس دنیا میں جو کچھ کماتے رہے وہ قیامت والے دن کچھ کام نہیں آئیگا
اور نہ ہی اُن کے خود ساختہ معبود کچھ کام آئیں گے جن کو یہ اپنا کارساز اور حاجت روا

سمجھتے ہیں، بلکہ یہ لوگ عذاب عظیم میں مبتلا ہوں گے۔

سمندروں کی تسخیر

اللہ نے دلائل توحید ہی کے ضمن میں فرمایا ہے اَللّٰہُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَکُمُ الْبَحْرَ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمہارے لیے سمندروں کو مسخر کر دیا ہے۔ تسخیر کا معنی قابو میں لانا ہوتا ہے، اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ بعض چیزیں انسان کے اپنے قبضہ میں ہوتی ہیں، جن سے وہ مفاد حاصل کرتا ہے۔ مثلاً جانوروں کی تسخیر کے متعلق فرمایا اَللّٰہُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْکَبُوْا مِنْھَا وَمِنْھَا تَاْکُلُوْنَ (المومن - ۷۹) اللہ کی ذات وہ ہے جس نے تمہارے لیے جانور بنائے ہیں۔ جن پر تم سواری کرتے ہو اور جن کا گوشت کھاتے ہو۔ یہ انسان کے اپنے اختیار میں ہے کہ مملوکہ جانوروں پر سواری کرے ہل جوتے، پانی کھینچے یا ان کو ذبح کر کے گوشت استعمال کرے۔ تسخیر کی دوسری قسم یہ ہے کہ بعض چیزیں انسان کی تحویل اور قبضہ میں تو نہیں ہیں مگر وہ انسان کی خدمت پہ مامور ہیں جیسے فرمایا کہ اللہ کی ذات وہ ہے سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ (الرعد - ۲) جس نے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا ہے ظاہر ہے کہ سورج اور چاند انسان کے قبضہ میں تو نہیں ہیں مگر لوگ سورج کی روشنی اور گرمی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور اسی طرح رات کے وقت چاند کی دھیمی روشنی سے بھی انسان کے مفادات وابستہ ہیں۔ اللہ نے انسان کی مصلحت کی خاطر سورج اور چاند کو کام پہ لگا دیا جو اپنے اپنے مدار میں چل رہے ہیں اور انسانوں، حیوانوں اور نباتات کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

فرمایا اللہ نے تمہارے لیے سمندروں کو مسخر کر دیا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے لِتَجْرِیَ الْفُلْکُ فِیْہِ بِاَمْرِہٖ تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں اور جہاز چلیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم و ہنر اور عقل و شعور عطا کیا ہے جسے بروئے کار لا کر وہ چھوٹی چھوٹی کشتیوں سے لے کر بڑے بڑے جہاز بناتا ہے اور پھر انہیں سمندر میں اتار کر ان سے نقل و حمل کا کام لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کی سطح اس طرح پیدا فرمائی کہ اس میں آسانی سے جہاز رانی ہو سکتی ہے اور ایک ملک کا سامان دوسرے ملک میں بحفاظت منتقل کیا جا سکتا ہے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے دوسرے نمونے بھی دکھاتا

ہے۔ جب سمندر میں طوفان آتا ہے تو انسان بے بس ہو جاتے ہیں۔ اور لاکھوں ٹن وزنی جہاز بھی ڈوب جاتے ہیں۔ اُس وقت انسان کو اپنی عاجزی اور بے بسی کا احساس ہوتا ہے بہر حال سمندروں کی تسخیر اللہ تعالیٰ کے حکم کی مرہونِ منت ہے وگرنہ جدید سائنسی آلات بھی بعض اوقات ناکام ہو جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں بڑے سے بڑے جہاز کی حیثیت بھی سمندر کے سامنے ایک تنکے سے زیادہ نہیں ہوتی۔

زرقِ حلال کی تلاش

فرمایا سمندروں کی تسخیر کی دوسری غایت یہ ہے وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ اور تاکہ تم اپنی ضروریات میں اللہ کا فضل تلاش کر سکو۔ فضل سے مراد رزقِ حلال ہے شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ انسان کو اُس کی زندگی میں دو چیزوں کی اشد ضرورت ہے یعنی ارتفاق اور اقتراب۔ ارتفاق سے مراد لوازماتِ زندگی کا حصول ہے۔ انسان محنت کرے، کاشتکاری کرے، کارخانہ چلائے یا کوئی ایسا کام کرے جس کے ذریعے وہ اپنی زندگی کی ضروریات کھانا، پینا، پہننا، مکان، سواری وغیرہ کا بندوبست کر سکے، اور اقتراب کا معنی یہ ہے کہ انسان اس زندگی میں ایسے عقائد اختیار کرے اور ایسے اعمال انجام دے جو اُسے خدا تعالیٰ کا قرب دلا سکیں۔ سورۃ فتح میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے صحابہؓ کی شان میں فرمایا ہے یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (آیت ۲۹) کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کا رضوان تلاش کرتے ہیں۔ یہاں پر اللہ نے ارتفاق کو فضل کے لفظ سے اور اقتراب کو رضوان کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ فضل سے مراد رزقِ حلال کی تلاش ہے اور یہ بھی انسان کے لیے ضروری ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ یہ بھی فَرِيْضَةٌ مِّنْ بَعْدِ الْفَرَائِضِ یعنی پنجگانہ عبادت کے بعد حلال روزی کی تلاش بھی انسان کے ذمے فرض ہے۔ اس کے علاوہ علم کا حصول، حج وعمرہ کی ادائیگی کے لیے سفر، جہاد کے لیے سفر وغیرہ بھی فضل ہی کا حصہ ہیں۔ اسی طرح اقتراب کے حصول کے لیے عبادت وریاضت اور خدا تعالیٰ کی اطاعت کی ضرورت ہے۔ غرضیکہ یہ تمام چیزیں فضل میں داخل ہیں جن کے متعلق فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لیے سمندروں کو مسخر کر دیا ہے تاکہ تم ان کے ذریعے اللہ کا فضل تلاش کر سکو۔

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اور تسخیر بحر کا تیسرا مقصد یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرسکو خدا تعالیٰ کی نعمتوں سے مستفید ہو کر اُن کی قدر کرنا اور اُن کو صحیح جگہ میں استعمال کرنا، اور پھر دل و جان سے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنا انسان کے فرائض میں داخل ہے۔ آپ ہزاروں سال پہلے کا دَور ذہن میں لائیں جب ذرائع نقل و حمل محض جانوروں تک محدود تھے تو اس وقت لوگوں کو خود سفر کرنے اور مال کی باربرداری میں کتنی مشکلات پیش آتی ہوں گی۔ اب برّی، بحری اور فضائی راستے سے نقل و حمل کی بیشمار سواریاں دستیاب ہیں۔ جن کے ذریعے کم از کم وقت میں انسان دنیا بھر کا سفر کرسکتا ہے اور سامان کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک منتقل کرسکتا ہے۔ آج کے سائنسی دَور میں انسان کو جس قدر سہولتیں حاصل ہیں اُن پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہی ادا کیا جاسکتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ ہم نے تمھارے لیے سمندروں کو مسخر کر دیا ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

ارض و سما کی تسخیر

تسخیر بحر کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اور اس نے کام میں لگا دیے ہیں تمھارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ آسمان، کُرے، سیارے، ستارے، چاند اور سورج، ہوائیں اور فضائیں سب انسانوں کی خدمت پر مامور ہیں۔ جَمِيْعًا مِّنْهُ اور یہ سب کچھ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس میں کسی مخلوق کا دخل نہیں۔ اللہ نے اپنی قدرت اور مہربانی سے ارض و سما کی چیزوں کو انسانوں کی خدمت پر لگا رکھا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقربین ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں کو کائنات کی پیدائش سے اربوں سال پہلے انسانوں کی مصلحت کے لیے پیدا کیا، اور پھر آخر میں انسان کو پیدا کیا کہ مقصودِ کائنات انسان ہی ہے۔ فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ان سب چیزوں میں نشانیاں ہیں مگر اِن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ جو لوگ عقل و فکر سے کام لیتے ہیں۔ وہ جان لیتے ہیں کہ اللہ نے اُن پر کتنے انعامات فرمائے ہیں اِن تمام اشیاء کو نہ تو کسی جن نے بنایا ہے، نہ فرشتے نے اور نہ کسی انسان نے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ذات نہیں۔ جس نے

اتنے بڑے کارخانہ کائنات کو قائم کیا ہو اور پھر اس میں انسان کی مصلحت کی تمام چیزیں مہیا کی ہوں۔

درگزر کرنے کا سبق

اسلام کے ابتدائی دور میں کفار و مشرکین نے اللہ کے دین کی سخت مخالفت کی اور پیغمبر اسلام اور آپ کے پیروکاروں کو سخت تکالیف پہنچائیں، زبان سے گالی گلوچ، بُرا بھلا اور طعن و تشنیع کرتے تھے۔ ان حالات میں اہلِ ایمان کا پیمانہ صبر لبریز ہو جانا ایک قدرتی امر تھا اور وہ بعض اوقات جوش میں بھی آجاتے تھے۔ مگر اس وقت چونکہ مسلمانوں کی اجتماعی قوت کمزور تھی، اس لیے اللہ کی طرف سے ان کی روحانی تربیت اور جماعتی تنظیم پر زور دینے کی ہدایت کی جاتی تھی۔ چنانچہ ہم سورۃ النسآء میں اللہ کا یہ فرمان پڑھتے ہیں۔ كُفُّوٓا اَيۡدِيَكُمۡ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (آیت) کہ اے ایمان والو ! جنگ و جدل سے فی الحال اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نماز قائم کرتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ ایسے ہی حالات میں اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے کہ اے پیغمبر! قُلۡ لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا آپ ایمان والوں سے کہہ دیں يَغۡفِرُوۡا لِلَّذِيۡنَ لَا يَرۡجُوۡنَ اَيَّامَ اللّٰهِ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے۔ آپ ان کی باتوں سے متاثر نہ ہوں اور نہ ہی انتقام لینے کی کوشش کریں، بلکہ ان کی زیادتیوں کو فی الحال صبر و تحمل سے برداشت کریں۔ لِيَجۡزِيَ قَوۡمًۢا بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ تاکہ اللہ تعالیٰ بدلہ دے ان لوگوں کو ان کے کردہ اعمال کا۔ وہ جس قسم کی زیادتیاں کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ضرور ان سے خود نپٹ لے گا۔ لہٰذا آپ درگزر سے کام لیں اور ان پر ہاتھ نہ اٹھائیں۔

اس آیت میں آمدہ الفاظ يَرۡجُوۡنَ اور اَيَّامَ اللّٰهِ وضاحت طلب ہیں لفظ رجا مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنی خوف بھی ہوتا ہے اور امید بھی ہم نے یہاں معنی کیا ہے کہ آپ درگزر کریں اُن لوگوں سے جو اللہ کے ایام کی اُمید نہیں رکھتے یعنی ان کفار و مشرکین کو وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کی منزل کی کچھ اُمید نہیں کہ ایسا بھی ہوگا، اور اگر اس کے خوف والے معنی کیے جائیں تو یہ بھی درست ہے

کہ اِن لوگوں کو آخرت کی منزل کا بالکل خوف نہیں۔ جیسے سورۃ نوح میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے مخالفین کی توجہ اس طرف دلائی مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا (آیت ۔ ۱۳) تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے وقار سے خوف نہیں کھاتے۔

ایام اللہ یعنی اللہ کے دنوں سے وہ دن مراد ہیں جن میں اللہ کی طرف سے کسی قوم کو سزا ملتی ہے یا اُسے انعام سے نوازا جاتا ہے۔ گویا یہ تاریخی ایام ہوتے ہیں جن کے دوران کسی قوم کو یا تو بامِ عروج پر پہنچایا جاتا ہے اور یا انہیں ناکام بنا دیا جاتا ہے۔ یہاں پر انتقام لینے اور سزا دینے والا معنی مراد ہے کہ آپ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے سزا دینے والے ایام کی امید نہیں رکھتے یا ان سے خوف نہیں کھاتے۔ اس کی مثال موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بھی ملتی ہے کہ اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ (ابراہیم ۔ ۵) اور انہیں اللہ کے وہ دن یاد دلائیں جب اس نے مختلف قوموں کو سزائیں دیں۔

نیکی اور بدی کا بدلہ

فرمایا، یاد رکھو! مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ جس شخص نے کوئی اچھا کام کیا تو وہ اس کے اپنے ہی نفس کے لیے ہے، یعنی اُس کا فائدہ خود اُسی کو پہنچے گا۔ جس کے ساتھ نیکی کی جائے اُس پر احسان نہیں ہوتا بلکہ یہ تو اپنے فائدے کے لیے کی جاتی ہے۔ نیکی کرنے والے کا درجہ بلند ہوتا ہے، اُسے خدا کا تقرب حاصل ہوتا ہے اور وہ آخرت میں عذاب سے بچ جائے گا۔ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا اور جس نے کوئی بُرا کام کیا تو اُس کا وبال اُسی پر پڑے گا۔ کسی دوسرے کو نقصان پہنچے یا نہ پہنچے مگر برائی کا ارتکاب کرنے والے کو اس کی سزا ضرور ملے گی۔ اللہ نے یہ عام قانون بتلا دیا ہے اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (البقرہ ۔ ۲۸۶) اچھی کمائی اُسی کے حق میں مفید ہو گی، اور بری کمائی اُسی کے خلاف ہو گی۔ غرضیکہ نیکی کا بدلہ خود نیکی کرنے والے کے حق میں اچھا ہو گا اور بُرائی کا بدلہ اُس کے حق میں بُرا ہو گا۔ فرمایا ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ پھر تم سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے، جہاں ہر ایک کو اپنے

بنی اسرائیل کے لیے انعامات

اعمال کی جواب دہی کرنا ہوگی۔ اور جزائے عمل کی منزل سے گزرنا ہوگا۔

اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر کیے جانے والے انعامات، اُن کے آپس کے اختلافات اور قیامت کو اُن کے درمیان قطعی فیصلے کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ اور البتہ تحقیق ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب عطا فرمائی۔ اس کتاب سے مراد تورات ہے جو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی وساطت سے خود اُن کی فرمائش پر بنی اسرائیل کو عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پر بڑا احسان فرمایا کہ قرآن کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والی کتاب اُن کو دی۔ موجودہ بائیبل میں پہلے پانچ باب تورات کے ہیں۔ اگرچہ اس کتاب میں بہت سا تغیر و تبدل ہو چکا ہے تاہم کچھ نہ کچھ حصہ اب بھی محفوظ ہے۔ البتہ نزولِ قرآن کے بعد اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اپنے دور میں یہی کتاب واجب التعمیل تھی۔

فرمایا ایک تو ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب دی اور دوسرا وَالْحُكْمَ اور حکم بھی دیا۔ حکم سے مراد حکمت بھی ہے اور حکومت بھی۔ اللہ نے دونوں چیزیں بنی اسرائیل کو عطا فرمائیں۔ وَالنُّبُوَّةَ اور اُن کو نبوت بھی دی۔ ظاہر ہے کہ اللہ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو نبوت سے بھی سرفراز فرمایا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور تک خاندانِ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے چار ہزار نبی اور رسول مبعوث فرمائے۔ غرضیکہ اس خاندان میں اللہ نے نبوت، کتاب اور حکومت تینوں چیزیں جاری فرمائیں اور اس خاندان میں حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام جیسے بڑے بڑے حکمران پیدا فرمائے۔

فرمایا وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ اور انہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی دی۔ حتیٰ کہ جب وہ صحرائے سینا میں پہنچے تو وہاں اللہ تعالیٰ نے بغیر اُن کی محنت کے من و سلویٰ جیسی نعمتیں عطا فرمائیں اور دھوپ سے بچنے کے لیے سر پر بادلوں کا سایہ کر دیا۔ اس کے علاوہ رات کے وقت خصوصی روشنی کا انتظام کیا اور بڑے عظیم معجزات اُن کے سامنے رکھے۔

وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ اور انہیں تمام جہان والوں پر برتری اور فضیلت عطا فرمائی، یہ صرف اُس دور کے لیے برتری تھی نہ کہ آیندہ تمام ادوار کے لیے کیونکہ مطلق

فضیلت اللہ نے اپنے آخری نبی کی آخری امت کو ہی عطا فرمائی ہے۔ جیسے اُمَّۃً وَّسَطًا (البقرہ - ۱۴۳) کا لقب عطا فرمایا۔ امتِ وسطیٰ کا لفظی معنی افراط و تفریط سے پاک درمیانی امت ہے اور یہی اس کی افضلیت کی علامت ہے۔ احادیث میں بھی آتا ہے کہ اقوامِ عالم میں اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ فضیلت حضور علیہ السلام کی امت کو عطا فرمائی۔ بہر حال یہ بھی اللہ کا احسان تھا کہ اُس نے اپنے دور میں بنی اسرائیل کو باقی اقوام پر فضیلت بخشی۔

بنی اسرائیل میں فرقہ بندی

فرمایا وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ اور دین کے معاملے میں ہم نے اُن کو کھلی نشانیاں یعنی معجزات عطا کیے۔ اُن کی موجودگی میں معاملہ صاف ہو جانا چاہیے تھا اور دین کے بارے میں کوئی اشتباہ باقی نہیں رہنا چاہیئے تھا۔ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ پس انہوں نے نہیں اختلاف کیا مگر بعد اس کے کہ اُن کے پاس علم آگیا۔ واضح کتاب، احکام، واضح دلائل اور معجزات آنے کے باوجود انہوں نے دین کے معاملات میں آپس میں اختلاف کیا اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور اس اختلاف کی وجہ یہ تھی بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ کہ انہوں نے آپس میں سرکشی کی۔ اُن میں خودسری اور گمراہی پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے انہوں نے گروہ بندی اختیار کر لی۔ اُن کی یہ سرکشی اور گمراہی آج تک برابر چلی آرہی ہے اور مسیح علیہ السلام کے دوبارہ نزول تک برابر جاری رہے گی۔

فرمایا اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ بے شک تیرا پروردگار قیامت والے دن اِن کے درمیان ان امور کا فیصلہ کرے گا جن میں یہ اختلاف کرتے رہے۔ قیامت والے دن پتہ چلے گا کہ انہوں نے دین کو کس طرح بگاڑا، گمراہی میں جا پڑے اور پھر اُس پہ اصرار کرتے رہے اللہ کا آخری نبی اور آخری شریعت بھی آگئی مگر انہوں نے حق کو تسلیم نہ کیا اور اپنی گمراہی اور سرکشی پہ ہی اڑے رہے دنیا میں تو اختلافات چلتے رہیں گے اور ان کا قطعی فیصلہ اللہ کی بارگاہ میں قیامت والے دن ہی ہوگا۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع

ع ۱۸

ترجمہ:۔ پھر ہم نے ٹھہرایا ہے آپ کو ایک شریعت پر دین کے سلسلہ میں، پس آپ اس کی پیروی کریں۔ اور آپ نہ پیروی کریں اُن لوگوں کی خواہشات کی جو کچھ علم نہیں رکھتے ﴿۱۸﴾ بیشک وہ ہرگز نہیں کام آسکیں گے آپ کے لیے اللہ کے سامنے کسی چیز میں بھی۔ اور بے شک بے انصاف لوگ بعض بعض کے رفیق ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کارساز ہے متقیوں کا ﴿۱۹﴾ یہ بصیرت کی باتیں ہیں لوگوں کے لیے، اور ہدایت اور رحمت ہے اُن لوگوں کے لیے جو یقین لاتے ہیں ﴿۲۰﴾ کیا خیال کرتے ہیں وہ لوگ جو کماتے ہیں برائیاں کہ ہم کر دیں گے اُن کو

ان لوگوں کی طرح جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیئے۔ برابر ہو گی اُن کی زندگی اور موت، اور بُرا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں (۲۱)

ربط آیات

اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل بیان فرمائے اور پھر کافروں اور مشرکوں سے درگزر کرنے کا حکم دیا اور انتقامی کاروائی کرنے سے منع فرمادیا۔ پھر ارشاد ہوا کہ جو شخص کوئی نیکی کا کام کرتا ہے تو اُس میں خود اُسی کا بھلا ہوتا ہے، اور جو کوئی برائی کا کام کرتا ہے تو اس کا وبال خود اسی پر پڑتا ہے ہر نیکی اور بدی کی جزائے عمل کے لیے ہر شخص کو قیامت والے دن بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہو کر اپنے اپنے اعمال کا بھگتان کرنا ہے اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی مثال بیان فرمائی کہ ہم نے اُن کو کتاب، حکومت اور نبوت عطا فرمائی، روزی کے لیے پاکیزہ چیزوں کا بندوبست کیا، اور اس دور میں اُن کو اقوام عالم پر فضیلت بخشی۔ اُن کو کھلی نشانیاں بھی دی گئیں مگر ان تمام احسانات کے باوجود انہوں نے علم آجانے کے بعد آپس میں اختلاف کیا۔ اور فرقہ بندی میں مبتلا ہو گئے تو فرمایا کہ اُن کے درمیان اختلافات کا فیصلہ اللہ تعالیٰ قیامت کو ہی کرے گا۔

آخری شریعت

فرمایا بنی اسرائیل نے تو ہدایت کے تمام سامان مہیا ہونے کے باوجود آپس میں اختلاف کیا، اور مشرکین مکہ اور عرب نے ضد، عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے نبی آخرالزمان کی نبوت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام سے خطاب فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل تو دینِ حق پر قائم نہ رہ سکے ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ پھر ٹھہرایا ہے ہم نے آپ کو ایک شریعت پر دین کے سلسلہ میں فَاتَّبِعْهَا پس آپ اس کی پیروی کریں اور اِن لوگوں کے اختلافات، تعصب اور عناد کی طرف توجہ نہ دیں کیونکہ یہ تو اسی طرح کرتے رہیں گے اور آخری فیصلہ اللہ کی بارگاہ میں ہی ہوگا۔ اب اللہ نے آپ کے اور آپ کے پیروکاروں کے لیے ایک شریعت مقرر کر دی ہے لہٰذا اس کی پیروی کریں اور کفار و مشرکین اور اہل کتاب کی خواہش پر اپنے دینِ حق کی تبلیغ میں ڈھیلے نہ پڑ جائیں، مطلب یہ کہ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ

الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ آپ اُن لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جن کو کچھ علم نہیں، وہ جاہل اور نادان ہیں، اُن کے کہنے میں بالکل نہیں آنا۔

شریعت کا معنیٰ دین کے سلسلہ میں واضح راستہ ہوتا ہے، اور لفظی معنیٰ پانی کا گھاٹ جہاں سے انسان اور جانور اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ تاہم جان لینا چاہیئے کہ شریعت، مذہب، دین، ملّت اور منہاج قرآن و سنت کی اصطلاحات ہیں اور ان کو اُن کے پس منظر میں ہی سمجھنا چاہیئے۔ مذہب کا معنیٰ راستہ اور شریعت کا معنیٰ واضح راستہ ہے دین کا معنیٰ اطاعت اور فرمانبرداری ہوتا ہے۔ ملّت سے مراد خاص اصول ہوتے ہیں جن کی پیروی ضروری ہوتی ہے اور یہ ملّتِ انبیاء بھی کہلاتی ہے۔ ملّتِ ابراہیمی اور ملّت اسلامیہ بھی اسی کو کہا جاتا ہے۔

مفسرین اور محدثین ان چیزوں کو سمجھانے کے لیے مختلف طریقے استعمال کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں بعض اوقات تین اصطلاحات ایمان، اسلام اور احسان کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ ایمان کا تعلق باطن سے ہوتا ہے اور یہ قلبی تصدیق کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، رسالت، ملائکہ، کُتب سماویہ، قیامت اور اُن تمام چیزوں کی تصدیق کا نام ایمان ہے جو قطعی اور یقینی طور پر پیغمبر اسلام سے ثابت ہیں۔ دوسری چیز اسلام ہے جس کا تعلق ظاہر سے ہے اور اس میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد جیسے اعمال آتے ہیں۔ گویا ظاہری احکام کا نام اسلام ہے، اور پھر ایمان اور اسلام کے مجموعے کو دین کہا جاتا ہے۔ تیسری چیز احسان ہے۔ جس کا تعلق اخلاص کے ساتھ ہے۔ عبادات اور دیگر کارہائے خیر میں جس قدر اخلاص پایا جائے گا۔ اُسی قدر وہ عمل مقبولیت کا درجہ حاصل کرے گا۔

بعض فرماتے ہیں کہ انسان کے لیے تین چیزیں نہایت ضروری ہیں۔ سب سے پہلے عقیدے کی اصلاح ضروری ہے کہ تمام اعمال کا دارومدار اسی پر ہے۔ اگر عقیدہ درست ہوگا، تو اعمال مقبول ہوں گے، ورنہ بیکار جائیں گے، اور عقیدے کا تعلق ایمان کے ساتھ ہے، دوسری لازمی چیز اعمال کی درستگی ہے کہ اچھے

اعمال ہی انسان کے لیے مفید ہوں گے۔ جب کہ بُرے اعمال وبالِ جان بن جائیں گے یاد رہے کہ اعمال کا تعلق اسلام کے ساتھ ہے۔ تیسری چیز اخلاص ہے کہ اس کی بھی اشد ضرورت ہے۔ دین میں ریاکاری یا باطل کی آمیزش نہ ہو، بلکہ اس میں زیادہ سے زیادہ اخلاص ہونا چاہیئے اور اسی چیز کو احسان کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔

بعض مفسرین دین اور شریعت کی تشریح اس طرح بیان کرتے ہیں کہ دین ایسے عقائد کا نام ہے جو ہر نبی کی امت میں یکساں طور پہ قائم رہے ہیں۔ جیسے فرمایا شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا ..... الآیۃ (الشوریٰ ۔ ۱۳) اللہ نے تمہارے لیے وہی دین اور وہی عقائد مقرر کیے ہیں جو نوح علیہ السلام اور بعد میں آنے والے تمام انبیاء کے لیے مقرر کیے گئے تھے۔ گویا یہ بنیادی عقائد ناقابلِ تنسیخ ہوتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں ملت سے مراد وہ موٹے موٹے اصولِ دین یا کلیات ہیں جو کہ تقریباً تمام انبیاء کی امتوں میں مشترک رہے ہیں، ان میں طہارت، نماز، روزہ، قربانی، صدقہ خیرات، جبرِ اخلاق، رذیل باتوں سے اجتناب وغیرہ شامل ہیں۔ ملتِ ابراہیمی اور ملت اسلامیہ بھی اسی کو کہتے ہیں۔ پھر تیسری چیز شریعت، مذہب یا منہاج ہے جس میں کلیات کی جزئیات ہوتی ہیں اس میں چھوٹے چھوٹے مسائل و احکام از قسم حلال و حرام، نکاح، طلاق، تجارت، معاشرت، اور معیشت وغیرہ آتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مختلف انبیاء کی شریعت مختلف رہی ہے۔

شرائع میں فرق

مختلف شرائع میں فرق کی مثال اس طرح سمجھیں کہ کسی شریعت میں اونٹ کا گوشت حرام تھا مگر ہماری شریعت میں حلال ہے یا مثلاً یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں دو سگی بہنوں سے نکاح جائز تھا مگر ہماری شریعت میں اس کی ممانعت کر دی گئی ہے جیسے فرمایا وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ (النساء ۲۳) کہ تم دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں جمع نہیں کر سکتے، ہاں جو پہلے ہو چکا وہ ہو چکا۔ چنانچہ ان جزئیات کو شریعت کہا جاتا ہے۔ حضور نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد مبارک بھی ہے نحن معاشر الانبیاء اولاد علاتٍ دیننا واحد ہم انبیاء کے

گروہ کی مثال علاتی بھائیوں جیسی ہے جن کا باپ ایک اور مائیں مختلف ہوں مگر ہمارا دین ایک ہے۔ مطلب یہ کہ دین یعنی کلیات تو تمام انبیاء میں مشترک رہے ہیں مگر شرائع یعنی جزئیات مختلف رہی ہیں۔ پھر جب آخری شریعت آگئی تو پہلی تمام شرائع منسوخ ہوگئیں اب کسی سابقہ نبی کی شریعت پہ عملدرآمد نہیں کیا جاسکتا۔

اتباع شریعت سے انحراف

بہر حال فرمایا کہ اے پیغمبر! ہم نے آپ کے لیے ایک شریعت مقرر کردی ہے آپ اسی کا اتباع کریں۔ اس مقام پر مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ یہ نکتہ اٹھاتے ہیں کہ جب اللہ کا نبی بھی اس آخری شریعت کا پابند ہے تو پھر امت پہ تو بطریق اولیٰ یہ پابندی عائد ہوتی ہے اور کوئی شخص بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتا۔ اور پھر شریعت کی پابندی میں انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے کہ اس کو ترقی ملتی ہے، درجات بلند ہوتے ہیں اور آخرت میں نجات حاصل ہوتی ہے۔ شریعت کی عدم پابندی تو شیطان کے نقش قدم پہ چلنے کے مترادف ہے۔ قرآن میں اللہ نے جگہ جگہ فرمایا ہے۔ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ (البقرہ - ۱۶۸) کہ شیطان کے نقش قدم پہ نہ چلو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون کو وحی کے ذریعے نازل فرمایا اور اس کی تفصیل سنت کے ذریعے واضح کی۔ پھر بعض چیزیں اجتہاد کے ذریعے حل ہوئیں۔ چونکہ یہ سب شریعت ہی سے متعلقہ چیزیں ہیں لہٰذا ان سب کا اتباع ضروری ہے۔ البتہ رسومات باطلہ اور بدعات کو اختیار کرنا بلاشبہ شیطان کے نقش قدم پر چلنا ہے۔

جب تک برصغیر پہ انگریز حکمران رہا۔ اہل ایمان اس کے قانون کی پابندی پر مجبور تھے۔ سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، تجارتی قوانین سب انگریز کے وضع کردہ تھے البتہ اس نے مسلمانوں کو بعض رعایات دے رکھی تھیں جن کو پرسنل لاء کہا جاتا تھا۔ اور مسلمان اپنے عقیدہ کے مطابق ان کو اختیار کرسکتے تھے۔ مگر آزادی کے بعد تو انگریزی قانون کے نفاذ کا کوئی جواز باقی نہیں رہ جاتا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ پاکستان کے قیام کے فوراً بعد تمام قوانین کو اسلامی قوانین میں تبدیل کرلیا جاتا مگر افسوس کہ آج تک

ایسا نہیں ہو سکا۔ اس ضمن میں کارپردازانِ حکومت خاص طور پر اور عام مسلمان عام طور پر گنہگار ہیں کہ وہ شریعتِ اسلامیہ کو نافذ نہیں کر پائے۔ آج تک وہی ملعون قوانین چل رہے ہیں، مثلاً حادثاتی موت کی صورت میں لاش کا پوسٹ مارٹم ضروری ہے۔ حالانکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ سودی کاروبار بالکل اسی طرح چل رہا ہے۔ جیسے انگریزوں کے زمانے میں تھا۔ عدالتی نظام میں کوئی اصلاح نہیں ہوئی۔ بلکہ وہی غلامانہ تعزیراتی قانون رائج ہے دیکھیں ترکی میں شریعت کا قانون ختم ہوا تو ملکی قانون بھی بدل دیے گئے۔ اور پھر کوئی قانون جرمنی کا، کوئی برطانیہ کا اور کوئی فرانس کا لے لیا گیا اور اس طرح آدھا تیتر اور آدھا بٹیر والی مثال صادق آئی۔ خود ہمارے ملک میں شریعت کا نفاذ اس بہانہ سے نہیں کیا جا رہا ہے کہ اس پر تمام مذاہب متفق نہیں ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ کسی طرح چور دروازے سے حکومت پر قابض رہیں۔ اگر خدا کا قانون جاری ہوتا ہے تو ان کا اپنا اقتدار خطرے میں پڑ جاتا ہے لہٰذا خیریت اسی میں ہے کہ جس طرح کا نظام چل رہا ہے، اُسے چلنے دیا جائے۔ اب تعزیراتی قوانین میں شرع کے مطابق کچھ ردوبدل کیا گیا ہے مگر اُس کا بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ آج تک کسی مجرم پر حد جاری نہیں ہوئی، نہ کسی کا ہاتھ کٹا اور نہ کوئی سنگسار ہوا۔ سعودی عرب میں حدود کا نفاذ ہے تو وہاں جرائم بھی نہ ہونے کے برابر ہیں۔ یہ وہ بدو تھے جو کبھی مسافر کے پاؤں سے جوتا بھی اتروا لیا کرتے تھے مگر آج اسلامی تعزیرات کے نفاذ کا یہ اثر ہے کہ سڑک پر سونے کی ڈلی بھی پڑی ہو تو کوئی ہاتھ لگانے کی جرأت نہیں کر سکتا بلکہ پولیس کو دور سے ہی بتا دیتا ہے کہ وہاں کسی کا مال پڑا ہے۔ آج لوگ دکانیں کھلی چھوڑ کر نماز کے لیے چلے جاتے ہیں مگر کسی کی کیا مجال ہے کہ کوئی چوری کا تصور بھی کر سکے۔ اب تک زیادہ سے زیادہ پچاس ساٹھ آدمیوں کے ہاتھ کٹے ہوں گے مگر چوری بالکل ختم ہو گئی ہے۔ اور ہمارے ہاں شرعی قوانین سے انحراف کی وجہ سے لوگ مسجدوں سے جوتے تک چوری کر لیتے ہیں۔

باقی رہا یہ اعتراض کہ کون سا فقہی قانون نافذ کیا جائے تو یہ بھی کوئی مشکل مسئلہ

نہیں ہے۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جس ملک میں جس فقہ کے ماننے والوں کی اکثریت ہو وہاں اسی فقہ کا قانون نافذ کیا جائے۔ سپین میں مالکی فقہ کی اکثریت تھی تو وہاں مالکی فقہ رائج رہا۔ برصغیر، افغانستان، ترکی، خراسان وغیرہ میں حنفی لوگوں کی اکثریت ہے تو یہاں حنفی فقہ کے مطابق قانون جاری ہونا چاہیئے۔ افسوس کا مقام ہے کہ بعض لوگ حنفی قانون کے نام سے بدکتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی قرآن وسنت سے ہی ماخوذ ہے اور قرآن وسنت کے خلاف کوئی چیز قابلِ قبول نہیں۔ فتاویٰ اور دیگر کتب کی تمام باتیں قابلِ عمل نہیں ہوتیں۔ بلکہ یہ تو محض معلومات ہوتی ہیں جن پر قانون کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ عالمگیری سے لوگوں کو خواہ مخواہ چڑ ہے۔ یہ تو پانچ سو علما کا تدوین کردہ قانون ہے جس کی بنیاد قرآن وسنت پر ہے۔ اس کی مخالفت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اگر لوگوں کی اکثریت کا قانون جاری کر دیا جائے تو دوسرے لوگ بھی محروم نہیں رہتے۔ حنفی فقہ ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک دنیا میں رائج رہا ہے۔ اس کے باوجود اگر کسی نے اپنے آپ کو شافعی ظاہر کیا ہے۔ تو اس کا فیصلہ شافعی مسلک کے مطابق کر دیا گیا اور اس میں کسی مسلک والے کو کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ مختلف فقہی مسالک میں مکمل اتفاق تو شاید کبھی ممکن نہ ہو۔ انگریزی قانون میں بھی کبھی دو جج کسی فیصلہ پر متفق نہیں ہوئے۔ بھٹو کی پھانسی کے مسئلہ پر سارے جج متفق نہیں ہوئے تھے بلکہ ان میں بھی اختلاف رائے تھا۔ بڑی عجیب بات ہے کہ دنیاوی قوانین میں تو اس قسم کے اختلافات برداشت کر لیے جاتے ہیں مگر فقہی جزئیات میں ایسے اختلافات کو برداشت نہیں کیا جاتا اور مکمل اتفاق رائے تک نفاذ شریعت کے عمل کو پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچنے دیا جاتا۔ بہر حال شریعت کا قانون منجانب اللہ ہے جس میں تمام کلیات اور جزئیات آ گئے ہیں اور پاکستان جیسے نظریاتی ملک میں اس کے نفاذ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیئے۔

اللہ نے فرمایا کہ ہم نے آخر میں آپ کو ایک شریعت پر مقرر کیا ہے آپ اسی شریعت کی اتباع کریں اور بے علم لوگوں کی خواہشات پر نہ چلیں۔ کیونکہ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وہ آپ کو اللہ کے سامنے کچھ بھی کام

نہیں دے سکیں گے۔ اگر آپ نے ان کی طرف جھکاؤ کر لیا۔ تو پھر اللہ کی گرفت سے نہیں بچ سکیں گے۔ وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ بے شک بے انصاف ایک دوسرے کے حامی اور رفیق ہوتے ہیں۔ جو لوگ شریعت مطہرہ کی بجائے شیطان کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں، وہی ایک دوسرے کے معاون بنتے ہیں۔ اس کے برخلاف وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ اہلِ ایمان اور پرہیزگاروں کا حامی و ناصر اور کارساز اللہ تعالیٰ ہوتا ہے، اور جس کو اللہ تعالیٰ کی حمایت حاصل ہو جائے وہ کبھی ناکام نہیں ہوتا۔ لہٰذا اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی بھروسہ رکھنا چاہیئے وہی ان کا کارساز ہے

بصیرت کی باتیں

فرمایا هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ مذکورہ تمام باتیں یعنی توحید کے دلائل، قرآن کی حقانیت اور شریعت کا اتباع لوگوں کے لیے بصیرت ہیں۔ بصارت آنکھ سے دیکھنے کو کہتے ہیں جب کہ بصیرت دل کی روشنی کا نام ہے۔ ایمان دل کی روشنی ہے، اسی سے علم حاصل ہوتا ہے، دل میں اطمینان، یقین اور عرفان پیدا ہوتا ہے۔ فرمایا یہ چیزیں نہ صرف بصیرت ہیں بلکہ وَهُدًى ذریعہ ہدایت بھی ہیں۔ زندگی کے ہر موڑ پر انہی چیزوں سے راہنمائی حاصل ہوگی۔ قرآن و سنت اور اسلامی علوم جگہ جگہ آپ کی راہنمائی کریں گے۔ پھر جب قوانین الٰہیہ کی پابندی سے اللہ تعالیٰ کی جو مہربانی شاملِ حال ہوتی ہے۔ اس کے متعلق فرمایا وَرَحْمَةٌ وہ خدا کی رحمت ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عام قانون یہ ہے اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ (الاعراف - ۵۶) اللہ تعالیٰ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے ہر وقت شاملِ حال ہوتی ہے۔ نیکوکار آدمی کو نیکی کرنے سے نیکی کی مزید توفیق ملتی ہے، اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کی آغوشِ رحمت میں جگہ نصیب ہوتی ہے۔ فرمایا یہ سب کچھ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ان لوگوں کے لیے جو توحید، رسالت اور معاد پر یقین رکھتے ہیں۔

نیکی اور برائی میں امتیاز

فرمایا دیکھو! نیک اور بد برابر نہیں ہو سکتے۔ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کیا برائیوں کا ارتکاب کرنے والے لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں کی طرح

بنا دیں گے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک اعمال انجام دیے؟ ایک شخص اطاعت میں تکالیف برداشت کرتا ہے ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ جب کہ دوسرا آدمی ایمان سے خالی ہے اور برائیوں میں پڑ کر عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہا ہے، خدا کے ہاں وہ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے اور فرمایا کہ کیا یہ لوگ یہ بھی سمجھتے ہیں۔ کہ سَوَآءً مَّحۡيَاهُمۡ وَمَمَاتُهُمۡ کہ اُن کی موت اور زندگی بھی برابر ہوگی۔ فرمایا ہرگز نہیں۔ اگر وہ ایسا گمان کرتے ہیں سَآءَ مَا يَحۡكُمُونَ تو بہت بُرا فیصلہ کرتے ہیں۔ اُن کی زندگی اور موت ہرگز برابر نہیں ہو سکتی۔ اگر نیک اور بد برابر ہو جائیں تو پھر تو اندھیر نگری بن جائے گی اور بُرائی کرنے والوں کی مزید حوصلہ افزائی ہوگی۔ اللہ تعالےٰ ہر شخص کو اُس کے عقائد و اعمال کے مطابق ہی بدلہ دے گا۔ اہل ایمان کی یہ زندگی بھی پاکیزہ ہوتی ہے۔ ایسا شخص کفر، شرک، نفاق اور بدعات سے پاک ہوتا ہے۔ وہ تکالیف برداشت کر کے رزقِ حلال کماتا ہے، نماز، روزہ کی پابندی اختیار کرتا ہے، حلال حرام میں امتیاز کرتا ہے، حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرتا ہے۔ اس کے برخلاف برائی والے آدمی کا کوئی نظریہ نہیں ہوتا، وہ جانوروں کی طرح کھاتا پیتا اور کھیل کود میں زندگی گزار دیتا ہے۔ یہ نہ تو اِس دنیا میں برابر ہوتے ہیں۔ اور نہ اگلی دنیا میں برابری حاصل ہوگی۔ مومن آدمی کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے مقام میں جگہ دیگا۔ جہاں راحت کی ہر چیز نصیب ہوگی، اور کافر جہنم کا شکار بنے گا، لہٰذا یہ دونوں کسی صورت میں بھی برابر نہیں ہو سکتے۔

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ
نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ اَفَرَءَيْتَ
مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ
وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ
غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا
تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَقَالُوْا مَا هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا
نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا
لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾
وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ
حُجَّتَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ
ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ ع ۳ ۵ ۱۹

ترجمہ :- اور پیدا کیے اللہ نے آسمان اور زمین حق کے ساتھ
اور تاکہ بدلہ دیا جائے ہر نفس کو جو اس نے کمایا ، اور اُن
پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿۲۲﴾ بھلا کیا تم نے دیکھا ہے

اس شخص کو جس نے بنا لیا ہے معبود اپنی خواہش کو ، اور اللہ نے اس کو گمراہ کیا ہے علم پر ۔ اور مہر کر دی ہے اس کے کانوں پر اور دل پر ، اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے ۔ پس کون اس کی راہنمائی کرے گا ۔ اللہ کے سوا کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے (۲۳) اور کہا اُن لوگوں نے کہ نہیں ہے یہ مگر ہماری دنیا کی زندگی ۔ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں ، اور نہیں ہلاک کرتا ہمیں مگر زمانہ ، اور نہیں ہے اِن کو اس کا کچھ علم ۔ نہیں وہ مگر گمان کرتے (۲۴) اور جب پڑھی جاتی ہیں اُن کے سامنے ہماری آیتیں کھلی تو نہیں ہوتی اِن کی دلیل مگر کہتے ہیں یہ کہ لاؤ ہمارے پاس ہمارے آباؤاجداد ، اگر تم سچے ہو (۲۵) آپ کہہ دیجیے (اے پیغمبر!) اللہ تعالیٰ تم کو زندگی دیتا ہے ، پھر تم پر موت طاری کرتا ہے ، پھر تم کو جمع کرے گا قیامت کے دِن کہ نہیں شک اُس میں ، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (۲۶)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے آخری شریعت کے نزول کا ذکر کیا اور اُس کے اتباع کا حکم دیا ۔ نیز خواہشات نفسانی کی پیروی سے منع فرمایا ۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ قرآن کی یہ آیتیں اور سورتیں بصیرت ، ہدایت اور رحمت ہیں مگر اُس شخص کے لیے جو یقین رکھتا ہے ۔ پھر اللہ نے نیک و بد کے متعلق فرمایا کہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے ۔ بعض بُرے لوگ برائیاں کماتے ہیں ۔ جب کہ بعض اہلِ ایمان نیکی کے کام کرتے ہیں ۔ ان دونوں کی زندگی اور موت میں فرق ہے اور یہ تفاوت اگلے جہان میں بھی قائم رہے گا ۔

ارض وسما کی تخلیق

اَب آج کی پہلی آیت میں اللہ نے تخلیق ارض و سما کا ذکر فرمایا ہے جو ایک طرف

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہے تو دوسری طرف وقوعِ قیامت اور بعث بعد الموت کی دلیل بھی بنتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ تخلیق کیا ہے۔ مطلب یہ کہ تخلیقِ ارض و سما کوئی مہمل بات نہیں بلکہ اللہ نے ان کو اپنی خاص حکمت اور مصلحت کے تحت پیدا کیا ہے اور اس کا کوئی خاص مقصد ہے۔ سورۃ صٓ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (آیت۔ ۲۷) اور ہم نے ارض و سما اور ان کے درمیان کی چیزوں کو بیکار پیدا نہیں کیا۔ بلکہ یہ تو کافروں کا گمان ہو سکتا ہے، کوئی سمجھدار اور ایماندار آدمی ارض و سما کو بیکار محض نہیں جان سکتا۔ بیکار کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں کسی حادثے کی وجہ سے پیدا ہوئیں اور پھر ایسے ہی کسی روز حادثاتی طور پر ختم ہو جائیں گی اور ان کا انجام کچھ بھی نہیں ہے۔

فرمایا، دیکھو! کوئی عقلمند آدمی اپنی تخلیق اور اپنے وجود سے تو انکار نہیں کر سکتا۔ تو جس طرح ہمارا یہ آغاز ہمیں نظر آ رہا ہے۔ اسی طرح انجام کا انکار بھی درست نہیں، اگر آغاز سے واقف ہو تو انجام بھی دیکھ لو گے۔ جزائے عمل کی منزل آگے آنے والی ہے اور یہی اس آغاز کا انجام ہے جب ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ مل کر رہے گا۔

جزائے عمل کی منزل

فرمایا ارض و سما کی تخلیق کا مقصد یہ ہے وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ اور تاکہ ہر نفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جا سکے۔ بعض اوقات دنیا میں بھی کسی کی کارکردگی کا اچھا یا برا بدلہ مل جاتا ہے مگر مکمل جزائے عمل یہاں ممکن نہیں۔ بلکہ قیامت کو ہی واقع ہو گی۔ جب تمام مجرموں کو ان کے جرائم کی پوری پوری سزا ملے گی۔ یہ دنیا دار التخلیط ہے، یہاں نیکی بدی ہر چیز خلط ملط ہوئی ہوتی ہے اور کئی چیزوں کا امتیاز نہیں کیا جا سکتا مگر قیامت والے دن ہر اچھائی برائی الگ الگ کر دی جائے گی۔ اور کسی چیز میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں رہے گا، لہٰذا وہاں ہر چیز کا فیصلہ ٹھیک ٹھیک کر دیا جائے گا۔ اس دنیا میں تو بعض اوقات بے گناہ بھی پکڑے جاتے ہیں اور بعض گنہگار بھی بچ جاتے ہیں مگر وہاں ایسا نہیں ہو گا اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا (النبا۔ ۱۷)

اللہ نے حتمی فیصلے کا ایک دن مقرر کر رکھا ہے۔ کُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (المدثر۔ ۳۸) ہر شخص اپنے عمل میں گروی ہے، اُسے مقررہ دن پر اپنی کارکردگی کا پورا پورا حساب چکانا ہو گا، جزائے عمل ضرور واقع ہو گی وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ اور اس دن کسی پر زیادتی نہیں کی جائیگی۔ دنیا کی عدالتوں میں تو بعض اوقات غلط فیصلہ بھی ہو جاتا ہے، رشوت، سفارش اور اقربا پروری بھی کسی فیصلے پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ مگر قیامت والے دن جب حتمی فیصلے ہوں گے تو پھر کسی کے ساتھ ذرہ بھر بھی زیادتی نہیں ہو گی بلکہ پورا پورا بدلہ ملے گا۔ یہی وہ حکمت اور مصلحت ہے جس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے ارض و سما کی تخلیق فرمائی ہے۔ یہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل بنتی ہے کہ ہر چیز کا خالق و مالک اور متصرف وہی ہے، اور دوسری طرف جزائے عمل کی دلیل بھی ہے کہ ہر چیز کا ایک انجام ہے جو جزائے عمل کی صورت میں پیش آئے گا۔

نفسانی خواہش بطور معبود

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قانونِ ہدایت کو چھوڑ کر نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے والوں کا رد کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ کیا تم نے اُس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش کو ہی معبود بنا لیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے انسان کی پوری زندگی کے لیے ایک لائحہ عمل دیا ہے کہ اس کے مطابق زندگی بسر کرے، قرآن پاک نبی کی تعلیم، شریعت، احکام وغیرہ انسان کے لیے دستور العمل ہے۔ مگر حضرت انسان ہے جو ان کی بجائے رسم و رواج اور نفسانی خواہشات کے پیچھے چل نکلتا ہے گویا کہ اُس نے اپنی خواہشات کو ہی معبود بنا لیا ہے معبود وہی ہوتا ہے جس کی مکمل اطاعت کی جائے۔ تو جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور احکامِ دین کی اطاعت کی بجائے خواہشات کے پیچھے چلتا ہے، وہ انہی کی عبادت کر رہا ہے اور خواہشات کی پیروی گویا شیطان کے نقشِ قدم پر چلنا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (البقرہ ۱۶۸) شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو کہ یہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

فرمایا، کیا تم نے اُس شخص کو دیکھا ہے۔ جس نے اپنی خواہش کو ہی معبود بنالیا ہے؟
اب اس کی حالت یہ ہو چکی ہے وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے علم پر گمراہ کر دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے حالات و استعداد کو جانتا ہے اور یہ بھی کہ یہ خواہشات کا بندہ ہے اور یہ راہ راست پر آنے والا نہیں ہے لہٰذا اللہ نے اس کو گمراہ کر دیا ہے عَلٰی عِلْمٍ کا یہی معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اُس کی ہر چیز کا پورا پورا علم ہے اور اسی علم کی بناء پر اُس کو گمراہ کیا ہے۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ خود اِس شخص کو ہر اچھائی اور بُرائی کا علم ہے، وہ کسی نادانی یا جہالت کی وجہ سے غلط کام نہیں کرتا بلکہ دیدہ دانستہ خواہشات کی پیروی کر رہا ہے، لہٰذا اللہ نے اُسے گمراہ کر دیا ہے۔ ہم تاریخ میں بعض بڑے بڑے لوگوں کے حالات پڑھتے ہیں جن کو نیکی اور بدی کا علم تھا مگر اُن کا ارادہ، نیت اور استعداد اچھی نہیں تھی، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اُن کو گمراہ کر دیا۔ گویا اس شخص نے علم کی روشنی سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا۔ خدا تعالیٰ تخلیق کے اعتبار سے قادرِ مطلق ہے، مگر اُس کا قانون یہ ہے کہ وہ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا۔ ہر شخص کے ساتھ دُنیا و آخرت میں اُس کی اہلیت کے مطابق سلوک کرتا ہے۔

فرمایا خواہشاتِ نفس کے پجاری کو ایک تو اللہ نے علم پر گمراہ کر دیا ہے اور دوسرا یہ کہ وَخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ اُس کے کانوں اور دل پر مہر کر دی، وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ سورۃ البقرہ کی ابتداء میں بھی اللہ نے کافروں کے متعلق فرمایا ہے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (آیت - ۷) اللہ نے اُن کے دلوں پر اور کانوں پر مہر کر دی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے اسی طرح سورۃ النساء میں یہودیوں کے متعلق فرمایا ہے کہ اُن کی عہد شکنی، آیاتِ الٰہی کی تکفیر، انبیاء کے قتلِ ناحق اور اُن کے یہ کہنے کے سبب کہ اُن کے دل بند ہو چکے ہیں فرمایا ایسا نہیں بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (آیت - ۱۵۵) بلکہ جب انہوں نے

کفر پر اصرار کیا، ظلم و زیادتی، سرکشی اور نفسانیت اختیار کی تو اللہ نے اُن کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور اب اُن میں کوئی اچھی چیز داخل نہیں ہو سکتی۔ ایسا شخص ہمیشہ گمراہی میں پڑا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ (النساء ۱۱۵) کہ جدھر وہ جانا چاہتا ہے، ہم توفیق دے دیتے ہیں اور بالآخر وہ جہنم میں پہنچ جاتا ہے یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے دل پر ابتداء ہی میں مہر نہیں لگا دیتا بلکہ آہستہ آہستہ جب وہ کفر میں اس قدر پختہ ہو جاتا ہے کہ وہ حق بات کو نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے اور نہ کسی اچھی بات کو دل میں جگہ دیتا ہے تو اس کا یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اُس کے کان، آنکھیں اور دل سربمہر کر دیئے جاتے ہیں اور وہ ہمیشہ کے لیے ناکام ہو جاتا ہے۔

فرمایا فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ بھلا ایسے شخص کو خدا تعالیٰ کے سوا کون راہِ راست پر لا سکتا ہے اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟ تمہیں تو ایسے بدنصیب شخص کی حالت میں غور کرنا چاہیئے اور نصیحت کی بات کو سچے دل سے سوچنا چاہیئے، عقیدت کے کانوں سے سننا چاہیئے اور عبرت کی نگاہوں سے دیکھنا چاہیئے۔ ضد اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالےٰ استعداد ہی خراب کر دے اور انسان غلط راستے پر چل کر شقاوت کا مستحق بن جائے غرضیکہ خواہشات کی پرستش بہت بری خصلت ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ آسمان کے نیچے اور زمین کی سطح پر خواہش نفسانی سے زیادہ خطرناک کوئی معبود نہیں ہے۔ اسی لیے بزرگانِ دین لوگوں کی اصلاحِ نفس کے لیے نفسانی خواہش کی بیخ کنی پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ انسان پر لازم ہے کہ وہ خواہش کی بجائے حق کو دیکھے۔ حضرت عبداللہ بن سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ خواہش ایک خطرناک بیماری ہے، اور اس کی مخالفت ہی اُس کا علاج ہے۔ چونکہ یہ بڑا مشکل کام ہے، اس لیے اس پر زیادہ توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ نفسانی خواہش عقیدے کے معاملے میں بھی پیدا ہوتی ہے اور اخلاق و اعمال کے سلسلہ میں بھی انسان

کو اس سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے۔

بعث بعد الموت سے انکار

اگلی آیت میں اللہ نے دہریوں کا رد فرمایا ہے جو خدا تعالیٰ کی ہستی، موت و حیات اور جزائے عمل کے سرے سے ہی منکر ہیں۔ فرمایا وَقَالُوا وہ کہتے ہیں۔ مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا کہ ہماری یہ دنیا کی زندگی ہی سب کچھ ہے جس میں ہم مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں۔ وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ، اور ہمیں نہیں ہلاک کرتا مگر زمانہ۔ دہریوں کا یہ گروہ ہمیشہ قلیل تعداد میں رہا ہے تاہم یہ زندگی اور موت کو حوادثات زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ وہ کسی حادثہ کے نتیجہ میں پیدا ہو گئے اور پھر اسی طرح ختم بھی ہو جاتے ہیں۔ نہ کوئی پیدا کرنے والا ہے نہ موت طاری کرنے والا، نہ کوئی قیامت ہے اور نہ بعث بعد الموت بلکہ لوگوں نے قصے کہانیاں بنا رکھے ہیں کہ ہر شخص کا حساب کتاب ہوگا اور جزائے عمل کے متعلق فیصلے ہوں گے، ایسی باتوں کی کچھ حقیقت نہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ حالانکہ ان بدبختوں کو ان چیزوں کا کچھ علم نہیں ہے وہ مگر گمان کرتے، بلکہ محض اٹکل پچو باتیں کر رہے ہیں۔

زمانے کی تعریف

صحیح بات یہ ہے کہ جس زمانے کی طرف یہ لوگ موت و حیات کو منسوب کر رہے ہیں اس کی اپنی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ زمانہ کوئی متصرف ہستی نہیں ہے کہ کسی کو پیدا کر دے اور کسی کو موت دے دے، بلکہ زمانے کی تعریف کرنا بڑا مشکل کام ہے بڑے بڑے فلاسفر بھی اس کی ٹھیک ٹھیک تعریف کرنے سے عاجز ہیں۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے زمانے کی تعریف معلوم کرنے کے لیے بڑی کوشش کی۔ انہوں نے اپنے وقت کے بڑے منطقی مولانا معین الدین اجمیریؒ کو خط لکھا کہ انہوں نے اس سلسلہ میں جو رسالہ لکھا ہے اس کی کاپی بھیجیں۔ انہوں نے مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی طرف بھی رجوع کیا کہ وہ انہیں زمانے کی تعریف سمجھا دیں۔ (شاہ ولی اللہؒ فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں کہ زمان، مکان اور مادہ ایک ہی چیز ہے)

زمانہ مقدارِ حرکت کا نام ہے جس میں کوئی کام واقع ہوتا ہے، یہ خود کوئی متصرف

چیز نہیں ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ زمانے کو گالی نہ دو۔ بعض لوگ بغیر سوچے سمجھے کہہ دیتے ہیں کہ دیکھو جی کتنا خراب زمانہ آ گیا ہے، اس زمانے نے تباہ کر دیا ہے، ہائے زمانے کی خرابی وغیرہ وغیرہ۔ فرمایا زمانے کو برا بھلا مت کہو کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ کیونکہ زمانہ تو اللہ ہے جس کے قبضہ قدرت میں تمام تغیر و تبدل ہیں اور جو ہر چیز کا متصرف ہے لہٰذا زمانے کو گالی نہ دو کیونکہ بالواسطہ یہ خدا تعالیٰ کو گالی دینا ہے، نعوذ باللہ۔

زندگی اور موت

فرمایا وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ جب ان لوگوں کو ہماری واضح واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، اُن کے دلائل، شواہد اور احکام پیش کیے جاتے ہیں مَا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ تو ان کی دلیل صرف یہ ہوتی ہے کہ اگر تم بعث بعد الموت کے دعوے میں سچے ہو تو ہمارے آباؤ اجداد کو زندہ کر کے لے آؤ تو ہم مان لیں گے کہ کوئی قیامت بھی آنے والی ہے جب تمام مردے دوبارہ زندہ ہو جائیں گے اور پھر حساب کتاب کی منزل آئے گی اور ہر ایک کے متعلق آخری فیصلے ہوں گے۔ اللہ نے فرمایا، ان کی یہ سوچ بڑی غلط ہے۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ قانونِ خداوندی کے مطابق ہر چیز اپنے مقررہ وقت پر ہی ظاہر ہوتی ہے اور کسی کی خواہش پر آگے پیچھے نہیں ہوتی۔ تم اس وقت اپنی زندگی کا انکار تو نہیں کر سکتے۔ تمہارا وجود اس وقت دنیا میں موجود ہے اور تمہیں یہ زندگی، وجود اور قوائے ظاہرہ و باطنہ کس نے عطا کیے ہیں؟ جس نے یہ زندگی بخشی ہے، وہ دوسری زندگی دینے پر بھی قادر ہے۔

اللہ نے اپنے پیغمبر سے فرمایا قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ آپ ان سے کہہ دیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو تم کو زندہ کرتا ہے۔ اور پھر موت دیتا ہے۔ جس کا مشاہدہ تم ہر روز کر رہے ہو، کوئی پیدا ہو رہا ہے، اور کوئی مر رہا ہے۔ جس طرح اس دنیا میں زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے اسی طرح ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ

پھر وہ تمھیں قیامت والے دن بھی زندہ کر کے جمع کرے گا، اور اس دن کے آنے میں کوئی شک بھی نہیں ہے۔ وہ دن ضرور آئے گا۔ اور پھر اُس دن تمھارے آباؤ اجداد بھی زندہ ہو کر آجائیں گے۔ اِس روز قیامت کے متعلق اللہ کا فرمان ہے وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ (الانبیاء۔۱۰۴) ہمارا یہ وعدہ ہے اور ہم اُسے پورا کر کے چھوڑیں گے۔ ہر شخص دوبارہ زندہ ہو گا۔ اُس کے عقائد و اعمال کے متعلق بازپرس ہو گی اور اُسے دنیا کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

فرمایا بعث بعد الموت برحق ہے وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ مگر لوگوں کی اکثریت اس کی حقیقت کو نہیں جانتی۔ وہ اپنی نادانی، بے سمجھی اور لاعلمی کی وجہ سے کہتے ہیں کہ ہم نے آج تک کسی کو زندہ ہوتے نہیں دیکھا تو قیامت کو سب لوگ کیسے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ ہم زندگی اور موت کے واقعات کا روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں، اس کے باوجود بعث بعد الموت کا انکار کوئی معقول بات نہیں ہے،

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ
يَوْمَىِٕذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ
جَاثِيَةً ۣ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ
تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا
يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ
الْمُبِيْنُ ﴿۳۰﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ
تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کیلئے ہی ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی۔ اور جس دن برپا ہو گی قیامت، اس دن نقصان اٹھائیں گے باطل پرست ﴿۲۷﴾ اور دیکھے گا تو ہر گروہ کو گھٹنے ٹیکنے والے ہوں گے۔ ہر گروہ کو بلایا جائے گا اُس کے نامۂ اعمال کی طرف (اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا) آج کے دن تم کو بدلہ دیا جائے گا اُن کاموں کا جو تم کیا کرتے تھے ﴿۲۸﴾ یہ دفتر ہے جو بولتا ہے تم پر حق کے ساتھ، بیشک تھے اُن باتوں کو جو تم عمل کرتے تھے ﴿۲۹﴾

بہرحال وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے
پس داخل کرے گا اُن کو اُن کا پروردگار اپنی رحمت میں اور
یہ ہے کامیابی کھلی (۳۰) اور بہرحال وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا
(اُن سے کہا جائے گا) کیا نہیں تھیں میری آیتیں پڑھی جاتیں
تم پر۔ پس تم نے تکبر کیا، اور تھے تم مجرم لوگ (۳۱)

ربطِ آیات

اس سورۃ مبارکہ میں توحید اور معاد کے مسائل ساتھ ساتھ چل رہے ہیں گزشتہ آیات میں بھی انہی مسائل کا ذکر ہوا۔ ساتھ ساتھ نبوت و رسالت کا مسئلہ بھی بیان ہو رہا ہے۔ قرآن کریم کی حقانیت و صداقت اور اس کا وحی الٰہی ہونا بھی اللہ نے بیان فرمایا ہے تاہم اس سورۃ میں توحید کا اثبات اور شرک کا رد زیادہ ہے اور پھر قیامت، بعث بعد الموت اور جزائے عمل کے مباحث بار بار بیان ہوئے ہیں۔

حقیقی بادشاہت

آج کی آیات بھی انہی مضامین پر مشتمل ہیں۔ پہلے مسئلہ توحید کے متعلق فرمایا۔ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی، چونکہ ہر چیز کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے حقیقی بادشاہی بھی اسی کی ہے جو ارض و سماء سمیت پوری کائنات پر محیط ہے۔ البتہ مخلوق کو جو حکومت کسی خاص خطے میں ملتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہوتی ہے اور وہ جب چاہتا ہے اُسے واپس لے کر کسی دوسرے کے سپرد کر دیتا ہے۔ یہ بالکل عارضی حکومت ہوتی ہے مگر لوگ اُسے مستقل سمجھنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے بعد میں انہیں مایوسی ہوتی ہے، چونکہ دنیا کی حکومت اللہ کی عطا کردہ ہوتی ہے اس لیے اس میں تصرف بھی خدا تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہی ہونا چاہیئے۔ جو لوگ احکام الٰہی کو نظر انداز کر دیتے ہیں اُن کے لیے یہی حکومت باعثِ وبال بن جاتی ہے۔

نقصان زدہ باطل پرست

آیت کے اگلے حصے میں قیامت والے دن باطل پرستوں کے خسارے کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ جس دن قیامت برپا ہوگی یہ وہ دن ہوگا جس دن اس دنیا کی انتہا ہوگی۔ موجودہ نظامِ شمسی تبدیل ہو جائے گا اور اس

کی جگہ نیا نظام قائم ہوگا۔ اُس دن اِس دُنیا کی ہر چیز درہم برہم ہو جائے گی۔ حتیٰ کہ آسمان و
زمین بھی اپنی جگہ پر قائم نہیں رہیں گے۔ جیسا کہ سورۃ ابراہیم میں فرمایا یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ
غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ (آیت ۔۴۸) اُس دن زمین اور آسمان بدل جائیں گے
اور اُن کی جگہ نئے ارض و سما قائم ہوں گے۔ فرمایا جس دن قیامت برپا ہوگی یَوْمَئِذٍ
يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ اُس دن باطل پرست لوگ نقصان اُٹھائیں گے، جنہوں نے دنیا
میں نہ ایمان قبول کیا، نہ فکر کو پاک کیا، نہ عقائد و اعمال کی اصلاح کی اور نہ نیکی کا راستہ اختیار
کیا۔ بلکہ خواہشات نفسانی کے پیچھے ہی چلتے رہے ایسے لوگ اس دن سخت نقصان میں ہونگے

مفسر قرآن امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اس دنیا میں تین چیزیں
بطور پونجی عطا فرمائی ہیں۔ پونجی اس رأس المال کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ کاروبار اور تجارت
کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ پونجی میں پہلی چیز انسان کی زندگی ہے جو اللہ تعالیٰ کی
حکمت اور مصلحت کے مطابق کم و بیش ہوتی ہے۔ دوسری چیز عقل ہے۔ جو
اللہ تعالیٰ ہر انسان کو عطا کرتا ہے اور جس کی وجہ سے انسان مکلف ہوتا ہے۔ یعنی
اُس پر قانونِ الٰہی کی پابندی لازم آتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا تھا تو
اُسی وقت اُسے مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ میں تیری وجہ سے ہر انسان کو دوں گا، تیری وجہ
سے مؤاخذہ کروں گا۔ اور تیری وجہ سے ہی ہر شخص کو انعام ملے گا یا وہ سزا میں مبتلا ہوگا۔
امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اللہ نے انسان کو تیسری چیز صحت عطا کی ہے۔ جو کہ انسان کے
بنیادی حقوق میں شامل ہے صحت کے بغیر انسان نہ محنت مشقت کر سکتا ہے، نہ کھیتی
باڑی، نہ تعلیم و تعلم اور نہ ہی عبادت ہے، زندگی اور عقل کے ساتھ ساتھ صحت بھی انسان
کے لیے بمنزلہ پونجی کے ہے جس کے ذریعے انسان اس دنیا میں رہ کر اچھائی یا برائی کما سکتا
ہے۔ اگر وہ اس پونجی سے ایمان اور نیکی کمائے گا۔ تو ہمیشہ کے لیے نفع میں رہے گا،
اور اگر اس پونجی کی سرمایہ کاری کفر، شرک، نفاق، بدعات اور معصیت میں کی یا اس کو
لہو لعب، رسومات باطلہ اور ریاکاری میں صرف کر دیا۔ تو ایسا شخص ہمیشہ کے لیے
نقصان میں پڑ جائے گا۔ منافقوں کے اسی طرزِ عمل کی بناء پر اللہ نے فرمایا فَمَا رَبِحَتْ

تِّجَارَتُهُمْ (البقرہ ۔۱۶) اُن کی تجارت نے انہیں کچھ فائدہ نہ دیا بلکہ وہ گھاٹے میں رہے ۔ یہی بات اللہ نے یہاں سمجھائی ہے کہ دیکھو! ہم نے انسان کو یہ قیمتی پونجی عطا کی ہے اب یہ انسان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اُسے کس طرح استعمال کرتا ہے ، اس کے ذریعے نیکی خرید کر جنت کا مستحق بنتا ہے یا برائی خرید کر جہنم کا کندہ ناتراش بن جاتا ہے ۔ بہرحال باطل پرستوں کے متعلق فرمایا کہ وہ سخت گھاٹے میں ہوں گے کیونکہ انہوں نے اِس دنیا میں عطا کردہ پونجی کو ٹھیک طریقے سے استعمال نہیں کیا ۔

قیامت کو لوگوں کی حالت

فرمایا جس دِن قیامت برپا ہوگی وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً اس دن تو دیکھے گا ہر امت ، گروہ یا فرقے کو کہ وہ گھٹنے ٹیکنے والے ہوں گے ۔ قیامت والے دن کی کچھ کیفیت اللہ نے سورۃ الزلزال میں بھی بیان فرمائی ہے اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا (آیت ۔ ۱) جب زمین ہلا دی جائیگی یعنی زمین پر زلزلہ طاری ہوجائے گا جس طرح زلزلے کے دوران کوئی شخص کھڑا نہیں رہ سکتا بلکہ گر پڑتا ہے ۔ حتیٰ کہ پرندے بھی درختوں سے اتر کر زمین پر اپنے پر بچھا دیتے ہیں ، فرمایا اسی طرح جب قیامت کا زلزلہ برپا ہوگا تو کوئی شخص اپنی جگہ پر قائم نہیں رہ سکے گا بلکہ سب لوگ گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے اور پھر اپنے اپنے اعمال کی جواب دہی کریں گے ۔ گھٹنے ٹیکنے سے مراد سخت تذلیل کی حالت ہے ۔ جب کہ وہ اپنے پروردگار کے دربار میں حاضر ہوں گے ۔

اِس آیت میں تَرٰى کا خطاب نبی علیہ السلام کی ذات پر بھی ہوسکتا ہے اور اس سے ساری انسانیت بھی مراد لی جاسکتی ہے ۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام کو خطاب کر کے ساری امت کو بات سمجھا دیتا ہے ۔ تو زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ یہاں پر حضور علیہ السلام کو خطاب کر کے تمام لوگوں کو خبردار کر دیا گیا ہے کہ قیامت والے دِن ہر شخص ، ہر جماعت اور ہر امت نہایت ذلت ناک حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوگی ۔ اُس دِن اس قدر دہشت طاری ہوگی کہ لوگ کھڑے بھی نہیں ہو سکیں گے بلکہ گھٹنے ٹیکنے والے ہوں گے ۔ اس قسم کی حالت اللہ نے قوم عاد اور ثمود

کی بھی بیان کی ہے کہ عذاب کے وقت اُن کی حالت یہ تھی فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ (ھود۔ ۶۷) کہ وہ اپنے گھروں میں گھٹنے ٹیکنے والے پائے گئے۔

بخاری شریف میں آیت هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ (الحج۔ ۱۹) کی تفسیر اس طرح بیان کی گئی ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ آیت پڑھ کر کہا کہ قیامت والے دن میں سب سے پہلے گھٹنے ٹیک کر اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کروں گا، کہ مولا کریم! بدر کے مقام پر قریش مکہ ہم سے کیوں لڑتے تھے، پروردگار ہم تو توحید، ایمان اور تیرے نام کو غالب بنانے کے لیے مقابلہ میں آئے تھے بہر حال اسی حدیث میں بھی گھٹنے یعنی نہایت عاجزی کے ساتھ اپنا معاملہ پیش کرنے کا ذکر ہے پہلے تو قیامت والے دن لوگوں کی دہشت زدہ حالت کا ذکر کیا اور پھر فرمایا کُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰۤى اِلٰى كِتٰبِهَا ہر گروہ کو اُس کے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا۔ کتاب کا اطلاق قرآن مجید پر بھی ہوتا ہے اور لوحِ محفوظ پر بھی۔ تاہم یہاں پر کتاب سے مراد وہ نامہ اعمال ہے جس میں ہر انسان کے زندگی بھر کے اعمال درج ہوتے ہیں۔ یہ اعمال نامہ قیامت والے دن کھول دیا جائے گا فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ (الحاقہ۔ ۱۹) اور کہا جائے گا کہ آؤ اپنا اعمال نامہ خود ہی پڑھ لو۔ مجرم لوگ یہ اعمال نامہ دیکھ کر ڈر جائیں گے اور بڑے افسوس کے ساتھ کہیں گے مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا (الکہف۔ ۴۹) کہ یہ کیسی کتاب ہے جس نے ہر چھوٹی بڑی چیز کو محفوظ کر رکھا ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جس میں ہر انسان کے قول و عمل کا ریکارڈ جمع کیا جاتا ہے۔ سورۃ قٓ میں بھی فرمایا مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (آیت۔ ۱۸) انسان جو لفظ بھی زبان سے ادا کرتا ہے، اللہ کا مقرر کردہ نگران فرشتہ، ٹیپ ریکارڈ کی طرح اُس کو ریکارڈ کر لیتا ہے۔ اس کے علاوہ سورۃ الانفطار میں کراماً کاتبین کا ذکر بھی آتا ہے جو ہر انسان کے ساتھ مقرر ہیں اور اس کی ہر نیکی اور بدی لکھ رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ تو عالم الغیب والشہادۃ ہے وہ ہر چیز کو اپنے

نامۂ اعمال کی طرف بلاوا

ذاتی علم کی بنا پر جانتا ہے مگر اللہ تعالیٰ ہر شخص کا یہ اعمال نامہ تیار کروا رہا ہے۔ تاکہ کوئی شخص اپنے کسی قول و فعل کا انکار نہ کر سکے۔ بہرحال اللہ نے فرمایا کہ ہر شخص کو اُس کے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ انسان کا ہر عمل اس کے نفس سے پیدا ہوتا ہے۔ ہر آدمی کی استعداد اُس کی روح میں موجود نسمہ میں ہوتی ہے۔ ہر کام انسان کے نفس سے اٹھتا ہے، پھیلتا ہے، اور پھر اس کا نتیجہ پلٹ کر نفس کے دامن کو پکڑ لیتا ہے، چنانچہ ہمارے اعمال ہمارے اعضاء کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔ قیامت والے دن جب حساب کتاب کی منزل آئے گی تو سورۃ یٰسٓ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ وَتُکَلِّمُنَآ اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ (آیت - ۶۵) اُس دن ہم مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور اعضاء و جوارح بول کر بتائیں گے کہ یہ شخص دُنیا میں کیا کرتا رہا۔ زبان بند ہو گی۔ مگر ہاتھ، پاؤں، کان اور ران بول کر گواہی دیں گے۔ اُس دن انسان کو محسوس ہو گا کہ اُس کے اعمال اُس کے اعضاء کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔

مسند احمدؒ کی ایک روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے ایک صحابی ابو عبداللہؓ بیمار ہو گئے۔ لوگ عیادت کے لیے آتے تو آپ آبدیدہ ہو جاتے۔ لوگوں نے کہا، اے ابو عبداللہ! کیا حضور علیہ السلام نے آپ کو جنت کی خوشخبری نہیں سنائی تھی کہ ان بڑھی ہوئی مونچھوں کو کاٹ دو اور پھر اس عمل کو برقرار رکھنا حتیٰ کہ مجھ سے آن ملو؟ کہنے لگے یہ تو درست ہے لیکن میں نے آپ کی زبانِ مبارک سے یہ بھی سُنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قیامت والے دن کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی دائیں مٹھی میں ہوں گے اور کچھ بائیں مٹھی میں۔ دائیں مٹھی والے جنت میں جائیں گے اور بائیں والے جہنمی ہوں گے، کہنے لگے روتا اس لیے ہوں کہ مجھے علم نہیں کہ میرا نمبر دائیں مٹھی میں آئے گا۔ یا بائیں مٹھی میں، مجھے ہر وقت اسی بات کی پریشانی لاحق رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان کی صلاحیت کو جانتا ہے اور اسی علم کی بنا پر وہ لوگوں کو دو مختلف مٹھیوں میں بند کرے گا۔ بہرحال انسان کے

اعمال اُس کے نفس کے دامن کے ساتھ چمٹ کر محفوظ ہو جاتے ہیں اور انسان کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حتیٰ کہ رائی کے دانے کے کروڑویں حصے کا عمل بھی ضائع نہیں جاتا بلکہ وہ نفس کے اندر بھی محفوظ ہے اور خارج میں بھی اللہ نے فرشتوں کے ذریعے ہر عمل کی حفاظت کا انتظام کر رکھا ہے۔

جزائے عمل کی منزل

بہرحال فرمایا کہ ہر گروہ کو اُس کے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا۔ اور انہیں بتا دیا جائے گا۔ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ آج تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ یہ ہمارا دفتر ہے۔ جو حق کے ساتھ بولتا ہے۔ اللہ نے ان کو ٹھیک طریقے سے محفوظ کر رکھا ہے اور ان میں ذرہ بھر بھی کمی بیشی کا امکان نہیں ہوتا۔ نامہ اعمال کی باقاعدہ ترتیب کے علاوہ انسان کے اعمال کی یومیہ، ہفتہ وار اور سالانہ رپورٹیں بھی مرتب ہوتی ہیں۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ انسان کے رات کے اعمال کی رپورٹ فجر کی نماز کے وقت اور دن کے اعمال کی رپورٹ عصر کی نماز کے وقت اُوپر جاتی ہے فرمایا انسان کی ہر چیز ہمارے دفتر میں لکھی ہوئی ہے جو حق کے ساتھ بول کر بتلا رہی ہے، اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ بے شک ہم ہی لکھوایا کرتے تھے جو کچھ تم عمل کیا کرتے تھے۔ فرشتے ہمارے ہی حکم سے تمہارا نامہ اعمال تیار کرتے تھے اور پھر بعض اعمال ایسے پیچیدہ (COMLICATED) ہوتے تھے کہ جن کو فرشتے تحریر کرنے سے عاجز آجاتے تھے، اِن کے متعلق حکم ہوتا تھا کہ اِن اعمال کو اسی طریقے سے درج کر دو، اُن کی شکل و صورت ہم خود بنا لیں گے غرضیکہ ظاہری باطنی، چھوٹے بڑے، حتیٰ کہ باریک ترین قلبی اعمال بھی لکھ لیے جاتے تھے اور لکھنے کا حکم خود اللہ تعالیٰ دیتے تھے۔

مذکورہ اعمال کے نتیجے میں جزائے عمل واقع ہو گا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ پس بہرحال جو لوگ دنیا میں ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیے۔ انہوں نے اپنی زندگی، عقل اور صحت کو اچھے کام پہ لگایا۔ دلائل قدرت

میں غور و فکر کر کے اللہ کی وحدانیت پر ایمان لائے، اللہ کے نبیوں، کتابوں، فرشتوں اور معاد پر یقین کیا۔ اس کے بعد نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، پر عمل کرتے رہے، جہاد کیا، صدقہ خیرات کرتے رہے اور دیگر نیکی کے کام کرتے رہے۔ فرمایا فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِي رَحْمَتِهِ پس اللہ تعالیٰ اُن کو اپنی آغوشِ رحمت میں جگہ دے گا۔ وہ لوگ جنت میں چلے جائیں گے اور حظیرۃ القدس کے ممبر بن جائیں گے۔ فرمایا ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ یہ ہے صریح کامیابی۔ ایسے لوگ ہمیشہ کے لیے کامیاب ہو گئے اللہ تعالیٰ اُن کو جنت میں لاتعداد نعمتوں سے نوازے گا۔

اس کے برخلاف وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا جن لوگوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ زندگی، عقل اور صحت جیسی قیمتی پونجی سے کفر، شرک، نفاق اور بدعات کو خریدا تو ایسے لوگوں سے پوچھا جائے گا أَفَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ کیا میری آیتیں تم کو پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں؟ کیا اللہ کے نبی مبلغ اور مصلح (REFORMERS) تمھارے پاس نہیں آئے تھے اور تم کو نیکی کا راستہ نہیں بتایا تھا؟ اس کا جواب یقیناً مثبت ہوگا کہ ہمارے پاس اللہ کے رسول واقعی آئے تھے اور انہوں نے اللہ کی آیات بھی پڑھ کر سنائی تھیں، ہر نیک و بد سے آگاہ کیا تھا مگر یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ اُن کی باتوں پر یقین نہ کیا۔ اللہ فرمائے گا فَاسْتَكْبَرْتُمْ تم نے درحقیقت تکبر کی وجہ سے ہماری آیتوں کو جھٹلا دیا اور رسولوں کی تکذیب کی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کو اُن کی قوم کے متکبرین نے یہی جواب دیا تھا، کیا تمھاری نمازیں تمھیں یہی سکھاتی ہیں کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے معبودوں کو چھوڑ دیں یا اپنے مالوں میں تصرف کرنا ترک کر دیں۔ تو اپنی نمازوں کی خیر منا، تجھے ہمارے اموال سے کیا واسطہ؟ ہم انہیں جس طرح چاہیں لہو و لعب اور عیاشی فحاشی میں خرچ کریں، تم کون ہوتے ہو ہم پر پابندیاں لگانے والے۔ ابوجہل کی طبیعت میں بھی بڑا تکبر تھا۔ تمام بڑے بڑے سرمایہ دار دین کے مقابلے میں غرور و تکبر کا اظہار کرتے ہیں اور اہلِ حق کو حقیر جانتے ہیں۔ فرعون نے بھی موسیٰ علیہ السلام کو مہین یعنی حقیر

کا خطاب دیا تھا۔ تو یہاں بھی اللہ نے فرمایا کہ تم نے تکبر کی وجہ سے ہماری آیتوں اور نبیوں کو جھٹلایا۔ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ اور مجرم لوگ بن گئے۔ اب تم اپنے جرم کی سزا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بھگتو۔ ان کی سزا کا ذکر اگلی آیتوں میں آرہا ہے

بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ انسان کی طبیعت سے تکبر کو نکالنا بڑا ہی دشوار کام ہے سوئی کے ناکے سے پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دینا تکبر کو نکالنے کے مقابلے میں آسان ہے۔ تکبر ابلیس کی بیماری ہے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (البقرہ۔ ۳۴) اس نے حکم خداوندی کا انکار کیا، تکبر کیا اور کافروں میں شامل ہو کر ہمیشہ کے لیے راندۂ درگاہ ٹھہرا۔ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو حقیر جاننا ہی تکبر ہے جو انسان کو مجرموں کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے اور ہمیشہ کے لیے ناکام بنا دیتا ہے۔

وَاِذَا قِیۡلَ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّالسَّاعَۃُ لَا رَیۡبَ
فِیۡہَا قُلۡتُمۡ مَّا نَدۡرِیۡ مَا السَّاعَۃُ ۙ اِنۡ نَّظُنُّ
اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحۡنُ بِمُسۡتَیۡقِنِیۡنَ ﴿۳۲﴾ وَبَدَا لَہُمۡ
سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوۡا وَحَاقَ بِہِمۡ مَّا کَانُوۡا بِہٖ
یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۳۳﴾ وَقِیۡلَ الۡیَوۡمَ نَنۡسٰکُمۡ کَمَا نَسِیۡتُمۡ
لِقَآءَ یَوۡمِکُمۡ ہٰذَا وَمَاۡوٰىکُمُ النَّارُ وَمَا لَکُمۡ
مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ ﴿۳۴﴾ ذٰلِکُمۡ بِاَنَّکُمُ اتَّخَذۡتُمۡ اٰیٰتِ
اللّٰہِ ہُزُوًا وَّغَرَّتۡکُمُ الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا ۚ فَالۡیَوۡمَ لَا
یُخۡرَجُوۡنَ مِنۡہَا وَلَا ہُمۡ یُسۡتَعۡتَبُوۡنَ ﴿۳۵﴾ فَلِلّٰہِ
الۡحَمۡدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الۡاَرۡضِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۳۶﴾
وَلَہُ الۡکِبۡرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۪ وَہُوَ الۡعَزِیۡزُ
ع ۴ ۲۰ الۡحَکِیۡمُ ﴿۳۷﴾

ترجمہ:- اور جب کہا جاتا ہے کہ بیشک اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کیا ہے قیامت ؟ ہم نہیں خیال کرتے اسے مگر ایک گمان ۔ اور نہیں ہیں ہم یقین کرنے والے ﴿۳۲﴾ اور ظاہر ہو جائیں گی برائیاں جو وہ کرتے

تھے ، اور گھیر لے گی اُن کو وہ چیز جس کے ساتھ وہ ٹھٹا کرتے تھے (۳۳) اور کہا جائے گا کہ آج کے دِن ہم تمہیں فراموش کر دیں گے جیسا کہ تم نے فراموش کر دیا تھا اِس دن کی ملاقات کو - اور تمھارا ٹھکانا دوزخ ہے اور تمھارے لیے کوئی بھی مددگار نہیں ہو گا (۳۴) یہ اس لیے کہ بیشک تم نے بنا لیا اللہ کی آیتوں کو ٹھٹا کیا ہوا - اور تم کو دھوکہ دیا دنیا کی زندگی نے - پس آج کے دِن نہ نکالے جائیں گے اِس (دوزخ) سے اور نہ اُن کو موقع دیا جائے گا (کہ وہ خدا کو راضی کر سکیں) (۳۵) پس اللہ ہی کے لیے ہے تعریف جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا ، اور پروردگار ہے سب جہانوں کا (۳۶) اور اُسی کے لیے ہے بڑائی آسمانوں اور زمین میں ، اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے (۳۷)

ربطِ آیات

سورۃ جاثیہ حوامیم سبعہ میں چھٹے نمبر پر ہے۔ اگلی سورۃ الاحقاف پر یہ ساتوں سورتیں ختم ہو جائیں گی۔ اِن سورتوں کو لباب القرآن یعنی قرآن کا لبِ لباب اور نچوڑ کہا گیا ہے اِن میں دین کے بنیادی عقائد اور اصول بیان کیے ہیں۔ اس سورۃ میں بھی توحید اور اُس کے دلائل، مشرکین کا رد، شریعت کا اتباع، تکبر کی تردید اور بعض دوسرے اہم مسائل بیان ہوئے ہیں۔ سورۃ کے اِس آخری حصہ میں قیامت کا تذکرہ ہے۔ گذشتہ درس میں اللہ تعالے کا یہ ارشاد بیان ہو چکا ہے کہ جس دِن قیامت برپا ہو گی تمام باطل پرست اور بدعقیدہ لوگ نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔ ہر گروہ گھٹنے ٹیک کر اللہ کی بارگاہ میں پیش ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرے گا، پھر خدا تعالیٰ کی طرف سے زجر و توبیخ ہو گی۔ اہلِ ایمان کو اچھا بدلہ ملیگا اور یہ اُن کی واضح کامیابی ہو گی۔ جن لوگوں نے دنیا میں کفر کا راستہ اختیار کیا، ایمان سے محروم رہے اُن کو ڈانٹ پلائی جائے گی اور کہا جائیگا کہ

کیا میری آیتیں تمھیں پڑھکر نہیں سنائی جاتی تھیں مگر تم تکبر کرتے تھے اور یقیناً تم مجرم لوگ تھے

وقوعِ قیامت کا انکار

اب آج پہلی آیت میں متکبر اور مغرور لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے وَإِذَا قِيلَ اور جب کہا جاتا تھا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيهَا کہ بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں قُلْتُم مَّا نَدْرِي مَا السَّاعَةُ تو تم جواب دیتے تھے کہ ہم نہیں جانتے۔ کیا ہے قیامت ؟ اور تم یہ بھی کہا کرتے تھے إِن نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا ہم تو اسے محض ایک ہلکا سا وہم یا گمان ہی تصور کرتے ہیں۔ تم کہتے ہو کہ قیامت آئے گی۔ اس دنیا کی ہر چیز ختم ہو جائیگی۔ پھر نئی زمین اور نیا آسمان ہوگا، اللہ تعالیٰ کا دربار لگے گا۔ مُردے قبروں سے اُٹھ کر اللہ کے حضور پیش ہوں گے، حساب کتاب کی منزل آئیگی اور پھر جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے۔ کہتے تھے ہم تو ایسی چیزوں کو ایک وہم تصور کرتے ہیں وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِينَ اور ہم تو ان باتوں پر یقین لانے والے نہیں ہیں۔ اس قسم کی باتیں مشرک لوگ تکبر اور غرور کی بنا پر کرتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ آج ہمارے پاس مال و دولت ہے۔ جاہ و اقتدار ہے اور یہ چیزیں ہمیشہ ہمارے شاملِ حال رہیں گی۔ ہم اس دنیا میں عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے رہیں گے اور ایمان کے دعویداروں کی جنت، دوزخ اور بعث بعد الموت محض ڈھکوسلے ہیں۔ جن کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اعمال نامہ کی پیشی

اللہ کا فرمان ہے یہ بدبخت کس بنا پر جزائے عمل کا انکار کر رہے ہیں۔ ان کو جان لینا چاہیئے وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا انہوں نے دنیا میں رہ کر جن جن برائیوں کا ارتکاب کیا قیامت والے دن وہ سب ان کے سامنے کھول دی جائے گی۔ ان کے کفریہ اور شرکیہ افعال اور رسومات باطلہ سب سامنے آجائیں گی، گذشتہ درس میں بھی گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا هَٰذَا كِتَابُنَا يَنطِقُ عَلَيْكُم بِالْحَقِّ یہ ہے ہمارا دفتر جو تمھارے اعمال کے متعلق ٹھیک ٹھیک بتلاتا ہے کیونکہ تمھارا ہر عمل ہم فرشتوں سے لکھوا دیا کرتے تھے۔ ہر چیز

ہمارے علم میں بھی تھی اور لوحِ محفوظ میں بھی درج تھی مگر تمہارے نگران فرشتے بھی تمہارے اعمال واقوال کو لکھتے جاتے تھے۔ دنیا میں تو برائی کا ارتکاب کرتے وقت لوگوں کی نظروں سے بچ جاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ تمہارے افعال کا کسی کو علم نہیں ہوا مگر وہ ایک دفتر میں ریکارڈ ہو رہا تھا۔ جو آج تمہارے سامنے موجود ہے۔ سورۃ الطارق میں بھی فرمایا یَوۡمَ تُبۡلَى السَّرَآئِرُ (آیت - ۹) اُس دن تمام راز کھل جائیں گے اور کوئی چیز مخفی نہیں رہیگی۔ سورۃ الکہف میں ہے کہ انسان اپنے نامۂ اعمال کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو جائے گا اور کہے گا مَالِ هٰذَا الۡكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيۡرَةً وَّلَا كَبِيۡرَةً اِلَّاۤ اَحۡصٰٮهَا (آیت - ۴۹) یہ کیسی کتاب ہے جو کسی چھوٹی بڑی چیز کو احاطہ کیے بغیر نہیں چھوڑتی۔

الغرض! فرمایا کہ اِن کی تمام برائیاں قیامت والے دن ظاہر کر دی جائیں گی وَحَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ اور گھیر لے گی اِن کو وہ چیز جس کے ساتھ یہ ٹھٹا کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ اللہ کے قرآن، اس کے نبیوں، کتابوں، فرشتوں، شریعت اور توحید کا تمسخر اڑایا کرتے تھے، آج یہی چیزیں اُن کے لیے عذاب کا باعث بن جائیں گی۔

رحمت سے دوری

پھر اِن مجرموں کے لیے یہ ارشاد بھی ہوگا وَقِيۡلَ الۡيَوۡمَ نَنۡسٰٮكُمۡ کہا جائے گا۔ آج ہم تمہیں فراموش کر دیں گے كَمَا نَسِيۡتُمۡ لِقَآءَ يَوۡمِكُمۡ هٰذَا جس طرح تم نے دنیا میں اس دن کی ملاقات کو فراموش کر دیا تھا۔ اس مقام پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کا کسی چیز کو بھول جانا تو عین ممکن ہے لیکن اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہے، وہ سہو، نسیان اور غلطی سے پاک ہے، پھر اُس کے فراموش کر دینے کا کیا مطلب ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ واقعی کسی چیز کو نہیں بھولتا، مگر یہاں پر فراموش کر دینے سے مراد اپنی رحمت سے دور کر دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نے دنیا میں رہ کر کبھی قیامت کا تصور بھی نہیں کیا تھا، اس کو ایک فراموش شدہ چیز بنا دیا تھا، آج

ہم بھی تمھارے ساتھ ویسا ہی سلوک کریں گے جیسے کسی فراموش شدہ آدمی کے ساتھ کیا جاتا ہے اور تمھیں اپنی رحمت کا سایہ نصیب نہیں کریں گے ۔

بھول جانا انسان کا خاصہ ہے ۔ خود حضور علیہ السلام سے پانچ چھ دفعہ نماز میں بھول ہوئی ۔ ایک موقع پر جب آپ نماز میں بھول گئے تو فرمایا اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ اَنْسٰی کَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِیْتُ فَذَکِّرُوْنِیْ میں بھی تمھاری طرح انسان ہوں ، تمھاری طرح میں بھی بھول جاتا ہوں ، پس جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو ۔ بہرحال فرمایا کہ قیامت کے دن تمھیں بھول جانے کا معاملہ اس وجہ سے ہوگا کہ تم نے دنیا میں اس دن کو بھلا دیا ۔ اب اس کا بدلہ یہ ہوگا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ کہ تمھارا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ اور نہ ہی تمھارا کوئی مددگار ہوگا ۔ جو تمھیں عذاب سے بچا سکے اور یاد رکھو ! تمھیں یہ سزا اس وجہ سے ملے گی ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو ٹھٹھا کیا ہوا بنا لیا ۔ جب تمھارے سامنے خدا تعالیٰ کا قرآن ، اُس کے احکام ، دلائل اور شریعت پیش کی جاتی تھی تو تم ان چیزوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے ، آج اس کے بدلے میں یہ عذاب چکھو ۔ اس کے علاوہ تمھاری بدبختی کی ایک وجہ یہ بھی تھی وَغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا کہ دنیا کی زندگی نے تمھیں دھوکے میں ڈالے رکھا تم سمجھتے تھے کہ دُنیا کا عیش و آرام ہمیشہ اسی طرح رہے گا اور ہم سے باز پرس کرنے والا کوئی نہیں ہوگا ۔ حالانکہ تمھارا یہ مال و دولت اور آرام و آسائش بالکل عارضی تھا مگر اس نے تمھیں دھوکے میں ڈالے رکھا اور تم اسی پر مفتون ہو کر رہ گئے ۔ ایک عربی شاعر بھی کہتا ہے غَرَّنِیْ شَبَابِیْ میری جوانی نے مجھے دھوکے میں ڈال دیا ۔ دنیا کے ساز و سامان کی مثال سراب کی ہے ۔ آدمی چمکتی ہوئی ریت کو پانی سمجھ کر آگے بڑھتا ہے مگر اُسے کچھ حاصل نہیں ہوتا ۔ اسی طرح دنیا کی زندگی بھی ایک دھوکہ ہے ، جو شخص اس دھوکے میں آگیا اور اسی کا بن کر رہ گیا ۔ وہ نقصان اٹھانے والوں میں ہوگیا ۔ یہ

دُنیا کے لوازمات تو اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں۔ ان میں دِل لگانے کی بجائے ان سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے، نہ کہ انہیں پاکر دھوکے میں پڑ جانا چاہیئے۔

فرمایا ان بدبختوں کو جس سزا میں آج مبتلا کیا گیا ہے فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا ان کو اس سے نکالا بھی نہیں جائیگا۔ بلکہ یہ ہمیشہ اسی میں جلتے رہیں گے وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ اور نہ ہی اِن کو کوئی موقع دیا جائے گا کہ یہ خدا تعالےٰ کو راضی کر کے اس عذاب سے نکل سکیں۔ شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کو منانے کا موقع نہیں دیا جائے گا کہ توبہ کرلیں اور اللہ تعالیٰ سے کردہ گناہوں کی معافی طلب کرلیں۔ یہ تو اسی دنیا میں ممکن ہے کہ انسان اپنے گناہوں پر نادم ہو جائے اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرے تو اللہ غفور و رحیم ہے مگر قیامت والے دِن ایسا نہیں ہو سکے گا کیونکہ اُس وقت انسان دارالعمل سے دارالجزا میں پہنچ چکا ہو گا۔

کائنات کا پروردگار

آگے اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کا ذکر ہے فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ پس تعریف ہے اللہ تعالیٰ کے لیے رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ ان تینوں صفات میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا ذکر ہے۔ ارض و سما مختلف چیزیں ہیں مگر رب سب کا ایک ہی ہے۔ مشرک تو کہتے ہیں کہ آسمان، زمین، فضاؤں اور ہواؤں کے دیوتا مختلف ہیں۔ اسی طرح ہندو مت والے کہتے ہیں کہ پیدا کرنے والا، باقی رکھنے والا اور فنا کرنے والا۔ تین مختلف خدا ہیں، حالانکہ رب تو ہر چیز کا وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ انسان کی تخلیق بھی وہی کرتا ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ بھی وہی لوٹائے گا۔ پوری کائنات پر اس کی ربوبیت یکساں ہے۔ اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا رب بھی نہیں ہے۔ رب کا معنیٰ پروردگار ہے جو ہر چیز کی بتدریج پرورش کر کے اُسے حدِ کمال تک پہنچاتا ہے اور اس کی زیست کا سامان مہیا کرتا ہے۔ وہ اس جہاں کا بھی رب ہے، برزخ کا بھی اور عالمِ آخرت

کا بھی وہی پروردگار ہے۔

خدا تعالیٰ کی کبریائی

آگے فرمایا وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور بڑائی بھی اسی کے لیے ہے آسمانوں میں اور زمین میں عظمت کا مالک بھی وہی ہے جو ہر چیز کا خالق اور مالک ہے۔ وہی باقی ہے، اس کے علاوہ ہر چیز فانی ہے۔ جن انسان، فرشتے، ساری مخلوق اسی کی محتاج ہے ؎

مرا در رسد کبریا و منی
کہ ملکش قدیم است و ذاتش غنی

بڑائی اور عظمت تو اسی کے لائق ہے۔ جس کی ذات قدیم اور ازلی ہے، اور جسکی بادشاہی دائم ہے۔ اسی لیے ہم ہر وقت اللہ اکبر کہہ کر اسکی بڑائی کا اقرار کرتے ہیں بڑائی اسی کو سزاوار ہے جس کی ہر چیز ذاتی ہے اور کسی دوسری ہستی کی کوئی چیز ذاتی نہیں بلکہ سب کچھ خدا تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الزمر ۶۲) ہر چیز کا خالق وہی ہے، باقی سب مخلوق ہے اور اس کی محتاج ہے۔ سورۃ الرحمٰن میں فرمایا يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آیت - ۲۹) ارض و سما کی ہر چیز اسی کی سوالی ہے، کوئی زبانِ حال سے مانگ رہا ہے اور کوئی زبانِ قال سے اپنی حاجات طلب کرتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي وَالْعَظَمَةُ اِزَارِي یعنی بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہہ بند ہے۔ جو شخص اس بڑائی اور عظمت کو اپنے اوپر اوڑھنا چاہے گا، فرمایا میں اس کو جہنم میں ڈال دوں گا۔ سورۃ مومن میں بھی گزر چکا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ (آیت - ۶۰) جو لوگ میرے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے تکبر کرتے ہیں۔ میں اُن کو ذلیل کر کے دوزخ میں ڈالوں گا۔ میرے بندوں کو میرے سامنے عاجزی کا اظہار کرنا چاہیے اور مجھ سے سوال کرنا چاہیے۔ غرضیکہ غنی اور صمد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، باقی ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔ اس کے سوا کوئی کسی کی حاجت براری کر سکتا ہے، نہ

کسی مشکل کو حل کر سکتا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی کبریائی صرف اسی وحدہٗ لاشریک کے لیے روا ہے۔

فرمایا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ وہ اللہ تعالیٰ کمال قدرت کا مالک غالب اور حکمتوں والا ہے۔ قوت کا سرچشمہ وہی ہے وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ (یوسف - ۲۱) وہ اپنی تدبیر میں غالب ہے، باقی ساری مخلوق مغلوب ہے۔ وہ حکمتوں والا بھی ہے کہ اُس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ ارض و سما کی تخلیق، بعثتِ انبیاء، نزولِ کتاب، وقوعِ قیامت اور جزائے عمل سب اس کی حکمت کا شاہکار ہیں۔ لہٰذا اسی کی عظمت اور توحید پر یقین رکھنا چاہیئے کہ یہ بھی ایمان کا ایک جزو ہے۔

سُورة

الاحقاف

مكّيّة

سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ احقاف مکی ہے۔ اس کی پینتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم کرنیوالا ہے

حٰمٓ ۞ ۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ
الْحَكِيْمِ ۞ ۲ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ
اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا
مُعْرِضُوْنَ ۞ ۳ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِى
السَّمٰوٰتِ ؕ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ
عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ ۴ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۞ ۵ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ
كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۞ ٦ وَاِذَا
تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ
لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ ۷

ترجمہ:۔ حٰمٓ ① اتارنا کتاب کا اللہ تعالیٰ کی طرف
سے ہے جو زبردست اور حکمتوں والا ہے ② نہیں
پیدا کیا ہم نے آسمانوں اور زمین کو مگر حق کے ساتھ
اور ایک مقررہ مدت تک اور وہ لوگ جنہوں نے کفر
کیا اُس چیز سے جس کے ساتھ اُن کو ڈرایا گیا، وہ
اس سے اعراض کرنے والے ہیں ③ آپ کہہ دیجئے
(اے پیغمبر!) بھلا تم بتلاؤ جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا
دکھاؤ مجھے کیا پیدا کیا ہے، انہوں نے زمین میں، یا ان کے
لیے کچھ شراکت ہے آسمانوں میں۔ لاؤ میرے پاس کوئی
کتاب اس سے پہلے یا کوئی باقی ماندہ علم کی بات اگر تم
سچے ہو ④ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو پکارتا
ہے اللہ کے سوا اُس کو کہ وہ نہیں اُس کی پکار کو
پہنچتا قیامت تک۔ اور وہ اُن کی پکار سے غافل ہیں ⑤
اور جب اکٹھے کیے جائیں گے لوگ تو ہوں گے وہ اُن
کے دشمن، اور اُن کی عبادت سے انکار کرنے والے ہوں
گے ⑥ اور جب پڑھی جاتی ہیں اُن پہ ہماری آیتیں
واضح تو کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا حق کا
جب کہ اُن کے پاس آگیا، کہ یہ تو صریح جادو ہے ⑦

نام اور کوائف: اِس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الاحقاف ہے۔ احقاف جمع ہے حقف کی جس کا معنیٰ
ریت کا ٹیلہ ہوتا ہے۔ قومِ عاد جزیرۃ العرب کے ربع خالی میں آباد تھی۔ یہاں پر ریت
کے بڑے بڑے ٹیلے پائے جاتے ہیں۔ چونکہ اس سورۃ میں قومِ عاد کا ذکر ہے۔ اس
لیے اُس مقام کی خصوصیت کی نسبت سے اس سورۃ کا نام سورۃ الاحقاف رکھا گیا ہے
یہ سورۃ حوامیمِ سبعہ کی آخری سورۃ ہے جو کہ مکی زندگی کے آخری دور میں سورۃ الجاثیہ

کے بعد نازل ہوئی اسکی پینتیس ۳۵ آیات اور چار رکوع ہیں اور یہ سورۃ مبارکہ ۶۴۴ کلمات اور ۲۶۰۰ حروف پر مشتمل ہے

مضامین سورۃ

اس سورۃ کا موضوع اور مضامین حوامیم سبعہ کی دیگر سورتوں کے ساتھ ملتا جلتا ہے۔ اس میں بھی زیادہ تر بنیادی عقائد توحید باری تعالیٰ، رسالت، معاد اور قرآن کی حقانیت و صداقت ہی کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ بعض دیگر بنیادی دینی عقائد بیان ہوئے ہیں۔ اس سورۃ میں قوم عاد کا ذکر ہے، مشرکین کی مزعومہ غلط سفارش کی تردید کی گئی ہے۔ دعوت الی القرآن کا ذکر اس سورۃ میں بھی آگیا ہے۔ جنات کے اسلام لانے کا تذکرہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً اولوالعزم انبیاء کا ذکر بھی اس سورۃ میں آگیا ہے۔ اس کے علاوہ کافروں اور مشرکوں کے ساتھ بحث و مباحثہ کا باب بھی بیان ہوا ہے۔

حروف مقطعات

ان سات سورتوں کو حوامیم سبعہ کا نام اسی لیے دیا گیا ہے کہ ان سب کا آغاز حروف مقطعات حٰمٓ سے ہوتا ہے۔ اگرچہ ان حروف کے قطعی اور یقینی معانی حضور علیہ السلام نے بیان نہیں فرمائے، تاہم بعض صحابہؓ اور بعد میں آنے والے مفسرین کرام نے تقریب فہم کے لیے ان حروف کے کچھ معانی بتائے ہیں۔

چنانچہ بعض فرماتے ہیں کہ ح سے حکم الٰہی اور م سے مجد ملک مراد ہے اور معنیٰ یہ بنتا ہے کہ حکم خداوندی اور بادشاہی کی بزرگی اللہ وحدہٗ لاشریک کے لیے ہی ثابت ہے۔ جیسا کہ ان آیات سے متبادر ہوتا ہے ارض و سما اور پوری کائنات میں حکومت فقط خدا تعالیٰ کی ہے اور بزرگی اور عظمت بھی اسی کے لیے ثابت ہے۔ بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ ح کا اشارہ حمایت کی طرف ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کی وحدانیت کو ماننے والوں کی حمایت کرتا ہے۔ اور م کا اشارہ مرضیات حق کی طرف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی وہ پسندیدہ باتیں کہ اہل ایمان اور اہل توحید جن کی تلاش میں رہتے ہیں۔

بعض فرماتے ہیں کہ ح سے مراد حبل اللہ یعنی اللہ کی رسی ہے جس کے متعلق خود خدا تعالیٰ کا حکم ہے وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران ۱۰۳)

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جانا اور حٓ سے مراد متین یعنی محفوظ ہے۔ گویا جس رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا جا رہا ہے وہ ہر طرف سے محفوظ بھی ہے۔ اس رسی سے مراد قرآنِ کریم ہے جس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لینے سے انسان گمراہی سے بچ جائے گا اور عالمِ بالا کی طرف چلا جائے گا۔ ایسا کرنے سے وہ گویا کامیاب ہو جائے گا۔

بعض فرماتے ہیں حٓ کا اشارہ حلیہ یعنی زیور کی طرف ہے کیونکہ قرآنِ کریم بھی ایک زیور ہے۔ اور مٓ سے مراد مزین ہے۔ جس طرح زیور پہن کر انسان زینت حاصل کرتے ہیں، اسی طرح قرآنِ کریم بھی بنی نوع انسان کے لیے کمال درجے کی زینت کا باعث ہے۔ اِن تمام ظنی معانی کے باوجود صحیح اور زیادہ سلامتی والی بات یہی ہے کہ ان حروف کے حقیقی معانی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور اُس کی ان حروف سے جو بھی مراد ہے وہ برحق ہے اور ہمارا اُس پہ ایمان ہے۔

نزولِ کتاب

حوامیم سبعہ کی ہر سورۃ کا آغاز قرآنِ حکیم کی حقانیت اور صداقت سے ہوا ہے۔ یہاں پہ بھی ارشاد ہوتا ہے تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ کتاب یعنی قرآن کریم کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو عزیز یعنی زبردست اور غالب ہے، ہر چیز اُسکی مطیع ہے اور مخلوق میں سے کوئی چیز بھی اُس کے غلبہ سے باہر نہیں ہے۔ وہ حکیم بھی ہے کہ اُس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ کائنات کی تخلیق، انسانوں، جنوں اور فرشتوں کی پیدائش، آسمانوں، اُس کے کمروں اور زمین کی تخلیق، ایک خاص مدت تک کے لیے مقررہ کردہ نظام شمسی اور پھر اس کے بعد پورے نظام کی تبدیلی، قیامت کا برپا ہونا۔ حساب کتاب کی منزل اور جزائے عمل کی منازل سب کے سب اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق ہیں۔

تخلیقِ ارض

اگلی آیت کریمہ میں اسی بات کی وضاحت ہے مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ہم نے آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ یعنی کائنات کی تخلیق بیکار محض نہیں ہے

بلکہ ایک خاص مقصد کے لیے وَاَجَلٍ مُّسَمًّى اور مقررہ مدت تک کے لیے ہے۔ یہ سارا نظام دائمی نہیں ہے بلکہ جب اس کی مقررہ مدت مکمل ہو جائے گی۔ تو یہ درہم برہم ہو جائے گا۔ پھر نئی زمین اور نیا آسمان ان کی جگہ لے لیں گے، اور عالم بالا کے تمام معاملات پیش آئیں گے۔

فرمایا وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا اُس چیز سے جس سے انہیں ڈرایا جاتا ہے، تو وہ اعراض کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نہ کوئی قیامت برپا ہو گی، نہ حساب کتاب کی منزل آئے گی اور نہ ہی ہم سے کوئی باز پرس کرے گا۔ لہٰذا جزا اور سزا کا کوئی تصور نہیں ہے۔ انہی حقائق سے یہ لوگ اعراض کر کے ہمیشہ کے لیے ناکام ہو جاتے ہیں ظاہر ہے کہ جس شخص کو آخرت میں حساب کتاب اور پھر جزائے عمل کا احساس تک نہ ہو گا۔ وہ اس کے لیے تیاری کیا کرے گا اور پھر اس امتحان میں کامیاب کیسے ہو گا؟ ایسے شخص کو ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو گا۔

توحید کا اثبات

اگلی آیت توحید کے اثبات اور شرک کی تردید میں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے کہہ دیں اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ بھلا تم بتلاؤ کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، اُن کی عبادت کرتے ہو، اُن کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتے ہو اور اُن سے مشکل کشائی اور حاجت روائی چاہتے ہو اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین میں کیا چیز پیدا کی ہے۔ ظاہر ہے کہ معبود وہی ہو سکتا ہے جو خالق ہو۔ یہ عقل کی بات ہے۔ اگر انہوں نے کچھ پیدا کیا ہے تو وہ چیز اُس کی معبودیت کی عقلی دلیل بن سکتی ہے۔ اپنے ارد گرد نظر مار کر دیکھو کہ انہوں نے زمین میں کوئی شجر، حجر، دریا، پہاڑ، پھل، سبزیاں، جانور، کیڑے مکوڑے پیدا کیے ہوں۔ جب یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں تو پھر اللہ کے سوا دوسروں کو پکارنے

کی تمھارے پاس دلیل ہے؟ اگر زمین میں معبودانِ باطلہ کی پیدا کردہ کوئی چیز نظر نہیں آتی اَمۡ لَهُمۡ شِرۡكٌ فِى السَّمٰوٰتِ ؕ تو کیا آسمانوں کی تخلیق میں اُن کی کوئی شراکت ہے کہ انہوں نے کوئی آسمان بنایا ہو یا کوئی آسمانی کرہ پیدا کیا ہو یا کوئی آسمانی مخلوق پیدا کی ہو۔ آخر کس بنا پر تم اِن کو پکارتے ہو اور ان کو معبود سمجھتے ہو؟ ظاہر ہے کہ ہر چیز کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس حقیقت کو دہریوں کی ایک قلیل تعداد کے علاوہ تمام مذاہب والے تسلیم کرتے ہیں۔ تو جب خالق وہ ہے تو پھر معبود کوئی دوسرا کیسے ہو سکتا ہے؟

فرمایا، اگر تم شرک کے ثبوت میں کوئی عقلی دلیل پیش نہیں کر سکتے تو پھر کوئی نقلی دلیل ہی لے آؤ اِيۡتُوۡنِىۡ بِكِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ هٰذَاۤ یعنی اس قرآن سے پہلے کی کوئی آسمانی کتاب لے آؤ جس میں لکھا ہو کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے۔ اور یہ بات بالیقین ثابت ہے کہ کسی بھی آسمانی کتاب میں شرک کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ ہر صحیفہ اور کتاب میں شرک کی تردید اور توحید کا اثبات ملتا ہے۔ فرمایا اگر کوئی کتاب بھی پیش نہیں کر سکتے اَوۡ اَثٰرَةٍ مِّنۡ عِلۡمٍ تو علم کی کوئی باقی ماندہ بات ہی پیش کرو جو تواتر کے ساتھ نقل ہوتی آ رہی ہے۔ نقلی دلیل کے طور پر یا تو کوئی کتاب پیش کی جا سکتی ہے یا کسی نیک، صالح، اولیاء اللہ حکیم یا کسی نبی یا دانش ور کا قول پیش کیا جا سکتا ہے۔ شرک کے حق میں ان میں سے کوئی قول ثبوت کے طور پر پیش کر دو۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی ممکن نہیں۔ اللہ کا ہر نبی، ولی، مبلغ اور صالح آدمی ہمیشہ توحید کی دعوت دیتا رہا ہے اور شرک کی طرف کبھی کسی نے دعوت نہیں دی۔

دانشوروں میں سے لقمانؑ بہت بڑے حکیم اور دانشور گزرے ہیں۔ جن کا تذکرہ اللہ نے قرآن پاک میں کیا ہے اور جن کے نام پر ایک سورۃ بھی ہے۔ اُن کا بیان قرآن میں مذکور ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا يٰبُنَىَّ لَا تُشۡرِكۡ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيۡمٌ (لقمٰن - ۱۳) اے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا کہ یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ جس کی اللہ کے ہاں معافی کا کوئی

قانون ہی نہیں ہے۔ موطا امام مالکؒ میں پرانے انبیاء کے اقوال میں سے ایک یہ قول بھی ملتا ہے اِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ جب تم سے حیاء کا مادہ اٹھ جائے تو پھر جو جی چاہے کرتے پھرو۔ فارسی کا محاورہ بھی ہے "بے حیا باش ہر چہ خواہی کُن" یعنی بے حیا بن کر جو دل چاہے کرو۔ پھر تمہیں کس کی پرواہ ہو گی۔ مقصد یہ کہ جب تم عقلی یا نقلی دلیل پیش نہیں کر سکتے تو پھر جو چاہو کرتے پھرو۔ اپنے زعم باطل سے کسی کو معبود بنا لو، حاجت روا اور مشکل کشا کہہ لو۔ تمہیں کون پوچھنے والا ہے الغرض فرمایا کہ شرک کے حق میں اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو لے آؤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی مطلوبہ دلیل پیش کرنے کے قابل نہیں ہے۔

بدترین گمراہی ندا لغیر اللہ

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ندا لغیر اللہ کو بدترین گمراہی قرار دیا ہے ارشاد ہوتا ہے وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہو سکتا ہے جو اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتا ہے اور جن کو پکار رہا ہے۔ اُن کی حالت یہ ہے مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ کہ وہ اُس کی پکار کو قیامت تک نہیں پہنچ سکتے۔ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ اور جن کو پکارا جا رہا ہے وہ اُن کی پکار سے یکسر غافل ہیں۔ انہیں علم ہی نہیں کہ کون کس کو پکار رہا ہے اور اس کا کیا مقصد ہے؟ ظاہر ہے کہ جب کوئی کسی کی پکار کو سُنے گا نہیں تو اُس کو جواب کیا دے گا خواہ وہ قیامت تک پکارتا رہے۔ اللہ کے سوا جن کو پکارا جاتا ہے یا تو وہ مٹی، پتھر یا لکڑی کے بت ہوتے ہیں جو روح اور عقل و شعور سے ویسے ہی خالی ہیں۔ لہٰذا اُن کے کسی کی پکار کو سننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس کی مثال اللہ نے سورۃ الرعد میں بیان فرمائی ہے کہ غیر اللہ کو پکارنے کی مثال ایسی ہے كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ (آیت ۱۴) کہ کوئی شخص دریا کے کنارے کھڑے ہو کر پانی کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے کہ اُس کے منہ میں چلا جائے مگر ایسا کبھی نہ ہو گا۔ جب تک کہ انسان خود پانی کو اٹھا کر اپنے منہ میں

نہیں ڈالے گا۔ غیر اللہ کو پکارنا بھی ایسا ہی ہے کہ قیامت تک پکارتے رہو، وہاں سے کوئی جواب نہیں آئے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جن کو پکارا جارہا ہے وہ جن، فرشتے یا انسانوں میں سے انبیاء، اولیاء یا شہداء ہوں۔ یہ لوگ تو اپنی طبعی عمر پوری کر کے اللہ کے ہاں بہشتوں میں پہنچ چکے ہیں، اب اگر کوئی اس دُنیا میں کھڑا ہو کر پکارتا ہے تو وہ اتنی دور سے اُس کی پکار کیسے سُن لیں گے؟ فرشتوں کے متعلق سورۃ سبا میں موجود ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ سب کو اکٹھا کریگا تو فرشتوں سے پوچھے گا اَهٰٓؤُلَآءِ اِیَّاكُمْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ (آیت۔ ۴۰) کیا یہ لوگ دنیا میں تمہاری پوجا کرتے تھے تو وہ فرشتے جواب دیں گے کہ پروردگار! تو پاک ہے، تو ہی ہمارا کارساز ہے اِن کے سوا، یہ لوگ تو جنات کی پوجا کیا کرتے تھے۔ مطلب یہ کہ فرشتے بھی مشرکوں کی پکار کا انکار کر دیں گے۔ غرضیکہ جانداروں کے متعلق سورۃ فاطر میں موجود ہے کہ مشرک لوگ جن کو اللہ کے سوا پکارتے ہیں، وہ تو گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی کسی چیز کے مالک نہیں۔ اگر تم اِن کو پکارو لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ (آیت۔ ۱۴) تو وہ تمہاری پکار کو سنتے ہی نہیں۔ اور اگر سُن بھی لیں تو تمھیں کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اور قیامت والے دن وہ تمہارے اس شرک سے انکار کر دیں گے۔ الغرض! اللہ کے سوا کسی کو بھی پکارا جائے، وہ مشکل کشائی اور حاجت روائی کی طاقت نہیں رکھتے۔ کیونکہ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا (البقرہ۔ ۱۶۵) طاقت تو ساری کی ساری خدا تعالیٰ کے پاس ہے اور مخلوق کے پاس جو قوت ہے وہ اللہ کی عطا کردہ ہے اور عارضی ہے۔ اللہ جب چاہے اُسے سلب کرنے پر قادر ہے، اسی لیے فرمایا کہ اُس شخص سے زیادہ کون گمراہ ہو سکتا ہے جو قادرِ مطلق ذات کو چھوڑ کر دوسروں کو مدد کے لیے پکار رہا ہے۔

معبودان کی طرف سے انکار

پھر فرمایا وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ جب قیامت والے دن سب لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا۔ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً تو وہ (معبود) اُن (عابدوں) کے

دشمن بن جائیں گے۔ وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ اور اُن عابدوں کی عبادت سے انکار کر دیں گے کہ ہم نے تمہیں کب کہا تھا کہ ہماری عبادت کیا کرو، تم تو شیطان کے نقشِ قدم پر چل کر اس حالت تک پہنچے۔ حضرت مسیح علیہ السلام سے بھی سوال ہوگا کہ کیا تم نے اِن لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بنالو؟ تو وہ بھی جواب دیں گے، اے پروردگار! مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ (المائدہ۔۱۱۶) یہ میرے لیے کیسے ممکن تھا کہ میں ایسی بات کرتا جس کا مجھے حق نہیں پہنچتا۔ میں نے تو انہیں وہی کچھ کہا تھا جس کا تو نے مجھے حکم دیا، باقی سب اِن کی اپنی کرتوتیں ہیں جن کا میں ذمہ دار نہیں ہوں۔ اسی طرح فرشتے بھی اپنی عبادت سے انکار کر دیں گے اور مشرکوں کے خلاف گواہی دیں گے۔ الغرض! اپنی حاجات میں صرف اللہ کو پکارنے کا حکم دیا گیا ہے جیسے فرمایا فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (المؤمن۔۱۴) پس اللہ کو پکارو اس حال میں کہ خالص اُسی کی اطاعت کرنے والے ہو۔

آیاتِ الٰہی کا انکار

فرمایا اِن بدبختوں کا اس وقت یہ حال ہے وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ کہ جب ہماری واضح آیتیں اُن پر پڑھی جاتی ہیں قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ تو جن لوگوں نے حق آ جانے کے بعد اُس کا انکار کر دیا، وہ کہتے کہ یہ تو کھلا جادو ہے، العیاذ باللہ۔ ہر زمانے کے کافروں اور مشرکوں کا یہی شیوہ رہا ہے کہ جب بھی انہوں نے حق کی تاثیر دیکھی، کتابِ الٰہی کی تاثیر دیکھی یا کوئی معجزہ کارگر ہوا تو انہوں نے کہہ دیا کہ یہ تو جادو ہے جو پہلے بھی چلتا تھا، آج بھی چل رہا ہے۔ مشرکین مکہ اور عرب کے متعلق بھی فرمایا کہ جب اُن کے سامنے ہماری واضح واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ اسے جادو کہہ کر انکار کر دیتے ہیں اور حق کو قبول کرنے کی بجائے باطل رسوم بلکہ شیطان کے نقشِ قدم پر ہی چلتے رہتے ہیں جو انہیں انکے تمام اعمالِ فاسدہ اور عقائدِ باطلہ مزین کر کے دکھاتا ہے اور کہتا ہے کہ انہی پر چلتے رہو کہ یہی تمہارے آباؤ اجداد کا دین ہے اور اسی پر تمہاری عزت اور فلاح کا دارومدار ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ
لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ
كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ⑧
قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ
مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ
وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ⑨ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ
مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ
بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑩ ع

ترجمہ :- کیا کہتے ہیں یہ لوگ کہ (پیغمبر نے) اس (قرآن) کو گھڑ لیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں نے اس کو گھڑ لیا ہے تو نہیں مالک تم میرے لیے اللہ کے سامنے کسی چیز کے۔ وہ خوب جانتا ہے اُن باتوں کو جن کے اندر تم گھستے ہو۔ کافی ہے وہ گواہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان۔ اور وہ بڑا ہی بخشنے والا اور مہربان ہے ⑧
آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) نہیں ہوں میں کوئی انوکھا رسولوں میں سے۔ اور میں نہیں جانتا کہ کیا کیا جائے گا میرے ساتھ اور نہ (یہ جانتا ہوں کہ کیا کیا جائے گا) تمہارے ساتھ۔ میں

نہیں اتباع کرتا مگر اُس چیز کا جو وحی کی جاتی ہے میری طرف اور نہیں ہوں میں مگر کھول کر ڈر سنانے والا (۹) آپ کہہ دیجئے بھلا بتلاؤ، اگر ہو یہ کتاب اللہ کی طرف سے اور تم نے اس کے ساتھ کفر کیا۔ اور گواہی دی ایک گواہی دینے والے نے بنی اسرائیل میں سے ایسی کتاب پر۔ پس وہ ایمان لایا اور تم نے تکبر کیا۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں راہنمائی کرتا اُس قوم کی جو ظلم کرنے والی ہو (۱۰)

کلام الٰہی میں اشتباہ

آج کے درس کی پہلی آیت گذشتہ درس کی آخری آیت سے مربوط ہے گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ جب کفار کے سامنے ہماری واضح آیتیں پڑھی جاتیں تو وہ ان کے اثر کے اعتبار سے کہتے کہ یہ تو کھلا جادو ہے اب اللہ نے فرمایا ہے کہ ان بدبختوں نے اس سے بھی بُری بات کی ہے اور وہ یہ کہ اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىہُ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اس کلام کو گھڑ لیا ہے گویا قرآنِ پاک اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خود ساختہ ہے، نعوذ باللہ۔ مگر اللہ نے اس کی تردید فرمائی اور اپنے پیغمبر علیہ السلام کو حکم دیا۔ قُلۡ آپ کہہ دیجئے اِنِ افۡتَرَيۡتُہٗ فَلَا تَمۡلِکُوۡنَ لِیۡ مِنَ اللّٰہِ شَيۡـًٔا کہ اگر میں نے اس کو گھڑ لیا ہے تو پھر تم میرے لیے اللہ کے سامنے کسی چیز کے مالک نہیں ہو۔ مطلب یہ کہ قرآن پاک کو خود بنا کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کے مرتکب کو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی گرفت سے چھڑا نہیں سکتا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس الزام سے قطعاً انکار کر دیا کہ میں ایسے بڑے جرم کا ارتکاب کر سکتا ہوں۔ فرمایا تمہارے اس الزام کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ ھُوَ اَعۡلَمُ بِمَا تُفِيۡضُوۡنَ فِيۡہِ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اُن باتوں کو جن کے اندر تم گھسے جاتے ہو۔ تمہاری اسی غلط بیانی اور الزام تراشی کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے آپ نے اپنی پاکدامنی کے لیے اپنی چالیس سالہ زندگی کو بطور نمونہ پیش کیا، اور فرمایا

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (یونس - ۱۶) میں نے اس سے قبل عمر کا ایک کافی حصہ تم میں گزارا ہے، کیا اس دوران میں تم نے میری زبان سے کبھی جھوٹ سنا ہے۔ اب جب کہ بڑھاپے کی منزل آرہی ہے تو کیا میں یکایک جھوٹ بولنے لگ جاؤں گا کہ قرآن پاک خود بنا کر اللہ کی طرف منسوب کر دوں گا ذرا عقل کی بات کرو کہ اب میں ایسا کیوں کروں گا؟ فرمایا تمھاری ان الزام تراشیوں اور غلط باتوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، وہ خود تم سے اس معاملہ میں نپٹ لے گا۔

آپ کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے مزید کہلوایا كَفَىٰ بِهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ میرے اور تمھارے درمیان اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ ہی گواہ کافی ہے وہ جانتا ہے کہ میں اسی کا فرستادہ سچا رسول ہوں اور میں جھوٹ نہیں بولتا۔ کسی پر افتراء باندھنا تو بہت ہی بری بات ہے اور جو خدا پر جھوٹ باندھے گا۔ وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ تمھاری غلط بیانی اور میری صداقت پر گواہ ہے وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ اور وہ بڑا ہی بخشنے والا اور مہربان ہے۔ وہ افتراء جیسے بڑے جرم کے مرتکب کو بھی فوری گرفت نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا رہتا ہے۔ اس مہلت سے تم یہ نہ سمجھو کہ وہ تمھاری گرفت پر قدرت نہیں رکھتا بلکہ وہ جب چاہے گا۔ تمھیں پکڑ لے گا اور ہلاک کر دے گا۔ یہ قرآن کی حقانیت کا بیان ہو گیا۔

سلسلہ رسالت

چونکہ کافر اور مشرک لوگ نبوت اور رسالت کا بھی انکار کرتے تھے اس لیے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو بھی حل فرما دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ کہ میں کوئی نیا اور انوکھا رسول نہیں ہوں کہ میں اولین رسول ہوں اور مجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں آیا جس کی وجہ سے میں تمھیں اوپرا محسوس ہوتا ہوں۔ نہیں بلکہ مجھ سے پہلے بہت سے رسول آچکے ہیں اور میں تو اس سلسلہ رسالت کی آخری کڑی ہوں۔ مجھ سے پہلے آنے والے رسولوں نے بھی اللہ کی وحدانیت، وقوع قیامت اور جزائے عمل کا درس دیا اور

میں بھی یہی تعلیم لے کر آیا ہوں، پھر تم میری باتوں کو عجیب کیوں سمجھ رہے ہو۔ اللہ کا فرمان ہے۔ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ (النساء۔۱۶۳) ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی کی جیسے نوح علیہ السلام اور آپ کے بعد آنے والے انبیاء پر کی۔ مطلب یہ کہ آپ کوئی انوکھے رسول نہیں ہیں بلکہ آپ سے پہلے بھی بہت سے انبیاء اور رسل مبعوث ہوئے اور اللہ نے اُن پہ وحی بھی نازل فرمائی۔ نبوت و رسالت کا سلسلہ تو قدیم سے چلا آ رہا ہے اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلہ کی آخری کڑی ہیں۔ لہذا آپ کی نبوّت و رسالت کو تسلیم کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیئے۔ اسی لیے فرمایا کہ آپ اِن کفار و مشرکین سے کہہ دیں کہ میں کوئی نیا اور انوکھا رسول تو نہیں ہوں جو تم مجھ سے بدکتے ہو۔

علم غیب کی نفی

آیت کے اگلے حصے میں حضور علیہ السلام نے اپنے عالم الغیب ہونے کی نفی فرمادی ہے۔ اللہ نے فرمایا، آپ یہ بھی کہہ دیں وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ اور میں نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا یعنی کس قسم کے حالات و واقعات پیش آنے والے ہیں۔ مجھے اُن کا کچھ علم نہیں۔ شاہ ولی اللہؒ نے اس کو اس طرح سمجھایا ہے کہ مجھے کچھ علم نہیں کہ دنیا میں میرے اور تمہارے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے ظاہر ہے کہ اللہ کے اکثر انبیاء کو بڑی بڑی تکالیف پہنچائی گئیں حتیٰ کہ بہت سے انبیاء کو قتل کیا گیا، لہذا مجھے کچھ علم نہیں کہ آئندہ زندگی میں مجھے کن حالات سے گزرنا پڑے گا۔ جہاں تک نافرمان قوموں کا تعلق ہے تو اُن کو بھی طرح طرح کی سزائیں دی گئیں۔ کسی پر زلزلہ آیا، کسی پر چیخ مسلط کی گئی، کسی کو طوفان نے آگھیرا اور کوئی قوم پانی میں غرق ہوئی۔ لہذا فرمایا کہ مجھے تمہارے متعلق بھی کچھ علم نہیں کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک ہونے والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں تو بالواسطہ علم غیب کی نفی کی گئی ہے تاہم دیگر آیات میں حضور علیہ السلام کے عالم الغیب ہونے کی صراحتاً نفی بھی موجود ہے۔ سورۃ یونس میں ہے کہ کافر لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام پر آپ کے پروردگار کی طرف

سے کوئی نشانی کیوں نہیں اُترتی۔ تو اللہ نے فرمایا فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰہِ (آیت ۲۰) غیب تو سارا اللہ کے پاس ہے تم بھی انتظار کرو، میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ اسی طرح سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان سے کہلوایا ہے کہ نہ تو میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ (آیت ۵۰) اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں۔ سورۃ الاعراف میں اس بات کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ میں اپنی جان کے لیے کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں مگر جو اللہ چاہے۔ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ (آیت ۱۸۸) اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو اپنے لیے بہتری کی بہت سی چیزیں جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف بھی نہ پہنچتی، مگر ایسا نہیں ہے، نہ تو میں نے اپنے لیے کوئی پیشگی منصوبہ بندی کی ہے اور نہ ہی میں تکالیف سے بچ سکا ہوں۔ مطلب یہ کہ میں غیب کا علم نہیں رکھتا۔

علامہ مشرقی نے مَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ کا غلط مطلب لیا ہے گویا کہ حضور علیہ السلام کو دنیا میں پیش آنے والے حالات کے علاوہ آخرت میں اپنی نجات کا بھی علم نہیں تھا۔ یہ تو بالکل ہی غلط بات ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو نبوت و رسالت کے لیے منتخب فرماتا ہے تو اُسے اپنی نجات کا قطعی یقین ہو جاتا ہے کیونکہ نبوت سے بڑھ کر کوئی منصب نہیں۔ اس کے علاوہ جس کو اللہ کا نبی بشارت دے دیتا ہے وہ شخص بھی قطعی ناجی ہوتا ہے۔ چنانچہ عشرہ مبشرہؓ اور بعض دیگر صحابہ کرامؓ قطعی جنتی ہیں کیونکہ آپ نے اُن کو اس دنیا میں ہی جنتی ہونے کی بشارت سنا دی۔ چنانچہ جب علامہ مشرقی نے اس قسم کا مفہوم لیا تھا تو علمائے کرام نے اُسی وقت تعاقب کر کے وضاحت کر دی تھی کہ اللہ کے نبی کو جنتی ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہوتا۔ البتہ عام امتیوں میں سے کسی شخص کے متعلق کوئی جنتی ہونے کا فتویٰ نہیں دے سکتا، اور نہ ہی کسی کو ایسا کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اس بات کا علم وحی الٰہی کے سوا حاصل نہیں ہو سکتا جو کہ صرف نبی پر

آتی ہے۔

اتباع وحی

حضور علیہ السلام نے قوم پر یہ بھی واضح کر دیا اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ میں نہیں اتباع کرتا مگر اس چیز کا جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ پیغمبر کے علاوہ عام امتیوں کے لیے بھی یہی حکم ہے اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ (الاعراف-۳) اُسی چیز کی پیروی کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پہ نازل کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ دوسری اناب شناب چیزوں کی پیروی نہ کرو۔ فرمایا وَمَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ میں تو صرف کھول کر ڈر سنانے والا ہوں تمہیں برائی کے انجام سے واضح طور پر آگاہ کر دیتا ہوں اور نیکی، ایمان، تقویٰ اور طہارت کے اچھے انجام کی خوشخبری سُنا دیتا ہوں۔ میں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم تم تک پہنچاتا ہوں جو میری طرف وحی کے ذریعے آتا ہے۔ لہٰذا تمہارا یہ کہنا کہ میں نے خود قرآن کو گھڑ لیا ہے، بڑی ہی غلط بات ہے۔ اللہ کا فرمان ہے وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَیۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِیۡلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذۡنَا مِنۡہُ بِالۡیَمِیۡنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡہُ الۡوَتِیۡنَ ﴿۴۶﴾ (سورۃ الحاقہ   ) اگر یہ رسول ہمارے ذمہ کوئی جھوٹ بات بنا کر لاتے تو ہم اُسے اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑتے اور پھر اُس کی رگِ گردن کاٹ ڈالتے۔ مقصد یہ کہ میں تو وحی الٰہی کا صرف اتباع کرتا ہوں، اِس کو خود نہیں بناتا۔

قرآن کی حقانیت پر شہادت

اگلی آیت میں یہی بات اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے انداز میں سمجھائی ہے۔ قُلۡ اے پیغمبر! آپ اِن سے کہہ دیں اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ کَانَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ بھلا بتلاؤ کہ اگر یہ قرآن واقعی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو وَکَفَرۡتُمۡ بِہٖ اور جس کا تم انکار کر رہے ہو، تو پھر تمہاری اس الزام تراشی کا کیا انجام ہو گا؟ ایسی صورت میں تم اللہ کی گرفت سے کیسے بچ سکو گے؟ حقیقت یہ ہے وَشَہِدَ شَاہِدٌ مِّنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَلٰی مِثۡلِہٖ کہ اس کتاب کی حقانیت کے متعلق بنی اسرائیل میں سے بھی ایک گواہ گواہی دے چکا ہے مگر تم پھر بھی اللہ

کی کتاب کا انکار کیسے جا رہے ہو۔ آخر تمھارے پاس اس انکار کی کیا دلیل ہے؟

عَلٰی مِثْلِہٖ کے متعلق بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں پہ لفظ مثل زائد ہے اور سیدھا سادھا معنی یہی ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شاہد نے اس کتاب پہ شہادت پیش کی ہے۔ اور مثل کو برقرار رکھا جائے گا تو اس کی مثل سے تورات مراد ہو سکتی ہے، کیونکہ یہ قرآن کی مثل ہی ایک عظیم الشان آسمانی کتاب ہے اور مطلب یہ ہے کہ تورات میں بھی قرآن کی حقانیت کی گواہی موجود ہے، لہذا تمھارے پاس انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ خبردار رہو کہ اگر یہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے تو پھر تمھارے بُرے انجام میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔

بنی اسرائیل کا شاہد

یہاں پہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کسی شخص نے قرآن کے حق میں گواہی دی ہے تو وہ کون ہے؟ بعض فرماتے ہیں کہ اس شاہد کا مصداق حضرت عبداللہ بن سلامؓ ہیں جو علمائے یہود میں سے ایمان لائے۔ آپ ہی نے حضور علیہ السلام کی رسالت اور قرآن پاک کے حق میں گواہی دی تھی۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ میں تشریف لائے تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ ایک مجلس میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چونکہ آپ تورات کا علم رکھتے تھے آپ نے حضور علیہ السلام کو ایک نظر دیکھ کر ہی پہچان لیا کہ یہ وہی شخصیت ہے جس کی پیشین گوئی تورات میں دی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ روشن چہرہ کسی جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہو سکتا، چنانچہ آپ اُسی وقت ایمان لے آئے۔

مگر یہاں پہ یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سورۃ تو مکی دور میں نازل ہوئی جبکہ مذکورہ واقعہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں پیش آیا۔ اس ضمن میں بعض فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ یہ آیت مدنی دور میں نازل ہوئی ہو، اور حضور علیہ السلام نے اسے مکی سورۃ میں رکھ دیا ہو کہ اس قسم کے بعض دوسرے شواہد بھی ملتے ہیں۔ تاہم زیادہ مشہور بات یہی ہے کہ یہ ساری کی ساری سورۃ مکی دور میں نازل ہوئی، لہذا اِس

کے مصداق عبداللہ بن سلام رضؓ نہیں ہو سکتے۔

بعض کہتے ہیں کہ مذکورہ شہادت کا واقعہ مکہ میں ہی پیش آیا تھا۔ جب حضور علیہ السلام نے دینِ حق کی تبلیغ شروع کی تو اہلِ مکہ سخت مخالف ہو گئے اور انہوں نے آپ کی رسالت کا انکار کر دیا۔ مکے میں باہر سے بھی لوگ آتے جاتے تھے اور مکے والے بعض اوقات حضورؐ کی رسالت کے متعلق اُن سے بھی رائے لیتے تھے چنانچہ ایک یہودی عالم کسی کام سے مکے میں آیا تو قریش نے اُس سے دریافت کیا کہ تمھارا اس مدعی نبوت کے متعلق کیا خیال ہے؟ تو اس عالم نے بتایا کہ آخری نبی کی آمد کا ذکر سابقہ کتب میں موجود ہے اور قرائن بتلاتے ہیں کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی آمد کی پیشین گوئیاں سابقہ کتب میں موجود ہیں۔ گویا اس یہودی عالم نے آپ کی رسالت کی تصدیق کر دی اور اس سے وہی شاہد مراد ہے جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس شاہد کا مصداق نہ تو حضرت عبداللہ بن سلام رضؓ ہیں اور نہ کوئی دوسرا یہودی عالم ہے بلکہ اسکا مصداق خود حضرت عیسٰی علیہ السلام ہیں جنہوں نے حضور علیہ السلام کی آمد کی بشارت سنائی جیسا کہ سورۃ صف میں ہے کہ انہوں نے فرمایا اے بنی اسرائیل! میں تمھاری طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں، میں سابقہ کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (آیت ۔۶) اور میں بشارت دیتا ہوں کہ میرے بعد ایک عظیم الشان رسول آنے والا ہے جس کا نام احمد ہو گا۔ اس طرح گویا عیسٰی علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کی آمد سے چھ سو سال پہلے آپ کی رسالت کی تصدیق کر دی اور بنی اسرائیل کے شاہد سے آپ ہی مراد ہیں۔

اہلِ مکہ کا انکار

اللہ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے ایک شاہد نے تو تصدیق کی فَاٰمَنَ اور وہ حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت پہ ایمان لایا وَاسْتَكْبَرْتُمْ مگر اے اہلِ مکہ! تم تکبر کر رہے ہو۔ اور اسی تکبر کی وجہ سے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر نازل ہونے والی اللہ کی آخری کتاب کا انکار کر رہے ہو تاریخ عالم

گواہ ہے کہ ہر نبی کے اولین متبعین میں غریب اور کمزور لوگ ہی ہوئے ہیں جب کہ امراء نے اپنے غرور و تکبر اور چوہدراہٹ کی وجہ سے اکثر انکار ہی کیا، وہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے نبی کی نبوت کو تسلیم کر لیا تو ہماری سیادت ختم ہو جائے گی، لہٰذا وہ اپنی ضد اور عناد پر ہی اڑے رہے۔ پھر آخر میں جب کوئی چارۂ کار نہ رہا تو بادلِ نخواستہ ایمان لائے۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ بے شک اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والی قوم کو راہ نہیں دکھاتا۔ ظالم شخص وہ ہے جو بالفعل ظلم کر رہا ہے۔ یعنی کفر و شرک کا ارتکاب کر رہا ہے اور اس کو چھوڑنے کے لیے بھی تیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت اُس وقت دیتا ہے جب کوئی شخص نادم ہو کر ظلم ترک کر دے اور سچا وعدہ کرے کہ پھر وہ ایسا کام نہیں کرے گا۔ اسی چیز کا نام توبہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی ظالم کی توبہ قبول کر لیتا ہے تو پھر اُس پر ہدایت کا راستہ بھی واضح کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ وَالَّذِیۡنَ جَاھَدُوۡا فِیۡنَا لَنَھۡدِیَنَّھُمۡ سُبُلَنَا (العنکبوت - ۶۹) جو شخص راہِ راست کے حصول کے لیے محنت اور کوشش کرتا ہے، ہم اس پر ہدایت کا راستہ کھول دیتے ہیں اس کے برخلاف جو شخص کفر، شرک، معصیت، ظلم و زیادتی پر مصر رہتا ہے، اُس کو کبھی ہدایت نصیب نہیں ہوتی اور وہ ہمیشہ کے لیے ناکام ہو جاتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا
سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۭ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ
اِفْكٌ قَدِيْمٌ ⑪ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا
وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ⑫ اِنَّ الَّذِيْنَ
قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ⑬ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑭

ترجمہ :۔ اور کہا اُن لوگوں نے جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا، اُن لوگوں سے جو ایمان لائے کہ اگر ہوتا یہ (دین) بہتر تو نہ سبقت کرتے یہ لوگ اِس کی طرف ہم سے، اور جب کہ انہوں نے ہدایت نہ پائی اِس کی پس وہ کہتے ہیں کہ یہ تو پُرانا گھڑا ہوا جھوٹ ہے (۱۱) حالانکہ اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب پیشوائی کرنے والی تھی اور رحمت تھی۔ اور یہ کتاب (قرآن) تصدیق کرنے والی ہے عربی زبان میں ہے تاکہ ڈرا دے اُن لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا، اور خوشخبری ہے نیکی کرنے والوں کے لیے (۱۲) بیشک وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر

وہ اس پر ثابت قدم رہے، پس نہیں خوف ہو گا اُن پر
اور نہ وہ غمگین ہوں گے (۱۳) یہی لوگ ہیں جنت والے
ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اُس میں، بدلہ ہے ان کاموں
کا جو وہ کیا کرتے تھے (۱۴)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں قرآنِ حکیم کی حقانیت و صداقت اور اُس کے وحی الٰہی ہونے کا ذکر تھا اور ساتھ ساتھ رسالت و نبوت کے متعلق شک کرنے والوں کی تردید تھی اللہ نے فرمایا کہ اے پیغمبر! آپ اِن کفار و مشرکین سے کہہ دیں کہ میں کوئی انوکھا اور نیا رسول تو نہیں ہوں، مجھ سے پہلے بھی اللہ کے رسول آتے رہے ہیں اور میں تو سلسلہ رسالت کی آخری کڑی ہوں۔ مجھے اُن تفصیلی حالات کا علم نہیں جو آئندہ زندگی میں میرے اور تمہارے ساتھ پیش آنے والے ہیں، میرا کام تو اتباعِ وحی اور تمہیں کھول کر ڈرسنانا ہے۔ فرمایا یاد رکھو! کہ اگر یہ قرآنِ پاک اللہ کی جانب سے ہو اور تم اس کے منکر ہو حالانکہ بنی اسرائیل میں سے ایک معتبر گواہ نے اس کی صداقت کی گواہی بھی دے دی ہے، وہ تو ایمان لا چکا ہے اور تم غرور و تکبر کی بنا پر انکار کر رہے ہو تو پھر بتلاؤ تمہارا کیا حشر ہو گا اور تمہارے اس تکبر کا کیا نتیجہ برآمد ہو گا۔ فرمایا اگر زیادتی پر ڈٹے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم جیسے ظالموں کو راہِ راست سے محروم ہی رکھے گا۔

کفار کا زعمِ باطل

اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور کہا کفر کرنے والوں نے ایمان لانے والوں سے لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ اگر دینِ اسلام واقعی بہتر ہوتا تو یہ (غریب غربا لوگ اس کو اختیار کرنے میں) ہم سے سبقت نہ لے جاتے اس کی طرف جب مشرک اور کافر لوگ دیکھتے کہ چند نادار لوگ، کچھ غلام اور لونڈیاں اور کچھ مفلوک الحال لوگ ایمان سے بہرہ ور ہو رہے ہیں تو کہتے کہ اگر اسلام سچا دین ہوتا تو یہ کمزور قسم کے لوگ اختیار نہ کرتے بلکہ ہم صاحبِ حیثیت لوگ اس کی طرف مائل ہوتے۔ وہ اپنے زعمِ باطل کے مطابق

یہ سمجھتے تھے کہ جس طرح ہم اس دنیا میں خوشحال ہیں، ہمارے پاس مال و دولت، کوٹھیاں، کاریں اور نوکر چاکر ہیں، اسی طرح قیامت کو بھی ہم ہر طرح سے سرخرو ہوں گے اور ہمیں تمام آسائشیں وہاں بھی میسر ہوں گی۔ جب کہ یہ غریب غربا لوگ وہاں بھی اسی کمزور حالت میں ہوں گے۔ اس لحاظ سے وہ کہتے کہ اگر آخرت کا کوئی جہان ہے اور وہاں آرام و آسائش کی ضرورت ہے جو دینِ اسلام اختیار کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے تو پھر ہم اس دین کو اختیار کرنے میں پہل کرتے نہ کہ یہ غریب اور نادار لوگ۔ ابوجہل کی ایک لونڈی ضمیرہؓ کو اللہ نے ایمان کی دولت نصیب فرمائی تو مشرک لوگ کہنے لگے کہ اگر اسلام ایسے ہی حقیر لوگوں کا حصہ ہے تو پھر ہم اس سے باز آئے۔ ایسے اسلام کو قبول کر کے ہمیں کیا ملے گا۔؟ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ کفار و مشرکین کا یہ زعم باطل تھا اور اسی کی بنا پر وہ ہدایت سے محروم رہے۔

فرمایا وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ اور جب انہوں نے یہ ہدایت نہ پائی۔ فَسَيَقُولُونَ هَٰذَا إِفْكٌ قَدِيمٌ تو کہنے لگے کہ یہ تو پرانا گھڑا ہوا جھوٹ ہے لوگ پہلے بھی اسی طرح کی باتیں کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی طرف اپنے نبی بھیجتا ہے جو انہیں تبلیغ دین کرتے ہیں۔ پھر ایک وقت آئے گا۔ جب قیامت برپا ہوگی، تمام مردے زندہ ہو جائیں گے، جزائے عمل کی منزل آئے گی اور پھر دوزخ اور جنت کے متعلق فیصلے ہوں گے، ایسی ہی باتیں یہ بھی کرتے ہیں مگر ہم نے تو آج تک کسی کو زندہ ہوتے نہیں دیکھا، نہ محاسبہ اعمال کی منزل آئی ہے اور نہ ہی کسی نے جنت اور دوزخ کو دیکھا ہے، یہ سب من گھڑت جھوٹ ہے، نعوذ باللہ۔ اللہ نے ان باطل خیالات کا رد فرمایا اور ساتھ یہ بھی کہ دنیا کا مال و دولت یا جاہ و اقتدار ہونا کسی شخص کے ہر لحاظ سے بہتر ہونے کی دلیل نہیں۔ بلکہ بہتری کی دلیل ایمان، توحید، اخلاق اور فکر کی پاکیزگی ہے جنکو یہ چیزیں حاصل ہو گئیں وہ انشاء اللہ کامیاب ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ بعض اوقات ظاہری طور پر اچھے حالات والوں کو بھی نواز دیتا ہے مگر یہ اُن کے بہتر ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ دائمی فلاح کا

دارومدار ایمان، نیکی اور اعمالِ صالحہ پر ہی ہے۔ حضور علیہ السلام کے اولین جان نثاران اکثر کمزور لوگ تھے مگر وہ ایمان میں پختہ تھے، ایمان، اخلاق اور اعمالِ صالحہ میں بڑھے ہوئے تھے اور یہی لوگ بعد میں آنے والوں کے لیے نمونہ بنے۔

بدعت کی تعریف

امام ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے۔ كل فعل وقول لم يثبت عن الصحابة انه هو بدعة یعنی ہر وہ فعل یا قول جو صحابہ کرامؓ سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے۔ اگر یہ کوئی اچھی چیز ہوتی تو صحابہ کرامؓ اس میں ضرور سبقت کرتے کیونکہ لم يتركوا خصلة من خصال خير الا وقد بادروا اليها بہتری کی کوئی خصلت ایسی نہیں جس کی طرف صحابہؓ نے سبقت نہ کی ہو۔ لہٰذا بعد کی تمام دین میں ایجاد شدہ چیزیں بدعات میں شمار ہوتی ہیں۔

امام ابوداؤدؒ نے سنن ابوداؤد کی کتاب السنۃ میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا واقعہ نقل کیا ہے۔ آپ کے متعلق حضرت سماک بن حربؒ تابعی کا بیان ہے کہ آپ کا شمار خلفائے راشدین میں ہوتا ہے۔ پہلے چار خلفائے راشدین یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ تو معروف ہیں مگر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اس لحاظ سے اُن میں شامل ہیں کہ آپ کی خلافت بھی خلفائے راشدین کے نمونہ کے عین مطابق تھی۔ بہرحال حضرت سماکؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے سامنے تقدیر کے مسئلہ پر بحث کی تو آپ نے فرمایا کہ بھائی! ایسی بات مت کرو جو صحابہ کرامؓ کے نزدیک صحیح نہیں ہے آپ نے یہ بھی فرمایا فَارْضَ لِنَفْسِكَ مَا رَضِيَ بِهِ الْقَوْمُ جس چیز پر صحابہ کرامؓ راضی تھے تم بھی اسی پر راضی ہو جاؤ لِاَنَّهُمْ عَلٰى عِلْمٍ وَقَفُوْا وَبِبَصَرٍ نَافِذٍ كَفُّوْا وَلَهُمْ عَلٰى كَشْفِ الْاُمُوْرِ كَانُوْا اَقْوٰى کیونکہ وہ لوگ علم پر مطلع تھے یعنی اُن کا علم گہرا اور صحیح تھا۔ انہوں نے براہ راست مشکوٰۃ نبوت سے تعلیم پائی تھی، بعد والوں کا علم صحابہؓ کے علم کو نہیں پہنچ سکتا۔ اور اُن کی بصیرت

بڑی نافذ تھی اور وہ مشکل امور کو کھولنے میں بڑے طاقتور تھے۔ یعنی مشکل مسائل کے حل کرنے کا انہیں ملکہ حاصل تھا۔ اور جو فضیلت اُن میں پائی جاتی تھی وہ اس کے بہت زیادہ لائق تھے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر صحابہ کرامؓ کی باتیں ہدایت ہیں اور تمہاری یہ ایجاد کردہ باتیں ہدایت نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی نسبت تم نے بہتری کی طرف سبقت کی ہے۔ اور اس آیت کی روح سے تمہارا دعوےٰ درست نہیں ہے کیونکہ بہتری کی طرف سبقت کرنے والے صحابہ کرامؓ تھے، نہ کہ تم۔ فرمایا کہ اگر تم یہ استدلال پیش کرو کہ صحابہ کرامؓ کے بعد بہت سے نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں تو یہ نئے مسائل نکالنے والے بھی وہی لوگ ہیں جو صحابہ کرامؓ کے راستے پر نہیں چلے بلکہ انہوں نے غیر سبیل المومنین یعنی مومنوں کے علاوہ دوسرے راستے کا اتباع کیا ہے جو کہ ان کا خود ساختہ راستہ ہے۔ فرمایا بہتری میں سبقت کرنے والے صحابہ کرامؓ ہی تھے، جو کچھ انہوں نے کلام کیا ہے۔ اس میں کفایت تھی اور جو کچھ انہوں نے بیان کیا ہے اس میں شفا تھی اور جو شخص ان سے ورے رہے گا۔ اس میں تفریط ہوگی اور جو اُن سے آگے نکلے گا، وہ افراط اور غلو میں پڑ جائے گا۔ کیونکہ صراط مستقیم پر صحابہ کرامؓ ہی تھے۔ اَنَّھُمْ لَعَلٰی ھُدًی مُّسْتَقِیْمٍ وہ سیدھی ہدایت پر تھے۔ گویا صحابہ کرامؓ بعد میں آنے والوں کے لیے معیار قرار پائے۔

الغرض! مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ وہ کافر اور مشرک غلطی پر ہیں۔ جو اہل ایمان کو اپنے آپ سے کم تر سمجھتے ہیں اور اپنی حالت کو بہتر جانتے ہیں۔ یہ لوگ قرآن کی اس آیت کے خلاف کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک اہل ایمان ہی بہتری کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ نزول قرآن کے زمانہ کے کفار و مشرکین بھی اپنی اسی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہلاک ہوئے اور جو لوگ آج بدعات رائج کر کے صحابہ کرامؓ سے سبقت کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بھی سابقہ مشرکین کے نقش قدم پر چل رہے ہیں جو اپنے فاسد عقائد و اعمال کو ہی بہتر سمجھتے ہیں۔

قرآن کی حقانیت

ارشاد ہوتا ہے دیکھو! وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً اس قرآن سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی جو پیشوا اور رحمت تھی۔ ہر آسمانی کتاب امت کی راہنمائی کرنے والی ہوتی ہے اور اپنے ماننے والوں کے لیے رحمت کا باعث بنتی ہے۔ یہی صفات اللہ کی آخری کتاب قرآن پاک میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اور پھر اس کی ایک اضافی صفت یہ ہے وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ کہ یہ سابقہ کتب کی تصدیق کنندہ ہے۔ قرآن پاک سابقہ کتب سماویہ زبور، تورات اور انجیل کی حقانیت کی تصدیق کرتا ہے کہ یہ کتابیں اپنے اپنے ادوار میں لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل ہوئیں۔ اسی طرح ان کتب سابقہ کے حاملین انبیاء اور دیگر تمام انبیاء بھی لوگوں کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے۔ فرمایا لِّسَانًا عَرَبِيًّا اللہ نے یہ کتاب عربی زبان میں نازل فرمائی ہے کیونکہ نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی قوم کی زبان عربی ہے اور اس قرآن کے نزول کا ایک مقصد یہ ہے لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا تاکہ یہ ظلم کرنے والوں کو ڈر سنا دے۔ ظلم میں سب سے پہلے کفر اور شرک آتے ہیں، پھر کبائر، صغائر اور برائی کے دیگر کام ہیں۔ تو گویا قرآن حکیم ہر برے عقیدے اور برے افعال انجام دینے والوں کو ان کے انجام بد سے ڈراتا ہے۔ اور پھر یہی نہیں بلکہ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ اللہ کا یہ کلام نیکی کرنے والوں کو ان کے اچھے انجام کی خوشخبری بھی دیتا ہے۔ جو شخص ایمان قبول کر کے نیکی کا راستہ اختیار کرے گا۔ اپنی فکر کو صحیح بنائے گا، خالص توحید کا قائل ہوگا، کفر، شرک اور نفاق سے بیزار ہوگا۔ اس کے لیے خوشخبری ہے اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ (یونس - ۲) کہ ایسے لوگوں کے لیے اللہ کے ہاں سچائی کا پایہ ہے۔ نیز فرمایا فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ (القمر - ۵۵) خدا تعالیٰ کے ہاں ان کے بیٹھنے کے لیے عزت کے مقام ہوں گے خدا تعالیٰ کی خاص مہربانی ان کے شامل ہوگی۔ یہ قرآن کی حقانیت بھی ہوگئی۔

توحید پہ ثابت قدمی

اس کے بعد اللہ نے استقامت علی الدین کا شکل مسئلہ بیان فرمایا ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ تحقیق وہ لوگ کہ جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے ہم اسی کی توحید کو مانتے ہیں، اس کے سوا نہ کوئی خالق ہے، نہ مالک، نہ علیم کل نہ قادر مطلق، وہی ہر چیز کو بتدریج حد کمال تک پہنچاتا ہے۔ مطلب یہ کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ربوبیت کا اقرار کیا ثُمَّ اسْتَقَامُوْا پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے۔ استقامت کا ذکر پچھلی سورتوں میں بھی گزر چکا ہے۔ حضور علیہ السلام کو بھی یہی حکم ہوا وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ (الشوریٰ - ۱۵) کہ آپ اور آپ کے پیروکار بھی اللہ کے حکم کے مطابق مستقیم رہیں، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں اطلبوا الاستقامة ولا تطلبوا الكرامة استقامت تلاش کرو نہ کہ کرامتیں ڈھونڈتے پھرو۔ اکثر لوگ ڈانواں ڈول رہتے ہیں، ذرا ذرا سی بات پر پھسل جاتے ہیں، شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں یا بدعات کو اپنا لیتے ہیں، معمولی سی بات پہ ایمان تک بیچ دیتے ہیں اور اس کے بدلے میں دنیا کی حقیر متاع خرید لیتے ہیں، اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ دین میں استقامت اختیار کرو اور پکے رہو۔ ایک صحابیؓ نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ مجھے کوئی مختصر سا کلمہ بتا دیں جو میرے لیے کافی ہو، فرمایا قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ عَلَيْهِ کہہ دو میں اللہ پہ ایمان لایا اور پھر اس پر ثابت قدم رہو۔

فرمایا جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر مستقیم رہے۔ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ ایسے لوگوں پر کوئی خوف نہیں ہوگا۔ یعنی اگلے جہاں کی دائمی زندگی کے متعلق وہ مطمئن ہوں گے اور وہ کسی ڈر اور خوف میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ اللہ ان کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اور نہ ہی انہیں گزشتہ زندگی کے متعلق کوئی غم لاحق ہوگا کہ انہوں نے اسے ضائع کر دیا اور زندگی جیسی قیمتی پونجی کو لہو و لعب میں گنوا دیا۔ بہرحال خوف آنے والے زمانے کے متعلق ہوتا ہے اور غم سابقہ دور کی غلط کارکردگی پہ ہوتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ دین پر استقامت رکھنے والوں کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان مبارک ہے کہ ایک دور ایسا آئے گا کہ دین پہ چلنا اس قدر دشوار ہو جائے گا جیسے جلتے ہوئے کوئلوں کو ہاتھ میں پکڑنا۔ آج دیکھ لیں دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ ہر طرف عریانی، فحاشی، لہو و لعب، بدکلامی، فحش گانے اور لچر فلمیں پھیلی ہوئی ہیں۔ بڑے عقائد، بُرے فلسفے، بدعات، کفر اور شرک کی بھرمار ہے۔ پانچ ارب کی آبادی میں سے ایک ارب بھی اہلِ ایمان نہیں ملیں گے۔ تاہم جنہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور پھر اُس پر استقامت اختیار کی، اُن کے متعلق فرمایا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ یہی لوگ جنت والے ہیں خَالِدِينَ فِيهَا وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے کبھی نکالے نہیں جائیں گے اور نہ ہی اُن کے انعامات میں کمی واقع ہوگی۔ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ یہ اُن کے نیک اعمال کا بدلہ ہوگا۔ فتنہ و فساد کے زمانہ میں تھوڑی نیکی کرنیوالوں کو بھی زیادہ اَجر ملتا ہے۔ تو استقامت علی الدین اختیار کرنے والوں کا بدلہ ہمیشہ کی جنت ہوگا، جہاں انہیں ہر طرح کی نعمتیں میسر ہوں گی جو کہ دائمی ہونگی۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ
كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ
شَهْرًا ۚ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً
قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ
عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ
لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۱۵﴾
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا
وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ ۖ وَعْدَ
الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿۱٦﴾

ترجمہ:- اور ہم نے تاکیدی حکم دیا انسان کو اُس کے والدین کے متعلق نیکی کرنے کا اٹھایا ہے اُس کو اس کی ماں نے تکلیف اٹھا کر، اور جنا ہے اُس کو تکلیف سے۔ اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس ماہ تک ہے یہاں تک کہ جب وہ پہنچ گیا اپنی قوت کو، اور پہنچ گیا چالیس سال تک تو اُس نے کہا، اے میرے پروردگار میرے حصے میں کر دے کہ میں شکر ادا کروں تیری نعمت کا جو تو نے مجھ پر انعام کی، اور میرے ماں باپ پر بھی۔

اور یہ کہ میں ایسا نیک عمل کروں جسے تو پسند فرمائے۔ اور درست کر دے میرے لیے میری اولاد کو۔ بیشک میں توبہ کرتا ہوں تیرے سامنے، اور بیشک میں فرمانبرداری کرنے والوں میں سے ہوں ⑮ یہی لوگ ہیں کہ ہم قبول کرتے ہیں اُن سے اُن کے وہ بہتر کام جو انہوں نے انجام دیے۔ اور ہم درگزر کرتے ہیں اُن کی بُرائیوں سے ۔ یہ ہیں جنت والوں میں ۔ یہ وعدہ ہے سچا جو ان سے کیا جاتا ہے ⑯

ربط آیات

سورۃ کی ابتداء میں قرآنِ کریم کا وحی الٰہی اور برحق ہونا بیان ہوا۔ پھر رسالت کا ذکر ہوا اور اللہ نے منکرین قرآن اور منکرین رسالت کا رد فرمایا۔ اس طرح اللہ نے دین کے بنیادی اصول بیان فرمائے۔ گزشتہ آیات میں رسالت کے ضمن میں گزر چکا ہے قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (آیت-۹) اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ میں کوئی نیا یا انوکھا رسول تو نہیں ہوں۔ بلکہ اللہ کے رسول پہلے بھی آتے رہے ہیں، اور وہ بھی اللہ کا پیغام سُناتے رہے ہیں۔ میں بھی اُسی سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہوں۔ توحید کے سلسلے میں اللہ نے عقلی اور نقلی دلائل کا ذکر نہ صرف اس سورۃ مبارکہ میں کیا ہے بلکہ تمام حوامیم سبعہ میں اس مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے اور شرک کا واضح الفاظ میں رد کیا گیا ہے۔ گزشتہ درس میں استقامت علی الدین کا خصوصی تذکرہ ہوا، اللہ نے استقامت اختیار کرنے والے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے اور اُن کو بشارت دی ہے کہ انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے، بلکہ وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور یہ انعام اُن کے اُن اعمال کا بدلہ ہوگا۔ جو وہ دنیا کی زندگی میں انجام دیتے رہے۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد

ایمان اور استقامت اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اسے اختیار کرنا بندے کے لیے ضروری ہے۔ انسانی سوسائٹی میں حقوق العباد کے ضمن میں والدین سے حسن سلوک سب سے پہلا حق ہے اور آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے والدین سے متعلق بہت سی

باتیں بیان فرمائی ہیں۔ یہ کسی انسان کی سعادت کی علامت ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو کماحقہٗ انجام دے۔ جو انسان یہ حقوق ادا کرتے ہیں وہ سعادت مند شمار ہوتے ہیں اور جو اس سے اعراض برتتے ہیں وہ شقی یا بدبخت کہلاتے ہیں۔ آج کے درس میں سعادت مند انسانوں کا تذکرہ ہے اور پھر آگے اُن بدبخت لوگوں کا ذکر بھی آرہا ہے جو والدین کے ساتھ احسان کرنے کی بجائے اُن کی جسمانی اور ذہنی کوفت کا باعث بنتے ہیں۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک

ارشاد ہوتا ہے وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا اور ہم نے انسان کو اُس کے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا تاکیدی حکم دیا ہے۔ وصیت کا معنیٰ مؤکد حکم ہوتا ہے اور یہ عام طور پر وفات کے وقت کی جاتی ہے کیونکہ وہ نہایت ہی اہم فیصلہ ہوتا ہے سورۃ النساء میں وصیت کے متعلق تفصیلی احکام موجود ہیں۔ مثلاً احکام وراثت کے ضمن میں اللہ نے فرمایا يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ (آیت - ۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد کے بارے میں تاکیدی حکم دیتا ہے اور پھر آگے اولاد اور دیگر رشتہ داروں کے حصص کا تقرر فرمایا کہ ہر حقدار کو اس قدر حق ادا کرو مگر مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ (آیت - ۱۲) مگر اُس وصیت کو پورا کرنے کے بعد جو مرنے والا کر جائے یا اُس قرض کی ادائیگی کے بعد جو متوفی کے ذمے رہ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر اہلِ ایمان کو یہ حق دیا ہے کہ وہ مرنے سے پہلے اپنے مال میں سے زیادہ سے زیادہ ایک تہائی کے برابر ورثا کے علاوہ دوسروں کے حق میں وصیت کر سکتا ہے مذکورہ آیت میں ایسی ہی کسی وصیت کی تکمیل کا ذکر ہے کہ پہلے وصیت پوری کرو قرضہ ادا کرو اور پھر باقی ماندہ مالِ میت کے حق داروں کو تقسیم کرو۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کا تاکیدی حکم دیا ہے۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم سورۃ بقرہ، سورۃ لقمان اور دوسری سورتوں میں بھی آیا ہے۔ مثلاً سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا ہے۔ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (آیت - ۲۳) تیرے پروردگار نے

یہ قطعی فیصلہ کیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ فقہائے کرام اور محدثین کرام فرماتے ہیں کہ والدین کی خدمت فرض ہے۔ مالی خدمت اُس وقت فرض ہوتی ہے جب والدین نادار ہوں۔ ایسی صورت میں اُن کا لازمی خرچہ اولاد کے ذمے ہوگا۔ اگر والدین صاحب مال ہوں تو پھر اُن کی مالی خدمت تو واجب نہیں ہوتی، البتہ اُن کو جسمانی اور ذہنی راحت پہنچانا اور اُن کی جائز خواہشات کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف والدین کو طعن زنی کرنا، گالی گلوچ نکالنا یا مارنا پیٹنا، دھکے دینا یا گھر سے نکال دینا سخت بے ادبی اور حرام ہے۔

ماں کا خصوصی حق

اگلے حصۂ آیت میں اللہ نے ماں کے ساتھ خصوصی سلوک کی بعض وجوہات بیان فرمائی ہیں۔ فرمایا حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ كُرۡهًا انسان کی ماں نے اُس کو تکلیف برداشت کر کے پیٹ میں اٹھائے رکھا۔ وَوَضَعَتۡهُ كُرۡهًا اور پھر اُس کو جنا بھی تکلیف اٹھا کر اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے والدین میں سے والد کا ذکر ایک ہی دفعہ کیا ہے جب کہ فرمایا کہ ہم نے انسان کو تاکیدی حکم دیا بِوَالِدَيۡهِ اُس کے والدین کے متعلق، والدین میں والد اور والدہ دونوں شامل ہیں، لہٰذا یہاں پر والد کا ذکر ہوگیا۔ اور پھر والدہ کا ذکر تین دفعہ فرمایا ہے۔ ایک ذکر تو وَالِدَيۡهِ میں آگیا، دوسرا تذکرہ حَمَلَتۡهُ میں ہوا کہ اُس نے بچے کو پیٹ میں اٹھائے رکھا اور پھر تیسری دفعہ وَوَضَعَتۡهُ میں فرمایا کہ اُس نے بچے کو تکلیف اٹھا کر جنا۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضور! میں والدین میں سے کس کے ساتھ نیکی کا سلوک کروں، تو آپ نے فرمایا، ماں کے ساتھ۔ اُس نے دوبارہ عرض کیا کہ کس کے ساتھ حسن سلوک کروں، آپ نے فرمایا ماں کے ساتھ۔ تیسری دفعہ بھی یہی سوال کیا تو آپ نے ماں کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا۔ پھر چوتھی مرتبہ کے سوال پر حضور علیہ السلام نے حسن سلوک کے سلسلہ میں باپ کا ذکر کیا۔ اس لیے ائمہ کرام، محدثین اور فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ باپ

کی نسبت ماں کا حق زیادہ ہے گویا خدمت ماں کی زیادہ کرنی چاہیئے۔ البتہ ادب و احترام باپ کا زیادہ ہونا چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (البقرہ - ۲۲۸) کہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہے، اور یہاں پر اللہ نے عورت کے حق میں یہ وجہ بھی بیان فرمائی ہے کہ وہ اولاد کی پیدائش کے سلسلے میں بہت تکلیف اٹھاتی ہے، بلکہ بعض اوقات تو عورتیں زچگی کے دوران فوت بھی ہو جاتی ہیں۔ جہاں تک بچے کی پرورش کا تعلق ہے تو یہ بھی ایک کٹھن کام ہے۔ جانوروں کے بچوں کی پرورش انسان کے بچے کی نسبت بہت آسان ہے ان میں سے اکثر پیدائش کے فوراً بعد ہی کسی حد تک خود مکتفی ہو جاتے ہیں اور ادھر اُدھر ہاتھ پاؤں اور منہ مارنے لگتے ہیں۔ دودھ پینے والے بچے تو گرتے پڑتے ماں کے تھنوں تک پہنچ جاتے ہیں اور دودھ پینے لگتے ہیں اور ساتھ ساتھ گھاس وغیرہ کو بھی منہ مارنے لگتے ہیں، جب کہ پرندوں کے بچوں کو ابتداء سے ہی اپنی خوراک بیرونی ذرائع سے حاصل کرنی پڑتی ہے اور وہ پیدائش کے فوراً بعد خود بخود دانہ دنکا چگنے لگتے ہیں۔ اس کے برخلاف انسان کے متعلق اللہ کا فرمان ہے وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (النساء - ۲۸) یعنی انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ انسانی بچہ ماں کے دودھ تک بھی خود بخود نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ اسے مدد کی ضرورت ہوتی ہے، اسے زیادہ سے زیادہ دو سال تک ماں کے دودھ پر گزارا کرنا پڑتا ہے اور پھر جا کر کہیں وہ عام غذا کھانے کے قابل ہوتا ہے۔ اس طرح یہ بچہ عرصہ تک دوسروں کا محتاج ہوتا ہے اور اس کی پرورش کے لیے ماں کو بڑی محنت کرنا پڑتی ہے۔ بچے کو نہلانے دھلانے، کپڑے بدلنے، خوراک کا بندوبست کرنے سردی گرمی سے بچانے اور بیماری میں علاج معالجہ کرنے والے بڑے مشکل اور صبر آزما کام ہیں جن کو ایک ماں ہی انجام دے سکتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں پر باپ کا ذکر ایک دفعہ اور ماں کا تین دفعہ کیا ہے اور حضور علیہ السلام نے بھی ماں کی خدمت پر زیادہ زور دیا ہے۔

حمل و رضاعت کی مدت

حمل اور وضع حمل کے تکلیف دہ مراحل کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے حمل اور رضاعت کی مدت کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا بچے کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے سورۃ البقرہ میں رضاعت کی مدت کے متعلق فرمایا وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ (آیت۔ ۲۳۳) اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں یہ اس شخص کے لیے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔ چنانچہ جمہور ائمہ کا مسلک یہی ہے کہ رضاعت کی مدت دو سال تک ہے۔ اس لحاظ سے حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ بنتی ہے اور اس آیت کے مطابق حمل اور رضاعت کی کل مدت اڑھائی سال یعنی تیس ماہ بن جاتی ہے۔ انسان کا بچہ عام طور پر نو ماہ میں پیدا ہوتا ہے بعض اوقات مدت حمل چھ، سات اور آٹھ ماہ بھی ہوتی ہے، تاہم کم از کم مدت حمل چھ ماہ ہے یونانی حکیم جالینوس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے کہا کہ میں مدت حمل کے متعلق بڑا فکر مند تھا کہ اس کی کم از کم مقدار کیا ہے، پھر میں نے ایک ایسا کیس بھی دیکھا جس میں بچہ ایک سو چوراسی (۱۸۴) دن میں پیدا ہو گیا جو کہ چھ ماہ اور چار دن بنتے ہیں اسلامی دور کے چوتھی صدی کے عظیم منطقی اور طبیب ابو علی ابن سینا نے بھی اپنی کتاب شفا میں لکھا ہے کہ اس کے تجربات کے مطابق بھی حمل کی کم از کم مدت ۱۸۴ دن ہے۔ غرضیکہ اگر حمل کی اقل مدت چھ ماہ تصور کی جائے تو آیت زیر درس کے مطابق رضاعت کی مدت دو سال بنتی ہے۔ اور اگر حمل کی مدت نو ماہ شمار کی جائے تو پھر رضاعت ۲۱ ماہ میں مکمل ہو جاتی ہے۔ البتہ اللہ کے فرمان کے مطابق باپ کی رضامندی سے رضاعت کی مدت کو دو سال تک بڑھایا جا سکتا ہے۔ جہاں تک رضاعت کی کم از کم مدت کا تعلق ہے تو اس کے لیے کوئی حد مقرر نہیں ہے، والدین کی اپنی مرضی اور حالات کے مطابق بچے کا دودھ چھ ماہ میں چھڑایا جا سکتا ہے۔ تاہم رضاعت کی

زیادہ سے زیادہ مدت امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام ابُو یوسفؒ اور امام محمدؒ وغیرہم کے نزدیک دو سال ہی ہے۔ البتہ امام ابُو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مدتِ رضاعت اڑھائی سال تک ہے۔ اِس کی توجیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ بعض بچے کمزور ہوتے ہیں اور ماں کے دودھ کے علاوہ کوئی دوسری غذا استعمال نہیں کر سکتے، اس لیے مدت رضاعت میں اڑھائی سال تک توسیع کی جا سکتی ہے۔ رضاعت کی مدت کے ساتھ بعض دیگر مسائل بھی متفرع ہوتے ہیں، مثلاً یہ کہ اس مدت کے بعد بچے کو دودھ پلانا حرام ہو جاتا ہے۔ نیز اس مدت کے بعد اگر بچہ غیر ماں کا دودھ پیئے تو اس سے نہ تو وہ رضاعی ماں بنتی ہے اور نہ اُس عورت کی اولاد اس بچے کے رضاعی بہن بھائی بنتے ہیں جس سے نکاح کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اسی لیے امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مدتِ رضاعت کے تعین میں احتیاط کی ضرورت ہے اور اسی بنا پر وہ اس مدت کی اڑھائی سال تک توسیع کے قائل ہیں۔

بعض فقہائے کرام اس آیت کریمہ سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ حمل اور رضاعت دو الگ الگ مسائل ہیں اور ان کی خبر ایک ہے۔ یعنی تیس ماہ۔ اس لحاظ سے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حمل کی مدت بھی تیس ماہ اور رضاعت کی مدت بھی تیس ماہ تک ہو سکتی ہے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ سورۃ البقرہ والی آیت میں رضاعت کی انتہائی مدت تو دو سال بیان کی گئی ہے مگر اس کی اقل (کم از کم) مدت کا تعین نہیں کیا گیا۔ اور اس آیت زیرِ درس کے مطابق تیس ماہ سے دو سال رضاعت کے نکال کر حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ بنتی ہے مگر حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اسی لیے چھ ماہ کی مدت میں پیدا ہونے والے بچے کو شرعی بچہ تصور کیا گیا ہے۔ اس سے کم مدت کے حمل والا بچہ جائز بچہ تصور نہیں ہوتا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ایک شخص کے ہاں نکاح کے بعد چھ ماہ میں بچہ پیدا ہو گیا تو آپ نے اسے غیر شرعی قرار دیتے ہوئے اُس کی ماں کو سزا دینا چاہی تو حضرت علیؓ اور بعض دیگر صحابہ کرامؓ نے مشورہ دیا کہ آیت زیرِ درس کی رو سے چھ ماہ کے حمل کا بچہ جائز تصور ہو گا کیونکہ

اس آیت کے مطابق حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ بنتی ہے۔

جہاں تک حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت کا تعلق ہے تو جیسا کہ میں نے عرض کیا، شریعت نے اس کی کوئی قید نہیں لگائی۔ اگرچہ عام طور پر بچہ نو ماہ میں پیدا ہو جاتا ہے مگر ایسے کیس بھی مشاہدے میں آئے ہیں جن میں مدتِ حمل بہت زیادہ پائی گئی۔ مثلاً بعض بچے تین اور بعض چار سالہ حمل کے بعد پیدا ہوئے۔ بعض بچے اتنے طویل عرصہ تک ماں کے پیٹ میں رہے کہ اُن کے دانت بھی وہیں نکل آئے۔ چین کے مشہور حکیم لاوزی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ اسّی۸۰ سال تک ماں کے پیٹ میں رہا۔ تاہم ایسے کیس بہت ہی شاذ ہوتے ہیں، حمل کی عمومی مدت نو ماہ ہے جو کم از کم چھ ماہ ہو سکتی ہے اور زیادہ سے زیادہ کا کچھ تعین نہیں کیا جا سکتا۔ اس قسم کی مستثنیات دوسری طرف بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً عام طور پر ایک حمل میں ایک ہی بچہ پیدا ہوتا ہے مگر ہم روزمرہ مشاہدے میں دو دو، تین تین اور چار چار بچے پیدا ہوتے بھی دیکھتے ہیں سنہ ۱۹۵۰ء میں دکن کے صوبہ تلنگانہ میں ایک کسان کے ہاں بیک حمل آٹھ بچے پیدا ہوئے۔ ہماری تفسیری کتابوں میں قاضی قدوۃ کے ہاں بیک حمل سو بچوں کی پیدائش کا ذکر بھی ملتا ہے۔ بعض مفسّرین کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ امام ابُوحنیفہؒ کے نزدیک اِس مقام پر حمل سے مراد پیٹ کا حمل نہیں بلکہ اس حمل سے مراد پیدائش کے بعد گود میں اٹھانا ہے جو تیس ماہ تک ہو سکتا ہے، واللہ اعلم۔ بہرحال ہمارے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ احتیاط اسی میں ہے کہ بچے کی رضاعت اڑھائی سال تک تسلیم کی جائے۔

انسانیت کی تکمیل

بچے کی پیدائش اور رضاعت کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُس کی جوانی اور پختگی کی عمر تک پہنچنے کا ذکر کیا ہے کہ اس وقت ایک سعادت مند کس ڈگر پر چلتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ یہاں تک جب انسان اپنی قوت کو پہنچ جاتا ہے۔ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً اور وہ اپنی عمر کے چالیس سال پورے کر لیتا ہے یعنی جب اُس کے قوائے ظاہرہ و باطنہ مکمل ہو جاتے ہیں

جسمانی طور پر بھی وہ خوب طاقتور ہو جاتا ہے اور اس کی عقل، فہم اور ادراک کو بھی جلا ملتی ہے۔ اس بات کی تصدیق تاریخ انبیاء سے بھی ہوتی ہے کہ انسانیت کی تکمیل عام طور پر چالیس سال میں ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام کے علاوہ باقی عام انبیاء علیہم السلام کو چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی۔ خود حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی عمر کو پہنچ کر اس منصب جلیل پر فائز ہوئے اور آپ کی طرف وحی آنا شروع ہوئی۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص پختگی کی اس عمر تک پہنچ کر بھی معصیت سے باز نہیں آتا اور گناہوں سے توبہ نہیں کرتا تو شیطان ایسے شخص کے منہ پر ہاتھ پھیر کر کہتا ہے کہ یہ چہرہ اچھا ہے، گویا ایسے شخص پر شیطانی اثرات غالب آجاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ چالیس سال کی عمر تک پہنچنے پر جس شخص کی خیر اس کے شر پر غالب نہ آئے، اس کو جہنم کی تیاری کرنا چاہیئے۔

سعادتمند آدمی کی دعا

آیت کے اگلے حصہ میں ایک سعادتمند آدمی کی دعا کا ذکر آ رہا ہے جس نے والدین کی خدمت کر کے یہ سعادتمندی حاصل کی۔ ایسے شخص نے چالیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد اپنے پروردگار کے حضور اس طرح دعا کی قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ کہنے لگا اے میرے پروردگار مجھے توفیق دے دے یعنی میری قسمت میں کر دے کہ میں تیری اُس نعمت کا شکریہ ادا کر سکوں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی۔ اس نعمت میں تمام نعمتیں شامل ہیں جو اللہ نے انسان کو داخلی طور پر دی ہیں۔ یعنی اُس کو وجود بخشا اور پھر اس میں عقل، حکمت علم اور فہم جیسے جواہر رکھے اور پھر اُس کے جسم کی بقا کے لیے خارج سے اُس کی خوراک اور آرام و آسائش کا بندوبست فرمایا۔ پھر اُس شخص نے اپنے رب کے حضور یہ بھی عرض کیا کہ مولا کریم! مجھے اس بات کی بھی توفیق دے وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ کہ میں ایسا نیک عمل کر سکوں جس سے تو راضی ہو جائے۔ ایسا سعادتمند آدمی یہ دعا بھی کرتا ہے وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اور میرے لیے میری اولاد کو بھی درست

فرماتا ہے۔ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ میں تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اور بیشک میں فرمانبرداری کرنے والوں میں ہوں۔ یہ اللہ تعالیٰ نے ایک سعادتمند آدمی کا نظریہ اور اُس کا طرزِ عمل بیان کیا ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ انسان کو یہ سعادت تین طریقوں سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک روحانی سعادت ہوتی ہے جس کی وجہ سے انسان کا دل خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ دوسری سعادت جسمانی ہے جس کی وجہ سے انسان کا جسم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں مصروف رہتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ تیسری سعادت خارجی ہوتی ہے۔ امام رازیؒ اور بعض دوسرے حکماء فرماتے ہیں کہ اس سعادت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اہل اور اولاد اچھے ہوتے ہیں۔ نیک بیوی بچوں کے لیے دعا کا ذکر اللہ نے سورۃ فرقان میں بھی کیا ہے کہ اللہ کے نیک بندے اس طرح دعا کرتے ہیں رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ (آیت ۷۴) اے ہمارے پروردگار! ہماری بیویوں اور اولادوں کی طرف سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما، یعنی وہ خدا پرست، نیکوکار لائق اور فرمانبردار ہوں یہ گویا انسان کی خارجی سعادت ہے۔

اللہ کی طرف سے جزاء

اللہ نے سعادت مند لوگوں کی دعا کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا یہ وہی لوگ ہیں کہ اُن کے نیک اعمال کو ہم قبول کرتے ہیں وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ اور اُن کی برائیوں سے ہم درگزر کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اُن کے اچھے اعمال کا بدلہ بڑھا چڑھا کر دیتے ہیں۔ جب کہ اُن کی چھوٹی موٹی خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں۔ فِیْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ یہ لوگ جنت والے لوگوں میں شامل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت کے مقام میں داخل فرمائے گا۔ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ جو اُن سے کیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں وعدہ کیا تھا کہ جو شخص سنِ شعور کو پہنچنے پر اللہ تعالیٰ سے اُس کے انعامات

کا شکریہ ادا کرنے کی توفیق طلب کرے گا۔ خدا کی وحدانیت کو مان کر اس کی عبادت کرے گا، شرک، کفر، نفاق اور معصیت سے بچتا رہے گا۔ والدین کی خدمت بجا لائے گا۔ ان سے خدا تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے وہ انہیں ضرور جنت میں پہنچائے گا۔

وَالَّذِىْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِىْٓ اَنْ اُخْرَجَ
وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِىْ ج وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ
اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ج فَيَقُوْلُ مَا
هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٧﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِىْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ
مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿١٨﴾ وَلِكُلٍّ
دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ج وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ
لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٩﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى
النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِىْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَ
اسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ج فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا
كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ
تَفْسُقُوْنَ ﴿٢٠﴾ ع

ترجمہ:- اور وہ شخص جس نے کہا اپنے والدین سے کہ تف ہے تمہارے لیے کیا تم مجھ سے وعدہ کرتے ہو کہ میں نکالا جاؤں گا (قبر سے) اور تحقیق گزر چکی ہیں قومیں مجھ سے پہلے۔ اور وہ دونوں (ماں باپ) فریاد کرتے ہیں اللہ کے سامنے (اور اس شخص کو بھی کہتے ہیں)

افسوس ہے تیرے لیے ، ایمان لے آ۔ بیشک اللہ
کا وعدہ برحق ہے۔ پس وہ کہتا ہے کہ نہیں ہے یہ
مگر قصے کہانیاں پہلے لوگوں کی (۱۷) یہی وہ لوگ ہیں کہ
ثابت ہو چکی ہے اُن پر بات امتوں میں جو پہلے گزر
چکی ہیں اُن سے جنوں اور انسانوں میں سے بے شک
یہی لوگ نقصان اٹھانے والے تھے (۱۸) اور ہر ایک فریق
کے لیے درجات ہیں اُن اعمال کی وجہ سے جو انہوں نے
کیے۔ اور تاکہ پورا پورا بدلہ دے اُن کو اُن کے اعمال کا ،
اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا (۱۹) اور جس دن پیش کیے
جائیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا آگ پر ، تو اُن سے
کہا جائے گا کہ تم نے کھا اڑا لیا ہے اپنی پاکیزہ چیزوں کو
دنیا کی زندگی میں ، اور تم نے فائدہ اٹھا لیا ہے اُن سے
پس آج تم کو بدلہ دیا جائے گا ذلت ناک عذاب کا اس
وجہ سے کہ تم تکبر کرتے تھے زمین میں ناحق ، اور اس وجہ
سے کہ تم نافرمانی کرتے تھے (۲۰)

ربط آیات: گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کے والدین سے متعلق دیے گیے "تاکیدی حکم کا ذکر کیا۔ اس اعتبار سے انسانوں کی دو قسمیں بن جاتی ہیں - یعنی سعادت مند اور بدبخت۔ گذشتہ درس میں سعادت مند لوگوں کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ انسانوں کے حقوق کی بھی ادائیگی کرتے ہیں۔ حقوق العباد میں اولین حق والدین کا ہے کہ اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے۔ وہ لوگ والدین کی خدمت کرتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ وہ اس کی عطا کردہ نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کی توفیق بخشے اور یہ کہ وہ نیک اعمال انجام دے سکیں۔ وہ اپنی بیویوں اور اولادوں کے لیے

بھی نیکی کی دُعا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنی فرمانبرداری کا اظہار کرتے ہیں۔ ایسے سعادت مند لوگوں کے نیک اعمال کو اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے اُن کی تقصیروں سے درگزر کرتا ہے اور وہ لوگ یقیناً اللہ کی رحمت کے مقام جنت میں داخل ہوں گے۔

شقی انسان کا تذکرہ

سعادت مند لوگوں کا حال بیان کرنے کے بعد اب آج کے درس میں اللہ نے بدبخت لوگوں اور اُن کے جزائے عمل کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْہِ اُفٍّ لَّکُمَا اور وہ شخص جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ تف ہے تم دونوں پر۔ اُف کا لفظ بیزاری کے اظہار کے لیے بولا جاتا ہے جس میں مخاطب کو زجر و توبیخ اور ملامت کی جاتی ہے۔ یہ لفظ انہی معانی میں سورۃ بنی اسرائیل میں بھی آیا ہے، جہاں اللہ نے والدین کے حق میں ایسا لفظ استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا (آیت - ۲۳) جب وہ دونوں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو پھر انہیں اُف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو بہرحال فرمایا کہ شقی انسان اپنے والدین سے بیزاری کا اظہار کر کے کہتا ہے۔ اَتَعِدٰنِنِیْٓ اَنْ اُخْرَجَ کیا تم مجھ سے وعدہ کرتے ہو، مجھے بتلاتے ہو یا مجھے اس بات کی خبر دیتے ہو کہ میں مرنے کے بعد قبر سے دوبارہ نکالا جاؤں گا مجھے یہ بھی بتلاتے ہو کہ قیامت برپا ہوگی، حساب کتاب کی منزل آئے گی، سب کو اپنے اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا اور پھر جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے فرمایا ایسا بدبخت آدمی ان چیزوں کا انکار کرتے ہوئے کہتا ہے وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی قومیں اور جماعتیں گزر چکی ہیں مگر میں نے تو آج تک کسی کو دوبارہ زندہ ہوتے اور سزا یا جزا سے دوچار ہوتے نہیں دیکھا، پھر میں تمہاری بعث بعد الموت کی بات کو کیسے تسلیم کر لوں کہ مرنے کے بعد ہر ایک کو دوبارہ زندہ ہونا ہے، اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ اس بے ادب، نافرمان اور نالائق بیٹے نے پہلے تو ایمان سے محرومی

کی بات کی اور پھر وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کا انکار کیا۔ اس بدبخت کے والدین اُسے نصیحت کر رہے ہیں۔ مگر وہ اُن سے بیزاری کا اظہار کر رہا ہے، گویا اُس نے نہ تو اللہ کا حق ادا کیا اور نہ ہی حقوق العباد میں سے والدین کا حق ادا کیا۔ حالانکہ وہ اسے ایمان کی طرف بلا رہے ہیں۔

والدین کی طرف سے دعوتِ ایمان

فرمایا وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ والدین اپنے بیٹے کے حق میں اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے نیکی کی توفیق دے اور وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو کماحقہٗ ادا کرے۔ اور ساتھ ہی نافرمان بیٹے کو نصیحت بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں وَيْلَكَ اٰمِنْ افسوس ہے، تیرا ستیاناس ہو تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت وقوعِ قیامت اور جزائے عمل پر ایمان لے آ تاکہ تو بھی شقاوت سے نکل کر سعادتمندوں کی صف میں شامل ہو جائے۔ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے جسے وہ ضرور پورا کرے گا یعنی بعث بعد الموت اور جزائے عمل ضرور واقع ہوگی۔ فَيَقُوْلُ اس نصیحت کے جواب میں بیٹا کہتا ہے مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ تمھاری یہ باتیں تو پہلے لوگوں کی قصے کہانیاں ہیں۔ اساطیر، اسطورہ کی جمع ہے جو کہ یونانی زبان کا لفظ ہے مگر عربی میں مستعمل ہے۔ عربی زبان نے بعض دیگر زبانوں کے الفاظ بھی اپنے اندر سمو لیے ہیں۔ جیسے سجیل فارسی لفظ ہے مگر عربی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح نور، میزان، قسطاس وغیرہ بھی غیر عربی الفاظ ہیں مگر اب عربی زبان کا حصہ بن چکے ہیں۔ بہر حال اُس ناخلف بیٹے نے والدین کی طرف سے دی گئی دعوتِ توحید کو ٹھکرا دیا، ایمان سے محروم ہو گیا اور والدین کی بے ادبی اور گستاخی کا موجب بھی بنا۔

فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ یہ وہی لوگ ہیں جن پر (خدا کے عذاب کی) بات ثابت ہو چکی ہے۔ کیونکہ انہوں نے ضد، عناد اور تعصب کا شکار ہو کر ایمان اور معاد کا انکار کر دیا، اور والدین کی بے ادبی کے مرتکب ہوئے، لہٰذا اِن پر عذاب کی بات ثابت ہو گئی۔ اور یہ لوگ فِيْٓ

فِيْ اُمَمٍ

أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ انہی لوگوں میں شامل ہیں جو ان سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے گزر چکے ہیں۔ انہوں نے توحید کا انکار کیا اور معاد کو جھٹلایا تو یہ لوگ بھی انہی کے نقش قدم پر چل کر سزا کے مستحق ٹھہرے إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ بلاشبہ یہ لوگ نقصان اٹھانے والے تھے۔ اللہ نے ان کو زندگی، صحت اور عقل جیسے قیمتی جوہر عطا کیے۔ دنیا کی زندگی میں یہ چیزیں ان کے لیے بیش قیمت سرمایہ تھیں مگر ان لوگوں نے اس پونجی سے ایمان اور نیکی خریدنے کی بجائے انہیں ضائع کر دیا اور دائمی فلاح حاصل کرنے کی بجائے ہمیشہ کی ذلت میں پڑ گئے۔ جو شخص زندگی میں صحت جیسی نعمت کو استعمال کر کے عبادت، ریاضت اور نیکی کے کام انجام دیتا ہے، بلاشبہ وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص عقل کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے، وہ یقیناً اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کر لیتا ہے۔ اور کفر، شرک اور معاصی جیسی بُری چیزوں سے بچ جاتا ہے۔ اور کامیاب ہو جاتا ہے مگر مذکورہ شخص نے ان چیزوں سے فائدہ نہ اٹھایا اور ہمیشہ کے لیے ناکام ہو گیا۔

سعید اور شقی کی مثال

جیسا کہ پہلے عرض کیا، گذشتہ درس میں سعید اور نیک آدمی کا ذکر تھا جب کہ اس درس میں شقی اور بدبخت کی صفات بیان ہو رہی ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ سعادت مند کی مثال حضرت ابوبکر صدیق ؓ ہیں۔ جب حضور علیہ السلام کی عمر مبارک چالیس سال ہوئی تو آپ پر وحی کا نزول شروع ہوا۔ اُس وقت حضرت صدیق ؓ کی عمر اڑتیس ۳۸ برس تھی اور آپ پہلے ہی دن ایمان لے آئے۔ آپ کے ساتھ ایمان لانے والے دیگر افرادِ خانہ میں آپ کی بیوی ام رومان ؓ بھی ایمان لائی جو حضرت عائشہ ؓ اور عبدالرحمٰن ؓ کی والدہ ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی والدہ ام الخیر ؓ اور باپ ابو قحافہ ؓ بھی بڑی دیر کے بعد ایمان لائے جب کہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ اس طرح صرف اس خاندان کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کی چار پشتیں صحابیت میں داخل ہیں۔ خود حضرت ابوبکر صدیق ؓ، آپ کے والد ابو قحافہ ؓ، آپ کے بیٹے

عبدالرحمنؓ اور آپ کے پوتے عتیق بن عبدالرحمنؓ۔ اور شقی لوگ وہ ہیں جو ایمان قبول نہیں کرتے۔ والدین کی نافرمانی کرتے ہیں، قیامت اور جزائے عمل کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ نے ان دونوں گروہوں کے اوصاف بیان کر دیے ہیں۔

دنیا و آخرت میں جزائے عمل

آگے مجموعی طور پر فرمایا وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا اور ہر شخص یا ہر فرقے کے لیے ان کے اعمال کے مطابق درجات ہیں۔ امام محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر رازیؒ فرماتے ہیں کہ درجات کا تعلق تو اہلِ ایمان کے ساتھ ہوتا ہے جو نیک کام انجام دیتے ہیں اور جو لوگ کفر اور معصیت کا راستہ اختیار کرتے ہیں اُن کے لیے درکات ہوتے ہیں۔ درکات کا ذکر اس مقام پر نہیں کیا گیا۔ مگر مطلب یہی ہے ہر نیکی والے شخص کے لیے اُس کی نیکی کے مطابق درجہ ہے کیونکہ نیکی کبھی اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے، کبھی اوسط درجے کی اور کبھی ادنیٰ درجے کی۔ اسی طرح برائی کے بھی درکات ہوتے ہیں۔ کوئی کفر میں بڑھا ہوا ہوتا ہے، کوئی اس سے کم تر اور کوئی اس سے کم تر۔ جہنم میں ان کے درکات بھی اُن کے عقیدہ اور عمل کے مطابق ہی ہوں گے۔

پھر فرمایا یہ درجات اس وجہ سے ہوں گے وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ تاکہ ان کو اُن کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ اور ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ زیادتی کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو کم جرم کے بدلے میں زیادہ سزا نہیں دی جائے گی اور نہ کسی ایک کا گناہ دوسرے پر ڈالا جائے گا۔ سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا (آیت - ۲۱) دنیا کے مقابلے میں آخرت میں بڑے اعلیٰ درجات اور بڑی فضیلت حاصل ہوگی۔ دنیا میں کردہ تھوڑے نیک عمل کی بھی زیادہ جزا ملے گی۔ جس طرح دنیا میں ہر شخص کی عقل، ذہانت اور استعداد یکساں نہیں ہوتی، اسی طرح آخرت میں بھی سب لوگ یکساں نہیں ہوں گے بلکہ اُن کے درجات میں تفاوت ہوگا۔

نافرمانوں سے خطاب

اِدھر نافرمانوں کے بارے میں فرمایا۔ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

عَلَى النَّارِ اور جس دن کافر لوگ آگ پر پیش کیے جائیں گے، تو اُن سے کہا جائیگا
اَذۡهَبۡتُمۡ طَیِّبٰتِكُمۡ فِیۡ حَیَاتِكُمُ الدُّنۡیَا تم نے اپنی پاک چیزوں کو دُنیا
کی زندگی میں ہی کھاپی لیا وَاسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهَا اور ان کو استعمال کر کے اُن سے
فائدہ حاصل کر لیا ہے۔ مثلاً اگر کافر دنیا میں کوئی فلاحی کام کرتے ہیں تو اُن کا بدلہ اُن
کو دُنیا میں ہی شہرت اور نیک نامی کی صورت میں مل جاتا ہے۔ مسلم شریف کی روایت
میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو اُن کے نیک اعمال
کا بدلہ دنیا میں ہی دے دیتا ہے۔ کبھی اُن کی صحت اچھی ہوتی ہے، کبھی اُن کو مال و
دولت دے دیا جاتا ہے اور کبھی کسی اعلیٰ عہدے پر متمکن کر کے اُس کے نیک
اعمال کا حساب چکا دیا جاتا ہے اور پھر آخرت میں اُن کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔
اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو بعض اوقات دنیا میں بھی ان کے اعمال
کا بدلہ کسی حد تک دے دیتا ہے مگر آخرت کا بدلہ تو پورا پورا ہو گا بلکہ بڑھا چڑھا کر
دیا جائے گا۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے
دعا کریں کہ وہ آپ کی امت میں توسع پیدا فرما دے یعنی امت خوشحال ہو جائے۔ عرض کیا
روم اور فارس والے لوگ لَا یَعۡبُدُوۡنَ اللّٰهَ اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے یعنی کافر
اور مشرک ہیں مگر پھر بھی اللہ نے اُن کو ہر طرح کی فراوانی عطا کر رکھی ہے۔ دوسری طرف
آپ اور آپ کے پیروکار ہیں جو اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرتے ہیں۔ مگر
دنیا میں فراوانی نہیں، لہٰذا آپ اُن کے لیے بھی دُعا کریں۔ آپ نے جواب میں فرمایا
اے عمرؓ! کیا تمہیں اس بات میں کچھ تردد ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو آخرت
میں پورا پورا بدلہ دے گا۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی وَیَوۡمَ یُعۡرَضُ...
کہ جس دن کافروں کو جہنم رسید کیا جائے گا تو انہیں یہی کہا جائے گا کہ تم نے اپنے
اچھے اعمال کا بدلہ دنیا کے مال و متاع اور نیک نامی کی صورت میں پا لیا۔ اب
یہاں پر تمہارے لیے کوئی بدلہ نہیں ہے۔

دنیا سے بے رغبتی

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے زہد کی طرف اشارہ ملتا ہے زہد کا معنیٰ دنیا سے بے رغبتی ہے نہ کہ ترکِ دنیا جس کی اجازت نہیں دی گئی ۔ صحابہ کرامؓ کی زندگیاں کمال زہد کا نمونہ تھیں جنہوں نے دنیا کی ہر چیز کو آخرت پر قربان کر دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو حاکم بنا کر یمن کی طرف روانہ فرمایا تو ساتھ نصیحت بھی فرمائی اِنَّ عِبَادَ اللّٰہِ لَیْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِیْنَ یعنی اللہ کے بندے عیش و عشرت میں مبتلا نہیں ہوا کرتے۔ اگر ایسا ہوگا۔ تو اُن کے آخرت میں محروم ہونے کا خطرہ ہے۔ دُنیا کا آرام و آسائش مطلقاً ممنوع نہیں ہے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (الاعراف۔ ۳۲) اے پیغمبر! آپ ان سے پوچھیں کہ جو زیب و زینت کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں اُن کو کس نے حرام کیا ہے؟ انھیں استعمال کرو۔ کھاؤ پیو، مگر یاد رکھو! دنیا کی زندگی اور اُس کے لوازمات میں اس قدر منہمک نہ ہو جاؤ کہ آخرت کو بھول جاؤ اور پھر وہاں محروم ہونا پڑے۔ حتی الامکان سادگی اختیار کرو کیونکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے اَلْبَذَاذَۃُ مِنَ الْاِیْمَانِ سادگی ایمان کا جزو ہے وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ مطلب یہ کہ توسع کی چیزیں حرام تو نہیں ہیں، اچھا لباس، اچھی خوراک، اچھا گھر، اچھی سواری سب اللہ کے انعامات ہیں مگر ان میں الجھ کر آخرت کو نہ بھول بیٹھو، اسی لیے صحابہ کرامؓ عام طور پر توسع سے گریز کیا کرتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بڑے دولت مند صحابی تھے اور آپ اخراجات بھی فراخدلی سے کرتے تھے۔ آپ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ایک مجلس میں موجود تھے کہ آپ کے سامنے اعلیٰ قسم کا کھانا لایا گیا۔ اتنا اچھا کھانا دیکھ کر آپ کو احد کا زمانہ یاد آگیا۔ جب بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ کے لیے پورا کفن بھی مہیا نہیں تھا۔ حضرت حمزہؓ کا سر ڈھانپ دیا گیا اور پاؤں پر گھاس پھونس ڈال

کہ کفن مکمل کیا گیا۔ آپ اس زمانے کو یاد کر کے آبدیدہ ہو گئے حتیٰ کہ کھانا بھی اٹھا دیا اور کھایا نہیں۔ آپ کہنے لگے، مجھے ڈر ہے کہ قیامت کو ہمارے ساتھ بھی اس آیت میں مذکورہ معاملہ نہ پیش ہو جائے اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ الآیۃ کہ جاؤ تم نے دنیا میں ہی کھا اڑا لیا تھا۔ اب یہاں تمہارے لیے کچھ نہیں ہے۔ بہرحال اسی احساس کا نام زہد ہے جو تمام خلفائے راشدینؓ عشرہ مبشرہؓ اور دیگر جلیل القدر صحابہؓ کی زندگیوں میں ملتا ہے۔

کفار کے لیے عذاب

فرمایا کہ کافروں سے کہا جائے گا کہ تم نے دنیا کے لوازمات سے دنیا کی زندگی میں ہی استفادہ حاصل کر لیا۔ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ پس آج کے دن تم کو ذلت ناک عذاب کا بدلہ دیا جائے گا بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اسی وجہ سے کہ تم دنیا کی زندگی میں اس زمین پر ناحق تکبر کرتے تھے۔ تم جس زمین پر تکبر کرتے تھے وہ تو خود عاجز اور انکساری والی ہے وہ اپنے اوپر بسنے والے کی خدمت گزار ہے۔ اس کو تمام ضروریات زندگی مہیا کرتی ہے اور پھر جب انسان مر جاتا ہے تو یہی زمین اس کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ بدبخت تو نے اس زمین سے سبق نہ سیکھا اور الٹا تکبر کرتا رہا، دوسروں کو حقیر سمجھتا رہا اور غریبوں پر ظلم کرتا رہا۔ اللہ کا حکم تو یہ ہے وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا (بنی اسرائیل - ۳۷) زمین پر اکڑ کر مت چلو، تو کتنا بھی مغرور ہے مگر اس قابل نہیں کہ زمین کو پھاڑ سکے یا اتنا لمبا ہو جائے کہ پہاڑوں کی چوٹیوں تک پہنچ جائے تم بہرحال پانچ چھ فٹ کے انسان ہی رہو گے، لہٰذا ناحق غرور و تکبر نہ کرو۔ اور آج تمہیں اسی وجہ سے بھی ذلت ناک عذاب کا سامنا کرنا ہوگا وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ کہ تم دنیا میں رہ کر نافرمانی کرتے تھے۔ فسق کا معنی اطاعت سے باہر نکل جانا ہے اس کا اطلاق کفر کے علاوہ تمام معاصی پر بھی ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ تم دنیا میں کفر، شرک، کھیل تماشے اور لہو و لعب میں مصروف رہے۔

اللہ تعالےٰ اور اُس کے انبیاء کے احکام کو تسلیم نہ کیا اور نہ ہی وقوع
قیامت اور جزائے عمل پر ایمان لائے ، لہذا آج ذلت ناک عذاب کا مزا چکھو

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ
خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا
اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾
قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ
اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ڮ
وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾
فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا
عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ
فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا
فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ
الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ:۔ اور آپ تذکرہ کریں قومِ عاد کے بھائی (ہود علیہ السلام) کا، جب کہ ڈرایا انہوں نے اپنی قوم کو احقاف کے اندر اور تحقیق گذر چکے تھے آپ سے پہلے بھی ڈر سنانے والے اور آپ کے بعد بھی (انہوں نے کہا) نہ عبادت کرو سوائے اللہ کے کسی کی۔ بے شک میں خوف کھاتا ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب کا ﴿۲۱﴾ وہ لوگ

کہنے لگے ، کیا تو آیا ہے ہمارے پاس تاکہ تو ہمیں ہٹا دے ہمارے معبودوں سے۔ پس تو لا جو ہم سے وعدہ کرتا ہے ، اگر تو سچا ہے (۲۲) کہا اُس (ہود علیہ السلام) نے بیشک علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اور میں پہنچاتا ہوں وہ چیز جو مجھے پیغام دیا گیا ہے ، مگر میں دیکھتا ہوں کہ تم نادان لوگ ہو (۲۳) پھر جب انہوں نے دیکھا اس (عذاب) کو بادل کی شکل میں جو ان کی وادیوں کے سامنے سے آرہا تھا تو کہنے لگے کہ یہ ابر ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔ (فرمایا نہیں) بلکہ یہ وہ چیز ہے جس کو تم جلدی طلب کرتے تھے۔ یہ ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے (۲۴) یہ ملیامیٹ کرتی ہے ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے۔ پھر ہو گئے وہ لوگ کہ نہیں دیکھا جاتا تھا سوائے اُن کے ٹھکانوں کے (کچھ بھی) اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ان لوگوں کو جو مجرم ہوتے ہیں۔ (۲۵)

ربط آیات

حوامیم سبعہ کی اس آخری سورۃ میں بھی سابقہ سورتوں کی طرح اسلام کے بنیادی عقائد توحید ، رسالت ، معاد اور قرآن پاک کی صداقت ہی کا تذکرہ ہے ابتدائے سورۃ میں قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر ہوا ، پھر توحید کے عقلی اور نقلی دلائل اور ساتھ ساتھ شرک کا رد ہوا۔ عقیدہ توحید پر استقامت اور جزائے عمل کا بیان ہوا۔ پھر لوگوں کے دو گروہوں یعنی سعادتمند اور بدبخت لوگوں کا ذکر ہوا۔ فرمایا سعادتمند لوگ وہ ہیں جو حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز و انکساری کا اظہار کرتے ہیں اور اُس کے سامنے مناجات کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا نیک انجام بھی بیان ہوا۔ پھر اللہ

نے بدبخت انسانوں کا ذکر کیا ہے کہ وہ حقوق سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ اور سرکشی غرور اور تکبر میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جب انہیں ایمان کی دعوت دی جاتی ہے۔ اور وقوع قیامت اور جزائے عمل سے ڈرایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تو پرانے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں جن کی حقیقت کچھ نہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ جب جزائے عمل کا موقع آئے گا تو ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ تم نے تو دنیا کی زندگی میں ہی کھا اڑا لیا ہے۔ عیش و عشرت کر لی، لہذا آج تمھارے لیے اللہ کے ہاں کچھ حصہ نہیں ہے، اب تمھیں ذلت ناک عذاب کا مزا چکھنا پڑے گا۔ یہ تمھارے ناحق تکبر اور فسق و نافرمانی کا بدلہ ہے جو مل کر رہے گا۔

حضرت ہود علیہ السلام

چونکہ مشرکین مکہ اور صنادید قریش بھی غرور و تکبر کی بیماری میں مبتلا تھے، اس لیے اللہ نے ان کی عبرت کے لیے قوم عاد کا ذکر کیا ہے کہ تمھاری طرح وہ بھی سرکش قوم تھی مگر جب اللہ کا عذاب آیا تو انہیں دنیا سے نابود کر دیا گیا اور ان کا فرد واحد بھی باقی نہ بچا۔ ارشاد ہوتا ہے وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ آپ تذکرہ کریں قوم عاد کے بھائی یعنی حضرت ہود علیہ السلام کا جو اسی قوم کے ایک فرد تھے اور اللہ نے آپ کو انہی کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ آپ نے لوگوں کو خدا تعالی کا پیغام پہنچایا توحید کا درس دیا اور کفر و شرک کی مذمت بیان کی مگر ان لوگوں نے غرور و تکبر کی بنا پر اس دعوت کو ٹھکرا دیا۔ اس قوم کی ہلاکت کے واقعہ کو اہل عرب بھی جانتے تھے کیونکہ ان کے قصے کہانیوں میں قوم عاد کا ذکر آتا تھا۔ لہذا اللہ نے قوم عاد کا واقعہ اور اس کی ہلاکت کا ذکر کر کے مشرکین مکہ اور عرب کو عبرت دلائی ہے۔

اخوت مختلف اعتبار سے ہوتی ہے۔ کبھی ملکی اعتبار سے، کبھی قومیت کے اعتبار سے، کبھی زبان کی وجہ سے اور کبھی دینی اعتبار سے، جیسا کہ فرمایا كُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَةٌ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں خود قرآن میں بھی موجود ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات - ۱۰) تمام ایمان دار آپس میں بھائی ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر فرماتے تو کہتے یَرْحَمُنَا

اللہ وَاَخَا عَادٍ اللہ تعالیٰ ہم پر بھی رحم فرمائے اور قومِ عاد کے بھائی ہود علیہ السلام پر بھی
حضرت ہود علیہ السلام کا نسب نامہ اس طرح ہے ہود ابن عبداللہ (یا شالخ) ابن
رباح، ابن الخلود، ابن عاد، ابن اوس، ابن اِرم، ابن سام، ابن نوحؑ۔ آپ کی
قوم کا تعلق سامی نسل سے تھا۔ قومِ عاد عرب کے شمال کی طرف آباد تھی اور یہ عادِ اولیٰ
کہلاتی ہے جبکہ قوم ثمود جنوب کی طرف آباد تھی اور عادِ ثانیہ کہلاتی ہے امام
جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب "حسن المحاضرۃ فی احوال المصر والقاھرۃ"
میں لکھا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام مصر کے حاکم مصر ابن بیصر کے زمانے میں
مبعوث ہوئے۔ ملک مصر اسی شخص کے نام سے موسوم ہوا اور یہ شخص طوفان
نوح کے دو ہزار چھ سو سال بعد مرا تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے چار سو اسی سال
تک قوم کو تبلیغ کی مگر وہ ایمان نہ لائی اور کفر و شرک میں ہی مبتلا رہی۔ صرف چند
لوگ ایمان لائے اور باقیوں کو اللہ نے ہلاک کیا۔ اس ہلاکت کے بعد بھی آپ
ڈیڑھ سو سال تک زندہ رہے۔

قومِ عاد کا تذکرہ

قومِ عاد کا تذکرہ سورۃ اعراف، ہود، شعراء، الحاقہ، فجر اور بعض دیگر سورتوں
میں بھی موجود ہے۔ یہ قوم حضرت نوح علیہ السلام کے بعد اس دنیا میں آباد ہوئی۔
بڑے قد آور اور طاقتور لوگ تھے۔ اللہ نے اس مقام پر اختصار کے ساتھ ان کا
ذکر کیا ہے اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ جب ڈرایا ہود علیہ السلام نے
اپنی قوم کو احقاف میں۔ احقاف حقف کی جمع ہے جس کا معنیٰ ریت کا ٹیلہ ہوتا
ہے۔ چونکہ اس علاقہ میں ریت کے بڑے بڑے ٹیلے پائے جاتے ہیں اور طوفان
کے دوران ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے ہیں اس لیے اس پورے
علاقے کو احقاف کے نام سے موسوم کیا گیا ہے یعنی سرخ اور دیگر بڑے بڑے
ریت کے ٹیلوں کی سرزمین۔ یہ لمبا چوڑا خطہ یمامہ، عمان، بحرین، حضرموت اور
مغربی یمن کے درمیان واقع ہے جو صحرائے اعظم الدھنا یا ربع خالی کہلاتا ہے اس
کا کل رقبہ تقریباً تین لاکھ مربع میل ہے۔ قومِ عاد عمان سے لے کر یمن تک اور

نجد سے لے کر حضر موت تک کے اسی علاقہ میں آباد تھی۔ دیگر پرانی اقوام کی طرح اس قوم میں بھی کفر و شرک، غرور و تکبر اور ظلم و جور جیسی بیماریاں پائی جاتی تھیں۔ یہ لوگ اتنے متکبر تھے کہ باقی دنیا کو چیلنج کیا کرتے تھے اور کہتے تھے مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (حٰمٓ السجدۃ-۱۵) کہ ہم سے زیادہ طاقتور دنیا میں کون ہے؟

فرمایا جب ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈرایا وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ اور تحقیق آپ سے پہلے بھی خدا کے ڈرانے والے نبی گزر چکے تھے اور آپ کے بعد بھی آئے۔ آپ سے پہلے آپ کے جد امجد حضرت نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے جنہوں نے ساڑھے نو سو سال تک قوم کو تبلیغ کی مگر صرف ستر یا اسی افراد ایمان لائے اور باقیوں کو اللہ نے طوفان میں غرق کیا۔ حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر بھی ملتا ہے، وہ بھی حضرت ہود علیہ السلام سے پہلے ہوئے ہیں۔ حضرت شیث علیہ السلام کا ذکر اگرچہ قرآن میں نہیں ہے۔ تاہم تاریخ میں ان کا نام بھی آتا ہے۔ ممکن ہے ان کے علاوہ اور نبی اور رسول بھی آئے ہوں جن کا ذکر قرآن پاک میں نہیں ملتا۔ جہاں تک ہود علیہ السلام کے بعد کا تعلق ہے۔ تو آپ کے بعد بھی اللہ کے عظیم المرتبت کئی رسول مبعوث ہوئے حضرت ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، لوط، یونس علیہم السلام عرضیکہ اللہ کے ہزاروں نبی آئے اور پھر انبیائے بنی اسرائیل کی آخری کڑی کے طور پر حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اللہ نے مبعوث فرمایا۔ تو یہاں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ ہود علیہ السلام سے پہلے اور بعد بھی بہت سے ڈرانے والے آئے۔ جنہوں نے اپنی اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی، کفر و شرک سے منع فرمایا اور ان کو ان کے برے انجام سے ڈرایا۔

دعوت توحید

سابقہ انبیاء علیہم السلام کے مشن کی طرح حضرت ہود علیہ السلام نے بھی قوم کو یہی درس دیا اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ کہ لوگو! اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ جن کے سامنے تم نذر و نیاز پیش کرتے ہو

چڑھاوے چڑھاتے ہو، منتیں مانتے ہو، اُن کے سامنے عجز و انکساری کا اظہار کرتے ہو اور انھیں اپنی حاجتوں میں پکارتے ہو۔ وہ تمھارے کسی کام نہیں آسکتے اور نہ ہی انہیں کچھ اختیار ہے۔ ہود علیہ السلام نے مزید فرمایا کہ تمھاری ان کفریہ اور شرکیہ باتوں کی وجہ سے اِنِّیٓ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ مجھے خوف ہے کہ تم بڑے دن کے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ یومِ عظیم سے مراد قیامت کا دن ہے جس دن لوگوں کی سزا یا جزا کے حتمی فیصلے ہوں گے۔ یومِ عظیم سے ایام اللہ بھی مراد ہو سکتے ہیں جنکا ذکر سورۃ ابراہیم میں موجود ہے وَذَكِّرۡهُمۡ بِاَیّٰىمِ اللّٰهِ (آیت - ۵) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو قوم فرعون اور بنی اسرائیل کے پاس بھیج کر حکم دیا کہ اُن کو کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر نورِ ایمان کی طرف لائیں اور انھیں اللہ کے دن یاد دلائیں۔ ایام اللہ سے وہ دن مراد ہوتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو نعمت عطا فرماتا ہے یا اُن کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔
بہر حال ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم اللہ کی گرفت میں نہ آجاؤ۔

اس کے جواب میں قَالُوٓا قوم کے لوگ کہنے لگے اَجِئۡتَنَا لِتَاۡفِكَنَا عَنۡ اٰلِهَتِنَا اے ہود (علیہ السلام) ! کیا تو ہمیں ہمارے معبودوں سے پھیرنا چاہتا ہے۔ صرف ایک خدا کی عبادت کا مطلب تو یہ ہے کہ ہم اُن تمام معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباؤ اجداد پرستش کرتے آئے ہیں۔ کہنے لگے تو کیسی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ سورۃ ہود میں اس بات کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے کہ وہ لوگ کہنے لگے کہ اے ہود! تم تو ہمارے پاس کوئی واضح نشانی بھی لے کر نہیں آئے۔ اور ہم محض تمہارے کہنے سے نہ اپنے معبودوں کو چھوڑیں گے اور نہ تم پر ایمان لائیں گے۔ انہوں نے یہ بھی کہا اِنۡ نَّقُوۡلُ اِلَّا اعۡتَرٰىكَ بَعۡضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوۡٓءٍ (آیت - ۵۴) ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے۔ ہم تو اپنی رسم و رواج اور باپ دادا کے دین کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ تو ہمیں عذاب کی دھمکی دیتا ہے فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ

مِنَ الصّٰدِقِيْنَ اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو ہم پر وہ عذاب لے آجس سے ہمیں ڈراتا ہے، ہم خود ہی اُس سے نپٹ لیں گے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے جواب دیا کہ کسی قوم پر عذاب لانا میرا کام نہیں ہے اور نہ ہی میں اُس کی تاریخ وقوع سے واقف ہوں قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ فرمایا اس بات کا علم تو صرف میرے اللہ کے پاس ہے۔ البتہ اتنی بات یقینی ہے کہ نافرمان لوگ ضرور اس عذاب کا مزا چکھیں گے، وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ آپ نے قوم کو اس بات سے بھی آگاہ فرمایا کہ میرا کام تو یہ ہے وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ کہ میں تم تک وہ چیز پہنچا دیتا ہوں جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے۔ میں منصب خدا کا دین۔ شریعت اور اس کے احکام پہنچانے پر مامور ہوں۔ میں تو حتی الامکان اپنا فرض منصبی پورا کر رہا ہوں۔ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ہی نادان لوگ ہو جو پیغام خداوندی کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ کفر اور شرک پہ مصر ہو اور پھر الٹا چیلنج کرتے ہو کہ جو عذاب لانا ہے لے آ۔ یہ کتنی حماقت کی بات ہے کہ اپنے منہ سے عذاب طلب کر رہے ہو، جب وہ آگیا تو پھر تمہارے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی۔

قوم عاد پہ عذاب

بالآخر قوم پہ عذاب کا وقت آگیا۔ تین سال تک ایک قطرۂ آب بھی نہ برسا اور لوگ سخت قحط کا شکار ہو گئے۔ اس زمانے میں بیت اللہ شریف کی عمارت تو سیلاب کی وجہ سے منہدم ہو چکی تھی مگر پھر بھی لوگ اس جگہ کا طواف کرتے تھے اور وہاں جا کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے تھے۔ جب قوم عاد قحط سالی سے سخت پریشان ہو گئی تو انہوں نے اپنا ایک وفد مکہ مکرمہ بھیجا تاکہ وہاں جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ بارش نازل فرما کر قحط کو دور کر دے۔ یہ وفد مکہ پہنچا اور انہوں نے بیت اللہ شریف والے مقام پہ جا کر دعائیں کیں۔ پھر ایک دن قوم نے دیکھا کہ آسمان پر سیاہ بادل گھر آئے ہیں۔ وہ بڑے

خوش ہوئے کہ کالی گھٹا چھائی ہے، اب بارش ہو گی۔ یہاں پر اللہ نے اسی بات کا ذکر کیا ہے۔ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ جب انہوں نے دیکھا اس (عذاب) کو بادلوں کی شکل میں جو ان کی وادیوں کے سامنے سے آ رہا تھا۔ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا کہنے لگے یہ بادل ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔ اُن لوگوں نے سیاہ بادل دیکھ کر بڑی خوشی منائی کہ تھوڑی ہی دیر میں جل تھل ہو جائے گی اور ہماری مراد بر آئے گی۔ مگر وہ بدبخت نہیں جانتے تھے کہ یہ بادل پانی کی بجائے ان پر آگ کی بارش کرنے والے ہیں۔ مگر اُدھر سے ارشاد ہوا کہ یہ بارش نہیں بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ بلکہ یہ تو وہ عذاب ہے جس کو تم جلدی طلب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ لے آؤ جس کا ہم سے وعدہ کرتے ہو۔ فرمایا رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ یہ ایک تند ہوا ہے جس میں دردناک عذاب پنہاں ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ اللہ نے انگوٹھی کے حلقے کے برابر ہوا کو کھولنے کا حکم دیا۔ جس سے اُن پر شدید عذاب آگیا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِكَتْ الْعَادُ بِالدَّبُوْرِ اللہ نے احزاب کے موقع پر میری مدد مشرقی ہوا سے فرمائی۔ ایسی ٹھنڈی اور تیز ہوا چلائی جس سے حملہ آور مشرکین کے خیمے اکھڑ گئے اور وہ مدینہ کا محاصرہ ختم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس کے برخلاف اللہ نے قومِ عاد کو مغربی ہوا کے ذریعے ہلاک کیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اللہ نے ایسی تند و تیز ہوا بھیجی تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا جو ملیا میٹ کرتی ہے ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے۔ سورۃ الحاقہ میں ہے کہ قومِ عاد کا تیز آندھی کے ساتھ ستیاناس کر دیا گیا سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ جو اُن پر متواتر سات راتیں اور آٹھ دن تک چلتی رہی۔ حتیٰ کہ فرمایا فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ اُن میں سے فردِ واحد بھی باقی نہ بچا بلکہ سب نافرمان ہلاک ہو گئے۔ حضرت ہود علیہ السلام کو حکم ہوا کہ آپ اپنے پیروکاروں کو لے کر فلاں چشمہ کے قریب چلے جائیں۔

آپ نے اللہ کے حکم سے اہل ایمان کے اردگرد ایک لکیر کھینچ دی اور یہ لوگ عذابِ الٰہی سے محفوظ رہے۔ باقی سب آپس میں ٹکرا ٹکرا کر ہلاک ہو گئے۔ اور پھر اُن کی لاشیں زمین پر ایسے پڑی تھیں كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ (الحاقہ - ۷) گویا کھجوروں کے کھوکھلے تنے پڑے ہوں۔ روایات میں آتا ہے۔ کہ یہ عذاب اس قدر شدید تھا کہ اگر کوئی شخص اونٹ پر سوار جا رہا ہے تو ہوا اُسے زمین سے اٹھا کر پٹخ دیتی اور وہ ہلاک ہو جاتا۔ اور آخر اس قوم کی حالت یہ ہو گئی۔ فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ کہ اُن کے ٹھکانوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا، یعنی مکان تو بچ گئے مگر ان کے مکین حتیٰ کہ جانور تک فنا کر دیے گئے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب کبھی آسمان پر بادل اٹھتے تو حضور علیہ السلام پریشان ہو جاتے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایسے ہی ایک موقع پر پریشانی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا، عائشہؓ! مجھے ڈر ہے کہ یہ بادل ویسے ہی نہ ہوں جیسے قوم عاد پر آئے تھے اور انہیں تباہ کر دیا گیا تھا۔ اسی لیے جب تیز ہوائیں چلتیں تو حضور علیہ السلام دعا فرماتے اَللّٰهُمَّ اِنِّىْٓ اَسْئَلُ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَخَيْرَ مَآ اُرْسِلَتْ بِهٖ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَآ اُرْسِلَتْ بِهٖ اے اللہ میں اس ہوا اور جو کچھ اس کے اندر ہے اور جو کچھ یہ ساتھ لے کر آئی ہے۔ اُس کی بہتری کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں ہوا کے شر سے اور جو کچھ اس میں ہے اُس کے شر سے اور جو کچھ یہ ساتھ لے کر آئی ہے۔

بہرحال فرمایا کہ قوم عاد کو ہلاک کر دیا گیا۔ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ہم مجرم لوگوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں، لہٰذا مکے والوں کو خبردار ہونا چاہیے۔ کہ اگر اللہ کی نافرمانی کرنے پر قوم عاد ہلاک ہو سکتی ہے۔ تو اسی جرم میں مشرکین مکہ بھی بچ نہیں سکتے۔ الغرض! اللہ نے قوم عاد کا حال بطور عبرت ذکر کر دیا ہے تاکہ اہل مکہ بھی اپنی فکر کر لیں۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ
سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ
وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا
يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ
ع ۳ ۹ ۴ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى
وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ
الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ
ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ:۔ اور البتہ تحقیق ہم نے اُن کو قدرت دی اُن
چیزوں میں کہ نہیں ہم نے قدرت دی تم کو اُن میں۔
اور بنائے ہم نے اُن کے لیے کان، آنکھیں اور دل
پس نہ کام آئے اُن سے اُن کے کان، نہ اُن کی
آنکھیں اور نہ اُن کے دل کچھ بھی۔ اس واسطے کہ وہ انکار
کرتے تھے اللہ کی آیتوں کا۔ اور گھیر لیا اُن کو اُس
چیز نے جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کرتے تھے ﴿۲۶﴾
اور البتہ تحقیق ہم نے ہلاک کیا تمھارے اردگرد کی
بستیوں کو، اور پھیر پھیر کر بیان کی ہیں ہم نے آیتیں
تاکہ وہ لوٹ آئیں ﴿۲۷﴾ پس کیوں نہیں مدد کی ان کی انھوں

نے جن کو بنا لیا انہوں نے اللہ کے سوا تقرب کے لیے
معبود، بلکہ وہ گم ہو گئے ان سے۔ یہ ان کا جھوٹ تھا
اور وہ جو یہ افتراء کرتے تھے ﴿۲۸﴾

ربط آیات

اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد کے دینِ حق سے انکار اور اُن کے غرور و تکبر کا ذکر کر کے مشرکین مکہ اور عرب کو عبرت دلائی کہ اگر تم نے بھی قومِ عاد کی طرح اللہ کی توحید، اُس کے رسول اور معاد کا انکار کیا، شرک اور کفر سے باز نہ آئے، غرور و تکبر پر مصر رہے تو پھر تمہارا انجام بھی سابقہ اقوام کے انجام ہلاکت سے مختلف نہیں ہوگا۔ اللہ نے قومِ عاد کو ہوا جیسی نرم و نازک چیز کے ذریعے ہلاک کیا جو انسانوں، حیوانوں اور نباتات کی زندگی کا ذریعہ ہے تو جب اس قوم کے تمام نافرمان بچے بوڑھے، مرد، عورتیں سب ہلاک ہو گئے تو پھر اُن کی عمارات کے کھنڈرات کے سوا ان کے علاقہ میں کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔

سابقہ اقوام سے تقابل

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے طریقے سے مشرکین مکہ اور عرب کو بات سمجھائی ہے کہ دیکھو! سابقہ مغرور اقوام کے مقابلے میں تمہارے پاس نہ قوت ہے، نہ مال و دولت اور نہ جتھہ، پھر تم کس چیز پر تکبر کر کے اللہ کے احکام کو ٹھکرا رہے ہو۔ اللہ نے اُن کو بھی اُن کی نافرمانیوں کی وجہ سے تباہ و برباد کیا، تو تم اُن کے نقشِ قدم پر چل کر کیسے بچ سکتے ہو؟ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ البتہ تحقیق ہم نے سابقہ اقوام عاد، ثمود، وغیرہ کو اُن چیزوں میں قدرت دی اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ جن میں تم کو قدرت نہیں دی گئی۔ تمکین کا معنیٰ زمین میں جما دینا، پختہ کر دینا، قوت کے اسباب مہیا کرنا ہوتا ہے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ تم کس بات پر اکڑ رہے ہو، ہم نے دنیاوی ترقی کے اسباب جتنے سابقہ اقوام کو عطا کیے ہیں وہ تمہیں نہیں دیے۔ سورۃ سبا میں فرمایا وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ (آیت - ۴۵) مکے کے مشرکین کس بات پر اکڑتے ہیں انھیں تو سابقہ اقوام کے عشر عشیر یعنی سویں حصے کے برابر بھی مال و دولت، طاقت، جتھہ اور وسائلِ رزق نہیں

عطا کیے گئے۔ سابقہ ادوار میں بڑی بڑی تہذیبیں گزری ہیں، آشوری اور کلدانی ہر لحاظ سے دنیا میں فوقیت رکھتے تھے۔ اللہ نے دنیاوی اعتبار سے اُن کو بڑا ساز و سامان دیا تھا۔ برصغیر میں لوگ ٹیکسلا، گندھارا، ہڑپہ اور موہنجو دھارو کی تہذیبوں کو وہاں کے عجائب گھروں میں جا کر دیکھتے ہیں اور ان کی کاریگری، نقش و نگار اور صناعی پر حیران ہوتے ہیں۔ قومِ عاد کے پاس اقتدار بھی تھا، اور جسمانی طاقت بھی۔ اللہ نے مصر کے قدیم باشندوں اور فرعونی خاندانوں کو بہت بڑی سلطنت اور ہر قسم کے وسائل مہیا کیے تھے۔ قومِ ثمود کی صنعت و حرفت پر آج بھی لوگ انگشت بدنداں ہیں۔ قدیم چینیوں کی کاریگری اور ادھر اجنتا اور الورا کی تہذیبیں اپنی شان و شوکت کی آج بھی گواہی دے رہی ہیں۔ اس کے برخلاف عربوں کے پاس تو کوئی باقاعدہ سلطنت بھی نہیں تھی۔ قبائلی نظام رائج تھا اور ہر قبیلے کا ایک سردار ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے مکے میں قریش کو بھی سیادت حاصل تھی، مگر اُن کے پاس نہ کوئی فوج تھی، نہ مال و دولت تھی، نہ زراعت کا کر سے نام تک نہ تھا۔ بلکہ وہ وادیٔ غیر ذی زرع کے مکین تھے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ ہم نے سابقہ اقوام کو ایسی قدرت دی جو تمہیں نہیں دی گئی، پھر تم کیسے غرور کرتے ہو؟

اعضائے رئیسہ کی نعمت

اللہ نے فرمایا کہ ہم نے سابقہ اقوام کو قدرت دی وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّ أَبْصَارًا وَّأَفْئِدَةً اور ہم نے اُن کو سننے کے لیے کان، دیکھنے کے لیے آنکھیں اور غور و فکر کے لیے دل عطا کیے۔ یہ تین چیزیں انسان کے اہم اعضاء شمار ہوتے ہیں۔ دل کے ساتھ دماغ بھی شامل ہے کیونکہ قوتِ عملی کا تعلق دل کے ساتھ ہوتا ہے اور غور و فکر کا تعلق دماغ کے ساتھ ہوتا ہے اور پھر دونوں آپس میں مربوط بھی ہیں۔ انسانی جسم کے اعضائے رئیسہ میں دل، دماغ اور جگر آتے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک عضو بھی خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے کیونکہ یہ تینوں بھی آپس میں مربوط ہیں۔ اگر جگر خراب ہو جائے تو قلب اور دماغ بھی کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح قلب خراب ہو جائے تو جگر اور دماغ کسی کام کے نہیں رہتے۔ اور اگر انسان

کا دماغ ہی ماؤف ہو جائے تو پھر قلب اور جگر بھی بیکار ہو جاتے ہیں اور انسان کسی کام کا نہیں رہتا۔ جس طرح انفرادی اور شخصی اعتبار سے اعضائے رئیسہ کا درست ہونا ضروری ہے، اسی طرح نوعی اعتبار سے اللہ نے بقائے نسلِ انسانی کے لیے نظامِ تولید و تناسل کو قائم کر دیا ہے۔

اِن تین چیزوں یعنی کان، آنکھ اور دِل کا ذکر قرآنِ کریم میں کثرت سے آیا ہے۔ دل مرکزِ عقیدہ اور مرکزِ اخلاق ہے جسم کی درستگی کا انحصار دل کی درستگی پر ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ مبارک ہے کہ انسان کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ درست ہے تو سارا جسم درست ہے۔ اور اگر وہ لوتھڑا خراب ہے تو سارا جسم ہی خراب ہوگا، فرمایا اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ خبردار! وہ لوتھڑا دِل ہے۔ اخلاقِ حسنہ، محبت، نفرت یا اخلاقِ سیئہ کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ اللہ نے کافروں کے متعلق فرمایا کہ دوزخ کی آگ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَۃِ (الھمزۃ ۔۷) سب سے پہلے دلوں پر اثر انداز ہوگی اور اس کے بعد یہ ظاہری اعضا پر پڑے گی۔

دیگر دو چیزوں کان اور آنکھوں کو انسانی جسم میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ دونوں اعضاء انسان کے لیے علم کا ذریعہ ہیں۔ انسان کانوں کے ذریعہ سن کر اور آنکھوں سے دیکھ کر معلومات حاصل کرتا ہے۔ البتہ کان کی اہمیت آنکھ سے بھی زیادہ ہے کیونکہ آنکھ تو صرف نظر آنے والی چیز کا ہی احاطہ کر سکتی ہے۔ مگر کان ہر ظاہر و باطن شنیدہ چیز سے بہت سی معلومات حاصل کر لیتے ہیں۔ کان اور آنکھیں کسی چیز کو سن کر یا دیکھ کر دماغ تک پہنچاتی ہیں اور اس طرح غور و فکر کے بعد انسان کی سمجھ میں شنیدہ یا دیدہ چیز سمجھ میں آجاتی ہے۔

اللہ نے یہ عظیم نعمتیں انسان کو عطا فرمائیں مگر اکثر انسانوں نے اِن اعضاء کو صحیح طریقے سے استعمال نہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ فَمَآ اَغْنٰی عَنْھُمْ سَمْعُھُمْ

وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ کہ نہ فائدہ دیا اُن کو اُن کے کانوں نے، اور نہ اُن کی آنکھوں سنے اور نہ اُن کے دلوں نے کچھ بھی۔ اور پھر یہ لوگ اندھے اور بہرے بن گئے، حق کو قبول کرنے کی بجائے انبیاء کی مخالفت شروع کر دی اور اس طرح ہمیشہ کی ناکامی کا شکار ہو گئے۔ اللہ نے انسان کو اِن اعضاء سمیت عذاب میں مبتلا کر دیا اور کوئی اندرونی یا بیرونی طاقت اُس کو جہنم کی آگ سے نہ بچا سکی۔ اسی لیے فرمایا کہ اُن کے کانوں، آنکھوں اور دلوں نے انہیں کچھ فائدہ نہ پہنچایا۔

شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اِن اعضاء کے ذریعے دنیاوی امور کو تو خوب سمجھتے تھے مگر معاد کے معاملہ میں بالکل صفر تھے۔ سورۃ العنکبوت میں فرمایا کہ شیطان نے اُن کے اعمال کو انھیں مزین کر کے دکھایا اور انھیں سیدھے راستے سے روک دیا۔ وَکَانُوْا مُسْتَبْصِرِیْنَ (آیت۔ ۳۸) حالانکہ وہ دیکھنے والے لوگ تھے۔ مگر دنیا کے اعتبار سے۔ دنیا کے نفع نقصان اور اونچ نیچ کو خوب سمجھتے تھے، بڑے بڑے صنعتکار، تاجر، انجنیئر اور سائنسدان تھے۔ انہوں نے دنیاوی فائدے کے لیے بڑی بڑی ایجادات کیں، انسانی آرام و آسائش کے بڑے سامان پیدا کیے لیکن وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ (الروم۔ ۷) آخرت کے معاملہ میں یکسر غافل اور بے سمجھ تھے۔ انہوں نے نہ تو عالمِ برزخ پر یقین کیا، نہ آخرت کی منزلوں کا تعین کر سکے اور نہ جزا و سزا کے مسئلہ کو جان سکے۔ گویا وہ فکرِ معاش میں تو بڑے ماہر تھے مگر فکرِ معاد سے یکسر خالی تھے۔

فرمایا اُن کے اعضائے رئیسہ اُن کے کچھ کام نہ آئے کیونکہ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وہ آیاتِ الٰہی کا انکار کرتے تھے۔ اُن میں اندھا پن اور بہرہ پن پیدا ہو چکا تھا۔ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ اور پھر اُس چیز نے اُن کو گھیر لیا جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کیا کرتے تھے۔ وہ بعث بعد الموت، حساب کتاب، جزائے عمل اور جنت دوزخ کا انکار کرتے تھے، بلکہ ان کا تمسخر اڑاتے تھے لہٰذا انہی چیزوں نے عذاب کی صورت میں اُن کو گھیر لیا اور وہ اِن

سے نجات حاصل کرنے کے قابل نہ ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی توحید، اُس کی صفات، اور اُس کی تقدیر پر ایمان لے آتا ہے تو پھر اُس کے اور عالمِ بالا کے درمیان ایک دروازہ کھل جاتا ہے، اُس کو باطنی طور پر بصیرت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ اس وحدانی نظام کو سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اگر وہ شخص اِن چیزوں پر ایمان نہیں لاتا تو مذکورہ دروازہ بند ہی رہتا ہے اور انسان حجابِ سوءِ معرفت کا شکار ہو کر دنیا سے چلا جاتا ہے۔ اس میں ایمان کی روشنی پیدا نہیں ہو پاتی اور نہ دل میں بصیرت پیدا ہوتی ہے۔

سابقہ اقوام کی ہلاکت

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ مکہ کے سامنے سابقہ اقوام کی ہلاکت کو بطور مثال پیش کر کے اُن کو عبرت دلائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى اور البتہ تحقیق ہم نے تمہارے اردگرد کی بستیوں کو بھی ہلاک کیا۔ اِن بستیوں سے مراد قومِ عاد کی بستیاں نہیں کیونکہ وہ مکے سے دور تھیں اُن کا زمانہ بھی بہت پہلے کا تھا اور مکے والوں کی اُس کی طرف آمد و رفت بھی نہیں تھی۔ البتہ اِن بستیوں سے مراد قومِ ثمود اور قومِ لوط کی بستیاں تھیں۔ اِن قوموں کے واقعات اہلِ مکہ کے قصے کہانیوں میں بھی ملتے تھے، نیز جب یہ شام کے تجارتی سفر پر جاتے تھے۔ تو ان اقوام کی اجڑی ہوئی بستیوں پر سے گزرتے اور اِن کا خود مشاہدہ کرتے تھے۔ بحرِ میت کے کنارے قومِ لوط کی بستیوں کے کھنڈرات تھے جب کہ وادیٔ تبوک میں قومِ ثمود کے آثار ملتے تھے فرمایا، یہ لوگ بھی تمہاری طرح نافرمان تھے، لہٰذا ہم نے ان کو بھی ہلاک کیا اور تم ان کے حالات سے باخبر بھی ہو فرمایا وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ اور ہم آیات کو پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں۔ آیات سے مراد نشانیاں، معجزات، احکام، دلائل، تمثیلات ہیں جو اللہ نے مختلف مقامات پر مختلف عنوانات کے تحت بیان کر دیے ہیں تاکہ یہ لوگ ان نقصانات سے عبرت حاصل کریں اور ہدایت کی طرف پلٹ آئیں۔

معبودانِ باطلہ کی بے بسی

توحید کا مسئلہ سمجھانے کے لیے اللہ نے مختلف طریقے اختیار کیے ہیں۔ جیسا کہ یہاں
پھر فرمایا فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا
اٰلِهَةً پھر کیوں نہ مدد کی اُن لوگوں کی ان معبودانِ باطلہ نے جن کو انہوں نے اللہ کے
سوا تقرب کے لیے الٰہ بنا رکھا تھا۔ تمام پرانے اور نئے مشرکوں نے اللہ کے
سوا بہت سے معبود بنا رکھے تھے جن کے متعلق اُن کا زعم تھا مَا نَعْبُدُهُمْ
اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر-۳) ہم تو ان کی عبادت محض اس لیے
کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا تقرب دلا دیتے ہیں۔ بعض یوں کہتے تھے کہ ہماری عبادت
اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتی بلکہ ان مقربین کی عبادت میں شامل ہو کر ہماری عبادت
بھی قبول ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ہم ان کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف
حقیقت یہ ہے کہ جو بھی عبادت صحیح عقیدے، صحیح فکر اور خلوصِ نیت سے
کی جائے اللہ تعالیٰ اُسے قبول فرماتا ہے۔ وہ ہر ایک کی فریاد کو براہ راست
سنتا ہے اور خدا اور بندے کے درمیان کسی واسطے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ واسطے
کا مسئلہ مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کو دُنیا کے بادشاہوں پر قیاس کر کے بنا رکھا ہے کہ جس طرح
کسی حاکم یا بادشاہ تک پہنچنے کے لیے اُس کے امیروں وزیروں کا واسطہ ضروری
ہے، اسی طرح خدا سے ملاقات کے لیے بھی درمیان میں بعض معبودان کی ضرورت
پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ساری کی ساری مخلوق انسان، جن، فرشتے، درندے، پرندے،
کیڑے مکوڑے غرضیکہ سب کا رب ہے اور اس کا تعلق اپنی ساری مخلوق کے
ساتھ قائم ہے۔ اُس نے مخلوق میں سے کسی کو کوئی اختیار نہیں دے رکھا کہ فلاں کام
میری بجائے تم کر دینا، غرضیکہ ہر چیز کا رب، مدبر اور متصرف تو خدا تعالیٰ ہے لہٰذا
جو لوگ اللہ کی گرفت میں آ گئے اُن کو کون بچا سکتا ہے؟ اسی لیے فرمایا کہ تمہارے
لات، منات، عزیٰ اور ہبل جن کی نذر و نیاز مانتے ہو، جن کے سامنے سجدہ ریز
ہوتے ہو، جن سے حاجات طلب کرتے ہو اور جن کے نام کی دہائی دیتے ہو، مصیبت کے
وقت انہوں نے تمہاری کوئی مدد نہ کی بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ بلکہ وہ تو اُن سے گم ہو

گئے۔ جب اُن میں سے کوئی نظر ہی نہ آیا تو وہ مدد کیا کرتے؟ یہ توحید کا اثبات اور شرک کی تردید بیان کی جا رہی ہے۔

فرمایا وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ یہ تو اُن کا محض جھوٹ تھا کہ فلاں بھی ہماری مدد کرسکتا ہے اور فلاں کو بھی اختیار حاصل ہے کہ وہ جنت کا ٹکٹ دے سکتا ہے عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مختار مطلق بنا دیا ہے وہ اپنے نام نہاد پیروکاروں کی حاجات پوری کرتے ہیں اور اُن کی بگڑی بناتے ہیں اور پھر قیامت والے دن سب کو ساتھ لے کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ نجومی ستاروں کو متصرف خیال کرتے ہیں اور اُن کی پوجا کر کے اُن سے حاجات طلب کرتے ہیں۔ اُدھر آج کے نام نہاد مسلمان اہلِ قبور کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہوئے اُن کے سامنے اپنی حاجات پیش کرتے ہیں اور اُن سے اولاد رزق اور دُنیا کی دیگر ضروریات طلب کرتے ہیں۔ فرمایا یہ نرا جھوٹ ہے۔ اللہ نے کسی کو کوئی اختیار نہیں دیا۔ اللہ کی ساری مخلوق خواہ وہ انسان ہوں یا جن، ملائکہ مقربین ہوں یا انبیاء سب اُسی کے محتاج ہیں اور اسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرتے ہیں یَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الرحمٰن - ۲۹) زمین و آسمان کی ہر مخلوق اُس اللہ وحدہٗ لاشریک کے در کی سوالی ہے "نداریم غیر از تو فریاد رس" اُس کے علاوہ کوئی کسی کی فریاد رسی کرنے والا نہیں ہے۔ نہ کوئی ما فوق الاسباب پکار سنتا ہے اور نہ مدد کرتا ہے۔ فرمایا یہ اُن کا جھوٹ تھا وَمَا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ اور جو کچھ یہ من گھڑت باتیں کرتے تھے سب جھوٹ کا پلندہ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے پیچھے گزر چکا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے بھی قوم کو یہی کہا اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ (آیت - ۲۱) اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اس کے سوا کوئی قادر مطلق علیم کل مشکل کشا اور حاجت روا نہیں ہے لہٰذا اسی کی عبادت کرو اور اسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرو۔

درس ہشتم ۸ آیت ۲۹ تا ۳۲

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا
حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ
مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ
بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى
الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ
اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ
عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ
بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ
اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾

ترجمہ:۔ اور جس وقت پھیر دیا ہم نے ایک گروہ آپ کی طرف جنات میں سے، سنتے تھے وہ قرآن۔ پس جب وہ وہاں پہنچے تو کہنے لگے خاموش رہو پس جب وہ ختم کیا گیا تو پلٹے وہ اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے ہوئے ﴿۲۹﴾ کہنے لگے، اے ہماری قوم کے لوگو! بےشک ہم نے سنی ہے ایک کتاب جو اتاری گئی ہے موسیٰ علیہ السلام کے بعد، وہ تصدیق کرنے والی ہے ان کی جو اس سے پہلے ہیں (کتابیں) وہ راہنمائی کرتی ہے حق کی طرف اور سیدھے راستے کی طرف ﴿۳۰﴾ اے ہماری قوم کے لوگو! قبول کرو اللہ

کی طرف بلانے والے کی بات کو اور ایمان لاؤ اس پر وہ بخشے گا تم کو تمہارے گناہوں میں سے اور پناہ دے گا تم کو دردناک عذاب سے (۳۱) اور جو شخص نہیں قبول کریگا اللہ کی طرف بلانے والے کی بات کو، پس نہیں وہ عاجز کرنے والے زمین میں، اور نہیں اس کے لیے اس کے سوا کوئی مددگار، یہی لوگ ہیں صریح گمراہی میں پڑے ہوئے (۳۲)

ربط آیات

سورۃ ہذا حوامیم سبعہ کی آخری سورۃ ہے۔ اِن تمام سورتوں میں اسلام کے بنیادی عقائد اور اصول ہی بیان کیے گئے ہیں۔ توحید کا اثبات اور شرک کی تردید ان سورتوں کا خاص موضوع ہے۔ اسی ضمن میں گذشتہ آیات میں اللہ نے قومِ عاد کا ذکر کیا کہ وہ بڑے متکبر لوگ تھے۔ اللہ کے نبی ہود علیہ السلام نے اُن کو احقاف کے مقام میں اللہ کی گرفت سے ڈرایا اور صاف فرمایا اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰہَ (آیت - ۲۱) یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، مجھے خطرہ ہے، کہ کہیں تم بڑے دن کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ اللہ نے اس مغرور قوم کا ذکر اہل مکہ کو سمجھانے کے لیے کیا اور فرمایا کہ قومِ عاد تو تم سے زیادہ طاقتور تھی، اُن کے پاس ساز و سامان بھی زیادہ تھا، اُن کو اقتدار اور حکومت بھی عطا کی گئی تھی سورۃ سبا میں ہے کہ تمہیں تو اُن کا عشرِ عشیر بھی نہیں دیا گیا۔ جب وہ اور اُن جیسی دوسری اقوام اپنے غرور و تکبر اور انکار توحید و رسالت اور معاد کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں تو یاد رکھو! تمہارا حشر بھی اُن سے مختلف نہیں ہو گا۔ لہٰذا سمجھ جاؤ اور اللہ کی توحید پر ایمان لے آؤ۔

اللہ نے قومِ عاد کے علاوہ مکے کے گرد و نواح کی بعض اقوام کا بھی ذکر کیا اِن اقوام سے مراد قومِ لوط اور قومِ ثمود ہیں۔ مکے کے لوگ تجارتی سفر پر جاتے تھے تو اِن ہلاک شدہ اقوام کی عمارات کے کھنڈرات اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ ویسے بھی اِن قوموں کے حالات مکے والوں کے قصے کہانیوں میں ملتے تھے، اس

لیے اللہ نے ان اقوام کا تذکرہ کر کے بھی مشرکین مکہ اور عرب کو سمجھایا کہ کفر و شرک سے باز آجاؤ، غرور و تکبر کو چھوڑ دو اور اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کر لو۔ مگر وہ لوگ نہ مانے اور بالآخر انہیں بھی عذابِ الٰہی کا شکار ہونا پڑا۔

جنوں کا قرآن سننا

اب اسی ضمن میں اللہ نے جنوں کے ایک گروہ کا ذکر فرمایا ہے اور اہل مکہ کی توجہ دلائی ہے کہ اصلاً اور اولاً ہدایت کا سلسلہ تو اللہ نے انسانوں کے لیے قائم کیا تھا کہ مگر یہ انسانوں کی بدبختی ہے کہ انہوں نے تو اس کو قبول نہ کیا، اس کے برخلاف جنوں کے ایک گروہ نے اللہ کا کلام حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے سنا تو فوراً ایمان لے آئے۔ آج بھی صورتِ حال یہ ہے کہ جو شخص غرور و تکبر اور تعصب و عناد سے بالاتر ہو کر آیاتِ الٰہی میں غور و فکر کرے گا۔ وہ ضرور خدا تعالیٰ کی توحید کو پالے گا اور کفر و شرک سے باز آجائے گا۔ بہر حال اللہ نے جنات کا واقعہ اس طرح بیان فرمایا ہے وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ اس واقعہ کو اپنے دھیان میں لاؤ جب ہم نے جنات کے ایک گروہ کو آپ کی طرف پھیر دیا یعنی متوجہ کر دیا۔ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ وہ جنات قرآن پاک سننے لگے۔ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا پس جب وہ اس موقع پر پہنچے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ خاموش رہو یعنی قرآن پاک کو خاموشی کے ساتھ دل لگا کر سنو۔ فَلَمَّا قُضِيَ پھر جب وہ تلاوت ختم ہو گئی۔ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ تو وہ جنات اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے ایاندار، ہدایت یافتہ اور ڈرانے والے بن کر۔

جنات پر پابندی

جن خدا تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے اور انسانوں کی طرح یہ بھی مکلف ہے۔ جن کا معنیٰ ہی پوشیدہ ہے کیونکہ یہ مخلوق انسانی نظروں سے مخفی ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی جن کو کسی دیگر شکل میں دکھا دے تو یہ عین ممکن ہے مگر ان کی اصل شکل کو اللہ نے پوشیدہ ہی رکھا ہے۔ کیونکہ انسان ان کی اصلی شکل کو برداشت نہیں کر سکتے۔ جنات کی تخلیق حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے ہوئی اور یہ آج بھی دنیا میں موجود ہیں۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ نزولِ قرآن سے پہلے جنات اور شیاطین

اُوپر آسمانوں کی طرف جاتے تھے اور فرشتوں کی کچھ نہ کچھ گفتگو سُن لیتے تھے۔ مگر اِن پر اُس وقت بھی کسی حد تک پابندی عائد تھی اور فرشتے اِن کی آمد پر مزاحمت بھی کرتے تھے تاکہ یہ خدائی پروگرام میں دخل انداز نہ ہوں، تاہم یہ پابندی اتنی سخت نہیں تھی اور یہ عالمِ بالا کی کچھ نہ کچھ معلومات حاصل کر لیتے تھے۔ اس کی مثال ایسے سمجھیں کہ اگرچہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں آمدورفت کے لیے پاسپورٹ اور ویزا کی پابندیاں ہر جگہ موجود ہیں مگر پاکستان اور افغانستان کے درمیان وہاں پر جاری جنگ کی وجہ سے بہت حد تک نرم ہیں اور وہاں کے باشندے پاکستان میں پناہ حاصل کر رہے ہیں اور یہاں سے بھی مجاہدین کی امداد و اعانت آسانی سے ہوتی رہتی ہے۔

بہرحال جب قرآن کا نزول شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر پہرے بٹھا دیے تاکہ کوئی جن یا شیطان اوپر آکر وحی الٰہی میں خلل اندازی نہ کر سکے۔ چنانچہ جب کوئی جن اُوپر جانے کی کوشش کرتا تو اللہ کے حکم سے فرشتے اس پر شہاب پھینکتے جن کی زد میں آکر بعض جنات ختم ہو جاتے، بعض زخمی ہو جاتے اور بعض بھاگ جاتے۔ اس بات کا ذکر سورۃ جن میں خود جنات کی زبان سے اس طرح کیا گیا ہے۔ وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا (آیت-۸) ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اُس کو مضبوط پہرہ داروں اور انگاروں سے بھرا ہوا پایا۔ اور یہ بھی کہ پہلے ہم خبریں سننے کے لیے بہت سے مقامات پر بیٹھا کرتے تھے۔ اب کوئی سُننا چاہے تو اپنے لیے شہاب تیار پاتا ہے۔ اب اِن جنات اور شیاطین نے شمالی عراق میں واقع نصیبین کے مقام پر اس غرض سے ایک اجتماع منعقد کیا کہ پتہ چلایا جائے کہ انہیں اوپر جانے سے کیوں روک دیا گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے آپس میں طے کیا فَاضْرِبُوْا مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا (صحیح بخاری شریف) یعنی زمین کے مشرق و مغرب میں جاکر تلاش کرو کہ کیا معاملہ ہے، ہمیں اوپر جانے سے کیوں روک دیا گیا ہے۔؟

مقامِ واقعہ

مفسرین کا اس معاملہ میں اختلاف ہے کہ جنوں کے قرآن سننے کا واقعہ کہاں پیش آیا۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ حضور علیہ السلام کے طائف سے واپسی کے سفر

کے دوران پیش آیا۔ جب آپ مکے والوں سے بالکل مایوس ہو گئے۔ یہاں آپکی دعوت کو قبول کرنے کی بجائے لوگوں کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو آپ نے طائف کا سفر اختیار کیا تاکہ وہاں کے لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچائیں، شاید انہی کی سمجھ میں بات آجائے، مگر وہاں بھی آپ کو مایوسی ہوئی، بلکہ وہاں کے سرداروں کے ایما پر غنڈوں نے آپ کو پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا، اور آپ وہاں سے واپس مکے کی طرف روانہ ہو گئے اور اس دوران یہ واقعہ پیش آیا۔

تاہم بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مذکورہ واقعہ طائف کے سفر والا نہیں بلکہ یہ اُس سفر کے دوران پیش آیا جب آپ تبلیغ حق کے لیے عکاظ کی منڈی میں تشریف لے جا رہے تھے۔ مکے کے اطراف میں کئی ایک سالانہ منڈیاں لگتی تھیں جو ایک ایک دو دو ماہ تک جاری رہتیں۔ ان منڈیوں میں مختلف علاقوں سے لائی گئی اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی۔ نیز ان مواقع پر بعض ثقافتی پروگرام مثلاً شعر و شاعری اور خطابت کے مقابلے ہوتے۔ کھیل تماشے اور گانا بجانا ہوتا جن سے ان میلوں میں شامل لوگ مستفید ہوتے۔ اس قسم کی منڈیوں میں عکاظ اور ذوالمجاز کی منڈیاں خاص طور پر مشہور تھیں۔ بہر حال حضور علیہ السلام عکاظ کی منڈی میں اپنے بعض ساتھیوں کے ہمراہ جا رہے تھے تو راستے میں یہ واقعہ پیش آیا۔ آپ نے نخلہ کے مقام پر اپنے ساتھیوں کے ساتھ نمازِ فجر ادا فرمائی اور حسب معمول اُس میں لمبی قرأت فرمائی کیونکہ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا (بنی اسرائیل - ۷۸) فجر کا وقت فرشتوں کی تبدیلی کا وقت ہوتا ہے اور یہ اُس وقت حاضر ہوتے ہیں اور انسانوں کے اعمال لے کر اُوپر جاتے ہیں۔ چنانچہ نماز کے دوران نصیبین کے جنات کا ایک گروہ وہاں آیا۔ اور انہوں نے حضور علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے قرآن سنا۔ ان جنات کی تعداد پانچ، سات یا نو تھی۔

جنات کا ایمان لانا

بہر حال ان جنات نے حضور علیہ السلام کو نماز ادا کرتے اور قرآن پڑھتے دیکھا۔ جب نماز ختم ہوئی تو یہ جنات فوراً ایمان لے آئے اور واپس اپنے مقام

کی طرف چلے گئے۔ اِن کو جنات کے آسمانوں کی طرف جانے پہ پابندی کی وجہ بھی معلوم ہو گئی کہ یہی وہ کلام ہے جس کی حفاظت کے لیے اُن کا اوپر جانا بند کر دیا گیا ہے تو یہاں پر اسی بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ یہ جنات جب اپنی قوم کی طرف لوٹے تو منذر بن کر لوٹے۔ وہ خود تو ایمان لا چکے تھے، انہوں نے دوسرے جنات کو بھی گرفتِ الٰہی سے ڈرانے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔

ترمذی شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ جو صحابہ کرامؓ حضور علیہ السلام کی مجلس میں آتے تھے وہ طلبگار بن کر آتے تھے اور ہادی بن کر نکلتے تھے۔ اِن جنات کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا کہ وہ بھی منذر یعنی ہادی اور ڈرانے والے بن کر واپس پلٹے۔ اِس موقع پر انہوں نے حضور علیہ السلام سے باقاعدہ ملاقات نہیں کی بلکہ صرف قرآن ہی سنا اور واپس چلے گئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ السلام کو تو علم بھی نہیں ہوا کہ جنات کا کوئی گروہ حاضر ہوا تھا، جو قرآن سُن کر ایمان لا کر واپس چلا گیا ہے۔ البتہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ معجزانہ طور پر ایک درخت نے آپ کو اجمالی طور پر بول کر بتلا دیا تھا کہ اس طرح جنات کا ایک گروہ آیا تھا اور وہ قرآن سُن کر چلے گئے ہیں۔ اس کے بعد سورۃ جن نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کی تفصیل بیان فرما دی۔ الغرض! مطلب یہ ہے کہ غیر متعصب جنات نے قرآن سُنا، تو انہوں نے ایمان قبول کر لیا مگر اِدھر مکے کے مشرکین کی حالت یہ ہے کہ انسان ہونے کے باوجود اور قرآن سُننے کے باوجود ایمان نہیں لاتے۔ افسوس کا مقام ہے کہ نبی علیہ السلام کے ہم جنس، ہم قوم اور ہم زبان ہونے کے باوجود ایمان سے محروم ہیں۔

جس طرح انسانوں کے مختلف خاندان، مذاہب اور فرقے ہیں، اسی طرح جنات بھی مختلف گروہوں، خاندانوں اور مذاہب میں منقسم ہیں۔ چونکہ جنات انسانوں

کے تابع ہیں۔ اس لیے اللہ نے اِن کی طرف کوئی مستقل رسول نہیں بھیجا بلکہ اِن کی طرف منذر آتے رہتے ہیں۔ جو انہیں سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتے رہتے ہیں اِن کو واعظ، ہادی، مبلغ یا راہنما بھی کہہ سکتے ہیں جو جنات کو اُن کے بُرے انجام سے ڈرا کر نیکی کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ جنات کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق سے بہت پہلے فرمائی تھی، لہٰذا مذکورہ منذر انسان کی تخلیق سے پہلے بھی آتے تھے اور اُس کے بعد بھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ روایت اگرچہ قوی نہیں ہے مگر امام بیہقیؒ نے اسے دلائل نبوت میں ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے بعض ساتھیوں کے ہمراہ کہیں سفر پر جا رہے تھے کہ بڑی تیز آندھی آئی اور طوفان برپا ہو گیا۔ یہ لوگ دبک کر بیٹھ گئے۔ جب وہ طوفان تھما تو آپ کے ساتھیوں میں سے حضرت صفوان بن معطلؓ نے ایک سانپ مردہ پڑا پایا۔ انہوں نے اپنی چادر کو پھاڑ کر دو حصوں میں تقسیم کیا اور ایک حصے میں اُس مردہ سانپ کو لپیٹ کر دفن کر دیا۔ جب رات ہوئی تو ان لوگوں کے پاس دو عورتیں آئیں اور انہوں نے دریافت کیا کہ اُن میں سے عمرو ابن جابر کو کس نے دفن کیا ہے۔ جب انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو اُن عورتوں نے وضاحت کی کہ جس مردہ سانپ کو تم نے دفن کیا ہے۔ وہ اُن جنات میں سے تھا جنہوں نے حضور علیہ السلام سے قرآن سن کر ایمان قبول کیا تھا واقعہ یہ ہوا کہ مومن اور کافر جنات کی آپس میں جنگ ہوئی تھی جس میں عمرو ابن جابر نے جامِ شہادت نوش کیا اور تم نے اِن کو چادر میں لپیٹ کر دفن کر دیا۔ آپ کو اس کا ضرور اجر ملے گا۔ اس قسم کا واقعہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے بھی منسوب ہے آپ کو خواب کے ذریعے بتایا گیا تھا کہ اُن کے ایک ساتھی نے جس سانپ کو دفن کیا تھا۔ وہ ایک مومن جن تھا۔ غرضیکہ جنات کے ایمان لانے کی تصدیق اِن روایات سے بھی ہوتی ہے۔

بہرحال جب جنات کا گروہ قرآن سننے اور ایمان لانے کے بعد اپنی قوم کتاب الٰہی کی تصدیق

میں واپس گیا قَالُوْا یٰقَوْمَنَآ تو وہ کہنے لگے اے ہماری قوم کے لوگو! اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی بے شک ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے۔ بلاشبہ قرآن پاک موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ تورات کے بعد نازل ہوا، مگر اس کے بعد انجیل بھی تو اللہ نے نازل فرمائی ہے جس کا تذکرہ اُن جنات نے نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جنات یہودی ہوں اور صرف تورات پر ایمان رکھتے ہوں، اس لیے انہوں نے صرف موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب کا ہی ذکر کیا۔ یا اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ انجیل کی نسبت تورات کی شہرت زیادہ پائی جاتی تھی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ عظمت اور جامعیت کے اعتبار سے کُتبِ سماویہ میں قرآن کے بعد تورات کا نمبر ہے کہ اس میں شرائع الٰہیہ اور دیگر احکام زیادہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ بہرحال فرمایا کہ ہم نے ایک کتاب سنی ہے مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ جو اپنے سے پہلے کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن پاک دیگر تمام کُتبِ سماویہ اور صحائف کی تصدیق کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں اور برحق ہیں۔ کہنے لگے کہ ہم نے جس کتاب کو سنا ہے اُس کی ایک صفت یہ بھی ہے یَھْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ کہ وہ سچے دین اور سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔

ایمان کی دعوت

جنات کا مذکورہ گروہ خود تو ایمان قبول کر چکا تھا، اب انہوں نے اپنی قوم کو بھی دعوت دی۔ کہنے لگے یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰہِ اے ہماری قوم کے لوگو اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرو۔ اس سے مراد حضور علیہ السلام کی ذاتِ مبارکہ ہے کہ آپ لوگوں کو دعوتِ توحید دیتے تھے۔ کہنے لگے اُس دعوت کو قبول کرو۔ وَاٰمِنُوْا بِہٖ اور اُس پر ایمان لے آؤ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی کی نبوت و رسالت کو دل سے قبول کر لو۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا۔ یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں میں سے (کچھ) معاف کر دے گا۔ یہاں پر تمام گناہوں کی بخشش کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس کے متعلق مفسرین کرام بیان کرتے

ہیں کہ انسان پر حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں قسم کے حقوق کی پابندی لازم ہے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتا ہے تو وہ اپنے حقوق تو معاف کر دیتا ہے مگر حقوق العباد کی معافی اسی صورت میں ہوتی ہے جب کہ خود صاحب حق معاف کرے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں پر سارے گناہوں کی بجائے بعض کی معافی کا وعدہ فرمایا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نہ صرف گناہ معاف کر دے گا بلکہ وَيُجِرْكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ تمہیں دردناک عذاب سے بھی پناہ دے دیگا۔

اس مقام پر مفسرین اور ائمہ دین اس مسئلہ میں بحث کرتے ہیں کہ کیا جنات بھی جنت میں جائیں گے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں بعض فرماتے ہیں کہ جنات انسانوں سے کمتر مخلوق ہے، لہٰذا یہ جنت میں نہیں جائیں گے، البتہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بعض عذاب سے بچ جائیں گے اور ان کو جانوروں کی طرح حکم ہوگا۔ کہ مٹی ہو جاؤ اور وہ ختم ہو جائیں گے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ نے توقف کی روایت بیان کی ہے کہ ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ بعض دوسرے مفسرین کا خیال یہ ہے کہ انسانوں کی طرح اپنے اپنے عقیدہ اور عمل کے مطابق جنات بھی جنت یا جہنم میں جائیں گے۔

جنات کے گروہ نے ایمان کی دعوت کو قبول کرنے والوں کی جزا کا ذکر کیا اور ساتھ یہ بھی کہا وَمَن لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللَّهِ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول نہیں کرے گا فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وہ زمین میں عاجز نہیں کر سکے گا۔ یعنی وہ خدا تعالیٰ کی گرفت سے بھاگ کر کہیں جا نہیں سکے گا کہ عذاب الٰہی سے بچ جائے وَلَيْسَ لَهُ مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءُ اور نہ ہی اس کے لیے خدا تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار ہوگا۔ جو اُسے عذاب سے چھڑا سکے، مکے اور عرب کے مشرکوں کے متعلق پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی فریاد رس نہیں ہوگا۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ کہ یہ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں انہوں نے عقیدۂ توحید کو تسلیم نہ کیا، رسالت اور قیامت کا انکار کیا۔ یہ لوگ گمراہی میں ڈوبے ہوئے ہیں اور خدا تعالیٰ کی گرفت میں آکر رہیں گے۔

درس نہم ۹ — آیت ۳۳ تا ۳۵

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ
يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ ۚ بَلَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٣﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ
أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ۖ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ
بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٤﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ
الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ ۚ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا
يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ ۚ بَلَاغٌ ۚ فَهَلْ
يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٣٥﴾ ع ٤

ترجمہ:- کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کی ذات
وہ ہے کہ جس نے پیدا کیے ہیں آسمان اور زمین اور وہ
نہیں تھکا اُن کی تخلیق سے۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ اس پر
بھی قادر نہیں ہے کہ مُردوں کو زندہ کر دے؟ کیوں
نہیں، بیشک وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿٣٣﴾
اور جس دن پیش کیے جائیں گے وہ لوگ جنہوں نے
کفر کیا دوزخ کی آگ پر (تو اُن سے کہا جائے گا) کیا یہ
حق نہیں ہے؟ وہ کہیں گے کہ کیوں نہیں اور ہمارے
ربّ کی قسم۔ اللہ فرمائے گا، پس چکھو عذاب اُس کے
بدلے جو تم کفر کیا کرتے تھے ﴿٣٤﴾ (اے پیغمبر!) پس

آپ صبر کریں جیسا کہ صبر کیا بڑی ہمت والے رسولوں نے
اور آپ جلدی نہ کریں ان لوگوں کے لیے ۔ جس دن یہ
دیکھیں گے اس چیز کو جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے
گویا کہ وہ نہیں ٹھہرے مگر ایک گھڑی بھر دن میں ، یہ پہنچا
دینا ہے ، پس نہیں ہلاک کیے جائیں گے مگر وہ لوگ جو نافرمان
ہیں ﴿۳۵﴾

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے رد میں جنات کا ذکر کیا کہ جب انہوں نے قرآن پاک سُنا تو ایمان قبول کر لیا اور وہ اپنی قوم کی طرف منذر بن کر لوٹے ۔ اس کے برخلاف مشرکین مکہ و عرب کی حالت یہ ہے کہ پیغمبر آخرالزمان علیہ السلام کے ہم قوم ، ہم زبان اور ہم مجلس ہونے کے باوجود غرور و تکبر اور ضد و عناد کی وجہ سے ایمان قبول کرنے سے قاصر ہیں ۔

جنات بھی انسانوں کی طرح مکلف ہیں ۔ اگرچہ وہ انسانوں سے کم درجہ رکھتے ہیں ان کی تخلیق کے متعلق سورۃ الحجر میں موجود ہے وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (آیت - ۲۷) انسانوں سے پہلے ہم نے جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جنات اللہ کی ایسی مخلوق ہے جس میں دیگر عناصر کے علاوہ آگ کا عنصر زیادہ مقدار میں پایا جاتا ہے جیسا کہ انسانوں کی تخلیق میں دیگر عناصر کی نسبت مٹی کا عنصر غالب ہے ۔ جنات غیر مرئی مخلوق ہیں اور اللہ نے انہیں شکلیں تبدیل کرنے کا اختیار بھی دے رکھا ہے انسانوں کی طرح ان کے بھی مختلف خاندان ہیں اور ان میں بھی اختلافات پائے جاتے ہیں ۔ انسانوں کی طرح ان کے بھی مختلف مذاہب اور فرقے ہیں ۔

حضور کی بعثت بطرف جنات

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے علاوہ جنات کی طرف بھی مبعوث فرمایا ہے ۔ چنانچہ حضور علیہ السلام ان کو بھی وقتاً فوقتاً تبلیغ فرماتے رہے ۔ اس سورۃ میں مذکورہ واقعہ تو جنوں کا قرآن سن کر از خود ایمان لانے کا ہے تاہم

آپ کی طرف سے جنات کو چھ دفعہ تبلیغ فرمانے کی روایت موجود ہے۔ آپ نے جنات کو چار مرتبہ مکی زندگی میں، ایک مرتبہ مدنی دور میں اور ایک دفعہ سفر میں خطاب فرمایا۔ مذکورہ واقعہ کے بعد بھی جنات کا ایک وفد حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہوں نے آپ سے تعلیم حاصل کی۔ آپ نے مکی دور کا ایک واقعہ بیان کیا کہ جنات نے آپ سے درخواست کی کہ آپ ان کو تعلیم دیں، چنانچہ آپ رات کے وقت جنت المعلیٰ کے قریب ربع الحجون میں تشریف لے گئے۔ جہاں ہزاروں کی تعداد میں جنات جمع تھے، آپ نے ان کو ساری رات تلقین کی۔ اب اس مقام پر مسجد جن کے نام سے خوبصورت مسجد بنی ہوئی ہے۔

ایک دوسرے موقع پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضور علیہ السلام کے ہمراہ تھے رات کے وقت آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو زمین پہ ایک دائرہ کھینچ کر اس کے اندر بٹھا دیا اور آپ خود جنات کو تبلیغ کرنے کے لیے تشریف لے گئے، صبح کے وقت جب حضور علیہ السلام واپس آئے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا، کیا تمہیں کچھ نظر آیا ہے؟ عرض کیا، ہاں! مجھے سانولی رنگت اور سفید لباس میں ملبوس کچھ لوگ نظر آئے جیسے عراق میں جاٹ لوگ ہوتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ یہاں سندھ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ عرض کیا کہ لوگ اِدھر اُدھر پھرتے رہے مگر اس دائرے کے اندر کوئی نہیں آیا۔ یہ جنات تھے۔ بہر حال حضور علیہ السلام نے چھ مرتبہ جنات کو تلقین فرمائی ہے۔ آپ نے ان کو اسلام کی باقاعدہ دعوت دی اس کی بعض تفصیلات سورۃ جن میں موجود ہیں۔

ارض و سما کی تخلیق

بنیادی عقائد میں سے مشرکین وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کا بھی انکار کرتے تھے لہٰذا اس سورۃ کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ نے اب اسی مسئلہ کا ذکر فرمایا ہے اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کیا ان لوگوں نے (نہیں دیکھا کہ) اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وَلَمْ یَعْیَ (ان کو پیدا) کرنے کی وجہ سے تھکا نہیں۔ قرآن پاک میں اس بات

کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کوئی بڑے سے بڑا کام کر کے بھی تھکاوٹ محسوس نہیں کرتی۔ سورۃ قٓ میں بھی مضمون اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان کی تمام اشیاء کو چھ دن میں پیدا کیا وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ (آیت - ۳۸) اور ہم کو ذرا بھی تھکاوٹ نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ تو ان تمام چیزوں کو ایک لمحہ میں بھی پیدا کرنے پر قادر ہے۔ مگر اس نے انسانوں کی تعلیم کے لیے چھ دن کے وقفہ میں یہ کام کیا۔

ارض و سماء کی تخلیق کا ذکر تورات میں بھی موجود ہے۔ مگر وہاں پر یہودیوں نے کچھ تحریف بھی کر دی ہے۔ چنانچہ جہاں چھ دن میں تخلیق کی بات ہے وہاں انہوں نے یہ اضافہ کر دیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ساتویں دن آرام کیا، گویا اللہ تعالیٰ چھ دن کام کر کے تھک گیا تھا (العیاذ باللہ) تو ساتویں دن آرام (REST) کیا۔ وہ ہفتہ میں ساتویں دن چھٹی کا جواز اسی بات سے نکالتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے متعلق تھکاوٹ کا نظریہ قائم کرنا کفریہ بات ہے اور قرآن نے اس کا بار بار رد کیا ہے۔

معاد اور جزائے عمل

فرمایا جس خدا تعالیٰ نے ارض و سما کو تخلیق کیا بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ یُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى کیا وہ اس کام پر قادر نہیں ہے کہ مُردوں کو زندہ کر دے؟ یہ لوگ اپنے سامنے انسانوں کو روزمرہ پیدا ہوتے دیکھتے ہیں، جانور، کیڑے مکوڑے، درخت پھل، پھول، اناج اور سبزیاں بار بار پیدا ہوتی ہیں تو جو اللہ تعالیٰ ان اشیاء کو بکثرت پیدا کر سکتا ہے وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر کیوں قدرت نہیں رکھتا؟ اللہ نے خود ہی جواب میں فرمایا بَلٰى کیوں نہیں؟ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ بلاشبہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے، لہٰذا وہ وقوعِ قیامت اور جزائے عمل پر بھی یقیناً قدرت رکھتا ہے، اور وہ اپنے مقررہ وقت پر ایسا ضرور کرے گا۔

آگے اللہ نے جزائے عمل اور مابعد کی کیفیت کے متعلق فرمایا وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ اور جس دن کفر کرنے والوں کو آگ پر پیش

کیا جائے گا۔ یعنی جب نافرمان، کافر اور مشرک اپنے عقائد و اعمال کی بدولت دوزخ کا سامنا کریں گے تو ان سے پوچھا جائے گا۔ اَلَیْسَ ھٰذَا بِالْحَقِّ کیا یہ حق نہیں ہے؟ تم دنیا میں کفر و شرک کا ارتکاب کرتے تھے مگر وقوع قیامت اور دوزخ جنت کا انکار کرتے تھے۔ اب دوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو، کیا اب بھی اس کو برحق مانتے ہو یا نہیں؟ قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا اس وقت اقرار کریں گے کہ ہمارے پروردگار کی قسم یہ تو بالکل سچ ہے۔ یعنی دوزخ کا وجود اور اس کا عذاب بالکل برحق ہے۔ پھر ادھر سے حکم ہوگا۔ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ پس اس کا عذاب چکھو اس کے بدلے میں جو تم کفر کیا کرتے تھے اپنے انکار اور تکذیب کے نتیجہ میں جہنم کا دائمی عذاب بھگتو۔

صبر کی تلقین

آگے اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ السلام کو تسلی دی ہے فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ پس آپ کفار و مشرکین کی ایذا رسانیوں اور تکذیب پر صبر کریں جیسا کہ باہمت رسولوں نے صبر کیا۔ اللہ کے سارے رسول ہی باہمت اور صابر ہوئے ہیں مگر ان میں بعض کو بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، انہوں نے بہت زیادہ تکالیف اٹھائیں اور اسی لحاظ سے برداشت بھی زیادہ کیا۔ یہ پانچ اولوالعزم رسول ہیں جن کا ذکر سورۃ احزاب میں یکجا کیا گیا ہے اور یہ ہیں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، فرمایا، اے نبی آخر الزمان یہ لوگ بلاشبہ آپ کو سخت تکالیف پہنچا رہے ہیں اور آپ کے مشن کی ناکامی کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائے بیٹھے ہیں، مگر آپ کے لیے حکم یہی ہے۔ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ آپ ان کو سزا دلوانے میں جلدی نہ کریں۔ یہ لوگ اپنے مقررہ وقت پر ضرور پکڑے جائیں گے اور اپنے منطقی انجام کو پہنچیں گے۔

دنیا کی مختصر زندگی

آگے اللہ نے ان سزا یافتہ کفار و مشرکین کی ایک اور حالت کو بیان فرمایا ہے كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ جس دن یہ دیکھیں گے اس

چیز کو جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی جب عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو اُس وقت خیال کریں گے لَمْ يَلْبَثُوٓا إِلَّا سَاعَةً مِّن نَّهَارٍ گویا کہ وہ دنیا میں دن کی ایک گھڑی بھر ٹھہرے۔ آج تو لوگ اس دنیا میں سو پچاس سال تک زندگی گذارتے ہیں مگر کافروں، مشرکوں، مغروروں اور نافرمانوں کو اُس دن ایسا محسوس ہو گا کہ اُن کی پوری زندگی ایک دن کی ایک ساعت سے زیادہ نہیں تھی۔ سورۃ النّٰزعٰت میں کہا گیا ہے کہ جب مجرم لوگ اپنے انجام کو دیکھیں گے تو کہیں گے لَمْ يَلْبَثُوٓا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحٰهَا (آیت ۔ ۴۶) کہ ہم تو دنیا میں دو پہر یا پچھلے پہر کی مقدار ٹھہرے۔ فرمایا بَلٰغٌ یہ پہنچا دینا ہے یعنی حقیقتِ حال کو واضح کر دینا ہے۔ انسانوں کو اُن کے انجام سے خبردار کر دینا ہے تاکہ کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے اور کل کو کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ اُسے نیک و بد کے انجام سے آگاہ نہیں کیا گیا تھا۔ سورۃ ابراہیم میں بھی فرمایا هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنذَرُوا بِهِ (آیت ۔ ۵۲) قرآن پاک اور خصوصاً اس سورۃ کے مضامین لوگوں کے لیے ایک واضح پیغام ہے تاکہ اِن کو ان کے بُرے انجام سے ڈرایا جائے۔ اس میں دین کے تمام بنیادی عقائد کا ذکر آ گیا ہے اللہ نے ہر چیز واضح کر دی ہے تاکہ بعد میں کسی کو اعتراض کی گنجائش نہ رہے۔

نافرمانوں کی ہلاکت

واضح پیغام پہنچا دینے کے بعد اللہ نے خبردار کر دیا ہے کہ جب حجت تمام ہو گئی فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُونَ تو نہیں ہلاک کیے جائیں گے مگر نافرمان لوگ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ کسی قوم کے لیے نبی کی بعثت اُن کے لیے آخری مرحلہ ہوتا ہے۔ جب نبی کی زبان سے ہر چیز کی وضاحت کر دی جاتی ہے۔ تو پھر نافرمان قوم کی سزا کا وقت آتا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا (آیت ۔ ۱۵) ہم اس وقت تک کسی قوم کو سزا نہیں دیتے۔ جب تک اُن میں رسول بھیج کر اتمام حجت نہیں کر دیتے۔ جب ہر چیز کو واضح کر دیا جائے

تو پھر اللہ کا ارشاد ہوتا ہے لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (الانفال۔۴۲) اب جو ہلاک ہونا چاہتا ہے وہ کھلی دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جو زندہ رہنا چاہتا ہے وہ بھی کھلی دلیل کے ساتھ زندہ رہے اللہ نے تمام ایمانیات توحید، رسالت، معاد اور قرآن کی حقانیت کو واضح کر دیا ہے جو اب بھی ایمان نہیں لائے گا۔ وہ لازماً ہلاکت کے گڑھے میں گرے گا۔

حدیث کی مشہور ترین کتاب مسند امام احمد بن حنبلؒ کی تشریح

دروس الحدیث

افادات

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ

مرتب

الحاج لعل دین ' ایم اے

مسند احمد کی منتخب احادیث کی مایہ ناز شرح اردو زبان میں پہلی مرتبہ چار جلدوں میں شائع ہو کر منظر عام پر آئی ہے ان میں ہر موضوع پر احادیث رسول ﷺ کو سمجھنے کے لیے گراں قدر علمی ذخیرہ ہے ' خصوصاً" درس دینے والے اصحاب کے لیے تو یہ ایک نعمت غیر مترقبہ ہے احادیث کے ضمن میں مسائل و احکام کی توضیح عام فہم اور سلیس اردو زبان میں ہونے کی وجہ سے معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی اس سے مکمل فائدہ حاصل کر سکتا ہے ۔ کتابت و طباعت اور معیاری جلد بندی کے ساتھ ۔ جلد اول صفحات ۳۳۲ قیمت ۷۵ روپے ' جلد دوم صفحات ۴۰۸ قیمت ۹۰ روپے ' جلد سوم صفحات ۳۹۲ قیمت ۹۰ روپے ' جلد چہارم صفحات ۳۹۲ قیمت ۹۰ روپے ۔

ناشر: مکتبہ دروس القرآن ' فاروق گنج گوجرانوالہ

خطبات شیخ الاسلام

از: شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب و مقدمہ: حضرۃ مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی بانی مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے یہ خطبات بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اپنے موضوعِ احوال و سیاست کے اعتبار سے اور علماء حق کی فیصلہ کن جدّ و جہد کے اعتبار سے بھی ان خطبات کی بڑی اہمیت ہے افسوس کہ ابتک یہ یکجا نہیں تھے جمعیۃ علماء ہند کی کارگزاریوں کے مدنظر بعض محترم ہستیوں نے ان میں سے بعض خطبات کو اکٹھا کیا ہے لیکن تمام خطبات اس طرح اکٹھے نہیں ہوئے جس طرح ہونے چاہئیں تھے۔ احقر کی بڑی خواہش تھی کہ جس طرح دوسرے اکابر کے خطبات یکجا مل جاتے ہیں حضرت مدنیؒ کے یہ اہم ترین خطبات بھی اگر ایک جگہ جمع ہوتے تو اچھا تھا۔ ان سے بھی عام لوگ استفادہ کرتے ایک دفعہ احقر نے شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا اسعد مدنی مدظلہ کے سامنے ذکر کیا تھا کہ اگر آپ یہ کام کرادیں تو اچھا ہوگا لیکن شاید کہ صاحبزادہ صاحب مدظلہ کی توجہ اس طرف مبذول نہ ہوسکی۔ بالآخر بعض احباب کے اصرار پر احقر کو ہی یہ کام کرنا پڑا۔ بعض احباب نے حضرت مدنیؒ کے جتنے خطبات دستیاب ہوسکے لاکر دیئے اور کچھ خطبات احقر کے پاس بھی تھے وہ کتابت کے لیے دے دیئے۔ سردست یہ گیارہ خطبات میسر ہوسکے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے: (۱) خطبہ سیوہارہ، (۲) خطبہ رنگپور بنگال، (۳) خطبہ دہلی، (۴) کوکناڈا، (۵) علی گڑھ، (۶) جونپور، (۷) لاہور، (۸) سہارنپور، (۹) بمبئی (۱۰) حیدر آباد دکن، (۱۱) سورت۔ (ماخوذ مقدمہ خطبات)

سائز ۱۸×۲۳/۸، ضخامت ۵۰۰ صفحات، کاغذ اعلیٰ، جلد مضبوط، قیمت ۸۰/ روپے

ناشر: ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

ملنے کا پتہ: ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

معالم العرفان فی دروس القرآن

افادات

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب

ریکارڈنگ

بلال احمد ناگی صاحب

مرتب

الحاج لعل دین صاحب (ایم۔اے علوم اسلامیہ)

زیر انتظام

انجمن محبان اشاعت قرآن

صدر انجمن

شیخ محمد یعقوب عاجز

جنرل سیکرٹری

بابو غلام حیدر صاحب

خزانچی

محمود انور بٹ ایڈووکیٹ

ناظم مکتبہ (مکتبہ دروس القرآن)

محمد منیر صاحب Ph:221943

مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ